فتاوی رضویہ مترجم

مصنف امام احمد رضا قادری بریلوی

رضا اکیڈمی ممبئی

فتاوی رضویہ مترجم



رضا اکیڈمی ممبئی ۳

Printed by: RAZA OFFSET, Bombay-3, INDIA • Tel: 371 23 13

مَن یُرِدِ اللہُ بِہٖ خَیرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّینِ (الحدیث)

العطایا النبویۃ

فی

الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد دوم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

مصنفہ

مجددِ دین و ملت

اعلیحضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بفیض

تاجدار اہلِ سنت شہزادۂ اعلیحضرت

حضور مفتی اعظم علامہ الحاج الشاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ناشر

رضا اکیڈمی بمبئی

۲۶- کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی ۳

فون نمبر: ۳۷۳۷۶۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ اشاعت نمبر ۸۶

کتاب ـــــ فتاویٰ رضویہ جلد دوم

تصنیف ـــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ـــــ مفتی سید شجاعت علی قادری، دار العلوم نعیمیہ، کراچی

پیش لفظ ـــــ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ۔ لاہور

تخریج و تصحیح ـــــ (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد عمر ہزاروی

نظر ثانی ـــــ صاحبزادہ قاضی عبد الدائم دائم ہری پور ہزارہ

باہتمام و سرپرستی ـــــ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ

ترتیب فہرست ـــــ حافظ عبد الستار سعیدی

کتابت ـــــ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پروف ریڈنگ ـــــ مولانا سردار احمد حسن سعیدی

اشاعت دوم ـــــ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ / جون ۱۹۹۶ء

مطبع ـــــ رضا آفسیٹ بمبئی

صفحات ـــــ ۷۱۰
ـــــ ۷۱۲

ناشر بار اول ـــــ رضا فاؤنڈیشن لاہور

〃 بار دوم ـــــ رضا اکیڈمی بمبئی

سول ایجنٹ

Phone : 3266053, 3267199

فاروقیہ بک ڈپو ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

ملنے کا پتہ

نیو سلور بک ایجنسی ۱۴۲۔ محمد علی بلڈنگ، محمد علی روڈ بمبئی ۳

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

○

اِبتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ أجمعین ۔ اما بعد۔

چودھویں صدی کے مجدد اعظم، امام اہلِ سُنت، اعلیٰ حضرت سیدنا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی وعلمی شخصیت اپنے فضل وکمال کے آئینہ میں روز بروز اس طرح نکھرتی جارہی ہے کہ اہلِ دانش وبینش دیدۂ حیراں بن کر اس کے جلوؤں میں گم ہیں - اور

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

فتاویٰ عالمگیری! ایک حکومت کی مالی سرپرستی میں خدمت انجام دینے والے سو سے زائد علماء وفقہاء کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن "فتاویٰ رضویہ" محض ایک عالم وفقیہ کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، جسے آج سارا عالمِ اسلام خراجِ تحسین وعقیدت پیش کررہا ہے۔

فتاویٰ رضویہ! بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے جو پہلے بریلی شریف ومبارکپور وغیرہ سے مختلف اوقات میں شائع ہوئیں اور دو سال پہلے رضا اکیڈمی بمبئی نے سبھی جلدیں ایک سائز میں ایک ساتھ شائع کرنے کا گرانقدر کارنامہ انجام دیا۔

حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی جامعہ نظامیہ لاہور کی سرپرستی میں رضا فاؤنڈیشن لاہور نے ایک عظیم خدمت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں مندرج عربی وفارسی عبارات کے ترجمہ، مراجع ومآخذ کی تخریج اور تحشیہ کے ساتھ اس کی اعلیٰ کتابت کرائی جارہی ہے۔ اور متوسط سائز پر اس کی جلدیں یکے بعد دیگرے منظرِ عام پر لائی جارہی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ مترجم کی یہ نو مطبوعہ جلدیں فتاویٰ رضویہ اوّل، دوم، سوم پر مشتمل ہیں۔

رضا اکیڈمی بمبئی کو اب تک اس کی نو مطبوعہ جلدیں دستیاب ہوچکی ہیں۔ اور وہ انھیں ہندوستان میں پہلی بار شائع کرکے اہلِ علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہی ہے۔ فاروقیہ بکڈپو، مٹیا محل، دہلی ۶ کے اشتراکِ عمل سے یہ فقہی شہکار منظرِ عام پر لاتے ہوئے رضا اکیڈمی بمبئی مسرت وبہجت کے جذبات سے سرشار ہے۔

دُعا ہے کہ رب کائنات ہماری یہ خدمت قبول فرمائے اور اسی تسلسل کے ساتھ ہمیں خدمتِ مزید کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

اسیر مفتیٔ اعظم
محمد سعید نوری

۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ مطابق ۸ رجون ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس بات پر تمام اربابِ علم وفقاہت کا اتفاق ہے کہ متاخرین میں اعلیٰحضرت عظیم المرتبت، سیاحِ بادیۂ شریعت، سباحِ بحرِ معرفت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی جیسا ماہر فقیہ، مجتہد اور متکلم پورے عالمِ اسلام میں دکھائی نہیں دیتا جبکہ کثرتِ تصنیفات کے اعتبار سے تو متقدمین میں بھی شاید آپ کی نظیر نہ مل سکے۔ آپ کے دَور اور مابعد کے علماءِ عرب وعجم نے آپ کے تبحرِ علمی اور تعمقِ نظری کا تہِ دل سے اعتراف کیا اور آپ کی تجدیدی، فقہی وکلامی اور تصنیفی وتحقیقی صلاحیتوں کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کو ابوحنیفہ ثانی، شامی وغیرہ فقہاء کا استاد، چودھویں صدی کا مجدد اور ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "مَن یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" کا مظہر قرار دیا۔ یُوں تو آپ کی پچاس سے زائد علوم و فنون میں تقریباً گیارہ سو تصانیف موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک تصنیف تحقیق اور دلائل سے بھرپور ہے۔ مگر "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" المعروف "فتاوٰی رضویہ" آپ کے علمی تبحر اور تفقہ کا خصوصی شاہکار ہے جو لاکھوں مسائل وجزئیاتِ فقہیہ کا عظیم الشان خزانہ و ذخیرہ ہے جن میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن کا کسی دوسری کتاب میں یا تو سرے سے وجود ہی نہیں یا پھر اس مضبوط ومربوط انداز سے کہیں اور بیان نہیں ہُوئے، ہزارہا صفحات پر مشتمل فتاوٰی رضویہ کے عمدہ ومنفرد اسلوبِ بیان اور دلائل وبراہین کے تلاطم وتموّج کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمہ خوبی وکمال کے باوجود یہ عظیم الشان فقہی شاہکار اب تک محض اس لیے متداول ومعروف نہ ہوسکا کہ اس کی سابقہ تمام اشاعتیں کتابت اور طباعت کے قدیم انداز پر تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ سیکڑوں صفحات عربی وفارسی زبان پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عوام تو درکنار خواص وعلماء بھی مشکل ہی سے استفادہ کر پاتے تھے لہذا بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی ادارہ اس کو ایسے انداز میں پیش کرے کہ

اس کی افادیت سے عوام وخواص سب ہی بہرہ ور ہوسکیں۔ چنانچہ مخدوم اہلسنت رئیس العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ وعمت فیوضہم الکاملہ نے اس جلیل القدر کام کا بیڑا اٹھایا اور "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے ایک ادارہ قائم فرما کر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وعنایت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کارِ خیر کا آغاز فرمایا۔ آپ کی اور آپ کے رفقاءِ کار کی شبانہ روز کی محنت وکاوش بالآخر رنگ لائی اور فتاوٰی رضویہ کی جلد اول نئے انداز، معیاری طباعت اور دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق حُسنِ صوری ومعنوی سے مزیّن وآراستہ ہوکر منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی، جس میں عبارات کی پیرابندی، حوالہ جات کی مقدور بھر تخریج بقیدِ جلد وصفحہ اور عربی وفارسی عبارات کے اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ ماخذ ومراجع کی فہرست بھی دے دی گئی۔ جلد اوّل کے شائع ہوتے ہی جس برق رفتاری کے ساتھ لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا یہ ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ گیارہ سو نسخے دیکھتے ہی دیکھتے علمی ذوق رکھنے والوں کے ہاتھوں میں جا پہنچے۔ اس سے جہاں اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا احساس ہوتا ہے وہاں عوام وخواص کی تشنگی کا بھی پتا چلتا ہے، چنانچہ فوری طور پر جلد اول کا دوسرا ایڈیشن بھی منظرِ عام پر لایا جاچکا ہے

فتاوٰی رضویہ جلد دوم

بحمد اللہ تعالیٰ فتاوٰی رضویہ کی جلد دوم نہایت عمدہ معیار وانداز اور دیدہ زیب طباعت سے محلّٰی ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا اور دل کو باغ باغ کر رہی ہے۔ یہ جلد پرانی جلد اول کے صفحہ ۲۳۴، باب المیاہ سے صفحہ ۴۸۴ رسالہ ضمنیہ "الدقة والتبیان" تک ہے جس میں رسالہ جلیلہ "اجلی الاعلام" جو پرانی جلد کے صفحہ ۲۸۱ سے صفحہ ۷۰، ۳ تک تھا جلد اول کے شروع میں لگا دیا گیا۔ پیشِ نظر جلد ۳۳ سوالوں کے جوابات، اقول کے عنوان سے ۹۳۴ فوائد نفیسہ اور ۵۰۲ تطفلات ومعروضات پر مشتمل ہے۔

اس جلد میں مندرجہ ذیل سات رسائل ہیں:

(۱) اَلطِّرْسُ الْمُعَدَّلُ فِیْ حَدِّ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ — مستعمل پانی کی تعریف وتحقیق

(۲) اَلنَّمِیْقَةُ الْاَنْقٰی فِیْ فَرْقِ الْمُلَاقِیْ وَالْمُلْقٰی۔ — مائِ قلیل میں بے وضو یا جنبی کے ہاتھ ڈالنے کا حکم۔

(۳) اَلْھَنِیُّ النَّمِیْرُ فِی الْمَاءِ الْمُسْتَدِیْرِ۔ — مستدیر پانی کی مساحت دہ در دہ کا بیان۔

(۴) رَحْبُ السَّاحَةِ فِیْ مِیَاہٍ لَایَسْتَوِیْ وَجْھُھَا وَجَوْفُھَا فِی الْمَسَاحَةِ۔ — ان پانیوں کا بیان جن کی مساحت اوپر سے کم اور نیچے سے دہ در دہ ہے یا اس کے برعکس۔

(۵) هِبَةُ الْحَبِيْرِ فِیْ عُمْقِ مَاءٍ كَثِيْرٍ۔ آب کثیر کی گہرائی کا بیان۔

(۶) اَلنُّوْرُ وَالنَّوْرَقُ لِاِسْفَارِ الْمَاءِ الْمُطْلَقِ۔ مطلق پانی کی تحقیق۔

(۷) عَطَاءُ النَّبِیِّ لِاِفَاضَةِ اَحْكَامِ مَاءِ الصَّبِیِّ۔ بچّے کے حاصل کئے ہُوئے پانی کا بیان۔

یہاں پر حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی محمد عبدالدائم صاحب زید مجدہٗ مدیر اعلیٰ "جام عرفان" سجادہ نشین آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور ہزارہ کی مساعیٔ جمیلہ کو خراجِ تحسین پیش کرنا نہایت ضروری ہے جنہوں نے اس جلد کی نظرِ ثانی، تصحیح، بعض مقامات پر ترجمہ کی اصلاح اور عبارات وجُمل کی ترتیب و تزئین میں انتہائی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ کا مظاہرہ فرمایا اور خلوص وللّٰہیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی خداداد ادبی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہُوئے اس کے حُسن وزیبائش میں نکھار پیدا کیا۔ اس پر رضا فاؤنڈیشن کے اراکین تہِ دل سے ان کے شکر گزار رہیں۔

اہلِ علم حضرات سے مخلصانہ اپیل ہے کہ ترجمہ وکتابت کی جو اغلاط ان کی نظر میں آئیں اُن سے مطلع فرمائیں نیز اس عظیم ووقیع منصوبے کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی قیمتی تجاویز سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کا سایہ اہلسنت کے سروں پر قائم ودائم رکھے اور جس عظیم منصوبے کا آپ نے آغاز فرمایا ہے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے غیب سے وسائل واسباب مہیا فرمائے، آمین بجاہ حبیب اللہ العٰلمین۔

○ حافظ عبدالستار سعیدی

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

فہرست جلد دوم

ابواب و مسائل

❊

فہرست ضمنی مسائل

مسائل وضو

تحقیق المصنف فی مسألة

نواقضِ وضو

مسائلِ غسل

کنویں کے مسائل

مسائلِ تیمّم

مسح خفین

مسح موزہ سے پاؤں دھونا افضل ہے مگر جہاں مسح نہ کرنے پر بدگمانی ہوتی ہو تو مسح افضل ہے ۳۱۱

شبنم سے تر گھاس میں چلنے سے موزہ کا مسح ہو جائیگا۔ ۴۶۰

حیض

حیض و نفاس والی کو مستحب ہے کہ نمازوں کے وقت وضو کر کے کچھ دیر ذکرِ الٰہی کرے۔ ۴۲

انجاس

جمے ہوئے گھی میں چوہا مرگیا۔ ۱۶۱

تحقیق المصنّف فی سبب تنجس الطاهر بالنجس۔ ۱۶۲

ناپاک کپڑے میں پاک کپڑا لپیٹا گیا یا پاک میں ناپاک تو کیا حکم ہے۔ ۱۶۳

تحقیق المصنّف ان تنجس الماء دفعی لا تدریجی وان ملاقاة شئ لبعضه ملاقاة لکله۔ ۱۶۴

ناپاک پانی میں بجھایا ہوا چونا نجاست غیر مرئیہ ہے۔ ۲۸۲

بڑی مونچھوں والا شرابی جس برتن میں پانی پئے ناپاک ہوجائے گا۔ ۳۱۶

ہر بہتی چیز اپنی جنس طاہر یا پاک پانی کے ساتھ مل کر بہنے سے پاک ہوجائے گی۔ ۳۵۲

اُبالنے میں طول وعرض کچھ شرط نہیں۔ ۳۵۲

اس بہنے کی تین شرطیں ہیں۔ ۳۵۳

جب تک اُبلے گا نہیں یہ پاک بھی ناپاک ہوجائیگا جب اُبلے گا سب پاک ہوجائیگا۔ ۳۵۳

اُبلنے میں کچھ دُور بہہ کر جانا شرط نہیں۔ ۳۵۶

جب تک اُبل رہا ہے کسی اور نجاست سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔ ۳۵۶

اُبلنے سے جو کچھ باہر نکل کر گرا وہ بھی پاک ہے۔ ۳۵۷

ڈول یا برتن اندر سے ناپاک ہے تو ابالنے سے پاک ہوجائیگا اور اُوپر کی سطح یا تلا ناپاک ہے تو اُس کے احکام۔ ۳۶۰

اُبالنے میں جس طرف سے داخل ہوا اُسی طرف لوٹ آیا تو کافی نہ ہوگا۔ ۳۶۱

اُبالنے میں برتن کا ہموار رکھنا بھی شرط نہیں مگر جھکا ہوا ہو تو یہ ضرور ہے کہ اونچی جانب سے پانی ڈالیں۔ ۳۶۳

اناج کے ڈھیر میں ناپاکی ہوگئی اور جگہ معلوم نہ رہی اور اناج بٹ گیا یا کسی کو اُس میں سے کچھ ہبہ یا صدقہ کردیا ہر ایک کو اُس کا استعمال جائز ہوگیا۔ ۵۳۷

کپڑا ناپاک ہوگیا اور جگہ یاد نہ رہی تو کیا حکم ہے۔ ۵۳۸

جانوروں کے بدن کو جو نجاست لگتی ہے سوکھ کر صاف ہوکر پاک ہوجاتی ہے۔ ۵۶۴

جانور کا منہ ناپاک ہوگیا اُس نے چار برتنوں میں منہ ڈالا تین پہلے ناپاک ہوگئے چوتھا پاک رہا۔ ۵۶۵

گوشت کا خون پاک ہے اور جانور حلال ہو تو حلال بھی۔ ۵۶۵

استنجا

پانی میں پیشاب کرنا مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ دریا میں ہو۔ ۱۵۸

استنجے کے لیے پانی شرط نہیں ہر پاک چیز کہ نجاست کا ازالہ کردے کافی ہے۔ ۲۷۳

ڈھیلے سے استنجا پوری طہارت ہے جبکہ نجاست روپے بھر سے زیادہ نہ پھیلی ہو۔ ۴۵۳

مسائل نماز

ناپاک زمین پر جوتا پہنے کھڑا ہوا نماز نہ ہوگی اور جوتوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا ہوجائیگی ۹۶

بوہرے کے پیچھے عاقل بالغ کی نماز نہیں ہوسکتی۔ ۵۲۹

احکامِ مسجد

وضو یا غسل کا پانی مسجد میں ڈالنا چھڑکنا حرام ہے اور گلاب سے وضو کیا تو وضو نہ ہوا اور وہ گلاب مسجد میں چھڑک سکتے ہیں۔ ۴۷

جب تک بدن یا کپڑے میں بدبو ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شرکت منع۔ ۳۲۰

جنائز

ہر نیکی سے گناہ دُھلتے ہیں مگر ان کی نجاست صرف اس چیز کی طرف منتقل ہوتی ہے جسے شرع نے بالخصوص اُس قربت کی اقامت کو معین فرمایا ہو، نیاز اولیاء کا کھانا متبرک ہے صدقہ کے سبب اس میں خباثت ماننا وہابیہ کی خباثت ہے۔ ۶۲

مُردہ ڈوب کر اُتر آیا اُس کا غُسل ہوگیا مگر زندوں پر جو غسل دینا فرض ہے ادا نہ ہوا۔ لہٰذا لازم کہ نہلانے کی نیت سے اُسے پانی میں جنبش دے لیں۔ ۱۱۴

مُردے کو بے نیت غسل دیا فرض اُتر گیا ثواب نہ ملے گا۔ ۱۱۰

میت کے سر و ریش کو خطمی سے دھوئیں ورنہ پاک صابون سے۔ ۵۷۰

مسائل روزہ

روزہ میں اپنی عورت کا بوسہ لینا جوان کو مکروہ ہے بُوڑھے کو نہیں۔ ۶۹۲ (حاشیہ)

مسائل حج

کنکریاں کہ جمروں پر ماری جاتی ہیں گناہ دھو کر نجس ہو جاتی ہیں اُنھیں دوبارہ کام میں نہ لائے اور ضرورت ہو تو تین بار دھولے بلکہ کنکریوں کا دھولینا ہر طرح چاہیے۔ ۵۵

مسائل نکاح

خانگی کاروبار اپنی زوجہ سے لینا جائز ہے۔ ۵۳۶

جب دُلھن بیاہ کر لائیں مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے۔ ۵۹۵

مسائل قسم

نماز کی قسم جنازہ کی نماز سے پوری نہ ہوگی گھن کی نماز سے ہوجائیگی۔ ۶۸۱

گوشت کھانے کی قسم مچھلی کھانے سے ٹوٹیگی۔ ۶۸۶

مسائل سیر

جو لوگ کلمۂ اسلام پڑھتے اور پھر ضروریاتِ دین سے کسی شے کا انکار کرتے ہیں ان کا حکم مثل حربی ہے کہ وہ مرتد ہیں۔ ۴۹۳

حربی کافروں کے قلعہ میں کوئی غیر معروف ذمی بھی ہے تو اُن کا قتل حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اُن میں سے بعض نکل جائیں یا نکال دیے جائیں یا خلافِ حکم قتل کر دیے جائیں تو اب باقی کا قتل جائز ہو جائے گا۔ ۵۳۸

مسائل شرکت

ترکہ میں سب بھائیوں نے مل کر کام کیا تو کیا حکم ہے۔ ۵۱۲

باپ بیٹا یا زوج و زوجہ مل کر جو کام کریں منافع فقط باپ اور شوہر کے ہیں۔ ۵۱۲

مباح چیز اگر باپ بیٹے نے مل کر حاصل کی تو جتنی بیٹے نے حاصل کی وہی مالک ہے۔ ۵۱۲

اگر کسی مباح چیز کے حاصل کرنے میں دونے کوشش کی تو وہ ان میں کس کی ہوگی۔ ۵۱۳

مباح لکڑی کا مالک کاٹنے والا ہوگا نہ اُس کا جمع کرنے والا یا اٹھانے والا۔ ۵۱۴

سفر یا حضر میں دو رفیق اپنا مال ملالیں اور مل کر کھائیں تو اس میں حرج نہیں اگرچہ ایک زیادہ کھائیگا دوسرا کم ۵۱۹

مسائل وقف

وقف کا پانی جس لیے وقف کیا اس کے غیر میں صرف کرنا حرام یہاں تک کہ خود واقف کو۔ ۴۸۳

تحقیق شریف للمصنف ان الماء

مسائل وکالت

مسائل ہبہ

مسائل اجارہ

مسائل حجر

مسائل غصب

مسائل قسمت

مسائل شکار و ذبیحہ و قربانی

مسائل حظر و اباحت

مسائل احیائے موات

رسم المفتی

مسائل کلامیه

فوائد حدیثیه

اسماء الرجال

فضائل و مناقب

فوائد اصولیہ

ہندسہ وریاضی

متفرقات

مجمل فہرست مضامین رسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المیاہ

(پانیوں کا بیان)

مسئلہ ۲۳ — ۲۷ صفر ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بقیہ آبِ وضو سے کہ برتن میں رہ جائے وضو جائز ہے یا نہیں اور اگر پہلا وضو کرنے میں کچھ پانی ہاتھ سے اُس میں گر پڑا تو کیا حکم ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بقیہ آبِ وضو کہ برتن میں رہ جاتا ہے ماءِ مستعمل نہیں بلکہ وہ پانی ہے جو استعمال سے بچ رہا اُس سے وضو میں کوئی حرج نہیں اور ماءِ مستعمل اگر غیر مستعمل میں مل جائے تو مذہب صحیح میں اُس سے وضو جائز ہے جب تک ماءِ مستعمل غیر مستعمل سے زاید نہ ہوجائے اگرچہ مستعمل پانی دھار بندھ کر گرا ہو، اور بعض نے کہا اس صورت میں بھی مستعمل فاسد کردے گا اور وضو جائز نہ ہوگا اگرچہ غیر مستعمل زائد ہو مگر ترجیح مذہبِ اول کو ہے۔

فی فتاوی الخلاصۃ جنب اغتسل فانتضح من غسلہ شیئ فی انائہ لم یفسد علیہ الماء اما اذا کان یسیل منہ سیلانا افسدہ وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی قول محمد لایفسدہ مالم یغلب علیہ یعنی لایخرجہ من الطھوریۃ[1] وفی الدر المختار یرفع الحدث بماء مطلق لابماء مغلوب بمستعمل بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر بالکل والا لا علی ما حققہ فی البحر والنھر والمنح اھ[2] ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

فتاوٰی خلاصہ میں ہے اگر جُنبی شخص کے جسم سے بوقتِ غسل کچھ چھینٹے برتن میں گر گئے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، ہاں اگر باقاعدہ بہ کر پانی گرا تو ناپاک ہوگا اور حمام کے حوض کا بھی یہی حکم ہے اور امام محمد کا قول ہے کہ صرف اُسی وقت ناپاک ہوگا جب وہ پاک پانی پر غالب ہوجائے اور دُرِّ مختار میں ہے کہ مطلق پانی سے حدث کو زائل کرے نہ کہ اُس پانی سے جس پر مستعمل پانی غالب ہو اگر مطلق پانی آدھے سے زائد ہو تو کل سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، بحر، نہر اور منح میں یہی تحقیق ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ ۱/۸

[2] الدر المختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

مسئلہ ۲۴ ازغازی آباد ضلع میرٹھ محلہ باغ ۔مرسلہ حامد حسن صاحب ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

استنجا[1] یعنی پیشاب پاخانے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں اور وضو کی حرمت میں اس وجہ سے کچھ فرق تو نہیں آ آیا گیا ؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے اور اس میں حرمتِ وضو کا کچھ خلاف نہیں کہ یہ پانی استعمال میں نہ آیا کما لایخفی واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۲۵ ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پانی بارش کا جو خاص شہر میں برستا ہے اور نالی وغیرہ دھو کر باہر چلا جاتا ہے پاک ہے یا نہیں، اُس سے وضو درست ہے یا نہیں، اُس پانی کو جاری کہیں گے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

جس[2] وقت بارش ہورہی ہے اور وُہ پانی بہ رہا ہے ضرور مائے جاری ہے اور وُہ ہرگز ناپاک نہیں ہو سکتا جب تک نجاست کی کوئی صفت مثلاً بُو یا رنگ اُس میں ظاہر نہ ہو صرف نجاستوں پر اس کا گزرتا ہُوا جانا اُس کی نجاست کا موجب نہیں فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا (جاری پانی کا ایک حصّہ دوسرے کو پاک کردیتا ہے۔ ت)

رہا اُس سے وضو، اگر کسی نجاست مرئیہ کے اجزاء اُس میں ایسے بہتے جارہے ہیں کہ جو حصہ پانی کا اُس سے لیا جائے ایک آدھ ذرہ اس میں بھی آئے گا جب تو یقیناً حرام و ناجائز ہے وضو نہ ہوگا اور بدن ناپاک ہوجائے گا کہ حکم طہارت بوجہ جریان تھا جب پانی برتن یا چُلّو میں لیا جریان منقطع ہوا اور نجاست کا ذرّہ موجود ہے اب پانی نجس ہوگیا اور اگر ایسا نہیں جب بھی بلاضرورت اُس سے احتراز چاہیے کہ نالیوں کا پانی غالباً اجزائے نجاست سے خالی نہیں ہوتا اور عام طبائع میں اُس کا استقذار یعنی اُس سے تنفّر اُس سے گھِن کرنا اُسے ناپسند رکھنا ہے اور ایسے امر سے شرعاً احتراز مطلوب، احادیث میں ہے :

ایاک وما یسوء الاذن[1] ایاک وما یعتذر منہ[2] بشروا ولاتنفروا[3]۔ بُری بات سننے سے بچو اور اس بات سے کہ بعد میں عذر کی ضرورت ہو خوشخبری سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ (ت)

اور اگر بارش ہوچکی اور پانی ٹھہر گیا اور اب اُس میں بعض اجزائے نجاست ظاہر ہیں یا نالی کے پیٹ میں نجاست کی

---

[1] مسند امام احمد عن ابی الغادیۃ مطبوعہ بیروت ۴/۷۶

[2] جامع الصغیر مع فیض القدیر " ۳/۱۱۷

[3] جامع للبخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

رنگت یا بُو بھی اور بارش اتنی نہ ہُوئی کہ اُسے بالکل صاف کر دیتی انقطاع کے بعد وُہ رنگ یا بُو ہنوز باقی ہے تو اب یہ پانی ناپاک ہے اور اگر نالی صاف تھی یا مینہ نے بالکل صاف کر دی اور پانی میں بھی کوئی جزء نجاست محسوس نہیں تو پاک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۶

۱۱ صفر ۱۳۰۹ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! ایک حوض ساڑھے سات گز لمبا اور ساڑھے سات گز چوڑا اور ڈیڑھ گز گہرا اگر اُس میں چار برس کا بچہ موت دے تو ناپاک ہوگیا یا پاک رہا۔ خاکسار عزیز اللہ

الجواب

ف۱ پاک رہا کہ اس کی مساحت (قطر) دَہ در دَہ یعنی سَو ہاتھ کے دونے سے بھی پچیس[۲۵] ہاتھ زائد ہے والعبرۃ بذراع الکرباس تیسیرا والسلام واللہ تعالٰی اعلم (اور اعتبار عام استعمال ہونے والے گز کا ہے لوگوں کی آسانی کے لیے۔ ت)

مسئلہ ۲۷

۲۹ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک حوض دَہ در دَہ ہے سنّیوں میں یا شیعوں میں اور اُس میں کُتا یا سُوئر پانی پی گیا ہو آیا اس سے وضو یا پینا چاہیے یا نہیں یا پیشاب یا پاخانہ پھر گیا ہو، پاک رہا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

ف۲ امرِ آب میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب تمام مذاہب سے زیادہ احتیاط کا ہے آب جاری تو بالاجماع نجس نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدلے یا ایک قول پر اُس کا نصف یا اکثر نجاست مرتبہ پر ہو کر گزرے اور غیر جاری میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ظاہر الروایۃ کا محصل یہ ہے کہ اگر یہاں نجاست پڑی ہے اور ظن غالب ہو کہ اس جگہ وضو کیجئے تو اُتنی دور کا پانی فوراً زیر وزبر ہونے لگے گا تو وہاں کا پانی ناپاک نہ ہوا اُس سے وضو وغیرہ سب جائز ہے۔

فی ردالمحتار قال فی البدائع والمحیط اتفقت الروایۃ عن اصحابنا المتقدمین انہ یعتبر بالتحریک وھو ان یرتفع وینخفض من ساعتہ لابعد المکث ولا یعتبر اصل الحرکۃ وفی التاتارخانیۃ انہ المروی عن ائمتنا الثلثۃ فی الکتب المشہورۃ اھ وھل المعتبر حرکۃ الغسل

ردالمحتار میں ہے کہ بدائع اور محیط میں فرمایا کہ ہمارے اصحاب متقدمین سے یہ روایت متفق ہے کہ ہلانے کا اعتبار ہوگا، یعنی اُسی وقت پانی میں نشیب وفراز پیدا ہو نہ یہ کہ تھوڑی دیر بعد، اور اصل حرکت کا اعتبار نہ ہوگا تاتارخانیہ میں ہے کہ یہی ہمارے ائمہ ثلثہ سے کتب مشہورہ میں منقول ہے اھ اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا

او الوضوء او الید روایات ثانیہا اصح لانہ الوسط کما فی المحیط والحاوی القدسی وتمامہ فی الحلیۃ وغیرہا[1] الخ وفی الدر المختار والمعتبر اکبر رای المبتلی بہ فان غلب علی ظنہ عدم خلوص النجاسۃ الی الجانب الاٰخر جاز والا لا ھذہ ظاھر الروایۃ وھو الاصح کما فی الخانیۃ وغیرہا وحقق فی البحر انہ المذہب[2] اھ ملخصا

غسل کی حرکت مراد ہے یا وضو کی یا ہاتھ کی۔ دوسری روایت اصح ہے کیونکہ وہ درمیانی ہے، جیسا کہ المحیط والحاوی القدسی میں ہے اور مکمل بحث حلیہ وغیرہ میں ہے الخ اور دُرِ مختار میں ہے کہ جو پانی استعمال کر رہا ہے اسی کا ظن غالب معتبر ہے۔ اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ پانی کے دوسرے حصے تک نجاست نہیں پہنچی ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، یہی ظاہر روایت ہے اور یہی اصح ہے کما فی الخانیۃ وغیرہا اور بحر میں تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہی مذہب ہے اھ ملخصا

پھر ائمہ متاخرین نے اُسے دہ در دہ سے اندازہ فرمایا اور تیسیرا آب جاری کے حکم میں قرار دیا کہ جمیع جوانب سے وضو وغیرہ واجب تک پانی نجاست کا اثر نہ لے۔

فی الدر المختار لکن فی النھر وانت خبیر بان اعتبار العشر اضبط ولا سیما فی حق من لا رای لہ من العوام فلذا افتی بہ المتاخرون الاعلام[3] الخ وفی رد المحتار ذکر بعض المحشین عن شیخ الاسلام العلامۃ سعد الدین الدیری فی رسالتہ القول الراقی انہ حقق فیہا ما اختارہ اصحاب المتون من اعتبار العشر ورد فیہا علی من قال بخلافہ ردا بلیغا واورد نحو مائۃ نقل ناطقۃ بالصواب ولا یخفی ان المتاخرین الذین افتوا بالعشر کصاحب الھدایۃ و قاضی خان وغیرہما من اھل الترجیح

اور درمختار میں یہ ہے کہ "لیکن نہر میں ہے کہ دس ہاتھ کا اعتبار مسئلہ کو زیادہ منضبط کر دیتا ہے، خاص طور پر عوام کے لیے جو ذاتی رائے نہیں رکھتے ہیں اس لئے متاخرین علماء نے اسی پر فتوٰی دیا ہے"، اور ردالمحتار میں بعض حاشیہ نگاروں نے شیخ الاسلام علامہ سعد الدین الدیری سے اُن کے رسالہ "القول الراقی" سے نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق وہی ہے جو اصحاب متون نے لکھا ہے یعنی دس ہاتھ کا اعتبار کیا جائے گا، اور جن حضرات نے اس کے برعکس لکھا ہے ان پر آپ نے ردِّ بلیغ کیا ہے، اس پر انہوں نے ایک سو نقول صحیحہ پیش کی ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ وہ متاخرین جنہوں نے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۱
[2] الدرالمختار " مجتبائی دہلی ۱/۳۶
[3] ایضاً

هم اعلم بالمذهب منا فعلینا اتباعھم ویؤیدہ ماقدمہ الشارح فی رسم المفتی واما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لوافتونا فی حیاتھم[1] اھ وفیہ قال فی الفتح وعن ابی یوسف انہ کالجاری لا یتنجس الا بالتغیر وھو الذی ینبغی تصحیحہ فینبغی عدم الفرق بین المرئیۃ وغیرھا لان الدلیل انما یقتضی عند الکثرۃ عدم التنجس الا بالتغیر من غیرفصل[2] اھ وفی مراقی الفلاح بہ اخذ مشایخ بلخ توسعۃ علی الناس والتقدیر بعشر ھو المفتی بہ[3] اھ وفی حاشیتہ للعلامۃ الطحطاوی لافرق بین موضع الوقوع وغیرہ وبین نجاسۃ ونجاسۃ وینبغی تصحیحہ کما فی الفتح وھو المختار کما قالہ العلامۃ قاسم وعلیہ الفتوی کما فی النصاب[4] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

دس ہاتھ پر فتوٰی دیا ہے، جیسے صاحبِ ہدایہ اور قاضی خان وغیرہما اہلِ ترجیح سے ہیں، وہ ہم سے زائد مذہب کے جاننے والے ہیں، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو شارح نے رسم المفتی میں کہا ہے کہ "ہم لوگوں پر اس کی اتباع لازم ہے جس کو انہوں نے راجح اور صحیح قرار دیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح وہ اپنی زندگی میں فتوٰی دیتے تو ہم پر اتباع لازم تھا، اور اسی میں ہے کہ فتح میں فرمایا" اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ جاری پانی کی طرح ہے، بغیر تغیر کے ناپاک نہ ہوگا اور اس کی تصحیح کی جانی چاہیے تو نجاست مرئیہ اور غیر مرئیہ کے درمیان فرق نہ ہونا چاہیے کیونکہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ کثیر پانی سوائے تغیر کے ناپاک نہ ہو اھ اور مراقی الفلاح میں ہے کہ اسی پر ہمارے مشایخ بلخ نے لوگوں پر فراخی کے لیے فتوٰی دیا ہے اور دس ہاتھ کا قول ہی مفتٰی بہ ہے، اور اس کے حاشیہ میں علامہ طحطاوی نے لکھا کہ نجاست کے گرنے کی جگہ اور دوسری جگہ میں فرق نہیں، اسی طرح ایک نجاست اور دوسری نجاست میں فرق نہیں، اور اس کی تصحیح کی جانی چاہئے کما فی الفتح، اور یہی مختار ہے، جیسا کہ علامہ قاسم نے فرمایا وعلیہ الفتوٰی کما فی النصاب (اسی پر فتوی ہے جیسا کہ نصاب میں ہے) اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ ت

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱

[2] ایضاً ۱/۱۴۰

[3] مراقی الفلاح الطہارۃ نور محمد کراچی ص ۱۶

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح الطہارۃ نور محمد کراچی ص ۱۶

فتوٰی مسمّٰی بہ

الطِّرس المعدّل فی حدّ الماء المستعمل[۱۳]

استعمال شدہ پانی کی تعریف میں منصف صحیفہ (رسالہ)(ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۲۸ ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مستعمل کی کیا تعریف ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد لمن جعل الطہور غاسل اٰثامنا فطہر واحنا باسالۃ الماء علی اجسامنا فیا لہ من منۃ واٰفضل الصلاۃ واٰزکی السلام علی من طہرنا من الانجاس واٰدام دیم نعمہ علینا حتی نقانا من الادناس وعلی اٰلہ وصحبہ واہل السنۃ اٰمین۔

اقول وباللہ التوفیق ماءِ مستعمل[ف۱] وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارہ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یُوں اسقاط واجب تطہیر یا اقامت قربت کرکے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوال حرکت وحصول استقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہٖ تعالٰی دونوں مذہب پر حد جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ اب فوائد قیود سنیے:

(۱) آب کثیر یعنی دَہ در دَہ یا جاری پانی میں محدث وضو یا جنب غسل کرے یا کوئی نجاست ہی دھوئی جائے تو پانی نہ نجس ہوگا نہ مستعمل لہٰذا قلیل کی قید ضرور ہے۔

(۲) محدث نے تمام یا بعض اعضائے وضو دھوئے اگرچہ بے نیت[ف۲] وضو محض ٹھنڈ یا میل وغیرہ جُدا کرنے کے لیے یا اُس نے اصلاً کوئی فعل نہ کیا نہ اُس کا قصد تھا بلکہ کسی دوسرے نے اُس پر پانی ڈال دیا جو اُس کے کسی ایسے عضو پر گزرا جس کا وضو یا غسل میں پاک کرنا ہنوز اس پر فرض تھا مثلاً محدث کے ہاتھ یا جنب کی پیٹھ پر تو ان سب صورتوں میں شکل اول کے سبب پانی مستعمل ہوگیا کہ اس نے محل نجاست حکمیہ سے مس کرکے اُتنے ٹکڑے کی تطہیر واجب کو ذمہ

مکلف سے ساقط کرنا اگرچہ پچھلی صورتوں میں ہنوز حکم تطہیر دیگر اعضا میں باقی ہے اور پہلی میں تو یعنی جبکہ تمام اعضا دھو لیے فرض تطہیر پورا ہی ذمہ سے اُتر گیا۔

تنبیہ پانی کوٹھی یا بڑے مٹکے کے سوا کہیں نہیں وہ برتن جھکانے کے قابل نہیں چھوٹا برتن مثلاً کٹورا ایک ہی پاس تھا وہ اسی برتن میں گر کر ڈوب گیا کوئی بچہ یا باوضو آدمی ایسا نہیں جس سے کہہ کر نکلوائے اب مجبوری محدث خود ہی ہاتھ ڈال کر نکالے گا یا چھوٹا برتن سرے سے ہے ہی نہیں تو ناچار چلو لے کر ہاتھ دھوئے گا ان دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ شکل اول اعنی اسقاط واجب تطہیر پائی گئی مگر یہ ضرورۃً معاف رکھی گئی ہیں بے ضرورت ایسا کرے گا تو پانی کل یا بعض بالاتفاق مستعمل ہو جائے گا اگرچہ ایک قول پر قابل وضو رہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ محدث یعنی بے وضو یا حاجت غسل والے کا وہ عضو جس پر سے ہنوز حکم تطہیر ساقط نہ ہوا اگرچہ کتنا ہی کم ہو مثلاً پورا یا ناخن اگر قلیل پانی سے مس کرے تو ہمارے علماء کو اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ سارا پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور قابل وضو و غسل نہیں رہتا اور بعض کے نزدیک صرف اتنا مستعمل ہوا جس قدر اُس پارۂ بدن سے ملا باقی آس پاس کا پانی جو اُس عضو کی محاذات میں ہے اور اُس سے مس نہ ہوا مستعمل نہ ہوا یوں ہی وہ تمام پانی کہ اُس عضو کے پہنچنے کی جگہ سے نیچے ہے اُس پر بھی حکم استعمال نہ آیا۔ اس قول پر مٹکے یا کوٹھی میں کہنی تک ہاتھ ڈالنے سے بھی پانی قابلِ طہارت رہے گا کہ ظاہر ہے جو پانی ہاتھ کے آس پاس اور اُس سے نیچے رہا وہ اس حصے سے بہت زاید ہے جس نے ہاتھ سے مس کیا اور جب غیر مستعمل پانی مستعمل سے زاید ہو تو پانی قابلِ وضو و غسل رہتا ہے مثلاً لگن میں وضو کیا اور وہ پانی ایک گھڑے بھر آب غیر مستعمل میں ڈال دیا تو یہ مجموع قابلِ وضو ہے کہ مستعمل نا مستعمل سے کم ہے اسی پر قیاس کر کے ان بعض نے ہاتھ ڈالنے کا حکم رکھا کہ مستعمل تو اُتنا ہی ہوا جتنا ہاتھ کو لگا باقی کہ الگ رہا اُس پر غالب ہے اور فریقِ اول نے فرمایا کہ پانی ایک متصل جسم ہے اس کے بعض سے ملنا کُل سے ملنا ہے لہذا ناخن کی نوک یا پورے کا کنارہ لگ جانے سے بھی کُل مٹکا مستعمل ہو جائے گا۔ یہ دو قول ہیں اور فریقِ اول ہی کا قول احتیاط ہے بہرحال اتنے میں فریقین متفق ہیں کہ بے ضرورت چلو لینے یا ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا اگرچہ بعض تو ہماری تعریف اس قول پر بھی ہر طرح جامع مانع ہے۔

(۳) باوضو آدمی نے بہ نیت ثواب دوبارہ وضو کیا۔

(۴) سمجھ وال نابالغ نے وضو بقصدِ وضو کیا۔

(۵) حائض و نفسا کو جب تک حیض و نفاس باقی ہے وضو و غسل کا حکم نہیں مگر انھیں مستحب ہے کہ نماز پنجگانہ کے وقت اور اشراق و چاشت و تہجد کی عادت رکھتی ہو تو ان وقتوں میں بھی وضو کر کے کچھ دیر یادِ الٰہی کر لیا کرے کہ عبادت کی عادت باقی رہے۔ انھوں نے یہ وضو کیا۔

(۶) پاک آدمی نے ادائے سنّت کو جمعے یا عیدین یا عرفے یا احرام یا اوقات مسنونہ کا غسل یا میت کو غسل دینے کا وضو یا غسل کیا۔

(۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانا کھا کر بہ نیت ادائے سنّت ہاتھ دھوئے یا کُلّی کی۔[۱]

(۸) وضوئے فرض یا نفل میں جو پانی کُلّی یا ناک میں پہنچانے میں صرف ہوا۔

(۹) کچھ اعضاء دھو لیے تھے خشک ہو گئے سنت موالات کی نیت سے انھیں پھر دھویا ان سب صورتوں میں شکل دوم کے سبب مستعمل ہو جائے گا اگرچہ اسقاط واجب نہ کیا اقامت قربت کی[۲] میت کو نہلا کر غسل کرنا بھی مستحب ہے کما فی الدر وغیرہ۔

(۱۰) میت کے بارے میں علماء مختلف ہیں جمہور کے نزدیک موت نجاست حقیقیہ ہے اس تقدیر پر تو وُہ پانی کہ غسل میت میں صرف ہوا مائے مستعمل نہیں بلکہ ناپاک ہے اور بعض کے نزدیک نجاست حکمیہ ہے بحر الرائق وغیرہ میں اسی کو اصح کہا اس تقدیر پر وُہ پانی بھی مائے مستعمل ہے اور ہماری تعریف کی شق اول میں داخل کہ اُس نے بھی اسقاط واجب کیا۔

اقول ولہٰذا ہم نے انسان کا پارۂ جسم کہا نہ مکلف کا کہ میت مکلف نہیں۔ اور تطہیر لازم تھی کہا نہ یہ کہ اس کے ذمے پر لازم تھی کہ یہ تطہیر میت کے ذمّے پر نہیں احیا پر لازم ہے۔

(۱۱) یوں ہی غسل میت کا دوسرا اور تیسرا پانی بھی آب مستعمل ہو گا کہ اگرچہ پہلے پانی سے اسقاط واجب ہو گیا مگر غسل میت میں تثلیث بھی قربت مطلوبہ فی الشرع ہے۔

اقول ولہٰذا ہم نے شق دوم میں بھی بدن انسان مطلق رکھا۔

(۱۲) وضو علی الوضوء کی نیت سے دوسرے کو کہا مجھے وضو کرا دے اُس نے بے نیت ثواب اُس کے اعضائے وضو دھو دیے پانی مستعمل ہو گیا کہ جب اس کے امر سے ہے اور اس کی نیت قربت کی ہے تو وہ اسی کا استعمال قرار پائے گا الاترى انه لو فعل ذلك محدث ونوى فقد اتى بالمامور به مع ان امر فاغسلوا وامسحوا انما کان علیہ (جیسا کہ اگر بے وضو ایسا کرے اور نیت کرے تو مامور بہ کو بجا لانے والا ہو گا جو فاغسلوا وامسحوا سے اس پر لازم تھا۔ ت)

(۱۳) باوضو آدمی نے اعضا ٹھنڈے کرنے یا میل دھونے کو وضو بے نیت وضو علی الوضو کیا[۳] پانی مستعمل نہ ہو گا کہ اب نہ اسقاط واجب ہے نہ اقامت قربت۔

(۱۴) معلوم تھا کہ عضو تین بار دھو چکا ہوں اور ہنوز پانی خشک بھی نہ ہوا تھا بلاوجہ چوتھی بار اور ڈالا یہ بھی قربت نہیں بلکہ خلاف ادب ہے۔[۳]

(۱۵) ہاں اگر شک ہو کہ دو بار دھویا یا تین بار یوں تیقن تثلیث کے لیے پانی پھر ڈالا تو مستعمل ہو جائیگا

اگرچہ واقع میں چوتھی بار ہو۔

(۱۶) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی

(۱۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانے سے بعد یا ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلّی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ تھی مستعمل نہ ہوگا کہ حدث و قربت نہیں۔

(۱۸) باوضو نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا مستعمل نہ ہوا کہ تعلیم وضو اگرچہ قربت ہے مگر وضو سکھانے کو وضو کرنا فی نفسہ قربت نہیں سکھانا قربت ہے اور وہ زبان سے بھی ممکن ولہذا ہم نے قید لگائی کہ وہ استعمال خود کارِ ثواب ہو یعنی فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ولو مقصود الغیرہ کالوضوء (فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ہے اگرچہ مقصد دیگر ہو جیسے وضوء ہے۔ت)

(۱۹) کوئی پاک کپڑا وغیرہ دھویا۔

(۲۰ و ۲۱) کسی جانور یا نابالغ بچّے کو نہلایا اور ان کے بدن پر نجاست نہ تھی اگرچہ وُہ جانور غیر ماکول اللحم ہو جیسے بلّی یا چوہا حتی کہ مذہب راجح میں کُتّا بھی جبکہ پانی اُن کے لعاب سے جُدا رہا ______

اگرچہ یہ نہلانا اُن کے دفعِ مرض یا شدتِ گرما میں ٹھنڈ پہنچانے کو بہ نیت ثواب ہو مستعمل نہ ہوگا۔

اقول کپڑا برتن جانور اور ان کے امثال تو بدن انسان کی قید سے خارج ہوئے اور نابالغ کو نہلانا مثل وضوئے تعلیم خود قربت نہیں کہ بچّوں کے نہلانے کا کوئی خاص حکم شرع میں آیا ہاں انھیں بلکہ ہر مسلمان وجاندار کو نفع وآرام پہنچانے کی ترغیب ہے یہ امور عادیہ اُس حکم کی نیت سے کلیہ محمودہ کے نیچے آکر قربت ہو سکتے ہیں مگر موجب استعمال وہی فعل ہے جو بذاتِ خود قربت ومطلوب شرع ہو۔

(۲۲) حائض ونفسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا پانی مستعمل نہ ہوگا کہ اس نے اگرچہ انسان کے جسم کو مس کیا جس کی تطہیر غسل سے واجب ہوگی مگر ابھی لازم نہیں بعد انقطاع لزوم ہوگا۔

اقول ولہذا ہم نے بالفعل کی قید لگائی۔

(۲۳) ناسمجھ بچّے نے وضو کیا جس طرح دو تین سال کے اطفال ماں باپ کو دیکھ کر بطور نقل وحکایت افعال وضو ونماز کرنے لگتے ہیں پانی مستعمل نہ ہوگا کہ نہ قربت نہ حدث۔

(۲۴) وضو کرنے میں پانی کو جب تک اُسی عضو پر بہ رہا ہے حکم استعمال نہ دیا جائے گا ورنہ وضو محال ہو جائے بلکہ جب اُس عضو سے جُدا ہوگا اس وقت مستعمل کہا جائے گا اگرچہ ہنوز کہیں مستقر نہ ہوا ہو مثلاً منہ دھونے میں کلائی پر پانی لیا اور وہی پانی کہ مُنہ سے جُدا ہو کر آیا کلائی پر بہا لیا جمہور کے نزدیک کافی نہ ہوگا کہ مُنہ سے منفصل ہوتے ہی حکم استعمال ہوگیا ہاں جن بعض کے یہاں استقرار شرط ہے اُن کے نزدیک کافی ہے کہ ابھی مستعمل نہ ہوا اور غسل میں سارا بدن عضو واحد ہے تو سر کا پانی کہ پاؤں تک بہتا جائے جس جس جگہ گزرا سب کو پاک کرتا جائے گا

(۲۵) اقول نجاست میں حکمیہ کی تقیید کا فائدہ ظاہر ہے کہ جو پانی نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں صرف ہو ہمارے نزدیک مطلقاً ناپاک ہو جائے گا نہ کہ مستعمل۔

(۲۶) اقول ہم نے پانی کو مطلق رکھا اور خود رفع نجاست حکمیہ و اقامت قربت ہائے مذکورہ سے واضح کہ پانی سے مائے مطلق مراد ہے تو شوربے یا دودھ کی لسی یا نبیذ تمر سے اگر وضو کرے وہ مستعمل نہ ہونگے کہ ان سے وضو ہی نہ ہوگا تو مستعمل کیا ہوں۔

(۲۷) خود نفس جنس یعنی پانی نے دودھ سرکہ گلاب کیوڑے وغیرہا[۱] کو خارج کر دیا کہ ان سے وضو کرے تو مستعمل نہ ہوں گے اگرچہ بے وضو ہو اگرچہ جنب ہو اگرچہ نیت قربت کرے کہ غیر آب نجاست حکمیہ سے اصلاً تطہیر نہیں کر سکتا۔

تنبیہ اگر کہیے ۲۶ و ۲۷ کا ثمرہ کیا ہے کہ مستعمل ہونے سے ہمارے نزدیک شے نجس نہیں ہو جاتی صرف نجاست حکمیہ دور کرنے کے قابل نہیں رہتی یہ قابلیت ان اشیا میں پہلے بھی نہ تھی تو ان کو مستعمل نہ ماننے کا فائدہ کیا ہوا۔

اقول اول تو یہی فائدہ بہت تھا کہ مستعمل نہ ہونے سے ان کی طہارت متفق علیہ رہے گی کہ مستعمل کی طہارت میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اگرچہ صحیح طہارت ہے۔

ثانیاً مستعمل اگرچہ طاہر ہے مگر قذر ہے مسجد میں اس کا ڈالنا ناجائز ہے ان اشیاء کو مستعمل نہ بتانے سے یہ معلوم ہوا کہ مثلاً جس گلاب سے کسی نے وضو کیا[۲] اسے مسجد میں چھڑک سکتے ہیں کہ وہ مستعمل نہ ہوا۔

بالجملہ یہ وہ نفیس وجلیل جامع و مانع وشافی و نافع تعریف مائے مستعمل ہے کہ بفضل الٰہی خدمت کلمات علمائے کرام سے اس فقیر پر القا ہوئے وللہ الحمد۔ سہولت حفظ کے لیے فقیر اسے نظم کرتا اور برادران دینی سے دعائے عفو و عافیت کی طمع رکھتا ہے ؎

مائے[۱] مستعمل کہ طاہر نا مطہر وصف اوست	جامع و مانع حد او ز رضا دو حرف شد
مطلقے کو واجب شستن ز حدثے کاست یا	بر لشہ در قربت مطلوبہ عیناً صرف شد
راکدے[ع] کاینساں جدا شد از بدن مستعمل ست	لیک نزد بعض چوں قائم بجا یا ظرف شد

دو شعر اخیر میں وہ تمام تفاصیل آ گئیں جو یہاں تک مذکور ہوئیں اور یہ بھی کہ راجح قول اول ہے یعنی بدن سے جدا ہوتے ہی مستعمل کا حکم دیا جائے گا کسی جگہ مستقر ہونا شرط نہیں۔ اب عبارات علماء اور بعض مسائل مذکورہ میں اپنی تحقیق مفرد ذکر کریں وباللہ التوفیق۔ تنویر الابصار و دُرمختار و ردالمحتار میں ہے:

لایجوز بماء استعمل لاجل قربۃ ای ثواب ولو — وضو اس پانی سے جائز نہیں جس کو بطور ثواب استعمال کیا گیا ہو

---

[۱] ترجمہ: مستعمل پانی جو کہ خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کرتا رضا سے اس کی جامع مانع تعریف دو باتوں میں ہوئی۔ جس سے مطلقاً حدث زائل ہوا ہو یا قربت مقصودہ کی نیت سے بدن پر استعمال ہوا ہو۔ قلیل پانی جب بدن سے جدا ہوا تو مستعمل ہو جائیگا لیکن بعض کے نزدیک بدن سے جدا ہو کر کسی جگہ یا ظرف میں اس کا قرار ضروری ہے۔

[ع] راکد بمعنے غیر جاری یعنی آب قلیل کہ دہ در دہ نباشد ۱۲ (م)

من مميّز[1] (اذا توضأ يريد به التطهير كما فی الخانية وظاهره انه لو لم يرد به ذلك لم يصر مستعملا[2]) او حائض لعادة عبادة[3] (قال فی النهر قالوا بوضوء الحائض يصير مستعملا لانه يستحب لها الوضوء لكل فريضة وان تجلس فی مصلاها قدرها كيلا تنسى عادتها وينبغی ان لو توضأت لتهجد عادی او صلاة ضحی ان يصير مستعملا اھ واقره الرملی وغيره ووجهه ظاهر فلذا جزم به الشارح فاطلق العبادة تبعا لجامع الفتاوى[4]) او غسل ميت[5] (وكون غسالته مستعملة هو الاصح بحر اقول قول العامة واعتمده البدائع ان نجاسة الميت نجاسة خبث لانه حيوان دموی ويجوز عطفه علی مميز ای ولو من اجل غسل ميت لانه يندب الوضوء من غسل الميت[6]) او يد لاكل او منه بنية السنة[7] (قيد به فی البحر اخذا من قول المحيط لانه اقام به قربة لانه سنة اھ فی النهر وعليه ينبغی اشتراطه فی كل

اگرچہ اس بچّہ نے استعمال کیا ہے جس میں شعور پیدا ہوچکا ہو (جبکہ وضو کیا کہ اس سے اس کا ارادہ پاکی حاصل کرنے کا تھا کما فی الخانیہ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر اس سے طہارت کا ارادہ نہ کیا تو مستعمل نہ ہوگا) یا حائض عبادۃ کی عادت کی وجہ سے (نہر میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا حائض کے وضو سے مستعمل ہوجائے گا کہ اس کے لیے ہر فرض کے لیے وضو مستحب ہے اور یہ کہ نماز کی مقدار میں اپنے مصلّٰی پر بیٹھے تاکہ نماز کی عادت نہ ختم ہوجائے، اور اگر تہجد یا نمازِ چاشت کے لیے اُس نے وضو کیا تو چاہیے کہ وہ پانی مستعمل ہوجائے اھ رَملی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا' اور اس کی وجہ ظاہر ہے، اس لیے اس پر شارح نے جزم کیا اور عبادۃ کو مطلق رکھا جامع الفتاوٰی کی متابعت میں) یا میّت کو غسل دیا (اور اس غسل کے مستعمل پانی کا مستعمل ہونا ہی اصح ہے بحر، میں کہتا ہوں عام فقہاء کا قول یہی ہے، اس پر بدائع نے اعتماد کیا کہ میّت کی نجاست خُبث کی نجاست ہے، کیونکہ میت خون والا جانور ہے، اور اس کا

---

[1] الدرالمختار	باب المیاہ	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/۳۷
[2] ردالمحتار	باب المیاہ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۱/۱۴۵
[3] الدرالمختار	باب المیاہ	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/۳۷
[4] ردالمحتار	باب المیاہ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۱/۱۴۵
[5] الدرالمختار	باب المیاہ	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/۳۷
[6] ردالمحتار	باب المیاہ	مصر	۱/۱۴۵
[7] درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	۱/۳۷

سنۃ کغسل فم وانف اھ قال الرملی ولا تردد فیہ حتی لو لم یکن جنبا وقصد بغسل الفم و الانف مجرد التنظیف لا اقامۃ القربۃ لایصیر مستعملا[1]) اولرفع حدث کوضوء محدث ولو للتبرد فلوتوضأ متوضئ لتبرد او تعلیم اولطین بیدہ لم یصر مستعملا اتفاقا[2]) اورد ان تعلیم الوضوء قربۃ واجاب البحر وتبعہ النھر وغیرہ ان التوضی نفسہ لیس قربۃ بل التعلیم وھو خارج عنہ ولذا یحصل بالقول[3]) کزیادۃ علی الثلث بلانیۃ قربۃ[4] (ان ارادالزیادۃ علی الوضوء الاول وفیہ اختلاف المشایخ اما لواراد بھا ابتداء الوضوء صار مستعملا بدائع ای اذاکان بعد الفراغ من الوضوء الاول والا لکان بدعۃ کما مر فلا یصیر مستعملا وھذا ایضا اذا اختلف المجلس والافلا لانہ مکروہ بحر لکن قدمنا ان المکروہ تکرارہ فی مجلس مرارا[5]عہ) وکغسل نحو فخذ[6] (ممالیس من اعضاء الوضوء وھو

عطف ممیز پر جائز ہے یعنی" اگرچہ میّت کے غسل کی وجہ سے ہو کیونکہ میّت کو نہلانے کے بعد وضو کرلینا مندوب ہے) یا ہاتھ دھونا کھانے کیلئے یا اس سے بہ نیت سنت (بحر میں یہ قید محیط کے قول سے لے کر لگائی ہے کیونکہ اُس نے اس سے عبادت ادا کی ہے اس لیے کہ وہ سنت ہے اھ اور نہر میں ہے کہ اس بنا پر یہ شرط لگانی چاہیے ہر سنت ہیں جیسے منہ کا دھونا یا ناک میں پانی ڈالنا' اھ رملی نے کہا کہ اس میں کوئی تردد نہیں حتی کہ اگر وہ جُنب نہ ہو اور منہ اور ناک کے دھونے سے محض صفائی کا ارادہ کرے نہ کہ قربت کی ادائیگی کا تو پانی مستعمل نہ ہوگا یا حدث کو رفع کرنے کے لیے جیسے بے وضو کا وضو کرنا خواہ ٹھنڈک کے حصول کے لیے ہو، تو اگر کسی باوضو شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، سکھانے کے لیے' یا ہاتھوں کی مٹی چھڑانے کے لیے وضو کیا تو یہ پانی مستعمل نہ ہوگا' بالاتفاق (اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ وضو کرنے کی تعلیم دینا بجائے خود عبادت ہے؟ بحر نے اس کا جواب دیا جس کو نہر وغیرہ نے بھی پسند

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[2] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[3] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[4] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

عہ قد قدمنا التحقیق فی کل ذلک فی بارق النور فتذکرہ اھ منہ قدس سرہ۔

ہم نے اس کی تحقیق بارق النور میں پہلے بیان کردی ہے اس کو یاد کرلے اھ (ت)

[5] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[6] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

محدث لا جنب[1] او ثوب طاهر[2] (ونحوه من
الجامدات كقدر وثمار قهستانی) او دابة
توكل[3] (بحر عن المبتغی قال سیدی عبد الغنی
وغیرها كذلك لا تنجس الماء ولا تسلب طهوریته[4]
كحمار وفارة وسباع بهائم لم یصل الماء الی
فمها اھ وذكر الرحمتی نحوه[5]) او لاسقاط فرض
بان یغسل بعض اعضائه[6] (التی یجب غسلها
احترازا عن غسل المحدث نحو الفخذ[7])
او یدخل یده او رجله فی حب لغیر اغتراف
ونحوه[8] (بل لتبرد او غسل ید من طین او
عجین فلو قصد الاغتراف ونحوه كاستخراج
كوز لم یصر مستعملا للضرورة[9]) فانه یصیر
مستعملا اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر
فی شیئ علی المذهب وقیل اذا استقر[10] (فی
مكان من ارض او كف او ثوب ویسكن عن
التحرك وهذا قول طائفة من مشایخ
بلخ واختاره فخر الاسلام وغیره وفی
الخلاصة وغیرها انه المختار الا ان العامة
علی الاول وهو الاصح واثر الخلاف یظهر

کیا کہ وضو خود قربت نہیں ہے، ہاں تعلیم قربت ہے
اور تعلیم وضو سے الگ شے ہے اس لیے تعلیم صرف قول
سے بھی ہوجاتی ہے) جیسے تین مرتبہ سے زاید اعضاءِ
وضو کا بلا نیت قربت دھونا (یہ اُس وقت ہے
جب اُس کا ارادہ یہ ہو کہ پہلے وضو پر زیادتی کی جائے
اور اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، اور اگر اس
سے وضو کی ابتداء مراد ہو تو اس طرح پانی مستعمل
ہوجائے گا، بدائع، یعنی جبکہ پہلے وضو سے فراغت
کے بعد ہو ورنہ بدعت ہوگا جیسا کہ گزرا تو مستعمل نہ
ہوگا، اور یہ بھی اُس وقت ہے جبکہ مجلس مختلف ہو
ورنہ نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے، بحر۔ لیکن ہم پہلے بیان
کرآئے ہیں کہ مکروہ اس کا ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ
تکرار ہے) اور جیسے ران کا دھونا (جو
اعضاءِ وضو سے نہیں ہے حالانکہ وہ بے وضو ہو نہ کہ
جُنب ہو) یا پاک کپڑا (اور اسی کی مثل خشک اشیاء
جیسے ہانڈیاں اور پھل، قہستانی) یا وہ چوپایہ جس کا
گوشت کھایا جاتا ہو (بحر نے اس کو مبتغی سے روایت
کیا، سیدی عبد الغنی وغیرہ نے کہا اور اسکے علاوہ بھی پانی ناپاک
نہیں کرتے ہیں اور اُس کے پاک کرنے کی صفت کو اُس سے

---

[1] ردالمحتار، باب المیاہ، مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶ — [2] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] ردالمحتار 〃 〃 〃 — [4] درمختار 〃 〃 〃
[5] ردالمحتار 〃 〃 〃 — [6] درمختار 〃 〃 〃
[7] ردالمحتار 〃 〃 ۱/۱۴۷ — [8] درمختار 〃 〃 〃
[9] ردالمحتار 〃 〃 〃 — [10] درمختار 〃 〃 〃

فیما لو انفصل فسقط علی انسان فاجراہ علیہ صح علی الثانی لا الاول نہر وقدمران اعضاء الغسل کعضو واحد فلو انفصل منہ فسقط علی عضو اٰخر من اعضاء الغسل فاجراہ علیہ صح علی القولین[1] اھ ملتقطا وفی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ لو توضأ بالخل او ماء الورد لا یصیر مستعملا عند الکل[2] اھ

سلب نہیں کرتے ہیں، جیسا گدھا، چوہا، اور چوپایوں میں سے درندے جبکہ پانی ان کے منہ تک نہ پہنچے اھ اور رحمتی نے ایسا ہی ذکر کیا) یا کسی فرض کو ساقط کرنے کے لیے مثلاً یہ کہ کسی عضو کو دھوئے) اُن اعضاء میں سے جن کا دھونا لازم ہے، یہ بے وضو شخص کے اپنی ران وغیرہ کو دھونے سے احتراز ہے) یا اپنا ہاتھ یا پیر کسی گڑھے میں ڈالے، اُس سے چلّو وغیرہ نہ بھرے (بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا ہاتھوں کو مٹی سے یا آٹے سے صاف کرنا مقصود، تو اگر چلّو بھرنے کا ارادہ کیا جیسے پانی سے لوٹا نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورتاً ہے) کیونکہ پانی مستعمل اُس وقت ہوگا جبکہ عضو سے جُدا ہو، اگرچہ کسی چیز پر نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جبکہ کسی جگہ پر ٹھہرے، (زمین پر یا ہاتھ پر یا کپڑے پر، اور حرکت کے بعد اس میں سکون پیدا ہو چکا ہو، یہ بلخ کے مشایخ میں سے بعض کا قول ہے اس کو فخر الاسلام وغیرہ نے پسند کیا ہے اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، مگر عام علماء پہلے قول پر ہی ہیں اور وہی اصح ہے، اس اختلاف کا اثر اُس صورت میں ہوگا جبکہ پانی جدا ہو کر کسی انسان پر گرے اور وہ اس کو اپنے اوپر جاری کرے تو دوسرے قول پر صحیح ہے نہ کہ پہلے پر، نہر۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ اعضاءِ غسل ایک عضو کی طرح ہیں، تو اگر اُس سے پانی جُدا ہو کر اعضاءِ غسل پر گرا اور اُس نے وہ اُن پر جاری کر لیا تو دونوں اقوال کے مطابق صحیح ہوگا اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سرکہ سے یا گلاب کے عرق سے وضو کیا تو سب کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

تنبیہ قال فی المنیۃ بعد ما عرف المستعمل بماء ازیل بہ حدث او استعمل فی البدن علی وجہ القربۃ ما نصہ امرأۃ غسلت القدر او القصاع لا یصیر الماء مستعملا[3] اھ۔

تنبیہ: مُنیہ میں ماءِ مستعمل کی تعریف میں کہا کہ "وہ پانی جس سے کوئی حَدث زائل کیا گیا ہو یا بدن پر قربۃ کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، پھر فرمایا کہ اگر کسی عورت نے ہانڈی یا بڑا پیالہ دھویا تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۷
[2] ہندیۃ فیما لا یجوز بہ الوضو نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳
[3] منیۃ المصلی فی النجاسۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۰۸

اقول وھو کما تری مطلق یشمل ما اذا نوت بہ اقامۃ سنۃ لاجرم ان قال فی الغنیۃ قولہ فی البدن احتراز عما اذا استعمل فی غیرہ من ثوب ونحوہ بنیۃ القربۃ فانہ لایصیر مستعملا ویتفرع علی ماذکرنا امرأۃ غسلت القدر او القصاع[1] الخ لکن قال فی الحلیۃ اما القدر و القصاع ونحوھما من الاعیان الطاھرات کالبقول والثمار والثیاب والاحجار فلان الجمادات لایلحقہا حکم العبادۃ اما لو نوت بذلک قربۃ بان غسلتھما من الطعام بقصد اقامۃ السنۃ کان ذلک الماء مستعملا[2] اھ

میں کہتا ہوں یہ مطلق ہے اس میں یہ صورت بھی شامل ہے جبکہ اُس عورت نے اس دھونے سے سنّت کی ادائیگی کا ارادہ کیا ہو، غنیہ میں کہا کہ اُن کا قول "فی البدن" اس صورت سے احتراز ہے جب کپڑے وغیرہ میں استعمال کیا ہو بہ نیت "قُربۃ" تو وہ مستعمل نہ ہوگا، اور جو ہم نے ذکر کیا اُس پر یہ تفریع ہوگی کہ کسی عورت نے ہانڈی یا پیالے دھوئے الخ مگر حلیہ میں فرمایا "بہرحال ہانڈی پیالے وغیرہ یعنی پاک اشیاء جیسے سبزیاں، پھل، کپڑے، پتھر، تو اس لیے کہ جمادات پر عبادات کا حکم جاری نہیں ہوتا ہے، اگر ان کے ساتھ قربت کا ارادہ کیا یعنی کھانا لگ جانے کے بعد ان کو بطور سنّت دھویا تو یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ (ت)

اقول اولاً[ف1] فیہ بعد ولم یعزہ لاحد وقد قید فی مختصر القدوری والھدایۃ والمنیۃ وغیرھا الاستعمال لقربۃ بکونہ فی البدن واقر علیہ ھذا المحقق ومفاھیم الکتب حجۃ ولذا جعلہ فی الغنیۃ احترازا ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ حیث قال قولہ فی البدن قید بہ لانہ ماکان من غسالۃ الجمادات کالقدور والقصاع والحجارۃ[ف2] لایکون مستعملا[3] الخ وثانیا تراھم عن اٰخرھم یرسلون مسائل الاستعمال فی غیر

میں کہتا ہوں اوّلاً اس میں بُعد ہے، اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا ہے ہدایہ، مختصر قدوری اور منیہ وغیرہ میں قُربت کے استعمال کو بدن میں ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، اور اس محقق نے اسے برقرار رکھا ہے اور کتابوں کے مفاہیم ہمارے لیے حجت ہیں، اور اسی لیے غنیہ میں اس کو قیدِ احترازی قرار دیا ہے، اسی کی مثل جوہرۂ نیرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ان کا قول "فی البدن" کیونکہ جمادات کا دھوون جیسے ہانڈیاں، پیالے، پتھر کا دھوون، مستعمل نہ ہوگا الخ

---

[1] غنیۃ المستملی فی النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۳ [2] حلیہ
[3] الجوہرۃ النیرۃ الطہارت امدادیہ ملتان ۱/ ۱۶

بدن الانسان ارسالا تاما غیرجانحین الی تقییدها[ف۱]
بعدم نیة القربة کمسألة غسل الدابة المذکورة
فی المبتغی والفتح والبحر والدر والتتارخانیة
وغیرها ومسألة الثوب ومسألة الاحجار
ومسألة الثمار ومسألة القدور والقصاع هذه
وغیرها فاطباقهم علی اطلاقها یؤذن باتفاقهم
علی تقییدها ببدن الانسان فان کل
ذلک یحتمل نیة القربة کغسل ثوب ابویه من
الوسخ والثمار من الغبار لاکلهما واحجار
فرش المسجد للتنظیف الی غیر ذلک فما من
مباح الا ویمکن جعله قربة بنیة محمودة کما[ف۲]
لایخفی علی عالم علم النیات وثالثا[ف۳] هذا
التقیید هو القضیة للدلیل الذی جعل به
اقامة القربة مغیرا للماء عن وصف الطهوریة
اعنی حمله الاٰثام من البدن المستعمل فیه
فی الهدایة قال محمد رحمه الله تعالی لایصیر
مستعملا الا باقامة القربة لان الاستعمال
بانتقال نجاسة الاٰثام الیه وانها تزول
بالقرب وابویوسف رحمه الله تعالی یقول
اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین[1]
اھ وفی العنایة التغیر عندهما ای تغیر الماء
وتدنسه عند الشیخین رضی الله تعالی عنهما
انما یکون بزوال نجاسة حکمیة عن المحل

ثانیاً فقہاء سب کے سب غیر انسان کے بدن میں استعمال کے مسائل کو مطلق رکھتے ہیں عدمِ نیتِ قربت کی قید نہیں لگاتے ہیں، جیسے گھوڑے کو غسل دینے کا مسئلہ جس کا ذکر مبتغی، فتح، بحر، دُرّ اور تتارخانیہ وغیرہ میں ہے اور کپڑے اور پتھروں کا مسئلہ پھلوں کا مسئلہ، ہانڈیوں اور پیالوں کا مسئلہ وغیرہا تو اُن تمام فقہا کا ان کو مطلق رکھنے پر اتفاق کر لینا اس امر کی علامت ہے کہ وہ سب کے سب اس کو بدنِ انسانی کے ساتھ مقید کرنے پر متفق ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک نیتِ قربت کا احتمال رکھتا ہے، جیسے اپنے والدین کے میلے کپڑوں کا دھونا، اور والدین کے کھلانے کے لیے پھلوں کا دھونا، اور مسجد کے فرش کی صفائی کے لیے دھونا وغیرہ تو ہر مباح کا نیتِ محمودہ سے قربت کر لینا ممکن ہے، اور نیتوں کا جاننے والا اسے خوب جانتا ہے۔

ثالثاً یہ قید لگانا ہی دلیل کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے قربت کی ادائیگی کو پانی کے وصف کو طہوریہ سے متغیر کرنے والا قرار دیا تھا، یعنی اُس کا بدن سے گناہوں کا دُور کر دینا۔

ہدایہ میں ہے کہ امام محمد نے فرمایا پانی قربت کی ادائیگی سے ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ استعمال کی وجہ گناہوں کا اُس کی طرف منتقل ہونا ہے، اور یہ چیز قربت کی ادائیگی سے ہی ہوتی ہے، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسقاطِ فرض بھی اس میں مؤثر ہے تو

---

[1] الہدایة باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۲۲

وانتقالها الى الماء وقد انتقلت الى الماء في الحالين (اى حال اقامة القربة وحال اسقاط الواجب) كما تقدم من اعتبارها بالنجاسة الحقيقية فيثبت فساد الماء بالامرين جميعا اهـ[1] موضحا ومثله في البحر عن المحيط حيث قال تغير الماء عند محمد باعتبار اقامة القربة به و عندهما باعتبار انه تحول اليه نجاسة حكمية وفي الحالين تحول الى الماء نجاسة حكمية فاوجب تغيره[2] اهـ وفي التبيين سببه اقامة القربة اوازالة الحدث به عند ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد رضي الله تعالى عنهم اقامة القربة لاغير والاول اصح لان الاستعمال بانتقال نجاسة الحدث او نجاسة الاثام اليه[3] اهـ وقال في الكافي سؤر الكلب نجس لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم يغسل الاناء من ولوغ الكلب ثلثا لايقال جاز ان يؤمر بالغسل تعبدا كما امر المحدث بالوضوء لان الغسل تعبدا لم يشرع الا في طهارة الصلاة فانه يقع لله تعالى عبادة والجمادات لايلحقها حكم العبادات لانها باعتبار نجاسة الاثام والجمادات ليست باهل لها لايقال الحجر

دونوں صورتوں میں فساد ثابت ہوجائے گا اھ اور عنایہ میں ہے کہ تغیر اُن دونوں کے نزدیک (یعنی پانی کا بدلنا اور اُس کا میلا ہونا شیخین رضی اللہ عنہما کے نزدیک) نجاست حُکمیہ کا محل سے زائل ہوکر پانی کی طرف منتقل ہونے کے باعث ہوگا، اور یہ نجاست دونوں صورتوں میں ہی پانی کی طرف منتقل ہوئی ہے (قربۃ کی ادائیگی اور اسقاط فرض دونوں صورتوں میں) جیسا کہ گزرا کہ اِس کو نجاست حقیقیہ پر قیاس کیا گیا ہے، تو پانی کا فساد دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا اھ اسی قسم کی بات بحر میں محیط سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں پانی کا تغیر امام محمد کے نزدیک اِس پر مبنی ہے کہ قُربت اُس سے ادا کی گئی ہے، اور شیخین کے نزدیک اس لیے ہے کہ پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوئی ہے اور دونوں حالتوں ہی میں پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوئی ہے اس لیے پانی متغیر ہوجائے گا اھ اور تبیین میں ہے اِس کا سبب قُربۃ کا قائم کرنا ہے اور اُس سے حَدَث کا زائل کرنا ہے یہ شیخین کے نزدیک ہے، اور امام محمد کے نزدیک صرف قُربت کا ادا کرنا ہے، اور اول اصح ہے کیونکہ استعمال کا باعث یہ ہے کہ حَدَث کی نجاست اُس کی طرف منتقل ہوئی ہے یا گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہوئی ہے اھ

اور کافی میں ہے کہ کُتّے کا جھوٹا نجس ہے کیونکہ

---

[1] العنایۃ علی حاشیۃ فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۸

[2] بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱

[3] تبیین الحقائق الماء المستعمل بولاق مصر ۱/۲۴

الذی استعمل فی رمی الجمار یغسل ویرمی ثانیا لاقامة القربة به لان الحجر آلة الرمی وقد تتغیر الالة بنقل نجاسة الآثام الیها کمال الزکوٰة والماء المستعمل اھ[1] باختصار۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس برتن کو کُتّا چاٹ لے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے۔"

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو جائز ہے کہ غسل کا حکم تعبُّداً دیا جائے جیسے بے وضو کو وضو کا حکم دیا گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غسل تعبُّداً صرف نماز کی طہارت کے لیے مشروع ہوا ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت ہے، اور جمادات کو عبادات کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وُہ گناہوں کی نجاست کی وجہ سے ہے، اور جمادات گناہوں کے اہل نہیں ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ پتھر جو رمی جمرات میں استعمال ہوا ہو اس کو دھو کر دوبارہ اُسی سے قربت کی ادائیگی کیلئے رمی کی جائے تو کیا حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پتھر آلۂ رمی ہے اور آلہ اس کی طرف گناہوں کے منتقل ہونے کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال اور مستعمل پانی اھ باختصار۔

اقول وبما حثنا ھذہ ظھر وللہ الحمد ان مطلق الوقایة والنقایة والکنز والغرر والاصلاح والملتقی والتنویر محمول علی مقید الکتاب والھدایة والمنیة ومما یؤیدہ اطباقھم علی اشتراط الانفصال عن العضو للحکم بالاستعمال وانما وقع المقال فی اشتراط القرار بعد الانفصال فشرطه بعض المشائخ وبه جزم فی الکنز مخالفا لکافیه واختارہ الامام فخر الاسلام وغیرہ فی شروح الجامع الصغیر وھو مذھب الامام ابی حفص الکبیر والامام ظھیر الدین المرغینانی و قال فی الخلاصة ھو المختار ورجحه الاتقانی فی غایة البیان زاعما ان فی عدم اشتراطه حرجا کما بینه مع جوابه فی البحر والمذھب

الحمد للہ ہماری ان بحثوں سے معلوم ہوا کہ "وقایہ، نقایہ، کنز، غُرر، اصلاح، ملتقی اور تنویر کا اطلاق کتاب (قدوری) ہدایہ اور منیہ کے مقید پر محمول ہے، اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ان کا اتفاق ہے کہ پانی کا عضو سے جُدا ہونا اس کے مستعمل ہونے کے لیے شرط ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ انفصال کے بعد قرار کی شرط ہے یا نہیں؟ تو بعض مشایخ نے اس کی شرط رکھی ہے اور اسی پر کنز میں جزم کیا ہے جو اسکی اپنی کافی کے خلاف ہے، اور اس کو امام فخر الاسلام نے جامع صغیر کی شروح میں مختار قرار دیا ہے، اور یہی ابو حفص کبیر اور امام ظہیر الدین مرغینانی کا مذہب ہے، اور خلاصہ میں اسی کو مختار قرار دیا ہے، اور غایۃ البیان میں علامہ اتقانی نے اس کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو شرط نہ کرنے میں حرج ہے

---

[1] کافی

عندنا هو حكم الاستعمال بمجرد الانفصال و
صححه فی الهداية وكثير من الكتب و
اعتمده فی الكافی وضعف خلافه وعليه المحققون
كما فی الفتح والعامة كما فی البحر بل فی المحيط
ان القائل باشتراط الاستقرار الامام سفين
الثوری رحمه الله تعالیٰ دون اهل المذهب
وقد تكفل فی الفتح والبحر برد ما تعلقوا به
واشار اليه فی الدرر وبالجملة المذكور فی
كلام الفريقين هو الانفصال عن العضو المؤذن
بان المراد استعماله فی البدن (ف ١) لا غيره
والله تعالیٰ اعلم ورابعا محل نظر كون غسل
الاوانی بالماء لمجرد اثر الطعام قربة مطلوبة
بعينها بل المطلوب هو التنظيف وربما يحصل (ف ٢)
بلحس وبخرقة وبغير ماء مطلق والاول اقرب
الی التواضع والتادب بآداب السنة فاخرج الامام عہ
مسلم فی صحيحه عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه

جیسا کہ انہوں نے اس کو بیان کیا اور اس کا جواب بھی بحر میں دیا، اور ہمارے نزدیک پانی عضو سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہوجاتا ہے۔ اسی کو ہدایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح بہت سی کتب میں اس کو صحیح کہا ہے، اور کافی میں اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے خلاف کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اسی پر محققین ہیں جیسا کہ فتح میں اور عام کتب میں ہے کما فی البحر، بلکہ محیط میں ہے کہ استقرار کی شرط کے قائل امام سفیان ثوری ہیں، اہلِ مذہب نہیں ہیں اور فتح اور بحر میں ان کے دلائل کا رد کیا ہے اور دُرر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فریقین کے کلام میں مذکور عضو سے منفصل ہونا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مراد اس کا بدن ہی میں استعمال ہے فقط نہ کہ اسکے غیر میں، واللہ تعالیٰ اعلم

رابعاً محلِ نظر یہ امر ہے کہ برتنوں کو محض اس لیے دھونا کہ اُن پر کھانے کا اثر ہے یہی قُربت مطلوبہ ہے بلکہ مطلوب صفائی ہے جو کبھی چاٹ کر کبھی کپڑے سے

عہ ترجمہ احادیث (۱) صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُنگلیاں اور رکابی چاٹنے کا حکم فرماتے اور ارشاد کرتے تمھیں کیا معلوم کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے یعنی شاید اسی حصے میں ہو جو انگلیوں یا برتن میں لگا رہ گیا ہے۔

(۲) مسلم و احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کھانا کھا کر پیالہ خوب صاف کردینے کا حکم فرمایا کہ تم کیا جانو کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔

(۳) احمد و ترمذی و ابن ماجہ نبیشۃ الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی پیالے میں کھانا کھا کر زبان سے اُسے صاف کردے وہ پیالہ اُس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

(۴) امام حکیم ترمذی اسی مضمون میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرمایا اور وُہ برتن اس پر درود

(باقی اگلے صفحہ پر)

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر بلعق الاصابع والصحفۃ وقال انکم لا تدرون فی ایہ البرکۃ[1] ولہ کاحمد وابی داود والترمذی والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرنا ان نسلت القصعۃ قال فانکم لا تدرون فی ای طعامکم البرکۃ[2] وللامام احمد والترمذی وابن ماجۃ عن نبیشۃ الخیر الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل فی قصعۃ ثم لحسہا استغفرت لہ

اور کبھی امر مطلق کے غیر سے حاصل ہو جاتی ہے اور پہلا اقرب الی التواضع ہے اور اس میں اتباع سنت بھی ہے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ کس چیز میں برکت ہوگی! امام مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس سے مرفوعا روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں برتن صاف کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا تم کو پتا نہیں کہ تمہارے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔ امام احمد، ترمذی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھیجے۔ دیلمی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وہ پیالہ یوں کہے، الٰہی! اسے آتش دوزخ سے بچا جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے بچایا یعنی برتن سنا ہوا چھوڑ دیں تو شیطان اُسے چاٹتا ہے۔

(۵) حاکم و ابن حبان و بیہقی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کھا کر برتن نہ اٹھائے جب تک اُسے خود نہ چاٹ لے یا (مثلاً کسی بچے یا خادم کو) چٹادے کہ کھانے کے پچھلے حصہ میں برکت ہے۔

(۶) مسند حسن بن سفیان میں والد رالطہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پیالہ چاٹ لینا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اُس پیالے بھر کھانا تصدق کروں یعنی چاٹنے میں جو تواضع ہے اُس کا ثواب اُس تصدق کے ثواب سے زیادہ ہے۔

(۷) معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو رکابی اور اپنی انگلیاں چاٹے اللہ تعالٰی دنیا اور آخرت میں اُس کا پیٹ بھرے یعنی دنیا میں فقر و فاقہ سے بچے قیامت کی بھوک سے محفوظ رہے دوزخ سے پناہ دیا جائے کہ دوزخ میں کسی کا پیٹ نہ بھرے گا اُس میں وہ کھانا ہے کہ لا یسمن ولا یغنی من جوع نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے والعیاذ باللہ۔

---

[1] صحیح للمسلم استحباب لعق الاصابع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۷۵

[2] ایضاً ۱/۱۷۶

القصعة[1] زاد الامام الحکیم الترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ وصلت علیہ[2] وزاد الدیلمی عنہ فتقول اللھم اعتقہ من النار کما اعتقنی من الشیطان[3] والحاکم و ابن حبان فی صحیحیھما والبیھقی فی الشعب عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما فی حدیث یرفعہ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یرفع القصعة حتی یلعقھا او یُلعقھا فان فی اٰخر الطعام البرکة[4] و للحسن بن سفیٰن عن رائطة عن ابیھا رضی اللہ تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان العق القصعة احب الی من ان اتصدق بمثلھا طعاما[5] وللطبرانی فی الکبیر عن العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لعق الصحفة ولعق اصابعہ اشبعہ اللہ تعالٰی فی الدنیا والاٰخرة[6] وخصوص الغسل بالماء من الامور العادیة الشائعة بین المؤمنین الکفار فاذا نوی سنة التنظیف عہ ای التنظیف لانہ سنة

ابن ماجہ نے نبیشۃ الخیر الہذلی سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی پیالہ میں کھایا پھر اُسے کو چاٹا تو وہ پیالہ اس کے لیے استغفار کرے گا۔ امام حکیم ترمذی نے حضرت انس سے یہ لفظ نقل کئے "اور وہ برتن اس کے لیے دعا کرے گا" اور دیلمی نے اُن سے روایت کی کہ وہ پیالہ کہے گا یا اللہ اس کو نارِ جہنم سے آزاد فرما جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے چھٹکارا دلایا ہے، حاکم اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے شعب میں جابر بن عبد اللہ سے مرفوعًا روایت کیا، آپ نے فرمایا کہ پیالہ کو نہ اٹھائے تاوقتیکہ اس کو خود چاٹ لے یا دوسرے کو چاٹنے دے، کیونکہ کھانے کے آخر میں برکت ہے۔ اور حسن بن سفیان رائطہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے نزدیک پیالہ کا چاٹ لینا اس کی مقدار میں کھانے کے صدقہ کرنے سے افضل ہے، اور طبرانی نے کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے پلیٹ کو چاٹا اور انگلیوں کو چاٹا اللہ اس کو دُنیا اور آخرت میں شکم سیر فرمائے گا۔ اور پانی کے

عہ یرید ان الاضافة بیانیة لا لامیة لیصیر الغسل سنة فی ھذا التنظیف بل المعنی نوی سنة ھو التنظیف ای نوی التنظیف لکونہ سنة اھ منہ (م)

اضافت بیانیہ مراد ہے لامیہ نہیں تاکہ اس تنظیف میں دھونا سنّت بن جائے بلکہ معنی یہ ہے کہ سنّت کی نیت کی اور وہ تنظیف ہے یعنی تنظیف کی نیت کی کیونکہ وہ سنّت ہے اھ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن نبیشة، بیروت ۵/۷۶
[2] کنز العمال، اداب الاکل، مکتبة التراث حلب ۱۵/۲۵۳
[3] کنز العمال، اداب الاکل، مکتبة التراث حلب ۱۵/۲۵۳
[4] صحیح ابن حبان، " اثریہ سانگلہ ہل ۸/۳۳۵
[5] کنز العمال، " " " ۵/۲۷
[6] مجمع الزوائد، باب لعق الصحفہ والاصابع، بیروت ۵/۲۷

ادخله بنيته تحت عام محمود فكان كمتوضئ (جزء ۱۲۱) توضأ للتعليم۔

ساتھ دھونے کی خصوصیت ایک عادی امر ہے اس میں مومن وکافر کا بھی فرق نہیں، اب اگر اس نے تنظیف سے سنت کی نیت کی تو اس نے اس کو اپنی نیت سے ایک محمود عام کے تحت داخل کیا تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے تعلیم کے لیے وضو کیا۔

ثم **اقول** (ف۱) تحقیق المقام علی ما علمنی الملك العلام ان (ف۲) لیس کل ما جُعل قربة مغیرا للماء عن الطهورية بل يجب ان يكون الفعل المخصوص الذی يحصل بالماء اولا وبالذات قربة مطلوبة فی الشرع بخصوصه ومرجعه الی ان تكون القربة المطلوبة عينا لاتقوم الا بالماء اذ لو جاز ان تحصل بدونه لكان لتحققها موارد منها ما يحصل بالماء ومنها غيره فما يحصل بالماء اولا وبالذات لايكون مطلوبا بعينه بل محصلا لمطلوب بعينه فيتحصل ان يكون نفس انفاق الماء (ف ب) فی ذلك الفعل مطلوبا فی الشرع عينا اذ المطلو عينا لما لم يحصل الا به كان ايضا مطلوبا عينا كالمضمضة والاستنشاق فی الوضوء والتثليث فيه وفی الغسل ولو لميت ولعلك تظن ان هذه فائدة لم تعرف الا من قبل العلامة صاحب البحر وتبعه عليه اخوه فی النهر۔

اقول كلا بل المسألة اعنی وضوء المتوضئ للتعليم منصوص عليها فی المبتغى والفتح وغيرهما من كتب المذهب وقد نص فی الدر انها متفق عليها ولا شك انها صريحة

اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس مقام کی جو تحقیق میری سمجھ میں آئی ہے وُہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قُربۃ ہے وُہ پانی کو طہوریۃ سے بدلنے والی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ مخصوص فعل جو پانی سے ادا کیا جا رہا ہے، وُہ اوّلا وبالذات شریعت کی نگاہ میں قُربۃ مطلوبہ ہو، اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ قربۃ مطلوبہ ایک ایسا عین ہو جو پانی کے ساتھ ہی قایم ہو کیونکہ اگر اُس کے بغیر وُہ قربۃ حاصل ہوجائے تو اُس کے وجود کے کئی موارد ہوں گے کچھ تو پانی سے حاصل ہوں گے اور کچھ بغیر پانی کے حاصل ہوں گے تو جو چیز پانی سے اولاً وبالذات حاصل ہو تو وہ لعینہٖ مطلوب نہ ہوگی بلکہ لعینہٖ مطلوب کو حاصل کرنے والی ہوگی اس کا حاصل یہ ہوگا کہ محض پانی کا اس فعل میں صرف کرنا شرعاً مطلوب لعینہٖ ہو کیونکہ مطلوب لعینہٖ جب اس پر موقوف ہے تو یہ بھی مطلوب لعینہٖ ہوجائیگا جیسے کُلّی، ناک میں پانی کا ڈالنا وضو میں، اور تثلیث وضوء و غُسل میں اگرچہ میّت کے غسل میں ہو، اور شاید ہمارے قارئین کو یہ خیال گزرے کہ یہ فائدہ تو صاحب بحر اور ان کے بھائی صاحب نہر کے کلام ہی سے معلوم ہُوا ہے، تو میں کہتا ہوں یہ بات نہیں ہے، بلکہ تعلیم کے لیے وضو کرنے کا مسئلہ مبتغی اور فتح وغیرہ کتب مذہب میں منصوص ہے اور دُر میں تصریح

فی تلک الافادۃ فان التعلیم قربۃ مطلوبۃ قطعا وقد نواہ بھذا التوضی وھو فی ھذا الخصوص ایضا متبع للسنۃ الماضیۃ ان البیان بالفعل اقوی من البیان بالقول ومع ذلک اجمعوا انہ لایصیر مستعملا فکان اجماعا ان لیس کل قربۃ تغیر الماء بل التی لاتقوم الا بالماء اذلافارق فی التوضی بنیۃ التعلیم وبنیۃ الوضوء علی الوضوء الا ھذا ثم لابد ان تکون التی تتوقف علی الماء قربۃ مطلوبۃ بعینھا والا لعاد الفرق ضائعا اذ لاشک ان الوضوء للتعلیم محصل لقربۃ مطلوبۃ شرعا فیکون قربۃ وھولایقوم الابالماء لکن الشرع لم یطلبہ عینا انما طلب التعلیم وھولایتوقف علی انفاق الماء فاستقر عرش التحقیق علی ما افاد البحر وظھر ان الصواب فی فرع القدور والقصاع مع الغنیۃ فلذا اعولنا علیہ۔

کی ہے کہ یہ متفق علیہا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ اِس فائدہ میں صریح ہے، کیونکہ تعلیم قطعی طور پر قُربۃ ہے اور اس وضو سے اُس نے اُسی کی نیت کی ہے اور وُہ اِس خصوص میں گزشتہ سنت کی پیروی کرنے والا ہے کہ فعل کے ذریعہ بیان قول کے ذریعہ بیان سے اقوٰی ہوتا ہے، باوجود اس کے اُن کا اس امر پر اتفاق ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، تو یہ اجماع ہوگیا اس امر پر کہ ہر قربۃ پانی کو متغیر نہیں کرتی ہے بلکہ صرف وُہ قربت کرتی ہے جو پانی کے ساتھ ہی قائم ہو کیونکہ بہ نیت تعلیم وضو کرنے اور وضو بر وضو کی نیت میں فرق کرنے والی یہی چیز ہے۔ پھر جس قربت کا پانی پر موقوف ہونا لازم ہے وہ لعینہا مطلوب ہو ورنہ فرق ضائع ہوجائے گا کیونکہ تعلیم کے لیے کیا جانے والا وضو شرعی قربت کو حاصل کرنے والا ہے تو یہ قربت ہوگا، اور وضوٗ صرف پانی سے ہی ہوتا ہے لیکن شریعت میں وہ لعینہٖ مطلوب نہیں ہے، وہ تعلیم کے لیے مطلوب ہے اور تعلیم پانی خرچ کرنے پر موقوف نہیں ہے تو تحقیق وہی درست ہے جو بحر میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہانڈیوں اور پیالوں کے مسائل متفرعہ میں حق وُہ ہے جو غنیہ میں ہے لہذا ہم نے اسی پر اعتماد کیا۔ ت

اقول وممایؤیدہ اطلاقھم قاطبۃ [ف ۱] مسألۃ التوضی والاغتسال للتبرد [ف ۲] مع ان التبرد ربما یکون لجمع الخاطر للعبادۃ والتقوی علی مطالعۃ کتب العلم وھو لاشک اذن من القرب فکل مباح فعلہ العبد المؤمن بنیۃ خیر خیر غیرانہ لم یطلب عینا فی الشرع

پھر اس کی تائید تمام فقہاء کے اِس اطلاق سے ملتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وضوء اور غسل ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کرنا، حالانکہ ٹھنڈک حاصل کرنا کبھی اس غرض سے بھی ہوتا ہے کہ انسان عبادت میں پرسکون رہے یا مطالعہ اطمینان سے کرسکے اور بلاشبہ اس صورت میں یہ عبادت ہوگا کیونکہ

وان ساغ ان يصير وسيلة الى مطلوب واعظم
منه مسألة الاغتسال لازالة الدرن فهو
مطلوب عينا فى الشرع فانما بنى الدين على
النظافة وقد كانت هذه حكمة الامر بالاغتسال
يوم الجمعة كما افصحت به الاحاديث بيد ان
ازالة الوسخ لا يتوقف على الماء فلم يكن مما
طلب فيه الشرع انفاق الماء عينا بخلاف
غسل الجمعة والعيدين وعرفة والاحرام
فان من اغتسل فيها بماء ثمر اونبيذ تمر مثلا لم
يكن اتيا بالسنة قطعا وان ازال به الوسخ
والدرن وذلك ان الحكم يكون لحكمة ولكن
العباد مامورون باتباع الحكم دون الحكمة
كما قد عرف فى موضعه وهنالك تم الرد
على مسألة القصعة والقدر وتبين ولله
الحمد ان المراد بالقربة ههنا هى المتعلقة
بظاهر بدن الانسان مما ادار الشرع فيه
اقامة نفس القربة المطلوبة ولو ندبا على
امساس الماء عينا ولو مسحا بشرة بشر ولو
ميتا فزال الابهام واتضح المرام وظهرت
فى الفروع كلها الاحكام والحمد لله ولى
الانعام والان عسى ان تقوم تقول ال
الامر الى ان الماء انما يصير مستعملا اذا انفق
فيما كان انفاقه فيه مطلوبا فى الشرع عينا
فما الفارق فيه وفيما اذا انفق فى قربة مطلوبة
شرعا من دون توقف على الماء خصوصا كيف

ہر مباح جو انسان خیر کی نیت سے کرے خیر ہے، البتہ وہ
بعینہٖ مطلوب شرع نہیں، اگرچہ مطلوب کا وسیلہ
بن سکتا ہے اس سے بڑی بات غسل کا
مسئلہ ہے میل دور کرنے کیلئے یہ بعینہٖ مطلوب شرع ہے دین کی
بنیاد ہی نظافت پر ہے اور جمعہ کے دن غسل کے حکم کی
حکمت یہی ہے، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ البتہ
میل کا زائل کرنا پانی پر ہی موقوف نہیں، لہٰذا پانی کا
خرچ کرنا بعینہٖ مطلوب شرع نہ ہوا، اور جمعہ، عیدین،
وقوف بعرفہ، اور احرام کا غسل شرعاً مطلوب ہے،
ان غسلوں کو اگر کسی نے پھلوں کے عرق یا شیرۂ کھجور
سے کیا تو قطعی طور پر سنّت کی اتباع نہ ہوگی، خواہ اس
سے میل کچیل زائل ہو جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، لیکن بندوں پر
حکم کی پابندی ہے نہ کہ حکمت کی۔ یہ بات اپنے مقام
پر مذکور ہے یہاں تک پیالہ اور ہانڈی کے مسئلہ پر
رد مکمل ہوا، اور الحمد للہ یہ بات واضح ہوگئی کہ قربت سے
مراد اس مقام پر وہ قربۃ ہے جس کا تعلق ظاہر بدن
سے ہو جس میں شریعت نے قربت مطلوب، خواہ
ندبا ہی ہو، کا دار و مدار اس پر کیا ہے کہ انسان،
خواہ مردہ ہی ہو، کی جلد پر بعینہٖ پانی لگے،
خواہ بطور مسح ہی ہو، اس سے
ہمارا مقصود واضح ہوا اور مسئلہ کے فروع و احکام
ظاہر ہوئے الحمد للہ ولی الانعام۔

اب اس مقام پر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے
کہ مستعمل پانی وہ ہوتا ہے جو کسی ایسے عمل میں خرچ

وانما المغیر تحول نجاسة حکمیة و منھا نجاسة الاٰثام وھی تزول کلا او بعضا بکل قربة لعموم قولہ تعالٰی ان الحسنات یذھبن السیاٰت ذٰلك ذکری للذاکرین[1]

ہوا ہو کہ جس میں اس کا خرچ کیا جانا بعینہ مطلوب شرع ہو تو اس صورت میں اور جب پانی ایسی قربۃ میں خرچ کیا گیا ہو جو شرعاً مطلوب تو ہو مگر پانی پر موقوف نہ ہو کیا فرق ہوگا؟ جبکہ پانی میں تغیّر پیدا کرنے والی چیز اس کی طرف نجاست حکمیہ کا آنا ہے اور گناہوں کی نجاست بھی نجاست حکمیہ ہی ہے، جو کُلاً یا بعضاً ہر قربت سے دُھل جاتی ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی "ان الحسنٰت یذھبن السیاٰت" (نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہے یہ ذاکرین کے لیے نصیحت ہے) کے عموم کا تقاضا ہے۔ (ت)

اقول نعم ولوجہ اللہ الحمد ابدا تزول الاٰثام باذن اللہ بکل قربۃ رحمۃ منہ جلت اٰلاؤہ بھذہ الامۃ المبارکۃ المرحومۃ دنیا واخری بنبیھا الکریم الرؤف الرحیم المرسل رحمۃ والمبعوث نعمۃ افضل صلوات ربہ واجمل تسلیماتہ وازکی برکاتہ وادوم تحیاتہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وامتہ ابدا ولکن الزوال بقربۃ لایوجب التحول الی الاٰلۃ التی اقیمت بھا وما علمنا ذٰلك الا فی اٰلۃ عینھا الشرع کالمال فی الزکوۃ والماء فی الطھر لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الصدقات انما ھی اوسخ الناس[2] رواہ احمد ومسلم عن عبدالمطلب بن ربیعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ[3] رواہ الشیخان

میں کہتا ہوں ہاں یہ درست ہے گناہ ہر عبادت سے اللہ کی رحمت سے زائل ہوجاتے ہیں..... مگر گناہوں کا کسی قربت کی وجہ سے زائل ہونا اس امر کا متقاضی نہیں کہ وہ آلہ تطہیر کی طرف منتقل ہوجائیں، یہ بات صرف اسی آلہ میں ہے جس کو شریعت نے متعین کیا ہو جیسے زکوٰۃ میں مال اور طہارت میں پانی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکاۃ لوگوں کا میل کچیل ہے، اس کو احمد و مسلم نے عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا تو گناہ اُس کے جسم سے نکلیں گے یہاں تک کہ اُس کے ناخنوں کے نیچے سے نکلیں گے، اس کو شیخین نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مسلم یا مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اُس کے چہرہ سے ہر گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی دونوں

---

[1] القرآن ۱۱/ ۱۱۴

[2] صحیح المسلم تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۵

[3] صحیح للمسلم خروج الخطایا مع ماء الوضوء " ۱/ ۱۲۵

عن امیر المومنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ و
قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم
او المؤمن فغسل وجہہ خرج من وجہہ کل خطیئۃ
نظر الیہا بعینیہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء
فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ
کان بطشتہا یداہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء
فاذا غسل رجلیہ خرج کل خطیئۃ مشتہا رجلاہ
مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من
الذنوب[1] رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ والاحادیث کثیر شہیر فی ہذا المعنی
و اصحاب المشاہدۃ الحقۃ اعاد اللہ علینا
من برکاتہم فی الدنیا والاٰخرۃ یشاہدون
ماء الوضوء یخرج من اعضاء الناس متلوثا
بالاٰثام متلونا بالوانہا البشعۃ وعن ہذا
حکم امام اہل الشہود ابو حنیفۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ ان الماء المستعمل نجاسۃ مغلظۃ
لانہ کان یراہ متلطخا بتلک القاذورات فما
کان یسعہ الا الحکم بہذا وکیف یرد الانسان
امرا یراہ بالعیان قال الامام العارف باللہ سیدی
عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ الربانی و
کان من کبار العلماء الشافعیۃ فی میزان
الشریعۃ الکبرٰی سمعت سیدی علیا الخواص
رضی اللہ تعالٰی عنہ (وکان ایضا شافعیا کما
سیأتی) یقول مدارک الامام ابی حنیفۃ رضی
اللہ تعالٰی عنہ دقیقۃ لا یکاد یطلع علیہا الا

آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ،
جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو جو گناہ اس نے
اپنے ہاتھوں سے کئے وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری
قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور جب وہ اپنے
پیر دھوتا ہے تو اُس کے پیروں کے گناہ پانی کے ساتھ یا پانی
کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ
گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اس کو مسلم نے
ابوہریرہ سے روایت کیا، اور اس مفہوم کی احادیث
بکثرت مشہور و معروف ہیں، اور اصحاب مشاہدہ اپنی
آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو دھلتا
ہوا دیکھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ شہود کے امام
ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلظہ ہے
کیونکہ وہ اِس پانی کو گندگیوں میں ملوّث دیکھتے تھے،
تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اِس کے علاوہ اور کیا
حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا
کہ میں نے سیدی علی الخواص (جو بڑے شافعی عالم تھے) کو فرماتے
سُنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں
جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف اولیاء اللہ ہی مطلع ہو سکتے
ہیں، فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ جب وضو میں استعمال شدہ
پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر مکروہات ہوتے
ان کو پہچان لیتے تھے، اس لیے جس پانی کو مکلف نے
استعمال کیا ہو اس کے تین درجات آپ نے مقرر فرمائے:
اوّل: وہ نجاست مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال
ہے کہ مکلف نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

[1] صحیح لمسلم خروج الخطایا مع ماء الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۵

اهل الكشف من اكابر الاولياء قال وكان الامام
ابو حنيفة اذا رأى ماء الميضأة يعرف سائر
الذنوب التي خرت فيه من كبائر وصغائر ومكروهات
فلهذا جعل ماء الطهارة اذا تطهر به المكلف
له ثلثة احوال احدها انه كالنجاسة المغلظة
لاحتمال ان يكون المكلف ارتكب كبيرة الثاني
كالنجاسة المتوسطة لاحتمال ان يكون ارتكب
صغيرة الثالث طاهر غير مطهر لاحتمال ان
يكون ارتكب مكروها وفهم جماعة من مقلديه
ان هذه الثلثة اقوال في حال واحد والحال
انها في احوال بحسب حصر الذنوب في ثلثة
اقسام كما ذكرنا اه[1] وفيه ايضا رضي الله عن
الامام ابي حنيفة ورحم اصحابه حيث قسموا النجاسة
الى مغلظة ومخففة لان المعاصي لا تخرج عن
كونها كبائر او صغائر[2] وسمعت سيدي عليا الخواص
رحمه الله تعالى لو كشف للعبد لرأى الماء الذي
يتطهر منه الناس في غاية القذارة والنتن
فكانت نفسه لا تطيب باستعماله كما لا تطيب
باستعمال ماء قليل مات فيه كلب او هرة قلت
له فاذن كان الامام ابو حنيفة وابو يوسف
من اهل الكشف حيث قالا بنجاسة الماء
المستعمل قال نعم كان ابو حنيفة وصاحبه

دوم: نجاست متوسطہ، اس لیے کہ احتمال ہے کہ مکلف نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

سوم: طاہر غیر مطہّر، کیونکہ احتمال ہے کہ اس نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو،

ان کے بعض مقلدین سمجھ بیٹھے کہ یہ ابو حنیفہ کے تین اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ
اور اسی کتاب میں ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے نجاست کو مغلظہ اور مخففہ میں تقسیم کیا ہے، کیونکہ معاصی، کبائر ہوں گے یا صغائر۔

اور میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے وہ طہارت میں استعمال کئے جانے والے پانی کو انتہائی گندہ اور بدبو دار دیکھے گا اور وہ اس پانی کو اسی طرح استعمال نہ کر سکے گا جیسے اُس پانی کو استعمال نہیں کرتا ہے جس میں کتا یا بلی مرگئی ہو میں نے اُن سے کہا اس سے معلوم ہوا کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف اہلِ کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے، تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ ابو حنیفہ اور ان کے صاحب بڑے اہلِ کشف تھے، جب وہ اُس پانی کو دیکھتے جس کو لوگوں نے وضو میں استعمال کیا ہوتا تو وہ پانی میں گرتے ہوئے گناہوں کو پہچان لیتے تھے اور کبائر کے دھوون کو صغائر کے دھوون سے الگ

---

[1] المیزان الکبریٰ کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹

[2] ایضاً ۱/۱۰۸

من اعظم اهل الكشف فكان اذا رأى الماء الذي
يتوضأ منه الناس يعرف اعيان تلك الخطايا
التي خرت في الماء ويميز غسالة الكبائر عن
الصغائر والصغائر عن المكروهات والمكروهات
عن خلاف الاولى كالامور المجسدة حسا على حد
سواء قال وقد بلغنا انه دخل مطهرة جامع
الكوفة فرأى شابا يتوضأ فنظر في الماء المتقاطر
منه فقال يا ولدي تب عن عقوق الوالدين
فقال تبت الى الله عن ذلك ورأى غسالة شخص
اخر فقال له يا اخي تب من الزنا فقال تبت و
رأى غسالة اخر فقال تب من شرب الخمر
وسماع آلات اللهو فقال تبت اهـ وفيه ايضا
رحم الله تعالى مقلدي الامام ابي حنيفة
رضي الله تعالى عنه حيث منعوا الطهارة
من ماء المطاهر التي لم تستبحر لما يخر فيها
من خطايا المتوضئين وامروا اتباعهم بالوضوء
من الانهار او الآبار او البرك الكبيرة وكان
سيدي علي الخواص رحمه الله تعالى مع
كونه شافعيا لا يتوضأ من مطاهر المساجد في
اكثر اوقاته ويقول ان ماء هذه المطاهر لا
ينعش جسد امثالنا لتقذرها بالخطايا التي خرت
فيها وكان يميز بين غسالات الذنوب ويعرف
غسالة الحرام من المكروه من خلاف الاولى

ممتاز کرسکتے تھے، اور صغائر کے دھوون کو مکروہات سے
اور مکروہات کے دھوون کو خلافِ اولیٰ سے ممتاز کرسکتے
تھے اسی طرح جیسے محسوس اشیا ایک دوسرے سے
الگ ممتاز ہوا کرتی ہیں، فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے
کہ ایک مرتبہ آپ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل
ہوئے، تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کررہا ہے، اور پانی کے
قطرات اُس سے ٹپک رہے ہیں تو فرمایا اے میرے
بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً
کہا میں نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کے پانی کے
قطرات دیکھے تو فرمایا اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر۔
اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ ایک اور شخص کے وضو کا پانی
گرتا ہوا دیکھا تو اُس سے فرمایا شراب نوشی اور فحش
گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی اھ اسی میں
حضرت امام ابوحنیفہ کے بعض مقلدین سے مروی ہے کہ
اُنھوں نے اُن وضوخانوں کے پانی سے وضو کو منع کیا ہے
جن میں پانی جاری نہ ہو کیونکہ اُس میں وضو کرنے والوں
کے گناہ بہتے ہیں، اور اُنھوں نے حکم دیا کہ وہ نہروں کنوؤں
اور بڑے حوضوں کے پانی سے وضو کریں۔ اور سیدی علی
الخواص باوجود شافعی المذہب ہونے کے مساجد کے
طہارت خانوں میں اکثر اوقات وضو نہیں کرتے تھے
اور فرماتے تھے کہ یہ پانی ہم جیسے لوگوں کے جسموں کو صاف
نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ اُن گناہوں سے آلودہ ہے جو
اس میں مل گئے ہیں، اور وہ گناہوں کے دھوون میں

؎ المیزان الکبری الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹

ودخلت معه مرة میضأة المدرسة الازهریة فاراد ان یستنجی من المغطس فنظر ورجع فقلت لوقال رایت فیه غسالة ذنب کبیر غیرته فی هذا الوقت وکنت انا رأیت الذی دخل قبل الشیخ وخرج فتبعته واخبرته الخبر فقال صدق الشیخ قد وقعت فی زنا ثم جاء الی الشیخ وتاب هذا امرشاهدته من الشیخ اھ[1] کله ملتقطا وسقته لهذا لجمیل فائدته وجلیل عائدته ولیس ما عینته انت اٰلة لقربة فی معنی ما عینه الشارع فلا یلتحق۔

یہ فرق بھی کرلیتے تھے کہ یہ حرام کا ہے یا مکروہ کا یا خلافِ اولٰی کا، اور ایک دن میں ان کے ساتھ مدرسۃ الازہر کے وضوخانہ میں داخل ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ حوض سے استنجا کریں، تو اس کو دیکھ کر لوٹ آئے میں نے دریافت کیا کیوں؟ تو فرمایا کہ میں نے اس میں ایک گناہ کبیرہ کا دھوون دیکھا ہے جس نے اس کو متغیر کردیا ہے، اور میں نے اُس شخص کو بھی دیکھا تھا جو حضرت شیخ سے قبل وضوخانہ میں داخل ہوا تھا، پھر میں اُس کے پیچھے پیچھے گیا اور اُس کو حضرت شیخ نے جو کہا تھا اس کی خبردی، اُس نے تصدیق کی اور کہا کہ مجھ سے زنا واقع ہوا، اور حضرت شیخ کے ہاتھ پر آکر تائب ہُوا۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ ہے اھ یہ سب ماخوذ ہے اس کے عظیم فائدہ کے لیے میں نے اس کو ذکر کیا ہے، اور جس کو آپ نے قربت کا آلہ قرار دیا ہے وہ اُس معنی میں نہیں ہے جس کو شارع نے معین کیا ہے تو یہ اس کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے۔ ت

اقول بل الدلیل ناهض علی عدم الالتحاق الاتری ان ارواء الظمأن قربة مطلوبة قطعا وقد ورد فیه خصوصا انه محاء للذنوب اخرج الخطیب عن انس بن مالک رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا کثرت ذنوبك فاسق الماء علی الماء تتناثر کما یتناثر الورق من الشجر فی الریح العاصف اھ[2] فاذا استقیت له الماء من بئر او سکبت من اناء واعطیته ایاه فقد اقمت به قربة

میں کہتا ہُوں بلکہ دلیل عدم التحاق پر قائم ہے کیا یہ نہیں کہ پیاسے کو سیراب کرنا قربۃ مطلوبہ ہے، اور اِس بارے میں بطورِ خاص وارد ہوا کہ یہ گناہوں کا مٹانے والا ہے۔

خطیب انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تیرے گناہ زیادہ ہوجائیں تو تُو پانی پر پانی پلا تو تیرے گناہ اس طرح جھڑجائیں گے جس طرح تیز ہوا سے پیڑ کے پتّے جھڑجاتے ہیں اھ تو جب تُو نے اس کو

---

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰

[2] تاریخ بغداد عن انس بیروت ۶/۴۰۳

فلوتحولت نجاسة الأثام اليه لصار نجسا حراما شربه عند الامام وقذرا بالاجماع مكروه الشرب فيعود الاحسان اساءة والقربة على نفسها بالنقض وهو باطل اجماعا فما ذلك الالان الشرع انما طلب منك ان تهيئ له مايرويه و لم يعين له الماء بخصوصه بحيث لايجزئ غيره بل لو سقيته لبنا خالصا اوممزوجا بماء او ماء الورد او جلابا بثلج ولوزوماء الكاذي و امثال ذلك لكان اجد واجود وقمت القربة و ازيد والله يحب المحسنين وقد اشتد تشييدا[١] بهذا اركان ما نحونا اليه فی مسألة القدور والقصاع هذا كله ماظهر لی وارجوان قد زهر الامروزال القناع والحمد لله رب العلمين -

کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا یا کسی برتن سے انڈیلا اور اسکو دیا تو تونے اس کے ساتھ قربت کو قائم کیا، تو اگر گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ نجس ہوگا اور امام کے نزدیک اس کا پینا حرام ہوگا اور بالاجماع گندا ہوگا اور اس کا پینا مکروہ ہوگا تو احسان گناہ ہو جائے گا اور قربت اپنے نفس پر نقض ہو گی یہ بالاجماع باطل ہے، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ شریعت نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم اُس کے لیے وہ تیار کرو جو اس کو سیراب کرے، اور اس کے لیے کسی پانی کو مخصوص نہیں کیا ہے کہ اُس کے بغیر کفایت نہ ہو، بلکہ اگر تم اسکو خالص دُودھ، پانی ملا دودھ، عرق گلاب یا برف والا شربت خواہ وہ کیوڑے والا ہو تو زیادہ بہتر ہوگا تمھاری قربت ادا ہو گئی اور کچھ زیادہ بھی اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے، اور ہماری اس تقریر سے ہانڈیوں اور پیالوں والے مسئلہ کی مزید تائید ہوتی ہے - یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس سے معاملہ واضح ہو گیا ہے والحمدللہ رب العالمین - ت

تنبیہ عامة الكتب فی بیان الشق الاول من الماء المستعمل على التعبير بماء استعمل فی رفع حدث وعليه المتون كالقدوری و الهداية والوقاية والنقاية والاصلاح و الكنز والغرر والملتقى واعترضهم المحقق على الاطلاق فی الفتح[٢] بان الحدث لايتجزء ثبوتا اھ[٣] ای على القول الصحيح المعتمد فما

تنبیہ مستعمل پانی کی پہلی شق کے بیان میں عام کتب میں یہی ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو حدث دُور کرنے میں مستعمل ہوا ہو، متونِ کُتب میں یہی ہے، مثلاً قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر اور ملتقی وغیرہ، اور محقق علی الاطلاق نے فتح میں ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حدث کے ثبوت میں تجزی نہیں ہوتی ہے اھ یعنی قول صحیح معتمد پر، تو جب تک بدن کا

---

[١] فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۷۹/۱

بقیت ذرۃ مما لحقه حکم الحدث بقی الحدث فی
کل ما کان لحقه حتی لو ان محدثا او جنبا تطهر و
بقیت لمعۃ خفیفۃ فی رجله مثلا لم یحل
له مس المصحف بیدہ ولا بکمه ولا للجنب التلاوۃ
کل ذلک علی ما ھو المختار للفتوی فھذا الماء لم
یرفع الحدث ولو لم ینو لم تکن قربۃ ایضا مع
انه مستعمل قطعا بفروع کثیرۃ منصوصۃ عن
صاحب المذھب رضی اللہ تعالی عنه فی ادخال[1]
المحدث بعض اعضائه فی الماء لغیر ضرورۃ
الاغتراف علی ما فصلت فی الفتح والحلیۃ
والبحر وغیرھا وللتفصی عن ھذا قرر المحقق
ان صیرورۃ الماء مستعملا باحدی ثلث رفع
الحدث والتقرب وسقوط الفرض عن العضو
قال وعلیه تجری فروع ادخال الید والرجل
الماء القلیل لالحاجۃ ولا تلازم بین سقوط
الفرض وارتفاع الحدث فسقوط الفرض عن
الید مثلا یقتضی ان لا یجب اعادۃ غسلھا
مع بقیۃ الاعضاء ویکون ارتفاع الحدث
موقوفا علی غسل الباقی وسقوط الفرض ھو
الاصل فی الاستعمال لما عرف ان اصله
مال الزکوۃ والثابت فیه لیس الا سقوط الفرض
حیث جعل به دنسا شرعا علی ما ذکرناہ[1] و
تبعه تلمیذہ المحقق فی الحلیۃ ثم البحر فی

کوئی ذرہ جس سے حکمِ تطہیر لاحق ہوتا ہے باقی بچا رہے گا
حدث بھی اُس حصہ میں باقی رہے گا، یہاں تک کہ کوئی
بے وضو یا ناپاک شخص غسل کرتا ہے اور مثلاً اُس کے پیر
میں خشکی کی معمولی سی چمک باقی رہ جاتی ہے تو وہ مصحف
کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی آستین سے نہیں چھُو سکتا ہے
اور جُنب ہونے کی صورت میں تلاوت نہیں کرسکتا ہے
یہ سب فتوٰی کے لیے مختار ہے، تو اس پانی نے حدث
کو رفع نہیں کیا، اور اگر اُس نے نیت نہ کی تو قربت بھی
نہ ہوگی حالانکہ وہ قطعاً مستعمل ہے، اس میں بہت سی
فروع ہیں جو صاحبِ مذہب سے منقول ہیں، ان کا
تعلق اِس امر سے ہے کہ بے وضو اپنے کسی عضو کو
بلا ضرورت چلّو بھرنے کے لیے پانی میں ڈالے، جیسا کہ فتح،
حلیہ اور بحر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اِس اعتراض سے
رہائی حاصل کرنے کے لیے محقق نے یہ تقریر کی ہے کہ
پانی کے مستعمل ہونے کی تین صورتیں ہیں رفعِ حدث،
تقرب اور فرض کا عضو سے ساقط ہونا، فرمایا کہ اسی
پر یہ فروع متفرع ہوں گی کہ ہاتھ یا پیر تھوڑے پانی میں
بلا ضرورت ڈالا، اور سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث
میں کوئی تلازم نہیں ہے اب ہاتھ سے سقوطِ فرض مثلاً
چاہتا ہے کہ ہاتھ کے دھونے کا بقیہ اعضاء کے ساتھ
اعادہ نہ ہو، اور حدث کا مرتفع ہونا باقی اعضاء کے دھونے
پر موقوف ہو اور پانی کے استعمال میں سقوطِ فرض ہی اصل ہے
جیسا کہ معلوم ہے کہ اس کی اصل مالِ زکوۃ ہے اور

---

[1] فتح القدیر ماءِ مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹

البحر ثم تلميذه العلامة الغزي حتى جعله متنا واقره عليه المدقق في الدر واعتمده العارف بالله سيدي عبد الغني النابلسي في شرح هدية ابن العماد وزعم العلامة ش ان هذا السبب الثالث زاده في الفتح۔[1]

اس میں یہی ثابت ہے کہ سقوطِ فرض ہو، کیونکہ اس میں شرعا میل کچیل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ اور ان کے محقق شاگرد نے ان کی پیروی کی حلیہ میں، پھر صاحبِ بحر نے بحر میں۔ پھر ان کے شاگرد علامہ غزی نے، یہاں تک کہ اس کو متن قرار دیا، اور دُر میں اس کو مدقق نے برقرار رکھا، اور عبد الغنی نابلسی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں اس پر اعتماد کیا، اور علامہ ش نے فرمایا کہ اس تیسرے سبب کو فتح میں زیادہ کیا گیا۔ ت

اقول ف۱ وليس كذا بل هو منصوص عليه من صاحب المذهب رضي الله تعالى عنه ففي الفتح عن كتاب الحسن عن ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه ان غمس جنب او غير متوضئ يديه الى المرفقين او احدى رجليه في اجانة لم يجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه اھ[2] وقدمنا عن الهداية في تعليل قول ابي يوسف والامام رضي الله تعالى عنهما ان اسقاط الفرض مؤثر ايضا فيثبت الفساد بالامرين اھ[3] نعم المزيد من المحقق هو تثليث السبب وليس بذاك فان سقوط الفرض اعم مطلقا من رفع الحدث ففيه غنية عنه اما ما في منحة الخالق انه قد يرتفع الحدث ولا يسقط الفرض كوضوء الصبي العاقل لما مر من صيرورة ماءه

میں کہتا ہوں یہ بات درست نہیں ہے بلکہ یہ صاحبِ مذہب رحمہ اللہ سے ہی منصوص ہے، فتح میں حسن کی کتاب سے ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ اگر ناپاک شخص یا بے وضو شخص نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں تک پانی میں ڈبوئے یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈبویا تو اُس سے وضو جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا فرض اُس سے ساقط ہوچکا ہے اھ

اور ہم نے ہدایہ سے ابو یوسف کے قول یعنی امام کے قول کی بھی علت بیان کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ہے کہ اسقاطِ فرض بھی موثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ثابت ہوگا اھ ہاں محقق نے جو اضافہ کیا ہے وہ سبب کی تثلیث ہے، اور وہ درست نہیں کیونکہ سقوطِ فرض اعم مطلق ہے رفعِ حدث سے، لہٰذا یہ اس سے بے نیاز کرنے والا ہے، اور منحۃ الخالق میں ہے کہ کبھی حدث

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[2] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

[3] ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء العربیہ کراچی ۱/۲۲

مستعملا مع انہ لا فرض علیہ[1] اھ ختم ہوجاتا ہے اور فرض ساقط نہیں ہوتا جیسے عاقل بچّے کا وضو
کیونکہ ابھی گزرا ہے کہ اُس کا پانی مستعمل ہوجاتا ہے حالانکہ وضو اُس پر فرض نہیں۔ ت

فاقول لیس بشیئ فان حکم الحدث
انما یلحق المکلف وقد نصوا ان مراھقا جامع
او مراھقۃ جومعت انما یؤمران بالغسل
تخلقا واعتیادا[2] کما فی الخانیۃ والغنیۃ وغیرھما
وفی الدر یؤمر بہ ابن عشر تادیبا[3] فحیث
لم یسقط الفرض لانعدام الافتراض لم یرتفع
الحدث ایضا لانعدام الحکم بہ اما صیرورتہ
مستعملا فلیس لرفعہ حدثا والا صار مستعملا
من کل صبی ولو لم یعقل وھو خلاف المنصوص
بل لکونہ قربۃ معتبرۃ اذا نواھا ولذا قیدوہ
بالعاقل لان غیرہ لا نیۃ لہ والذی مران
اراد بہ ما مر فی البحر فھو قولہ
فی الخلاصۃ اذا توضأ الصبی فی طست ھل
یصیر الماء مستعملا المختار انہ یصیر اذا
کان عاقلا اھ[4] فھذا التقیید یفید ما قلنا و
قد قال فی الغنیۃ ان ادخل الصبی یدہ فی
الماء وعلم ان لیس بہا نجس یجوز التوضؤ
بہ وان شک فی طہارتہا یستحب ان لا یتوضأ بہ
وان توضأ جاز ھذا اذا لم یتوضأ الصبی بہ فان

میں کہتا ہوں یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حدث کا حکم
مکلف کو لاحق ہوتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر
کسی مراہق نے جماع کیا یا کسی مراہقہ سے جماع کیا گیا تو
ان کو اخلاق و آداب سکھانے کی غرض سے غسل کا حکم
دیا جائے گا، خانیہ اور غنیہ وغیرہ میں یہی ہے اور دُر
میں یہ ہے کہ دس سالہ لڑکے کو تادیباً غسل کا حکم دیا جائیگا
جب فرض ساقط نہ ہوگا کیونکہ فرضیت منعدم ہے تو حدث بھی
مرتفع نہ ہوگا کیونکہ اس کا حکم منعدم ہے، اور رہا اس کا
مستعمل ہونا تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے
حدث کو رفع کیا ہے ورنہ تو ہر بچّہ کا مستعمل پانی مستعمل
ہوجاتا اگرچہ وہ عاقل نہ ہو، اور یہ خلاف منصوص ہے
بلکہ یہ اس لیے ہے کہ یہ قربت اُسی وقت معتبر ہوگی
جبکہ وہ اُس کی نیت کرے، اور اسی لیے انہوں نے
بچّہ کو عاقل سے مقید کیا ہے کیونکہ غیر عاقل کی نیت نہیں
ہوتی ہے، اور جو گزرا اگر اُس سے ان کا ارادہ وہ ہے
جو گزرا بحر میں تو ان کا وہ قول خلاصہ میں ہے کہ جب
بچّہ طشت میں وضو کرے تو آیا پانی مستعمل ہوگا؟
تو مختار یہ ہے کہ اس وقت مستعمل ہوگا جب بچّہ عاقل
ہو اھ تو یہ تقیید اُسی چیز کا فائدہ دے رہی ہے

۱؎ منحۃ الخالق علی البحر المآء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲
۲؎ قاضی خان فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱
۳؎ درمختار موجبات الغسل مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱
۴؎ خلاصۃ الفتاوٰی المآء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸

توضأ به ناويا اختلف فيه المتأخرون والمختار انه يصير مستعملا اذا كان عاقلا لانه نوى قربة معتبرة[1] اھ وان اراد به ما مر فی نفس المنحة قبيل هذا بسطور فهو اصرح وابين حيث قال نقلا عن الخانية الصبی العاقل اذا توضأ يريد به التطهير ينبغی ان يصير الماء مستعملا لانه نوی قربة معتبرة[2] ثم افاد بنفسه ان قوله يريد به التطهير يشير الی انه ان لم يرد به التطهير لا يصير مستعملا[3] اھ ولكن سبحن من لا ينسى ثم قال فی المنحة بقی هل بين سقوط الفرض والقربة تلازم ام لا الخ[4]

جو ہم نے کہی ہے، اور غنیہ میں فرمایا کہ اگر بچّہ نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور یہ علم تھا کہ اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست موجود نہیں ہے تو اُس پانی سے وضو جائز ہے، اور اس کی طہارت میں شک ہے تو مستحب یہ ہے کہ اُس پانی سے وضو نہ کرے اور اگر وضو کیا تو جائز ہے، یہ اُس صورت میں ہے جب کہ بچّہ نے اُس سے وضو نہ کیا ہو اور اگر نیت کے ساتھ وضو کیا ہو تو متاخرین کا اس میں اختلاف ہے، اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر وہ عاقل ہو تو مستعمل قرار پائے گا کیونکہ اُس نے معتبر قربت کی نیت کی ہے اھ اور اگر وہ ارادہ کیا جو نفسِ منحہ میں گزرا ہے اس سے چند سطور قبل تو وہ اور زیادہ واضح اور روشن ہے وہ خانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عاقل بچّہ جب وضو کرے اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ پانی مستعمل ہو جائے، کیونکہ اُس نے معتبر قربۃ کی نیت کی اھ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کا قول "یرید بہ التطہیر" اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اس نے نیّتِ تطہیر کی تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ لیکن بے عیب ہے وُہ خدا جو بھولتا نہیں۔ پھر منحہ میں فرمایا اب یہ امر باقی رہ گیا ہے کہ آیا سقوطِ فرض اور قربۃ میں تلازم ہے یا نہیں الخ۔ (ت)

اقول مراده هل القربة تلزم سقوط الفرض ام لا فان التلازم يكون من الجانبين ولا يتوهم عاقل ان سقوط الفرض يلزم القربة فان الاستنشاق فی الوضوء والمضمضة فيه وللطعام ومنه والوضوء على الوضوء وامثالها

اقول ان کی مراد یہ ہے کیا قربت سقوطِ فرض کو مستلزم ہے یا نہیں؛ کہ تلازم جانبین سے ہی ہوتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے کہ سقوطِ فرض مستلزمِ قربت ہے، کیونکہ وضو میں ناک میں پانی ڈالنا اور کُلی کرنا اور کھانے کے لیے کُلی کرنا اور اس کے

---

[1] غنیۃ المستملی الماء المستعمل سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۵۳
[2] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱
[3] و [4] ایضاً ۱/۹۲

کل ذلک قرب ولا سقوط لفرض ولکن تسامح فی العبارۃ وظن انه تبع فیه الفتح والبحر حیث قالا لا تلازم بین سقوط الفرض وارتفاع الحدث قال فی المنحۃ المراد نفی التلازم من احد الجانبین وھو جانب سقوط الفرض[1] الخ

بعد کلی کرنا اور وضو پر وضو اور اسی جیسی دوسری چیزیں سب کی سب عبادتیں ہیں لیکن اِن سے کوئی فرض ساقط نہیں ہوتا ہے، لیکن انہوں نے عبارت میں تسامح سے کام لیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ اس میں انھوں نے فتح اور بحر کی متابعت کی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث میں تلازم نہیں۔ منحہ میں فرمایا ایک جانب سے تلازم کی نفی ہے اور وہ سقوطِ فرض کی جانب ہے الخ (ت)

اقول لیس کذلک بل التلازم ھو اللزوم من الجانبین فسلبه یصدق بانتفاء اللزوم من احد الجانبین وھو المراد للفاضلین العلامتین وتفسیرہ باللزوم من احد الجانبین مفسد للمعنی اذ بورود السلب علیه یکون الحاصل نفی اللزوم من کلا الجانبین ولیس صحیحا ولا مرادا وعلی کل فھذا السؤال مما یھمنا النظر فیه اذ لو ظھر لزوم القربۃ لسقوط الفرض سقط سقوط الفرض ایضا کما ارتفع رفع الحدث ودار حکم الاستعمال علی القربۃ وحدھا کما نسبوہ الی الامام محمد وان کان التحقیق انه لم یخالف شیخیه فی ذلک کما بینه فی الفتح والبحر فرأینا العلامۃ صاحب المنحۃ فاذا ھو اجاب عما سأل فقال ان قلنا ان اسقاط الفرض لا ثواب فیه فلا وان قلنا فیه ثواب فنعم قال العلامۃ المحقق نوح افندی والذی یقتضیه النظر الصحیح

میں کہتا ہوں بات یہ نہیں ہے بلکہ تلازم کا مطلب یہ ہے کہ لزوم دونوں جانب سے ہو، تو اس کا سلب احد الجانبین سے لزوم کے انتفاء کی صورت میں صادق آئے گا اور یہی مراد ہے دونوں فاضل علماء کی، اور اس کی تفسیر احد الجانبین کے لزوم کے ساتھ معنیٰ کو فاسد کرنے والی ہے، کیونکہ جب اس پر سلب وارد ہوگا تو حاصل نفی لزوم ہوگا دونوں جانبوں سے اور یہ نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی مراد ہے، اور بہرنوع ہمیں اس سوال پر غور کرنا ہے کیونکہ اگر قربت اور سقوطِ فرض کا لزوم ظاہر ہوجائے تو سقوطِ فرض بھی ساقط ہوجائے گا جیسے کہ رفعِ حدث مرتفع ہُوا اور حکمِ استعمال کا دارومدار محض قربۃ پر ہوجائیگا جیسا کہ فقہاء نے اُس کو امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ تحقیق یہی ہے کہ انہوں نے شیخین کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے، علامہ صاحبِ منحہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں کہ اگر اسقاطِ فرض میں کوئی ثواب نہ مانا جائے تو یہ درست

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

ان الراجح هو الاول لان الثواب فی الوضوء المقصود وهو شرعا عبارة عن غسل الاعضاء الثلثة ومسح الراس فغسل عضو منها لیس بوضوء شرعی فکیف یثاب علیه اللهم الا ان یقال انه یثاب علی غسل کل عضو منها ثوابا موقوفا علی الاتمام فان اتمه اثیب علی غسل کل عضو منها والافلا ویدل علیه ما اخرجه مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن الی اخر الحدیث الذی قدمناه اھ۔

نہیں، اور اگر کہیں کہ اس میں ثواب ہے تو یہ درست ہے۔ علامہ نوح آفندی فرماتے ہیں نظر صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ راجح پہلا قول ہی ہے کیونکہ ثواب مقصود وضو میں ہے اور وہ شرعاً اعضائے ثلثہ کے دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں، تو ایک عضو کا دھونا شرعی وضو نہیں ہے تو اس پر ثواب کیسے ہوگا! ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثواب کسی ایک عضو کے دھونے کا ثواب موقوف رہے گا مکمل وضو کرنے پر، اب اگر مکمل کرلے گا تو ہر ہر عضو کے دھونے پر ثواب پائے گا ورنہ نہیں۔ اس کی دلیل مسلم کی روایت ابوہریرہ سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان یا مومن وضو کرتا ہے الحدیث الذی قدمناہ اھ (جو حدیث ہم پہلے بیان کر چکے) ت

اقول اولا (ف۱) لا معنی للزوم القربة سقوط الفرض وان قلنا بثبوت الثواب فی اسقاط الفرض اذ لا ثواب الا بالنیة وسقوط الفرض لا یتوقف علیها فالحق ان بینهما عموما من وجه مطلقا ولو نظر (ف۲) رحمه الله تعالی الی فرق ما بین تعبیریه بالسقوط والاسقاط لتنبه لان الثواب ان کان لم یکن الا بالقصد المدلول علیه بالاسقاط والسقوط لا یتوقف علیه **وثانیا** (ف۳) للعبد الضعیف کلام فی توقف الثواب فی الطهارة علی الاتمام بل الثواب منوط بنیة الامتثال کما قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات

میں کہتا ہوں اولاً قربۃ کے سقوطِ فرض کو لازم ہونے کے کوئی معنی نہیں، خواہ ہم یہ کہیں کہ ثواب ثابت ہوگا اسقاطِ فرض میں، کیونکہ ثواب بلا نیت کے نہیں ہوتا اور فرض کا سقوط نیت پر موقوف نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ ان دونوں میں عموم من وجہ مطلقاً ہے، اور اگر وہ رحمہ اللہ دونوں تعبیروں کے فرق کو دیکھتے، یعنی سقوط اور اسقاط تو ان کو معلوم ہوتا کہ ثواب نیت سے ہوتا ہے جو اسقاط سے مفہوم ہوتی ہے اور سقوط اس پر موقوف نہیں۔

ثانیاً عبد ضعیف کو اس امر میں کلام ہے کہ ثواب موقوف ہے طہارت کے مکمل ہونے پر بلکہ ثواب موقوف ہے حکم ماننے کی نیت پر جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ منحة الخالق علی حاشیة بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲

وانما لکل امریٔ ما نوی[1] فمن جلس یتوضأ ممتثلا
لامر ربه ثم عرض له فی اثنائه ما منعه عن
اتمامه فکیف یقال لا یثاب علی ما فعل واللّٰہ لا
یضیع اجر المحسنین[2] نعم من نوی من بدء
الامر انه لا یأتی الا ببعض فهذا الذی یرد علیه
انه لم یقصد الوضوء الشرعی بل هو عابث بقصد
ما لا یعتبر شرعا والعابث لا یثاب بخلاف من
قدمنا وصفه ویترائی لی ان مثل ذلك العابث
من قصد الوضوء الشرعی واتی ببعض الاعمال
ثم قطع من دون عذر فان اللّٰہ تعالٰی سمی القطع
ابطالا اذ یقول عزمن قائل ولا تبطلوا اعمالکم[3]
والباطل لا حکم له واللّٰہ تعالٰی اعلم **وثالثا**
محو الخطایا ان لم یکن ثوابا فلا ذکر له فی الحدیث
اصلا وان کان فالحدیث حاکم بترتب ثواب کل
فعل فعل عند وقوعه ولا دلالة فیه علی توقف
الاثابة الی ان یتم وبالجملة فلا اغناء لاحد
من القربة والسقوط عن الاخر بخلاف الرفع
والسقوط فلا وجه للتثلیث ثم رأیت العلامة
ش اشار الی هذا فی رد المحتار حیث قال رفع
الحدث لا یتحقق الا فی ضمن القربة او اسقاط
الفرض او فی ضمنهما فیستغنی بهما عنه[4] اھ

نے فرمایا "بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور
ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے، تو جو شخص
اپنے رب کے حکم کو ماننے کے لیے وضو کرنے بیٹھا پھر
درمیان میں کوئی ایسا امر لاحق ہوا کہ وہ وضو مکمل نہ
کرسکا تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کرچکا ہے
اس پر اس کو ثواب نہیں ملے گا، اللہ اچھے کاموں کا
اجر برباد نہیں کرتا، ہاں اگر کسی نے شروع سے ہی یہ نیت
کی کہ وہ بعض اعضاء کو دھوئے گا، تو یہ ہے جس پر یہ اعتراض
وارد ہوگا کہ اُس نے وضوِ شرعی کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ
وہ ایک ایسا کام کرکے جو شرعاً غیر معتبر ہے عبث کر رہا ہے
اور جو عبث کرتا ہو اس کو ثواب نہیں ملے گا، بخلاف
اس کے جس کا وصف ہم نے پہلے بیان کیا، اور مجھے لگتا ہے
کہ اسی عبث کرنیوالے کی طرح ہے وہ شخص جس نے شرعی وضو کا ارادہ کیا
اور بعض اعمال کئے پھر وضو کو بلا عذر نامکمل چھوڑ دیا کیونکہ
اللہ نے قطع کو ابطال قرار دیا ہے، اللہ فرماتا ہے "تم
اپنے اعمال کو باطل نہ کرو" اور باطل کا کوئی حکم نہیں، واللہ
تعالٰی اعلم۔

ثالثاً یہ کہ خطاؤں کا مٹ جانا اگر ثواب نہیں ہے
تو اس کا ذکر حدیث میں بالکل نہیں ہے اور اگر ثواب ہے تو
حدیث کا حکم یہ ہے کہ ہر فعل کا ثواب اس فعل کے
واقع ہوجانے کے وقت مرتب ہوگا، اور اس میں اس

---

[1] جامع للبخاری باب کیف بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲
[2] القرآن ۹/ ۱۲۰
[3] القرآن ۴۷/ ۳۳
[4] رد المحتار الماء المستعمل مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۶

امر پر دلیل نہیں کہ ثواب تمام پر موقوف ہوگا، اور خلاصہ یہ کہ قربت اور سقوط میں سے کسی ایک کو دوسرے سے بے نیازی نہیں بخلاف رفع اور سقوط کے، تو تثلیث کی کوئی وجہ نہیں، پھر میں نے علامہ ش کو دیکھا کہ انھوں نے ردالمحتار میں اس طرف اشارہ کیا فرمایا رفع حدث قربۃ کے ضمن ہی میں متحقق ہوتا ہے یا اسقاط فرض کے یا دونوں کے ضمن میں متحقق ہوتا ہے، تو ان دونوں سے اس میں بے نیازی حاصل کی جائے گی اھ (ت)

اقول لم یظھر لی کیف یتحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط الفرض حتی یصح ھذا التثلیث الاٰخر الذی ذکرہ ھذا العلامۃ بل کلما رفع الحدث لزم منہ سقوط الفرض کما اعترف بہ فی المنحۃ فان جنح الی ما قدمنا عنہ من مسألۃ وضوء الصبی العاقل ای اذا توضأ ناویا فقد تحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط فرض۔

میں کہتا ہوں مجھ پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ رفع حدث قربۃ کے ضمن میں کیسے متحقق ہوگا بغیر فرض کے سقوط کے یہاں تک کہ یہ دُوسری تثلیث جس کی طرف اس علامہ نے اشارہ کیا ہے صحیح قرار پائے، بلکہ جب بھی حدث مرتفع ہوگا اس سے فرض ساقط ہوگا، جیسا کہ منحہ میں اس کا اعتراف کیا ہے، تو اگر اس کی طرف مائل ہوں جو ہم نے پہلے ان سے نقل کیا ہے یعنی عاقل بچّہ کا وضو، جب عاقل بچہ نیت کے ساتھ وضو کرے تو حدث قربت کے ضمن میں مرتفع ہوجائے گا مگر فرض ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

فاقول اولا قد علمت بطلانہ **وثانیا** ان سلم ھذا یلزم ان یتحقق رفع الحدث من دون قربۃ ولا سقوط فرض اذا توضأ الصبی غیر ناو لان رفع الحدث لا یفتقر الی النیۃ والقربۃ لا توجد بدونھا فحینئذ ینھدم اصل المرام ویعود التثلیث الذی ذکرہ المحقق فالصواب ما ذکرت ان رفع الحدث یلزمہ سقوط الفرض ففیہ غنیۃ عنہ۔

میں کہتا ہوں اولاً تم اس کا بطلان جان چکے ہو۔

ثانیاً اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رفعِ حدث متحقق ہو بلا قربت کے، اور نہ فرض کا سقوط ہو جب بچہ بلا نیت وضو کرے، کیونکہ رفعِ حدث محتاجِ نیت نہیں ہوتا جبکہ قربت بلا نیت نہیں پائی جاتی ہے اس صورت میں اصلِ مقصود ہی ختم ہوجائے گا اور وہ تثلیث عَود کر آئے گی جس کو محقق نے ذکر کیا ہے، تو صحیح وہی ہے جس کو میں نے ذکر کیا کہ رفع حدث کو سقوط فرض لازم ہے، پس یہ اُس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ (ت)

ثم اقول لو ان المحقق علی الاطلاق حانت منہ التفاتۃ ھھنا الی کلام مشروحہ الھدایۃ لما جنح الی تثلیث السبب ولظھر

پھر میں کہتا ہوں اگر محقق علی الاطلاق صاحبِ ہدایہ کے کلام پر توجہ دیتے تو تثلیث سبب کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور رجوع عام کتب اور متون سے

له الجواب ايضا عما اعترض به كلام العامة و
المتون وذلك ان الامام صاحب الهداية قدس
سره عبر في المسألة بما ازيل به حدث او
استعمل قربة وقال في الدليل اسقاط الفرض
مؤثر ايضا فيثبت الفساد بالامرين فافاد ان
المراد بزوال الحدث هو سقوط الفرض وان
مؤداهما ههنا واحد ولا شك ان سقوط الفرض
عن عضو دون عضو بل عن بعض عضو دون
بعضه الاخر ثابت متحقق وان لم يترتب عليه
احكام ارتفاع الحدث وهو كما قدمت الاشارة
اليه في بيان الفروع يشمل ما اذا تطهر كاملا او
غسل شيئا من اعضائه بل عضوه فلا تثليث
ولا اعتراض بعدم التجزي وتحقيقه ما افاده
في المنحة نقلا عن العلامة نوح افندي في
حواشي الدرر ناقلا عن الشيخ قاسم في حواشي
المجمع ان الحدث يقال بمعنيين المانعية
الشرعية عما لا يحل بدون الطهارة وهذا
لا يتجزى بلا خلاف عند ابي حنيفة وصاحبيه
وبمعنى النجاسة الحكمية وهذا يتجزء ثبوتا
وارتفاعا بلا خلاف عند ابي حنيفة واصحابه

اعتراض ہوتا تھا اُس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا، اس
کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے مسئلہ میں یہ تعبیر
کی ہے کہ وُہ پانی جس سے حدث زائل کیا گیا ہو یا بطور
قربت استعمال کیا گیا ہو، اور دلیل میں فرمایا کہ اسقاط
فرض بھی مؤثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ظاہر ہوگا
اس سے معلوم ہوا کہ زوالِ حدث سے مراد سقوطِ فرض
ہے اور دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اور اس میں شک
نہیں کہ فرض کا سقوط ایک عضو سے نہ کہ دوسرے
عضو سے، بلکہ بعض عضو سے نہ کہ دوسرے بعض سے ثابت
محقق ہے اگرچہ اس پر ارتفاع حدث کے احکام مترتب
نہیں ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں اشارہ کرچکا ہوں بیان
فروع میں اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ پوری طرح
طہارت کی یا کچھ اعضاء دھوئے بلکہ اپنے ایک عضو کا حصہ
دھویا تو نہ تثلیث ہوگی اور نہ عدم تجزی کا اعتراض ہوگا،
اس کی تحقیق منحہ میں علامہ نوح آفندی کی اُس
تحقیق سے منقول ہے جو درر کے حواشی میں منقول ہے اور
جو حواشی مجمع میں شیخ قاسم سے منقول ہے کہ حدث کا
اطلاق دو معنی میں ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ جو چیز
بلا طہارت جائز نہ ہو اُس کی شرعی ممانعت، اور یہ چیز
ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کے درمیان بالاتفاق

عـه اقول قال في الاول عند ابي حنيفة و
صاحبيه لان من المشائخ من قال بتجزيه

اقول پہلے کے متعلق امام ابوحنیفہ کے ساتھ صاحبیہ تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے
کیونکہ بعض مشایخ نے کہا جنبی کو قرأت کے لیے کُل

(باقی اگلے صفحہ پر)

له الهداية باب الماء الذي لا يجوز به الوضوء المكتبة العربية ١/٢٢

وصیرورۃ الماء مستعملا بازالۃ الثانیۃ ففی مسألۃ البئر سقط الفرض عن الرجلین بلا خلاف والماء الذی اسقط الفرض صار مستعملا بلا خلاف علی الصحیح اھ قال العلامۃ نوح ھذا ھو التحقیق فخذہ فانہ بالاخذ حقیق[1] اھ

غیر متجزی ہے، اور دُوسرا معنی نجاست حُکمیہ، اور یہ چیز ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان بالاتفاق متجزی ہے ثبوتاً بھی اور ارتفاعاً بھی، اور پانی جو مستعمل ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے ازالہ سے ہوتا ہے، تو کنوئیں کے مسئلہ میں دونوں پیروں کا فرض ساقط ہوگیا اور وُہ پانی جو اسقاطِ فرض میں استعمال ہوا مستعمل ہوگیا، صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں، اھ علامہ نوح آفندی نے فرمایا تحقیق یہی ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے اھ۔ (ت)

اقول ف۱ بل اختار فی غایۃ البیان ثم النھر ثم الدر ان حقیقۃ الحدث ھو المعنی الثانی قال فی البحر تبعا للفتح الحدث مانعیۃ شرعیۃ قائمۃ بالاعضاء الی غایۃ استعمال المزیل[2] اھ قال فی النھر وتبعہ الدر ھذا تعریف بالحکم وعرفہ فی غایۃ البیان بانہ وصف شرعی یحل فی الاعضاء یزیل الطھارۃ[3] قال وحکمہ المانعیۃ لما جعلت الطھارۃ شرطا لہ الخ ونظر فیہ ش نقلا عن حاشیۃ الشیخ خلیل الفتال عازیا لبعض الفضلاء بان حکم الشیئ ما کان اثرا لہ خارجا

میں کہتا ہُوں غایۃ البیان، نہر اور دُر نے دوسرے معنی کو مختار قرار دیا ہے، بحر میں فتح کی متابعت کرتے ہوئے فرمایا حدث شرعی مانعیت ہے جو اعضاء کے ساتھ اس وقت تک قائم رہتی ہے یہاں تک کہ زائل کرنے والی چیز استعمال کی جائے، نہر اور دُر میں ہے کہ یہ حکم کے ساتھ تعریف ہے، اور غایۃ البیان میں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وصف ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور طہارت کو زائل کرتا ہے فرمایا کہ اس کا حکم مانعیت ہے اس چیز کی جس کے لیے طہارت شرط ہے الخ اور "ش" نے اس میں حاشیہ شیخ خلیل فتال سے نقل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حتی اجاز للجنب القراءۃ بعد المضمضۃ وللمحدث المس بعد غسل الید وقال ھھنا واصحابہ لان تجزی ھذا لا خلاف فیہ عند مشایخنا اھ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کافی ہے اور محدث کو مسِ مصحف کے لیے ہاتھ دھونا کافی ہے اور یہاں دوسرے معنی میں اصحاب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ اس کو سب نے کافی کہا ہمارے مشایخ کا اس میں اختلاف نہیں اھ (ت)

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] بحر الرائق باب شروط الصلوٰۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۷
[3] در مختار کتاب الطہارۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۶

عند مترتبا عليه والمانعية المذكورة ليست كذلك وانما حكم الحدث عدم صحة الصلاة معه وحرمة مس المصحف ونحو ذلك فالتعريف بالحكم كأن يقال الحدث مالا تصح الصلاة معه تامل[1] [ف ١] اھ قال ش على ان التعريف بالحكم مستعمل عند الفقهاء لان الاحكام محل مواقع انظارهم[2] اھ وقد اشار اليه ط وقال على قوله مانعية ای كونه مانعا من الصلاة ومس المصحف و الاظهر ان يقال مانع شرعی[3] اھ

کرتے ہوئے نظر کی ہے، اور اس کو بعض فضلاء کی طرف منسوب کیا ہے کہ ہر چیز کا حکم اس کے اثر کو کہتے ہیں جو اس سے خارج ہو اور اس پر مرتب ہو اور مذکورہ مانعیت اس قسم کی نہیں ہے، اور حدث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی اور مصحف کو نہیں چھوا جاسکتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے احکام، تو تعریف بالحکم اس طرح ہوسکتی ہے کہ حدث وہ چیز ہے جس کے ساتھ نماز درست نہ ہو، تامل اھ "ش" نے فرمایا کہ علاوہ ازیں تعریف بالحکم فقہاء کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ احکام ہی سے وہ بحث کرتے ہیں اھ اور "ط" نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور "مانعیت" پر فرمایا کہ اس کا نماز سے مانع ہونا اور مصحف کے چھونے سے مانع ہونا ہے، اور اظہر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ مانع شرعی ہے اھ ت

اقول وبالله التوفيق كلام المعترضين [ف ٢] على البحر كله بمعزل عن غوص القعر فان مبناه طرا على ان تعريف البحر غير تعريف الغاية ولا دليل عليه فان المانعية بمعنى الحال فضلا عن كونه مما لا قيام له بموضوع لعدم كونه من الصفات المنضمة لا قيام لها بالاعضاء اصلا فانها غير مانعة حتى تكون لها مانعية وبمعنى النسبة ای شیئ له انتساب الى مانع شرعی صادق قطعا على ذلك الوصف

میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں معترضین کے بحر پر اعتراضات گہرائی سے خالی ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد اس پر ہے کہ بحر کی تعریف غایہ کی تعریف سے مختلف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ مانعیت بمعنی حال ہے اس سے قطع نظر کہ وہ صفات منضمہ میں سے نہ ہونے کی بنا پر اپنے موضوع کے ساتھ قائم نہیں ہوتی، اس کا اعضاء کے ساتھ قیام بالکل ہوتا ہی نہیں کیونکہ اعضاء مانع نہیں تاکہ ان کے ساتھ مانعیت قائم ہو اور بمعنی نسبت کے یعنی وہ شے جس کا کسی مانع شرعی کی طرف انتساب ہو

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارت مصطفی البابی مصر ۱/۶۳

[2] ردالمحتار " " "

[3] طحاوی علی الدر " بیروت ۱/۵۶

الشرعی الذی یحل بالاعضاء فیزیل طهرها لان المانع هو الخطاب الشرعی والمنتسب الیه ما لاجله ورد الخطاب وهی النجاسة الحکمیة وهی بعینها ذلك الوصف القائم بالاعضاء فرجع التعریف الی تعریف الغایة فلا خلاف ولا خلف الا تری ان تلمیذ المحقق علی الاطلاق اعنی المحقق الحلبی عرف الحدث فی الحلیة بانه الوصف الحکمی الذی اعتبر الشارع قیامه بالاعضاء مسببا عن الجنابة والحیض والنفاس والبول والغائط وغیرهما من نواقض الوضوء ومنع من قربان الصلاة وما فی معناها معه حال قیامه بمن قام به الی غایة استعمال ما یعتبر به زائلا[1] اھ وهو کما تری لیس الا بسطا لما اجمله شیخه المحقق وما هو الا عین ما عرف به فی الغایة ولو قال مانع شرعی کما استظهره العلامة ط لکان ایضا مرجعه الی ذلك لان ذلك الوصف الشرعی وهی النجاسة مانع شرعی بمعنی مالاجله المنع واستعمال المانع بهذا المعنی شائع ذائع غیر ان المحقق ابقاه علی حقیقته فاتی بالنسبة فلا وجه وجیها للاستظهار ثم من اوضح دلیل علیه ان البحر مغترف فی هذا الحد من مناهل فتح القدیر کما ذکره فی رد المحتار وقد قال المحقق فی

یہ قطعاً اس وصف شرعی پر صادق آتی ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور ان کی طہارت کو زائل کرتا ہے اس لیے کہ مانع وہ خطاب شرعی ہے، اور اس کی طرف منسوب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خطاب وارد ہوا، اور وہی نجاستِ حکمیہ ہے، اور وہ بعینہا وہ وصف ہے جو اعضاء کے ساتھ قائم ہے تو تعریف، غایہ والی تعریف کی طرف لوٹ آئی تو کوئی خلاف نہیں اور نہ خلف ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ محقق علی الاطلاق کے شاگرد محقق حلبی نے حلیہ میں حدث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایک وصف حکمی ہے کہ شارع نے اعضاء کے ساتھ اس کے قیام کا اعتبار کیا ہے، اور یہ جنابۃ، حیض، نفاس، پیشاب اور پاخانہ وغیرہما نواقض وضوء کے باعث ہوتا ہے، اور یہ چیز نماز کے قریب جانے سے مانع ہوتی ہے، یا جو چیز نماز کے حکم میں ہو، یہ مانعیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک یہ وصف اُس شخص کے ساتھ قائم رہے، یہاں تک کہ وہ اس چیز کو استعمال کرے جو اس کو زائل کرنے والی ہے اھ یہ تعریف جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اُسی چیز کا بسط ہے جس کا اجمال ان کے شیخ محقق نے کیا ہے اور یہ بعینہ وہی تعریف ہے جو غایہ میں ہے، اور اگر مانع شرعی کہتے جیسا کہ علامہ "ط" نے فرمایا اس کا بھی ماحصل یہی ہے کیونکہ وہ وصف شرعی، جو نجاست ہے مانع شرعی ہے اس معنی کے اعتبار سے کہ یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے منع ہے، اور

---

[1] حلیہ

الفتح مستدلا لرواية الحسن وابی یوسف
عن الامام الاعظم ان الماء المستعمل
نجسا مغلظا او مخففا مانصه[1] وجه رواية
النجاسة قياس اصله الماء المستعمل فی
النجاسة الحقيقية والفرع المستعمل فی الحكمية
بجامع الاستعمال فی النجاسة بناء علی الغاء
وصف الحقيقی فی ثبوت النجاسة وذلك لان
معنی الحقيقی ليس الاكون النجاسة موصوفا
بها جسم مستقل بنفسه عن المكلف لان وصف
النجاسة حقيقة لاتقوم الا بجسم كذلك وفی
غيره مجاز بل معناه الحقيقی واحد فی
ذلك الجسم وفی الحدث لانه ليس المتحقق
لنا من معناها سوی انها اعتبار شرعی منع
الشارع من قربان الصلاة والسجود حال قيامه
لمن قام به الی غاية استعمال الماء فيه فاذا
استعمله قطع ذلك الاعتبار كل ذلك ابتلاء
للطاعة فاما ان هناك وصفا حقيقيا عقليا او
محسوسا فلا ومن ادعاه لايقدر فی اثباته علی
غير الدعوی ويدل علی انه اعتبار اختلافه
باختلاف الشرائع الاتری ان الخمر محكوم
بنجاسة فی شريعتنا وبطهارته فی غيرها فعلم
انها ليست سوی اعتبار شرعی الزم معه كذا الی
غاية كذا ابتلاء وفی هذا الاتفاوت بين الدم

مانع کا استعمال اس معنی میں شائع وذائع ہے۔ البتہ
محقق نے اس کو اس کی حقیقت پر باقی رکھا ہے، تو نسبت
کو لائے ہیں تو استظہار کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ پھر اُس
پر واضح ترین دلیل یہ ہے کہ بحر نے بھی اس تعریف میں
فتح القدیر سے استفادہ کیا ہے، جیساکہ اس کو ردالمحتار
میں ذکر کیا ہے اور محقق نے فتح میں ابو یوسف اور حسن کی
ابو حنیفہ سے روایت پر استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی
نجاست غلیظہ ہے یا نجاست خفیفہ ہے، جس روایت
میں اس کو نجاست قرار دیا گیا ہے وہ قیاس کی بنیاد
پر ہے اس قیاس کی اصل وہ پانی ہے جو نجاست
حقیقیہ میں مستعمل ہو، اور اس کی فرع وہ پانی ہے جو
نجاست حکمیہ میں مستعمل ہو، اور علّت جامعہ نجاست
میں استعمال ہے، بناء کرتے ہوئے کہ وصفِ حقیقی
ثبوت نجاست میں لغو ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حقیقی کا
مفہوم یہ ہے کہ اس نجاست سے ایسا جسم متصف ہو جو
بنفسہٖ مکلف سے مستقل ہو یہ نہیں کہ وصف نجاست
حقیقتہً ایسے ہی جسم کے ساتھ قایم ہوتی ہے
اور اس کے غیر میں مجاز ہے، بلکہ اس کے حقیقی معنی
ایک ہیں اس جسم میں اور حدث میں، اس لیے کہ ہمیں
تحقیقی طور پر جو معنی معلوم ہیں وُہ یہ ہیں کہ وہ ایک شرعی
اعتبار ہے کہ جب تک وہ موجود ہو تو شارع نے اس
کو جو اس کے ساتھ متصف ہو نماز وغیرہ کے قریب جانے
سے منع کیا ہے تاوقتیکہ وہ اس میں پانی کو استعمال

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۴

والحدث فانه ایضا لیس الا نفس ذلك الاعتبار[1] اھ فھذا نص صریح فی ان تلك المانعیة الشرعیة المغیاۃ الی استعمال المزیل لیست الا النجاسة الحکمیة فاتحد التعریفان۔

نہ کرے، جب وہ پانی استعمال کرلے گا تو وہ اعتبار ختم ہوجائے گا، یہ سب طاعت کی ابتلاء ہے، رہی یہ بات کہ یہاں کوئی وصف عقلی حقیقی یا محسوس ہے، تو ایسی کوئی بات نہیں، اور جو اس کا دعوی کرتا ہے تو محض دعوی ہی ہے، اور اس کے اعتباری ہونے کی دلیل ہے کہ یہ شریعتوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے، مثلاً شراب ہماری شریعت میں ناپاک ہے اور دوسری شریعتوں میں پاک ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ یہ نجاست محض شرعی اعتبار ہے یہ اتنی سے اتنی مدت تک کے لیے لازم کیا گیا ہے ابتلاءً اور اس میں خون اور حدث میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ یہ بھی ویسا ہی اعتبار ہے اھ تو یہ اس امر میں نص صریح ہے کہ یہ مانعیت شرعیہ جس کی انتہا مُزیل کا استعمال ہے، نجاست حکمیہ ہی ہے تو دونوں تعریفیں متحد ہوگئیں۔ ت

ثم اقول التعریف بالحکم ان ارید بہ ان یجعل الحکم نفس المعرَّف بحیث یحمل ھو علی المعرَّف فنعم یسقط ایراد النھر والدر فان المانعیة بالمعنی المذکور ھی النجاسة الحکمیة لیست اثرا مترتبا علی الحدث بمعنی الوصف الشرعی بل ھی ھو کما عرفت و ح لا یستقیم ایضا قول المجیب ان التعریف بالحکم کأن یقال ھو ما لا تصح الصلاۃ معه فان ما لا تصح لیس حکما بل الحکم کما اعترف عدم الصحة ولم یعرف بہ وانما یکون تعریفا بالحکم لو قیل الحدث عدم صحة الصلاۃ و یتکدر ایضا جواب ط و ش بانہ مستعمل عند الفقہاء فان المستعمل عندھم ذکر الحکم فی التعریف لا حمل الاثر علی المؤثر و ان ارید بہ ان

پھر میں کہتا ہوں تعریف بالحکم سے مراد اگر یہ ہے کہ حکم کو معرَّف بنا دیا جائے کہ وہ معرَّف پر محمول ہو تو نہر اور دُر کا اعتراض رفع ہوجائے گا، کیونکہ مانعیت بالمعنی المذکور یعنی نجاست حکمیہ کے معنی میں، حدث پر مترتب ہونے والا اثر نہیں ہے، یعنی وصف شرعی کے معنی میں بلکہ یہ وہی ہے جیسا کہ تم نے پہچانا۔ اور اس صورت میں مجیب کا یہ قول درست نہ ہوگا کہ تعریف بالحکم مثلاً یہ کہا جائے کہ حدث وہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے نماز درست نہ ہو کیونکہ "وہ جس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہ ہو" یہ جملہ حکم نہیں ہے بلکہ حکم جیسا کہ انہوں نے اعتراف کیا "عدمِ صحت" ہے، اور اس سے انہوں نے تعریف نہیں کی ہے، اور تعریف بالحکم اس صورت میں ہوتی جب یہ کہا جاتا کہ حدث نماز کا صحیح نہ ہونا ہے۔ اور ط و ش کا جواب بھی اس صورت میں مکدر ہوجائے گا کہ اس قسم کی تعریف فقہاء کے

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ١/٧٥

يميز المحدود بذريعة الحكم بان يعطى انه الذى يؤثر هذا الاثر فنعم يستقيم تمثيل المجيب التعريف بالحكم بما ذكر لكن يسقط اصل جوابه بان المانعية ليست حكما فان التعريف بالحكم ليس اذن ان يكون المحمول عين الحكم بل ما ذكر فيه الحكم وهو حاصل فى التعريف المذكور قطعا لاشتماله على منع المكلف من اشياء مخصوصة مادام ذلك الوصف قائما به آتينا على الايراد وهو على هذا اشد سقوطا وابين غلطا فان الذى اختارہ المورودون لايخلو ايضا عن التعريف بالحكم لذكرهم فيه زوال الطهارة وما هو الا الاثر المترتب على ذلك الوصف الشرعى وآذن يكفى جوابا عن كلا الحدين ما ذكر ط وش **وبالجملة** فايقاع التغاير بين الحدين لاداعى له وايراد النهر والدر لاصحة له وجواب القتال عن بعض الفضلاء لايخلو عن خلط وغلط بقى الكلام على المعنى الاول الذى ذكرہ العلامة قاسم وكيف تباينه للمعنى الثانى.

یہاں مستعمل ہے، کیونکہ ان کے یہاں مستعمل تعریف میں حکم کا تذکرہ ہے نہ یہ کہ اثر کو مؤثر پر محمول کرلیا جائے، اور اگر اس سے یہ ارادہ کیا جائے کہ محدود کو بذریعہ حکم ممیز کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ یہی ہے جو یہ اثر کر رہا ہے تو اس صورت میں مجیب کی یہ مثال جو انہوں نے تعریف بالحکم کے لیے پیش کی ہے درست قرار پائے گی، مگر اس وقت ان کا اصل جواب ختم ہوجائے گا، یعنی یہ کہ مانعیت حکم نہیں ہے کیونکہ تعریف بالحکم اس صورت میں یہ نہیں ہے کہ محمول عین حکم ہو، بلکہ یہ ہے کہ جس میں حکم مذکور ہو، اور یہ تعریف مذکور میں قطعاً موجود ہے، کیونکہ یہ تعریف اس پر مشتمل ہے کہ مکلف کو مخصوص اشیاء سے روکنا جب تک کہ یہ وصف اس کے ساتھ قائم رہے۔ اب ہم اعتراض کی طرف آتے ہیں، اس کی صورت اور بھی زیادہ غلط اور ساقط ہے کیونکہ معترضین نے جو تعریف اختیار کی ہے وہ تعریف بھی تعریف بالحکم سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اس میں زوال طہارت کا استعمال کرتے ہیں، اور وہ اُس وصفِ شرعی پر مرتب ہونے والا اثر ہے، ایسی صورت میں دونوں تعریفوں پر جو اعتراض ہے اُس کے جواب میں 'ط' اور 'ش' نے جو تقریر کی ہے وہ کافی ہے، اور خلاصہ یہ کہ دونوں تعریفوں میں تغایر کا قول کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، اور نہر اور دُر کا اعتراض درست نہیں ہے اور قتال نے جو جواب بعض فضلاء کی طرف سے دیا ہے وہ غلط اور خلط سے خالی نہیں ہے۔ اب اُس پہلے معنی پر گفتگو باقی رہ گئی جو علامہ قاسم نے ذکر کئے ہیں، اور یہ معنی دوسرے معنی سے کس طرح مختلف ہے۔ (ت)

فاقول المانع الشرعى اى ما لاجله المنع هى النجاسة الحكمية والمنتسب اليها تلبس المكلف بها والفرق بينهما ان النجاسة

میں کہتا ہوں مانع شرعی یعنی جس کی وجہ سے منع ہے وہ نجاست حکمیہ ہے، اور جو اس کی طرف منسوب ہے وہ مکلف کا اُس کے ساتھ ملتبس ہونا ہے، اور

وصف شرعی یحل بسطوح الاعضاء الظاهرة
حلول سریان والسطح ممتد منقسم فتنقسم
النجاسة بانقسامها فتقبل التجزی ثبوتا ورفعا
اما رفعا فظاهر فانه اذا غسل الید مثلا زالت
النجاسة عنها ولذا سقط عنها فرض التطهیر
مع بقاء النجاسة فی سائر الاعضاء التی حلتها واما
ثبوتا فلان الحدث الاصغر انما ینجس اربعة اعضاء
والاکبر البدن کله وسنعود الی الکلام فی هذا
عنقریب ان شاء اللہ تعالی اما تلبس المکلف
بها ای اصطحابه لها فوصف للمکلف یحدث
بحلول النجاسة فی ای جزء من اجزاء بدنه
ویبقی ببقائها فی شیء منها فان زادت النجاسة
لم یزد وان نقصت لم ینقص بل اذا حدثت
حدث ومهما بقیت ولو قل قلیل بقی کملا
واذا زالت بالکلیة زال وکان نظیرهما الحرکة
بمعنی القطع وبمعنی التوسط فالاول متجزئة
لانطباقها علی المسافة المتجزئة والثانیة
لاجزء لها بل تحدث بحدوث اول جزء من
اجزاء الاولی وتبقی بحالها ما دام المتحرک بین
الغایتین فاذا سکن زالت دفعا **فانقلت**
لم لا یحمل کلام البحر علی هذا کی یثبت التغایر
بین الحدثین کما فهم النهر والدر ویوافق
لما اعترض به تبعا للفتح کلام العامة والمتون
ان الحدث لا یتجزی۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ نجاست شرعی وصف ہے جو اعضاء
ظاہرہ کی سطحوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اور یہ حلول
سریانی ہوتا ہے اور سطح ممتد اور منقسم ہے تو اس کی تقسیم
کی وجہ سے نجاست بھی منقسم ہو جائے گی، تو یہ رفعاً اور
ثبوتاً تجزی کو قبول کرے گا، رفعاً تو ظاہر ہے، کیونکہ
مثلاً اس نے ہاتھ تین بار دھویا تو اس سے نجاست
زائل ہو جائے گی، اور اسی لیے اس سے فرض تطہیر ساقط
ہو گیا جبکہ باقی اعضاء میں نجاست باقی ہے اور ثبوتاً
اس طرح کہ حدث اصغر چار اعضاء کو ناپاک کرتا ہے
اور اکبر تمام بدن کو، ہم عنقریب اس پر کلام کریں گے
ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رہا نجاست کے ساتھ مکلف کا متلبس ہونا،
تو یہ مکلف کا وصف ہے جو نجاست کے حلول سے پیدا ہوتا ہے،
خواہ اس کے بدن کے کسی جزء میں بھی ہو، اور حدث
اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نجاست کسی
بھی عضو میں باقی رہے، تو اگر نجاست زیادہ ہو جائے
تو حدث زیادہ نہ ہوگا، اور نجاست اگر کم ہو تو حدث
کم نہ ہوگا، بلکہ جب بھی نجاست وجود میں آئے گی
حدث وجود میں آئے گا اور جب تک باقی رہے گی خواہ
کم سے کم ہو تو حدث بھی مکمل طور پر باقی رہے گا اور جب نجاست
بالکلیہ زائل ہو جائے گی تو حدث بھی زائل ہو جائے گا،
ان دونوں کی نظیر حرکۃ بمعنے قطع ہے اور حرکۃ بمعنے
توسط کے ہے، تو پہلی منقسم ہے کیونکہ وہ مسافت
منقسمہ پر منطبق ہوتی ہے اور دوسری کا کوئی جزء نہیں
بلکہ پہلی حرکۃ کے پہلے جزء کے پیدا ہونے پر پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح باقی رہتی ہے جب تک دونوں غایتوں کے درمیان

متحرک رہے اور جب پُرسکون ہوگا تو حرکت یکدم ختم ہوجائے گی۔ اگر تو کہے کہ بحر کے کلام کو اس پر کیوں محمول نہ کرلیا جائے تاکہ دونوں تعریفوں میں تغایر ظاہر ہوجائے جیسا کہ نہر اور دُر نے سمجھا ہے اور موافق ہوجائے اس اعتراض کے ساتھ جو انھوں نے فتح کی متابعت میں عام کتب اور متون پر کیا ہے کہ حدث منقسم نہیں ہوتا۔ (ت)

قلت یاباہ قولہ قائمۃ بالاعضاء فان التلبس الذی لاتجزی لہ انما یقوم بالمکلف نفسہ لابالاعضاء والذی یقوم بھا یتجزی بتجزیھا کما عرفت اما مخالفتہ لما ذکر من عدم التجزی فاقول لاغرو فھو القائل فی باب شروط الصلٰوۃ متصلا بھذا التعریف بلافصل مانصہ والخبث عین مستقذرۃ شرعا وقدم الحدث لقوتہ لان قلیلہ مانع بخلاف قلیل الخبث[1] اھ فقد افصح بتجزی الحدث و قال متبوعہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح کلمتھم متفقۃ علی ان الخف اعتبر شرعا مانعا سرایۃ الحدث الی القدم فتبقی القدم علی طھارتھا ویحل الحدث بالخف فیزال بالمسح[2] اھ فھذا نص صریح علی تجزی الحدث و اعتراف باطباق کلمتھم علیہ وھو کذلک فمن نظر کلامھم فی مسائل مسح الخفین وغیرھا ایقن بانھم جمیعا قائلون بتجزیہ وانما الذی لایتجزی ھو تلبس المکلف بالمنع الشرعی فظھر ظھور النھار ان الایراد علی

میں کہتا ہوں اس تاویل سے ان کا قول "قائمۃ بالاعضاء" انکار کرتا ہے، کیونکہ تلبس جو ایک غیر متجزی شئ ہے، وہ بذاتِ خود مکلّف کے ساتھ قائم ہوتا ہے نہ کہ اُس کے اعضاء کے ساتھ، اور جو چیز اعضاء کے ساتھ قائم ہے وہ اعضاء کی تجزی کے باعث متجزی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے پہچانا اور اس کی مخالفت عدم تجزی سے، تو میں کہتا ہوں کہ اس پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ وُہ خود ہی اس تعریف کے متصلاً بعد "باب شروط الصلٰوۃ" میں فرماتے ہیں "اور خُبث وُہ چیز ہے جو شرعاً گندی ہو، اور حدث کو اس کی قوت کے باعث مقدم کیا کیونکہ اس کا قلیل بھی مانع ہے بخلاف قلیل خبث کے اھ یہاں انھوں نے بوضاحت حدث کے منقسم ہونے کا قول کیا ہے، اور اُن کے مقتدا محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ موزہ شرعاً قدم کی طرف حدث کی سرایۃ کو قدم تک روکنے والا ہے" تو قدم بدستور پاک رہے گا اور حدث موزہ میں داخل ہوجائے گا، لہٰذا مسح سے اس کو زائل کردیا جائے گا اھ یہ نص صریح ہے حدث کے متجزی ہونے پر اور اس امر کا اعتراف ہے کہ فقہاء اس پر متفق ہیں، اور بات

---

[1] البحر الرائق شروط الصلٰوۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۶

[2] فتح القدیر مسح الخفین سکھر ۱/۱۲۸

المتون والعامة وتثلیث السبب کلاکان فی غیر محلہ ولاحاجۃ الی ما تجشم البحر جوابا عن المتون بقولہ الا ان یقال ان الحدث زال عن العضو زوالا موقوفا ثم ضعفہ بقولہ لکن المعلل بہ فی کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ اسقاط الفرض لا ازالۃ الحدث[1]۔

ایسی ہے کیونکہ جو بھی مسح علی الخفین کی بابت فقہاء کے کلام کو دیکھے گا اس کو یقین آجائے گا کہ سب فقہاء حَدَث کے متجزی ہونے کے قائل ہیں، اور جو چیز متجزی نہیں ہوتی ہے وہ مکلّف کا منع شرعی سے متصف ہونا ہے، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ متون اور عام کتب پر اعتراض اور سبب کی تثلیث سب بے محل ہیں اور جو تکلف بحر نے متون کے جواب میں کیا ہے اس کی چنداں حاجت نہیں، جواب یہ ہے کہ "مگر یہ کہا جائے کہ حدث عضو سے زوالِ موقوف کے طور پر زائل ہوا ہے، پھر خود ہی اس کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ حسن کی کتاب میں ابوحنیفہ سے اسقاطِ فرض کو علّت بنانا مروی ہے نہ کہ ازالہ حدث کو۔ (ت)

اقول بل لاوجہ لہ لان الحدث بالمعنی الذی لایتجزی اعنی تلبس المکلف بالمانع الشرعی لاقیام لہ بعضو حتی یزول عنہ منجزا اوموقوفا ثم تعلیل الامام فی ھذا الکلام باسقاط الفرض لاینافی تعلیلہ فی کلام اخر برفع الحدث علی ما قررنا لك بارشاد الھدایۃ ان مؤداھما واحد وقد قال فی الخلاصۃ والتبیین والفتح وغیرھا الماء بماذا یصیر مستعملا قال ابوحنیفۃ وابویوسف اذا ازیل بہ حدث او تقرب بہ[2] الخ وباللہ التوفیق ثم جنوح المحقق فی آخر کلامہ الذی اثرنا عنہ الی ان سقوط الفرض ھو الاصل فی الاستعمال اعتمدہ فی البحر ثم الدر و اشار الی الرد علیہ

میں کہتا ہوں در اصل اس کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے، کیونکہ حَدَث اُس معنی کے اعتبار سے جس میں وہ منقسم نہیں ہوتا ہے یعنی مکلف کا مانع شرعی کے ساتھ متلبس ہونا، اس کا قیام کسی عضو کے ساتھ نہیں، تاکہ وہ اس سے فوری طور پر یا موقوفاً زائل ہوجائے، پھر امام کا اس کلام میں اسقاط فرض کے ساتھ تعلیل کرنا، ان کے دوسرے کلام میں رفع حدث کی علّت بنانے سے متضاد نہیں، جیسا کہ ہم نے ہدایہ کی عبارت سے واضح کردیا ہے کہ دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے، اور خلاصۃ، تبیین، فتح وغیرہا میں ہے کہ پانی کا مستعمل ہونا ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک اس وقت ہوگا جب اس سے کوئی حدث زائل کیا جائے یا کوئی تقرب کیا جائے الخ وباللہ التوفیق پھر محقق کا جو کلام ہم نے نقل کیا ہے

---

[1] بحر الرائق بحث الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] خلاصۃ الفتاوٰی " نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷

العلامة ش بان نقل اولا عن الفتح نفسه ان المعلوم من جهة الشارع ان الآلة التی تسقط الفرض وتقام بها القربة تدنس الخ و ایضا عنه ما نصه والذی نعقله ان کلا من التقرب والاسقاط مؤثر فی التغیر الا تری انه انفرد وصف التقرب فی صدقة التطوع واثر التغیر حتی حرمت علی النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم فعرفنا ان کلا اثر تغیرا شرعیا اھ ثم قال بعد نقلهما مقتضاه ان القربة اصل ایضا فالمؤثر فی الاستعمال اصلان اھ۔

اس میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ پانی کے استعمال سے سقوط فرض ہی اصل ہے بحر اور دُر نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور علامہ ش نے اس پر رد کی طرف اشارہ کیا ہے، پہلے تو انہوں نے خود ہی فتح سے نقل کیا کہ شارع سے معلوم ہے کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہو اور قربۃ ادا ہو میلا ہوجاتا ہے الخ انھوں نے مزید فرمایا کہ جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقرب اور اسقاط فرض دونوں ہی تغیر میں مؤثر ہیں، مثلاً وصف تقرب صدقہ تطوع میں منفرد ہے اور تغیر نے اثر کیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہوگئی، تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہر ایک نے شرعی تغیر کا اثر چھوڑا ہے اھ پھر دونوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ قربۃ بھی اصل ہے تو استعمال میں مؤثر دو اصلیں ہیں اھ ت

اقول کلام المحقق من اوله الی اخره طافح باثبات الاصالة بهذا المعنی ای ما یبتنی علیه الحکم بتدنس الماء للقربة والاسقاط جمیعا بل هو الذی ثلث واقام اصولا ثلثة وما کان لیقرر هذا کله ثم فی نفس الکلام یحصر الاصالة فی شیئ واحد وانما منشؤ کلامه انه رحمه الله تعالی نقل عنهم ان الاستعمال عند الشیخین باحد شیئین رفع الحدث و التقرب وعند محمد بالتقرب وحده وحمل رفع الحدث علی المعنی الذی لا یتجزی فتطرق

میں کہتا ہوں محقق کا کلام از اول تا آخر سطحی ہے کہ اس میں اصالت اس معنی کے اعتبار سے ثابت کی ہے، یعنی وہ چیز جس پر حکم کی بنا ہو پانی کے ادائے قربت کی وجہ سے میلا ہوجانے کے باعث اور اسقاطِ فرض کے باعث، بلکہ وہی ہیں جنہوں نے تثلیث کی اور تین اصول مقرر کئے، اور وہ یہ تقریر کرکے پھر ان میں سے ایک چیز پر اصالت کو منحصر نہیں کر رہے، اُن کے کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اُن (رحمہم اللہ) سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ شیخین کے نزدیک استعمال دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے

ل ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ولا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

الایراد بالفروع التی حکم فیها باستعمال الماء مع
بقاء الحدث فقرر ان اسقاط الفرض ایضا
مؤثر واستدل علیه بکلام الامام فی کتاب
الحسن وبان الاصل الذی عرفنا به ھذا
الحکم ھو مال الزکاۃ والثابت فیه لیس الا سقوط
الفرض ای وان اثبتناہ ایضا بالتقرب بدلیل
آخر فالاصل الذی ارشدنا اولا الی ھذا الحکم
ھو سقوط الفرض فکیف یعزل النظر عنه بل
یجب القول به وھذا لاینافی ان الاصول
اثنان بل ثلثة ینقدح ھذا المعنی فی ذھن
من جمع اول کلامه باٰخرہ حیث یقول
المعلوم من جھة الشارع ان الۃ تسقط الفرض
وتقام بھا القربة تتدنس اصله مال الزکاۃ
تدنس باسقاط الفرض حتی جعل من الاوساخ
فی لفظه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[1] الخ فافصح
ان کلا الامرین مغیر واقتصر فی الزکوٰۃ علی
الاسقاط ثم قال فی بیان سبب ثبوت الاستعمال
انه عند ابی حنیفة وابی یوسف کل من رفع
الحدث والتقرب وعند محمد التقرب وعند
زفر الرفع لایقال ما ذکر لاینتھض علی زفر
اذ یقول مجرد القربة لایدنس بل الاسقاط
فان المال لم یتدنس بمجرد التقرب به ولذا
جاز للھاشمی صدقة التطوع بل مقتضاہ ان لا

ہوتا ہے۔ رفعِ حدث اور تقرب، اور محمد کے نزدیک صرف
تقرب سے اور رفعِ حدث کو اس معنی پر محمول کیا کہ اس
میں تجزی نہیں ہوتی، اِس بنا پر اُن فروع کی وجہ سے
اعتراض وارد ہوا جن میں پانی کے استعمال کا حکم ہوا
حدث کے باقی ہوتے ہوئے، انہوں نے اس امر کو ثابت
کیا اسقاط فرض بھی مؤثر ہے، اور اس پر انہوں نے
امام کے کلام سے استدلال کیا ہے جو کتاب حسن میں مذکور ہے[1] اور یہ
استدلال بھی کیا ہے کہ وہ اصل جس کی وجہ سے ہم نے یہ حکم جانا ہے وہ زکوٰۃ
کا مال ہے اور اس میں صرف فرض کا سقوط ہے، یعنی
اگرچہ ہم اس کو کسی اور دلیل کی وجہ سے تقرب سے ثابت
کریں تو وہ اصل جو ہم نے پہلے سے بتائی ہے اور جس
سے یہ حکم ثابت ہوا ہے وہ سقوط فرض ہے تو اس سے
صرفِ نظر کیونکر ممکن ہے بلکہ اس کو ماننا لازم ہے، اور
یہ اس امر کے منافی نہیں کہ اصول دو ہیں بلکہ تین ہیں
یہ معنی اس کے دل میں ضرور خلجان پیدا کریں گے جو اُن کے
اول کلام اور آخر کلام کو یکجا کرکے پڑھے گا، وہ کہتے ہیں
کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہوتا ہے اور قربت
ادا ہوتی ہے میلا ہوجاتا ہے اس کی اصل مال
زکوٰۃ ہے کہ وہ اسقاط فرض سے میلا ہوجاتا ہے اسی لئے
اس کو حدیث میں "اوساخ" قرار دیا گیا ہے الخ اس
سے واضح ہوا کہ دونوں امور تبدیلی کرنے والے ہیں،
اور زکوٰۃ میں اسقاط پر اکتفا کیا گیا ہے، پھر ثبوت
استعمال کے سبب کے بیان میں فرمایا کہ ابو حنیفہ اور
ابو یوسف کے نزدیک سبب رفعِ حدث اور تقرب ہے

---

[1] فتح القدیر   الماء الذی یجوز به الوضوء وما لایجوز   نوریہ رضویہ سکھر   ١/٧٥

يصير مستعملا الا بالاسقاط مع التقرب فان الاصل اعنى مال الزكاة لا ينفرد فيه الاسقاط عنه اذ لا تجوز الزكاة الا بنية وليس هو قول واحد من الثلثة (يريد اصحاب الاقوال الثلثة الشيخين ومحمد او زفر) لانا نقول غاية الامر ثبوت الحكم فى الاصل مع المجموع وهو لا يستلزم ان المؤثر المجموع بل ذلك دائر مع عقلية المناسب للحكم فان عقل استقلال كل حكم به او المجموع حكم به والذى نعقله ان كلا مؤثر الى اخر ما تقدم ثم قال قال فى الخلاصة ان الماء بماذا يصير مستعملا (فذكر المذهبين كما نقلنا ثم قال) هذا يشكل على قول المشايخ ان الحدث لا يتجزأ والمخلص ان صيرورة الماء مستعملا باحد ثلثة رفع الحدث والتقرب وسقوط الفرض وهو الاصل لما عرف ان اصله مال الزكاة والثابت فيه ليس الا سقوط الفرض۔

اور محمد کے نزدیک وہ تقرب ہے اور زفر کے نزدیک رفع ہے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ دلیل زفر کے خلاف نہیں چل سکتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف قربت پانی کو مستعمل نہیں کرتی ہے بلکہ اسقاط بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ مال زکوٰۃ محض تقرب کی وجہ سے میلا نہیں ہوا ہے، اور اسی لیے ہاشمی نفلی صدقہ لے سکتا ہے بلکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ اسقاط مع تقرب کی وجہ سے مستعمل ہو کیونکہ اصل یعنی مال زکوٰۃ میں اس کی طرف سے اسقاط منفرد نہیں، کیونکہ زکوٰۃ بلانیت جائز نہیں اور یہ تینوں میں سے کسی ایک کا قول نہیں (اس سے ان کی مراد تینوں اقوال کے قائلین یعنی ابو حنیفہ و ابو یوسف، محمد یا زفر رحمہم اللہ ہیں) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حکم کا اصل مجموع کے ساتھ ثابت ہونا ہے اور وہ اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ موثر مجموع ہے بلکہ اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ مناسب حکم کو سمجھا جائے، اگر ہر حکم کا استقلال اس کے ساتھ سمجھا جائے یا مجموع کا تو اس کے ساتھ حکم کیا جائے گا اور جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر ایک موثر ہے الی آخر ما تقدم، پھر کہا کہ انہوں نے خلاصہ میں فرمایا کہ پانی کس چیز کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے (تو انھوں نے دونوں مذاہب کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے نقل کیا پھر فرمایا) یہ مشایخ کے قول کی روشنی میں مشکل ہے کہ حدث متجزی نہیں ہوتا، اور اس اشکال سے نجات کی صورت تین امور میں سے ایک امر ہے رفع حدث، تقرب اور سقوط فرض ہی اصل ہے، کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور اس میں جو ثابت ہے وہ سقوط فرض ہے۔ ت

اقول اى وان كان الموجود فيه الامران لكن هذا اقوى وفيه المقنع فلا يثبت به الا

میں کہتا ہوں اگرچہ اس میں موجود دونوں امر ہیں لیکن یہ اقوی ہے اور اس میں کفایت ہے، تو

لہ فتح القدير الماء الذى يجوز به الوضوء ومالا يجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۶

سببیۃ ھذا وان استفید سببیۃ الاخر بدلیل حرمۃ صدقۃ التطوع علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما قدم فما ثیر اسقاط الفرض ھو اول ما ثبت بالاصل الاعظم فلا مساغ لاسقاطہ قال والمفید لاعتبار الاسقاط مؤثرا صریح تعلیل ابی حنیفۃ انہ سقط فرضہ عنہ[1] اھ ملتقطا وعلیک بتلطیف القریحۃ ھذا وقررہ العلامۃ ط تبعا للبحر بوجہ اخر حیث قال تحت قول الدر[2] اسقاط فرض ھو الاصل فی الاستعمال کما نبہ علیہ الکمال ما نصہ وھو موجود فی رفع الحدث حقیقۃ وفی القربۃ حکما لکونھا بمنزلۃ الاسقاط ثانیا وقد مراھ وما مر ھو قولہ انما استعمل الماء بالقربۃ کالوضوء علی الوضوء لانہ لما نوی القربۃ فقد ازداد طھارۃ علی طھارۃ فلا تکون طھارۃ جدیدۃ الا بازالۃ النجاسۃ الحکمیۃ حکما فصارت الطھارۃ علی الطھارۃ وعلی الحدث سواء افادہ صاحب البحر[3] اھ۔

اس سے اس کی سببیت ثابت ہوگی اگرچہ دوسرے کی سببیت بھی ثابت ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نفلی صدقہ حرام ہے جیسا کہ گزرا، تو اسقاط فرض کی تاثیر پہلی چیز ہے جو اصل اعظم سے ثابت ہے تو اس کے ساقط کرنے کا کوئی جواز نہیں فرمایا) اور اسقاط کو مؤثر اعتبار کرنے کے لیے مفید امام ابوحنیفہ کی صریح تعلیل ہے کہ اسکا فرض اس سے ساقط ہوگیا اھ ملتقطا، اور تم اپنی طبیعت کو خوشگوار کرو' ہذا' اور علامہ ط نے بحر کی متابعت کرتے ہوئے اس کی تقریر دوسرے انداز میں کی ہے، انہوں نے 'دُر' کے قول اسقاط فرض ہی استعمال میں اصل ہے کے تحت فرمایا، جیسا کہ کمال نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ حدث کو رفع کرنے میں حقیقۃً موجود ہے اور قربت میں حکما ہے، کیونکہ یہ بمنزلہ اسقاط ثانیا ہے اور یہ گزرا اھ اور جو گزرا وہ ان کا قول ہے، بیشک پانی قربت کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے، جیسے وضو پر وضو کرنا اس لیے جب قربت کا ارادہ کیا تو وہ طہارت کے اعتبار سے زیادہ ہوگیا، تو نئی طہارت نجاست حکمیہ کے ازالہ سے ہی ہوگی حکما، تو طہارت پر طہارت' اور حدث پر طہارت برابر ہوگئی، اس کا افادہ صاحبِ بحر نے کیا اھ ت

اقول نقلہ عن معراج الدرایۃ واقرہ وفیہ بعد لا یخفی فما النجاسۃ لاسیما الحکمیۃ

میں کہتا ہوں اس کو معراج الدرایہ سے نقل کیا اور برقرار رکھا، اس میں بُعد ہے جو مخفی نہیں ہے کیونکہ

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹-۸۰

[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۱۰

[3] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

الا اعتبار شرعی والاعتبار الصحیح لا یکون الا عن منشأ صحیح وبدونه اختراع یجل شان الشرع عنه وقد زال ذلك بالطهر فلا یعود الا بحدث جدید **وبعبارة اخری** هل اعتبر الشرع هنا شیئا ینافی الطهر یزول بالماء الثانی فیحصل طهر جدید ام لا علی الثانی عاد السؤال اذ لا نجاسة حقیقة ولا اعتبار او علی الاول ما حقیقة النجاسة الحکمیة الا ذلك الاعتبار الشرعی فلا معنی لتحقق الحکمیة حکما لا حقیقة **وبعبارة اخصر** ما الحکمیة الا اعتبار الشرع فالحکمیة حکما اعتبار الشرع انه اعتبر وما اعتبر اذ لو اعتبر لتحققت وبالجملة مآل الجواب الا فرضها هنالك فرضا باطلا ولا مساغ له وانا انبئك ان ما افاده انما هو تجشم مستغنی عنه وذلك لان المعراج انما احتاج الیه جوابا عن سؤال نصبه بقوله فان قیل المتوضئ لیس علی اعضائه نجاسة لا حقیقة ولا حکمیة فکیف یصیر الماء مستعملا بنیة القربة فاجاب بقوله لما نوی القربة فقد ازداد[1] الخ

نجاست، خاص طور پر حکمیہ اعتبار شرعی ہے اور اعتبار صحیح اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا منشا صحیح ہو، اور اس کے بغیر اختراع ہے، شریعت کی شان اس سے بڑی ہے، اور یہ طُہر سے زائل ہوگیا تو صرف نئے حدث سے ہی یہ عود کرے گا، بالفاظ دگر کیا یہاں شریعت نے کوئی ایسی چیز معتبر مانی ہے جو منافی طہر ہو اور دوسرے پانی سے زائل ہوجائے، تو نئی پاکی حاصل ہو یا معتبر نہیں مانی ہے؛ دوسری تقدیر پر سوال لوٹ آئیگا کیونکہ کوئی حقیقی نجاست نہیں اور نہ ہی اعتباری ہے اور پہلی تقدیر پر نجاست حکمیہ کی حقیقت شرعی اعتبار کے علاوہ اور کیا ہے تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ نجاست حکمیہ حقیقۃً نہیں حکماً پائی جاتی ہے اور مختصر عبارت میں یُوں کہا جاسکتا ہے کہ نجاست حکمیہ صرف شرعی اعتبار سے عبارت ہے تو حکمیہ حکماً شرع کا یہ اعتبار ہے کہ اِس کا اعتبار کیا گیا ہے اور اعتبار کیا نہیں گیا کیونکہ اگر اعتبار کیا جاتا تو وہ متحقق ہوجاتی۔ خلاصہ یہ کہ جواب کا مآل یہ ہے کہ حکمیہ کو وہاں اعتبار کیا جائے بفرض باطل جس کی گنجائش نہیں، اور میں تجھ کو خبردار کرتا ہُوں کہ جس کا اِفادہ انہوں نے کیا ہے وہ محض تکلف ہے جس کی ضرورت نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معراج کو اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ انہیں اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ وضو کرنے والے کے اعضاء پر نہ حقیقی نجاست ہے اور نہ حکمی ہے تو پانی بہ نیت تقرب کیسے مستعمل ہوجائے گا، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اس نے نیت کی تو زیادتی کی الخ۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

اقول اولا يعود السائل يمنع ازدياد الطهارة وانما ازداد نظافة لانها تقبل التشكيك دون الطهارة ولذا قلنا بعدم تجزی الحدث والى ازدياد النظافة يشير الحديث المشهور الوضوء على الوضوء نور على نور اخرجه رزين ان قال العراقي والمنذری لو نقف عليه كما فی التيسير وثانيا لامساغ للسؤال راسا فان مبناه على حصر النجاسة الحكمية فی الحدث وليس كذا بل منها المعاصی كما تقدمت النصوص عليه والماء الاول وان كان كما يزيل الحدث يغسل من اثر المعاصی ايضا بشرط النية ولكن لا يجب ان يزيلها كلا و والا لكفی الوضوء عن التوبة وصار كل من توضأ مرة ولو بعد الف كبيرة كمن لا ذنب له وهو باطل قطعا فهذه نجاسة حكمية باقية بعد التطهر فی عامة المكلفين فاين مثار السؤال بل قد منا ان المكروهات ايضا تغير الماء فهذا اطم واعم اما المعصومون صلوات الله تعالى وسلامه عليهم فاقول لا نسلم فی ما ئهم الاول ايضا انه مستعمل فی حقنا بل طاهر طهور مطهر لنا فضلا عن الثانی واذا اعتقدنا الطهارة فی فضلاته صلى الله تعالى عليه وسلم فما ظنك بوضوئه فالاستدلال على طهارة الماء المستعمل بان اصحابه صلى الله تعالى عليه وسلم بادروا الى وضوئه فمسحوا به وجوههم

میں کہتا ہوں اولاً کہ سائل کہہ سکتا ہے کہ ہم طہارت کی زیادتی کو تسلیم نہیں کرتے اس میں نظافت کا اضافہ تو اس لیے ہے کہ نظافت کمی بیشی کو قبول کرتی ہے، مگر طہارت ایسی نہیں اور اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ حدث میں تجزّی نہیں ہے، اور نظافت میں اضافہ کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وضو پر وضو نورٌ علیٰ نور ہے، اس کی تخریج رزین نے کی ہے اگرچہ عراقی اور منذری نے کہا ہے کہ ہم اس پر مطلع نہیں ہوئے ہیں کما فی التیسیر۔

ثانیاً سوال کی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ اس سوال کا دارومدار اس پر ہے کہ نجاستِ حکمیہ کو حدث میں منحصر کر دیا گیا ہے اور حالانکہ بات یہ نہیں ہے، بلکہ نجاستِ حکمیہ میں معاصی بھی شامل ہیں، اس پر نصوص گزر چکے ہیں، اور پہلا پانی جس طرح حَدَث کو زائل کرتا ہے بشرطِ نیت گناہوں کو بھی دھو ڈالتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ گناہوں کو کلیۃً دھو ڈالے ورنہ تو وضو ہی کافی ہو جاتا توبہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور ہزار ہا گناہوں کے بعد ایک ہی مرتبہ وضو کر لیتا تو تمام گناہ معاف ہو جاتے، اور وہ اس طرح ہو جاتا گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں ہے اور یہ چیز قطعاً باطل ہے تو یہ وہ نجاستِ حکمیہ ہے جو مکلفین میں طہارت حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو اب سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکروہات بھی پانی کو متغیر کر دیتے ہیں تو یہ بلند اور اعم ہے۔ رہے انبیاء علیہم السلام جو معصوم ہیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے

كما فی العنایۃ[1] وغیرها مع ضعفه بوجوه ذکرها فی البحر عن العلامة الہندی لیس فی محله عندی نعم یعتبر مستعملا فی حقهم شرعا فلا یرد علی الحد نقضا کما اعتبرت فضلاتهم نواقض لعظم رفعة شأنهم ونزاهة مکانهم صلوات الله تعالی وسلامه علیهم۔

کہ ان کا پہلا پانی ہمارے حق میں مائے مستعمل ہے بلکہ وہ ہمارے حق میں پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اور جب پہلے پانی کا یہ حال ہے تو دوسرے پانی کا بطریق اولیٰ یہ حال ہوگا، اور ہم تو انبیاء علیہم السلام کے فضلات کی طہارت کے قائل ہیں، تو وضو کے پانی کا کیا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مستعمل پانی کی طہارت پر اس امر سے استدلال کیا ہے کہ آپ کے اصحاب نے اُس پانی کی طرف سبقت کی اور اس کو اپنے چہروں پر ملا، جیسا کہ عنایہ وغیرہ میں ہے، بوجوہ ضعیف ہے، یہ وجوہ بحر میں علامہ ہندی سے نقل کی گئی ہیں، میرے نزدیک وہ برمحل نہیں، ہاں ان کے حق میں شرعاً مستعمل ہوگا، تو اس سے ماءِ مستعمل کی حد پر نقض وارد نہ ہوگا، اسی طرح ان کے فضلات کو نواقضِ وضو میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ ان کی شان بہت عظیم ہے اور ان کا مقام بہت ستھرا ہے صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم۔ (ت)

تنبیه اختلفوا فی الحدث الاصغر هل یحل کالاکبر بظاهر البدن کله وانما جعل الشرع الوضوء رافعا له تخفیفا ام لا الا بالاعضاء الاربعة ویبتنی علیه الخلاف فیما اذا غسل المحدث نحو فخذه فیصیر الماء مستعملا علی الاول دون الثانی وبالعدم جزم فی کثیر من المتداولات ونص فی الخلاصة انه الاصح فکان ترجیحا للقول الثانی ولذا عولنا علیه وفی المنحة عن النهر وکان الراجح هو الثانی ولذا لم یصر الماء مستعملا بخلافه علی الاول[2] اھ والظاهر ان کان مشددۃ فیعطی ترددا فی ترجیحه۔

تنبیہ حدثِ اصغر کی بابت اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی تمام بدن میں حدثِ اکبر کی طرح حلول کرتا ہے، اور شارع نے وضو کو اس کے لیے رافع تخفیفاً قرار دیا ہے یا نہیں؛ ہاں اعضاءِ اربعہ میں ایسا ہے اور اسی پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ بے وضو شخص نے اگر اپنی ران کے مثل کو دھویا تو پہلے قول پر پانی مستعمل ہوجائے گا دوسرے قول پر نہ ہوگا، اور مستعمل نہ ہونے پر بہت سی متداول کتب میں اعتماد کیا گیا ہے اور خلاصہ میں تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے تو یہ قول ثانی کی ترجیح ہے، اسی لیے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور منحہ میں نہر سے ہے کہ راجح دوسرا ہے اور اسی لیے پانی مستعمل نہ ہوگا، اس کے برعکس ہے پہلی صورت میں اھ اور ظاہر یہ ہے کہ کانَ مشدّدہ ہے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
[2] منحۃ الخالق مع البحر کتاب الطہارت ۱/۹۲

اقول وقد یجوز ان یقول قائل ربما یشھد للاول اولاً (ف۱) حدیث اذا تطھر احدکم فذکر اسم اللہ علیہ فانہ یطھر جسدہ کلہ فان لم یذکر اسم اللہ تعالٰی علٰی طھورہ لم یطھر الا ما مر علیہ الماء[1] رواہ الدارقطنی والبیھقی فی سننہ والشیرازی فی الالقاب عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال البیھقی بعد ما ساقہ بطریق یحیی بن ھاشم السمسار ثنا الاعمش عن شقیق بن سلمۃ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فذکرہ ھذا ضعیف لا اعلم رواہ عن الاعمش غیر (ف۲) یحیی بن ھاشم وھو متروک الحدیث[2] ورماہ ابن عدی بالوضع اھ وکذبہ ابن معین وصالح جزرۃ وقال النسائی متروک وبہ اعلہ المحقق فی الفتح حین کلامہ علی وجوب التسمیۃ فی الوضوء تبعا للبیھقی۔

تو اس سے اس کی ترجیح میں تردّد پیدا ہوگا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ پہلے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی پاکی حاصل کرے اور اللہ کا نام لے تو اس کا پورا جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو صرف وہی عضو پاک ہوگا جس پر پانی گزرا، سو روایت کیا الدارقطنی اور البیہقی نے اپنی سنن میں اور الشیرازی نے القاب میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے یہ حدیث بسند یحیی بن ہاشم السمسار ذکر کی ہے، ہم سے اعمش نے شقیق بن سلمہ سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، پھر پوری حدیث ذکر کی، یہ ضعیف ہے، میں نہیں جانتا کہ اس کو اعمش سے یحیی بن ہاشم کے غیر نے روایت کیا، اور وہ متروک الحدیث ہے، اور اس کو ابن عدی نے وضاع قرار دیا اھ ابن معین اور صالح نے اس کی تکذیب کی اور نسائی نے اس کو متروک کہا اور یہی علت محقق نے فتح میں بیان کی، یہ اُس موقعہ پر ہے جہاں انہوں نے وضو میں بسم اللہ کے وجوب کا ذکر کیا بیہقی کی متابعت میں۔ ت

اقول بل لہ (ف۳) طرق ترفعہ عن الوھن فقد رواہ الدارقطنی والبیھقی ایضا عن ابن عمر وھما وابو الشیخ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ولفظہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں اس حدیث کے بعض طرق ایسے ہیں جو اس کی کمزوری کو رفع کرتے ہیں، دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس کو ابن عمر سے روایت کیا، اور انہی دونوں نے اور ابو الشیخ نے ابوہریرہ سے روایت

---

[1] دارالقطنی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع القاہرہ ۱/۷۳

[2] سنن الکبرٰی للبیہقی تسمیۃ علی الوضوء بیروت ۱/۴۴

عليه وسلم من توضأ و ذكر اسم الله على وضوئه تطهر جسده كله و من توضأ و لم يذكر اسم الله على وضوئه لم يتطهر الا موضع الوضوء[1] ورواه عبد الرزاق في مصنفه عن الحسن الضبي الكوفي مرسلا ينميه الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من ذكر الله عند الوضوء طهر جسده كله فان لم يذكر اسم الله لم يطهر منه الا ما اصاب الماء[2] واخرج ابوبكر بن ابي شيبة في مصنفه عن ابي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه انه قال اذا توضا العبد فذكر اسم الله تعالى طهر جسده كله وان لم يذكر لم يطهر الا ما اصابه الماء[3] وروى سعيد بن منصور في سننه عن مكحول قال اذا تطهر الرجل و ذكر اسم الله طهر جسده كله واذا لم يذكر اسم الله حين يتوضأ لم يطهر منه الا مكان الوضوء[4] ومع هذه الطرق يستحيل الحكم بالسقوط بل ربما يرتقي عن الضعف لاجرم ان صرح في المرقاة لحديث الدارقطني ان سنده حسن وثانيا نقل العلامة الزيلعي المحدث جمال الدين عبد الله تلميذ الامام

کیا، ان کے لفظ یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بسم اللہ کرکے وضو کیا تو اس کا سارا جسم پاک ہوگا اور جس نے وضو کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو صرف وضو کی جگہ ہی پاک ہوگی اس کو عبد الرزاق نے اپنی مصنّف میں حسن الضبی کوفی سے مرسلاً روایت کیا، اور وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں، فرماتے ہیں جس نے وضو کے وقت اللہ کا ذکر کیا اس کا تمام جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا ذکر نہ کیا تو صرف وہی حصہ پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہوگا، اور ابوبکر سے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں روایت کی کہ بندہ جب وضو کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور اگر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو صرف وہی حصہ پاک ہوتا ہے جس پر پانی پہنچا ہو۔ اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں مکحول سے روایت کی کہ جب کوئی شخص پاکی حاصل کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور جب بوقت وضو اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو صرف وضو کی جگہ پاک ہوتی ہے، ان تمام طُرُق کی موجودگی میں سقوط کا قول کرنا محال ہے بلکہ ان سے حدیث مرتبۂ ضعف سے بلند ہوجاتی ہے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع بیروت ۱/۴۵
[2] کنز العمال آداب الوضوء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۲۹۴
[3] مصنف ابن ابی شیبۃ فی التسمیۃ فی الوضوء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳
[4] کنز العمال آداب الوضوء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۴۵۷

الزیلعی الفقیہ فخرالدین عثمٰن شارح الکنز فی نصب الرایۃ تحت حدیث لا وضوء لمن لم یسم اللہ تعالٰی عن الامام ابن الجوزی ابی الفرج الحنبلی انہ قال محتجا علینا فی ایجابھم التسمیۃ للوضوء ان المحدث (ای بالحدث الاصغر اذ فیہ الکلام ویکون ھو المراد عند الاطلاق کما فی الحلیۃ) لا یجوز لہ مس المصحف بصدرہ[۱] اھ واقرہ علیہ۔

اور مرقاۃ میں دارقطنی کی روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ثانیاً علامہ زیلعی محدث جمال الدین عبداللہ شاگرد امام زیلعی فقیہ فخرالدین عثمان شارح کنز "نصب الرایہ میں" لا وضوء لمن لم یسم اللہ (اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہ لے) کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ امام ابن جوزی ابوالفرج الحنبلی نے ہم پر حجت قائم کرنے کے لیے وہ بسم اللہ کو وضو میں واجب قرار دیتے ہیں فرمایا کہ مُحدِث (جس کو حدث اصغر لاحق ہُوا ہو کیونکہ کلام اُسی میں ہے اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتا ہے، کما فی الحلیہ) اس کو مصحف کا چھونا اپنے سینہ سے جائز نہیں اھ اور اس کو انہوں نے برقرار رکھا۔ ت

قلت ویؤیدہ ما فی الفتح ثم البحر وحاشیۃ الشلبی علی التبیین قال لی بعض الاخوان ھل یجوز مس المصحف بمندیل ھو لابسہ علی عنقہ قلت لا اعلم فیہ منقولا والذی یظھر انہ ان کان بطرفہ وھو یتحرک بحرکتہ ینبغی ان لایجوز وان کان لا یتحرک بحرکتہ ینبغی ان یجوز لاعتبارھم ایاہ فی الاول تابعا لہ کبدنہ دون الثانی[۲] اھ فان المراد المحدث بالحدث الاصغر اذ قد نقل قبلہ باسطر عن الفتاوی لا یجوز للجنب والحائض ان یمسا المصحف بکمھما او ببعض ثیابھما لان الثیاب بمنزلۃ بدنھما[۳] اھ فقولہ

میں کہتا ہوں اس کی تائید فتح میں، پھر بحر میں اور تبیین پر شلبی کے حاشیہ میں ہے مجھ سے بعض دوستوں نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص گلے میں رومال ڈالے ہو تو وہ اُس رومال سے مصحف کو چھو سکتا ہے؟ میں نے کہا میں اس سلسلہ میں کوئی نقل تو نہیں پاتا ہوں لیکن اگر صورت یہ ہو کہ اس کے ایک کنارے سے مصحف کو پکڑے اور اس کے حرکت دینے سے دوسرا کنارہ حرکت کرے تو جائز نہ ہونا چاہئے اور اگر حرکت نہ کرے تو مس کرنا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ پہلی صورت میں وہ اس کو اس کا تابع قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس کا بدن ہے دوسری صورت میں تابع نہیں کہتے اھ کیونکہ محدث سے مراد حدثِ اصغر والا شخص ہے، کیونکہ اس سے

[۱] نصب الرایۃ | کتاب الطہارۃ | اسلامیہ ریاض | ۱/۷
[۲] بحرالرائق | باب الحیض | سعید کمپنی کراچی | ۱/۲۰۱
[۳] شلبی علی التبیین | باب الحیض | بولاق مصر | ۱/۵۸

بعض ثیابهما کان یشمل مندیلا هو لابسه فلم یقول لا اعلم فیه المنقول افنسی ما نقله آنفا وهو بمرأی منه۔

کچھ ہی پہلے فتاوٰی سے منقول ہوا کہ جنب اور حائض کو جائز نہیں کہ وہ دونوں مصحف کو اپنی آستین سے یا کپڑے کے کسی حصّہ سے چھوئیں کیونکہ کپڑے منزلہ ان کے بدن کے ہیں اھ تو "بعض کپڑوں" میں وہ رومال بھی آجاتا ہے جس کو وہ پہنے ہوئے ہو تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں اس میں کوئی نقل نہیں جانتا کیا وہ دیکھتے بھالتے اُس نقل کو بھول گئے جو خود ہی انہوں نے پیش کی ہے۔ ت

اقول لکنی (ف۱) رأیت فی التبیین قال بعد قوله منع الحدث مس القراٰن ومنع من القراءة والمس الجنابة والنفاس کالحیض ما نصه ولا یجوز لهم مس المصحف بالثیاب التی یلبسونها لانها بمنزلة البدن ولهذا لو حلف لا یجلس علی الارض فجلس علیها وثیابه حائلة بینه وبینها وهو لابسها یحنث ولو قام (ف۲) فی الصلاة علی النجاسة وفی رجلیه نعلان او جوربان لا تصح صلاته بخلاف المنفصل عنه[1] اھ فهذا ظاهر فی رجوع الضمیر الی المحدث ومن معه جمیعا فهذا النقل ولله الحمد وبالجملة المقصود انه اذا منع مسه بما علی عنقه وصدره فکیف بهما فدل علی حلول الحدث جمیع البدن ثم رأیت المسألة منصوصا علیها فی الهندیة عن الزاهدی حیث قال اختلفوا فی مس المصحف بما عدا اعضاء الطهارة وبما غسل من الاعضاء قبل اکمال الوضوء والمنع اصح[2] اھ

میں کہتا ہوں میں نے تبیین میں دیکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں حدث کی وجہ سے قرآن کو ہاتھ لگانا منع کیا ہے، اور جنابت اور نفاس نے حیض کی طرح پڑھنے اور ہاتھ لگانے دونوں کو منع کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ اُن کے لیے اُن کپڑوں کے ساتھ جو وہ پہنے ہوئے ہیں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں کیونکہ وہ کپڑے بمنزلہ بدن کے ہیں، اور اسی لیے اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ زمین پر نہیں بیٹھے گا اب وہ اس طرح بیٹھا کہ اس کے اور زمین کے درمیان پہنے ہوئے کپڑے حائل ہوں تو وہ قسم میں حانث ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص بحالتِ نماز نجاست پر کھڑا ہوا اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا جرابیں ہیں تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی، اگر یہ چیزیں جُدا ہیں تو ہو جائے گی اھ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضمیر مُحدِث کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف بھی جو مُحدث کے ساتھ ہو، یہ صریح نقل ہے والحمدللہ، اور خلاصہ یہ کہ جب قرآن کو اس کپڑے کے ساتھ چھُونا جائز نہیں جو اس کی گردن اور سینے پر ہے تو خود گردن اور سینے سے مس کرنا کیسے جائز ہوگا! پس معلوم ہوا

---

[1] تبیین الحقائق باب الحیض بولاق مصر ۱/۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹

کہ حدث تمام بدن میں سرایت کرتا ہے، پھر میں نے اس مسئلہ کو ہندیہ میں زاہدی سے منصوص دیکھا وہ فرماتے ہیں اعضاء طہارت، اور وہ اعضاء جو وضو کی تکمیل سے قبل دھوئے گئے ہوں اُن سے مسِ مصحف میں اختلاف ہے اور منع اصح ہے اھ ت

وثالثا تقرر عند العرفاء ان لا حدث صغيرا ولا كبيرا الا ما تولد من اكل حتى القهقهة فى الصلاة فان تلك الغفلة الشديدة فى عين الحضرة لا تكون الا من شبع اى شبع اذ الجائع ربما لا يكشر له سن فضلا عن القهقهة فضلا عن كونها فى الصلاة ولا شك ان نفع الاكل يعم البدن وكذا نفع الخارج والراحة الحاصلة به فدخول الطعام يولد الغفلة وخروج المؤذى يحققها وبالغفلة موت القلب والقلب رئيس فانه المضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله والماء ينعش ويذهب الغفلة كما هو مشاهد فى المغشى عليه۔

ثالثاً عرفاء کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ حدث چھوٹا ہو خواہ بڑا مطلقاً کھانا کھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز میں قہقہہ بھی کہ عین دربار میں ایسی سخت غفلت اُسی سے ہوسکے گی جس کا پیٹ بھرا اور نہایت بھرا ہو کہ بھوک میں تو ہنسی سے دانت کھلنا ہی نادر ہے نہ کہ ٹھٹھا اور وہ بھی نماز میں، اور شک نہیں کہ کھانے کا نفع تمام بدن کو پہنچتا ہے یونہی فضلہ نکل جانے کی منفعت و راحت بھی سارے بدن کو ہوتی ہے تو کھانا معدہ میں جانا غفلت پیدا کرتا ہے اور موذی یعنی فضلہ کا نکلنا غفلت کو ثابت و مؤکد کرتا ہے اور غفلت سے دل کی موت ہے اور دل بدن کا بادشاہ ہے کہ یہی بوٹی درست ہو تو سارا بدن درست رہے اور بگڑے تو سارا بدن خراب ہوجائے اور پانی تازگی لاتا اور غفلت دُور کرتا ہے جیسا کہ غشی والے کے مُنہ پر چھڑکنے میں مشاہدہ ہے۔

قلت فكما ان سبب الموت عم البدن كان ينبغى ان يعمه ايضا سبب الحياة وبه اتى الشرع فى الحدث الاكبر لكن الاصغر يتكرر كثيرا فلو امروا كلما احدثوا ان يغتسلوا لوقعوا فى الحرج والحرج مدفوع فاقامت الشريعة السمحة السهلة مقام الغسل غسل الاطراف اذ من سنة كرمه تعالى ان اذا اصلح الاول و الاخر تجاوز عن الوسط وجعله معمورا

تو میں کہتا ہوں جس طرح موت کا سبب سارے بدن کو عام ہوا تھا چاہیے تھا کہ حیات کا سبب یعنی پانی بھی سب جسم پر پہنچے حدث اکبر میں تو شرع نے یہی حکم دیا مگر حدث اصغر بکثرت مکرر ہوتا ہے تو ہر حدث اصغر پر اگر نہانے کا حکم ہوتا تو لوگ حرج میں پڑتے اور اس دین میں حرج نہیں لہذا اس نرم و آسان شریعت نے اطراف بدن کا دھونا قایم مقام نہانے کے فرمادیا کہ اللہ عزوجل کی سنتِ کرم ہے

فیهما ثم کان من الاطراف الراس وغسله کل
یوم مرارا ایضا کان یورث البؤس والباس
فابدل فیه الغسل بالمسح رحمة من الذی
یقول عزّ من قائل یرید الله بکم الیسر ولا
یرید بکم العسر فقضیة هذا ان الحدث ولو
اصغر یحل البدن کله

کہ جب اول و آخر ٹھیک ہوتے ہیں تو بیچ میں جو نقصان
ہو اُس سے درگزر فرماتا ہے اب اطراف بدن میں
سر بھی تھا اور اُسے ہر روز چند بار دھونا بھی بیمار کر دیتا
مشقّت میں ڈالتا لہٰذا اس کو دھونے کے عوض مسح
مقرر فرما دیا، رحمت اس کی جو فرماتا ہے کہ اللہ تمہارے
ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔

(اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حدث خواہ اصغر ہی ہو تمام بدن میں حلول کرتا ہے۔ ت)

اقول وبه (ف۱) تبیّن ان ماصرح به غیر
واحد من مشایخنا وغیرهم ان غسل غیر
المصاب فی الحدث امر تعبدی کما فی
الهدایة وغیرها وقدمناه عن الکافی و
کذلک (ف۲) الاقتصار علی الاربعة فی الوضوء کما
فیها وفی الحلیة وغیرهما وبه قال الامام
الحرمین واختاره الامام عزّ الدین بن
عبد السلام کلاهما من الشافعیة فان کل ذلک
فی علم الحقائق احکام معقولة المعنی والله
تعالی اعلم هذا تقریر اسئلة ظهرت لی واتیت
بها کیلا تعن لقاصر مثلی ولا یتفرغ للتدبر
فیحتاج لکشفها۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہمارے
مشایخ کا یہ فرمانا کہ اُن اعضاء کو دھونا جن کو حدث
نہیں پہنچا ہے محض امر تعبدی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ
میں ہے اور ہم نے کافی سے بھی نقل کیا ہے، اور اسی طرح
وضو میں چار پر اقتصار جیسا کہ ہدایہ اور حلیہ وغیرہ میں ہے
اور یہی امام الحرمین کا قول ہے اور امام عزّ الدین بن
عبد السلام نے اس کو اختیار کیا ہے یہ دونوں شافعی
علماء ہیں کیونکہ یہ تمام حقائق کے معقول احکام ہیں واللہ تعالٰی
اعلم، یہ اُن سوالوں کی تقریر ہے جو مجھے منکشف ہوئے،
میں نے ان پر اس لیے گفتگو کی ہے کہ کہیں مجھ جیسے
قاصر کو یہ درپیش نہ آجائیں اور وہ مشکل میں مبتلا
نہ ہو جائے۔ (ت)

اقول فی الجواب عن الاول المراد
نجاسة الآثام اذ لو ارید نجاسة الحدث
لزم ان من لم یسم لم یتم طهره وهو مذهب
الظاهریة وروایة عن الامام احمد رضی الله
تعالی عنه ولم یقل به احد من علمائنا و
بقاء نجاسة الآثام فیما عدا اعضاء الطهر بل

اب میں پہلے کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس سے
مراد گناہوں کی نجاست ہے کیونکہ اگر حدث کی نجاست کا
ارادہ کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جو بسم اللہ نہ کرے اُس
کی طہارت مکمل نہ ہوگی، اور یہ ظاہریہ کا مذہب ہے،
اور امام احمد کی ایک روایت ہے اور ہمارے علماء
میں سے کسی کا قول نہیں، اور اعضاء طہارت کے علاوہ

وفيها ايضا كما قدمنا لا ينافي صحة الطهارة و
الصلاة وبه ظهر الجواب عن استدلال ابي
الفرج بالحديث وعن الثاني ان المنع للحدث
بالمعنى الثاني الغير المتجزي لقوله تعالى
لا يمسه الا المطهرون وقوله صلى الله تعالى
عليه وسلم لا يمس القران الا طاهر وهو
لا يكون طاهرا ما بقيت لمعة وان خفت
فمنع المس انما يقتضي تلبس المكلف بنجاسة
حكمية لا تلبس خصوص العضو الممسوس
به الا ترى انه لا يجوز مسه بيد قد غسلها
ما لم يستكمل الوضوء الا ترى انهم منعوا المس
بما عليه من الثياب ولا نجاسة فيها حقيقية
ولا حكمية انما المنع لانها تبع لبدن شخص محدث
فلان يمتنع بنفس بدنه اولى وان كان بدنا لم
يحله الحدث هذا على الاصح اما على قول من
يقول ان المنع للمعنى الاول اي لقيام النجاسة
الحكمية بالممسوس به فالمسألة ممنوعة من
راسها بل هو قائل بجواز مسه بغير اعضاء
الطهارة كما مر عن الهندية وان منع المس بالثياب
فبثوب تابع لما فيه الحدث كالكم لبدن لم تغسل
لا مطلقا كما لا يخفى وعن الثالث نعم ذلك
تخفيف من ربكم ورحمة لكنه يحتمل وجهين
الاول ان يعتبر الشرع حلول الحدث بكل
البدن ثم يجعل تطهير الاعضاء الاربعة تطهيرا
للكل والثاني ان الشارع لما راى فيه الحرج

باقی اعضاء میں گناہوں کی نجاست کا باقی رہنا ، بلکہ
اعضاءِ طہارت میں بھی، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا صحت
طہارت کے منافی ہے اور نہ ادائیگی نماز کے، اور اسی
سے ظاہر ہو گیا جواب اس استدلال سے جو ابوالفرج
نے حدیث سے کیا ہے۔

اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ حَدَث کا منع
کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے جو غیر متجزی ہے
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے " اس کو پاک لوگ
ہی چھوتیں" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
" قرآن کو پاک ہی چھوئے" اور مُحدِث اس وقت تک
پاک نہ ہو گا جب تک ایک "لُمعہ" بھی باقی رہے
خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو ، تو چھونے کی ممانعت
کا مطلب یہ ہے کہ مکلف نجاست حکمیہ کے ساتھ ملوث
ہے ، یہ نہیں کہ اس کا کوئی خاص عضو اس میں ملوث
ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کو محض دُھلے ہوئے ہاتھ
سے چھونا جائز نہیں تاوقتیکہ وضو مکمل نہ ہو ، یہی
وجہ ہے کہ فقہاء نے اس ہاتھ سے قرآن چھونے کو
منع کیا ہے جو کپڑے میں لپٹا ہوا ہو خواہ اس پر نہ حقیقی
نجاست ہو اور نہ حکمی، ممانعت اس لیے ہے کہ وہ
مُحدِث کی ذات کے تابع ہے تو نفس بدن سے
چھونے کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہو گی، خواہ اس میں
حدث نے حلول نہ کیا ہو، یہ اصح کے مطابق ہے، اور
جو حضرات منع معنیٔ اول میں قرار دیتے ہیں، یعنی
ممسوس بہ کے ساتھ نجاست حکمیہ کا قائم ہونا، تو مسئلہ
اصلاً ممنوع ہے ، بلکہ اُس کے مَس کے جواز کے قائل ہیں

اسقط اعتبارہ الا فی الاعضاء الاربعة ولكل منهما نظير فی الشرع فنظير الاول التيمم جعل فيه مسح عضوين مطهرا للاربع بالاتفاق ونظير الثانی العين كان فی غسلها حرج فلم يجعلها الشرع محل حلول حدث اصلا لانه حل وسقط الغسل للحرج فلو غسل عينيه لايصير الماء مستعملا بالوفاق وعند الاحتمال ينقطع الاستدلال بل **اقول** لو تاملت لرجحت الثانی اذ عدم الاعتبار اولى من الاعتبار ثم الاهدار والقياس على العين بجامع الحرج واضح صحيح بخلاف التيمم فان اصل الواجب ثم الوضوء والتيمم خلف ولم يزعم ههنا احد ان اصل الواجب بكل حدث هو الغسل والوضوء خلف بل لم يقل احد ان الغسل عزيمة والوضوء رخصة وهؤلاء سادتنا العرفاء الكرام اعاد الله تعالى علينا بركاتهم فی الدارين رأيناهم يأخذون انفسهم فی كل نقير وقطمير بالعزائم ولا يرضون لهم التنزل الى الرخص ثم لم ينقل عن احد منهم انه الزم نفسه الغسل عند كل حدث مكان الوضوء ولو التزمه الان احد لكان متعمقا مشددا مبتدعا فظهر انه من الباب الثانی دون الاول على ان ذلك طور اخر وراء الطور الذی نتكلم فيه والاحكام لاتخلو عن الحكم لكن لاتدار عليها الاترى ان من

بلا اعضاءِ طہارت کے، جیساکہ تنبیہ سے گزرا، اور اگر کپڑوں کے ساتھ چھونا جائز نہیں تو اس کپڑے کے ساتھ جو تابع ہو کیونکہ اس میں حدث ہے، جیسے آستین ہاتھ کے لیے جو دُھلا نہ ہو، نہ کہ مطلقاً کما لایخفی۔

اور تیسرے کا جواب یہ ہے، ہاں یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت ہے لیکن اس میں دو وجہیں ہیں پہلی تو یہ کہ شرع تمام بدن میں حدث کے حلول کا اعتبار کرتی ہے اور پھر چار اعضاء کی تطہیر کے بعد کل بدن کی طہارت کا حکم کرتی ہے اور دوسرے یہ کہ شارع نے جب اس میں حرج دیکھا تو اس کے اعتبار کو ساقط کردیا صرف اعضاءِ اربعہ میں رہنے دیا، اور ان میں سے ہر ایک کی نظیر شرع میں موجود ہے، پہلے کی نظیر تیمم ہے اس میں دو اعضاء کے مسح کرنے کو چاروں اعضاء کی پاکی قرار دیا ہے' اور دوسرے کی نظیر آنکھ ہے کہ اس کے دھونے میں حرج تھا، تو شریعت نے اس میں حدث کا حلول نہیں مانا، یہ نہیں کہ حدث حلول کرگیا ہو اور پھر حرج کی وجہ سے دھونا ساقط کردیا گیا ہو، اب اگر کسی نے اپنی دونوں آنکھیں دھوئیں تو پانی بالاتفاق مستعمل نہ ہوگا، اور جب احتمال پیدا ہوجائے تو استدلال ختم ہوجاتا ہے، بلکہ میں کہتا ہوں اگر آپ تامل کریں تو دوسرے کو ترجیح ہے کیونکہ اعتبار نہ کرنا اعتبار کرنے سے اَولیٰ ہے کہ پہلے اعتبار کیا جائے پھر اس کو باطل کیا جائے، اور آنکھ پر قیاس کرنا حرج کی علت سے

اشتغل فی لهو ولعب ومزاح وقهقهة خارج الصلاة فلا شك انه غافل فی تلك الساعات عن ربه عز وجل لاسیما[1] الذی قهقه فی صلاة الجنازة مع ان فی ذکری الموت شغلا شاغلا ولم یجعل الشرع شیئاً من ذلك حدثا وکذا لم یجعل الاکل وهو الاصل ولا النوم الذی هو اخ الموت مالم یظن خروج شیٔ بان لم یکن متمکنا فعلینا اتباع ما رجحوه وصححوه کما لو افتونا فی حیاتهم والله تعالی اعلم باحکامه.

واضح اور صحیح ہے بخلاف تیمم کے کیونکہ وہاں اصالۃً جو چیز واجب ہے وہ وضو ہے اور تیمم خلیفہ ہے، اور یہاں کسی نے گمان نہیں کیا کہ ہر حدث میں اصالۃً واجب غسل ہے اور وضو خلیفہ ہے، بلکہ کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ غسل عزیمۃ ہے اور وضو رخصۃ ہے، حالانکہ ہمارے یہ بزرگ، اللہ ان کی برکتیں ہم پر نازل کرے، باریک سے باریک تر چیز کا اعتبار کرتے ہیں اور کسی قسم کی رخصت پر تیار نہیں ہوتے، پھر ان میں سے کسی سے منقول نہیں کہ بجائے وضو کے غسل کرتا ہو اور اگر اب کوئی ایسا کرے تو وہ انتہا درجہ کا متشدد ہوگا تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرے باب سے ہے نہ کہ پہلے باب سے۔

علاوہ ازیں یہ ہماری گفتگو کا ایک نیا انداز ہے، اور احکام حکمتوں سے خالی نہیں ہوتے، لیکن اُن پر دار و مدار نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص لہو و لعب، مزاح اور قہقہوں میں بیرونِ نماز مصروف ہے تو بلاشبہ اِن لمحات میں وُہ اپنے رب سے غافل ہے، خاص طور پر قہقہہ لگانے والا نماز جنازہ میں، حالانکہ موت انسان کو ہر چیز سے موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، مگر شارع نے اِن اشیائ میں سے کسی چیز کو بھی حَدث قرار نہیں دیا ہے، اور اس طرح کھانے کو، جو اصل ہے، اور نیند کو جو موت کی نظیر ہے تاوقتیکہ اُس شخص کو یہ ظن نہ ہو جائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے، مثلاً یہ کہ جم کر نہیں بیٹھا یا لیٹا تھا، تو ہم پر لازم ہے کہ جس چیز کو فقہا نے راجح قرار دیا اور صحیح قرار دیا ہے ہم اس کی بالکل اسی طرح پیروی کریں جیسے اگر وہ حضرات اپنی زندگی میں ہمیں فتوٰی دیتے۔

تنبیه[2] معلوم ان اقامة قربة او رفع حدث او اسقاط فرض او ازالة نجاسة حکمیة بایها عبرت کل ذلك یشمل المسح المفروض مطلقا والمسنون بشرط النیة فیجب ان تصیر البلة مستعملة اذا انفصلت من راس او خف او جبیرة او اذن مثلا ولذا عولنا علیه وصرحنا بعموم المسح لکن قال الامام فقیه النفس فی الخانیة لو[3] ادخل المحدث

تنبیہ یہ امر معلوم ہے کہ قربۃ کی ادائیگی، رفع حدث، اسقاطِ فرض، نجاستِ حکمیہ کا ازالہ وغیرہ جو تعبیر بھی آپ کریں یہ مفروض مسح کو مطلقاً شامل ہے اور مسنون کو بشرطِ نیت، لہٰذا لازم ہے کہ تری سر سے، موزے سے، پٹی سے یا کان سے جُدا ہوتے ہی مستعمل ہو جائے، اور اسی لیے ہم نے اس پر اعتماد کیا، اور مسح کے عام ہونے کی تصریح کی، لیکن امام فقیہ النفس نے خانیہ میں فرمایا اگر بے وضو نے اپنا سر مسح کے لیے

رأسه فی الاناء یرید به المسح لایصیر الماء مستعملا فی قول ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی قال انما یتنجس الماء فی کل شیئ یغسل اما ما یمسح فلا یصیر الماء مستعملا وان اراد به المسح وقال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی اذا کان علٰی ذراعیه جبائر فغمسها فی الماء او غمس رأسه فی الاناء لایجوز ویصیر الماء مستعملا[1] اھ وقد قدم قول ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی فکان ھو الاظھر الاشھر کما افاد فی خطبته فکان ھو المعتمد کما فی ط و ش بل صححوا ان محمدا فیه مع ابی یوسف رحمهما اللّٰه تعالٰی فلا خلاف قال فی البحر[2] لو ادخل رأسه الاناء او خفه او جبیرته وھو محدث قال ابو یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی یجزئه المسح ولا یصیر الماء مستعملا سواء نوی اولم ینو وقال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی ان لم ینو یجزئه ولا یصیر مستعملا وان نوی المسح اختلف المشایخ علی قوله قال بعضهم لایجزئه ویصیر الماء مستعملا والصحیح انه یجوز ولا یصیر الماء مستعملا کذا فی البدائع فعلم بھذا ان ما فی الجمع[2] ۔

(قلت ای والخانیة والفتح وغیرھا) من الخلاف فی ھذہ المسألة علی غیر الصحیح

برتن میں ڈبو دیا تو ابو یوسف کے قول کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں پانی اس چیز سے نجس ہوگا جو دھوئی جاتی ہے، اور جو ممسوح ہے اُس سے نہیں خواہ اُس سے مسح کا ارادہ ہی کیا ہو، اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر کسی کے ہاتھوں پر پٹیاں ہوں اور اس نے وُہ پانی میں ڈبو دیے یا اپنا سر پانی میں ڈبو دیا تو جائز نہیں اور پانی مستعمل ہوگا اھ اور ابو یوسف کے قول کو مقدم کیا گیا ہے وہی ظاہر و مشہور ہے جیسا کہ انھوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا تو وہی قابلِ اعتماد ہوگا، جیسا کہ "ط" و "ش" میں ہے بلکہ فقہاء نے اس امر کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس میں امام محمد ابو یوسف کے ساتھ ہیں، تو کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ بحر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنا سر، موزہ یا پٹی بے وضو ہونے کی حالت میں برتن میں ڈبو دی تو امام ابو یوسف نے فرمایا مسح ہو جائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ مسح کی نیت کی ہو یا نہ، امام محمد نے فرمایا اگر نیت نہیں کی تو مسح ہو جائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا، اگر نیت کی تو ان کے قول پر اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں اس کو کافی نہ ہوگا اور پانی مستعمل ہو جائے گا، اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا کذا فی البدائع تو اس سے معلوم ہوا کہ جمع میں جو اختلاف ہے۔ (ت)

(میں کہتا ہوں خانیہ اور فتح وغیرہ میں بھی) جو اختلاف بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے

---

[1] فتاوٰی خانیة علی الھندیة | باب الماء المستعمل | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۱۵

[2] بحر الرائق | کتاب الطہارت | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۵

بل الصحیح ان لاخلاف وعلم ایضا انہ لافرق بین الرأس والخف والجبیرۃ خلافا لما ذکرہ ابن الملک[1] اھ واختصرہ فی الدر فقال لم یصیر الماء مستعملا وان نوی اتفاقا علی الصحیح[2] اھ۔

اقول ولایھولنک ھذا فلیس معناہ ان المسح لایفید الاستعمال کیف وکلامھم طرا فی اسبابہ مطلق یعم الغسل والمسح ثم المسألۃ عینھا منصوصۃ علی لسان الکبراء منھم فقیہ النفس اذ یقول ف۱ توضأ ثم مسح الخف ببلۃ بقیت علی کفہ بعد الغسل جاز ولو مسح برأسہ ثم مسح الخف ببلۃ بقیت علی الکف بعد المسح لایجوز لانہ مسح الخف ببلۃ مستعملۃ بخلاف الاول[3] اھ و ف۲ اقرہ فی الفتح وغیرہ وفی الخانیۃ ایضا الاستیعاب فی مسح الرأس سنۃ وصورۃ ذلک ان یضع اصابع یدیہ علی مقدم راسہ وکفیہ علی فودیہ ویمدھما الی قفاہ فیجوز واشار بعضھم الی طریق اخر احترازا عن استعمال الماء المستعمل الا ان ذلک لایمکن الا بکلفۃ ومشقۃ فیجوز الاول ولا یصیر الماء مستعملا ضرورۃ اقامۃ السنۃ[4] اھ ای لما علوان الماء ما دام علی العضو لا یصیر مستعملا ف۳ وفی الفتح من مسح الرأس لو مسح باصبع واحدۃ مدھا قدر الفرض

کہ اختلاف نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سر، موزے اور پٹی میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ ابن الملک نے ذکر کیا اھ اور اسی کو دُر میں مختصر کیا، فرمایا پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ نیت کی ہو، یہ متفق علیہ ہے صحیح قول پر اھ ت

اقول یہ چیز کوئی قابلِ تعجب نہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ مسح سے استعمال نہیں ہوتا، حالانکہ تمام فقہاء کا کلام اسبابِ استعمال کے سلسلہ میں عام ہے اس میں غسل اور مسح دونوں شامل ہیں، اور پھر اکابر علماء نے مسئلہ کی صراحت بھی کی ہے، مثلاً فقیہ النفس فرماتے ہیں کسی شخص نے وضو کیا پھر ہاتھ دھونے کے بعد جو تری باقی رہ گئی تھی اس سے موزے پر مسح کرلیا تو جائز ہے اور اگر سر پر مسح کیا اور مسح کے بعد ہاتھ پر جو تری رہ گئی تھی اس سے موزے پر مسح کیا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے مستعمل تری سے موزے پر مسح کیا ہے بخلاف اول کے اھ فتح و خانیہ میں اسی کو برقرار رکھا، پھر استیعاب مسح میں سنت ہے، اور استیعاب کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی انگلیاں ماتھے پر رکھے اور ہتھیلیاں کنپٹیوں پر اور گدی کی طرف کھینچ کر لے جائے تو جائز ہے، اور بعض دوسرے فقہاء نے اور طریقہ بتایا کہ مستعمل پانی کے استعمال سے بچا جاسکے، مگر اس میں بہت تکلف اور مشقت ہے، تو پہلی صورت جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا تاکہ سنت ادا ہوسکے اھ یعنی جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ پانی جب تک عضو پر باقی

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] الدرالمختار ارکان الوضوء ۱/۱۹
[3] فتاوی خانیہ مسح علی الخفین ۱/۲۳
[4] خانیۃ علی الہندیۃ فصل صفۃ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵

جائز عند زفر وعندنا لا يجوز وعللوه بان البلة صارت مستعملة وھو مشکل بان الماء لا یصیر مستعملا قبل الانفصال وما قیل الاصل ثبوت الاستعمال بنفس الملاقاۃ لکنه سقط فی المغسول للحرج اللازم بالزام اصابة کل جزء باسالة غیر السال علی الجزء الاٰخر ولاحرج فی المسح لانه یحصل بمجرد الاصابة فبقی فیه علی الاصل دفع بانه مناقض لما علل به لابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی فی مسألۃ ادخال الراس الاناء فان الماء طھور عندہ فقالوا المسح حصل بالاصابة والماء انما یاخذ حکم الاستعمال بعد الانفصال والمصاب به لم یزایل العضو حتی عدل بعض المتاخرین الی التعلیل بلزوم انفصال بلة الاصبع بواسطة المد فیصیر مستعملا لذلك[1] اھ وبالجملة فالنقول فی الباب کثیرۃ بثیرۃ وفی الکتب شھیرۃ وان کان للعبد فی مسألة الاصبع ابحاث غزیرۃ فلیس وجه مسألة الاناء مایتوھم بل ما نقلناہ انفا عن الفتح وقد ذکرہ فی موضع اخر بقوله ان الماء لایعطی له حکم الاستعمال الا بعد الانفصال والذی لاقی الراس من اجزائه لصق به فطھرہ وغیرہ لم یلاقه فلم یستعمل[2] اھ فمعنی قولھم فیھا لا یصیر الماء

رہتا ہے مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

اور فتح میں ہے جس نے سر کا مسح کیا یا اگرچہ ایک انگلی سے مسح کیا کہ اس کو بقدرِ فرض کھینچا، تو زفر کے نزدیک جائز ہے اور ہمارے نزدیک جائز نہیں اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تری مستعمل ہوگئی، مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ پانی عضو سے جُدا ہوئے بغیر مستعمل نہیں ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ پانی عضو سے لگتے ہی مستعمل ہوجائے مگر اعضاءِ مغسولہ میں اس کو حرج کی وجہ سے معتبر نہیں مانا گیا ہے ورنہ تو عضو کے ایک حصہ کا پانی دوسرے حصہ کو ناپاک کردیتا، اور مسح میں یہ صورتِ حال نہیں ہے کیونکہ اس میں بہانا نہیں ہے محض لگانا ہے تو اس میں اصل پر اعتبار کیا گیا۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ امام ابویوسف نے سر کو برتن میں داخل کرنے کی بابت جو ارشاد فرمایا ہے یہ قول اس کے برخلاف ہے کیونکہ پانی ان کے نزدیک پاک کرنے والا ہے، وہ فرماتے ہیں پانی لگانے سے مسح تو ہوگیا اور چونکہ پانی عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل ہوتا ہے اور مسح میں جدا نہیں ہوتا اس لیے مستعمل بھی نہ ہوگا حتی کہ بعض متاخرین نے بجائے اس دلیل کے یہ دلیل اختیار کی ہے کہ انگلی کی تری اس طرح جُدا ہوئی کہ اس کو کھینچا گیا تو اب یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ خلاصہ یہ کہ اس باب میں نقول بہت موجود ہیں جو مشہور کتب میں پائی جاتی ہیں، اور

---

[1] فتح القدیر کتاب الطھارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶

[2] ایضاً ۱/۱۷

مستعملا ای ما بقی فی الاناء وھو المراد بقول الخانیۃ عن الامام ابی یوسف انما یتنجس الماء فیما یغسل لا ما یمسح ای ماء الاناء بادخال ما وظیفتہ الغسل دون المسح فزال الوھم و فیہ المدعی۔

ناچیز انگلی کے مسئلہ پر بڑی گہری ابحاث رکھتا ہے برتن کے مسئلہ کی وجہ وُہ نہیں جو بعض حضرات کے وہم میں آئی ہے بلکہ وہ ہے جو ہم نے ابھی فتح سے نقل کی ہے اور اسی کو انھوں نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے کہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم اُسی وقت ملے گا جب وہ عضو سے جدا ہو اور پانی کے جو اجزاء سر سے متصل ہُوئے وہ اسی میں چپک جاتے ہیں اور اس کو پاک کر دیتے ہیں اور سر کے علاوہ کسی اور حصے پر نہیں لگتے ہیں تو مستعمل نہ ہوا اھ تو فقہاء نے جو فرمایا ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک برتن میں رہے، اور خانیہ نے امام ابو یوسف سے جو نقل کیا ہے کہ پانی اُن اعضاء میں مستعمل ہوتا ہے جو دھوئے جاتے ہیں نہ کہ اُن میں جو مسح کیے جاتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی اُن اعضاء کے داخل کرنے کی وجہ سے مستعمل ہوگا جو مغسولہ ہیں نہ کہ ممسوحہ تو وہم رفع ہوا اور یہی مقصود تھا۔ (ت)

اقول وان کان فی قصرھم اللقاء علی ما لصق بالرأس تأمل ظاھر وکان ھذا ھو مراد المحقق اذ قال بعد ذکرہ وفیہ نظر اھ[1]

میں کہتا ہوں فقہاء نے ملنے کو جو سر کے ساتھ مختص کردیا ہے اس میں بظاہر تامّل ہے، اور غالباً محقق کی مراد یہی ہے کیونکہ انھوں نے اس کے ذکر کے بعد فرمایا: و فیہ نظر۔ (ت)

اقول ویظھر لی ان سبیل المسألۃ سبیل الخلف فی الملقی والملاقی وتصحیح ھذہ بل تصحیح الوفاق فیھا ربما یعطی ترجیح عدم الفرق الا ان یفرق بین الغسل والمسح فلا یصیر بہ کل الماء مستعملا حکما بالاتفاق بخلاف الغسل ویحتاج لوجہ فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا حل ملنے والی شے اور جس سے ملی ہے اس میں اختلاف پر مبنی ہے، اور اس کی تصحیح بلکہ اس میں اتفاق کی تصحیح سے عدم فرق کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، ہاں اگر غسل اور مسح میں ہی فرق کرلیا جائے تو بات اور ہے، تو اُس سے تمام پانی حکماً مستعمل نہ ہوگا بالاتفاق بخلاف غسل کے، اور یہ دلیل کا محتاج ہے فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ اعلم ان مسألۃ الاصبع المارۃ ترکھا المحقق فی الفتح غیر مبینۃ ذکر لہ ثلث تعلیلات ورد الجمیع فالاول التعلیل بالاستعمال وقد علمت ردہ وما

تنبیہ انگلی کا مسئلہ جو گزرا اس کو محقق نے فتح میں واضح نہیں کیا تین تعلیلات بیان کیں اور تینوں کو رَد کردیا، پہلی تعلیل استعمال سے متعلق ہے اور اس کا رَد تم معلوم کرچکے ہو، اور اس کی

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ ۱/۷۱

عدل الیہ بعض المتاخرین لاصلاحہ فردہ والاول معابان ھذا الکلہ یستلزم ان مد اصبعین لایجوز وقد صرحوا بہ وکذا الثلاث علی القول بالربع وھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی ولکن لم ار فی مد الثلاث الا الجواز[1] اھ واعترضہ فی النھر بقول البدائع لووضع ثلثۃ اصابع ولم یمدھا جاز علی روایۃ الثلاث لا الربع ولو مسح بھا منصوبۃ غیر موضوعۃ ولا ممدودۃ فلا فلو مدھا حتی بلغ القدر المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثۃ خلافا لزفر[2] اھ قال وقد وقفت علی المنقول ای ان عدم الجواز قول ائمتنا الثلثۃ فکیف یقول المحقق لم ارفیہ الا الجواز وھو عجیب من مثلہ کما نبہ علیہ فی المنحۃ فان الضمیر فی مدھا للمنصوبۃ وکلام الفتح فی الموضوعۃ۔

اصلاح میں بعض متاخرین نے جو فرمایا ہے اس کو اور پہلے کو ساتھ ہی انہوں نے رَد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں کا کھینچنا جائز نہ ہو، اور اس کی فقہانے تصریح کی ہے اور چوتھائی کے قول پر تین کا کھینچنا بھی جائز نہ ہو، اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے، لیکن تین کے کھینچنے میں مجھے جواز ہی ملا ہے اھ اور نہر میں اس پر اعتراض کیا اور بدائع کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر تین انگلیاں رکھیں اور ان کو کھینچا نہیں تو تین کی روایت پر جائز ہے نہ کہ چوتھائی کی روایت پر، اور اگر کھڑی انگلیوں سے مسح کیا' ان کو نہ تو رکھا نہ کھینچا تو جائز نہیں، اور اگر اتنا کھینچا کہ فرض مقدار پُوری ہوگئی تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہ ہوگا امام زفر کا اس میں اختلاف ہے اھ انہوں نے فرمایا کہ میں منقول پر مطلع ہوا ہوں، یعنی عدم جواز ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے، تو محقق کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے صرف جواز ہی دیکھا ہے، اور اُن جیسے شخص سے یہ بڑے تعجب کی بات ہے، منحہ میں اسی پر تنبیہ کی ہے کیونکہ "مدھا" میں ھا کی ضمیر "منصوبۃ" کے لیے ہے اور فتح کا کلام "موضوعۃ" کے لیے ہے۔ ت

اقول کان النھر نظر الی ان الصور اربع ثلاث اصابع موضوعۃ او منصوبۃ والکل ممدودۃ اولا وقد ذکر فی البدائع اولا صورتی عدم المد ثم قال فلو مدھا فلیکن الضمیر الی ثلث اصابع مطلقۃ موضوعۃ

میں کہتا ہُوں غالباً نہر نے دیکھا کہ صورتیں چار ہیں، تین انگلیاں رکھی ہوئیں یا کھڑی اور سب کھینچی ہوئی یا نہیں، اور بدائع میں پہلے نہ کھینچنے کی دو صورتیں ذکر کی ہیں، پھر کہا کہ "فلو مدھا" تو اس میں ضمیر "ثلث اصابع" کی طرف ہونی چاہیے خواہ وُہ رکھی

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶

[2] بدائع الصنائع مطلب مسح الرأس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

اومنصوبة ليستوعب كلامه الصور لكن الشان انه مدع ظفر النقل فيضره احتمال العود الى (ف۱) المنصوبة لاسيما وهى الاقرب وقد كشف المراد فى الحلية حيث قال، فروع، مسح بثلثة اصابع منصوبة لم يجز ولو مدها حتى بلغ المفروض لم يجز عند علمائنا الثلثة ولو وضعها ولم يمد لم يجز على رواية الربع ذكره فى التحفة والمحيط والبدائع[۱] اھ

ہوں یا کھڑی، تاکہ اُن کا کلام تمام صورتوں کا استیعاب کرے، لیکن وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ وہ نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو ضمیر کے منصوبہ کی طرف لوٹنے کا احتمال اُن کے لیے مضر ہوگا اور پھر وہ اقرب بھی ہے، اور حلیہ میں مراد واضح کی ہے فرمایا۔ فرع۔ اگر کسی نے تین کھڑی انگلیوں سے مسح کیا تو جائز نہیں اور اگر ان کو اتنا کھینچا کہ فرض مقدار کو پہنچا دیا تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہیں اور اگر انگلیوں کو رکھا اور نہ کھینچا تو چوتھائی کی روایت پر جائز نہیں، اس کو تحفہ، محیط اور بدائع میں ذکر کیا ہے اھ ت

اقول (ف۲) على ان ما عدل اليه بعض المتأخرين لا اعرف له محصلا فان المراد ان كان الانفصال عن الاصبع فلا يفيد الاستعمال لانها اٰلة وانما يفيده الانفصال عن المحل او عن الرأس كله فظاهر الغلط او عن موضعه الذى اصابته الاصبع اولا فنعم ولم يشف غليلا بل كان نظيرا لما عدل عنه للحكم بحصول الاستعمال مع كون الماء مترددا بعد على نفس العضو غير منفصل عنه وهو باطل لاجرم (ف۳) ان نص فى الخلاصة ثم البحر فيما اذا مسح باطراف اصابعه ومدها حتى بلغ المفروض انه يجوز سواء كان الماء متقاطرا اولا قال وهو الصحيح[۲] قال ش قال الشيخ اسمٰعيل ونحوه فى الواقعات

میں کہتا ہوں بعض متأخرین نے جس کی طرف عدول کیا ہے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں محسوس کرتا ہوں کیونکہ اگر ان کی مراد انگلی سے جدا ہونا ہے تو استعمال کا فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ تو آلہ ہے اس کو تو محل سے جدا ہونا یا کل سر سے جدا ہونا مفید ہے، تو یہ ظاہراً غلط ہے یا اس کی جگہ سے جہاں انگلی لگی ہے یا نہیں تو ہاں، مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ نظیر ہوگا اس چیز کی جس سے عدول کیا ہے تاکہ استعمال کے حصول کا حکم ہو حالانکہ پانی متردد ہے عضو پر اس سے جدا نہیں، اور وہ باطل ہے، پھر خلاصہ و بحر میں صراحت ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی انگلیوں کے کناروں سے مسح کیا اور ان کو کھینچا یہاں تک کہ فرض کے مقام کو پہنچا تو یہ جائز ہے خواہ پانی ٹپکے یا نہ ٹپکے اُن دونوں

---

[۱] بدائع الصنائع مطلب مسح الرأس سعید کمپنی کراچی ۱/۵

[۲] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

والفیض[1] اھ ای علی خلاف ما فی المحیط انہ انما یجوز اذا کان متقاطرا لان الماء ینزل من اصابعہ الی اطرافھا فمدہ کاخذ جدید[2]۔

نے کہا کہ وہی صحیح ہے، ش نے فرمایا شیخ اسمٰعیل نے فرمایا نیز واقعات اور فیض میں ہے اھ یعنی محیط کے برعکس کہ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ پانی ٹپک رہا ہو کیونکہ پانی اس کی انگلیوں کے کناروں تک ٹپک آئے گا تو اس کا کھینچنا گویا نیا پانی لینے کے مترادف ہے۔ ت

والثانی ما اختار شمس الائمۃ ان المنع فی مد الاصبع والاثنتین غیر معلل باستعمال البلۃ بدلیل انہ ف۱ لو مسح باصبعین فی التیمم لایجوز مع عدم شیئ یصیر مستعملا خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد بل الوجہ انا مامورون بالمسح بالید والاصبعان لاتسمی یدا بخلاف الثلاث لانہا اکثر ما ھو الاصل فیھا[3] اھ ای فی الید وھی الاصابع ف۲ ولذا یجب بقطعھا ارش الید کاملا ورد المحقق بعد استحسانہ ف۳ بانہ یقتضی تعیین الاصابۃ بالید وھو منتف بمسألۃ المطر وقد یدفع بان المراد تعیینھا او مایقوم مقامھا من الاٰلات عند قصد الاسقاط بالفعل اختیارا غیر ان لازمہ کون تلک الاٰلۃ قدر ثلاث اصابع ف۴ حتی لو کان عودا لایبلغ ذلک القدر قلنا بعدم جوازہ[4]۔

اور دوسرا وہ ہے جو شمس الائمہ نے اختیار کیا ہے کہ ایک یا دو انگلیوں کے کھینچنے کی ممانعت تری کے استعمال کی وجہ سے نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے دو انگلیوں سے تیمم میں مسح کیا تو یہ جائز نہیں حالانکہ کوئی چیز ایسی نہیں جو مستعمل ہو خصوصاً جب چکنے پتھر پر تیمم کیا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہاتھ سے مسح کا حکم دیا گیا ہے اور دو انگلیوں کو ہاتھ نہیں کہا جاتا ہے بخلاف تین انگلیوں کے کیونکہ یہ مسح کے اصل میں جو اصل ہے اس کا اکثر حصہ ہیں اھ یعنی ہاتھ اور وہ انگلیاں ہیں اور اسی لیے تین انگلیوں کے کاٹنے پر پورے ہاتھ کی دیت لازم ہوتی ہے اور محقق نے اس کو پسند کرنے کے بعد رد کر دیا، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ کا لگانا ہی ضروری ہے حالانکہ بارش کے مسئلہ کی وجہ سے ایسا نہیں ہے، اس کا ایک جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ دراصل مراد ہاتھ کی تعیین ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو، کوئی بھی آلہ ہو، جبکہ اختیاری فعلی سے اسقاط مطلوب ہو، البتہ یہ ضروری ہے کہ جو بھی آلہ ہو تین انگلیوں کی مقدار میں ہو یہاں تک کہ اگر کسی نے ایسی لکڑی پھیری جو اس مقدار کی نہ تھی تو جائز نہ ہوگا اھ

---

[1] رد المحتار کتاب الطہارت البابی مصر ۱/۴۵ — [2] ایضاً ۱/۴۷

[3] فتح القدیر " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶ — [4] ایضاً

اقول وحاصلہ ان الید غیر لازمۃ ولکن اذا وقع بہا لم یجز الا بما ینطلق علیہ اسمہا ولکن لقائل ان یقول اولا[ف۱] مسألۃ المطر تفیدنا ان مقصود الشرع اصابۃ البلل القدر المفروض کیفما کان ولا نظر الی الاٰلۃ ولا الفعل القصدی اصلا وقد قرر مشایخنا ان ذکر الید المقدرۃ فی قولہ تعالٰی وامسحوا برء وسکم ای ایدیکم برء وسکم لتقدیر المحل دون الاٰلۃ کما حققہ الامام صدر الشریعۃ وابن الساعاتی والمحقق نفسہ فی الفتح فلیتأمل وثانیا[ف۲] اجمعوا ان لو مسح باطراف اصابعہ والماء متقاطر جاز فظہر ان تعیین الاٰلۃ ملغاۃ ھھنا رأسا وان القیاس علی التیمم مع الفارق و[ف۳]

الثالث مابداہ بقولہ قد یقال عدم الجواز بالاصبع بناء علی ان البلۃ تتلاشی وتفرغ قبل بلوغ قدر الفرض بخلاف الاصبعین فان الماء ینحمل بین اصبعین مضمومتین فضل زیادۃ یحتمل الامتداد الی قدر الفرض وھذا[ف۴] مشاھد او مظنون فوجب اثبات الحکم باعتبارہ فعلی الاکتفاء بثلاث اصابع یجوز مد الاصبعین لان ما بینہما من الماء یمتد قدر اصبع وعلی اعتبار الربع لا یجوز لان ما بینہما مما لا یغلب علی الظن ایعابہ الربع اھ[۱]

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ہاتھ لازم نہیں لیکن جب ہاتھ سے مسح کرنا ہو تو ضروری ہے کہ اتنی مقدار ہو کہ اس پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہو۔ مگر اس پر متعدد طریقوں سے اعتراض ہوسکتا ہے، اوّل بارش کا مسئلہ ہمارے حق میں مفید ہے کیونکہ مقصود شرع یہ ہے کہ تری کی ایک معین مقدار لگ جائے خواہ کسی طرح ہو اس میں نہ تو آلہ زیر بحث ہے اور نہ اختیاری فعل، اور ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ فرمان الٰہی "اور مسح کرو تم سروں کا" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کا اپنے سروں سے" میں محل مقدر ہے نہ کہ آلہ صدر الشریعۃ، ابن الساعاتی اور خود محقق نے فتح میں یہی تقریر فرمائی ہے، غور کر۔

دوم فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے انگلیوں کے پوروں سے مسح کیا اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا تو جائز ہے، تو معلوم ہُوا کہ یہاں آلہ کی تعیین اہم نہیں ہے اور اس کو تیمم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

سوم انھوں نے "عدم الجواز بالاصبع" کہہ کر جو اعتراض کیا ہے سو وہ اس بنا پر ہے کہ تری فرض مقدار تک پہنچنے سے قبل ختم ہوجاتی ہے لیکن دو انگلیاں اگر ملی ہوں تو ان میں فرض مقدار تک پانی پہنچ سکتا ہے، اس کا مشاہدہ[۱] ہے یا ظن غالب ہے، تو اس پر اعتبار کرتے ہوئے حکم کا لگا دینا لازم ہوا تو تین انگلیوں پر اکتفا کرنا دو کے پھیر لینے کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ ان دو کے درمیان اتنا پانی موجود ہوتا ہے جو مزید ایک انگلی کی مقدار

---

[۱] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷

پھیل سکتا ہے اور چوتھائی سر کے اعتبار پر جائز نہیں، کیونکہ جو پانی ان دو کے درمیان ہے ظن غالب نہیں کہ وہ چوتھائی کی مقدار کو پورا ہوسکے اھ۔ ت

اقول اخر کلامه یشهد ان مراده بقوله یحتمل الامتداد الی قدر الفرض هو قدره علی القول باجزاء ثلاث فکان الاولی التعبیر به دفعا للوهم ثم ان المحقق رده بقوله الا ان هذا یعکر علیه عدم جواز التیمم باصبعین اھ[1]

میں کہتا ہوں کہ ان کے کلام کا آخر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ان کی مراد یحتمل الامتداد الی قدر الفرض سے تین انگلیوں کا پھیرنا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اِسی سے تعبیر کی جائے تاکہ وہم رفع ہوجائے پھر محقق نے اس کو یہ کہہ کر دفع کیا ہے" مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں سے تیمم جائز نہ ہو اھ ت

اقول ای فلیس ثمه شیئ یفرغ ویتلاشی اذ لاحاجة الی اثر غبار علی الید فان کان ففضل غیر ملتفت الیه شرعا فکان معدوما حکما وان لم یکن فاظهر للعدم حقیقة وحکما وهذا معنی قول شمس الائمة خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد فهذا کل ما اورده المحقق ولم یفصل القول فیه فصلا۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کوئی چیز ایسی نہیں جو فنا ہوجاتی ہو، کیونکہ ہاتھ پر گرد کے لگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہو تو یہ اضافی امر ہے شرعاً اس کی حاجت نہیں، تو یہ حکماً نہ ہوا، اور اگر غبار نہ ہو تو بات زیادہ ظاہر ہوگی کیونکہ درحقیقت اور حکماً دونوں طرح ہی معدوم ہے اور شمس الائمہ کے قول "خصوصا علی الحجر الصلد" کا یہی مفہوم ہے، یہ وہ بحث ہے جو محقق نے کی ہے اور اس میں کسی قولِ فیصل کو ذکر نہ کیا۔ (ت)

اقول ویرد ایضا علی ما بداه ان فناء البلل غیر مطرد لما سمعت تصحیح الخلاصة[2] الجواز فی مد الاطراف وان لم یکن الماء متقاطرا مع ان حکم المسألة مطلق ویظهر لی واللہ تعالی اعلم ان لا مخلص الا ان یقال ان المراد بعدم الاجزاء ما اذا کانت

میں کہتا ہوں اور جو انہوں نے فرمایا اس کی تردید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ تری کا ختم ہوجانا کوئی عمومی امر نہیں، جیسا کہ خلاصہ کی تصحیح میں گزرا کہ مسح انگلیوں کے پوروں کے پھیرنے سے بھی ہوجائیگا خواہ ان سے پانی نہ بہتا ہو، حالانکہ مسئلہ کا حکم مطلق ہے، میرے لیے ظاہر ہوتا ہے (واللہ

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷
[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الرابع فی المسح نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

البلة خفيفة تفنى باول وضع او قليل مد حتى لا تبقى الانداوة لا تنفصل عن اليد فتبل الرأس ولعله هو الاكثر وقوعا و بتصحيح الخلاصة ما اذا كانت كثيرة تبقى الى بلوغ القدر المفروض بحيث تنفصل فى كل محل وتصيب وهذا هو مراد المحيط بالتقاطر فتتفق الكلمات و انت اذا نظرت الى الوجه اذعنت بهذا التفصيل كيف ولا معنى لاجزاء النداوة فى الصورة الاولى ولا لاهدار البلة فى الصورة الثانية [ف ١] فليكن التوفيق و بالله التوفيق اما حديث التيمم **فاقول** لابد فيه من قصد المكلف وفعله الاختيارى فيكون لتقرير الامام شمس الائمة فيه مساغ الا ترى انهم صرحوا ان لو تيمم [ف ٢] باصبع او اصبعين وكرر مرارا لم يجز كما فى البحر عن السراج عن الايضاح ولو مسح راسه باصبع واحدة وكرر اربعا فى مواضع صح اجماعا فلا يطلب موافقة ما هنا لما فى التيمم حتى يعكر عليه اذ لا تعين للآلة ههنا اصلا بخلاف التيمم وذلك ايضا فى الطريق المعتاد اعنى التيمم باليد والا فقد نص فى الحلية ان لو [ف ٣] تمعك فى التراب يجزئه ان اصاب وجهه وذراعيه وكفيه لانه اتى بالمفروض وزيادة والا فلا[١] اه اى يجزئه ان نوى كما

تعالی اعلم) کہ اس اعتراض سے چھٹکارے کی ایک ہی شکل ہے کہ اس سے یہ مراد لی جائے کہ جب تری اتنی کم ہو کہ رکھتے ہی ختم ہو جائے یا تھوڑا سا پھیرنے پر ختم ہو جائے اور محض اتنی باقی رہے کہ ہاتھ تر محسوس ہو اور وہ سر کو تر نہ کر سکے اور غالباً عام طور پر ایسا ہی واقع ہوتا ہے، اور خلاصہ کی تصحیح سے مراد یہ ہو کہ جب تری اتنی زیادہ ہو کہ فرض مقدار تک پہنچنے کے بعد بھی باقی رہے یعنی اس طور پر کہ ہر جگہ جدا ہو اور لگ جائے، اور محیط کی مراد تقاطر سے یہی ہے اس طرح تمام عبارات میں اتفاق ہو جائے گا، اور جو تم علت کو دیکھو گے تو یقین آجائے گا کیونکہ پہلی صورت میں تری کے بکھرنے کے اور کوئی معنی نہیں اور نہ ہی دوسری صورت میں تری کو ضائع کرنے کے، تو اس طرح تطبیق دینی چاہیے وباللہ التوفیق۔

رہی حدیث تیمم، تو اس میں مکلف کا ارادہ اور اس کا اختیاری فعل ضروری ہے، تب شمس الائمہ کی تقریر اس میں چل سکے گی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے ایک یا دو انگلیوں سے تیمم کیا اور ان کو بار بار پھیرا تو جائز نہیں جیسا کہ بحر میں سراج سے ایضاح سے منقول ہے، اور اگر ایک انگلی سے اپنے سر کا مسح کیا اور چار مختلف جگہوں پر اس کا تکرار کیا تو اجماعاً صحیح ہے، تو اس کی موافقت تیمم کے معاملہ سے نہ کی جائے تاکہ اس سے اعتراض لازم آئے کیونکہ یہاں آلہ کا تعین بالکل نہیں

[١] حلیہ

لایخفی واللہ تعالی اعلم۔ بخلاف تیمم کے، اور یہ بھی معتاد طریق میں ہے۔ یعنی ہاتھ
سے تیمم میں ورنہ حلیہ میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص خاک میں لوٹ پوٹ ہوگیا اور خاک اس کے چہرے، ہاتھوں
اور باہنوں کو لگ گئی تو کافی ہے کیونکہ اُس نے نہ صرف فرض ادا کر لیا بلکہ اس سے بھی زیادہ کر لیا، ورنہ نہیں اھ
یعنی اگر اس نے نیّت کی ہے تو کافی ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتوٰی مسمّٰی بہ

اَلنّمیقۃ الانقٰی فی فرقِ الملاقی والملقی[27][13]

ملنے والے اور ڈالے گئے پانی کے فرق میں ایک پاکیزہ تحریر (ت)

مسئلہ ۲۹ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بے وضو یا جُنب کا ہاتھ یا انگلی یا ناخن وغیرہ لوٹے یا گھڑے میں پڑ جائے تو پانی وضو کے قابل رہتا ہے یا نہیں؛ بعض لوگ کہتے ہیں اس سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اور اگر قابلِ وضو نہ رہے تو کس طرح قابل کیا جاسکتا ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ، الحمد للہ الذی انزل الذکر الملقی علی السیّد الطیّب الطھور الانقی الملاقی ربہ لیلۃ الاسراء، علیہ من ربہ الصلاۃ الزھراء وعلٰی اٰلہ وصحبہ وامتہ وحزبہ الی یوم اللقاء اٰمین۔ راجح و معتمد یہ ہے کہ مکلف پر جس عضو کا دھونا کسی نجاستِ حکمیہ مثل حدث و جنابت و انقطاع حیض و نفاس کے سبب بالفعل واجب ہے وہ عضو یا اُس کا کوئی حصہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ آبِ غیر کثیر میں کہ نہ جاری ہے نہ دہ در دہ بے ضرورت پڑ جانا پانی کو قابلِ وضو و غسل نہیں رکھتا یعنی پانی مستعمل ہوجاتا ہے کہ خود پاک ہے اور نجاستِ حکمیہ سے تطہیر نہیں کرسکتا اگرچہ نجاستِ حقیقیہ اُس سے دھو سکتے ہیں، یہی قول نجیح و رجیح ہے عامۂ کتب میں اس کی تصریح ہے اور یہ خود ہمارے ائمۂ ثلٰثہ امامِ اعظم و امام ابویوسف و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منصوص و مروی آیا اکابر مشایخ مثل امام ابوعبداللہ جرجانی و امام ابوالحسین قدوری و امام ملک العلماء ابوبکر کاشانی و امام فقیہ النفس فخر الدین خان قاضی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اُسے ہمارے ائمہ کا مذہب متفق علیہ بتایا۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی ایک تحریر میں اُس پر ائمۂ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے سوا چالیس ائمہ و کتب کے نصوص نقل کئے اور بعض علمائے متاخرین رحمہم اللہ تعالٰی کو جو اس میں شبہات واقع ہوئے ان کے جواب دیے۔

یہاں اوّلاً فوائد قیود اور ان کے متعلق مسائل ذکر کریں۔

ثانیاً اتمام جواب۔

ثالثاً تحقیق مقام وابانت صواب اور اس کے لیے اپنی تحریر مذکور سے رفع حجاب۔

وباللہ التوفیق فی کل باب والحمد للہ الکریم الوھاب۔

فوائد قیود ومسائل مورود

فائدہ ۱: نابالغ اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو جبکہ آثارِ بلوغ مثل احتلام وحیض ہنوز شروع نہ ہوئے ہوں اُس کا پاک بدن جس پر کوئی نجاست حقیقیہ نہ ہو اگرچہ تمام وکمال آبِ قلیل میں ڈوب جائے اُسے قابلیت وضو وغسل سے خارج نہ کرے گا لعدم الحدث (ناپاک نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) اگرچہ بحال احتمال نجاست جیسے ناسمجھ بچّوں میں ہے بچنا افضل ہے ہاں بہ نیت قربت سمجھ وال بچہ سے واقع ہو تو مستعمل کر دے گا۔

لانہ من اھلہا وقد بینا المسئلۃ فی الطرس المعدل۔

کیونکہ وہ اس کے اہل سے ہے اور ہم نے یہ مسئلہ "الطرس المعدل" میں بیان کر دیا۔ت

وجیز امام کُردری میں ہے:

ادخل صبی یدہ فی الاناء ان علم طہارۃ یدہ بان کان لہ رقیب یحفظہ او غسل یدہ فھو طاھر وان علم نجاستہ فنجس وان شك فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع ما یریبك الٰی ما لایریبك المختار ان وضوء الصبی العاقل مستعمل وغیر العاقل لا[1]۔

اگر بچہ نے پانی میں ہاتھ ڈالا، اور یہ معلوم ہے کہ اُس کا ہاتھ پاک ہے، مثلاً کوئی شخص بچہ کی دیکھ بھال پر متعین ہے یا اُس نے ہاتھ دھویا ہوا تھا، تو یہ پانی پاک ہے اور اگر اُس کے ہاتھ کا ناپاک ہونا معلوم ہے تو پانی ناپاک ہے، اور اگر شک ہے تو مستحب ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کرے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے"۔ مختار یہ ہے کہ عاقل بچہ کا وضو کرنا پانی کو مستعمل بناتا ہے غیر عاقل کا نہیں بناتا۔(ت) اسی لیے ہم نے مکلف کی قید لگائی۔

فائدہ ۲: اقول قول بعض پر کہ موت نجاست حکمیہ ہے اگر میّت کا ہاتھ یا پاؤں مثلاً آبِ قلیل میں قبل غسل پڑ جائے اگرچہ بے نیت غسل تو پانی کو مستعمل کرے گا کہ زوال نجاست کے لیے نیت کی حاجت نہیں اگرچہ احیا پر سے

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ المعروف الوجیز الکردری علی الحشایۃ الہندیۃ نوع فی المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۹

اس فرض کفایہ کے سقوط کو اُن کی جانب سے وقوع فعل قصدی لازم ہے ولہذا اگر میّت دریا میں ملے تو جب تک احیا اپنے قصد سے اسے پانی میں جنبش نہ دیں ان پر سے فرض نہ اُترے گا مگر میت کے سب بدن پر پانی گزر گیا تو اُسے طہارت حاصل ہوگئی یونہی بے غسل دیے اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور خاص غسل میت کی نیت تو احیا پر بھی ضرور نہیں اپنا قصدی فعل کافی ہے یہی اس مسئلہ میں توفیق وتحقیق ہے درمختار میں ہے:

(ان غسل) المیت (بغیر نیة اجزأہ) لطہارته لا لاسقاط الفرض عن ذمة المکلفین (و) لذا قال (لو وجد میت فی الماء فلا بد من غسله ثلثا) لانا امرنا بالغسل فیحرکه فی الماء بنیة الغسل ثلثا فتح وتعلیله یفید انھم لوصلوا علیه بلا اعادة غسله صح وان لم یسقط وجوبه عنھم فتدبر۔[1]

(اگر غسل دیا) میت کو (بغیر نیت کے تو کافی ہے) اُس میّت کی طہارت کے لیے نہ کہ فرض کو مکلّف لوگوں سے ساقط کرنے کے لیے (اور) اس لیے فرمایا (اگر کوئی مردہ پانی میں ملا تو بھی اس کو تین مرتبہ غسل کرانا ضروری ہے) کیونکہ ہمیں غسل دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اُس مُردہ کو پانی میں تین مرتبہ بنیت غسل حرکت دینی چاہیے، فتح۔ اور جو وجہ اُنھوں نے بیان کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کی نمازِ جنازہ اُس کے غسل کے اعادہ کے بغیر پڑھ لی گئی تو لوگوں سے جنازہ کا وجوب ساقط ہو جائیگا اگرچہ ان سے غسل کا وجوب ساقط نہ ہوگا، فتدبر۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

الماء مزیل بطبعه فکما لاتجب النیة فی غسل الحی فکذا لاتجب فی غسل المیت ولہذا قال فی فتاوی قاضی خان میت غسله اھله من غیر نیة الغسل اجزأھم ذلك۔[2]

پانی اپنی طبیعت کی وجہ سے زائل کرنے والا ہے تو جس طرح زندہ شخص کے غسل میں نیت لازم نہیں اسی طرح مُردہ کے غسل میں بھی نہیں، اسی لیے قاضی خان میں فرمایا کہ اگر کسی مُردہ کو اس کے گھروالوں نے بلانیّت غسل دے دیا تو کافی ہے۔ ت

ردالمحتار میں ہے:

وصرح فی التجرید والاسبیجابی والمفتاح بعدم اشتراطھا ایضا۔[3]

تجرید، اسبیجابی اور مفتاح میں بھی نیت کے شرط نہ کرنے کی تصریح ہے۔ ت

---

[1] الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مجتبائی دہلی ١/١٢٠

[2] عنایۃ مع الفتح فصل فی الغسل للمیت نوریہ رضویہ سکھر ٢/٧٤

[3] ردالمحتار " البابی مصر ١/٦٣٥

اُسی میں ہے:

قال فی التجنیس لابد من النیة فی غسله فی الظاهر وفی الخانیة اذا جری الماء علی المیت او اصابه المطر عن ابی یوسف لاینوب عن الغسل لانا امرنا بالغسل و ذلك لیس بغسل وفی النهایة والکفایة وغیرهما لابد منه الا ان یحرکه بنیة الغسل اھ ثم نقل توفیق الفتح باستظهار ان اشتراطها لاسقاط وجوبه عن المکلف لا لتحصیل طهارته هو وشرط صحة الصلاة علیه اھ ثم منازعة الغنیة له بان مامر عن ابی یوسف یفید ان الفرض فعل الغسل منا حتی لو غسله لتعلیم الغیر کفی ولیس فیه مایفید اشتراط النیة لاسقاط الوجوب بحیث یستحق العقاب بترکها وقد تقرر فی الاصول ان ما وجب لغیره من الافعال الحسیة یشترط وجوده لا ایجاده کالسعی والطهارة نعم لاینال ثواب العبادة بدونها اھ قال واقره الباقانی وایده بما فی المحیط لو وجد المیت فی الماء لابد من غسله لان الخطاب یتوجه الی بنی ادم ولم یوجد منهم فعل اھ فتلخص انه لابد فی اسقاط الفرض من الفعل واما النیة فشرط لتحصیل الثواب ولذا صح تغسیل الذمیة زوجها المسلم مع ان النیة شرطها الاسلام فیسقط الفرض عنا بفعلنا بدون نیة وهو المتبادر من قول الخانیة اجزأهم ذلك اھ[1]

اور تجنیس میں ہے کہ ظاہر قول کے مطابق مردہ کے غسل میں نیت ضروری ہے، اور خانیہ میں ہے اگر میت پر پانی بہ گیا یا بارش پڑگئی تو ابو یوسف سے منقول ہے کہ یہ غسل شمار نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں غسل کا حکم دیا گیا ہے اور یہ غسل نہیں ہے، اور نہایہ وکفایہ وغیرہما میں ہے کہ مردہ کو ایسی صورت میں بہ نیت غسل حرکت دینا لازم ہے پھر انھوں نے فتح کی تطبیق نقل کی اور یہ بھی ذکر کیا کہ حرکت دینے کی شرط اس لیے ہے کہ غسل کا وجوب مکلف سے ساقط ہوجائے، یہ نہیں کہ مردہ پاک ہوجائے، اور نہ یہ اُس پر نماز کی صحت کی شرط ہے اھ پھر اُن کا غنیہ سے یہ جھگڑا کرنا کہ جو نقل ابو یوسف کی گزری اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض یہ ہے کہ ہم زندہ لوگ اُس مُردہ کو غسل دیں، یہاں تک کہ اگر مُردہ کو دُوسروں کو سکھانے کی غرض سے غسل دیا تو کافی ہوگا مگر اس میں یہ موجود نہیں ہے کہ نیت بھی اسقاطِ واجب کے لیے شرط ہے کہ اگر نہ ہو تو وُہ عذاب کا مستحق ہو، اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جو افعال حسیہ غیر کے لیے واجب ہوں تو اُن کا وجود ضروری ہے نہ کہ ایجاد ان کے موجود ہونے کیلئے ضروری ہے، جیسے کہ سعی اور طہارت، ہاں نیت کے بغیر عبادت کا ثواب نہیں ملے گا اھ فرمایا اس کو باقانی نے مقرر رکھتے ہوئے اس کی تائید محیط سے کی ہے، محیط میں ہے کہ اگر میت پانی میں پائی گئی تو بھی اس کا غسل ضروری ہے کیونکہ خطاب بنو آدم کو ہے اور اُن سے کوئی فعل پایا نہیں گیا اھ تو خلاصہ یہ نکلا کہ اسقاط فرض میں

---

[1] ردالمحتار فصل فی الغسل للمیت البابی مصر ۱/۶۶۳

کسی نہ کسی فعل کا ہونا ضروری ہے اور نیت حصول ثواب کے لیے شرط ہے، اس لیے ذمی عورت اپنے مسلمان شوہر کو غسل دے سکتی ہے حالانکہ نیت کے لیے اسلام شرط ہے تو فرض ہمارے فعل سے ساقط ہو جائے گا خواہ نیت نہ ہو اور خانیہ کے قول أجزأهم سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اھ۔ ت

اقول ھذا کلہ علی المتبادر من ارادۃ النیۃ الشرعیۃ اما لو حملت علی قصد الفعل ارتفع النزاع فان المامور بہ المکلف لایکون الافعلہ الاختیاری فما وقع عنہ من دون قصد منہ لایخرجہ عن عھدۃ ایجاب الفعل و غسل المیت لہ وجھان وجہ الی الشرطیۃ و ھو عدم صحۃ الصلاۃ علیہ بدون الطھارۃ و ھذا ما یکفی فیہ وجودہ بلا ایجادہ کطھارۃ الحی ووجہ الی الفرضیۃ علینا ولا یتأتی الا بفعل توقعہ قصدا و لو لم تقصد العبادۃ المامور بھا وھذا معنی قول ابی یوسف لانا امرنا بالغسل وقول المحیط ان الخطاب یتوجہ الی بنی اٰدم وبھذا تتفق الکلمات ویظھر ما فی کلام الغنیۃ وللہ الحمد۔

میں کہتا ہوں یہ سب نیت شرعیہ کے ارادہ سے متبادر ہے اور اگر نیت سے مراد ارادہ فعل لیا جائے تو اختلاف ختم ہو جائے گا، کیونکہ مکلف کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کا فعل اختیاری ہوگا اور جو اس سے بلا قصد و اختیار سرزد ہو وہ ایجاب فعل کی ذمہ داری سے اس کو عہدہ برآ نہیں کر سکتا، اور غسل میت کی دو وجہیں ہیں ایک تو شرطیہ کی طرف اور وہ یہ ہے کہ اس پر نماز بلا طہارت جائز نہیں، اور اس صورت میں غسل کا وجود کافی ہے خواہ اس کی طرف سے ایجاد نہ ہو، جیسے زندہ انسان کی پاکی، اور ایک وجہ ہم پر فرضیت کی ہے، اور یہ اُسی فعل سے ادا ہو سکتی ہے جو قصداً کیا جائے اگرچہ مامور بہا عبادت کا قصد نہ کیا جائے، اور یہی مفہوم ہے حضرت امام ابو یوسف کے قول "اس لیے کہ ہم کو غسل کا حکم دیا گیا ہے" کا، اور محیط کے اس قول "کہ خطاب بنو آدم کی طرف متوجہ ہے" کا بھی یہی مفہوم ہے، اس طرح مختلف اقوال میں تطبیق ہو جائے گی، اور جو غنیہ میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا وللہ الحمد۔ ت

اسی لیے ہم نے مکلف پر جس عضو کا دھونا واجب کہا نہ مکلف کا عضو کہ میت مکلف نہیں۔

فائدہ ۳: عورت ابھی حیض یا نفاس میں ہے خون منقطع نہ ہوا اس حالت میں اگر اس کا ہاتھ یا کوئی عضو پانی میں پڑ جائے مستعمل نہ ہوگا کہ ہنوز اس پر غسل کا حکم نہیں والمسألۃ فی الخانیۃ والخلاصۃ والبحر وغیرھا اس لیے ہم نے بالفعل کی قید ذکر کی۔

فائدہ ۴: جس عضو کا جہاں تک پانی میں ڈالنا بضرورت ہو اُتنا معاف ہے پانی کو مستعمل نہ کرے گا مثلاً:

(۱) پانی لگن یا چھوٹے حوض میں ہے کہ دہ دردہ نہیں اور کوئی برتن نہیں جس سے نکال کر وضو کرے تو چلو لینے کے لیے

اُس میں ہاتھ ڈالنے سے مستعمل نہ ہوگا۔

(۲) اسی صورت میں اگر ہاتھ مثلاً کہنی یا نصف کلائی تک ڈال کر چلو لیا یعنی جس قدر کے ادخال کی چلو میں حاجت نہ تھی مستعمل ہوجائے گا کہ زیادت بے ضرورت واقع ہوئی۔

(۳) کولی یا مٹکے میں کٹورا ڈوب گیا اُس کے نکالنے کو جتنا ہاتھ ڈالنا ہو مستعمل نہ کرے گا اگرچہ بازو تک ہو کہ ضرورت ہے۔

(۴) برتن میں پاؤں پڑ گیا پانی مستعمل ہوگیا کہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

(۵) کنوئیں یا حوض میں ٹھنڈ لینے کو غوطہ مارا یا صرف ہاتھ یا پاؤں ڈالا مستعمل ہوگیا کہ ضرورت نہیں۔

(۶) برتن یا حوض میں ہاتھ ڈالا تو تھا چُلّو لینے کو پھر اُس میں ہاتھ دھونے کی نیت کرلی مستعمل ہوگیا کہ حوض میں دھونا بضرورت نہ تھا صرف چُلّو لینے کی حاجت تھی۔

(۷) کُنوئیں سے ڈول نکالنے گھسا اور وہاں غسل یا وضو کی نیت کرلی بالاتفاق مستعمل ہوگیا اگرچہ امام محمد نے ڈول نکالنے کے لیے اجازت دی تھی کہ قصدِ طہارت کی ضرورت نہ تھی وقس علیہ۔

فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طهرت الید فی الماء للاغتراف لایصیر مستعملا للحاجة بخلاف مالو ادخل المحدث رجله او رأسه حیث یفسد الماء لعدم الضرورة وفی کتاب الحسن عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ان غمس جنب او غیر متوضئ یدیه الی المرفقین او احدی رجلیه فی اجانة لم یجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه وذلك لان الضرورة لم تتحقق فی الادخال الی المرفقین حتی لو تحققت بان وقع الکوز فی الجب فادخل یده الی المرفق لاخراجه لایصیر مستعملا نص علیه فی الخلاصة قال بخلاف مالو ادخل یده للتبرد لعدم الضرورة ثم ادخال مجرد الکف انما لایصیر مستعملا اذا لم یرد الغسل فیه بل اراد رفع

اگر بے وضو، جنب یا پاک ہوجانے والی حائض عورت نے اپنا ہاتھ چُلّو بھر پانی لینے کے لیے پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورۃً کیا گیا ہے، لیکن اگر بے وضو نے اپنا سر یا پیر اس پانی میں ڈال دیا تو مستعمل ہوجائے گا کیونکہ بغیر ضرورت ہوا، اور حسن کی کتاب جو ابو حنیفہ سے ہے میں ہے کہ اگر جنب یا بے وضو نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو اُس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اس طرح اس کا فرض اس سے ساقط ہوگیا کیونکہ کہنیوں تک ہاتھوں کو ڈبونے کی کوئی ضرورت نہ تھی ہاں اگر یہ ضرورت ہو، مثلاً لوٹا کنوئیں میں گر پڑا اس کو نکالنے کے لیے ہاتھ کہنیوں تک اس میں ڈالنا پڑا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، یہ خلاصہ میں منصوص ہے، فرمایا اگر ہاتھ محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے بلا ضرورت ڈالا تو اس کا یہ حکم نہیں، کیونکہ وہاں ضرورت نہیں، پھر

الماء فی المبتغی وغیرہ بتبردہ یصیر مستعملا انکان محدثا والا فلا[1] اھ باختصار۔

محض ہاتھ کا ڈالنا پانی کو مستعمل نہیں کردیتا ہے جبکہ غسل کا ارادہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ پانی اٹھانے کا ارادہ ہو، اور مبتغی وغیرہ میں ہے ٹھنڈک حاصل ہونے سے مستعمل ہوجائے گا اگر بے وضو ہو ورنہ نہیں اھ۔ ت

ردالمحتار میں زیر قول شارح محدث انغمس فی بئر لدلو ولم ینو[2] (بے وضو جس نے ڈول نکالنے کیلیے کنویں میں غوطہ لگایا اور نیت نہ کی۔ ت) فرمایا:

لم ینو ای الاغتسال فلو نواہ صار مستعملا بالاتفاق الا فی قول زفر سراج والمراد لم ینو بعد انغماسہ فلاینافی قولہ لدلو افادہ ط[3]۔

نیت نہ کی یعنی غسل کی، اگر غسل کی نیت کی تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائے گا مگر زفر کے قول میں، سراج۔ اور مراد یہ ہے کہ غوطہ کھانے کے بعد نیت نہ کی تو ان کے قول لدلو کے منافی نہیں، اس کا افادہ "ط" نے کیا۔ ت

ولہذا ہم نے بے ضرورت کی قید لگائی۔

فائدہ ۵: امام ابویوسف سے روایت معروفہ یہ ہے کہ عضو کا ٹکڑا ڈوب جانے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا جب تک پورا عضو نہ ڈوبے، مثلاً انگلیاں پانی میں ڈالیں تو مستعمل نہ ہوگا کفِ دست کے ڈوبنے سے حکمِ استعمال دیا جائے گا اور صحیح یہ ہے کہ بے ضرورت کتنا ہی ٹکڑا ہو مستعمل کردے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل الجنب فی البئر غیر الید والرجل من الجسد افسدہ لان الحاجۃ فیھما وقولنا من الجسد یفید الاستعمال بادخال بعض عضو وھو یوافق المروی عن ابی یوسف فی الطاھر اذا ادخل رأسہ فی الاناء وابتل بعض رأسہ انہ یصیر مستعملا اما الروایۃ المعروفۃ عن ابی یوسف انہ لایصیر مستعملا ببعض العضو[4]۔

اگر جنب نے کنویں میں ہاتھ پیر کے علاوہ کوئی عضو ڈالا تو پانی فاسد ہوجائے گا، کیونکہ ضرورت صرف انہی دو میں ہے اور ہمارا قول من الجسد بعض عضو کے داخل کرنے سے مستعمل ہونے کا فائدہ دیتا ہے، اور وہ ابویوسف سے مروی شدہ قول کے موافق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پاک شخص نے کسی برتن میں اپنا سر ڈالا اور اس کا کچھ حصہ تر ہوگیا تو مستعمل ہوگا، اور ابویوسف سے جو روایت معروف ہے وہ یہ ہے کہ عضو کے بعض حصہ سے مستعمل نہ ہوگا۔ ت

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۶
[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۸
[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۸

اُسی میں اس سے کچھ پہلے ہے:

ان کان اصبعا او اکثر دون الکف لا یضر ومع الکف بخلافه ذکرہ فی الخلاصة ولا یخلو من حاجة الی تأمل وجهه[1]

اگر انگلی یا اس سے زیادہ ہو اور ہتھیلی سے کم ہو تو مضر نہیں اور ہتھیلی کے ساتھ اس کے برعکس ہے، اس کو خلاصہ میں ذکر کیا، اس میں ضرورت ہے کہ اس کی وجہ پر غور کیا جائے۔ ت

وجیز امام کردری میں ہے:

المعروف عن الامام الثانی عدم الفساد ما لم یصر عضوا تاما والفساد هو الظاهر[2] اھ۔

امام ثانی سے مشہور یہ ہے کہ جب تک پورا عضو داخل نہ ہو فساد نہیں، حالانکہ فساد ظاہر ہے۔ ت

اقول الحق ان المناط الحاجة فحیث کانت تندفع ببعض العضو فادخل کله یصیر مستعملا ولعل هذا هو محمل تلك الروایة ان ادخال الاصابع للاغتراف لا یفسد بخلاف الکف ولهذا قال فی الخانیة من باب الوضوء ان لم تکن معه اٰنیة صغیرة فانه یغترف من التور باصابع یده الیسری مضمومة لا بالکف[3]۔

میں کہتا ہوں حق یہ ہے کہ حکم کی علت حاجت ہے، تو جہاں ضرورت عضو کے بعض حصے سے پوری ہو جاتی ہو وہاں اگر کل عضو ڈال دیا تو پانی مستعمل ہو جائے گا اور شاید یہ اُس روایت کا محمل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چُلّو بھر کر پانی لینے کے لیے انگلیوں کا ڈالنا پانی کو فاسد نہیں کرتا بخلاف ہتھیلی کے، اس لیے خانیہ کے باب وضو میں ہے اگر اس کے پاس چھوٹا برتن نہ ہو تو طشت سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر پانی نکال لے ہتھیلی نہ ڈالے۔ ت

ولہذا ہم نے حکم عام رکھا باقی فوائد ہمارے رسالہ الطرس المعدل سے ظاہر ہیں اُسے قابلِ وضو کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ اپنی مقدار سے زائد آب طاہر مطہر میں ملا دیا جائے سب قابلِ وضو ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

غلبة المخالط لو مماثلا کمستعمل فبالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطهیر

ملنے والے پانی کا غلبہ اگر اسی کی مثل ہو جیسے مستعمل پانی تو اعتبار اجزاء (مقدار) کا ہوگا، اگر مطلق نصف سے زیادہ ہے

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

[2] بزازیة مع الهندیة نوع فی المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۹

[3] خانیہ مع الهندیة صفة الوضوء ؍؍ ۱/۳۳

بالکل والالاٰ[1] — توسب سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ت

دوسرے یہ کہ اُس میں طاہر مطہر پانی ڈالتے رہیں یہاں تک کہ اُس کا برتن بھر کر اُبلے اور بہنا شروع ہو سب طاہر مطہر ہوجائے گا کہ اس طرح پاک پانی کے ساتھ بہانے سے ناپاک پانی پاک ہوجاتا ہے تو غیر مطہر کا مطہر ہوجانا بدرجۂ اولٰی

درمختار میں ہے:

المختار طہارۃ المتنجس بمجرد جریانہ[2]

مختار قول یہ ہے کہ نجس پانی محض جاری ہونے سے پاک ہوجائے گا۔ت

ردالمحتار میں ہے:

بمجرد جریانہ بان یدخل من جانب و یخرج من اٰخر حال دخولہ وان قل الخارج بحر ولایلزم ان یکون ممتلئا اول وقت الدخول لانہ اذا کان ناقصا فدخل الماء حتی امتلأ وخرج بعضہ طہر ایضا کما حققہ فی الحلیۃ[3]۔

محض اس کے جاری ہونے سے، کہ ایک طرف سے داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے اس کے داخل ہونے کی حالت میں، اگرچہ خارج کم ہو، بحر، یہ ضروری نہیں کہ داخل ہوتے وقت بھرا ہوا ہو، کیونکہ جب ناقص ہوگا اور پانی داخل ہوکر برتن بھر جائے پھر پانی نکل جائے تو بھی یہ پانی پاک ہوجائے گا، جیسا کہ حلیہ میں تحقیق کی۔ت

بدائع میں ہے:

وعلی ھذا حوض الحمام او الاوانی اذا تنجس[4]۔

اور اسی پر حمام کے حوض کو قیاس کیا جائے یا برتنوں کو جب وہ ناپاک ہوجائیں۔ت

شامی میں ہے:

مقتضاہ انہ علی قول الصحیح تطہر الاوانی ایضا بمجرد الجریان وقد علل فی البدائع ھذا القول بانہ صار ماء جاریا فاتضح الحکم وللہ الحمد[5] اھ وتمامہ فیہ۔

اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ قول صحیح پر برتن بھی محض پانی کے بہنے سے پاک ہوجائیں گے، اور اس کی وجہ بدائع میں یہ بیان کی ہے کہ یہ جاری پانی ہوگیا، تو جاری پانی کا حکم اس پر لاگو ہوگا، تو حکم ظاہر ہوگیا وللہ الحمد اھ اور اس کی مکمل بحث اُسی میں ہے۔ت

---

[1] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۴ — [2] ایضاً ۱/۳۶
[3] ردالمحتار ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳ — [4] ایضاً ۱/۱۴۴
[5] ایضاً

بعض لوگوں کا کہنا کہ اس سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اگر پینے کے حق میں مراد تو مذہب صحیح پر مبنی ہے کہ ماءِ مستعمل[1] طاہر ہے مطہر نہیں اُس سے وضو نہ ہوگا اور پینا مکروہ ۔ حلیہ پھر شامی میں ہے : بلعه ایاه مکروه[1] (اس کا اس کو نگلنا مکروہ ہے ۔ ت) درمختار میں ہے :

ھو طاھر و لو من جنب وھو الظاھر لکن یکرہ شربہ والعجن بہ تنزیھا للاستقذار وعلی روایۃ نجاستہ تحریما۔[2]

وہ پاک ہے خواہ جنب سے ہی ہو اور یہی ظاہر ہے لیکن اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اِس سے گھن آتی ہے ، اور نجس ہونے کی روایت پر مکروہ تحریمی ہے ۔ (ت)

اور اگر وضو کے حق میں مقصود یعنی اس سے وضو ہوجائے گا مگر مکروہ ہے تو مذہب غیر صحیح پر مبنی ہے صحیح یہی ہے کہ اس سے پانی مستعمل ہوجائے گا اور اُس سے وضو صحیح نہ ہوگا نہ یہ کہ صرف کراہت ہو کما سنحققہ بتوفیق اللہ تعالیٰ قد اٰن اوانہ بتوفیقہ عزشانہ ۔

تحقیق المقام بفضل الملك العلام اقول وباللہ التوفیق ان الفروع متوافرۃ والنقول عن ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم وعمن بعدھم متظافرۃ ونصوص معتمدات الشروح والفتاوٰی متواترۃ شاھدات علی ان المحدث اذا ادخل عضوہ قبل غسلہ فی ماء قلیل فانہ یجعل الماء مستعملا الا ما کان عن ضرورۃ فعفی قال فی الفتح بعد اقامۃ البینۃ علی ان رفع الحدث ایضا مغیر للماء وان لم تکن معہ نیۃ قربۃ ما نصہ وبھذا یبعد قول محمد انہ التقرب فقط الا ان یمنع کون ھذا مذھبہ کما قال شمس الائمۃ قال لانہ لیس بمروی

میں بفضلہ تعالیٰ کہتا ہوں کہ متوافر فروع اور ہمارے تینوں ائمہ اور بعد کے علماء کی نقول اور متون و شروح معتمدہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو شخص جب اپنا کوئی عضو دھوئے بغیر تھوڑے پانی میں ڈالے گا تو وہ پانی مستعمل ہوجائے گا ، ہاں ضرورتاً ایسا کرنا معاف ہے ، فتح میں اس امر پر دلیل قائم کی ہے کہ رفع حدث بھی پانی میں تغیر پیدا کردیتا ہے خواہ اس میں تقرب کی نیت ہو ، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس سے امام محمد کا قول کہ صرف تقرب سے متغیر ہوتا ہے ، بعید ہوجاتا ہے ان کا مذہب نہ مانا جائے ، جیسا کہ شمس الائمہ نے فرمایا ہے کیونکہ یہ اُن سے مروی نہیں ہے ، اور اُن سے صحیح یہ ہے کہ حدث کا پانی سے زائل کرنا پانی کو فاسد کر دیتا ہے ،

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[2] ایضاً

عنه والصحيح عنده ان ازالة الحدث بالماء مفسدله ومثله عن الجرجانی وما استدلوا به عليه من مسألة المنغمس لطلب الدلو حيث قال محمد الرجل طاهر والماء طاهر جوابه ان الازالة عنده مفسدة الا عند الضرورة والحاجة كقولنا جميعا لو ادخل المحدث او الجنب اوالحائض التی طهرت اليد فی الماء للاغتراف لا يصير مستعملا للحاجة بخلاف ما لو ادخل رجله اوراسه حيث يفسد الماء لعدم الضرورة وفی كتاب الحسن[۲] عن ابی حنيفة ان غمس جنب او غيرمتوضئ يديه الی المرفقين او احدی رجليه فی اجانة لم يجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه وذلك لان الضرورة لم تتحقق فی الادخال الی المرفقين حتی لو تحققت بان وقع الكوز فی الحب فادخل يده الی المرفق لاخراجه لا يصير مستعملا نص عليه فی الخلاصة قال بخلاف ما لو ادخل يده للتبرد يصير مستعملا لعدم الضرورة[۱] اھ وفی التبيين[۳] نحوه وزاد معللا لمحمد فی مسألة البئر ان وقوع الدلو فی البئر يكثر والجنابة تكثر ايضا فلو اغتسلوا لاخراج الدلو كلما وقع يحرجون[۲] اھ وفی الخانية اتفق اصحابنا رحمهم الله تعالٰی

اور اسی کی مثل جرجانی سے منقول ہے، اُنھوں نے اُس شخص سے استدلال کیا ہے جو ڈول نکالنے کے لیے پانی میں غوطہ لگائے۔ امام محمد نے اس شخص کی بابت فرمایا مرد بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک، اس کا جواب یہ ہے کہ ازالہ حدث اُن کے نزدیک پانی کو فاسد کر دیتا ہے مگر ضرورتاً نہیں کرتا ہے جیسا کہ ہم سب کہتے ہیں کہ اگر بے وضو، ناپاک یا حائض جو پاک ہوگئی ہو اگر پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو بھریں تو ضرورت کی وجہ سے یہ پانی مستعمل نہ ہوگا، ہاں اگر سر یا پیر ڈالا تو پانی فاسد ہوجائے گا کہ یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اور حسن کی کتاب میں ابو حنیفہ سے ہے کہ اگر جنب یا بے وضو شخص نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پیر برتن میں ڈالا تو اس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اس کا فرض ساقط ہوا ہے، کیونکہ دونوں کہنیوں تک ڈبونے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ہاں اگر ضرورت پائی گئی مثلاً لوٹا تالاب میں تھا تو اس کو نکالنے کے لیے کہنیوں تک ہاتھ ڈالے تو پانی مستعمل نہ ہوگا، خلاصہ نے اس کی تصریح کی ہے فرمایا بخلاف اس کے کہ اگر ہاتھ ٹھنڈک حاصل کرنے کو ڈبوئے تو پانی ضرورت نہ پائے جانے کی وجہ سے مستعمل ہوجائیگا اھ اور تبیین میں بھی ایسا ہی ہے اور امام محمد کے کنویں کے مسئلہ میں باضافہ دلیل اس طرح بیان کیا ہے کہ کنویں میں ڈول کا گرنا بکثرت ہوتا ہے اور جنابت بھی بکثرت ہوتی ہے تو اگر ہر مرتبہ ڈول نکالنے کے لیے غسل ضروری ہو

---

[۱] فتح القدير باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
[۲] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۵

فی الروایات الظاھرۃ علی ان الماء المستعمل فی البدن لا یبقی طھورا واختلفوا ھل یصیر مستعملا لسقوط الفرض اذا قصد التبرد او اخراج الدلو من البئر قال ابو حنیفۃ وابو یوسف رحمہما اللہ تعالٰی یصیر مستعملا وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی المشہور عنہ لا[1] اھ ای للضرورۃ کما مر اما الامام فلم یعتبر الضرورۃ ھنا لندرۃ الاحتیاج الی الانغماس بخلاف الاحتیاج الی الاغتراف بالید[2] اھ ش والتعلیل بالضرورۃ مقصور علی نحو طلب الدلو اما التبرد فلما اشتھر عن محمد من القصر علی القربۃ ومشی علیہ فی الخانیۃ فلذا ذکرہ وتبعہ البحر والنھر والدر۔

تو لوگ تنگی میں پڑجائیں گے اھ اور خانیہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب روایات ظاہرہ میں اس امر پر متفق ہیں کہ جو پانی بدن پر مستعمل ہو وہ طہور نہ رہے گا اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر ہاتھ ٹھنڈا کرنے کے لیے یا ڈول نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو آیا سقوط فرض کی وجہ سے مستعمل ہوگا یا نہیں؟ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے کہ مستعمل ہوجائے گا اور محمد سے مشہور روایت یہ ہے کہ نہ ہوگا اھ یعنی ضرورت کی وجہ سے جیسا کہ گزرا، مگر امام نے یہاں ضرورت کا اعتبار نہ کیا، کیونکہ غوطہ لگانے کی حاجت شاذ ہی ہوتی ہے ہاں ہاتھ سے چلّو بھرنا عموماً ہوتا ہے اھ ش اور ضرورت کی علت ڈول طلب کرنے پر منحصر ہے ٹھنڈک کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ محمد سے یہ روایت مشہور ہوئی کہ وہ صرف ادائے قربت کو وجہ استعمال قرار دیتے ہیں اور خانیہ میں بھی یہی ہے تو اسی لیے اس کو ذکر کیا اور بحر، نہر اور دُر نے اس کی پیروی کی۔ ت

اقول ف۱ وھذا عجب بعد مشیھم علی ان الصحیح ان محمدا لا یقصر التغیر علی التقرب قال ش قد منا ان ذلک خلاف الصحیح عندہ فلذا اقتصر فی الھدایۃ علی قولہ لطلب الدلو[2] اھ

میں کہتا ہوں یہ امر باعث تعجب ہے کیونکہ وہ اس امر کو مانتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ محمد پانی کے تغیر کو قربت تک ہی محدود نہیں رکھتے۔ "ش" نے فرمایا ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ یہ اُن کے نزدیک صحیح کے خلاف ہے اس لیے ہدایہ میں صرف ڈول کی تلاش کے مسئلہ پر اکتفاء کیا ہے اھ ت

اقول ف۲ الھدایۃ ایضا من الماشین کالخانیۃ وکثیرین علی ان محمدا لا یجعل السبب الا التقرب وقد ذکرناہ فی الطرس

میں کہتا ہوں ہدایہ بھی پیروی کرنے والا ہے، جیسے صاحبِ خانیہ ہیں اور بہت سے دوسرے فقہاء کہ امام محمد سبب، صرف تقرب کو قرار دیتے ہیں

---

[1] فتاوٰی خانیہ علی العالمگیری الماء المستعمل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴
[2] رد المحتار باب المیاہ ۱/۱۴۹ [3] ایضاً ۱/۱۴۸

المعدل فليس اقتصاره على ذكر الطلب لما ذكر وفيها من فصل ما يقع في البئر المحدث (اي في الخانية ١٢) اذا غسل اطراف اصابعه ولم يغسل عضوا تاما اشار الحاكم رحمه الله تعالى في المختصر الى انه يصير مستعملا[1] وفي وجيز الامام الكردري ادخل الجنب او الحائض فيه (اي في الماء) يده للاغتراف اورفع الكوز منه لا يفسده للضرورة بخلاف ادخاله للتبرد[2] وفي الكافي انما لم يحكم محمد باستعمال الماء في مسألة البئر للضرورة فانهم لو جاؤا بمن يطلب دلوهم لا يمكنهم ان يكلفوه بالاغتسال اولا[3] اه وفي الخلاصة معزيا للاصل ونحوه في الخانية و عنها في الغنية واللفظ لفقيه النفس مختصرا ادخل يده للاغتراف لا يفسد الماء وكذا اذا ادخل يده في الجب الى المرفق لاخراج الكوز ويده ورجليه في البئر لطلب الدلو لمكان الضرورة ولو للتبرد يصير مستعملا لانعدام الضرورة[4] اه وفي الحلية قال القدوري كان شيخنا ابو عبدالله يقول الصحيح عندي من مذهب اصحابنا ان ازالة الحدث توجب استعمال الماء ولا معنى لهذا الخلاف اذ لا

اور ہم اس کو "الطرس المعدل" میں بیان کرچکے ہیں تو ان کا طلب پر اکتفاء اس سبب سے نہیں جو ذکر کیا اور خانیہ کی فصل ما یقع فی البئر میں ہے، بے وضو نے اگر اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا اور پورا عضو نہ دھویا، حاکم نے مختصر میں کہا کہ اس طرح پانی مستعمل ہوجائے گا، اور وجیز امام کردری میں ہے، جُنب یا حائض نے اس میں (پانی میں) چلّو بھرنے کے لیے اپنا ہاتھ ڈالا یا اس میں سے لوٹا نکالنے کے لیے، تو پانی ضرورت کی وجہ سے خراب نہیں ہوگا، ہاں اگر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ڈالا تو فاسد ہوجائے گا، اور کافی میں ہے کہ امام محمد نے کنویں کے مسئلہ میں پانی کے مستعمل ہونے کا حکم اس لیے نہیں لگایا کہ وہاں ضرورت ہے، کیونکہ اگر ڈول نکالنے والا مل جائے تو لوگوں کے لیے ممکن نہیں کہ پہلے اسکو غسل کا پابند کریں اھ، اور خلاصہ میں یہ چیز اصل کی طرف منسوب ہے اور اسی قسم کی عبارت خانیہ میں ہے اور خانیہ سے غنیہ میں منقول ہے اور الفاظ فقیہ النفس کے ہیں مختصراً۔ کسی شخص نے پانی میں اپنا ہاتھ چلّو بھرنے کے لیے ڈالا تو وہ پانی کو فاسد نہ کرے گا اور اسی طرح لوٹا نکالنے کے لیے اپنا ہاتھ گھڑے میں کہنیوں تک ڈالا، اور اسی طرح ہاتھ پیر اگر کنویں میں ڈول کی تلاش میں ڈالے تو ضرورت کی وجہ سے پانی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی ما یقع فی البئر ۱/۶
[2] بزازیۃ مع العالمگیری المستعمل والمفید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۹
[3] الکافی
[4] غنیۃ المستملی باب الانجاس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۲

نص فیہ وانما لم یأخذ الماء حکم الاستعمال
فی مسألۃ طلب الدلو لمکان الضرورۃ اذ
الحاجۃ الی الانغماس فی البئر لطلب الدلو مما
یکثر ولو احتیج الی نزح کل الماء کل مرۃ لحرجوا
حرجا عظیما فصار کالمحدث اذا اغترف الماء
بکفہ لایصیر مستعملا بلاخلاف وان وجد
اسقاط الفرض لمکان الضرورۃ اھ[1] **وفی**
البرھان[14] شرح مواھب الرحمن ثم غنیۃ[15] ذوی
الاحکام للشرنبلالی معناہ **وفی** شرح الوھبانیۃ
للعلامۃ ابن الشحنۃ اعتبار الضرورۃ فی
مثل ذلک مذکور فی الصغری[16] وغیرھا اھ
وفی النھایۃ[17] ثم الھندیۃ[18] لو انغمس للاغتسال
للصلاۃ یفسد الماء بالاتفاق[2] اھ ونحوہ
فی العنایۃ[19] وغیرھا **وفی** فوائد الامام
ظھیر الدین ابی بکر محمد بن احمد بن عمر
علی شرح الجامع الصغیر للامام الصدر
الشھید حسام الدین عمر بن عبد العزیز
رحمھما اللہ تعالی لو ادخل رجلہ فی البئر
ولم ینو بہ الاستعمال ذکر شیخ الاسلام
المعروف بخواھرزادہ رحمہ اللہ تعالی
ان الماء یصیر مستعملا عند محمد رضی اللہ
تعالی عنہ وذکر شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ

فاسد نہ ہوگا اور اگر ٹھنڈک کے حصول کی خاطر ڈالے
تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ ضرورت نہیں ہے، اور
حلیہ میں ہے کہ قدوری نے کہا ہمارے شیخ ابو عبد اللہ
فرماتے تھے میرے نزدیک ہمارے اصحاب کا صحیح
مذہب یہ ہے کہ ازالۂ حدث پانی کے استعمال کا موجب
ہے اور اس اختلاف کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ اس میں
نص موجود نہیں، اور ڈول کی تلاش کے مسئلہ میں پانی
کا مستعمل نہ ہونا ضرورت ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ
کنویں میں ڈول کی تلاش میں غوطہ خوری عام ہے، اور
اگر ہر مرتبہ کنویں کا پورا پانی نکالنا پڑجائے تو لوگ سخت تنگی
میں مبتلا ہوجائیں گے، تو یہ بے وضو کی طرح ہے کہ
وہ چلّو سے پانی لے تو بالاتفاق پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ
اس میں اسقاط فرض بھی پایا جارہا ہے، کیونکہ ضرورت
ہے، اور برہان شرح مواہب الرحمن، نیز غنیہ ذوی
الاحکام شرنبلالی میں اس کا ہم معنی ہے، اور علامہ
ابن الشحنہ کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ اس قسم کے مسائل
میں ضرورت کا اعتبار صغرٰی وغیرہ میں مذکور ہے اھ
اور نہایہ و ہندیہ میں ہے کہ نماز کے لیے غسل کرنے کو
غوطہ لگایا تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائے گا اھ
اور عنایہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے اور امام ظہیر الدین
ابو بکر محمد بن احمد بن عمر کے جو فوائد شرح جامع صغیر
امام صدر شہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[2] ہندیۃ الماء الذی لایجوز بہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

الله تعالٰی انه لایصیر مستعملا لان الرجل فی البئر بمنزلة الید فی الاٰنیة فعلی ھذا التعلیل اذا ادخل الرجل فی الاناء یصیر مستعملا لعدم الضرورۃ[1] اھ

میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کنوئیں میں بلانیت استعمال اپنا پیر ڈالا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ الاسلام المعروف خواہر زادہ نے فرمایا کہ پانی امام محمد کے نزدیک مستعمل ہوجائے گا۔ اور شمس الائمہ الحلوانی نے ذکر کیا کہ پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ کنوئیں میں پیر کا ڈالنا ایسا ہے جیسا ہاتھ برتن میں، اسی استدلال کی بنیاد پر اگر کوئی شخص برتن میں پیر داخل کرے تو پانی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے مستعمل ہوجائے گا اھ۔

قلت وحاصل قول الامام الحلوانی ان الید ربما لا تبلغ قعر البئر فمست الحاجة الی الرجل ھذا ھو الذی یعطیه نص قوله لا احتمال فیه لغیرہ واستثناء موضع الضرورۃ معلوم من اقوالھم بالضرورۃ فقول العلامة ابن الشحنة فی زھر الروض بعد نقله یمکن دفع التعارض بحمل ما قاله خواھر زادہ علی ما اذا لم یکن موضع ضرورۃ وما قاله الحلوانی علی موضع الضرورۃ[2] اھ تردد فی موضع الجزم وشك فی محل الیقین **وفی** متن الملتقی لو انغمس جنب فی البئر بلانیة فقیل الماء والرجل نجسان عند الامام والاصح ان الرجل طاھر والماء مستعمل عندہ[3] اھ **وفی** شرحه مجمع الانھر لو قال انغمس محدث لکان اولی وانما قال بلانیة

میں کہتا ہوں اور امام حلوانی کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ ہاتھ کبھی کنوئیں کی تہ تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو پَیر کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مفہوم ان کی اس تصریح سے حاصل ہوتا ہے کہ اس میں اس کے غیر کا احتمال نہیں، اور مقام ضرورت کا استثناء اُن کے اقوال سے بداہۃً معلوم ہوتا ہے تو علامہ ابن الشحنہ کا قول زہر الروض میں نقل کے بعد اس کا تعارض اس طرح رفع ہوسکتا ہے کہ خواہر زادہ نے جو فرمایا ہے اس کو ضرورت کے نہ ہونے پر محمول کیا جائے اور حلوانی کے قول کو ضرورت پر محمول کیا جائے اھ تردد ہے مقام یقین میں اور شک ہے مقام یقین میں۔ اور متن ملتقی میں ہے کہ اگر کسی جُنب نے بلانیت کنوئیں میں غوطہ لگایا تو کہا گیا کہ آدمی اور پانی دونوں نجس ہیں امام کے نزدیک۔ اور اصح یہ ہے کہ ان کے نزدیک آدمی پاک ہے اور پانی مستعمل ہے اھ اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے کہ اگر انغمس محدث

---

[1] کفایۃ مع الفتح   الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز   نوریہ رضویہ سکھر   ١/٨٠

[2] زہر الروض

[3] ملتقی الابحر   فصل فی المیاہ   العامرہ مصر   ١/٣١

لانہ لو انغمس للاغتسال فسد الماء عند الکل اھ[1] وفی النھر الفائق فی تعلیل قول محمد فی مسألۃ جحط اما طھارۃ الرجل فلان محمد لایشترط الصب و اما الماء فللضرورۃ اھ[2] نقلہ السید الازھری علی الکنز وفی الدر اسقاط فرض ھو الاصل بان یدخل یدہ او رجلہ فی الحب لغیر اغتراف و نحوہ فانہ یصیر مستعملا لسقوط الفرض اتفاقا اھ[3] ولو استرسلنا فی سرد الفروع لاعیانا ولکن نرد البحر ونکثر الاغتراف منہ لان الکلام سیدور معہ فنقول فی البحر من الماء المستعمل ذکر ابوبکر الرازی انہ یصیر مستعملا عند محمد باقامۃ القربۃ لاغیر استدلالا بمسألۃ الجنب اذا انغمس فی البئر لطلب الدلو وقال شمس الائمۃ السرخسی جوابہ انما لم یصر مستعملا للضرورۃ واقرہ علیہ العلامۃ ابن الھمام والامام الزیلعی اھ[4] وفیہ واعلم ان ھذا وامثالہ کقولھم فیمن ادخل یدیہ الی المرفقین واحدی رجلیہ فی اجانۃ یصیر الماء مستعملا یفید ان الماء یصیر مستعملا بواحد من ثلثۃ ازالۃ حدث اقامۃ قربۃ اسقاط فرض فکان الاولی ذکر ھذا السبب

کہا ہوتا تو بہتر تھا۔ اور اسی لیے "بلانیت" کہا کیونکہ اگر غسل کے لیے غوطہ لگایا تو سب ہی کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائیگا اھ اور نہر الفائق میں مسئلہ بئر جحط میں امام محمد کے قول کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا آدمی کا پاک ہونا اس وجہ سے ہے کہ محمد بہانے کو شرط قرار نہیں دیتے اور پانی کا پاک ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اھ اس کو سید ازہری نے کنز میں نقل کیا ہے' اور دُر میں ہے کہ اسقاط فرض ہی اصل ہے، مثلاً یہ کہ گڑھے میں ہاتھ یا پیر چلّو بھرنے وغیرہ کی نیت کے علاوہ کسی اور ارادہ سے ڈالے تو وہ مستعمل ہو جائے گا، کیونکہ اس طرح فرض بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے اھ اور اگر ہم فروع گنانا شروع کر دیں تو مشکل ہوگا، لیکن ہم سمندر پر آکر اس سے بکثرت چلّو بھرتے ہیں، کیونکہ گفتگو انہی کے ساتھ رہے گی، تو ہم کہتے ہیں، بحر میں ہے کہ ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ صرف قربۃ کی ادائیگی سے پانی مستعمل ہوگا' عند محمد۔ وہ اس کو جنب کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہیں جو کنویں میں ڈول نکالنے کی خاطر غوطہ لگائے۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مستعمل ضرورت کی وجہ سے نہ ہوا، اور اس کو علّامہ ابن ہمام اور زیلعی نے برقرار رکھا اھ اس میں ہے جاننا چاہیے کہ یہ اور اس کے امثال جیسے ان کا قول' اُس شخص کی بابت جو اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک

[1] مجمع الانہر	فصل فی المیاہ	العامرہ مصر	۱/۳۱
[2] فتح المعین	بئر جحط	سعید کمپنی کراچی	۱/۷۰
[3] درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	۱/۳۷
[4] بحرالرائق	کتاب الطہارۃ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/۱۹۰

الثالث[1] اھ وفیہ[1] ذکر شمس الائمۃ السرخسی فی المبسوط (ای شرحہ) ان فی الاصل (ای فی مبسوط الامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی) اذا اغتسل الطاھر فی البئر افسدہ[2] اھ ای اذا نوی القربۃ کما لا یخفی وفیہ مسألۃ البئر جحط وصورتھا جنب انغمس فی البئر للدلو او للتبرد ولا نجاسۃ علی بدنہ فعند محمد الرجل طاھر و الماء طھور وجہ قول محمد علی ما ھو الصحیح عنہ ان الماء لا یصیر مستعملا وان ازیل بہ حدث للضرورۃ[3] اھ وفیہ قال الخبازی فی حاشیۃ الھدایۃ قال القدوری رحمہ اللہ تعالٰی کان شیخنا ابو عبداللہ الجرجانی یقول الصحیح عندی من مذھب اصحابنا (الی اٰخر ما قدمنا عن الحلیۃ غیر انہ قال لو احتاجوا الی الغسل عند نزح ماء البئر کل مرۃ لحرجوا الخ وزاد فی اٰخرہ) بخلاف ما اذا ادخل غیر الید فیہ صار الماء مستعملا[4] اھ وفیہ عن ابی حنیفۃ ان الرجل طاھر لان الماء لا یعطی لہ حکم الاستعمال قبل الانفصال من العضو قال الزیلعی والھندی وغیرھما تبعا للھدایۃ وھذہ الروایۃ اوفق الروایات وفی فتح القدیر

یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو پانی مستعمل ہوجائیگا' سے معلوم ہوتا کہ پانی کا مستعمل ہونا تین اشیاء میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوگا، حدث کا زائل کرنا، قربۃ کا ادا کرنا، فرض کا ساقط کرنا، تو بہتر یہ تھا کہ اس تیسرے سبب کو ذکر کرتے۔ اور اسی میں ہے کہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں (یعنی اس کی شرح میں) ذکر کیا کہ اصل میں (یعنی امام محمد کی مبسوط) میں ہے کہ اگر پاک شخص نے کنویں میں غسل کیا تو پانی مستعمل ہوجائیگا اھ یعنی اگر قربۃ کی نیت کی کما لا یخفی۔ اور اسی میں ہے کہ کنویں کا مسئلہ جحط ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جنب نے کنویں میں غوطہ لگایا ڈول نکالنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، اور اس کے بدن پر نجاست نہ ہو تو محمد کے نزدیک آدمی پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے، اور محمد کے قول کی وجہ صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے خواہ اس سے حدث ہی کیوں نہ زائل کیا جائے ضرورت کی وجہ سے۔ اسی میں ہے خبازی نے کہا حاشیہ ہدایہ میں کہ قدوری نے کہا کہ ہمارے شیخ ابو عبداللہ الجرجانی فرماتے ہیں میرے نزدیک ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب (آخر تک جو ہم نے حلیہ سے نقل کیا، البتہ انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ غسل کے محتاج ہوں ہر مرتبہ کنویں سے پانی

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

[2] ایضاً ۱/۹۴

[3] ایضاً ۱/۹۷

[4] ایضاً ۱/۹۷

وشرح المجمع انها الرواية المصححة اھ[1] فعلم[ف1]
بما قررنا[ع] ان المذهب المختار فی هذه المسألة
ان الرجل طاهر والماء طاهر غیر طهور اھ[2] و
فیه وان انغمس للاغتسال صار مستعملا
اتفاقا وحكم الحدث حكم الجنابة ذكره فی
البدائع اھ[3] **وفیه**[ف2] وكذا الحائض والنفساء
بعد الانقطاع اما قبل الانقطاع فهما كالطاهر
اذا انغمس للتبرد لا یصیر الماء مستعملا كذا
فی فتاوی قاضی خان والخلاصة اھ[4] **وفیه**[ف3]
قال القاضی الاسبیجابی فی شرح مختصر
الطحاوی جنب اغتسل فی بئر ثم فی بئر الی

نکالتے وقت تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے الخ اور اس کے
آخر میں اضافہ کیا) بخلاف اس صورت کے کہ جب
ہاتھ کے علاوہ اور کوئی عضو پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل
ہو جائے گا اھ اور اس میں ابوحنیفہ سے منقول ہے
کہ آدمی پاک ہے کیونکہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم
نہیں دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ عضو سے جدا نہ ہو،
زیلعی و ہندی وغیرہما نے ہدایہ کی متابعت میں فرمایا
اور یہ روایت تمام روایات میں مطابقت پیدا
کرنے والی ہے اور فتح القدیر اور شرح المجمع میں ہے
کہ تصحیح شدہ روایت یہی ہے اھ تو ہماری تقریر سے
معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مذہب مختار یہ ہے کہ

ع قال الشامی قال الرملی اقول سیأتی
قریبا انه طاهر طهور علی الصحیح اھ
اقول وهذا تصریح بتصحیح روایة ط
من جحط فما فی المنحة عن شرح هدیة
ابن العماد لسیدی عبد الغنی قدس سره
ان مسألة جحط الاقوال الثلثة فیها ضعیفة
فكانه لاختیار الروایة الرابعة المختارة فی
البحر لا ان لاشیئ من الثلث مصححا اھ منه

شامی نے کہا رملی نے کہا میں کہتا ہوں عنقریب آئیگا
کہ یہ صحیح روایت پر طاہر وطہور ہے میں کہتا ہوں یہ
مسئلہ بئر جحط سے طحاوی کی تصحیح شدہ روایت
کی تصریح ہے تو جو منحہ میں سید عبدالغنی کی شرح
ہدیہ ابن عماد سے ہے کہ مسئلہ بئر جحط کے تینوں
قول ضعیف ہیں تو اس وجہ سے کہ وہ بحرالرائق
کی اختیار کردہ چوتھی روایت کو اختیار کرتے ہیں
یہ نہیں کہ تین میں سے کسی کی تصحیح نہیں کی گئی۔ ت

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۷
[2] ایضاً ۱/ ۹۸ [3] ایضاً
[4] ایضاً ۱/ ۹۹

عشرة قال محمد يخرج من الثالثة[عہ1] طاهرا ثم ان كان على بدنه عين نجاسة تنجست المياه كلها (يريد الثلثة) وان لم تكن صارت المياه (الثلثة) كلها مستعملة ثم بعد الثالثة ان وجدت منه النية يصير مستعملا وان[عہ2] لم توجد لا[1] اھ ومثله عنده في خزانة المفتين مع التصريح بتصحيح قول محمد المذكور ورأيت ايضا فيه التصريح بارادة الثلثة كما زدته توضيحا وزاد وكذلك في الوضوء اھ ثم رأيت في المنحة عن السراج الوهاج ايضا التصريح باستعمال ثلث دون مابعدها الا بالنية وهو ظاهر **وفيه** من ابحاث الماء المقيد صرحوا بان الجنب اذا نزل في البئر بقصد الاغتسال يفسد الماء عند الكل صرح به الاكمل وصاحب معراج الدراية وغيرهما[2] اھ **وفيه**

آدمی پاک ہے اور پانی پاک تو ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اھ اور اسی میں ہے اگر کسی نے غسل کے لیے غوطہ لگایا تو پانی اتفاقاً مستعمل ہو جائے گا اور حدث کا حکم جنابت والا ہی ہے، اس کو بدائع میں ذکر کیا اھ اور اسی میں ہے کہ یہی حکم حائض اور نفاس والی عورت کا ہے جس کا خون منقطع ہو چکا ہو، اور انقطاعِ خون سے قبل تو وہ دونوں اُس پاک شخص کی طرح ہیں جس نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، فتاوٰی قاضی خان اور خلاصہ میں یہی ہے اھ اور اسی میں ہے کہ قاضی اِسبیجابی نے شرح مختصر طحاوی میں فرمایا کہ ایک جنب شخص نے ایک کنویں میں غسل کیا اور پھر دوسرے کنویں میں یہاں تک کہ دس کنووں میں غسل کیا، تو محمد نے فرمایا تیسرے سے پاک نکلے گا، پھر اگر اس کے بدن پر نجاست ہو تو تمام پانی نجس ہو جائیں گے (یعنی تینوں) اور اگر نجاست نہ ہو تو تینوں مستعمل ہو جائیں گے ----------

---

عہ۱ اقول بل من الاولى لان التثليث ليس الا سنة فكانه اراد الطهارة المسنونة ثم لا يخفى التقييد بالمضمضة والاستنشاق اھ منه۔

میں کہتا ہوں بلکہ پہلے سے کیونکہ تثلیث تو سنت ہے گویا انہوں نے مسنون طہارت کا ارادہ کیا ہے پھر مضمضہ اور استنشاق کی قید لگانا مخفی نہیں اھ ۔ ت

عہ۲ اقول ان لم يحدث بعد الثالثة كما لا يخفى اھ منه

میں کہتا ہوں اگر تیسرے کے بعد حدث لاحق نہ ہوا ہو جیسا کہ مخفی نہیں ۔ ت

---

۱ بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۹

۲ بحرالرائق الماء المقید " " " ۱/۷۱

وكذا صرحوا ان الماء يفسد اذا ادخل الكف فيه وممن صرح به صاحب المبتغی بالغين المعجمة اھ[1] وفيه قال الاسبيجابی والولوالجی فی فتاواه جنب اغتسل فی بئر ثم بئر الی اخر ما تقدم[2] اھ وفيه قال الامام القاضی ابو زيد الدبوسی[3] فی الاسرار ان محمدا يقول لما اغتسل فی الماء القليل صار الكل مستعملا حكما[4] اھ فهذه العبارة كشفت اللبس واوضحت كل تخمين وحدس اھ ولنقتصر علی هذا القدر خاتمين بما اعترف البحرانه كشف اللبس وازاح الحدس وهی كما تری نصوص صرائح تفيد ان ملاقاة الماء القليل لعضو عليه حدث يجعله مستعملا سواء ورد الماء علی العضو او العضو علی الماء علی سبيل النجاسة الحقيقية فالماء نجس سواء وردت هی علی الماء او الماء عليها وبالجملة كانت الفروع تأتی علی هذا السنن المطبوع والاقوال تنسج علی هذا المنوال الی ان جاء الدور بتلامذة الامام المحقق علی الاطلاق ودارت مسألة التوضی فی الفساقی

-- - پھر اگر تیسرے کنویں کے بعد اس نے نیت کی تو پانی مستعمل ہو جائیگا اگر نیت کی تو مستعمل نہ ہوگا اور اسی کی مثل اُن سے منقول ہے اور خزانۃ المفتین میں محمد کا مذکور قول صحیح قرار دیا گیا ہے اور اس ہی میں نے تین کے ارادہ کی تصریح دیکھی ہے، جس طرح میں نے اس کی وضاحت بخوبی کردی ہے، اور اسی طرح انھوں نے وضو میں اضافہ کیا ہے اور پھر میں نے منحہ میں سراج وہاج سے اس امر کی تصریح دیکھی کہ صرف تینوں مستعمل ہوں گے نہ کہ ان کے بعد والے، اور یہ ظاہر ہے اور اس میں ما مقید کی ابحاث ہے، اور انہوں نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ جنب جب کنویں میں اُترے اور غسل کا ارادہ کرے تو سب کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائے گا، اس کی تصریح اکمل، صاحب معراج الدرایہ اور دوسرے علماء نے کی ہے اھ اور اسی میں ہے، اسی طرح فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی شخص پانی میں ہتھیلی ڈال دے تو پانی مستعمل ہو جائے گا، اور اس کی تصریح صاحب مبتغی نے کی ہے (غین معجمہ سے) اھ، اور اسی میں ہے کہ اسبیجابی اور ولوالجی نے اپنے فتاوی میں فرمایا کہ ایک جنب ایک کنویں میں غسل کے لیے اترا پھر دوسرے میں اُترا

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
بحرالرائق " سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱
[2] بحرالرائق کتاب الطہارت " ۱/۷۱، ۹۹
[3] بحرالرائق کتاب الطہارت " ۱/۷۱
[4] ایضاً

الصغار بین الحذاق، فافتی العلامة زین الدین
قاسم بن قطلوبغا بالجواز و الف رسالة
سماها رفع الاشتباه عن مسألة المیاه[1]
وخالفه تلمیذه العلامة عبد البر بن
الشحنة وصنف رسالة سماها زهر الروض
فی مسألة الحوض[2] والامام ابن امیر الحاج
فی الحلیة ایضا میل الی شیئ مما اعتمده
العلامة قاسم وهم جمیعا من جلة اصحاب
الامام ابن الهمام علیهم رحمة الملك
المنعام ثم جاء المحقق زین بن نجیم
صاحب البحر رحمه الله تعالی فانتصر
الزین للزین و نمق رسالة سماها الخیر
الباقی فی جواز الوضوء من الفساقی ثم تتابع
المتاخرون علی اتباعه كالنهر والمنح و
الدر و ذكر فی الخزائن ان له رسالة فیه و
العلامة الباقانی والشیخ اسمعیل النابلسی
وولده العارف بالله سیدی عبد الغنی
ومحشی الاشباه شرف الدین الغزی
فیما ذكره المدقق العلائی بلاغا وكذا بعض
مشایخ الشامی والسادات الثلثة ابو السعود
الازهری وط وش میلا مع تردد والیه
یمیل كلام العلامة نوح افندی و وافق

الی آخر ما تقدم۔ اور اسی میں ہے کہ امام قاضی ابو زید
الدبوسی نے اسرار میں فرمایا کہ محمد فرماتے ہیں کہ جب
کسی شخص نے تھوڑے پانی میں غسل کیا تو کل پانی حکماً
مستعمل ہوجائے گا اھ اس عبارت نے کل معاملہ وضاحت
سے کھول کر رکھ دیا ہے اھ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور
اختتام پر بحر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابہام
کو رفع کر دیا ہے، اور جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ صریح
نصوص ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے پانی
کا عضو سے ملنا جس پر حدث ہے پانی کو مستعمل بنا دیتا ہے
خواہ پانی عضو پر وارد ہو یا عضو پانی پر وارد ہو، اور اگر یہ
پانی نجس عضو پر آئے، خواہ پانی عضو پر یا عضو پانی پر
تو پانی نجس ہوجائے گا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مسئلہ کی فروع
کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے، اور اس قسم کے
اقوال علماء و فقہاء کے ذکر کئے گئے ہیں، پھر جب
محقق علی الاطلاق کے شاگردوں کا دور آیا اور چھوٹے حوضوں میں وضو
کا مسئلہ ماہرین کے درمیان زیر بحث آیا تو علامہ زین الدین قاسم
بن قطلوبغا نے جواز کا فتویٰ دیا اور ایک رسالہ لکھا جس کا
نام "رفع الاشتباہ عن مسئلۃ المیاہ" ہے
اس پر ان کے شاگرد علامہ عبد البر بن الشحنہ نے ان کی
مخالفت کی، اور ایک رسالہ "زھر الروض فی
مسئلۃ الحوض" لکھا۔ امام ابن الحاج نے حلیہ میں
علامہ قاسم کی طرف کچھ میلان کیا ہے، یہ تمام کے تمام

۱؎ بحر الرائق، کتاب الطہارۃ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

۲؎ ایضاً ۱/۷۲

العلامة ابن الشحنة منهم العلامة ابن الشلبي وبه افتى والمحقق على المقدسي والعلامة حسن الشرنبلالي۔

ابن ہمام کے جلیل القدر تلامذہ ہیں، پھر ابن نجیم صاحب بحر آئے اور انھوں نے زین کی مدد کی اور ایک رسالہ لکھا جس کا نام "الخیر الباقی فی جواز الوضوء من الفساقی" ہے پھر متاخرین نے پے در پے اس مسئلہ پر کلام کیا اور ان کی پیروی کی مثلاً نہر، منح، درر اور خزائن میں ہے کہ انھوں نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے، اور علامہ باقانی، شیخ اسمٰعیل نابلسی اور ان کے صاحبزادے عارف باللہ عبدالغنی نابلسی اور اشباہ کے محشی شرف الدین الغزی بقول مدقق علائی بطور بلاغ، اور اسی طرح بعض مشایخ شامی اور سادات ثلٰثہ ابوالسعود الازہری 'ط' اور 'ش' کا اس طرف میلان ہے، کچھ تردد بھی کیا ہے اور اسی طرف علامہ نوح آفندی کا کلام ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے موافقت کی اور علامہ ابن شلبی نے بھی موافقت کی اور اسی پر فتوٰی دیا اور محقق علی المقدسی اور علامہ حسن شرنبلالی نے بھی یہی فرمایا۔ (ت)

قلت والیه یرشد کلام المحقق فی الفتح وقد علمت انها الجادة المسلوکة الی زمن العلامة قاسم والمروی عن جمیع اصحابنا وعن ائمتنا الثلثة عینا ولم یخالفها احد ممن تقدمه غیر الامام صاحب البدائع فی جدل وتعلیل اما عند ذکر الاحکام فهو مع الجمهور وکذلك قدمنا عن عدة من هٰؤلاء المتأخرین خلاف ما مالوا الیه اما ما نسب الی العلامة قارئ الهدایة فلا یتم کما ستعرف ان شاء الله تعالٰی وبالجملة فالمسألة ذات معترك عظیم والرسائل الثلث جمیعا بحمد الله تعالٰی عندی وها انا الخصها لك مع ما لها وعلیها اجمالا مفصلا وبالله التوفیق فلننوع الکلام علی اربعة فصول

میں کہتا ہوں محقق کا کلام فتح میں اسی طرف رہنمائی کرتا ہے اور آپ جان چکے ہیں کہ علامہ ابن قاسم کے زمانہ تک یہی روش رہی، اور یہی ہمارے تمام اصحاب اور ائمہ ثلٰثہ سے منقول ہے، اور متقدمین میں سے سوائے صاحب بدائع کے کسی اور نے مخالفت نہ کی، جدل اور تعلیل میں، اور احکام کے ذکر کے وقت وہ جمہور کے ساتھ ہیں، اور اسی طرح ہم بہت سے متاخرین سے ان کے خلاف نقل کرچکے ہیں، اور جو علامہ قاریٔ الہدایہ کی طرف منسوب ہے وہ ثابت نہیں، جیسا کہ آپ عنقریب جان لیں گے ان شاء اللہ تعالٰی، اور خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بہت معرکہ کا ہے اور تینوں رسائل بحمد اللہ میرے پاس ہیں جن کا خلاصہ میں آپ کے سامنے مالہا وما علیہا کے ساتھ پیش کرتا ہوں یہ کلام چار فصول پر مشتمل ہے۔

الفصل الاول فی کلام العلامة

قاسم رسالته رحمه الله تعالی نحو کراسة اطال فیها الکلام فی حد الماء الکثیر و حقق (ف۱) ان جمیع جوانبه سواء فی جواز الطهارة سواء کانت النجاسة مرئیة اولا و اکثر من الرد علی شرح المختار و التحفة و البدائع حتی تجاوز الی المؤاخذات اللفظیة ولسنا الأن بصدد ذلك وانما یتعلق منها بغرضنا نحو ورقة فی اٰخرها ذکر فیها الماء المستعمل وانه لا یغیر الماء ما لم یغلب علیه و اختار التسویة فی ذلك بین الملقی و الملاقی ای کما ان الماء المستعمل لو القی فی حوض او جرة و کان ماء الجرة اکثر منه جاز الطهارة به علی ماهو الصحیح المعتمد و علیه عامة العلماء کذلك ان ادخل المحدث او الجنب یده مثلا فی جرة لم یتغیر ماؤها لان المستعمل منه ما لاقی بدنه وهو اقل بالنسبة الی الباقی واحتج علی ذلك بثلثة اشیاء **الاول** کلام البدائع حیث قال فی الکلام علی حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم (ای حین استدل به للامام علی نجاسة الماء المستعمل) لا یقال انه نهی (ای عن الاغتسال فیه لا) لان المستعمل (ف۲) نجس بل (لما فیه من اخراج الماء من ان یکون مطهرا من غیر ضرورة و ذلك حرام لانا نقول الماء القلیل انما یخرج عن کونه مطهرا باختلاط غیر المطهر به اذا کان غیر المطهر غالبا کماء الورد و اللبن و نحو

پہلی فصل، علامہ قاسم کا کلام

علامہ قاسم کا رسالہ تقریباً ایک کاپی ہے جس میں "ماءِ کثیر" کی تعریف پر انھوں نے مفصل گفتگو کی ہے، اور تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ اس کے تمام کنارے برابر ہیں طہارت کے جواز میں، خواہ نجاست نظر آنے والی ہو یا نہ ہو، اور شرح مختار، تحفہ، بدائع وغیرہ پر کافی رد کیا یہاں تک کہ لفظی گرفت سے بھی نہ چوکے۔ ہم اس وقت یہ چیزیں بیان کرنا نہیں چاہتے، ہماری غرض اس رسالہ کے آخری ورق سے متعلق ہے جس میں انھوں نے ماءِ مستعمل کے مسائل بیان کیے ہیں اور یہ کہ وہ پانی کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا ہے جب تک وہ اس پر غالب نہ آجائے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں ملقیٰ اور ملاقی کو برابر قرار دیا ہے یعنی جس طرح مستعمل پانی اگر کسی حوض یا مٹھلیا میں ڈالا جائے اور مٹھلیا کا پانی مستعمل پانی سے زیادہ ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ صحیح، معتمد قول یہی ہے اور عام علماء کا یہی قول ہے اور اسی طرح اگر محدث یا ناپاک نے اپنا ہاتھ کسی مٹھلیا میں ڈالا تو پانی متغیر نہ ہوگا کیونکہ اس میں سے مستعمل وہ ہے جو اس کے بدن سے ملا اور بہ نسبت باقی کے کمتر ہے، اس پر تین چیزوں سے استدلال کیا ہے:

اوّل صاحبِ بدائع نے "لا یبولن احدکم فی الماء الدائم" (ٹھہرے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے) پر کلام کرتے ہوئے فرمایا (یعنی جب امام نے اس سے مستعمل پانی کی نجاست پر استدلال کیا) یہ نہ کہا جائے کہ یہ نہی ہے (یعنی اس میں غسل کرنے سے اس لیے نہیں کہ مستعمل نجس ہے بلکہ) کیونکہ اس میں پانی کو بلا ضرورت مُطہر

ذلك فاما ان يكون مغلوبا فلا وههنا الماء المستعمل مايلاقي البدن ولا شك ان ذلك اقل من غير المستعمل فكيف يخرج به من ان يكون مطهرا[1] انتهى۔

ہونے سے خارج کرتا ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ماءِ قلیل مطہر ہونے سے اس لیے خارج ہو جاتا ہے کہ وہ غیر مطہر پانی سے ملتا ہے مگر یہ اس وقت ہوگا جب غیر مطہر غالب ہو، مثلاً گلاب کا پانی اور دودھ وغیرہ، اور اگر مغلوب ہو تو نہ ہوگا اور یہاں مستعمل پانی وُہ ہے جو بدن سے ملاقی ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ غیر مستعمل سے کم ہے تو اس کی وجہ سے مطہر ہونے سے کیسے خارج ہوگا انتہی۔

قلت وتمامه فاما ملاقاة النجس الطاهر فتوجب تنجيس الطاهر وان لم يغلب على الطاهر لاختلاطه بالطاهر على وجه لايمكن التمييز بينهما فيحكم بنجاسة الكل[2] اھ قال وقال في موضع اٰخر (اي بعد ورقات) فيمن وقع في البئر فان كان على بدنه نجاسة حكمية بان كان محدثا او جنبا او حائضا او نفساء (اي وقد انقطعا عنهما) فعلى قول من لا يجعل هذا الماء مستعملا (**قلت** يريد الامام ابا يوسف رحمه الله تعالى لاشتراطه الصب) لا ينزح شئ لانه طهور وكذا على قول من جعلها مستعملا وجعل المستعمل طاهرا (يريد محمدا رحمه الله تعالى) لان غير المستعمل اكثر فلا يخرج عن كونه طهورا مالم يكن المستعمل غالبا عليه كما لوصب اللبن في البئر بالاجماع او بالت شاة فيها عند محمد رحمه الله تعالى[3] انتهى۔

میں کہتا ہوں مکمل اس طرح ہے، اور نجس کا طاہر کو ملاقی ہونا طاہر کو نجس کر دیتا ہے اگرچہ طاہر پر غالب نہ ہو کیونکہ وہ طاہر سے اس طور پر مل گیا ہے کہ دونوں میں امتیاز ممکن نہیں رہا ہے تو کل کی نجاست کا حکم کیا جائیگا اھ کہا، اور دوسرے مقام پر فرمایا (یعنی اس کے کچھ ورق بعد) اس شخص کی بابت جو کنویں میں گر پڑا تو اگر اس کے بدن پر نجاستِ حکمیہ ہو مثلاً یہ کہ وہ بے وضو یا جنب یا حیض و نفاس والی عورت ہو (یعنی ان دونوں عورتوں کی ناپاکی ختم ہو چکی ہو) تو اُس کے قول پر جو پانی کو مستعمل قرار نہیں دیتا ہے (میں کہتا ہوں اس سے ان کی مراد امام ابو یوسف ہیں جن کے نزدیک بہانا شرط ہے) کنویں سے کچھ بھی نہیں نکالا جائے گا کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے، اور اسی طرح اُن کے قول پر جو پانی کو مستعمل کہتے ہیں اور مستعمل کو پاک کہتے ہیں (امام محمد مراد ہیں) کیونکہ غیر مستعمل زاید ہے تو طہور ہونے سے اس وقت تک خارج نہ ہوگا جب تک مستعمل پانی غالب نہ ہو جائے، مثلاً دودھ کنویں میں ڈال دیا جائے،

---

[1] بدائع الصنائع، فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۷ [2] ایضاً
[3] بدائع الصنائع، بیان مقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً ۱/ ۷۴

اور یہ بالاجماع ہے، یا بکری نے کنویں میں پیشاب کردیا، امام محمد کے نزدیک انتہی۔

قلت وتمامه واما على قول من جعل هذا الماء مستعملا وجعل الماء المستعمل نجسا (يريد الامام رضي الله تعالى عنه على رواية الحسن بن زياد رحمه الله تعالى عنه نجاسة الماء المستعمل وان كانت روايته عنه رضي الله تعالى عنه في خصوص المسألة ما سيذكره) ينزح ماء البئر كله كما لو وقعت فيها قطرة من دم او خمر وروى الحسن عن ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه انه ان كان محدثا ينزح اربعون وان كان جنبا ينزح كله وهذه الرواية مشكلة لانه لا يخلو اما ان صار هذا الماء مستعملا اولا فان لم يصر مستعملا لا يجب نزح شيء لانه بقي طهورا كما كان وان صار مستعملا فالماء المستعمل عند الحسن نجس نجاسة غليظة فينبغي ان يجب نزح جميع الماء اھ وانما ننقل هذه التمامات لفوائد ستعرفها بعون الله تعالى قال وقال في موضع اخر (اي قبل هذا باوراق وبعد الاول بقليل) لو اختلط الماء المستعمل بالماء القليل قال بعضهم لا يجوز التوضي به وان قل وهذا فاسد اما عند محمد رحمه الله تعالى فلانه طاهر لم يغلب على الماء المطلق فلا يغيره عن صفة

میں کہتا ہوں اس کا مکمل یہ ہے کہ، اور ان لوگوں کے قول پر جنہوں نے اس پانی کو مستعمل قرار دیا ہے، اور مستعمل پانی کو نجس قرار دیا ہے (اس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں بروایت حسن بن زیاد کہ مستعمل پانی نجس ہوگا اگرچہ حسن کی روایت ابوحنیفہ سے خاص اسی مسئلہ میں ہے کہ جیسا وہ ذکر کریں گے) کنویں کا کُل پانی نکالا جائے گا، جیسے کہ کنویں میں خُون یا شراب کا قطرہ گر جائے، اور حسن نے ابوحنیفہ سے روایت کی کہ اگر بے وضو ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا اور اگر جنب ہو تو کل پانی نکالا جائے گا، اور یہ روایت مشکل ہے کہ یا تو یہ پانی مستعمل ہوگا یا نہیں تو اگر مستعمل نہیں ہے تو کچھ بھی پانی نہ نکالا جائے گا، کیونکہ وہ بدستور پاک ہے جیسا کہ تھا، اور اگر مستعمل ہوگیا تو حسن کے نزدیک مستعمل پانی نجاست غلیظہ ہے تو کنویں کا کل پانی نکالنا چاہئے اھ یہ جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے اُن فوائد کی خاطر ہے جن کو آپ ان شاء اللہ پہچانیں گے، فرمایا اور کہا ایک دوسرے مقام پر (یعنی اس سے چند ورق پہلے اور پہلے سے کچھ بعد) اگر ماءِ مستعمل تھوڑے پانی میں مل گیا تو بعض کے نزدیک اُس سے وضو جائز نہیں خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو اور یہ فاسد ہے ----------

امام محمد کے نزدیک تو اس لیے کہ یہ پاک ہے اور ماءِ مطلق پر غالب نہیں ہوا ہے، تو اس کو طہوریت کی صفت سے

ل بدائع الصنائع   بیان مقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا   سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

الطهورية كاللبن واما عندهما رضى الله تعالى عنهما فلان القليل مما لايمكن التحرز عنه يجعل عفوا ثم الكثير عند محمد ما يغلب على الماء المطلق وعندهما ان يستبين موضع القطرة فى الاناء انتهى[1] قال وقد علمت ان الصحيح المفتى به رواية محمد عن ابى حنيفة رحمهما الله تعالى اھ[2] اى فلا يفسد قليله لان غير المستعمل اكثر **الثانى** قال و قال محمد فى كتاب الاثار بعد رواية حديث عائشة رضى الله تعالى عنها ولا باس ان يغتسل الرجل مع المرأة بدأت قبله او بدأ قبلها[3] قال اذا عرفت هذا لوتأخر عن الحكم بصحة الوضوء من الفساقى الموضوعة فى المدارس عند عدم غلبة الظن بغلبة الماء المستعمل او وقوع نجاسة فى الصغار منها قال فان قلت اذا تكرر الاستعمال هل يمنع قلت الظاهر عدم اعتبار هذا المعنى فى النجس فكيف بالطاهر قال قال فى المبتغى (**وهو الثالث**) قوم يتوضؤن صفا على شاطئ النهر جاز فكذا فى الحوض لان حكم ماء الحوض فى حكم ماء جار انتهى[4]۔

تبدیل نہیں کرے گا جیسے دودھ، اور شیخین کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بچنا ممکن نہیں اس لئے معاف ہے پھر امام محمد کے نزدیک کثیر وہ ہے جو مطلق پانی پر غالب آجائے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ قطرہ کی جگہ برتن میں ظاہر ہوجائے، انتہی، فرمایا تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ صحیح مفتی بہ محمد کی روایت ابوحنیفہ سے ہے اھ یعنی قلیل پانی کو فاسد نہیں کرتا ہے کیونکہ غیر مستعمل زائد ہے۔

ثانی: فرمایا محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عائشہ کی اس حدیث ـــ کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے ساتھ غسل کرے خواہ مرد پہل کرے یا عورت ـــ کے بعد فرمایا کہ اس سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مدارس میں جو برتن رکھے ہوتے ہیں اُن سے غسل کرلینے میں حرج نہیں، جبکہ یہ ظن غالب نہ ہو کہ مستعمل پانی غالب ہوگیا ہے یا چھوٹے برتن میں نجاست پڑچکی ہے۔ فرمایا اگر تم یہ کہو کہ جب استعمال بار بار ہو تو کیا وضو یا غسل منع ہے؛ میں کہتا ہوں بظاہر اس وصف کا اعتبار نجس پانی میں نہ ہوگا تو طاہر میں کیسے ہوگا؛ فرمایا کہ انہوں نے مبتغی میں فرمایا (یہ تیسرا ہے) اگر کچھ لوگ صف باندھ کر نہر کے کنارے پر وضو کریں تو جائز ہے، حوض کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حوض کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے انتہی۔

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارت الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۸

[2] الاشتباہ عن مسألۃ المیاہ

[3] کتاب الآثار باب غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۱۰

[4] الاشتباہ عن مسألۃ المیاہ

قلت ای المنع انما یکون لسقوط الغسالة فیہا او لادخال المحدثین ایدیہم فیہا والکل غیر مانع علی ما تقرر عندہ ثم اتی باثار بعضہا فی الملاقی وبعضہا فی الملقی فقال وقد روی ابن ابی شیبة عن الحسن فی الجنب یدخل یدہ فی الاناء قبل ان یغسلہا قال یتوضؤ بہ ان شاء وعن سعید بن المسیب لاباس الجنب[ع۱] یدہ فی الاناء قبل ان یغسلہا[۱] وعن عائشة بنت سعد قالت کان سعد یامر الجاریة بتناول الطہور من الحوض فتغمس یدہا فیہا فیقال انہا حائض فیقول انا حیضتہا وعن عامر قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یدخلون ایدیہم فی الاناء وہم جنب والنساء حیض لایرون بذلک باسا یعنی قبل ان یغسلوہا وعن ابن عباس فی الرجل یغتسل من الجنابة فینضح فی انائہ من غسلہ فقال لاباس بہ[۲] وعن الحسن وابراہیم والزہری وابی جعفر وابن سیرین نحوہ قال فان قلت فما محمل حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن

میں کہتا ہوں، یعنی منع اس لیے ہے کہ دھوون اس میں گرتا ہے یا اس لیے کہ بے وضو لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور یہ سب غیر مانع ہے جیسا کہ ان کے نزدیک مقرر ہے پھر انہوں نے اس کے بعض آثار ملاقی میں اور بعض ملقی میں ذکر کیے پس فرمایا اور تحقیق ابن ابی شیبہ نے حسن سے جنب کے بارے میں روایت کی جو بے دھوئے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالے تو فرمایا اگر چاہے تو اُس کے ساتھ وضو کرے، اور سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ جنب اگر اپنا ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں ڈال دے تو حرج نہیں، اور عائشہ بنت سعد کہتی ہیں کہ حضرت سعد باندی کو حکم دیتے تھے کہ وہ حوض سے پانی لاکر دے، تو وہ حوض میں اپنا ہاتھ ڈبوتی تھی، تو کہا جاتا تھا کہ وہ حائضہ ہے، تو آپ فرماتے تھے: کیا میں نے اس کو حائضہ کیا ہے؟ اور عامر سے مروی ہے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ پانی میں ڈالتے تھے جبکہ وہ جنب ہوتے تھے اور عورتیں حائض ہوتی تھیں اور یہ لوگ بلا ہاتھ دھوئے پانی میں ڈالنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص غسلِ جنابت کرے اور اس کے چھینٹے برتن میں گریں تو اس میں حرج نہیں، اور حسن، ابراہیم، زہری

ع۱ کذا بالاصل ولعلہ ان یدخل الجنب یدہ ۱۲ منہ (م)

اصل میں اسی طرح ہے شاید یوں ہو "ان یدخل الجنب یدہ" (ت)

---

۱ مصنف ابن ابی شیبہ فی الرجل یدخل یدہ فی الاناء وہو جنب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۸۲

۲ مصنف ابن ابی شیبہ فی الرجل الجنب یغتسل فینضح من غسلہ فی اناء " " " ۱/۷۲

فیہ من الجنابۃ[1] قلت استدل بہ الکرخی علی عدم جواز التطھیر بالمستعمل ولا یطابق عمومہ فروعھم المذکورۃ فی الماء الکثیر فیحمل علی الکراھۃ وبذلك اخبر راوی الخبر فاخرج ابن ابی شیبۃ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما قال کنا نستحب ان ناخذ من ماء الغدیر ونغتسل بہ ناحیۃ[2] قال وما ذکر من الفروع مخالفا لھذا فبناء علی روایۃ النجاسۃ کقولھم لو ادخل جنب او محدث او حائض یدہ فی الاناء قبل ان یغسلھا فالقیاس انہ یفسد الماء وفی الاستحسان لا یفسد للاحتیاج الی الاغتراف حتی لو ادخل رجلہ یفسد الماء لانعدام الحاجۃ ولو ادخلھا فی البئر لم یفسد لانہ محتاج الی ذلك فی البئر لطلب الدلو فجعل عفوًا ولو ادخل فی الاناء او البئر بعض جسدہ سوی الید و الرجل افسدہ لانہ لاحاجۃ الیہ[3] وامثال ھذہ (ثم ذکر مسائل وآثارا لا تتعلق بما نحن فیہ الی ان قال) وعن ابی جریج قال قلت لعطاء رأیت رجلا توضأ فی ذلك الحوض متکشفا فقال لا باس بہ قد فعلہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما وقد علم انہ یتوضؤ منہ الابیض

ابوجعفر اور ابن سیرین نے اسی قسم کی روایت کی، فرمایا اگر کوئی کہے کہ پھر "لا یبولن احد کم فی الماء الدائم الخ" حدیث کا کیا مفہوم ہوگا؟ میں کہتا ہوں کرخی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی سے طہارت کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کا عموم زائد پانی میں اُن کی فروع سے مطابقت نہیں رکھتا پس اسے کراہت پر محمول کیا جائے گا اور راویِ حدیث نے یہی خبر دی ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ ہم اس امر کو پسند کرتے تھے کہ تالاب سے پانی لے کر ایک کونے میں جا کر غسل کریں، فرمایا اور جو فروع اس کے مخالف ہیں تو وہ نجاست کی روایت پر ہیں، جیسے کسی جُنب یا محدث یا حائض نے اپنا ہاتھ برتن میں بلا دھوئے ڈالا، تو قیاس چاہتا ہے کہ پانی خراب ہوجائے اور استحسان کی رُو سے فاسد نہ ہوگا، کیونکہ چُلّو بھرنے کی حاجت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے برتن میں پیر ڈال دیا تو پانی خراب ہوجائے گا کیونکہ ضرورت نہیں، اور اگر پیر کنوئیں میں ڈالا تو پانی خراب نہ ہوگا کیونکہ کنوئیں سے ڈول نکالنے کے لیے پیر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کو معاف کر دیا گیا ہے اور اگر برتن یا کنوئیں میں ہاتھ پیر کے علاوہ جسم کا اور کوئی حصہ ڈالا تو پانی خراب ہوجائے گا کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور اسی کی مثل دوسری چیزیں ہیں (پھر انہوں نے ایسے مسائل اور آثار ذکر کئے جن کا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ من کان یکرہ ان یبول فی الماء الراکد، ادارۃ القرآن کراچی ١/١٤١

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ الرجل ینتہی الی البئر والغدیر وھو جنب " " "

[3] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ١/٦٩

والاسود فی روایة وکان ینسکب من وضوء
الناس فی جوفها قال وکانهم رأوا حدیث
المستیقظ خاصا به او انه امر تعبدی علی
ان ابن ابی شیبة قد روی عن ابی معویة عن
الاعمش عن ابرهیم قال کان اصحاب عبد الله
رضی الله تعالٰی عنه اذا ذکر عندهم حدیث
ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قالوا کیف یصنع
ابو هریرة بالمهراس الذی بالمدینة[1] اھ فهذا
کل ماأتی به فی هذا الباب فی کتابه رحمه
الله تعالٰی فی مأبه۔

اس بحث سے تعلق نہیں، پھر فرمایا) اور ابن جریج سے
مروی ہے اُنھوں نے کہا کہ میں نے عطاء سے کہا کہ ایک
شخص نے حوض میں ننگے ہو کر غسل کیا تو انہوں نے کہا
اس میں حرج نہیں، خود ابن عباس نے ایسا کیا حالانکہ
ان کو معلوم تھا کہ اس میں سیاہ و سپید سب ہی غسل
کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس حوض میں
لوگوں کے وضو کا پانی گرتا تھا، فرمایا کہ غالباً انھوں نے
مستیقظ کی حدیث کو اُسی کے ساتھ خاص دیکھا یا یہ کہ
یہ امر تعبدی ہے، علاوہ ازیں ابن شیبہ نے ابو معٰویہ
سے اعمش سے ابراہیم سے روایت کی کہ اصحاب عبداللہ
کے سامنے جب حضرت ابوہریرہ کی حدیث کا ذکر آتا تھا تو فرماتے تھے کہ ابوہریرہ مہراس میں کیا کرتے تھے جو مدینہ
میں تھی اھ اس باب میں اس قسم کی چیزیں ذکر کی ہیں۔

اقول وبالله التوفیق الکلام فیه من
وجوه **الاول** من العجب استناده رحمه
الله تعالٰی بعبارة المبتغی فلیس فیها اثر مما
ابتغی لان کلامه[عه] فی الحوض الکبیر الاتری
الی قوله ان ماء الحوض فی حکم ماء جار و
معلوم قطعا ان ذلک انما هو فی الحوض

میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ اس میں چند وجوہ سے کلام ہے:
اول تعجب ہے کہ انہوں نے مبتغی کی عبارت
سے استدلال کیا ہے، حالانکہ وہ جو چاہتے تھے اس
میں موجود نہیں، کیونکہ اس میں وہ بڑے حوض کے بارے
میں گفتگو کر رہے ہیں جیسا کہ آپ ان کے قول ان ماء الحوض فی حکم ماء
جار سے معلوم کر سکتے ہیں اور یہ قطعی معلوم ہے کہ حوض وہی ہوگا جس

عه ثم رأیت التصریح به فی کلام شیخه
المحقق علی الاطلاق حیث اورد کلام
المبتغی فی مسائل الماء الکثیر ثم قال و
انما اراد الحوض الکبیر بالضرورة
اھ ۱۲ منه غفر له۔ (م)

پھر میں نے اس کی تصریح ان کے شیخ محقق
علی الاطلاق کے کلام میں دیکھی جہاں انہوں نے
کثیر پانی کے مسائل میں مبتغی کا کلام وارد کیا
پھر فرمایا بالضرورۃ اس سے مراد
حوضِ کبیر ہے اھ (ت)

---

[1] رسالہ علامہ قاسم

الکبیر ذی الماء الکثیر اما الصغیر فکالاوانی وقد قال العلامۃ نفسہ فی ھذہ الرسالۃ ان ماء الاوانی یتنجس بوقوع النجاسۃ وان لم یتغیر قال وما کان فی غدیر او مستنقع وھو نحو ماء الاوانی فھو ملحق بہا اذ لا اثر للمحل اھ[1]

الثانی قدمنا فی نمرۃ ۳۸ عن المبتغی التصریح بان الماء یفسد بادخال الکف[2] **الثالث** کذلک لا اثر لتایید شیئ من مقصودہ فی عبارۃ کتاب الاثار فلیس ان الرجل یدخل یدہ فی الاناء قبل الغسل او المرأۃ ثم یغتسلان منہ وکیف یظن ھذا برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا وانما مراد محمد رحمہ اللہ تعالٰی نفی قول من ابطل الوضوء بفضل وضوء المرأۃ مطلقا او اذا کانت جنبا او حائضا وھما قولان للحنابلۃ والمالکیۃ ولذا قال بدأت قبلہ او بدأ قبلہا وترجم لہ باب غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد من الجنابۃ[3] **الرابع** قد اوضح رضی اللہ تعالٰی عنہ مرادہ الشریف فی مؤطاہ المنیف اذ قال باب الرجل یغتسل او یتوضأ بسور المرأۃ اخبرنا مالک حدثنا نافع عن ابن عمر رضی اللہ

میں پانی بہت زیادہ ہو اور چھوٹا حوض تو برتنوں کی طرح ہے، خود علامہ اس رسالہ میں فرمایا کہ برتنوں کا پانی نجاست کے گرنے سے نجس ہو جائے گا خواہ اس میں تغیر نہ ہو، فرمایا جو پانی تالاب اور گڑھے میں ہو وہ برتنوں کے پانی کے برابر ہو تو وہ بھی برتنوں کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ محل کا کوئی اثر نہیں اھ

دوم نمبر ۳۸ میں ہم نے مبتغی کی تصریح کہ پانی ہاتھ ڈالنے سے خراب ہوگا۔

سوم اسی طرح کتاب الآثار سے بھی ان کی تائید نہیں ملتی ہے، اس میں یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالے یا عورت ڈالے پھر دونوں اس سے غسل کریں، اور اس قسم کا گمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ سے کیسے ہو سکتا ہے، امام محمد کا مقصود تو صرف ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جو عورت کے بچے ہوئے پانی سے مطلق مرد کے لیے وضو کرنے کو باطل قرار دیتے ہیں یا جب عورت جنب یا حائض ہو، اور یہی دو قول حنابلہ و مالکیہ کے ہیں، اور اس لیے فرمایا عورت نے مرد سے پہلے یا مرد نے عورت سے پہلے ابتدا کی ہو، اور اور اس کا عنوان یہ قائم کیا "باب عورت اور مرد کے ایک برتن سے غسل جنابت کرنے کے بیان میں"

---

[1] رسالہ علامہ قاسم

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷

[3] کتاب الآثار غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد من الجنابۃ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۰

تعالی عنهما انه قال لا باس بان یغتسل الرجل بفضل وضوء المرأة مالم تکن جنبا او حائضا قال محمد لا بأس بفضل وضوء المرأة وغسلها وسؤرها وان کانت جنبا او حائضا بلغنا ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم کان یغتسل هو وعائشة من اناء واحد یتنازعان الغسل جمیعا فهو فضل غسل المرأة الجنب وهو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی۔

الخامس (ف ۱) قدمنا عن الائمة ابی بکر الرازی وشمس الائمة السرخسی والاسبیجابی والولوالجی وابی زید الدبوسی والزیلعی وابن الهمام وغیرهم الجم الغفیر غفر الله تعالی لنا بهم وعن الخلاصة عن نفس کتاب الاصل لمحمد صرائح نصوصه فی الحکم بخصوصه فکیف یحمل هذا الکلام علی خلافه وبالله التوفیق

السادس (ف ۲) ما ذکر رحمه الله تعالی عن ابن عباس والامام الباقر والحسن البصری وابن سیرین و ابراهیم النخعی والزهری رضی الله تعالی عنهم لا یمس المقصود لانه فی الملقی والکلام فی الملاقی

السابع (ف ۳) ما ذکر اخرا عن عطاء وابن عباس رضی الله تعالی عنهم فاخره فی الملقی ولا حجة فی اوله فانه ان کان المراد التوضی فی الحوض بحیث تسقط الغسالة فیه کالتوضی فی الطست فهو من الملقی وان کان المراد التوضی بادخال الید فیه للاغتراف فقدمر

چہارم امام محمد نے اپنی مراد کی وضاحت اپنی موطا میں کردی ہے، فرمایا: باب اس بیان میں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ ہمیں مالک نے خبر دی، ہم سے نافع نے ابن عمر سے روایت کی، انہوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے، بشرطیکہ جنب یا حائض نہ ہو۔ محمد نے فرمایا اس میں حرج نہیں کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا جائے خواہ وہ اس بچے وضو کا ہو یا غسل کا ہو یا جھوٹا ہو اور خواہ وہ جنب ہو یا حائض ہو، ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ عائشہ ایک ہی برتن سے پانی چھین جھپٹ کر غسل کرتے تھے، یہ جنب عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کا ثبوت ہے، اور یہی ابو حنیفہ کا قول ہے۔

پنجم ہم نے ابوبکر الرازی، شمس الائمہ سرخسی اسبیجابی، ولوالجی، ابو زید الدبوسی، زیلعی، ابن الہمام وغیرہم، جلیل القدر ائمہ کی ایک عظیم جماعت سے پہلے ہی نقل کیا ہے اور خلاصہ سے امام محمد کی اصل کی تصریح نقل کی ہے کہ اسی میں خاص حکم بیان کیا ہے تو اس کلام کو اس کے خلاف پر کیونکر محمول کیا جا سکتا ہے، وباللہ التوفیق۔

ششم انہوں نے جو ابن عباس، امام باقر، حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی اور زہری رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے وہ مقصود سے متعلق نہیں کیونکہ وہ ملقی کے بارے میں ہے جبکہ گفتگو ملاقی کی بابت ہے۔

ہفتم جو آخر میں انہوں نے عطاء اور ابن عباس

---

۱ موطا امام محمد، الرجل یغتسل او یتوضأ بسؤر المرأۃ مجتبائی لاہور ص ۸۳

ان هذا القدر معفو عنه عند عدم انية و ان
فرض ان المراد ان يلج الحوض و يتوضأ
فيه لم تنتهض ايضا حجة اذ ليس فيه بيان
قدر الحوض فجاز ان يكون كبيرا
الثامن كذلك حديث سعد رضي الله
تعالى عنه فانه في الحيض قبل الانقطاع وقدمنا
عن الخانية والخلاصة وغيرهما انها لا تفسد
الماء اذ ذاك لعدم السببين سقوط الفرض و
اقامة القربة **التاسع** ما ذكر عن عامر
فظاهر ان لفظة يعني قبل ان يغسلوها
مدرج في الحديث ولا يدرى قول من هو
ولا حجة في المجهول **العاشر** ما حكى
عن الحسن يعارضه ما في البدائع عنه في
وقوع قليل ماء مستعمل في الماء سئل
الحسن البصري عن القليل فقال و من
يملك نشر الماء وهو ما تطاير منه عند الوضوء
وانتشاره اشار الى تعذر التحرز عن القليل
فكان القليل عفوا ولا تعذر في الكثير فلا
يكون عفوا[1] اهـ هذا كلامه في الملقى فكيف
في الملاقي **الحادي عشر** ما حكى عن
سعيد فعلى تقدير الصحة عنه مذهب
تابعي فكيف يحتج به على المذهب وكفى به
جوابا عن سائر الآثار **الثاني عشر** كذلك العبارة

سے نقل کیا ہے تو اس کا آخری حصہ ملتقی میں ہے اور اس کے اول میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ اگر مراد حوض سے وضو کرنا ہے کہ اس طرح اس کا دھوون حوض میں گرے جیسے طشت میں وضو کیا جاتا ہے تو وہ ملتقی سے ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ حوض میں ہاتھ ڈال کر چلو بھر کر وضو کیا تو گزر چکا ہے کہ اس قدر کو شرع نے معاف رکھا ہے جبکہ دوسرے برتن نہ ہوں، اور اگر مراد یہ ہو کہ حوض میں اتر کر وضو کیا تو بھی حجت قائم نہ ہوگی کیونکہ اس میں حوض کے سائز کا ذکر نہیں، پس ممکن ہے کہ حوض بڑا ہو۔

ہشتم اسی طرح سعد کی حدیث ہے کیونکہ وہ حیض کے منقطع ہونے سے قبل سے متعلق ہے اور ہم نے خانیہ اور خلاصہ وغیرہما سے نقل کیا کہ یہ پانی کو خراب نہیں کرتا، کیونکہ دونوں سبب ہی موجود نہیں ہیں نہ تو سقوط فرض ہے اور نہ ہی قربۃ کی ادائیگی ہے۔

نہم جو عامر سے نقل ہوا تو ظاہر یہ ہے کہ "قبل ان یغسلوھا" کا لفظ حدیث میں مندرج ہے، اور معلوم نہیں کہ یہ کس کا قول ہے، اور مجہول سے استدلال نہیں ہوتا۔

دہم جو حسن سے نقل کیا گیا ہے وہ اس کے مخالف ہے جو انہی سے بدائع میں نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ کم پانی میں اگر مستعمل پانی گر جائے تو کیا حکم ہوگا، حسن بصری سے کم کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے

---

[1] بدائع الصنائع بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

الثالثة عن البدائع بمعزل عن المقصود فانها فی المطلق ولا کلام فیه الا تری الی قوله ثم الکثیر عند محمد ما یغلب علی الماء المطلق وعندهما ان یستبین مواقع القطر فی الاناء اهـ [1]

جواب دیا کہا پانی کے چھینٹوں کا مالک کون ہے؟ تو کم تو تعذر کی وجہ سے معاف ہے مگر زاید میں یہ صورت نہیں تو وہ معاف نہ ہوگا، ان کی یہ گفتگو ملقی میں ہے، تو ملاقی میں کیا حال ہوگا۔

یازدہم جو سعید سے نقل کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہو تو وہ ایک تابعی کا مذہب ہے تو اس سے مذہب پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے اور یہی جواب دوسرے آثار میں ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

دوازدہم اس طرح بدائع سے نقل کردہ تیسری عبارت بھی مقصود سے الگ ہے کیونکہ وہ مطلق کی بابت ہے اور اس میں گفتگو نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ "پھر محمد کے نزدیک کثیر وہ ہے جو مطلق پانی پر غالب آجائے اور شیخین کے نزدیک یہ کہ قطروں کی جگہ برتن میں ظاہر ہوجائے اھ

قلت والوجه فیه ان الماء طاهر عند محمد فلا یسلبه وصف الطهوریة مالم یغلب علیه ونجس عندهما فیما یقال وقطرة نجس تنجس کل ماء قلیل غیر ان الذی لا یستبین لا یعتبر کرشاش البول قدر رؤس الابر فعفی عنه لعسر التحرز فاین هذا مما نحن فیه **نعم** جل ما فی یده ما ذکر البدائع فی الجدل عن روایة ضعیفة وتعلیل قول محمد فی مسألة جحط ان المستعمل ما لاقی البدن وهو اقل من غیره.

میں کہتا ہوں اس میں وجہ یہ ہے کہ محمد کے نزدیک پانی پاک ہے تو اس کی پاکیزگی کا وصف اس وقت تک اس سے سلب نہ ہوگا جب تک کہ اس پر کوئی نجاست غالب نہ آجائے، اور شیخین کے نزدیک نجس ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، اور نجس کا ایک قطرہ ہی تمام قلیل پانی کو نجس کردیتا ہے البتہ جو پانی میں ظاہر نہیں ہوتا وہ معتبر نہیں ہوتا ہے جیسے سوئی کی نوک کے برابر پیشاب کے چھینٹے، تو چونکہ اس سے بچنے میں دشواری ہے اس لیے اس کو معاف کردیا گیا، تو اس کا ہماری بحث سے کیا تعلق ہے، ہاں قابل غور وہ عبارت ہے جو انہوں نے بدائع سے نقل کیا ہے، وہ ایک ضعیف روایت پر جھگڑا ہے اور مسئلہ جحط پر محمد کے قول کی توجیہ ہے کہ مستعمل پانی وہ ہے جس کی ملاقات بدن سے ہوئی ہو اور وہ دوسرے سے کم ہے۔

اقول وباللّٰه التوفیق وهو المستعان علی افاضة التحقیق ایش انا ومن انا

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق وہو المستعان علی افاضۃ التحقیق، میں اور میری حقیقت کیا جو

---

[1] بدائع الصنائع بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

حتی اتکلم بین یدی ھذا الامام الھمام ٭ ملك العلماء الکرام ٭ اعلی اللہ درجاته فی دار السلام ٭ وافاض علینا برکاته علی الدوام ٭ اٰمین ولکن المذھب قد تقرر ٭ والنقل الصحیح الصریح عن الائمة الثلثة رضی اللہ تعالی عنھم قد توفر ٭ ورأیت ھذا الامام الجلیل قد وافق الاجلة الفحول ٭ فی تلك النقول ٭ عند ذکر المنقول ٭ وعلمت ان مایقال فی الجدل ٭ اویبدی فی العلل ٭ لایقضی علی نصوص المذھب ٭ بل ربما لایکون المبدی ایضا الیه یذھب ٭ کما ھو معلوم عند من خدم ھذا الفن المذھب فجرأنی ذلك علی ان اقول

وھو الثالث عشر الامام ملك العلما قدس سرہ ھو القائل فی بدائعه بعد ما ذکر سقوط حکم الاستعمال فی مواضع الضرورة کالید فی الاناء للاغتراف والرجل فی البئر لطلب الدلو مانصه ولو ادخل فی الاناء والبئر بعض جسدہ سوی الید والرجل افسدہ لانه لاحاجة الیه وعلی ھذا الاصل تخرج مسألة البئر اذا انغمس الجنب فیھا لطلب الدلو لابنیة الاغتسال ولیس علی بدنه نجاسة حقیقیة والجملة فیه ان الرجل المنغمس اما ان یکون طاھرا اولم یکن بان کان علی بدنه نجاسة حقیقیة اوحکمیة کالجنابة والحدث وکل وجه علی وجھین اما ان ینغمس لطلب الدلو اوالتبرد اوالاغتسال وفی المسألة حکمان حکم الماء الذی فی البئر وحکم الداخل فیھا فان کان طاھرا

امام ہمام علمائے کرام کے بادشاہ، اللہ تعالی جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے ہم انکی برکتوں سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں آمین، کے سامنے لب کشائی کروں، لیکن مذہب ثابت شدہ ہے اور ائمہ ثلثہ کی تصریحات صحیحہ موجود ہیں، اور اس امام جلیل القدر نے نقول کی حد تک ان ائمہ سے اتفاق کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہماری بحثوں سے مذہب کی تصریحات باطل نہیں قرار پاسکتی ہیں جیساکہ اس فن کے خدام پر واضح ہے، اس لیے میں کچھ معروضات پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں :

میں کہتا ہوں سیزدہم امام ملک العلماء قدس سرہ نے بدائع میں ذکر کیا کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں ضرورۃً پانی کے مستعمل ہونے کا حکم ساقط ہوجاتا ہے، جیسے چلّو بھرنے کے لیے ہاتھ کا پانی کے برتن میں ڈالنا اور ڈول تلاش کرنے کے لیے پیر کا کنویں میں ڈالنا، پھر انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی نے برتن یا کنویں میں اپنے جسم کے بعض حصے کو ڈال دیا ہاتھ پیر کے علاوہ، تو پانی فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ بے ضرورت ہے اور اسی اصل پر کنویں کے مسئلہ کی تخریج کی جائے گی کہ جنب انسان اس میں ڈول کی تلاش میں اُترا ہو بغیر نیت غسل کے بشرطیکہ اس کے جسم پر کوئی حقیقی نجاست موجود نہ ہو، اور خلاصہ یہ کہ اس میں بحث یہ ہے کہ یا تو غوطہ لگانے والا پاک ہوگا یا ناپاک ہوگا، مثلاً یہ کہ اس کے جسم پر حقیقی یا حکمی نجاست موجود ہو جیسے جنابت اور حدث، اور ہر وجہ کی پھر دو وجہیں ہیں یا تو غوطہ

والانغماس لطلب الدلو او للتبرد لایصیر مستعملا
بالاجماع لعدم ازالة الحدث واقامة القربة
وان انغمس فیہا للاغتسال[1] صار الماء مستعملا
عند اصحابنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنہم
لوجود اقامة القربة وعند زفر والشافعی
رحمہما الله تعالٰی لایصیر مستعملا لانعدام
ازالة الحدث والرجل طاہر فی الوجہین
جمیعا اھ[2] فانظر الی قولہ فی المسألة حکمان
حکم الماء الذی فی البئر فہل تری ان الذی
فی البئر ہو مالاقی سطح بدنہ عند الانغماس
کلا بل کل ما فی البئر وہو المقصود بیان حکمہ
وقد حکم علیہ فی الصورة الثانیة بانہ صار
مستعملا باجماع ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی
عنہم وفیہم محمد القائل بطہارتہ وقد
حکم بانہ بالانغماس سلب ماء البئر طہوریتہ

ڈول کی تلاش میں لگائے یا ٹھنڈک حاصل کرنے یا غسل کرنے کیلئے،
اور اس مسئلہ میں دو حکم ہیں ایک تو اُس پانی کا حکم جو
کنوئیں میں ہے اور دوسرے اُس شخص کا حکم جو کنوئیں میں
داخل ہوا، اگر وہ پاک ہے اور اس نے ڈول نکالنے یا
ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تھا، تو پانی
بالاتفاق مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ اس پانی سے نہ تو حدث
کا ازالہ کیا گیا ہے اور نہ کوئی قربۃ ادا کی گئی ہے اور
اگر اس میں غسل کے لیے غوطہ کھایا تو ہمارے اصحاب
ثلٰثہ کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا کیونکہ اس سے
قربۃ ادا ہوئی ہے اور زفر اور شافعی رحمہما اللہ کے
نزدیک مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس سے حدث زائل نہیں
کیا گیا ہے اور آدمی دونوں صورتوں میں پاک ہے اھ
اب ان کے اس قول کو دیکھئے جس میں وُہ فرماتے ہیں
کہ مسئلہ میں دو حکم ہیں ایک تو اس پانی کا حکم جو کنوئیں میں
ہے، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کنوئیں میں وہی پانی ہے جو

---

[1] یرید الاغتسال علی وجہ القربة بدلیل
التعلیل وہو المراد فی سائر المواضع الآتیة
دون الاغتسال لازالة درن او دفع
حر فانہ والتبرد سواء لایفید الاستعمال
اذا کان من طاہر لانعدام السببین
اھ منہ حفظہ ربہ تبارک و
تعالٰی۔ (م)

علت کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ قربت کے طور پر
غسل مراد ہے اور آئندہ تمام مقامات میں یہی مراد ہے،
میل کو دُور کرنے یا گرمی کو دفع کرنے کا غسل مراد
نہیں کیونکہ جب طاہر آدمی دفعِ گرمی اور حصولِ ٹھنڈک
کے لیے غسل کرے تو پانی مستعمل نہ ہوگا کہ دونوں
ازالہ حدث اور اقامت قربت نہیں
پائے گئے اھ (ت)

---

[2] بدائع الصنائع فصل فی الطہارة الحقیقیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

فظهر ان حكم الاستعمال يسرى فى الماء القليل كله سريان حكم النجاسة باجماع اصحابنا رضى الله تعالٰى عنهم فان السريان على القول بنجاسة الماء المستعمل ظاهر لاخلف فيه وهذا محمد القائل بالطهارة قد حكم بالسريان فكان القول به مجمعا عليه ولم يبق لاحد بالخلاف يدان بل قد يظن ان ملك العلماء ماش ههنا على جعل طهارة الماء المستعمل متفقا عليها بين اصحابنا كما قال فى البدائع[۱] ومشايخ العراق لم يحققوا الخلاف فقالوا انه طاهر غير طهور عند اصحابنا رضى الله تعالٰى عنهم حتى روى عن القاضى ابى حازم العراقى انه كان يقول انا نرجوان لاتثبت رواية نجاسة الماء المستعمل عن ابى حنيفة رضى الله تعالٰى عنه وهو اختيار المحققين من مشايخنا بما وراء النهر اهـ وذلك لان سوق كلامه ههنا كما قدم لاحاطة احكام الماء والرجل فى جميع الصور المحتملة هنا وقد التزم فى كل صورة بيان الخلاف بين ائمتنا الثلثة ان كان وفصل فى شقى الطاهر حكم الماء فقال فى الاول لايصير مستعملا بالاجماع وفى الثانى صار مستعملا عند ائمتنا الثلثة خلافا لزفر والشافعى

غوطہ کے وقت سطحِ بدن سے ملاقی ہوا تھا؟ ہرگز نہیں، بلکہ کُنویں کا کُل پانی ہے اور اسی کا حکم بیان کرنا مقصود ہے، اور دوسری صورت میں اس پر یہی حکم ہوا ہے کہ وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستعمل ہوگیا ہے، ان میں امام محمد بھی شامل ہیں جو اس کی طہارت کے قائل ہیں' اور انہوں نے فرمایا کہ غوطہ کی وجہ سے پانی کے پاک کرنے والی صفت سلب ہوگئی ہے تو ظاہر ہُوا کہ استعمال کا حکم تھوڑے پانی میں مکمل طور پر جاری ہوتا ہے' جیسے کہ نجاست کا حکم، اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کیونکہ سرایت کرنا مستعمل پانی کو نجس کہنے کی صورت میں ظاہر ہے، اس میں خلاف نہیں، اور امام محمد جو پانی کی طہارت کے قائل ہیں سرایت کا حکم دے رہے ہیں تو گویا یہ قول اجماعی ہے، اس میں کسی کا خلاف نہیں رہا بلکہ یہاں یہ گمان بھی کیا گیا ہے کہ ملک العلماء نے پانی کے پاک ہونے کو ہمارے اصحاب کے درمیان متفق علیہ قرار دیا ہے جیسا کہ بدائع میں فرمایا ہے، اور مشایخ عراق نے اختلاف کی تحقیق نہیں کی، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ طاہر تو ہے مگر طاہر کرنے والا نہیں، یہ ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نزدیک ہے، یہاں تک کہ قاضی ابو حازم العراقی سے مروی ہے کہ وُہ فرماتے تھے کہ ہمیں توقع ہے کہ مستعمل پانی کی نجاست کی روایت ابو حنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور یہی ہمارے وراء النہر کے محققین مشایخ کا مختار ہے اھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں

---

[۱] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۷

بقی علیہ بیان حکم الرجل فی المسئلتین عند ائمتنا فجمعهما وقال الرجل طاهر فی الوجهین جمیعا فکما انه یستحیل عند الذوق السلیم کون هذا تتمة قول زفر و الشافعی فیبقی ساکتا عن بیان حکم الرجل فی الوجهین عند ائمتنا رضی الله تعالی عنهم کذلک یبعد ان یکون هذا قول بعض دون بعض منهم اذ لو کان کذلک لبین الخلاف کما بین فی سائر الصور ولم یأت به هکذا مرسلا لایهام الخلاف اعنی عدم الخلاف مع وجوده لاسیما مع قرینتی الاجماع والاتفاق فی حکم الماء فی هذین الوجهین فلا ینقدح فی الذهن الا کونه وفاقیا بین اصحابنا کقرینتیه السابقتین وهذا لایتاتی الا علی القول بطهارة الماء المستعمل حیث لم یتنجس الماء فلا یحتمل ان ینجس الطاهر بخلاف ما اذا قیل بنجاسة اذ یتطرق القول بان الماء تنجس فنجس فلا یکون الرجل طاهرا وفاقا فان قلت الیس ان حکم الاستعمال انما یعطی بعد الانفصال والبدن کله شیٔ واحد فی الاغتسال فما دام فیه لم یکن مستعملا واذا صار مستعملا لم یکن فیه فعن هذا یخرج طاهرا مع نجاسة الماء المستعمل عندهما فیما یذکر عنهما قلت بلی ولکن انما یتمشی علی قول الامام اما عند ابی یوسف فیثبت

ان کے کلام کی روش جیسا کہ گزرا پانی کے احکام کے احاطہ کے لیے ہے اور مرد کے احکام کی بابت ہے یہ تمام محتمل صورتوں میں ہے، اور انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر صورۃ میں ہمارے ائمہ ثلثہ کا اختلاف بیان کیا ہے اگر واقعۃً اختلاف ہو۔ اور پاک کی دونوں شقوں میں پانی کا حکم تفصیلاً ذکر کیا ہے، پہلی صورت میں کہا بالاجماع مستعمل نہ ہوگا اور دوسری صورت میں کہا مستعمل ہوگیا ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک، اس میں زفر اور شافعی کا خلاف ہے اب ان پر یہ بیان کرنا باقی ہے کہ دونوں مسئلوں میں اُس شخص کا حکم ہمارے ائمہ کے نزدیک کیا ہے، تو ان دونوں کو جمع کر دیا اور فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وہ شخص پاک ہے تو جس طرح ذوق سلیم پر یہ گراں ہے کہ اس کو زفر و شافعی کے اقوال کا تتمہ قرار دیا جائے، اور مرد کے حکم میں ہمارے ائمہ دونوں صورتوں میں خاموش رہے یوں یہ بعید ہے کہ یہ قول بعض کا ہو اور بعض کا نہ ہو، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اختلاف کو ضرور بیان کرتے جیسا کہ تمام صورتوں میں بیان کیا ہے لیکن اس کو انھوں نے اس طرح مطلق ذکر نہ کیا تاکہ خلاف کا ایہام ہو یعنی عدمِ خلاف مع وجود خلاف بالخصوص جبکہ دو قرینے اجماع اور اتفاق کے اس امر پر موجود ہیں کہ دونوں صورتوں میں پانی کا حکم کیا ہے لہذا ذہن میں جو خلش ہے وہ اس کی ہے کہ یہ مسئلہ ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاقی ہے، جیسے اسکے دو سابقہ قرینے ہیں، اور یہ اُسی صورت میں ہوگا جبکہ مستعمل پانی کی طہارت کا قول کیا جائے اس لیے کہ پانی نجس نہیں ہوا، تو یہ احتمال نہیں ہے

حکم الاستعمال باول ملاقاۃ البدن الماء قال فی البدائع ابویوسف یقول ان ملاقاۃ اول عضو المحدث الماء یوجب صیرورتہ مستعملا فکذا ملاقاۃ اول عضو الطاھر الماء علی قصد اقامۃ القربۃ واذا صار الماء مستعملا باول الملاقاۃ لاتتحقق طہارۃ بقیۃ الاعضاء بالماء المستعمل[1] اھ فکیف یقول الماء مستعمل والرجل طاھر وقد قال فی البدائع ان کان علی یدہ نجاسۃ حکمیۃ فقط فان ادخلہا لطلب الدلو والتبرد یخرج من الاول (ای الماء الاول فان المسألۃ مفروضۃ فی الانغماس فی عدۃ میاہ) طاھرا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی ھو الصحیح لزوال الجنابۃ بالانغماس مرۃ واحدۃ وعند ابی یوسف ھو نجس ولا یخرج طاھرا ابدا[2] اھ **فان** حملتہ ھنا علی حال الضرورۃ لقول البدائع اما ابویوسف فقد ترک اصلہ عند الضرورۃ علی ما یذکر وروی بشر عنہ ان المیاہ کلہا نجسۃ وھو قیاس مذھبہ[3] اھ **دفعہ** ۸۰۹ ان ما مرھھنا ان الماء مستعمل والرجل طاھر عکس ما یقول بہ الامام الثانی حال الضرورۃ الاتری ان مذھبہ فی مسألۃ البئر

کہ وہ پاک کو نجس بنادے بخلاف اس صورت کے کہ پانی کو نجس کہا جائے کہ اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ پانی نجس ہوگیا ہے اس لیے اس نے طاہر کو نجس کردیا تو مرد بالاتفاق پاک نہ ہوگا۔ اگر تُو یہ کہے کہ آیا یہ بات درست نہیں کہ پانی پر مستعمل ہونے کا حکم اُسی وقت لگایا جائے گا جب وہ بدن سے جدا ہو، اور بدن غسل کی صورت میں شیَ واحد ہے، تو جب تک پانی بدن پر رہے گا مستعمل نہ ہوگا اور جو مستعمل ہوگا تو بدن پر نہ رہے گا اسی وجہ سے وہ شخص پاک ہوجاتا ہے اور پانی شیخین کے نزدیک نجس ہوجاتا ہے جیسا کہ شیخین کی بابت مشہور ہے میں کہتا ہُوں یہ درست ہے، مگر یہ صرف امام ابوحنیفہ کے قول پر چل سکتا ہے کیونکہ ابویوسف کے نزدیک پانی کو مستعمل ہونے کا حکم بدن سے پہلی ملاقات ہی میں دے دیا جائیگا بدائع میں ہے ابویوسف نے فرمایا مُحدِث کے پہلے عضو سے ملتے ہی پانی مستعمل ہوجاتا ہے، اور اسی طرح پاک آدمی کے کسی عضو کا بہ نیت ادائیگی قربۃ پانی کو لگنا پانی کو مستعمل بنادیتا ہے اور جب پانی پہلی ملاقات ہی سے مستعمل ہوگیا تو باقی اعضاء کی طہارت پانی سے نہیں ہوسکتی ہے اھ تو پھر وہ کس طرح فرماتے ہیں کہ پانی مستعمل ہوگیا اور مرد پاک ہے۔ اور بدائع میں فرمایا کہ اگر اس کے ہاتھ پر صرف نجاست حکمیہ ہے پھر وہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰
[2] ایضاً ۱/۷۰
[3] ایضاً ۱/۷۰

جحط الحاء ای ان الماء طاهر علی حاله والرجل لم یطهر کما کان قال فی البدائع ابویوسف یقول یجب العمل بهذا الاصل ای ما تقدم من ثبوت الحکم باول اللقاء) الا عند الضرورة کالجنب والمحدث اذا ادخل یده فی الاناء لاغتراف الماء لا یصیر مستعملا ولا یزول الحدث الی الماء لمکان الضرورة لان هذا الماء لو صار مستعملا انما یصیر مستعملا بازالة الحدث ولو ازال الحدث لتنجس ولو تنجس لا یزیل الحدث واذا لم یزل الحدث بقی طاهرا واذ بقی طاهرا یزیل الحدث فیقع الدور فقطعنا الدور من الابتداء فقلنا انه لا یزیل الحدث عنه فبقی هو بحاله والماء علی حاله[1] اھ و بالجملة لا استقامة لهذا علی قول ابی یوسف اصلا الا بان یقال انه مبنی علی طهارة الماء المستعمل عندهم جمیعا وهو قول صحیح قد قواه ملك العلماء وجعله مختار المحققین وان مشی فی مواضع کثیرة علی نسبة التنجیس الی الشیخین کما اشتهر فعلی هذا تکون المسألة نصا عن ائمتنا الثلثة علی سریان حکم الاستعمال الی جمیع الماء مع طهارته واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔

اس کو کنویں میں ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے داخل کرتا ہے تو وہ اول (یعنی پہلا پانی کیونکہ مسئلہ اس مفروضہ پر ہے کہ کئی پانیوں میں ہاتھ ڈبویا) سے پاک نکلے گا، یہ ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک ہے، یہی صحیح ہے کیونکہ جنابت ایک ہی مرتبہ ڈبونے سے زائل ہوگئی، اور ابویوسف کے نزدیک وہ نجس ہے، اور وہ کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ اس کو یہاں ضرورت پر محمول کریں کیونکہ بدائع میں ہے بہرحال ابویوسف نے اپنی اصل کو ضرورت کے وقت ترک کیا ہے، جیسا کہ اُن سے مروی ہے اور بشر نے ان سے روایت کی ہے کہ سب کے سب پانی نجس ہیں اور یہی چیز ان کے مذہب سے لگّا کھاتی ہے۔

دفعہ ۸۰۹ جو یہاں گزرا کہ پانی مستعمل ہے اور آدمی پاک ہے، امام ثانی کے قول کے برعکس ہے ضرورت کی حالت میں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ان کا مذہب کنویں کے مسئلہ "جحط" میں "ح" ہے یعنی پانی اپنی سابقہ حالت پر پاک ہے اور انسان بھی جیسا کہ پہلے تھا ناپاک ہے۔ بدائع میں فرمایا ابویوسف فرماتے ہیں اس اصل پر عمل لازم ہے (یعنی یہ کہ پہلی ملاقات ہی میں حکم ثابت ہوجاتا ہے) ہاں ضرورت کے وقت اس کو ترک بھی کرسکتے ہیں، جیسے جنب اور بے وضو جب برتن میں سے پانی لینے کے لیے اپنے ہاتھ ڈبوئیں تو پانی مستعمل نہ ہوگا اور حدث بھی زائل نہ ہوگا کیونکہ یہاں ضرورت موجود ہے، کیونکہ یہ پانی اگر مستعمل ہوتا تو حدث کے زائل کرنے کی وجہ سے ہوتا، اور اگر یہ حدث کو زائل کرتا تو ناپاک ہوجاتا اور

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

اگر ناپاک ہوتا تو حدث کو زائل نہ کرتا، اور جب حدث کو زائل نہیں کیا تو پاک رہا اور جب پاک رہا تو حدث کو زائل کرے گا تو دور لازم آئے گا، تو ہم نے دور کو ابتدا ہی سے قطع کیا اور وہ اس طرح کہ یہ پانی حدث کو زائل نہیں کرتا ہے تو انسان اپنی حالت پر رہا اور پانی اپنی حالت پر رہا اھ خلاصہ یہ کہ ابو یوسف کے قول پر یہ قول کسی طرح درست نہیں بیٹھتا ہے اس کی محض ایک ہی صورت ہے اور وُہ یہ کہ پانی ان تمام ائمہ کے نزدیک پاک ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ اس کو ملک العلماء نے قوی قرار دیا اور اس کو محققین کا مختار قرار دیا، اگرچہ اکثر مقامات پر انھوں نے اس پانی کو شیخین کے نزدیک نجس قرار دیا ہے، جیسا کہ مشہور ہے، اس بنا پر یہ مسئلہ اس امر کی تصریح ہوگا کہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک استعمال کا حکم تمام پانی میں جاری ہوگا اور انسان پاک رہے گا، واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم۔

الرابع عشر ثم قال قدس سرہ فی من انغمس فی ثلٰثۃ اٰبار او اکثر عندھما (ای الطرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما) ان الغمس لطلب الدلو والتبرد فالمیاہ باقیۃ علٰی حالہا وان کان الانغماس للاغتسال فالماء الرابع فصاعدا مستعمل لوجود اقامۃ القربۃ[1] اھ فانظر علٰی ای شیئ حکم بکونہ مستعملا الماء الرابع فصاعدا لاخصوص ما لاقی منہ سطح البدن۔

چودھواں پھر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس شخص نے تین یا تین سے زیادہ کنوؤں میں غوطہ لگایا تو ان دونوں (یعنی طرفین) کے نزدیک اگر ڈول کی تلاش میں لگایا یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، تو پانی اپنی حالت پر باقی رہیں گے، اور اگر غوطہ خوری غسل کے لیے تھی تو چوتھا پانی اور اس کے بعد والے پانی مستعمل ہوں گے کہ ان سے قربۃ ادا ہوئی ہے اھ تو دیکھیے انھوں نے کس چیز پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا ہے، چوتھا پانی اور اس سے زاید خاص وہ پانی نہیں جس سے مُحدِث ملا۔

قلت والمعنی جمیع المیاہ من اولہا وانما خص الرابع فما فوقہ بالذکر دفعا لتوہم انہ یقتصر حکم الاستعمال علی المیاہ الثلٰثۃ الاول اذ لا قربۃ بعد التثلیث فالرابع وما بعدہ لا یصیر مستعملا لعدم السببین فنبہ علی بطلانہ بان ذلک عند اتحاد المجلس ولا مساغ لہ فی باب الاٰبار۔

میں کہتا ہُوں مراد یہ ہے کہ پہلے پانی سے لے کر تمام پانی مستعمل ہیں، انہوں نے چوتھے اور اُس کے بعد والے کا خصوصی ذکر اس لیے کیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ استعمال کا حکم صرف تین پانیوں تک ہی محدود ہے کیونکہ تثلیث کے بعد قربۃ باقی نہیں رہتی ہے تو چوتھا اور اس کے بعد والا مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ اس میں دونوں سبب موجود نہیں ہیں، تو اس کے بطلان پر انہوں

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

نے متنبہ کیا کہ یہ اتحاد مجلس کی صورت میں ہے، اور یہ چیز مختلف کنوؤں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اقول لکن یشکل علیہ انہ رحمہ اللہ تعالٰی انما ذکر ھذا فی من کان علی بدنہ نجاسۃ حقیقۃ لان عبارتہ ھکذا وان لم یکن طاھرا فان کان علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ وھو جنب اولا فانغمس فی ثلثۃ اٰبار او اکثر من ذلک لایخرج من الاولی والثانیۃ طاھرا بالاجماع ویخرج من الثالثۃ طاھرا عند ابی حنیفۃ ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہما والمیاہ الثلثۃ نجسۃ لکن نجاستہا علی التفاوت علی ماذکرنا وعند ابی یوسف کلہا نجسۃ والرجل نجس سواء انغمس لطلب الدلو او الاغتسال وعندھما ان انغمس لطلب الدلو او التبرد فالمیاہ باقیۃ علی حالہا[1] الخ وکیف تبقی علی حالہا والفرض ان علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ **الا** ان یقال انتھی الکلام علیہا الی قولہ المیاہ کلہا نجسۃ والرجل نجس وقولہ سواء انغمس لطلب الدلو الخ بیان لعدم اقتصار الحکم عند ابی یوسف علی النجاسۃ الحقیقیۃ بل کذلک الحکمیۃ کما قدمنا ان عند ابی یوسف ھو نجس ولا یخرج طاھرا ابدا فلما استطرد ھذا بان خلاف الطرفین فیہ ان ھذا التعمیم لیس عندھما ویکون ان

میں کہتا ہوں اس پر اشکال یہ ہے کہ انہوں نے یہ حکم اس شخص کا بیان کیا ہے جس کے بدن پر حقیقی نجاست ہو، ان کی عبارت اس طرح ہے" پس اگر وہ پاک نہیں ہے تو یا تو اس کے بدن پر حقیقی نجاست ہوگی، اور وہ جنب ہوگا یا نہیں، ایسا شخص اگر تین کنوؤں میں غوطہ لگائے یا زیادہ میں تو پہلے اور دوسرے سے بالاجماع پاک نہیں نکلے گا اور تیسرے سے ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک پاک نکلے گا اور تینوں پانی نجس ہیں، مگر ان کی نجاست مختلف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور ابو یوسف کے نزدیک سب نجس ہیں، اور انسان بھی نجس ہے، خواہ اس نے ڈول نکالنے کےلئے غوطہ لگایا ہو یا غسل کرنے کے لیے، اور طرفین کے نزدیک اگر ڈول نکالنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تو پانی اپنی حالت سابقہ پر باقی ہے الخ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ اُس کے بدن پر حقیقی نجاست ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ان کا کلام المیاہ کلہا نجسۃ والرجل نجس پر پورا ہوا اور ان کا قول سوا انغمس لطلب الدلو الخ اس امر کا بیان ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک حکم نجاستِ حقیقیہ پر مقصور نہیں ہے بلکہ حکمیہ کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ابو یوسف کے نزدیک انسان ناپاک ہے تو کبھی پاک نہ ہوگا، اس سے

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الکلام المستطرد اذن فی النجاسۃ الحکمیۃ فکیف یقول عندھما ان انغمس لطلب الدلو او التبرد فالمیاہ باقیۃ علی حالھا فان عند الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ یصیر الماء مستعملا بازالۃ الحدث وان لم ینو بل کذلک عند محمد ایضا عند التحقیق وقد قال فی البدائع[1] فی اٰدمی وقع فی البئر ان کان علی بدنہ نجاسۃ حکمیۃ فعلی قول من جعل ھذا الماء مستعملا والمستعمل نجسا ینزح ماء البئر کلہ کما تقدم فاذا کان ھذا فی الواقع بلا قصد فکیف فی المنغمس قصدا للتبرد ثم قد اتی[2] بشق النجاسۃ الحکمیۃ بعد ھذا وصرح فیہ بالحکم الصحیح علی خلاف ماھنا کما سیاْتی وان حمل ماھنا علی الضرورۃ فمع بعدہ یاباہ قولہ اوالتبرد الا ان یقال انھم قد ادخلوہ فیھا کما یاْتی فبناء علی ھذا التسامح یصح ھذا الحمل غیرانہ لایسلم فان زید الاستطراد حتی یشمل الطاھر فمع ان التعمیم المذکور فی قول الامام الثانی سواء انغمس الخ لم یکن لیشملہ قطعا یعکر علیہ ان الشمول لایخرج المحدث فکیف یصح اطلاق الحکم بان المیاہ باقیۃ علی حالھا ولا

معلوم ہوا کہ اس میں طرفین کا خلاف ہے، کہ یہ تعمیم اُن دونوں کے نزدیک نہیں ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ کلام مستطرد نجاست حکمیہ کی بابت ہے تو پھر یہ کیسے فرمایا کہ طرفین کے نزدیک اگر ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تو پانی اپنی حالت پر باقی ہیں کیونکہ امام کے نزدیک پانی حدث کے ازالہ سے مستعمل ہوجائیگا اگرچہ اُس نے نیت نہ کی ہو، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، بدائع میں ہے کہ اگر کوئی انسان کنویں میں گر گیا تو اگر اس کے بدن پر نجاست حکمیہ ہے تو جو لوگ اس پانی کو مستعمل قرار دیتے ہیں اور مستعمل کو نجس کہتے ہیں تو انکے نزدیک کنویں کا کُل پانی نکالا جائیگا جیسا کہ گزرا، اور جب یہ حکم بلا قصد گرنے والے کا ہو تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے قصداً غوطہ لگائے، پھر انہوں نے نجاست حکمیہ والی شق کا ذکر کیا ہے اور وہاں انہوں نے یہاں کے برعکس حکم صحیح کی صراحت کی، جیسا کہ آئے گا، اور اگر یہاں جو کچھ ہے اس کو ضرورت پر محمول کرلیا جائے تو یہ بعید ہونے کے علاوہ اُن کے قول اوللتبرد کے مناقض ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس کو بھی اسی میں شامل کرلیا ہے، جیسا آئے گا۔ تو اس تسامح کی بنیاد پر یہ حمل صحیح ہے لیکن محفوظ نہیں، اور اگر استطراد کو زاید کیا جائے اتنا کہ طاہر کو بھی شامل ہوجائے تو ایک تو امام ثانی کے قول کی تعمیم "سواء"

[1] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

وجه لتخصيص الحكم بالطاهر فان الكلام مسوق في شق وان لم يكن طاهرا وقد قدم حكم الطاهر من قبل وبالجملة فالعبارة ههنا فيما وصل اليه فهمي القاصر لا تخلو عن قلق وحزازة ولعله وقع فيها من قلم الناسخين تغيير وتقديم وتاخير وكم له من نظير فليتأمل والله تعالى اعلم بمراد خواص عباده.

الغمس کے" اس کو قطعاً شامل نہیں، پھر اس پر یہ بھی اشکال ہے کہ شمول بے وضو کو نہیں نکالے گا تو یہ مطلق حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام پانی اپنی حالت پر باقی ہیں، اور حکم کو پاک کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گفتگو اس شق سے متعلق ہے کہ اگر پاک نہ ہو حالانکہ پاک کا حکم پہلے ہی گزر چکا، اور خلاصہ یہ کہ میری ناقص فہم میں یہاں عبارت اضطراب سے خالی نہیں، اور شاید اس میں ناسخین سے کچھ تغیر، تقدیم یا تاخیر واقع ہوئی ہے، اور اس کی بہت نظائر ہیں، غور کر اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اپنے خاص بندوں کے ارادوں کو۔

الخامس عشر ثم قال قدس سرہ تحت قوله الماء وان كان على يده نجاسة حكمية فقط ما نصه واما حكم المياه فالماء الاول مستعمل عند ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه لوجود ازالة الحدث والبواقي على حالها لانعدام ما يوجب الاستعمال اصلا (اي لان الصورة مفروضة في الانغماس للتبرد او طلب الدلو فلا نية قربة والحدث قد زال بالاول) وعند ابي يوسف ومحمد المياه كلها على حالها اما عند محمد فظاهر لانه لم يوجد اقامة القربة بشيئ منها واما ابو يوسف فقد ترك اصله عند الضرورة على ما يذكر[1] اھ فقد افاد ان لو وجدت نية القربة لصار الماء مستعملا عند الامام الربانی

پندرھواں، پھر انہوں نے آگے گزرے ہوئے قول "وان كان على يده نجاسة حكمية فقط" کے تحت فرمایا بہر حال پانی، تو پہلا پانی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ اس میں حدث کا ازالہ پایا جاتا ہے اور باقی اپنے حال پر باقی ہیں کہ وہاں کوئی ایسا سبب موجود نہیں جس کی بنا پر ان کو مستعمل قرار دیا جائے (یعنی مفروضہ تو یہ ہے کہ ٹھنڈک حاصل کرنے یا ڈول کی طلب میں غوطہ لگایا اور قربۃ کی نیت نہیں ہے، اور حدث پہلے ہی سے زائل ہو گیا) اور ابو یوسف اور محمد کے نزدیک کل پانی اپنی حالت پر ہیں، محمد کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان سے قربۃ ادا نہیں کی گئی ہے اور ابو یوسف نے ضرورت کی وجہ سے اپنی اصل کو چھوڑا ہے جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے اھ پس انہوں نے بتایا کہ اگر قربۃ کی نیت ہو گی تو پانی مستعمل ہو گا

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطهارة الحقیقیة سعید کمپنی کراچی ١/٧٠

ايضا بل هو كذلك فان التحقيق انه لايقصر
الاستعمال على نية القربة كما تقدم ۔

اقول فهذه صرائح نصوص المسألة
عن ائمة المذهب رضی الله تعالی عنهم اتی
بها ملك العلماء فلا يعارضها ما وقع منه
فی تعليل اوجدل اما الجدل فظاهر و
العلة ان صحت لزمت صحة الحكم ولا عكس
لجواز ان تكون هذه باطلة والحكم معللا
بعلة اخرى وههنا كذلك فان القول بنجاسة
المستعمل معلل بوجوه اخر ذكرت فی البدائع
نفسها والهداية والكافی والتبيين وغيرها
وهذا العلامة قاسم قد رد علی ملك العلماء
استدلاله بهذا الحديث فی رسالته هذه
وقد تقدم قوله انه لايطابق عمومه فروعهم
المذكورة فی الماء الكثير فيحمل على الكراهة
الخ۔ قال قبله حيث رد بعض كلام البدائع
قولا قولا قوله وروی عن النبی صلی الله تعالی
عليه وسلم انه قال لايبولن احدكم فی الماء
الدائم ولا يغتسلن فيه من الجنابة من غير
فصل بين دائم ودائم الخ يقال عليه
انظر هل انت من اكبر مخالفی هذا الحديث
حيث قلت انت ومشايخك انه يتوضؤ من
الجانب الاخر فی المرئية ويتوضؤ من
ای جانب كان فی غير المرئية كما اذا بال فيه
انسان او اغتسل جنب ام انت من العاملين

امام ربانی کے نزدیک، بلکہ حقیقۃً یہی ہے کیونکہ تحقیق
یہ ہے کہ مستعمل ہونا نیتِ قربت پر موقوف نہیں جیسا کہ گزرا۔

میں کہتا ہوں یہ تصریحات ہیں جو اس مسئلہ
میں ائمہ مذہب سے منقول ہیں، ان کو ملک العلماء
نے ذکر کیا ہے، ان کے معارض وہ عبارت نہیں
ہوسکتی ہے جو انہوں نے علّت کے بیان کے وقت یا
جدل کے طور پر بیان کی ہے، جدل کی بات تو ظاہر ہے
اور علّۃ اگر صحیح ہوتی تو حکم کی صحت کو لازم ہوگی، اور
اس کا عکس نہ ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ علت باطلہ
ہو اور حکم دراصل کسی اور علۃ کی وجہ سے ہو، اور یہاں
یہی صورتِ حال ہے، کیونکہ مستعمل پانی کی نجاست کا
قول دوسری علتوں کی وجہ سے ہے جو بدائع میں مذکور
ہیں، ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں بھی یہی ہے،
اور علّامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں ملک العلماء کے
اس حدیث سے استدلال پر رَد کیا ہے اور ان کا یہ قول
گزر چکا ہے کہ اس کے عموم اور ان کے مذکورہ فروع
میں مطابقت نہیں پائی جاتی ہے جو ماءِ کثیر سے متعلق
ہیں تو اس کو کراہت پر محمول کیا جائے گا الخ اور
اس سے قبل فرمایا جہاں انہوں نے بدائع کے بعض
کلام کو رد کیا ہے، اور ایک ایک بات کا رد کیا ہے
کہ ان کا قول کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے
پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ ہی اس میں غسل
جنابت کرے، اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے ایک
ٹھہرے ہوئے اور دوسرے ٹھہرے ہوئے کے درمیان الخ

به فانه لا اعجب ممن يستدل بحديث هو احد من خالفه اه وهذا ما اشار اليه بقول لا يطابق عمومه الخ

اس پر یہ کہا جائے گا غور کرو کیا تم اس حدیث کے بڑے مخالفین میں سے ہو۔ کیونکہ تم نے اور تمہارے مشایخ نے کہا ہے کہ اگر نجاست نظر آرہی ہو تو دوسرے کنارے سے وضو کرلے اور اگر نظر نہ آتی ہو تو جس کنارے سے چاہے وضو کرے، جیسے کسی انسان نے اس پانی میں پیشاب کیا یا جنب نے غسل کیا۔ یا تم اس حدیث پر عمل کرنے والوں میں سے ہو، اس سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہوگی کہ جو شخص اس حدیث کا مخالف ہے وہی اس حدیث سے استدلال بھی کرتا ہے اھ اور یہ ہے وہ بات جس کی طرف انہوں نے اپنے قول لا یطابق عمومہ میں اشارہ کیا تھا الخ

اقول رحمكم الله جاوزتم الحد في الاخذ والرد **فاولا** ما قالوه انما هو في الكثير والكثير ملحق بالجاري والحديث في الدائم **ثانيا** الكراهة ان اريد بها كراهة التحريم لم يلائم قوله وبذلك اخبر راوي الخبر قال كنا نستحب الى اخر ما مر مع انها لا تفيد كم اذ لو لم يتغير به الماء لم يكن وجه للنهي عنه الا ترى ان الماء الكثير لعدم تغيره يجوز الاغتسال فيه اجماعا كما في البدائع وقد استدل هو على نجاسة الماء المستعمل وشيخكم المحقق على الاطلاق على انسلاب الطهورية عنه بهذا النهي المفيد كراهة التحريم وان اريد بها كراهة التنزيه فعدول عن الحقيقة من دون ضرورة ملجئة ولا يلائمها نون التاكيد في قوله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يغتسلن وقد دفع العلامة الاكمل في العناية كراهة التنزيه بان تقييده بالدائم ينافيه فان الماء الجاري

میں کہتا ہوں اللہ تم پر رحم کرے تم نے قبول کرنے اور رد کرنے دونوں میں حد سے تجاوز کیا ہے، اول تو یہ کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے وہ کثیر پانی کی بابت ہے اور کثیر جاری کے حکم میں ہے اور حدیث ٹھہرے ہوئے پانی سے متعلق ہے۔

ثانیاً اگر کراہت سے مراد کراہت تحریم ہے تو یہ ان کے قول کے موافق نہ ہوگی، اور اسی کی خبر حدیث کے راوی نے دی فرمایا "کنا نستحب الخ" پھر یہ آپ کے لیے مفید نہیں، اس لیے کہ اگر اس کی وجہ سے پانی میں تغیر نہ ہوتا تو اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، مثلاً کثیر پانی کہ وہ متغیر نہیں ہوتا اس سے غسل کرنا بالاجماع جائز ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے اور اس نے خود اس سے مستعمل پانی کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے اور آپ کے شیخ محقق نے پانی سے طہوریت کے سلب ہوجانے پر استدلال کیا ہے" اور دلیل یہی نہی ہے جو کراہت تحریمی کو ظاہر کرتی ہے اور اگر اس سے کراہت تنزیہی کا ارادہ کیا جائے تو یہ حقیقت سے بلا ضرورت کے انحراف کرنا ہے

يشاركه فی ذلك المعنی فان البول كما انه ليس بادب فی الماء الدائم فكذلك فی الجاری فلايكون للتقييد فائدة وكلام الشارع مصون عن ذلك[1] اھ وقد قال فی المجتبی اما البول فيه فمكروه قليلاً كان اوكثيراً دائماً اوجارياً وسمی ابوحنيفة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ من يبول فی الماء الجاری جاھلا[2] اھ كما فی ابن الشلبی علی التبيين۔

اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لایغتسلن میں جو نُون تاکید ہے اس سے بھی اس کی مطابقت نہیں، اور علامہ اکمل نے عنایہ میں کراہت تنزیہ کو دفع کرتے ہُوئے فرمایا کہ اس کو "دائم" کی قید سے مقید کرنا اس کے منافی ہے کیونکہ جاری پانی بھی اس کا شریک ہے کراہتِ تنزیہ میں۔ کیونکہ پیشاب کرنا ٹھہرے ہُوئے پانی میں خلافِ ادب ہے اس طرح جاری پانی میں مکروہ ہے تو مقید کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اور شارع کا کلام اس سے محفوظ ہے اھ اور مجتبی میں ہے کہ پانی میں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، ٹھہرا ہوا ہو یا جاری، پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور ابوحنیفہ نے جاری پانی میں پیشاب کرنے والے کو جاہل کہا ہے اھ جیسا کہ ابن شلبی علی التبیین میں ہے۔

اقول المقرر عندنا ان نصوص الشارع لانظر فيها الی مفهوم الخلاف ويجوز ان يكون ذكر الدائم نظراً الی الحكم الثانی هو النهی عن الاغتسال **وثالثا** ھب انهم لم يعملوا فی بعض الصور باطلاقه فليس من قيد اطلاقاً اوخصص عموماً لدليل لاح ممنوعاً عن التمسك به فی شیئ اٰخر ھذا وكذا عدم استعمال الماء بوقوع محدث فی البئر عند محمد علی تسليمه لم لاتعللونه بما تقرر عندكم وصرحتم به غيرمرة ان محمداً لايقول بالاستعمال الابنية القربة وای نية للساقط وانتم المصرحون كما تقدم ان الطاهر ان انغمس

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک طے شدہ اصول یہ ہے کہ شارع کے نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، یہ جائز ہے کہ دائم کی قید دوسرے حکم کے لحاظ سے ہو، یعنی غسل کی ممانعت۔

ثالثاً مان لیا کہ بعض صورتوں میں انہوں نے اس کے اطلاق پر عمل نہیں کیا ہے تو جس نے کسی مطلق کو مقید کیا ہو یا عام کو خاص کیا ہو کسی دلیل کی بناء پر اس کو یہ ممنوع نہیں ہے کہ وہ اس جگہ سے کسی اور چیز کا استدلال کرے، اور اسی طرح پانی کا مستعمل نہ ہونا کسی محدث کے کنویں میں گر جانے کی وجہ سے محمد کے نزدیک اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تو آپ اس کی علت وہ کیوں نہیں بتاتے ہو جو تمہارے نزدیک مقرر ہے اور

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴
[2] شلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ ببولاق مصر ۱/۲۱

فیھا للاغتسال صار الماء مستعملا عند اصحابنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فلم لم یقل محمد ثم ان غیر المستعمل اکثر فلا یخرج عن کونہ طھورًا۔

تم نے ایک سے زائد مرتبہ اس کی وضاحت کی ہے کہ محمد فرماتے ہیں کہ پانی اسی وقت مستعمل ہوگا جب قربۃ کی نیت ہو، اور جو پانی میں گر جائے اس کی کیا نیت ہوگی؟ اور تم نے تصریح کی ہے جیسا کہ گزرا کہ اگر پاک آدمی کنویں میں غوطہ لگائے نہانے کے لیے تو پانی ہمارے اصحاب ثلثہ کے نزدیک مستعمل ہو جائے گا، تو محمد نے کیوں نہیں کہا پھر غیر مستعمل اکثر ہے تو طہور رہنے سے خارج نہ ہوگا۔

السادس عشر الروایۃ الصحیحۃ المعتمدۃ فی مسألۃ حط رابعتہ لہ تشملھا الحروف وھی طم ای ان الرجل طاھر زال حدثہ والماء طاھر غیر طھور قال فی الھدایۃ والکافی والتبیین[1] والسراج وغیرھا انھا اوفق الروایات وفی الدر[2] انہ الاصح وفی الفتح وشرح المجمع انھا الروایۃ المصححۃ[3] وفی البحر انہ المذھب المختار وانہ الحکم علی الصحیح[4] فانقطعت الشبھۃ رأسا واستقر بحمد اللہ عرش التحقیق علی ان الاستعمال یشیع فی الماء القلیل سریان النجاسۃ۔

سولھواں صحیح روایت اور معتمد روایت مسئلہ حط میں چوتھی ہے اس کو حروف شامل نہیں اور وہ طم ہیں یعنی انسان پاک ہے اس کا حدث زائل ہوگیا ہے اور پانی پاک تو ہے مگر طہور (پاک کرنے والا) نہیں ہے، ہدایہ، کافی، تبیین اور سراج وغیرہا میں ہے کہ یہ تمام روایتوں میں سب سے زیادہ جامع ہے، اور دُر میں اسی کو اصح کہا، اور فتح اور شرح مجمع میں کہا کہ یہی مصححہ روایت ہے اور بحر میں اسی کو مذہب مختار قرار دیا ہے اور یہ کہ صحیح قول کے مطابق حکم یہی ہے تو شبہ بالکل منقطع ہوگیا اور یہ امر محقق ہوگیا کہ مستعمل ہونا تھوڑے پانی میں اسی طرح سرایت کرتا ہے جس طرح نجاست سرایت کرتی ہے۔

السابع عشر فرق قدس سرہ فی الحدث والنجاسۃ حیث تشیع ولا یشیع

سترھواں قدس سرہ نے حدث اور نجاستہ میں فرق کیا ہے کہ نجاست سرایت کرتی ہے اور حدث

---

[1] شلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ ببولاق مصر ١/٢٥

[2] دُرمختار باب میاہ مجتبائی دہلی ١/٣٧

[3] بحرالرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ١/٩٧

[4] ایضاً ١/٩٨

بان النجس يختلط بالطاهر على وجه لا يمكن التمييز بينهما فيحكم بنجاسة الكل۔

سرایت نہیں کرتا ہے کیونکہ نجس پاک چیز کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے کہ دونوں میں امتیاز نہیں ہوسکتا ہے، تو کل پر نجاست کا حکم ہوگا۔

اقول اولاً[1] الوجه قاصر عن المدعى فرب نجس لا يختلط ورب نجس يختلط ويمكن التمييز فلم يسر الحكم الى جميع الماء القليل ارأيتم لو وقع فى الغدير شعرة من خنزير افلا يتنجس الا القدر الذى لاقاها اذ لا شئ هناك يختلط فلا يمكن التمييز هذا لا يقول به احد منا **فان قلت** تنجس بها ما وليها وهو مختلط بسائر الاجزاء بحيث لا يمكن التمييز **اقول** فصبغ نجس القى فى غدير يلزم ان لا ينجس الا ما ينصبغ به لحصول التمييز باللون **فان قلت** ما لم ينصبغ جاور المنصبغ فسرى الحكم الى الكل۔

میں کہتا ہوں اولاً وجہ مدعی سے قاصر ہے کہ بہت سے نجس مختلط نہیں ہوتے اور بہت سے نجس مختلط ہوتے ہیں اور ممتاز رہتے ہیں تو حکم قلیل پانی میں مکمل طور پر نہ ہوگا مثلاً تالاب میں خنزیر کا ایک بال گر جائے تو کیا صرف وہی نجس ہوگا جو بال سے متصل ہوا ہو کہ اس میں کوئی چیز مختلط ہونے والی نہیں پائی جاتی ہے لہذا امتیاز نہیں ہوسکتا ہے، یہ قول ہم میں سے کسی کا نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ اس سے وہ پانی نجس ہوگا جو اس سے متصل ہے اور وہ تمام اجزاء سے ملا ہوا ہے کہ تمیز ممکن نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تھوڑی سی نجس قے کا تالاب میں مل جانا اس امر کو مستلزم ہے کہ صرف اتنا پانی ہی نجس ہو جو اس میں ملا ہو کیونکہ یہاں رنگ کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوجائیگا۔ اگر کہا جائے کہ جو پانی قے سے آلودہ ہوگیا وہ اس پانی سے مل جائے گا جو آلودہ نہیں ہوا ہے اس طرح کل پانی نجس ہوگیا۔

اقول هذه طريقة اخرى غير ما سلك الامام ملك العلماء من ان الحكم بنجاسة الكل لعدم التمييز لا للسريان بالجوار وسيأتيك الرد عليها فى المائع وقد انكرها فى البدائع بقوله قدس سره الشرع ورد بتنجيس جار النجس لا[2] بتنجيس جار جار النجس الا ترى ان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم حكم بطهارة

میں کہتا ہوں یہ ملک العلماء کے راستے کے علاوہ ایک اور راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کل پانی کی نجاست کا حکم عدم تمیز کی بنا پر ہے اس لیے نہیں کہ متصل پانی میں اس نے سرایت کی ہے، اس کی تردید آپ مائع کے بیان میں پڑھ لیں گے، اور بدائع میں اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت نے ناپاک کے متصل کے ناپاک ہونے کا حکم دیا ہے یہ نہیں کہ متصل کے متصل کی ناپاکی کا حکم دیا ہے مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ

ما جاور السمن الذی جاور الفارۃ وحکم بنجاسۃ ما جاور الفارۃ وھذا لان جار جار النجس لو حکم بنجاسۃ لحکم ایضا بنجاسۃ ما جاور جار جار النجس الی ما لانھایۃ لہ فیؤدی الی ان قطرۃ من بول او فارۃ لو وقعت فی بحر عظیم ان یتنجس جمیع مائہ لاتصال بین اجزائہ وذلک فاسد[1] اھ وقد کان سنح لی فی الرد علی ھذا ثلثۃ اوجہ ذکرتھا علی ھامش نسختی البدائع

اولھا (ف۱) التقریر فی الجامد فلا سرایۃ

وثانیھا (ف۲) الشرع جعل الکثیر والجاری لا یقبلان النجاسۃ مالم یتغیر احد اوصافھما والماء القلیل شیئ واحد ففیہ جار الجار جار

وثالثھا ذکر الشیخ الامام ھذا لابداء الفرق فی حکم الفارۃ والھر والشاۃ الواقعۃ فی البئر بنزح عشرین واربعین والکل بان الفارۃ یجاورھا من الماء عشرون دلوا لصغر جثتھا فحکم بنجاسۃ ھذا القدر لان ما وراءہ لم یجاور الفارۃ بل جاور ما جاور الفارۃ و(ف۳) الشرع ورد الی اخر ما مر فکیف علیہ ان لو فرض عدم التنجیس بالفارۃ الا لقدر عشرین لزم فساد الکل للاختلاط بحیث لا یمتاز ثم رأیت العلامۃ ابن امیر الحاج ذکر فی الحلیۃ الوجھین الاولین بعبارات مطنبۃ مفیدۃ کما ھو دابہ رحمہ اللہ تعالٰی۔

علیہ وسلم نے اُس پانی کے پاک ہونے کا حکم دیا جو اس گھی سے متصل ہے جو چُوہے سے متصل ہے اور جو گھی چُوہے کے متصل ہے وہ ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نجس کے متصل کا متصل اگر اس پر نجاستہ کا حکم لگایا جائے تو جو متصل کے متصل کے ساتھ متصل ہوگا اس پر بھی نجاست کا حکم لگایا جائے گا اور یہ سلسلہ لامتناہی چلے گا، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ یا چُوہیا بڑے سمندر میں گرجائے تو تمام کا تمام پانی ناپاک ہوجائے کیونکہ پانی کے تمام اجزاء ایک دُوسرے سے متصل ہیں، اور یہ غلط ہے اھ میں نے اس کی تردید تین طرح کی ہے، اور یہ وجوہ میں نے اپنے بدائع کے نسخہ کے حاشیہ پر ذکر کی ہیں:

(۱) گفتگو جامد چیز میں ہے تو سرایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) شریعت نے کثیر اور جاری پانی کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف میں تبدیلی نہ ہوجائے اور تھوڑا پانی شیئ واحد ہے، اس میں متصل کا متصل، متصل ہے۔

(۳) شیخ امام نے یہ اس لیے بیان کیا ہے کہ چُوہیا، بلّی اور بکری جو کنویں میں گرجائے ان کے حکم میں فرق ظاہر ہوجائے، بیس، چالیس ڈول اور

---

[1] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی یصیر المحل نجساً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

فقال فی الاول معلوم ان الماء لیس بشیئ کثیف یمنع کثافته سریان النجاسة الواقعة فیه من محلها الذی حلت به الی غیرہ کما فی السمن الجامد لیقع الاقتصار فی التنجیس علی الجار المتصل دون غیرہ بل ھو مائع رقیق لطیف تعین لطافته ورقة اجزائه مع الاضطراب العارض له بواسطة الاخذ منه علی سرایة النجاسة الی سائر اجزائه ثم ذکر الثانی بعد کلام اٰخر[1]

کل پانی نکالا جائے گا۔ چوہیا کے ساتھ پانی کے بیس ڈول متصل ہیں کیونکہ اس کا جسم چھوٹا ہے تو اتنی ہی مقدار پانی کی نکالی جائے گی کیونکہ اس مقدار کے علاوہ پانی چوہیا کے متصل نہیں ہے بلکہ جو چوہیا سے متصل ہے اس کے متصل ہے اور حکم شرع اس کی مثل وارد ہوا ہے الخ میں نے اس پر لکھا ہے کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ چوہیا سے صرف بیس ڈولوں کی مقدار نجس ہوگی تو کل کا فساد لازم آئے گا کہ اختلاط ہوا ہے اور امتیاز ختم ہوگیا۔ پھر میں نے علامہ ابن امیر الحاج کو دیکھا کہ انہوں نے حلیہ میں دو پہلی وجوہ مفصل عبارات سے لکھی ہیں، جیسا کہ ان کا اسلوب ہے، پہلی میں فرمایا یہ معلوم ہے کہ پانی کثیف شئے نہیں کہ اس کی کثافت اس نجاست کی سرایت کو مانع ہو جو اس میں گری ہے، جیسا جامد گھی، تاکہ ناپاکی صرف متصل تک ہی محدود رہے دوسرے تک تجاوز نہ کرے، بلکہ پانی مائع ہے رقیق ہے لطیف ہے اس کی لطافت و اجزاء کی رقت عارض ہونے والے اضطراب کے ساتھ، دوسرے تمام اجزاء تک نجاست کے سرایت کرنے میں معاون ہے، پھر دوسری وجہ دوسرے کلام کے بعد ذکر کی۔ (ت)

والاٰن **اقول** السمن الجامد ھل یقبل التنجس بجوار النجس ام لا علی الثانی لم امر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بتقویر ماحول الفأرة وسلمتم نجاسته وعلی الاول اذا فرض ان جار النجس نجس وھلم جرا وجب تنجیس ما یجاور ھذا المأمور بتقویرہ لکونه مجاورا لھذا النجس وان لم یجاور الفأرة فلا یجدی الفرق باللطافة والکثافة بل لقائل ان

اور اب میں کہتا ہوں منجمد گھی نجس کے ملنے کی وجہ سے نجس ہونے کو قبول کرے گا یا نہیں! دوسری تقدیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہیا کے ارد گرد کے گھی کو دُور کرنے کا حکم کیوں فرمایا اور تم نے اس کی نجاست تسلیم کرلی، اور پہلی تقدیر پر جب یہ فرض کیا گیا کہ نجس کا پڑوسی نجس ہے اور ھلم جرا تو جو حصہ صفائی والی جگہ سے ملا ہوا ہے اسکو نجس کرے گا کیونکہ وہ اس نجس کے مجاور ہے اگرچہ چوہیا کے مجاور نہیں تو لطافت وکثافت کا فرق کچھ مفید نہ ہوگا، بلکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے

---

[1] حلیہ

ف ١

يقول اذا تنجس السمن حولها فما يجاور هذا السمن ليس جار جار النجس بل جار النجس وهكذا الى الاخر فان فرق بان السمن متنجس لا نجس وجار النجس يتنجس لا جار المتنجس لزم ان لا يتنجس الماء اذا القى فيه هذا السمن بعد التقوير لانه لاقى متنجسا لا نجسا وبه يظهر ما فى كلام ملك العلماء و يطوى هذا البساط من اوله۔

ف ٢

فاقول وبالله التوفيق ليس سبب

ف ٣

تنجس الطاهر مجاورته لنجس الا ترى ان لو لف ثوب نجس فى ثوب طاهر لم يتنجس الطاهر اذا كانا يابسين بل ولا اذا كانت فى النجس بقية نداوة يظهر بها فى الطاهر مجرد اثر كما فى الدر والشامى وبيناه فى فتاونا بل هو اكتساب الطاهر حكم النجاسة عند لقاء النجس وذلك يحصل فى الطاهر المائع القليل بمجرد اللقاء وان كان النجس يابسا لا بلة فيه وفى الطاهر الغير المائع بانتقال البلة النجسة اليه فلا بد لتنجيسه من بلة تنفصل ثم يختلف الامر باختلاف جرم الطاهر لطافة وكثافة فالسراية فى اللطيف اكثر منها فى الكثيف وكذلك قد يختلف باختلاف زمن التجاور اذا عرفت هذا فالسمن يقور ويلقى منه قدر ما يظن سراية البلة النجسة اليه ويبقى الباقى طاهرا لان التنجس لم يكن

کہ جب چوہیا کے اردگرد گھی نجس ہوگیا تو جو اس گھی کے مجاور ہے وہ نجس کے متصل کا متصل نہیں ہے بلکہ نجس کا متصل ہے اور اسی طرح اخیر تک، اگر یہ فرق کیا جائے کہ گھی متنجس ہے، نجس نہیں ہے اور نجس کا متصل نجس ہوتا ہے نہ کہ متنجس کا متصل، تو لازم آئے گا کہ پانی اس وقت نجس نہ ہو جب اس میں یہ گھی نتھارنے کے بعد ملایا جائے کیونکہ اس کی ملاقات متنجس سے ہوئی نجس سے نہیں ہوئی۔ اس سے ملک العلماء کے کلام کی خامی ظاہر ہوجاتی ہے اور بساط ابتداً سے لپیٹ دی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق، پاک کا ناپاک ہونا اس لیے نہیں ہے کہ وہ ناپاک سے متصل ہے، مثلاً یہ کہ اگر ایک نجس کپڑا پاک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے تو پاک ناپاک نہ ہوگا، اگر وہ دونوں خشک ہیں بلکہ اس صورت میں بھی نجس نہ ہوگا جبکہ ناپاک میں تری باقی ہو جس کا محض اثر پاک پر ظاہر ہو، جیسا کہ دُر اور شامی میں ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے بلکہ وہ پاک کا نجاست کے حکم کو حاصل کرنا ہے نجس کے ملنے سے اور یہ اس پاک میں ہوتا ہے جو مائع اور قلیل ہو، اور یہ محض ملنے سے ہوگا اگرچہ نجس خشک ہو اور اس میں تری نہ ہو، اور طاہر غیر مائع میں نجس تری اس کی طرف منتقل ہوگی تو اس کو ناپاک کرنے کے لیے تری کا ہونا ضروری ہے جو اس سے جدا ہو، پھر معاملہ پاک کے جرم کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوگا، یعنی لطافت و کثافت کے اعتبار سے، تو لطیف میں بہ نسبت کثیف کے سرایت زیادہ ہوگی، اور اسی طرح یہ اختلاف اتصال کے زمانہ کے اختلاف سے بھی پیدا

لمجاورۃ النجس حتی یقال ان السمن الذی بعدہ مجاور لھذا النجس بل لسرایۃ البلۃ وقد انتھت فظھران استشھاد [ف۱] ملک العلماء بمسألۃ السمن علی التفرقۃ بین الفأرۃ وما فوقھا لاوجہ لہ وانما الاٰبار تتبع الاٰثار وما احسن ما قال المحقق رحمہ اللہ تعالٰی فی فتح القدیر فی مسائل البئر من الطریق ان یکون الانسان فی ید النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنھم کالاعمٰی فی ید القائد[۱] اھ نسأل اللہ تعالٰی حسن التوفیق اٰمین

ہوتا ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو گھی کو نتھارا جائے گا اور اس میں سے اتنی مقدار پھینک دی جائے گی جتنی اس کی طرف نجس تری کی سرایت کا گمان ہو اور باقی پاک رہے گا کیونکہ ناپاک ہونا نجس کے اتصال کی وجہ سے نہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ اس کے بعد والا گھی اس نجس کے مجاور (متصل) ہے بلکہ اس کی نجاست تری کے اس کی طرف آجانے کی وجہ سے ہے اور تری ختم ہو چکی ہے، تو معلوم ہوا کہ ملک العلماء کا استشہاد گھی کے مسئلہ سے چوہیا اور اس سے بڑے جانور کے مسئلہ میں اختلاف کو ثابت کرنے کے لیے بلا وجہ ہے اور بیشک کنویں آثار کے تابع ہوتے ہیں، اور محقق نے فتح القدیر میں خوب فرمایا کنویں کے مسئلہ میں، صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ میں اس طرح ہاتھ دے دے جیسے اندھا اپنے قائد کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے، ہم اللہ تعالٰی سے احسن توفیق کے سائل ہیں۔

وثانیا وھو [ف۲] الثامن عشر

لیس مذھبنا ان النجس اذا وقع فی الماء القلیل لم ینجس منہ الا ما اتصل بہ عینا والباقی باق علی طھارتہ وانما یمتنع استعمالہ مخافۃ استعمال النجس لاختلاطہ بہ بحیث لا یمکن التمییز بل المذھب قطعا شیوع النجاسۃ فینجس الکل وحینئذ۔

اور ثانیاً (اور یہی اٹھارھواں ہے) ہمارا مذہب یہ نہیں ہے کہ جب نجاست تھوڑے پانی میں گر جائے تو صرف وہی پانی ناپاک ہوگا جو اس سے متصل ہے اور باقی پاک رہے گا اور اس کا استعمال اس لیے ممنوع ہوگا کہ کہیں اس میں ناپاک مل کر نہ آجائے اور پتا نہ چل سکے، بلکہ قطعی مذہب یہ ہے کہ نجاست تمام کو شامل ہوگی۔

اقول ماذا یشیع [ف۳] من النجاسۃ عینھا ام حکمھا ای یکتسب الماء بمجاورتھا حکمھا الاول باطل قطعا لما علمت من انجاس لا تختلط وایضا قطرۃ من بول مثلا کیف تمتزج بغدیر کبیر غیر کبیر فان قسمۃ الاجسام

اور اس صورت میں میں کہتا ہوں کہ نجاست کے عموم سے کیا مراد ہے کیا عین نجاست عام ہوگی یا اس کا حکم عام ہوگا؟ یعنی قریبی پانی پر بھی اس کا حکم لاگو ہوگا، پہلی صورت تو قطعاً باطل ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ نجاستوں میں اختلاط نہیں پایا جاتا ہے

[۱] فتح القدیر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۶

متناهية عندنا فيستحيل ان يكون في الصغير
ما يساوي عدة حصص الكبير وللثاني وجهان
الانتقال التدريجي اى يكتسب الحكم ما يليها من
الماء من كل جانب ثم الاجزاء التي تلي هذه
المياه تكتسب من هذه ثم وثم الى ان ينتهي
الى جميع الماء ما لم يبلغ حد الكثرة ام الثبوت
الدفعي بان ينجس الكل بوقوع النجس معا من
دون توسيط وسائط الاول باطل لانا نعلم
قطعا ان بوقوع قطرة من بول مثلا في هذا
الطرف من غدير طوله مائة ذراع وعرضه ذراع
الانصف اصبع وعمقه الف ذراع يتنجس الطرف
الاخر واخر القعر معا لا ان الشرع يحكم بتأخر
تنجس ذلك الطرف بزمان صالح لانتقال
الحكم شيئا فشيئا فاذن ثبت ثبوت الحكم للكل
معا اصالة بدون توسط ومعلوم من
الشرع ان الماء لا ينجسه الا ملاقاة النجس
وقد افدتم انتم ههنا ان ملاقاة النجس الطاهر
توجب تنجيس الطاهر وان لم يغلب على
الطاهر فوجب ان الملاقاة حصلت لكل
الماء دفعة لا بالوسائط ومعلوم قطعا ان
اللقاء الحسي ان الوقوع ليس الا لجزء خفيف
والامر اظهر في نحو الشعرة المذكورة فثبت
انها حين وقعت لاقت جميع اجزاء الماء
القليل والا لما تنجس الكل مع عدم السبب
فظهر ولله الحمد ان الماء القليل في نظر

مثلاً پیشاب کا ایک قطرہ ایک بڑے تالاب سے کیسے
مختلط ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام کی تقسیم
متناہی ہے، تو یہ امر محال ہے کہ چھوٹی چیز بڑی چیز
کے متعدد حصوں سے مل جائے اور دُوسری شق میں بھی دو
صورتیں ہیں، ایک تو تدریجی انتقال ہے، یعنی جو پانی
نجاست کے متصل ہے وہ حکم کو حاصل کرلے ہر طرف
سے، پھر اس سے متصل پانی کے دوسرے اجزاء ان
سے حکم کو حاصل کرلیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری
رہے جب تک کہ یہ حکم تمام پانی کو عام نہ ہو جائے،
جب تک حدِ کثرت کو پانی نہ پہنچے یا انتقال دفعۃً اور
یکدم ہو کہ نجاست گرتے ہی سارا پانی ناپاک ہو جائے
اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ آئے، پہلا باطل ہے
کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ
ایسے حوض میں گر جائے جس کی لمبائی سَو ہاتھ ہے اور
چوڑائی ایک ہاتھ سے ایک انگلی کم اور گہرائی ایک ہزار
ہاتھ ہے اب جس کنارے میں وہ قطرہ گرا ہے وہ قطعاً
ناپاک ہے اور دوسرا کنارہ بھی ناپاک ہے اور گہرائی کا
آخری حصہ تک ناپاک ہے اور یہ سب بیک وقت ہوگا
یہ نہیں کہ شریعت دوسرے کنارے کی ناپاکی کا حکم
قدرے تاخیر سے دے گی کہ آہستہ آہستہ حکم اس کی
طرف منتقل ہو، اس سے معلوم ہُوا کہ حکم اصالۃً تمام پانی کیلئے
بیک وقت بلا توسط کے منتقل ہوگا، اور یہ بات معلوم ہے
کہ شریعت پانی کو اس وقت تک نجس قرار نہیں دیتی ہے
جب تک کہ نجاست اس کی طرف منتقل نہ ہو اور آپ
نے یہاں فرمایا ہے کہ نجس کا پاک سے ملنا پاک کو نجس

الشرع کشیئ واحد بسیط وان ملاقاۃ جزء منہ
ملاقاۃ للکل [ف۱] فثبت ان المحدث اذا ادخل یدہ
مثلا فی الغدیر الغیر الکبیر فبمجرد الادخال
لاقاھا الماء کلہ فصار جمیعہ مستعملا والحمد
للّٰہ علی حسن التفھیم وتواتر آلائہ وبالجملۃ
لوکان اللقاء یقتصر علی ما اتصل بہ حقیقۃ
لم یتنجس بوقوع الشعرۃ الا قطیرات تحیطھا
لان سبب التنجیس لیس الا ملاقاۃ النجس
وھی مقصورۃ علی تلک القطیرات لکنہ باطل
قطعا فعلم ان الکل ملاق وانہ لا مساغ
لان یقال ان غیر الملاقی اکثر من الملاقی وللّٰہ الحمد
دائم الباقی، والصلٰوۃ والسلام علی المولی
الکریم الواقی، وآلہ وصحبہ اجمعین الی
یوم التلاقی۔

کردیتا ہے خواہ وُہ پاک پر غالب نہ ہُوا ہو تو معلوم ہُوا
کہ ملاقاۃ تمام پانی سے دفعۃً بلا واسطوں کے ہوئی ہے،
اور یہ قطعی معلوم ہے کہ یہ حسی لقاء محض ایک خفیف
جزئے سے ہے، یہ چیز بال کی مثال سے واضح ہے جو
گزر چکی ہے، اس سے ثابت ہُوا کہ جب وہ نجاست
گری تو کل پانی کے تمام اجزاء سے ملی، ورنہ تو تمام پانی
بیک وقت ناپاک نہ ہوتا کیونکہ اس کا سبب موجود
نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑا پانی شارع کی
نگاہ میں شئی واحد ہے اور بسیط ہے اور اس کے
ایک جزء کی اس سے ملاقاۃ کُل سے ملاقاۃ ہے
تو ثابت ہُوا کہ مُحدِث جب اپنا ہاتھ مثلاً چھوٹے
تالاب میں ڈالے تو ہاتھ ڈالتے ہی کُل پانی اُس سے
مل گیا تو سب مستعمل ہوگیا' اور خلاصہ یہ کہ اگر ملاقاۃ
صرف اسی حد تک ہوتی جس سے پانی حقیقۃً ملا ہے
تو بال گرنے سے صرف چند قطرات ہی نجس ہوتے جو بال کے گرد اگرد ہوتے کیونکہ ناپاکی کا سبب نجس سے ملاقاۃ
ہے جو ان چند قطروں تک محدود ہے، مگر یہ چیز قطعاً باطل ہے، تو معلوم ہُوا کہ سارے کا سارا مُلاقی ہے
اور اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ یہ کہا جائے کہ غیر مُلاقی، ملاقی سے زیادہ ہے۔ (ت)

[ف۲] ثالثا وھو التاسع عشر

قصر الحکم علی الملاقی یحیل الاستعمال، و
یسلکہ فی سلک المحال، وذلک لان الاجسام
لا تتلاقی الا بالسطوح لاستحالۃ تداخل
الاجسام وانی یقع السطح من الجسم فماء
الوضوء والغسل یجب ان یبقی طھورا لان
الذی لاقی منہ بدن المحدث سطح والباقی
جسم فلا یسلبہ الطھوریۃ لان المستعمل

ثالثاً، یہی (انیسواں) ہے حکم کا محض ملاقی
تک محدود رکھنا استعمال کو محال کرتا ہے کیونکہ اجسام
کی ملاقاۃ صرف سطوح سے ہوتی ہے، کیونکہ اجسام
میں تداخل محال ہے اور سطح کو جسم سے کتنی نسبت
ہے؛ تو وضو اور غسل کا پانی واجب ہے کہ طہور ہے
کیونکہ پانی کے جس حصے کو مُحدِث کا بدن ملا ہے وہ
فقط سطح ہے اور باقی جسم ہے تو وہ اس کی طہوریۃ
کو سلب نہ کرے گا، کیونکہ مستعمل، اپنے غیر سے

اقل بكثير من غيره -

فان قلت نعم هو الحقيقة ولكن الشرع المطهر اعتبر كل الجسم المصبوب على بدن المحدث مستعملا لانه شئ واحد متصل.

قلت فكذا كل ماء قليل شئ واحد حكما شرعيا متصل حسا عاديا ولم يكن ذلك في المصبوب للصب بل لقلته الا ترى ان ماء الغدير يتنجس كله معا بوقوع قطرة من نجس وما هو الا لانه شئ واحد لقاء جزء منه لقاء الكل كما بينا فبادخال المحدث يده في الاناء لاقاها كل ما في الاناء لا السطح المتصل بها فقط وفيه المقصود

فان قلت المؤثر الاستعمال وهو بالصب يعد مستعملا لكل المصبوب فيصير كله مستعملا -

قلت لا دخل لفعل المكلف عندنا انما المؤثر كون الماء القليل المعد وشرعا شيأ واحدا اسقط فرضا او اقام قربة وهذا حاصل في الوجهين -

ورابعا وهو العشرون ماء في طست اراد المحدث ان يغسل به يده فله فيه وجهان ان يصبه على يده فيرد الماء على الحدث او يدخل يده في الطست فيرد الحدث على الماء

بہت کم ہے۔

اگر کہا جائے کہ حقیقۃ تو ایسا ہی ہے لیکن شریعت نے کل پانی کو جو مُحدِث کے جسم پر بہایا گیا ہے مستعمل قرار دیا ہے کیونکہ وہ شیٔ واحد ہے اور متصل ہے۔

میں کہتا ہوں اسی طرح ہر تھوڑا پانی حکم شرعی کے اعتبار سے شیٔ واحد ہے اور حسی اعتبار سے متصل ہے اور یہ چیز بہائے پانی میں بہانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی قلت کی وجہ سے ہے، اس لیے تالاب کا کل پانی بیک وقت ناپاک ہوجاتا ہے جبکہ اس میں نجاست کا کوئی قطرہ گرجائے، اور یہ اسی لیے ہے کہ وہ شئے واحد کی طرح ہے، اُس کے ایک جُزء سے ملاقات کل سے ملاقات ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو جب مُحدِث نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا تو برتن میں جو کچھ تھا اُس سے ہاتھ کی ملاقات ہوگئی، یہ نہیں کہ صرف اس کی متصل سطح سے ملاقات ہوئی اور اسی میں مقصود ہے، اگر کہا جائے کہ استعمال میں مؤثر بہانا ہے تو کل بہایا ہوا مستعمل شمار ہوگا تو کل مستعمل ہوگا۔

تو میں کہوں گا ہمارے نزدیک مکلف کے فعل کا کوئی دخل نہیں، موثر تو صرف یہ ہے کہ تھوڑا پانی شرعاً ایک شئے ہے خواہ وہ فرض کو ساقط کرے یا قربۃ ادا کرے اور یہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔

اور رابعاً اور یہی (بیسواں) ہے، اگر ایک طشت میں پانی ہے اور مُحدِث یہ چاہتا ہے کہ اس سے اپنا ہاتھ دھوئے، تو اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو ہاتھ پر بہائے تو پانی حَدَث پر واقع ہوگا اور یا یہ کہ ہاتھ کو طشت میں ڈال دے

فان صبه كله على يده يصير كله مستعملا قطعا باجماع اصحابنا وان كان يكفيه بعضه وقد اسرف لكن لا مساغ لان يقال انما استعمل قدر ما يكفيه والفضل بقي على طهوريته فكذا اذا ادخل يده في كله وغسلها هناك واي فرق بينهما وبالله التوفيق۔

تو حدث پانی پر وارد ہو جائیگا تو اگر سب ہاتھ پر بہایا تو کل قطعاً مستعمل ہو جائے گا، اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے اگرچہ اس کو بعض کفایت کرتا، اور اس نے اسراف کیا مگر یہ کہنے کا جواز نہیں کہ صرف اتنی مقدار مستعمل ہوئی جو اس کو کفایت کرتی اور باقیماندہ اپنی طہوریۃ پر رہا تو اسی طرح جب اس نے اپنا ہاتھ سب پانی میں داخل کیا اور اس کو وہاں دھویا، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ و باللہ التوفیق۔

وخامسا اقول وبالله التوفيق **وهو الحادی والعشرون** الاستعمال مبنيا للمفعول ای صيرورة الماء مستعملا لا يمكن ثبوته لما يلاقي بدن المحدث وهو سطح الماء الباطن لان الاستعمال انسلاب الطهورية فلا يثبت الا فيما كان طهورا كما ان الموت لا يلحق الا ما كان حيا ومعلوم ان الطهورية صفة جرم الماء قال الله عز وجل وانزلنا من السماء ماء طهورا[1] وقال تبارك وتعالى وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به[2] لا صفة احد اطرافه التي لا وجود لها الا بالانتزاع على فرض اتصال الاجسام ولا في الغسل صفة طرف لا يتجزى لانه اسالة ولا اسالة الا بالجسم والا فغيم يمتاز عن المسح **وبعبارة اخرى** هل استعمال الماء عدم صلوحه للتوضي به ام سقوط

اور خامساً میں کہتا ہوں، و باللہ التوفیق، اور یہ (اکیسواں) ہے، استعمال مبنی للمفعول ہے یعنی پانی کے مستعمل ہونے کا ثبوت ممکن نہیں ہے اس چیز کے لیے جو بدن محدث کو ملاقی ہو اور وہ باطنی پانی کی سطح ہے اس لیے کہ استعمال کے بعد طہوریت کا سلب ہو جانا ہے تو یہ اسی چیز میں ثابت ہوگا جو طہور ہو، جیسے موت اُسی چیز پر طاری ہوتی ہے جو زندہ ہو اور یہ معلوم ہے کہ طہوریت پانی کے جسم کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا من السماء ماء طہورا (ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا) نیز فرمایا وینزل علیکم من السماء ماءً لیطہرکم بہ (وہ آسمان سے تم پر پانی برساتا ہے تاکہ تم کو اسی سے پاک کرے) یہ اس کی کسی طرف کی صفت نہیں ہے جس کا وجود محض انتزاعی ہے جبکہ اجسام کا اتصال فرض کیا جائے، اور نہ ہی غسل میں کسی طرف کی صفت ہے جس میں تجزی نہ ہو، اس لیے کہ غسل کا معنی

---

[1] القرآن ٢٥/٤٨

[2] القرآن ٨/١١

الصلوح بعد ثبوته على الاول كان الملاقی مستعملا
قبل ان یلاقی لان السطح لا یمکن التوضی به وعلی
الثانی لا یصیر الملاقی مستعملا ابدا لانه لم یکن صالحا
له قط وبه ظهر ولله الحمد ان فی مسائل انغماس
المحدث والفروع الکثیرة الناطقة بصیرورة
الماء مستعملا بدخول بعض عضو المحدث
من دون ضرورة صرف الکل الی معنی ان
القدر الملاقی للبدن یصیر مستعملا لا بقیة
ماء البئر او الزیر کما فعله فی الحلیة محتجا بما
وقع فی البدائع وتبعه البحر فی البحر صرف
ضائع لا مساغ له اصلا وفیه ابطال صرائح
النصوص الدائرة السائرة فی الروایات الظاهرة
عن جمیع ائمة المذهب رضی الله تعالٰی عنهم
حیث حکموا بالاستعمال وحصل بالصرف
ان لا استعمال فان صح تاویل الاثبات
بالنفی والنقیض بالنقیض صح هذا ورحم الله البحر
حیث صدر منه فی البحر الاعتراف بالحق ان
هذا التاویل لیس بتاویل بل تبدیل للحکم وتحویل
حیث عبر عنه تحت جحط بقوله ان ماء
البئر لا یصیر مستعملا مطلقا الخ[1] فهذا هو
معنی ذلک التاویل حقیقة ولا مساغ لما انصرف
الیه ان المستعمل ما تساقط عن الاعضاء و
هو مغلوب فان ما تساقط لم یلاق ایضا انما الملاقی
سطح وهو لا یقبل الاستعمال۔

بہانا ہے اور بہانا جسم پر ہی ہوگا ورنہ غسل مسح سے
کیونکر ممتاز ہوگا؟ اور بالفاظِ دیگر، آیا پانی کے مستعمل
ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اس بات کی صلاحیت
ہی نہیں ہے کہ اس سے وضو کیا جا سکے؟ یا صلاحیت
ثابت ہونے کے بعد ساقط ہوئی؟ پہلی صورت میں ملاقی
مستعمل ہوگا قبل اس کے کہ ملاقات کرے کیونکہ سطح سے
وضو ممکن نہیں اور دوسری تقدیر پر ملاقی کبھی مستعمل نہ ہوگا
کیونکہ اس میں اس کی صلاحیت کبھی نہ تھی، اور اس سے
معلوم ہوا کہ محدث کا غوطہ لگانا، اور بہت سی فروع
جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ضرورت محدث کے کسی بھی
عضو کے پانی میں داخل ہوجانے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے
بغیر اس معنی کی طرف پھیرنے کی ضرورت کے کہ
جس قدر پانی بدن سے ملا ہے وہ مستعمل ہوگا نہ کہ کنویں کا
باقی پانی یا تالاب کا باقی پانی، جیسا کہ حلیہ میں کیا ہے،
انھوں نے بدائع کی عبارت سے استدلال کیا ہے، اور
محقق نے بحر میں اس کی متابعت کی ہے۔ مگر اس کا
کوئی جواز نہیں، اور اس میں صریح نصوص جو تمام ائمہ
مذہب سے ظواہر روایت میں ہیں، کا ابطال ہے کہ ان
سب نے استعمال کا حکم لگایا ہے اور یہ معنی کرنے
سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانی مستعمل نہیں، اگر اثبات کی
تاویل نفی سے اور نقیض کی نقیض سے ہوسکتی ہے تو یہ بھی
صحیح ہے، علامہ محقق نے بحر میں منصفانہ بات کہی ہے
اور فرمایا ہے کہ یہ تاویل نہیں بلکہ حکم کی تبدیل ہے، کیونکہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

جمط کے تحت انہوں نے فرمایا کہ "کنویں کا پانی مستعمل نہ ہوگا مطلقاً الخ" یہ ہیں اُس تاویل کے حقیقی معنی، اور جو انہوں نے فرمایا ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں مستعمل وہ ہے جو اعضائے سے گرا اور وہ مغلوب تھا کیونکہ جو گرا اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی ملاقی تو صرف سطح ہے اور وہ استعمال کو قبول نہیں کرتی ہے۔

وسادساً وهو الثاني والعشرون

ما ذكر قدس سره على مذهب الامام رضي الله تعالى عنه من وجوب نزح الماء كله يهدم اساس الفرق بين النجاسة العينية والحدث اذ ليس في بدن المحدث ما يختلط بالطاهر على وجه لا يمكن التمييز وانما يتنجس ما يلاقي وقد قصرتموه على ما اتصل ببدنه فكان يجب ان لا يتنجس الا هو واختلاط ما جاوره من الماء بسائره يدفعه ما ذكرتم في الفرق بين الفأر والهر ولا يسرى لما افدتم من ان النجس هو جار النجس لا جار الجار لكن الامام اوجب نزح الكل فوجب القول بان الملاقي كل الماء واذن كما يتنجس كله عند الامام فيما يروى عنه كذلك تنسلب الطهورية عن كله على مذهبه المعتمد المفتى به لحصول السبب في الكل **وبعبارة اخرى** كما قال قدس سره على رواية الحسن الفرق بين المحدث والجنب كذلك نقول هنا ان بوقوع المحدث في البئر هل ثبت اللقاء للماء كله اولا على الثاني لم وجب نزح الجميع فقد افدتم ان الجوار لا يتعدى وعلى الاول حصل المقصود وبالجملة هنا

اور سادساً (اور وہ بائیسواں ہے) جو قدس سرہ نے مذہبِ امام پر ذکر کیا ہے کہ کل پانی نکالا جائے گا وہ نجاست عینیہ اور حَدَث کے فرق کی اساس کو منہدم کرتا ہے کہ بدن محدث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو طاہر سے اس طور پر مل جائے کہ تمیز ممکن نہ ہو، اور نجس صرف وہ ہوتا ہے جو اُس سے ملاقی ہو اور تم نے اس کو صرف اُس پر منحصر رکھا ہے جو اُس کے بدن سے ملتا ہے تو چاہئے کہ صرف وہی نجس ہو اور اس پانی کا اختلاط جو باقی بدن سے لگا ہے اس کو وہ فرق دفع کرتا ہے جو تم نے بلّی اور چُوہے میں بیان کیا ہے، اور وہ سرایت نہ کرے گا، کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ نجس وُہ ہے جو نجس کا پڑوسی ہے نہ کہ پڑوسی کا پڑوسی، لیکن امام نے کل پانی کے نکالے جانے کو ضروری قرار دیا ہے تو یہ قول لازم ہوا کہ ملاقی کل پانی ہے، اور اس صورت میں جیسے کل پانی امام کے نزدیک نجس ہوتا ہے جیسا کہ اُن سے مروی ہے اسی طرح طہوریۃ کل پانی سے سلب ہوجائے گی جیسا کہ اُن کا مذہب معتمد مفتی بہ ہے کیونکہ سبب کل میں موجود ہے، اور بالفاظِ دیگر جیسا کہ قدس سرہ نے فرمایا حسن کی روایت کے مطابق فرق محدث اور جنب کے درمیان میں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ محدث کے کنویں میں گرنے سے کیا کل پانی سے لقاء ثابت ہو گی یا نہیں؟ اور برتقدیر ثانی کنویں کا کل پانی نکالنا کیوں

شیأن السبب والحکم اما السبب فمتفق علیہ و
ھو اللقاء وانما الخلف فی الحکم انہ التنجس
او انسلاب الطھوریۃ فان اقتصر السبب
علی ما اتصل وجب قصر الحکم علیہ ای حکم
کان وان شمل احد الحکمین جمیع الماء ثبت
ثبوت السبب فی الکل فوجب شمول الحکمین
للکل وباللہ التوفیق۔

لازم ہوا کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ جوار متعدی نہیں ہوتا ہے،
اور پہلی تقدیر پر مقصود حاصل ہوگیا۔ اور خلاصہ یہ کہ
یہاں دو چیزیں ہیں، سبب اور حکم۔ سبب تو متفق علیہ
ہے اور وہ ملاقاۃ ہے اور اختلاف صرف حکم میں ہے
اور وہ ناپاک ہونا ہے یا طہوریت کا سلب ہونا ہے
اگر سبب متصل پر موقوف ہو تو حکم کا بھی اس پر مقصور کرنا
واجب ہوگا، جو بھی حکم ہو، اور اگر ایک حکم تمام پانی کو
شامل ہو تو سبب کل میں ہونا ثابت ہوجائے گا تو دونوں حکموں کا کل کو شامل ہونا لازم ہوگا، وباللہ التوفیق۔

وسابعا وھو الثالث والعشرون

افدتم ان الفأرۃ یجاورھا من الماء عشرون
دلوا لصغر جثتھا وفی الدجاجۃ والسنور
المجاورۃ اکثر لزیادۃ ضخامۃ فی جثتھا و
الادمی یجاور جمیع الماء فی العادۃ لعظم
جثتہ[1] اھ وذکرتم انہ الفقہ الخفی فھذا تصریح
منکم بان المحدث الواقع فی البئر قد
جاور جمیع الماء فیجب ان یصیر جمیعہ
مستعملا وطاح القول بان المستعمل ما یلاقیہ
وھو اقل من غیرہ وایضا ماء الطست و
کثیر من الاجانات لایبلغ عشرین دلوا ولا
عشرا وکف الانسان لیس باصغر من فأرۃ
فاذا ادخل محدث یدہ فی اجانۃ وجب ان
یصیر کلہ مستعملا ولا مساغ ھھنا للفرق
بین النجاستین العینیۃ والحکمیۃ فان الجوار

سابعاً (اور وہ تئیسواں ہے) آپ نے کہا ہے
کہ چوہیا سے متصل بیس ڈول پانی ہوتا ہے کیونکہ اس کا
جسم چھوٹا ہے اور مرغی اور بلّی میں ان کی ضخامت کی وجہ سے
زاید پانی متصل ہوتا ہے اور آدمی اپنے جثہ کے بڑے
ہونے کی وجہ سے کل پانی کے متصل ہوتا ہے اھ اور تم
نے ذکر کیا ہے کہ یہ فقہ خفی ہے، یہ تمہاری طرف سے
اس امر کی صراحت ہے کہ جو محدث کنویں میں گرتا ہے
وہ تمام پانی کے مجاور ہوتا ہے تو لازم ہے کہ وہ تمام
مستعمل ہو، اور یہ قول غلط ہوا کہ مستعمل وہ ہے جو اس
سے ملا ہوا ہے اور وہ اس کے غیر سے اقل ہے اور طشت
کا پانی اور بہت سے مٹکوں کا پانی بیس ڈول بلکہ دس
ڈول کی مقدار تک نہیں ہوتا اور انسان کی ہتھیلی چوہیا سے
چھوٹی نہیں ہوتی ہے، تو جب محدث نے اپنا ہاتھ مٹکے
میں ڈالا تو واجب ہے کہ اس کا کل مستعمل ہو، اور
یہاں کوئی فرق نہیں دونجاستوں کے درمیان عینیہ

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً ۱/۷۵

یحصل بین الجسمین لذاتیھما ولا مدخل فیہ لوصف قام باحدھما حتی یختلف باختلافہ۔

اور عکیہ میں، کیونکہ جوار دو جسموں کی ذاتوں کو حاصل ہوتا ہے اور اس میں کسی ایسے وصف کو دخل نہیں جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ قائم ہو تاکہ اس کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوجائے۔

فان قیل حقیقۃ المجاورۃ لیست الا لما اتصل بالجسم وانما سری الی عشرین فی الفارۃ واربعین فی الھر والکل فی الادمی لان المیت تنفصل منہ بلات وتتفاوت بتفاوت الجثث قال ملک العلماء وجب تنجیس جمیع الماء اذا تفسخ شیئ من ھذہ الواقعات او انتفخ لان عند ذلک تخرج البلۃ منھا لرخاوۃ فیھا فتجاور جمیع اجزاء الماء وقبل ذلک لایجاور الاقدر ماذکرنا لصلابۃ فیھا[1] اھ فالمراد بمجاورۃ عشرین واربعین والکل مجاورۃ البلۃ دون الجثۃ وانما لاقت الجثۃ مالاقت۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حقیقی مجاورۃ تو اسی چیز کے لیے ہے جو جسم سے متصل ہو، اور یہ بیس ڈول تک چوہیا میں سرایت کرتی ہے اور چالیس تک بلّی میں، اور کل پانی میں آدمی کے گرنے کی صورت میں کیونکہ میت سے تریاں جُدا ہوتی ہیں اور ان میں جُثّوں کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ ملک العلماء نے فرمایا کہ ان اشیاء میں سے اگر کوئی چیز پُھول جائے یا پھٹ جائے تو کل پانی کا نجس قرار دینا ضروری ہے، کیونکہ اس صورت میں ان اشیاء سے تری خارج ہوگی کیونکہ ان میں نرمی ہے اور پانی کے تمام اجزاء سے متصل ہوجائے گی، اور اس سے قبل صرف اس مقدار کے متصل تھی جس کا ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس صورت میں یہ اشیاء سخت تھیں اھ تو بیس، چالیس یا کل کی مجاورۃ سے مراد تری کی مجاورۃ ہے نہ کہ جُثّہ کی، جُثّہ تو جس سے ملا ہے سو ملا ہے۔

اقول فاذن ینتقض ماذکرتم فی وقوع محدث فی البئر علی قول الامام بنجاسۃ الماء المستعمل لعدم بلۃ ھناک تنفصل **والحق** علی مایظھر للعبد الضعیف غفرلہ ان الماء ان کان شیئا واحدا متصلا حقیقۃ کما تزعمہ الفلاسفۃ فلا شک ان لقاء بعضہ لقاء کلہ بل لا بعض ھناک لعدم

میں کہتا ہوں جو آپ نے کہا ہے اس پر یہ نقض وارد ہوتا ہے کہ اگر محدث کنویں میں گر جائے تو امام کے قول پر مستعمل پانی نجس ہوجائے گا کیونکہ وہاں کوئی تری موجود نہیں جو محدث سے الگ ہُوئی ہو، اور جو حق مجھ پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پانی اگر متصل واحد ہے حقیقۃً جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض سے ملاقات کل سے ملاقات

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

التجزی بالفعل وان کان اجزاء[ف ١] متفرقة کما ھو
عندنا ان تألف الاجسام من جواھر فردة تتجاور
ولاتتلاصق لاستحالة اتصال جزئین۔

متصور ہوگی، بلکہ یہاں بعض کا تصور ہی نہیں کیونکہ
بالفعل تجزی نہیں ہے اور اگر متفرق اجزاء ہوں جیساکہ
ہمارے نزدیک ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام جواہر
منفردہ سے مرکب ہیں تو اس صورت میں اجزاء مجاور رہوں گے لیکن متصل نہیں ہونگے، کیونکہ دو اجزاء کا اتصال محال ہے۔

اقول وکل ما تجشمہ الفلاسفة وخدمھم
من اقامة براھین ھندسیة وغیرھا علی
استحالة الجزء وقد اوصلھا الشیرازی فی
شرح الغوایة المسماة ھدایة الحکمة الی
اثنی عشر وسماھا حججا انما تدل علی استحالة
الاتصال دون امتناع نفس وجود الاجزاء ومبنی
الھندسة علی توھم خطوط متصلة ولاحاجة
لھا الی وجودھا عینا فضلا عن اتصالھا کالھیأة
تبتنی علی توھم مناطق ومحاور واقطاب و
دوائر وان لم یکن لھا وجود عینی بل اولی فان
الھندسة تستغنی عن وجودھا بوجود المناشئ
ایضا فلا یرد علینا شیئ من ذلک وللہ الحمد
وقد اغفل[ف ٢] ذلک کثیر من المتکلمین فاحتاروا
فی دفع شبہ المتفلسفین وباللہ التوفیق بل الجسم[١]

میں کہتا ہوں فلاسفہ نے جو تگ و دو کی ہے کہ
براہین ہندسیہ سے جزء کا ابطال کیا ہے، اور شیرازی
نے شرح الغوایہ جس کا نام 'ہدایۃ الحکمۃ' ہے ایسے
بارہ دلائل قائم کئے ہیں اور ان کا نام حجۃ رکھا ہے، اُن
سے صرف اجزاء کا اتصال محال ثابت ہوتا ہے نفس
جزء کا استحالہ ثابت نہیں ہوتا ہے اور ہندسہ کی
بنیاد خطوط متصلہ کے توہم پر ہے، اور ان کا موجود ہونا
خارج میں کچھ ضروری نہیں چہ جائیکہ ان کا اتصال،
جیسے علم ہیأۃ کا دار و مدار، منطقوں، محوروں، قطبوں
اور دوائر کے توہم پر مبنی ہے اگرچہ ان کا خارجی وجود
نہ ہو، بلکہ اس سے بھی اولٰی ہے کیونکہ علم ہندسہ ان کے
وجود سے ان کے منشأ کے وجود سے بھی مستغنی ہے،
تو ان میں سے کوئی چیز ہم پر وارد نہیں ہوتی وللہ الحمد،
اس سے بہت سے متکلمین غافل رہے اور متفلسفین کے

---

[١] تنبیہ فان قلت[ف ٣] کیف یری الجسم والجزء
لایری **اقول اولا** جرت السنة فی بصر البشر
ان شیئا بالغ النھایة فی الدقة اذا کان منفردا
لم یحط بہ البصر واذا اجتمع امثالھا وکثرت
ظھرت کما اذا کان فی جلد ثور ابیض نقطة
سوداء کرأس الابرة لا تحس وان کثرت

تنبیہ اگر تو کہے کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جبکہ جزء
تو نظر نہیں آتی اوّلاً میں کہتا ہوں کہ نگاہ انسانی
فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے
قاصر ہے جبکہ وُہ چیز منفرد ہو۔ لیکن اگر اس چیز
کے ساتھ اس کی متعدد امثال مجتمع ہوں تو وہ
ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے (باقی برصفحہ آئندہ)

عند نا اجزاء متفرقة حقيقة متصلة حسا كما

اعتراضات کے رد میں حیران رہ گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امثالها متجاورات ابصرت
بل قد لا یری من البعد الا لونها وهو السواد
وهذا ظاهر فی الهباء فان فیه ذرات قلائل
تری کریة الشکل وعامته لایحس البصر اشکالها
بل لونا سحابیا ککواکب المجرة والنثرة ولو
تفرد شئ منها ما امکن عادة ان یبصر وبتکاثرها
وتراکمها تری کعمود بینك وبین الکوة مثل السحاب
بل السحاب نفسه من ذلك فان البخار اجزاء
متفرقة ولا تبصر واحد منها وبتراکمها ترے
سحاکالجبال ولعل الوجه فیه ان المنفرد
یقتضی خصوص النظر الیه فاذا کان
علی هذا القدر من الدقة انطبق الخطان
الشعاعیان الواصلان الیه وانعدمت
زاویة الرؤیة کما هو السبب فی انتفاء
زاویة اختلاف المنظر لما فوق الشمس
فاتحد تقویماه المرئی والحقیقی واذا کثرت و
انبسطت وقعت بین ساقی مثلث ذی زاویة
مبصرة فابصرت وثانیا هذا علی طریقتهم
فان سلموا والا فانما اصلنا الایمانی ان الابصار
وکل شئ بارادة الله تعالی وحده لا غیر فان شاء
رأی الاعمی فی لیلة ظلماء عین نملة سوداء
وان لم یشأ عمیت الزرقاء فی رابعة النهار
عن جبل بالغ افق السماء فاذا اراد ان لا ترے

سفید بیل کی جلد پر سوئی کے سرے کے برابر سیاہ نقطہ
دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدد سیاہ نقطے مجتمع
ہوجائیں تو نظر آنے لگتے ہیں، بلکہ دور سے تو محض
ان کا سیاہ رنگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ بات
غبار میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں چھوٹے چھوٹے کروی الشکل
ذرات ہوتے ہیں جن میں سے اکثر کی شکلوں کو آنکھ
محسوس نہیں کرتی بلکہ بادلوں کی مانند ان کا رنگ دکھائی
دیتا ہے جیسے کہکشاں اور بکھرے ہوئے ستارے، ان
میں سے کوئی بھی اگر منفرد ہو تو عادتاً اس کا دکھائی دینا
ناممکن ہے۔ البتہ کثرت و اجتماعیت کی وجہ سے نظر
آجاتے ہیں، جیسے تیرے اور روشندان کے درمیان
روشنی کا ستون بادل کی مثل دکھائی دیتا ہے، بلکہ خود
بادل بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ بخارات متفرق اجزاء
ہوتے ہیں جن میں سے کوئی ایک دکھائی نہیں دیتا مگر مجتمع
ہوکر پہاڑوں جیسے بادل نظر آتے ہیں، شاید اس کی وجہ
یہ ہو کہ منفرد چیز خصوصی نظر کا تقاضا کرتی ہے جب وہ نہایت
باریک ہو تو دونوں آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس
تک پہنچ کر باہم منطبق ہوجاتی ہیں اور زاویہ نظر معدوم
ہوجاتا ہے جیسا کہ مافوق الشمس اختلافِ منظر کے زاویے
منتفی ہونے کا یہی سبب ہے۔ پس اس کی حقیقی اور مرئی
تقویمیں متحد ہوجاتی ہیں اور جب یہ اجزاء کثیر اور پھیلے ہوئے
ہوں تو بصری زاویہ والی مثلث کے دو خطوں کے درمیان واقع
ہونے پر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ثانیاً مذکور بالا (باقی بر صفحہ آئندہ)

ترى في الهباء عند دخول الشمس من كوة بل و
في الدخان والبخار والغبار فلا اتصال
حقيقة لشئ من الماء بشئ من البدن فلو
اعتبرت الحقيقة لم يتنجس الماء بوقوع شئ
من الخبث فظهر ان الشرع المطهر قد اعتبر
ههنا الحس ولا شك ان كله في الحس شئ
واحد كما هو في الحقيقة عند المتفلسفة وليس
ثم حاجز ينتهي الجوار الحسي بالمبلوغ اليه
فوجب ان يكون على هذا ايضا لقاء بعضه
لقاء كله بل لا بعض لعدم التجزي حسا اما
الكثير فجعله الشرع لا يحتمل الخبث فلا يضره
الجوار الحسي وبه استقر عرش التحقيق على
ان الماء الكثير لا يتنجس شئ منه بوقوع النجاسة
ولو مرئية حتى ما حولها مما يليها هكذا ينبغي
التحقيق والله تعالى ولي التوفيق وهنا تم
الكلام مع الامام الهمام، ملك العلماء الكرام،
نفعنا الله تعالى ببركاته على الدوام، في دار
السلام، امين۔

ہمارے نزدیک جسم اجزائے متفرقہ حقیقۃً متصلہ حِسًّا
سے عبارت ہے جیسے کمرہ کے سوراخ سے روشنی کی
کرن جب اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں ذرات
نظر آتے ہیں، بلکہ دھوئیں، بخارات اور غبار میں بھی نظر
آتے ہیں، لہذا پانی حقیقی طور پر بدن سے متصل نہیں ہے،
تو اگر حقیقت کا اعتبار کیا جائے تو پانی کسی بھی گندی چیز کے
گرنے سے نجس نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے
یہاں حِس کا اعتبار کیا ہے، اور اس میں شک نہیں
کہ حِس کے نزدیک کل ایک چیز ہے جیسا کہ متفلسفہ کے
نزدیک حقیقت یہی ہے اور وہاں کوئی ایسی روک بھی موجود
نہیں جہاں پہنچ کر جوار حسی رک جائے تو اس بنا پر لازم
ہوا کہ بعض کی ملاقات کل کی ملاقات قرار پائے، بلکہ وہاں
بعض ہے ہی نہیں کیونکہ تجزّی نہیں ہے حِسًّا، اور
رہا کثیر تو شرع نے فرمایا ہے کہ اس میں نجاست اثر
نہیں کرے گی تو اس کو جوار حسی کچھ مضر نہ ہوگا، اس
تحقیق عرش نشیں سے معلوم ہوا کہ کثیر پانی نجاست
کے گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ وہ نظر آنے والی ہو،
یہاں تک کہ نجاست کا گردو پیش بھی نجس نہ ہوگا، اسی طرح
تحقیق ہونی چاہئے یہاں تک کہ امام ہمام ملک العلماء کے ساتھ گفتگو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالٰی ان کی برکات سے ہم کو ہمیشہ جنت تک
مستفید فرمائے۔ آمین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الاجزاء على الانفراد و
اذا تجسمت أبصرت يكون كما اراد اه منه
حفظه ربه تبارك وتعالى (م)

دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے اگر مان لیں تو فبہا
وگرنہ ہماری ایمانی دلیل یہ ہے کہ نگاہیں اور تمام چیزیں
اللہ تبارک وتعالٰی کے ارادے کے تابع ہیں۔ اگر وہ چاہے
تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے
نگاہوں آسمان کو بھی نہیں دیکھا جا سکتا چونکہ اس نے چاہا کہ اجزاء انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب وہ مجتمع ہو جائیں تو نظر آنے
لگیں لہذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقع ہوا۔ (ت)

الرابع والعشرون یمکن الجواب

عن الاستناد الی کلام البدائع بما اوردہ علٰی
فی البحر ولم یردہ وان لم یُردہ اذ نقل عن
اسرار القاضی الامام الدبوسی ما تقدم ان
محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار
الکل مستعملا حکما ثم قال فھذہ العبارۃ کشفت
اللبس واوضحت کل تخمین وحدس[۲] فانھا افادت
ان مقتضی مذھب محمد ان الماء لا یصیر
مستعملا باختلاط القلیل من الماء المستعمل
الا ان محمدا حکم بان الکل صار مستعملا
حکما لاحقیقۃ فما فی البدائع محمول علی
ان مقتضی مذھب محمد عدم الاستعمال
الا انہ یقول بخلافہ[۳] اھ قال فی منحۃ الخالق
یعنی ان صاحب البدائع نسب الی محمد
عدم الاستعمال بناء علی ما اقتضاہ مذھبہ
من ان المستعمل لایفسد الماء مالم یغلبہ
اویساوہ لکن محمد اما قال بذلک الذی

چوبیسواں صاحبِ بدائع کے کلام کی طرف جو منسوب ہے اس کا
بیان صاحبِ بحر کے بیان سے ممکن ہے جس کو انہوں نے رد
نہیں کیا اگرچہ صاحبِ بحر نے یہ ارادہ نہیں کیونکہ انہوں نے قاضی امام
دبوسی کی اسرار سے نقل کیا ہے جو گزرا کہ امام محمد فرماتے ہیں تھوڑا پانی ہو اور اس
میں کوئی غسل کرے تو کل حکماً مستعمل ہوگا، تو اس عبارت
نے التباس کو ختم کردیا ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا
کہ محمد کے مذہب کا مقتضٰی یہ ہے کہ تھوڑے سے مستعمل
پانی کے مل جانے سے پانی مستعمل نہ ہوگا، مگر محمد نے
حکم کیا ہے کہ کل حکماً مستعمل ہوگا نہ کہ حقیقۃً، تو جو کچھ
بدائع میں ہے وہ یہ ہے کہ محمد کے مذہب کا مقتضٰی یہ ہے
کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، مگر وہ کہتے اس کے خلاف ہیں
اھ منحۃ الخالق میں فرمایا یعنی صاحبِ بدائع نے
محمد کی طرف عدمِ استعمال کو منسوب کیا، جیسا کہ
ان کے مذہب کا مقتضٰی ہے کہ مستعمل پانی، پانی کو
فاسد نہ کرے گا تاوقتیکہ اس پر غالب ہو جائے،
یا اس کے برابر ہو جائے، لیکن محمد نے یہ نہیں فرمایا ہے حالانکہ
یہ اُن کے مذہب کا مقتضٰی ہے بلکہ اس صورت میں

علہ ذکرہ رحمہ اللہ تعالٰی فی ضمن سؤال و
وعدل فی الجواب الی حمل الروایات المتواترۃ
الظاھرۃ علی الضعیفۃ النادرۃ وغیر ذلک مما
یأتیك الجواب عنہ ان شاء اللہ تعالٰی اھ منہ
غفرلہ (م)

انہوں نے اس کو سوال کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور
جواب میں روایت متواترہ ظاہرہ کو روایت ضعیفہ
نادرہ وغیرہ پر محمول کرنے کی طرف عدول کیا ہے جس
کا جواب ان شاء اللہ تعالٰی آپ کو دیا جائے گا
اھ منہ غفرلہ (ت)

۲؎ بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
۳؎ ایضاً ۱/۲۷

اقتضاہ مذھبہ بل قال فی ھذہ الصورۃ انہ صار مستعملا حکما کما صرحت بہ عبارۃ الدبوسی[1] اھ۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ حکماً مستعمل ہوگیا جیساکہ دبوسی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

اقول ثبوت الاستعمال باللقاء، وحقیقۃ[ع۱] اللقاء لتلك الاجزاء، والحکم ثبت لجمیع الماء، لان القلیل شیئ واحد فی اعتبار الشریعۃ الغراء، کما اسلفنا تحقیقہ، ونورنا لك طریقہ، لان الحکم منتف حقیقۃ، فیکون اثباتہ مجازفۃ سحیقۃ۔

میں کہتا ہوں استعمال کا ثبوت ملاقاۃ سے ہوتا ہے، اور حقیقۃ ملاقاۃ ان اجزاء سے ہوتی ہے اور حکم تمام پانی کے لیے ثابت ہوتا ہے کیونکہ شریعت میں قلیل شے واحد ہے، جیساکہ ہم اس کی تحقیق اور نورانی طریقہ بیان کر آئے ہیں، کیونکہ حکم حقیقی طور پر منتفی ہے تو اس حکم کو ثابت کرنا اندازاً ہوگا۔

الخامس والعشرون محاولۃ العلامۃ رحمہ اللہ تعالٰی رد جمیع تلك الفروع المتواترۃ الدائرۃ فی عامۃ کتب المذھب المنصوص علیھا عن جمیع ائمۃ المذھب المطبق علیھا سلف المذھب وخلفہ الی روایۃ نجاسۃ الماء المستعمل شیئ عجیب من مثلہ المحقق۔

پچیسواں ——— وہ تمام فروع جو تواتر کے ساتھ عام کتب مذہب میں مذکور ہیں اور ائمہ شراح نے ان کو ذکر کیا ہے، اور تمام ائمہ مذہب سے منصوص ہیں جن پر سلف مذہب اور خلف مذہب متفق ہیں ان سب کو انہوں نے مستعمل پانی کے نجس ہونے والی روایت کی طرف راجع کیا ہے، علامہ جیسے محقق سے یہ بات بعید ہے۔

فاقول اولا کیف یسوغ ان ترد بھذہ الکثرۃ وتدور فی جمیع کتب المذھب وتتداولھا الائمۃ والشراح ولا ینبہ احد انھا تبتنی علی روایۃ ضعیفۃ متروکۃ بل یذکرونھا ویقرونھا ویفرعون علیھا وعند الحجاج والحاج یفزعون الیھا فرد جمیع ذلك بعید

میں کہتا ہوں اولاً یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ فروع اس کثرت سے تمام کتب مذہب میں ذکر کی جائیں اور ائمہ وشُرّاح ان کو قبول کریں اور کسی کو یہ خبر نہ ہو کہ یہ ضعیف ومتروک روایت پر مبنی ہیں، بلکہ وہ حضرات ان کو مسلسل ذکر کرتے چلے جائیں اور ان پر مزید تعریفات کرتے چلے جائیں اور مناظروں میں ان کو پیش کرتے رہیں

ع۱ ای الحسیۃ العرفیۃ اھ منہ غفرلہ (م)

یعنی حقیقۃ حسی عرفی۔ ت

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

كل البعد **وثانيا** هو منصوص عليه فی الروایة الظاهرة وما رواية التجنيس الا نادرة روے هذه الحسن ونص علی ذلك محمد فی الاصل **وثالثا** تظافرت عليه التصحيحات كما قدمنا عن البحر عن الخبازی عن القدوری عن الجرجانی وعن الحلية عن ابی الحسين عن ابی عبد الله وعن خزانة المفتين ومتن الملتقی وعن البحر انه المذهب المختار فكيف يبتنی علی رواية متروكة **ورابعا** توافرت فيه نقول الاتفاق عليه وانه مذهب اصحابنا جميعا كما سبق عن النهاية والعناية والهندية ومجمع الانهر والدر المختار وغيرها وعن البحر عن البدائع وعنه عن العناية والدراية وغيرها وعن الحلية و عن البحر عن الخبازی كلاهما عن ابی الحسين عن الجرجانی وعن شيخكم المحقق انه قولنا جميعا فكيف يجوز رجعه الی رواية متروكة **وخامسا** اكثروا من عزوه لمحمد كما مر عن الفوائد الظهيرية عن شيخ الاسلام خواهرزاده وابی بكر الرازی وشمس الائمة السرخسی وعن الزيلعی وشيخكم المحقق حيث اطلق وعن البحر عن الاسبيجابی والولوالجی وحيث حكم محمد بسقوط حكم الاستعمال علله بالضرورة كما سلف عن البحر والنهر والفتح والتبيين والكافی والبرهان

تو ان سب کو روایت نجاست کی طرف لوٹانا سخت بعید ہے۔

اور ثانیاً یہ ظاہر روایت میں نص ہے اور تجنیس کی روایت نادرہ ہے، اس کو حسن نے روایت کیا، اصل میں محمد نے اس پر نص کی۔

اور ثالثاً اس پر پے در پے تصحیحات موجود ہیں جیسا کہ ہم نے بحر، خبازی، قدوری، جرجانی، حلیہ، ابی الحسین، ابی عبد اللہ، خزانۃ المفتین اور متن ملتقی کے حوالوں سے نقل کیا، اور بحر سے نقل کیا کہ یہی مذہب مختار ہے تو پھر یہ متروک روایت پر کس طرح مبنی ہو سکتا ہے۔

اور رابعاً متفقہ نقول کثرت سے ہیں یہی ہمارے تمام اصحاب کا مذہب ہے جیسا کہ گزرا نہایہ، عنایہ، ہندیہ، مجمع الانہر، در مختار وغیرہ سے اور بحر نے بدائع، عنایہ و درایہ اور حلیہ سے اور بحر وخبازی دونوں نے ابو الحسن، جرجانی اور شیخ محقق سے یہ تمام کا قول ہے تو متروکہ روایت کی طرف اس کو راجع کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اور خامساً اکثر نے اس کو محمد کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ فوائد ظہیریہ، شیخ الاسلام، خواہر زادہ، ابو بکر رازی، شمس الائمہ سرخسی، زیلعی اور تمہارے شیخ محقق، بحر، اسبیجابی، ولوالجی سے گزرا، اور جہاں محمد نے استعمال کا حکم ساقط ہونے کی بات کی اس کو انہوں نے ضرورت پر محمول کیا جیسا کہ بحر، نہر، فتح، تبیین، کافی، برہان، حلیہ، فوائد، صغریٰ، خبازی، قدوری، جرجانی، شمس الائمہ حلوانی سے گزرا اور بحر سے سرخسی سے اصل میں امام محمد کی نص سے گزرا اور بحر سے دبوسی سے گزرا کہ محمد فرماتے ہیں کل حکماً مستعمل ہوگا اور بحر میں

والحلیۃ والفوائد والصغرٰی والخبازیۃ و
القدوری والجرجانی وشمس الائمۃ الحلوانی
وعن البحر عن السرخسی عن نص محمد فی
الاصل وعن البحر عن الدبوسی ان محمدا
یقول صار الکل مستعملا حکما وقد قال[عہ] فی البحر
ان ھذہ العبارۃ کشفت اللبس واوضحت کل
تخمین وحدس[۱] ومعلوم ان محمدا لم
یقل قط بالتنجیس فکیف تحمل علیہ وبہ[ف۱]
ظھر الجواب عما اراد بہ البحر فی البحر و
الرسالۃ دفع الاستبعاد عن ھذا الحمل
بان المحقق فی الفتح حمل فرعا فی الخانیۃ
علی نجاسۃ المستعمل وقال لایفتی بمثل
ھذہ الفروع[۲] اھ زاد فی الرسالۃ ان تلمیذہ
فی الحلیۃ حمل علیھا فرعی الاجمۃ والطحلب
المذکورین فی الخلاصۃ والمنیۃ قال
وحمل فروعا کثیرۃ علی ھذا النحو[۳] اھ فھل
بعض فروع وردت متفرقۃ فی غضون
بعض الفتاوٰی کھذہ الفروع الوافرۃ ،
المتکاثرۃ المتواترۃ ، الثابتۃ الدائرۃ ، فی
عامۃ الشروح والفتاوی مع عدۃ من

فرمایا ہے کہ اس عبارت سے مشکل حل ہوگئی ہے ، اور
یہ معلوم ہے کہ محمد نے پانی کے نجس ہونے کا قطعاً قول
نہیں کیا ہے تو اس کو اس پر کیسے محمول کیا جائے گا "
اور اس سے بحر اور رسالہ کا جواب بھی ظاہر ہوگیا ،
انھوں نے اس حمل کو بعید گردانا تھا ، اور کہا تھا کہ
محقق نے فتح میں مستعمل پانی پر ایک فرع خانیہ کی
اس پانی کی نجاست پر محمول کی ہے ، اور کہا ہے
کہ اس قسم کی فروع پر فتوٰی نہ دیا جائے اھ رسالہ
میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے شاگرد نے حلیہ میں اس پر
اجمہ اور طحلب کی دو فروع کو محمول کیا ، یہ خلاصہ اور منیہ
میں مذکور ہیں اور فرمایا کہ اسی نہج پر انہوں نے
بہت سی فروع اخذ کی ہیں اھ تو کیا ان فروع کی
طرح کچھ اور ایسی فروع ہیں جو متفرق فتاوٰی میں اس
کثرت کے ساتھ مذکور ہوں ، کیا شروح اور کیا
متون اور ان پر کیسے کوئی نکیر نہیں کی ؟ یا ان کی طرح
کتب ظاہر روایت میں ہوں ؟ یا ان کی اتنی تصحیحات
ہوں ؟ یا تمام مذہب حنفی کی کتب میں منصوص ہوں ؟
یا ان پر اتفاق کیا گیا ہو کہ یہ ہم سب کا قول ہے
یہ ہمارے اصحاب کا مذہب ہے ؟ یا ان کا کوئی
اور محمل ہے کہ ان کی طرف روشن

عہ ای اوردہ علی نفسہ ولم یجب عنہ - منہ غفرلہ (م) یعنی انہوں نے اسکو اپنے اوپر وارد کیا ہے اور اسکا جواب نہیں دیا۔ (ت)

۱؎ بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

۲؎ ایضاً ۱/۷۳

۳؎ جواز الوضوء من الفساقی رسالۃ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۲۱

المتون، من دون نكير ولا مجال ظنون، ام هي كهذه في الكتب الظاهرة، ام هي مذيلات بالتصحيحات المتظافرة، ام هي منصوص عليها من جميع ائمة المذهب الحنفي، ام هي مزينة بطراز الاتفاق وبانها قولنا جميعا وبانها مذهب اصحابنا فاين ذي من اتي، ام هل لها محمل غير هذا فكيف يقاس على المتعين، ماله سبيل واضح متبين۔

راستہ ہو۔

السادس والعشرون

كلام العلامة على حديث لايبولن احدكم في الماء الدائم قدمنا الكلام عليه واشرنا الى كلام شيخه المحقق على الاطلاق حيث يقول اما قوله صلى الله تعالى عليه وسلم (وذكر الحديث) فغاية مايفيد نهي الاغتسال كراهة التحريم ويجوز كونها لكيلا تسلب الطهورية فيستعمله من لاعلم به بذلك في رفع الحدث ويصلي ولا فرق بين هذا وبين كونه يتنجس فيستعمله من لاعلم له بحاله في لزوم المحذور وهو الصلاة مع المنافي فيصلح كون كل منهما مثيرا للنهي المذكور[1] اه و دفع البحر اياه بحث البدائع المذكور دفع للصحيح بماليس به كما علمت اما حديث

چھبیسواں علامہ نے لایبولن احدکم فی الماء الدائم (ٹھہرے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے) پر جو کلام کیا ہے اس پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں، اور اُن کے شیخ محقق علی الاطلاق کے کلام کی طرف اشارہ کر آئے ہیں، وہ فرماتے ہیں" بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر انہوں نے مذکور حدیث بیان کی) میں جو غسل کرنے کی نہی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ جو ثابت ہوتا ہے وہ نہی تحریم ہے تاکہ ایسا نہ ہو کر طہوریت سلب ہو جائے، اور اس کو کوئی شخص لاعلمی میں رفعِ حَدَث کے لیے استعمال کر بیٹھے اور نماز پڑھ لے اور اس میں اور اس مضمون میں کہ پانی نجس ہو جاتا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اس کو کوئی شخص لاعلمی میں استعمال کرے، دونوں صورتوں میں محذور لازم ہے، یعنی منافی کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا، پس جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک

---

[1] فتح القدیر، الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

المستيقظ فاقول ليس من حجتنا فی هذا الباب لاحتمال انه لاحتمال النجاسة العينية بل هو الظاهر من قوله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم فانه لایدری این باتت یده والعلامة عدل عن هذا الجواب الواضح الی ثلثة لایستقیم منها شئ فاولا دعوی الخصوص لادلیل علیه وثانیا کیف یجعل تعبدیا غیر معقول المعنی مع الارشاد الی المعنی فی نفس الحدیث فانه لایدری این باتت یده وثالثا ماعن اصحاب عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهم یجوز ان یکون لان اباهریرة رضی الله تعالیٰ عنه کان یرسله ارسالا فاشاروا الی تخصیص مواضع الضرورة کما هو الحکم المصرح به عندنا اذا کان الماء فی حب ولا انیة یغترف بها۔

مذکور نہی کا باعث ہوا ھ بحر کا اس کو بدائع کی مذکور بحث سے دفع کرنا صحیح کو غیر صحیح سے دفع کرنا ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا اور رہی مستیقظ والی حدیث، تو میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں ہماری دلیل یہ نہیں ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ نجاست عینیہ کی وجہ سے ہو بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فانہ لا یدری این باتت یدہ" (وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا) سے یہی ظاہر ہے، اور علامہ نے اس جواب سے عدول کرکے تین جوابات دیے جن میں سے کوئی ٹھیک نہیں، پہلا دعوائے خصوص، جس پر کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے یہ کہ کس طرح اس کو تعبدی اور غیر معقول المعنی قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ خود حدیث میں معنی کی طرف رہنمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ فانہ لایدری این باتت یدہ۔ تیسرے عبد اللہ کے اصحاب سے جو مروی ہے ممکن ہے وہ اس لیے ہو کہ ابوہریرہ اس کا ارسال کرتے ہوں تو انہوں نے ضرورت کے مقامات کے ساتھ اس کو مختص کرنے کی طرف اشارہ کیا ہو، جیسا کہ ہمارے یہاں یہ واضح حکم موجود ہے کہ جب پانی تالاب میں ہو اور کوئی برتن پانی نکالنے کے لیے نہ ہو۔

السابع والعشرون قوله رحمه الله تعالیٰ فی تکرار الاستعمال الظاهر عدم اعتبار هذا المعنی فی النجس فکیف بالطاهر غیر مطهر ولا ظاهر الا تری ان النجاسة تصیب الثوب او البدن فی مواضع متفرقة تجمع فان بلغت حد المنع منعت وما یتراأی من عدم جمع الواقعة فی الماء الکثیر فان الوقوع فی عشرة مواضع منه

ستائیسواں ان کا قول تکرار استعمال کی بابت، ظاہر یہی ہے کہ یہ معنی نجس میں اعتبار نہ کیا جائے تو پھر طاہر کا کیا حال ہوگا۔ یہ نہ طاہر کرنے والا ہے اور نہ بذاتِ خود ظاہر ہے، مثلاً نجاست جو بدن یا کپڑے کو متفرق مقامات پر لگ جائے تو اس کو جمع کیا جائے گا۔ اب اگر منع کی حد کو پہنچ جائے تو منع کرے گی۔ اگر کثیر پانی میں نجاست گر جائے تو اس کو بظاہر جمع نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ پانی میں

كالوقوع فی موضع فليس لعدم الجمع بل لعدم البلوغ الى حد المنع حتى لو بلغت بان غير المجموع احد اوصافه وما كانت الافراد لتغيره فلا شك فى الجمع والله تعالى اعلم هذا تمام الكلام مع العلامة قاسم رحمه الله تعالىٰ وقد ظهر به الحق السديد، بحيث لا حاجة الى المزيد، والحمد لله الحميد المجيد.

اگر دس جگہ نجاست گر جائے تو وہ ایسی ہے جیسے ایک جگہ گری ہو، تو یہ چیز عدم جمع کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدِ منع تک نہیں پہنچی ہے اور اگر حدِ منع تک پہنچ جائے مثلاً یہ کہ نجاست کا مجموعہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کو بدل دے، اور ہر فرد نہ بدلے تو جمع کرنے میں شک نہیں۔ یہ مکمل گفتگو تھی علّامہ قاسم کے ساتھ، اس سے حق ظاہر ہوگیا، اس سے زیادہ کی حاجت نہیں، والحمد للہ الحمید المجید۔

الفصل الثانى فى كلام العلامة زين فى البحر والرسالة

كانت قضية ترتيب الزمان ان نقدم عليه كلام العلامة ابن الشحنة رحمهما الله تعالىٰ لكن اردنا الحاق الموافق بموافقه لم يات رحمه الله تعالىٰ فى رسالته ولا فى بحره بشئ يزيد على ما اورد العلامة قاسم الا ما لامساس له بمحل النزاع افاض اولاً فى تحديد الماء الكثير وان المذهب تفويضه الى رأى المبتلى وان التقدير بعشر فى عشر انما اختاره المتأخرون تيسيرا على من لا رأى له وانه لا يرجع الى اصل شرعى يعتمد عليه ثم تكلم على صفة الماء المستعمل وان المفتى به انه طاهر غير طهور ثم اتى على المسألة فقال وقد قالوا ان الماء المستعمل اذا اختلط بالطهور تعتبر فيه الغلبة فان كان الماء

دوسری فصل علّامہ زین کے کلام میں جو بحر اور رسالہ میں ہے

زمانی ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ابن الشحنہ کا کلام اس پر مقدم کرتے لیکن ہم نے ایک موافق کو دوسرے موافق سے لاحق کرنا چاہا ہے انہوں نے اپنے رسالہ میں یا بحر میں علّامہ قاسم کے کلام سے کچھ مزید اضافہ نہیں کیا ہے، صرف وہی بات مذکور ہے جس کا محلِ نزاع سے کچھ تعلق نہیں، پہلے تو انہوں نے کثیر پانی کی تحدید کی ہے اور کہا کہ مذہب میں یہ معاملہ صاحبِ معاملہ کے سپرد ہے، اور دَہ در دَہ کے اندازہ کو متأخرین نے اُن لوگوں کی آسانی کے لیے وضع کیا ہے جن کی اپنی کوئی رائے نہ ہو اور اس کی کوئی قابلِ اعتماد شرعی دلیل نہیں، پھر انہوں نے مستعمل پانی پر کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ یہ طاہر تو ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہے، پھر اصل مسئلہ بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مشایخ فرماتے ہیں کہ مستعمل پانی جب پاک کرنے والے پانی کے

الطهور غالبا یجوز الوضوء بالکل والا لا یجوز و ممن نص علیه الامام الزیلعی فی شرح الکنز والعلامة سراج الدین الهندی فی شرح الهدایة والمحقق فی فتح القدیر قال وھی باطلاقه تشمل ما اذا استعمل الماء خارجا ثم القی الماء المستعمل واختلط بالطهور او انغمس فی الماء الطهور او توضأ فیه[1] اھ

ساتھ مل جائے تو اس میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اگر پاک کرنے والا پانی زیادہ ہو تو سب پانی سے وضو جائز ہوگا ورنہ ناجائز ہوگا۔ اس کی تصریح زیلعی نے شرح کنز میں، علامہ سراج الدین الہندی نے شرح ہدایہ میں اور محقق نے فتح القدیر میں کی ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب پانی خارجی طور پر استعمال کیا جائے پھر مستعمل پانی ڈالا جائے اور وہ پاک کرنے والے پانی سے مل جائے یا آدمی پاک کرنے والے پانی میں غوطہ کھائے یا اس سے وضو کرے اھ (ت)

اقول مبنی علی جعل المستعمل ھی الاجزاء المتصلة بالبدن فما وراءھا طهور اختلط به الماء المستعمل ولیس ھکذا بل کله ملاق فکله مستعمل فکیف یشمله الاطلاق قال ویدل علیه ایضا ما فی البدائع وذکر عبارات الثلث قال فهذا صریح[2] فیما قلنا اقول لا محل لایضا فان تلك الدلالة مبتنیة علی ما فی البدائع والافلا دلالة کما علمت وما فی البدائع قد فرغنا عنه بابدع وجه وللّٰه الحمد قال ویدل علیه ایضا ما فی خلاصة الفتاوی جنب اغتسل فانتضح من غسله شیئ فی انائه لم یفسد علیه الماء اما اذا کان یسیل فیه سیلانا افسده وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی

میں کہتا ہوں یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مستعمل پانی اُن اجزاء کو قرار دیا جائے جو بدن سے متصل ہوں اور اس کے علاوہ پاک کرنے والا ہے جس کے ساتھ مستعمل پانی مل گیا ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے بلکہ کل پانی اس سے ملنے والا ہے لہذا کل مستعمل ہوگا، اس کو اطلاق کیسے شامل ہے؟ فرمایا اس پر بدائع کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے اور پھر انہوں نے تینوں عبارات ذکر کی ہیں، فرمایا یہ ہمارے قول کی صریح دلیل ہے۔ میں کہتا ہوں "ایضا" کا یہاں کوئی مقام نہیں، کیونکہ یہ دلالت مفہوم بدائع پر مبنی ہے ورنہ کوئی دلالت نہیں جیسا کہ تم نے جانا، اور جو کچھ بدائع میں ہے اس پر اچھی طرح ہم بحث کر چکے ہیں وللہ الحمد، فرمایا اس پر خلاصۃ الفتاوٰی کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ناپاک شخص نے غسل

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۱۹ ۶

[2] " " " " " ۲/ ۸۱۹ ۶

قول محمد رحمه الله تعالٰی لایفسد مالم یغلب علیه یعنی لایخرجه عن الطهوریة[۱] اھ بلفظه۔

کیا؛ اس سے کچھ چھینٹے اُڑکر اس کے برتن میں پڑے تو اس کا پانی فاسد نہ ہوگا، اگر مستعمل بہہ کر اس میں گیا تو فاسد کردے گا اسی طرح حمام کا حوض، اور امام محمد کے قول پر فاسد نہ کرے گا جب تک غالب نہ ہوجائے، یعنی اس کو پاک کرنے کے وصف سے خارج نہ کریگا الآیہ کہ وُہ پاک پر غالب ہوجائے اھ بلفظہ۔ (ت)

اقول رحمك الله هذا ملتقی والکلام فی الملاقی ثم اورد علی نفسه سؤالا من قبل فروع کثیرة فی کتب مشهورة تخالف ماجنح الیه اورد منها فرع الخانیة لوصب الوضوء فی بئر ولم یکن استنجی به علی قول محمد لایکون نجسا لکن ینزح منها عشرون لیصیر الماء طهورا[۲] اھ وفرع[عہ] الخلاصة نحوه غیر ان فیه ینزح الاکثر من عشرین دلوا ومن ماء صب فیه عند محمد[۳] اھ قال فهذا ظاهر فی استعمال الماء بوقوع قلیل من الماء المستعمل فیه علی قول محمد رحمه الله تعالٰی[۴] واجاب بانه مبنی علی روایة ضعیفة عن محمد ان

میں کہتا ہوں خدا آپ پر رحم کرے یہ مُلتقی ہے جبکہ گفتگو ملاقی میں ہے، پھر انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ان فروع کثیرہ سے سوال وارد کیا جو کتب کثیرہ میں وارد ہیں، یہ سب ان کے نظریہ کے مخالف ہیں۔

خانیہ کی فرع: اگر وضو کا بچا ہُوا پانی کنویں میں بہادیا مگر اس سے استنجا نہیں کیا تھا تو یہ محمد کے قول پر نجس نہ ہوگا، تاہم اس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ پانی طہور ہوجائے اھ۔

خلاصہ کی فرع: یہ بھی اُسی طرح ہے مگر اس میں بیس ڈول سے زیادہ نکالے جانے کا ذکر ہے اور اُس پانی سے جو اس میں بہایا گیا ہے محمد کے نزدیک اھ۔ فرمایا اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تھوڑا مستعمل پانی، پانی

عہ اورده بعد عدة فروع والحقناه بفرع الخانیة لاتحاد صورتهما اھ منه غفرله (م)

انہوں نے اس فرع کو متعدد فروع کے بعد ذکر کیا ہے اور ہم نے اسے خانیہ کی فرع سے ملحق کیا ہے کیونکہ دونوں کی صورت ایک جیسی ہے اھ (ت)

---

۱ رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/ ۸۱۹-۶

۲ " " " " " " " "

۳ رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/ ۸۲۰-۶

۴ " " " " " " " ۲/ ۸۱۹-۶

الماء یصیر مستعملا بوقوع قلیل من الماء المستعمل لا علی الصحیح من مذھبہ انہ لا یصیر مستعملا مالم یغلب علیہ اھ[1] ونقل تصحیحہ عن المحیط وعن شرح الھدایۃ للعلامۃ سراج الدین الھندی ونقل عنہ عن التحفۃ انہ المذھب المختار[2]۔

میں گرجائے تو وہ پانی مستعمل ہوجائیگا یہ محمد کا قول ہے اھ اس کا یہ جواب دیا کہ محمد کا یہ قول ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے کہ پانی تھوڑے مستعمل پانی کے گرنے کی وجہ سے مستعمل ہوجائے گا، ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ پانی صرف اس وقت مستعمل ہوگا جب اس پر مستعمل پانی کا غلبہ ہوجائے اھ اور اس کی تصحیح کو محیط، سراج الدین ہندی کی شرح ہدایہ سے نقل کیا اور اُن سے تحفہ سے نقل کیا کہ وہی مذہب مختار ہے۔ (ت)

اقول ھو کما قال والفرعان فی الملقی فلا یمسان مورد النزاع والاستعمال لا یتوقف علی غلبۃ المستعمل بل عدمہ علی غلبۃ المطھر فان تساویا صار الکل مستعملا کما نصوا علیہ منھم ھو فی البحر۔

میں کہتا ہوں یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا اور یہ دونوں فرعیں مُلقی میں ہیں لہٰذا محل نزاع سے ان کا کوئی تعلق نہیں بنتا ہے اور استعمال مستعمل کے غلبہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کا عدم غلبہ مطہّر پر مبنی ہے تو اگر دونوں برابر ہوں تو کل مستعمل ہوجائے گا، جیسا کہ مشایخ نے اس کی تنصیص کی، بحر میں بھی یہی ہے۔ (ت)

اقول واقتصار المحیط والسراج والتحفۃ والخلاصۃ وغیرھا علی ذکر الغلبۃ لان المساواۃ الحقیقیۃ نادرۃ جدا کما قالوہ فی افھام افضلیۃ زید من قول القائل لا افضل منہ **وفرع**[3] جحط المذکور فی المتون والشروح وصورتہا رجل نزل لطلب الدلو ولیس علی بدنہ نجاسۃ فعند محمد الماء طاھر غیر طھور والرجل طاھر مع ان الماء الذی لاقی بدنہ فی البئر اقل من غیرہ وقد جعلہ محمد مستعملا لانعدام

میں کہتا ہوں محیط، سراج، تحفہ اور خلاصہ وغیرہ میں غلبہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے، کیونکہ حقیقی مساوات نادر ہے، مشایخ نے اس کو اس مثال سے واضح کیا ہے کہ اگر کوئی لا افضل من زید، کہے تو اس سے زید کی افضلیت سمجھ میں آتی ہے۔
جحط[3] کی فرع جو متون وشروح میں مذکور ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کنویں میں ڈول نکالنے کے لیے اُترا اور اس کے بدن پر نجاست نہیں ہے تو محمد کے یہاں پانی طاہر ہے طہور نہیں اور آدمی طاہر ہے حالانکہ وہ پانی جو کنویں میں سے اس کے

---

[1] رسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/ ۸۲۰
[2] " " " " " " "

الضرورۃ[1] اھ واجاب بما مر۔ | بدن پر لگا ہے دوسرے سے کم ہے، اور محمد نے اس کو مستعمل قرار دیا ہے کیونکہ ضرورت نہیں اھ اس کا جواب وُہ دیا جو گزرا۔ (ت)

اقول[ف1] رحمکم اللّٰہ ورحمنا بکم اذا ارید بطاء جحط طاھر غیر طھور فکیف تجعلونہ مبنیا علی روایۃ ضعیفۃ عن محمد وانتم القائلون فی بحرکم علم بما قررناہ ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور علی الصحیح[2] اھ نعم المشھور ان طاء ہ للطاھر الطھور کما ذکرتم فی البحر وحینئذ یرد الفرع من قبل ان سقوط حکم الاستعمال لاجل الضرورۃ فلتم فی البحر عند محمد الرجل طاھر والماء طاھر طھور وجہ قول محمد علی ماھو الصحیح[1] عنہ ان الصب لیس بشرط عندہ فکان الرجل طاھرا ولا یصیر الماء مستعملا وان ازیل بہ حدث للضرورۃ واما علی ما خرجہ ابوبکر الرازی

میں کہتا ہُوں اللّٰہ تم پر اور ہم پر رحم فرمائے اگر جحط کی "طا" سے طاہر غیر طہور مراد ہو تو آپ اس کو محمد کی روایت ضعیفہ پر کیونکر مبنی کرتے ہیں حالانکہ آپ بحر میں کہتے ہیں کہ ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آدمی پاک ہے اور پانی طاہر غیر طہور ہے صحیح مذہب پر اھ ہاں مشہور یہی ہے کہ اس کی "طا" طاہر کے لیے ہے اور طہور کے لیے، جیسا کہ تم نے بحر میں ذکر کیا، اور اس وقت فرع اس جانب سے وارد ہوگی کہ استعمال کا حکم ضرورت کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے تم نے بحر میں کہا ہے کہ محمد کے نزدیک مرد پاک ہے اور پانی طاہر طہور ہے امام محمد کے قول کی وجہ (صحیح روایت کے بموجب) یہ ہے کہ ان کے نزدیک بہانا شرط نہیں، تو آدمی پاک ہوا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ اس سے حدث زائل کیا گیا ہو

---

[1] اقول والمراد بہ استعمال الماء بازالۃ حدث وان لم ینو قربۃ خلافا لتخریج الامام الرازی ولذا قال واما علی ما خرج الخ فلیس تصحیحا لھذہ الروایۃ بل الصحیح ماتقدم انہ طاھر غیر طھور اھ منہ غفرلہ (م)

[1] میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ازالۂ حدث سے پانی مستعمل ہوجائے گا اگرچہ قربت کی نیت نہ ہو بخلاف امام رازی کی تخریج کے، اسی وجہ سے انہوں نے اما علی ماخرج الخ فرمایا لہٰذا یہ صحیح روایت نہیں بلکہ وہ ہے جو گزری کہ پانی طاہر غیر طہور ہے اھ۔ (ت)

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ والنظائر — ادارۃ القرآن کراچی — ۲/ ۶/۸۱۹

[2] بحرالرائق — کتاب الطہارت — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/ ۹۸

لایصیر مستعملا لفقد نیة القربة[1] اھ فان
ابیتموھا لانہا روایة غیر مختارة کما قدمنا
کانت المختارة اشد فی الرد وفرعٌ الاسرار
وھو کلامہ علی حدیث لایبولن اذ یقول
من قال ان الماء المستعمل طاھر طہور
لایجعل الاغتسال فیہ حراما وکذا من قال
طاھر غیر طہور لان المذھب عندہ ان الماء
المستعمل اذا وقع فی ماء اٰخر لم یفسدہ حتی
یغلب علیہ وقدر مایلاقی بدن المستعمل
یصیر مستعملا وذلک القدر من جملة ما
یغتسل فیہ عادة یکون اقل من ماء فضل عن
ملاقاة بدنہ فلا یفسدہ ویبقی طہورا ولا
یحرم فیہ الاغتسال الا ان محمدا یقول
یصیر ورتہ مستعملا بالاغتسال فیہ[2] اھ و
نقلہ فی البحر بلفظ ان محمدا یقول لما
اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا
حکما[3] اھ واجاب عنہ ایضا بما مر۔

ضرورت کی وجہ سے، اور ابوبکر الرازی کی تخریج کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس میں قربت کی نیت نہیں اھ تو اگر آپ اس روایت کا انکار کریں کہ یہ غیر مختار روایت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو مختار روایت تردید میں زائد ہوگی۔

اسرار کی فرع حدیث "لا یبولن" پر انکی گفتگو ہے کہ جو یہ کہتا ہے مستعمل پانی طہور و طاہر ہے تو وہ اس میں غسل کو حرام قرار نہیں دیتا ہے اور اسی طرح جو اس پانی کو طاہر غیر طہور کہتے ہیں کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جب مستعمل پانی دوسرے پانی میں مل جائے تو جب تک اس پر غالب نہ ہو اس کو فاسد نہیں کرتا اور صرف اسی قدر مستعمل ہوتا ہے جو بدن سے متصل ہوتا ہے اور یہ مقدار اس مجموعی پانی کی مقدار سے جس سے کہ غسل کیا جاتا ہے عادۃً اس پانی سے کم ہوا کرتی ہے جو ملاقاۃ بدن سے بچ رہا ہوتا ہے، تو یہ اس کو فاسد نہیں کرے گا اور طہور ہی رہے گا اور اس سے غسل حرام نہ ہوگا، تاہم محمد فرماتے ہیں کہ اس میں غسل کرنے سے یہ مستعمل ہوجائیگا اھ اور بحر میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے کہ محمد فرماتے ہیں کہ جب کوئی تھوڑے پانی میں غسل کرے گا تو سب کا سب حکماً مستعمل ہوجائے گا اھ
اور اس کا جواب بھی وہ دیا جو گزرا۔

اقول[ف1] سبحٰن اللہ صریح منطوق
الاسرار ان المذھب اعتبار الغلبة وان

میں کہتا ہوں سبحان اللہ، اسرار کا صریح منطوق
یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ اعتبار غلبہ کو ہے، اگرچہ اس کا

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[2] الرسالۃ فی جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ، ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶/۸۱۹
[3] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

قضیتہ ان لایصیر الکل مستعملا لان الملاقی حقیقۃ اقل من غیرہ الا ان محمدا جعل الکل مستعملا حکما فکیف یتوھم انہ مبنی علی روایۃ ضعیفۃ خلاف ذلک المذھب وانما ھو تخصیص لقضیتہ وتخصیص الحکم انما یبتنی علی الحکم لا علی خلافہ وھذا اوضح جدا وسر کلام الاسرار قد بیناہ[1] **وفرع المبتغی** بالغین لو ادخل الکف صار مستعملا[2] وزاد فی البحر **فرع**[3] العنایۃ والدرایۃ وغیرھما ان الجنب اذا نزل فی البئر بقصد الاغتسال یفسد الماء عند الکل[4] **وفرع الخانیۃ** لو ادخل یدہ او رجلہ فی الاناء للتبرد یصیر الماء مستعملا لانعدام الضرورۃ **وفرع** الاسبیجابی والولوالجی فیمن اغتسل فی بئر الی العشرۃ ولا نجاسۃ علیہ قال محمد صارت المیاہ کلہا مستعملا[5] وزاد قولہ الی اخر الفروع ارشادا الی الکثیر الباقی قال وھذا صریح فی استعمال جمیع الماء عند محمد بالاغتسال فیہ[6] اھ **واجاب عن** الکل بانہ مبنی علی روایۃ ضعیفۃ عن

تقاضا یہ ہے کہ کل مستعمل نہ ہوگا کیونکہ ملاقی حقیقۃً غیر ملاقی سے کم ہے مگر یہ کہ محمد نے کل کو حکماً مستعمل قرار دیا ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کسی ضعیف روایت پر مبنی ہے جو اُس مذہب کے خلاف ہے، یہ اس کے مقتضٰی کی تخصیص ہے اور حکم کی تخصیص حکم پر ہی مبنی ہوتی ہے نہ کہ خلافِ حکم پر، اور یہ بہت واضح ہے، اور اسرار کے کلام کا راز ہم نے بیان کردیا۔

مبتغی کی فرع: اگر ہتھیلی ڈالی تو پانی مستعمل ہوگیا اھ اور بحر میں اضافہ کیا ہے عنایہ اور درایہ وغیرہما کی فرع کا: جنب اگر کنویں میں غسل کی نیت سے اُترے گا تو سب ہی کے نزدیک پانی فاسد ہوجائے گا۔"

خانیہ کی فرع: اگر کسی نے اپنا پیر یا ہاتھ برتن میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ڈالا تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ ضرورت موجود نہیں ہے۔

اسبیجابی اور ولوالجی کی فرع: جو کنویں میں دس ہاتھ تک نہایا اور اس پر کوئی نجاست بھی نہیں ہے تو محمد نے فرمایا کل پانی مستعمل ہوجائیگا، اور اپنے قول الی آخر الفروع کا اضافہ کیا، باقی کثیر فروع کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا یہ صریح ہے امام محمد کے

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۱۹-۶
[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۱
[3] بحر الرائق " " ۱/ ۷۱
[4] بحر الرائق " " "
[5] بحر الرائق " " "

محمد قائلة بنجاسة الماء المستعمل[1] ثم استشهد بحمل الفتح فرعا فی الخانیة علیها وقد مرما فیه من ستة اوجه۔

نزدیک تمام پانی کے مستعمل ہونے میں اس میں غسل کرنے کی وجہ ہے، اور سب کا جواب یہ دیا کہ یہ ضعیف روایۃ پر مبنی ہے، یعنی محمد کی اس روایت پر کہ مستعمل پانی نجس ہوجاتا ہے، پھر یہ استشہاد کیا کہ فتح نے خانیہ کی ایک فرع کو اسی پر محمول کیا ہے اور جو اس پر اعتراض ہے وہ چھ وجوہ سے گزر چکا ہے۔

وفرع[9] منیة المصلی عن الفقیه ابی جعفر توضأ[1] فی أجمة القصب فان کان لایخلص بعضه الی بعض یجوز وفی الخلاصة توضأ فی أجمة القصب او ارض فیها زرع متصل بعضها ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز قال فمفهومه انه اذا کان اقل لایجوز التوضی فیه والاجمة محرکة الشجر الکثیر الملتف[2]۔

منیۃ المصلی کی فرع: یہ فقیہ ابوجعفر سے ہے کسی نے بانسوں کے جھنڈ میں وضو کیا اگر وہ اتنے گھنے ہیں کہ پانی کے حصے ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں تو جائز ہے اور خلاصہ میں ہے کہ بانسوں کے جھنڈ میں یا ایسی زمین میں جس میں پودے ایک دوسرے سے متصل ہوں، اگر وہ دہ در دہ ہو تو وضو جائز ہے، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس سے کم ہو تو جائز نہیں، اور أجمۃ محرکہ، گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔

وفرع[10] الکتاب بین الخلاصة والمنیة توضأ[2] فی حوض وعلی جمیع وجه الماء الطحلب ان کان بحال لوحرك یتحرك یجوز قال ومفهومه انه لوکان لایتحرك الطحلب بتحریك الماء لایجوز فان عدم تحرکه بتحریك الماء یدل علی انه بحالة من التکاثف والاستمساك لسطح الماء بحیث یمنع انتقال الماء المستعمل الواقع فیه الی محل اخر فیقع الوضوء بماء مستعمل والطحلب

خلاصہ اور منیہ کی فرع: حوض میں وضو کیا اور طحلب پانی کی تمام سطح پر ہو اگر وہ ایسا ہے کہ اس کو حرکت دی جائے تو سب ہل جائے تو جائز ہے، فرمایا اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر حرکت نہ کرے طحلب پانی کے حرکت دینے سے تو جائز نہیں کیونکہ پانی کے حرکت دینے سے اس کا متحرک نہ ہونا اس امر پر دلالت ہے کہ وہ اتنا کثیف ہے کہ مستعمل پانی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا مشکل ہے، تو وضو مستعمل پانی سے ہوگا، اور طحلب سبز رنگ کی گھاس ہے جو پانی پر تیرتی رہتی ہے اھ اور یہ حلیہ سے ماخوذ ہے، فرمایا یہ سبب

---

[1] الرسالة جواز الوضوء مع الاشباه من رسائل ابن نجیم ادارة القرآن کراچی ۲/ ۷/۸۲۰

[2] الرسالة جواز الوضوء " " "

نبت اخضر یعلو الماء بعضہ علی بعض اھ وھو ماخوذ عن الحلیۃ قال وھذا کلہ یدل ان الماء یصیر مستعملا بالوضوء فیہ مطلقا[1] اھ واجاب عنہما بحملہما علی نجاسۃ الماء المستعمل صرح بہ شارح المنیۃ العلامۃ ابن امیر الحاج فقال وانما قید الجواز بعدم الخلوص لانہ لوکان یخلص بعضہ الی بعض لایجوز لکن علی القول بنجاسۃ الماء المستعمل اما علی القول بطہارتہ فیجوز مالم یغلب علی ظنہ ان القدر الذی یغترفہ منہ لاسقاط فرض من مسح اوغسل ماء مستعمل اویمازجہ مستعمل مساو اوغالب اھ قال فھذا صریح فیما قلناہ من جواز الوضوء فی الفساقی واما مسألۃ الطحلب فقال شارح المنیۃ ایضا ھذا ایضا بناء علی نجاسۃ الماء المستعمل اومساواتہ اھ وکذا صرح فی مسألۃ توضأ فی حوض انجمد ماؤہ قالوا ان کان الجمد رقیقا ینکسر بالتحریک یجوز اما اذا کان کبیرا قطعا قطعا لایتحرک بالتحریک لایجوز فقال ھذا ایضا بناء علی نجاسۃ الماء المستعمل اما علی طہارتہ فالجواب ماذکرنا فی السابقات[2] اھ وانت تعلم انہ رحمہ اللہ تعالی

اس امر پر دلیل ہے کہ پانی اس میں وضو کرنے سے مطلقا مستعمل ہوجاتا ہے اھ اور ان دونوں سوالوں کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ ان دونوں کو مستعمل پانی کی نجاست پر محمول کیا ہے، اس کی تصریح شارح منیہ علامہ ابن امیر الحاج نے کی ہے، اور فرمایا کہ جواز کو عدم خلوص کے ساتھ مقید کیا کیونکہ اگر پانی کا کچھ حصّہ دوسرے حصہ کی طرف چلا گیا تو جائز نہیں، لیکن یہ تب ہے کہ جب مستعمل پانی کو نجس قرار دیا جائے، لیکن اگر اس کو پاک قرار دیا جائے تو جائز ہے تاوقتیکہ اس کو اس بات کا ظن غالب نہ ہوجائے کہ وہ مقدار جو اس پانی سے وہ چُلو بھر کر لے رہا ہے مسح یا دھونے کے فرض کو ساقط کرنے کیلئے کہ وہ مستعمل پانی ہے یا اس میں مستعمل پانی ملا ہوا ہے جو اس کے برابر ہے یا غالب ہے اھ فرمایا یہ اس بارے میں صریح ہے جو ہم نے کہا ہے کہ وضو فساقی میں جائز ہے، اور گھاس کا مسئلہ، تو منیہ کے شارح نے بھی فرمایا یہ بھی مستعمل پانی کی نجاست پر مبنی ہے یا وہ مستعمل پانی کے مساوی ہو اھ اور اسی طرح انہوں نے اس مسئلہ میں تصریح کی کہ کسی شخص نے ایسے حوض میں وضو کیا جس کا پانی منجمد ہوچکا تھا فرمایا اگر منجمد پانی ایسا ہے کہ ہلانے سے بآسانی ٹوٹ جاتا ہے تو جائز ہے اور اگر اس کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوں کہ ہلانے سے نہ ہلیں تو جائز نہیں، فرمایا یہ بھی اسی پر مبنی ہے کہ مستعمل پانی نجس ہے، اور اس کی پاکی کی

[1] الرسالۃ جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ۔ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۲۰-۸۲۱ ... ۷ ... ۸ (as printed: ۲ / ۷ ؍ ۸۲۰)

[2] ″ ″ ″ ″ ۲ / ۸ ؍ ۸۲۱

سلك بفرعی الاجمة والطحلب مسلكين وذلك
ان كلا منهما حكم بعدم جواز الوضوء ان كان
ماء الاجمة دون عشر في عشر او لا يتحرك
الطحلب بتحريك الماء فجعله واردا عليه
حيث افاد صيرورة كل الماء مستعملا
بالتوضي فيه اذا كان قليلا واجاب بحمله على
رواية النجاسة وحكم الحلبية بالجواز وان
كان قليلا ما دام اكثر بنا، على الطهارة فجعله
دليلا له حيث افاد ان الوضوء في الماء القليل
لا يفسده ما دام الطهور غالبا على المستعمل
واضاف اليهما فرع الجمد في الاحتجاج و
ان كان يصلح ايضا للايراد واقتصر في البحر على
ايراد الفروع الثلثة تصريحا بالاول وتلويحا
بالباقيين فيما هو له لا فيما هو عليه فقال ثم
رأيت العلامة ابن امير الحاج قال (فذكر
قوله المار) قال ثم قال ايضا واتصال
الزرع بالزرع لا يمنع اتصال الماء بالماء وان
كان مما يخلص فيجوز على الرواية المختارة
في طهارة المستعمل بالشرط الذي سلف
(اي غلبة الطهور على غيره) ثم ذكر اي الحلبي
مسائل على هذا المنوال وهو صريح فيما قدمنا
من جواز الوضوء بالماء الذي اختلط به ماء
مستعمل قليل[1] اه وقوله في الرسالة هذا
صريح فيما قلناه من جواز الوضوء في الفساقی

صورت میں تو جواب وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر آئے
ہیں اھ اور تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے جھنڈ اور کائی کے
مسئلہ میں دو راہیں اختیار کی ہیں، اور یہ اس لیے ہے
کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے حکم عدم جواز کا لگایا،
اگر جھنڈ کا پانی دَہ در دَہ سے کم ہو یا پانی کو حرکت دینے
سے کائی میں حرکت پیدا نہ ہو، انہوں نے قلیل پانی میں وضو
پر تمام پانی کو مستعمل قرار دینے کو اعتراض قرار دیا اور اس کا
جواب یہ دیا کہ یہ نجاست والی روایت پر محمول ہے اور حلبیہ
نے قلیل پانی میں وضو کو جائز کہا ہے بشرطیکہ وہ مستعمل پانی سے زیادہ
ہو کیونکہ وہ پاک ہے، اس کو انہوں نے اپنی دلیل بنایا
جہاں انہوں نے کہا کہ قلیل پانی میں وضوء پانی کو فاسد
نہیں کرتا جب تک پاک پانی غالب رہے، ان دونوں صورتوں کے
ساتھ انہوں نے استدلال میں انجماد کی فرع کا اضافہ کیا اگرچہ یہ
بھی اعتراض کی صورت بن سکتی ہے اور بحر میں تینوں فروع کے ذکر پر
اکتفا کیا ہے پہلی کی تصریح کی ہے اور باقی میں تلویح کی ہے،
ماھو لہ کا بیان کیا ہے نہ کہ ماھو علیہ کا۔ پھر
فرمایا کہ میں نے علامہ ابن امیر الحاج کو دیکھا انہوں
نے فرمایا (پھر ان کا گزشتہ قول نقل کیا) کہا نیز انہوں نے فرمایا کہ
کھیتی کا کھیتی سے متصل ہونا پانی کے پانی سے متصل
ہونے کو نہیں روکتا ہے اگرچہ یہ اس قبیلہ سے ہے
کہ پہنچ سکتا ہے، تو مختار روایت کے مطابق جو مستعمل
پانی سے طہارۃ جائز ہوگی مگر شرط وہی رہے گی جو گزری،
(یعنی طہور کا غلبہ غیر پر) پھر حلبی نے چند مسائل

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

او فق بمقصوده اذ لا نزاع فی مسألة الاختلاط غیر انه رحمه الله تعالی لما حکم بعدم الفرق بین الملقی والملاقی طفق لا یفرق بینهما فی الحجاج ثم انهی کلامه فی البحر بایراد حجة له اخری عن فتاوی العلامة قارئ الهدایة جمع تلمیذه المحقق علی الاطلاق سئل عن فسقیة صغیرة یتوضؤ فیها الناس و ینزل فیها الماء المستعمل فی کل یوم ینزل فیها ماء جدید هل یجوز الوضوء فیها اجاب اذا لم یقع فیها غیر الماء المذکور لا یضر اھ یعنی اذا وقعت فیها نجاسة تنجست لصغرها اھ[1] اھ[2]

اسی قسم کے ذکر کیے، اور وہ اُس میں صریح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی اگر غیر مستعمل پانی میں تھوڑا سا مستعمل مل جائے تو اس سے وضو جائز ہے اھ اور ان کا قول رسالہ میں "یہ صریح ہے اس امر میں کہ فساقی سے وضو جائز ہے" ان کے مقصود سے زیادہ موافق ہے، کیونکہ اختلاط کے مسئلہ میں تو کوئی نزاع ہی نہیں، البتہ صرف یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے ملقی اور ملاقی میں فرق نہیں کیا ہے تو قریب تھا کہ وہ ان دونوں سے استدلال میں بھی فرق نہ کرتے، پھر انہوں نے اپنا کلام بحر میں اس پر ختم کیا کہ اپنی ایک مزید دلیل فتاوی علامہ قاری ہدایہ سے دی، اس کو ان کے شاگرد محقق علی الاطلاق نے جمع کیا ہے، اُن سے ایک چھوٹے گڑھے کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں لوگ وضو کریں اس میں مستعمل پانی گرے اور ہر روز نیا پانی بھی آئے، اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں مذکورہ پانی کے علاوہ اور پانی نہ گرتا ہو تو کچھ حرج نہیں اھ یعنی اس میں اگر کوئی نجاست گرے گی تو یہ نجس ہو جائے گا کیونکہ یہ چھوٹا ہے اھ۔ (ت)

اقول وبالله التوفیق الایرادات و الحجج الاربع کلها مبنیة علی الذهول عن محل النزاع لان تلك الفروع طرا فی الملقی لا الملاقی اما فرع قارئ الهدایة فظاهر لقول السؤال ینزل فیها الماء المستعمل و

میں بتوفیقِ الٰہی کہتا ہوں دونوں اعتراض اور چاروں استدلال اس پر مبنی ہیں کہ محلِ نزاع پر نظر نہیں رکھی گئی کیونکہ یہ تمام فروع ملقی میں ہیں نہ کہ ملاقی میں، قاری الہدایہ کی فرع تو ظاہر ہے، کیونکہ سوال میں ہے کہ اس میں مستعمل پانی روز آتا ہے اور جواب میں ہے

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

[2] اھ السابق علی ھذین لکلام العلامة قارئ الهدایة وھو قول الامام ابن الهمام والاول من ھذین لکلام ابن الهمام من کلام البحر والاخیر لکلام البحر من کلام المصنف ۱۲ (م)

ان دونوں سے پہلے "اھ" علامہ قاری الہدایہ کے کلام کی انتہا ہے جس کو ابن ہمام نے ذکر کیا اور ان دونوں میں سے پہلی "اھ" ابن ہمام کے کلام کی انتہا ہے جس کو بحر نے بیان کیا اور آخری بحر کے کلام کی انتہا ہے جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے ۱۲ (ت)

قوله فی الجواب اذا لم یقع فیہا غیرہ و اما فروع
الحلیة الثلثة فلان مستند الجوابین و
الاحتجاجات کلام العلامة الحلبی وھو مصرح
بانہا جمیعا فی الملقی دون الملاقی الاتری
الی قولہ فی الاول ان کان لا یخلص بعضہ
الی بعض جاز لان الماء حینئذ کثیر ولو کان
الماء المستعمل الواقع فیہ نجاسة لم یمنع
فکیف وھو طاھر وانما قید الجواز الی اٰخر
مانقلتم وقال فی الثانی یمنع انتقال الماء
المستعمل الواقع فیہ وقد نقلتموہ وان لم
تعزوہ وقال فی الثالث ان کون الجمد ینکسر
بتحریک الماء لا یمنع من انتقال الماء
المتصل منہ فی الحوض من ذلک المحل
الواقع فیہ الخ وکذلک قال فی نظائرہ بل ھذا
علی طریق الحلیة مستفاد من نفس الفروع
فانہا فی الوضوء فی حوض او غدیر وقد افاد
فی الحلیة قبل الفرع الاول بصفحة فی الفرق
بین التوضی من حوض وفیہ ان التوضی
منہ لا یستلزم البتة وقوع الغسالة فیہ
بخلاف التوضی فیہ قال وکون وضوء المتوضئین
من موضع وقوع غسالاتہم فیہ ھو مقصود
الافادة من التفریع بخلاف کون وضوء
المتوضی منہ بحیث تقع غسالاتہم خارجہ
جائزا فان ذلک مجمع علیہ لا یتفرع علی
قول قوم دون اٰخرین[1] اھ ھذا کلہ علی

کہ جبکہ اس میں اس پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہ گرتی ہو، اور حلیہ کی تینوں فروع اس لیے کہ دونوں جوابوں کی سند اور استدلالات علامہ حلبی کا کلام ہیں، اور انہوں نے تصریح کر دی ہے یہ تمام ملقٰی میں ہیں نہ کہ ملاقی میں۔ چنانچہ ان کا پہلا قول دیکھا جائے کہ اس کا بعض، دوسرے بعض کی طرف نہ جاتا ہو تو جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں پانی کثیر ہوگا، اور اگر وہ ماءِ مستعمل جس میں نجاست گر گئی ہو مانع نہیں ہے تو جو طاہر ہے وہ کیسے ہوگا اور بیشک جواز کو مقید کیا الی آخر ما نقلتم اور دوسرے میں فرمایا منع کرتا ہے مستعمل پانی کا منتقل ہونا جس میں وہ واقع ہے حالانکہ تم نے اس کو نقل کیا ہے اگرچہ اس کے قائل کا نام نہیں لیا ہے، اور تیسرے میں فرمایا کہ برف کا پانی کو حرکت دینے سے ٹوٹ جانا حوض میں جو پانی اس سے متصل ہے اس کے منتقل ہونے کو مانع نہیں ہے الخ اور اسی طرح اس کی نظیروں میں فرمایا بلکہ حلیہ کے طریق کے مطابق یہ نفس فروع سے مستفاد ہے کیونکہ یہ بظاہر حوض یا تالاب سے وضوء سے متعلق ہیں، اور حلیہ میں فرع اول سے ایک صفحہ قبل فرمایا، حوض سے وضو اور حوض میں وضو کے اندر فرق ہے، اور اسی میں ہے کہ حوض سے وضو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دھوون حوض میں گرے، لیکن اگر حوض میں وضو کیا جائے تو دھوون لازمی طور پر اس میں گرے گا، فرمایا لوگوں کا اس جگہ سے وضو کرنا جہاں اُن کے دھوون کا پانی پڑتا ہے یہی تفریع کا اصل مقصود ہے اور ایسی جگہ وضو کرنا جہاں دھوون باہر گرتا ہو تو اس میں کسی کا

[1] حلیہ

طریق الحلیۃ وانا اقول وبہ استعین (ف۱) الوضوء فی الحوض یحتمل معنیین احدھما ان یغترف منہ بید اواناء ویتوضأ خارجہ بحیث تقع غسالتہ فیہ کقولک توضأت فی الطست وھو الذی اقتصر علیہ المحقق الحلبی و الاٰخران یغسل اعضاءہ بغمسہا فیہ کما یفعل کثیر من الناس فی الرجلین کقولک غسلت الثوب فی الاجانۃ وھذا اقرب الی ظرفیۃ الحوض للوضوء بالضم وان اطلق علی الاول لصیرورۃ (ف۲) الحوض ظرف الوضوء بالفتح فلا وجہ للقصر علی الاول والماء فی الاول ملق ای استعمل فی الخارج ثم القی فی الماء المطلق وفی الثانی ملاق ای ماء مطلق لاق بدنا ذا حدث فاسقط فرضا او بدن[۱] متقرب فاقام قربۃ و (ف۳) انت تعلم ان العبارۃ فی الفروع الثلثۃ تحتمل الوجہین بید انا لو حملناھا علی الثانی وجب ردھا الی روایۃ ضعیفۃ وھو نجاسۃ المستعمل او صیرورۃ المطلق مستعملا بوقوع المستعمل ولو قلیلا الا ما ترشش کالطل فانہ عفو دفعا للحرج وکلتاھما ضعیفۃ مھجورۃ والصحیح المعتمد طہارتہ وعدم تاثیرہ فی المطلق

اختلاف نہیں ، یہ ایسا نہیں کہ کچھ لوگوں کے قول پر متفرع ہو اور کچھ کے قول پر متفرع نہ ہو اھ یہ تمام بحث حلیہ کے نہج پر ہے ۔

میں کہتا ہوں حوض سے وضو کے دو[۲] معنی ہیں ایک تو یہ کہ حوض سے چلّو سے پانی لیا جائے یا برتن سے لیا جائے اور حوض کے باہر وضو کیا جائے اور اس کا دھوون حوض میں گرتا رہے ، جیسے کہا جاتا ہے "میں نے طشت سے وضو کیا ۔ محقق حلبی نے اس پر اکتفا کیا ہے ، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حوض میں اپنے اعضا ڈبو کر وضو کرے جیسے عام طور پر لوگ پیر دھوتے ہیں ، جیسے کہا جاتا ہے "میں نے ٹب میں کپڑے دھوئے" اور یہ حوض سے وُضو بالضم کا ظرف ہونے کے اقرب ہے ، اگرچہ اس کا اطلاق پہلے پر اس تاویل سے ہوتا ہے کہ وہ وَضو بالفتح کا ظرف ہے ، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو پہلے تک ہی مقصور رکھا جائے اور پہلے میں پانی ملقٰی ہے یعنی پہلے باہر استعمال کیا گیا پھر مطلق پانی میں ڈالا گیا اور دوسرے میں ملاقی ہے ، یعنی مطلق پانی جو حدث والے بدن کو ملا اور ایک فرض کو ساقط کیا یا متقرب کے بدن کو ملا اور ایک قربۃ اس سے ادا ہوئی اور آپ جانتے ہیں کہ تینوں فروع کی عبارت دونوں وجہوں کا احتمال رکھتی ہے ، صرف اتنا ہے کہ اگر ہم اس کو دوسرے پر

---

[۱] ادخلہ فی البحر فی المحدث حکما تبعا للدرایۃ وتقدم الرد علیہ فی الطرس المعدل اھ (م)

بحر نے اس کو حکماً محدث میں داخل کیا درایہ کی پیروی کرتے ہوئے طرس معدل میں اس کا رد پہلے گزرا اھ (ت)

مطلقا مالم يساوه او يغلب عليه والروايات
تصان عن مثله مهما امكن فظهران المراد
فى الثلاثة المعنى الثانى لا ما فهم المحقق
واضطر الى حملها على ضعيف واذن صارت
الثلثة حججا لنا ولا دليل ناطق على صرفها
الى ضعيف ومن يفعله ينقلب مدعيا بعد
ان كان سائلا فليتنور دعواه ببرهان واين
البرهان وذلك لان الاصل فى روايات
الائمة الاعتماد فمن استند بها فقد قضى
ماعليه، ومن يريد ردها الى ما يردها
فليات بدليل يلجئ اليه، ودعواى هذه
قد اعترف بها العلامة فى البحر والرسالة
معا اذ حكم بابتناء تلك الفروع على رواية
ضعيفة فقال وسيظهر لك صدق هذه
الدعوى الصادقة بالبينة العادلة فقد
اقرانه رحمه الله تعالى عاد بهذا مدعيا
فكيف تسلم بلا دليل اما ما ذكر فى البينة و
هو قول المحيط والعلامة السراج الهندى
والتحفة اذا وقع الماء المستعمل فى البئر عند
محمد يجوز التوضؤ به مالم يغلب على الماء
وهو الصحيح ولفظ التحفة على المذهب
المختار۔[۱]

محمول کریں تو اس کو ایک ضعیف روایت کی طرف راجع
کرنا پڑے گا اور وہ مستعمل پانی کا نجس ہونا ہے یا مطلق پانی کا
تھوڑے مستعمل پانی سے مل جانے کی وجہ سے مستعمل ہوجانا،
ہاں شبنم جیسے قطرے معاف ہیں حرج کو دفع کرنے
کے لیے۔ یہ دونوں روایتیں متروک اور ضعیف ہیں،
اور صحیح اور قابلِ اعتماد اس کی پاکی ہے اور اس کا مطلق
پانی پر اثر انداز نہ ہونا ہے تاوقتیکہ اس کے برابر
یا اس پر غالب نہ ہوجائے ________
اور روایتیں اس قسم کی چیز سے حتی الامکان محفوظ رکھی
جاتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ تینوں فروع میں دوسرے
معنی ہی مراد ہیں، وہ معنی نہیں ہیں جو محقق نے لیے ہیں
اور پھر ان کو ضعیف روایت پر حمل کرنا پڑا اور اس طرح
تینوں فروع ہماری دلیل بن گئی ہیں اور ان کو ضعیف
روایت پر محمول کرنے کے لیے کوئی دلیل ناطق موجود
نہیں، اور جو ایسا کرتا ہے وہ سائل کے بجائے اپنے
آپ کو مدعی بناتا ہے اور ایسی صورت میں اس کو
برہان لانا چاہئے، اور برہان کہاں سے ملے گا کیونکہ
ائمہ کی روایات میں اصل اعتماد ہے تو جو ان سے استناد کرے گا
اس نے اپنی ذمہ داری پوری کردی، اور جو ان کو کسی
اور طرف رد کرنا چاہتا ہے تو اُسے اس کی دلیل پیش
کرنا ہوگی، اور میرے اس دعوٰی کا اعتراف علامہ نے
بحر اور رسالہ دونوں میں کیا ہے کیونکہ انہوں نے ان کی
بنیاد کو ضعیف روایت پر مبنی قرار دیا ہے اور فرمایا کہ تم پر اس دعوٰی کی صداقت بینہ عادلہ سے ظاہر ہوجائیگی۔

---

[۱] الرسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۸۲۰-۷

انہوں نے اس میں اعتراف کرلیا کہ وہ اس طرح مدعی بن گئے ہیں، تو اب یہ دعوی بلا دلیل کس طرح قبول کیا جائیگا، اور بینہ ہیں جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ محیط علامہ سراج ہندی اور تحفہ کا قول ہے کہ اگر مستعمل پانی کنویں میں گر جائے تو محمد کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے تاوقتیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہو جائے اور یہی صحیح ہے اور تحفہ میں صراحت ہے کہ یہی مذہب مختار ہے۔ (ت)

فاقول ف۱ رحم الله الشيخ العلامة ما ذكره فهو في الملقى فكيف يدل على ابتناء ما في الاسرار والعناية والدراية وغيرهما من شروح الهداية وشرح الاسبيجابي وفتاوى الولوالجي وغيرها على رواية ضعيفة مع كونها في الملاقي والى هنا تم الكلام مع البحر والرسالة معا ولم يبق فيها شيئ غير حرف واحد في البحر وهو قوله رحمه الله تعالى لا يعقل[1] فرق بين الصورتين من جهة الحكم يعني الملقى والملاقي۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ علامہ پر رحم فرمائے، جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ملقی میں ہے تو یہ اسرار، عنایہ، درایہ (شروح ہدایہ)، شرح اسبیجابی اور فتاوٰی ولوالجی وغیرہ کی عبارات کے ضعیف روایت پر مبنی ہونے پر کیونکر دلیل بن سکتا ہے کیونکہ وہ ملاقی کے بارے میں ہیں، یہاں تک بحر اور رسالہ سے جو گفتگو تھی پوری ہوئی البتہ بحر نے ایک لفظ کہا ہے وہ یہ کہ ملقی اور ملاقی دونوں صورتوں میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ (ت)

اقول ف۲ ای لعمرك فرق وای فرق لان الاستعمال انما یثبت بازالة الماء حدثا او اسقاطه فرضا او اقامته قربة وذلك بملاقاته

میں کہتا ہوں دونوں صورتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ پانی کا مستعمل ہونا یا تو حدث کے ازالہ کی وجہ سے ہوتا ہے یا اسقاط فرض کی وجہ سے یا کسی

---

[1] ذكر ههنا عن بعض معاصريه الفرق بان في الوضوء يشيع الاستعمال في الجميع بخلافه في الصب اھ ثم رده وهي عبارة مدخولة فتحت على نفسها باب الرد فكان لما ذكر في البحر ساغ فلذا طوينا ذكره وسنعود اليه ان شاء الله تعالى في الفصل الرابع اھ منه غفر له۔

یہاں انہوں نے اپنے بعض معاصرین سے یہ فرق نقل کیا ہے کہ وضو سے استعمال تمام پانی میں ہوتا ہے اور بہانے میں یہ نہیں ہے، پھر خود ہی انہوں نے اس کا رد کیا اور یہ عبارت مدخولہ ہے، اس نے اپنے اوپر رد کا دروازہ کھول دیا ہے، تو جو بحر میں اس کا جواز تھا اس لیے ہم نے اس کو ذکر نہ کیا اور چوتھی فصل میں ہم اس کو ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی اھ منہ (ت)

بدن المحدث او المتقرب لاملاقاته مالاقاه والموجود فی الملاقی الاول وفی الملقی فیه الثانی ھذا کل ما ذکرہ فی الرسالۃ وھھنا اعنی فی بحث الماء المطلق فی البحر اما ما ذکر فی مسألۃ البئر جحط مفرعا علی قول الحلیۃ الماء المستعمل ھو الذی لاقی الرجل بقوله فعلی ھذا قولھم (ای فیمن نزل البئر للاغتسال) صار الماء مستعملا معناہ صار الماء الملاقی للبدن مستعملا لا جمیع ماء البئر اھ فقد قدمنا الکلام علیه کافیا شافیا بتوفیق اللّٰہ تعالٰی تحت الحادی والعشرین من الکلام مع العلامۃ قاسم وثلثة حجج قبله من التاسع عشر فھذہ اربعة۔

واقول خامسا [ف۱] لو صح ھذا لما احتجتم الی حمل تلک الروایات الظاھرۃ الکاثرۃ الوافرۃ علی روایۃ ضعیفۃ مرجوحۃ نادرۃ وکان یکفیکم ان تقولوا نعم صار مستعملا لکن ما لاقی البدن او الکف وھو مستھلک مغلوب فلا یضر۔

وسادسا [ف۲] حیث حکموا بسقوط الاستعمال فی ادخال الکف والانغماس

قربت کی ادائیگی کے باعث ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ وہ مُحدِث یا متقرِب کے بدن سے لگے نہ کہ اُس چیز کو لگے جو بدن کو لگی ہے، اور جو چیز مُلاقی میں موجود ہے وہ اوّل ہے اور مُلقٰی میں دوسری چیز ہے یہ رسالہ میں ہے، اور بحر کی مطلق پانی کی بحث میں ہے اور بحر نے مسئلہ جحط میں حلیہ کے اس قول پر تفریع کی ہے "الماء المستعمل ھو الذی لاقی الرجل" (مستعمل پانی وہ ہے جو آدمی کے جسم سے متصل ہو) تفریع کے لفظ یہ ہیں، تو اس بنا پر ان کا قول (یعنی جو شخص کنویں میں نہانے کو اُترا) پانی مستعمل ہوگیا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ بدن کو لگنے والا پانی مستعمل ہوگیا، یہ نہیں کہ کنویں کا سارا پانی مستعمل ہوجائے، اھ ہم نے اس پر مکمل بحث علامہ قاسم کے کلام پر گفتگو کرتے ہوئے اکیسویں نمبر کے تحت کردی ہے اور اس سے قبل انیسویں نمبر میں تین دلائل بیان کیے ہیں تو یہ چار ہوئے۔

خامساً میں کہتا ہوں اگر یہ بات درست ہوتی تو آپ ان کثیر ظاہر روایات کو ایک ضعیف روایت پر محمول نہ کرتے بلکہ صرف اتنا کہتے کہ ہاں وہ پانی مستعمل ہوگیا ہے، لیکن جو پانی بدن اور ہاتھوں کو لگا ہے وہ تھوڑا سا ہے اور مغلوب ہے تو نقصان دہ نہ ہوگا۔

سادساً مشایخ نے سقوطِ استعمال کا حکم لگایا ہے ہاتھ ڈالنے اور غوطہ کھانے کی صورت میں

لے بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١/٩٨

اطبقوا سلفا وخلفا وانتم معھم علی تعلیلہ بالضرورۃ کما قدمنا عن الفتح والخلاصۃ والتبیین والبزازیۃ والکافی والخانیۃ و الغنیۃ والحلیۃ والنھر والقدوری و الجرجانی والبرھان والصغری والفوائد الظھیریۃ والشمس الائمۃ الحلوانی وعن بحرکم و عنکم عن شمس الائمۃ السرخسی وشارح الھدایۃ الخبازی والمحقق حیث اطلق والزیلعی وابی الحسن وابی عبداللہ رحمھم اللہ تعالٰی و قدمناہ عن الخلاصۃ عن نص محرر المذھب محمد فی کتاب الاصل وعن الفتح عن کتاب الحسن عن صاحب المذھب الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھم ولوکان لایستعمل الاما لصق بالبدن فای حرج یلحق وای ضرورۃ تمس فان الماء مع ثبوت الاستعمال یبقی طاھرا مطھرا کما کان۔

وسابعا قدمنا عن الامام شمس الائمۃ الکردری ان ادخال المحدث یدہ فی الماء لا لضرورۃ یفسدہ[1] وعنکم عن المبتغی انہ یفسد الماء[2] وعنکم عن المبسوط عن نص محمد فی الاصل اغتسل الطاھر فی البئر افسدہ[3] وعن مجمع الانھر فسد عندہ[4] الکل وعن

سلف سے خلف تک اسی پر چلے آرہے ہیں اور آپ بھی اُن کے ہمنوا ہیں اور اس کے لیے علت ضرورت بتائی ہے جیسا کہ ہم فتح، خلاصہ، تبیین، بزازیہ، کافی، خانیہ، غنیہ، حلیہ، نہر، قدوری، جرجانی، برہان، صغری، فوائد ظہیریہ، شمس الائمہ حلوانی، بحر اور آپ کی سند سے شمس الائمہ سرخسی سے، شارح ہدایہ خبازی، محقق (انھوں نے اطلاق سے کام لیا) ابوالحسن و ابوعبداللہ سے روایت کر آئے ہیں اور اسکو ہم نے خلاصہ سے محرر المذہب امام محمد کا قول ان کی اصل سے نقل کیا ہے اور فتح سے حسن کی کتاب سے صاحب المذہب امام اعظم سے نقل کیا ہے، اگر صرف اتنا ہی مستعمل ہوتا ہے جو بدن سے لگا ہو تو کیا حرج لاحق ہوتا ہے؟ اور کونسی ضرورت درپیش ہوتی ہے؟ کیونکہ پانی باوجود ثبوت استعمال کے طاہر مطہر ہی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا۔

سابعاً ہم امام شمس الائمہ کردری سے نقل کر آئے ہیں کہ محدث کا اپنے ہاتھ کو پانی میں بلاضرورت ڈالنا پانی کو فاسد کردیتا ہے اور تم سے مبتغی سے روایت کی ہے کہ وہ پانی کو فاسد کردیتا ہے، اور تم سے مبسوط سے، محمد کی اصل میں نص سے روایت کی ہے کہ اگر پاک آدمی کنویں میں غسل کرے تو اس کو فاسد

---

[1] الھندیۃ بالمعنی فصل فیما لایجوز بہ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۲

[2] الھندیۃ " " " ۱/۲۳

[3] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۶

[4] مجمع الانھر فصل فی الماء بیروت ۱/۳۱

الھندیة عن النھایة یفسد بالاتفاق[1] ولفظ العنایة فسد الماء عند الکل[2] وعنکم عن الدرایة والعنایة وغیرھما یفسد عند الکل[3] فھذا صریح نص محمد فی الروایة الظاھرة وصرائح لنقول الاجماع فی الکتب المعتمدة منھا بحرکم علی ان الماء کلہ یصیر مستعملا حتی لایبقی صالحا لان یتوضأ بہ اذ لیس الفساد الاخروج الشیئ عما یصلح لہ ولوکان یجوز بہ الوضوء فاین فسد وکیف فسد۔

کردے گا، اور مجمع الانہر میں ہے کہ سب کے نزدیک فاسد ہوگیا، اور ہندیہ سے نہایہ سے منقول ہے کہ بالاتفاق فاسد ہوجائے گا، اور عنایہ کے الفاظ یہ ہیں کہ سب کے نزدیک پانی فاسد ہوگیا اور تم سے درایہ و عنایہ وغیرہما سے روایت کی ہے سب کے نزدیک فاسد ہوگیا تو یہ ظاہر روایت میں محمد کی صریح نص ہے، اور اجماع کی صریح نقول کتب معتمدہ میں موجود ہیں، بحر میں ہے علاوہ ازیں تمام پانی مستعمل ہوجاتا ہے حتی کہ اس سے وضو بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ فساد کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو چیز جس کام کی صلاحیت رکھتی تھی اب اس کے لائق نہ رہی اور اگر اس سے وضو جائز رہے تو پھر اس میں فساد کیوں اور کیسے ہوا؟ (ت)

وثامنا قدمنا عن الفتح عن کتاب الحسن عن صاحب المذھب الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ التصریح بابین لفظ لایقبل تاویلا ولایرضی تحویلا وھو قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یجز الوضوء منہ فثبت قطعا ان لامساغ لھذا التاویل وانہ مضاد لصریح نص امام المذھب وجلی نص محمد فی ظاھر الروایة بل مصادم لاجماع ائمة المذھب المنقول فی المعتمدات کبحرکم فالحق الناصع ھو المذھب المنصوص علیہ من ائمة المذھب فی الکتب الظاھرة المطبق علیہ فی الروایات المتواترة

ثامناً ہم نے فتح کے حوالہ سے حسن کی کتاب سے صاحب مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، اور یہ اتنا واضح اور صریح قول ہے کہ کسی قسم کی تاویل کو قبول نہیں کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں، تو قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ امام مذہب کے نص صریح کے مخالف ہے اور امام محمد کے واضح نص کے بھی خلاف ہے بلکہ کتب معتمدہ میں ائمہ مذہب کا جو اجماع منقول ہے اس کے بھی مخالف ہے، مثلاً آپ ہی کی بحر میں حکایت اجماع موجود ہے تو حق وہی ہے جو ظاہر روایت کی کتب میں ائمہ مذہب سے

---

[1] ہندیة الفصل الثانی من المیاہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۳

[2] عنایة مع فتح القدیر ماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹

[3] حاشیة الہدایة " " المکتبة العربیہ کراچی ۱/۲۳

اعنی ثبوت الاستعمال لجمیع الماء القلیل قلیلا کان او کثیرا بدخول جزء من بدن محدث فیه لم یرد ما یخالفه ولم یر فی کلام احد ما ینازعه الا لفظة وقعت فی کلام البدائع فی تعلیل وجدل مع وفاقه فی المروی وما قدر بحث مع نصوص صاحب المذهب وتصریح محررة فی کتاب ظاهر الروایة بل مع اجماع ائمة المذهب لاجرم ان بقیت تلك الکلمة لم یعرج علیها احد فیما نعلم الی عصر الامام المحقق علی الاطلاق حتی اتی تلمیذاه العلامتان القاسم والحلبی فاثراها، واثراها واثاراها، وجعلها العلامة قاسم نصا مرویا، وحکما مرضیا، ورد به نصوص المذهب المشهورة، والفروع المتواترة فی الکتب المنشورة، الی روایة ضعیفة مهجورة، ولم یات علیها بروایة منقولة ماثورة، ولا درایة مقبولة منصورة، فالمذهب هو المتبع، والحق احق ان یتبع، والله المستعان، وعلیه التکلان، وصلی الله تعالٰی علی سید الانس والجان، واٰله وصحبه وابنه وحزبه ما تعاقب الملوان، وبارك وسلم ابدا اٰمین، والحمد لله رب العلمین۔

الفصل الثالث فی کلام العلامة ابن الشحنة

رسالته رحمه الله تعالٰی اکثر من نصف کراسة سلك فیها مسلکا یخالف ما سلکه شیخه العلامة

منقول ہے اور جس پر متواتر روایات منطبق ہیں یعنی تمام قلیل پانی پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا جانا خواہ قلیل ہو یا کثیر جبکہ محدث کے بدن کا کوئی حصہ بھی اس میں داخل ہوجائے اس پر یہی حکم ہوگا، اس کے خلاف کسی کے کلام میں منقول نہیں صرف ایک لفظ بدائع میں تعلیل وجدل کے طور پر آیا ہے حالانکہ روایت کردہ پر وہ متفق ہیں لیکن نصوص مذہب کی موجودگی میں محض ایک بحث کی کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے، پھر محرر مذہب کی تصریح ظاہر الروایۃ کی کتاب میں ہے اور ائمہ مذہب کا اجماع ہے، پھر ایک اس کلمہ پر محقق علی الاطلاق کے زمانہ تک کسی نے غور نہ کیا یہاں تک کہ ان کے شاگرد علامہ قاسم اور حلبی آئے تو انہوں نے اس بات کو بڑھایا اور ترجیح دی اور پھیلایا اور علامہ قاسم نے تو اس کو اپنی پسندیدہ نص قرار دیا جس سے نصوص مذہب اور فروع متواترہ تک کو رد کردیا اور اس کی تائید میں صرف ایک ضعیف روایت لاسکے اور کوئی قابل عقلی یا نقلی دلیل پیش نہ کرسکے، تو مذہب حق وہی ہے جس کی پیروی کی گئی ہے اور حق ہی اس کا مستحق ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے واللہ المستعان، اسی پر بھروسا ہے، انس وجن کے سردار پر درود اور ان کی آل واصحاب، اولاد اور باقی جماعت پر تاقیامت برکتیں اور سلام نازل ہو، آمین والحمد للہ رب العالمین۔

تیسری فصل علامہ ابن الشحنہ کے کلام میں

ان کا رسالہ آدھی کاپی سے زیادہ ہے اس میں انہوں نے اپنے شیخ علامہ قاسم کے سراسر خلاف راہ اپنائی ہے کیونکہ

قاسم خلافا كليا فانه كان ادعى تسوية الملقى والملاقى فى جواز الوضوء وادعى هذا تسويتهما فى عدم الجواز ذكر رحمه الله تعالٰى مخاطب لسائله سألت ارشدنى الله واياك عن حوض دون ثلثة اذرع فى مثلها هل يجوز الوضوء فيه ام لا وهل يصير مستعملا بالتوضى فيه وذكرت ان المفتى به قول محمد رضى الله تعالٰى عنه انه طاهر غير طهور وان المتقاطر من الوضوء قليل لاقى طهورا اكثر منه فلا يسلبه وصف الطهورية واجبتك انه يجوز الاغتراف منه والتوضى خارجه لا فيه اهـ[1]

وہ تو جوازِ وضو میں مُلقٰی اور ملاقی کی برابری کے قائل تھے اور انہوں نے عدمِ جواز میں دونوں کی برابری کا قول کیا ہے وہ بصیغۂ خطاب فرماتے ہیں تُو نے مجھ سے سوال کیا خدا تجھ کو اور مجھے ہدایت دے ایک حوض کے بارے میں جو تین ہاتھ سے کم ہے، اس میں وضو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں وضو کرنے سے پانی مستعمل ہوگا یا نہیں؟ اور تُو نے ذکر کیا کہ مفتی بہ محمد کا قول ہے کہ وُہ پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے اور وضو سے جو ٹپکا ہے وُہ کم ہے اور جس پانی سے ملا ہے وہ زیادہ ہے تو وہ اس کی طہوریت کے وصف کو سلب نہیں کرسکتا ہے، میں نے تجھ کو یہ جواب دیا ہے کہ اس سے چلّو بھر کر پانی لے کر وضو باہر کرنا جائز ہے اس کے بیچ وضو کرنا جائز نہیں اھ

اقول فهذا ظاهر فى الملقى وان المراد التوضى فيه بالمعنى الاول اى بحيث تقع الغسالة فيه وقد كان السائل نبه على الحكم الصحيح فيه ان المتقاطر طاهر مغلوب لكن اجابه بالمنع وهو خلاف الصحيح كما علمت **والعجب** ان الشيخ سينقل ان الصحيح خلافه ثم مشى عليه وكان حريا بنا ان نحمل كلامه على التوضى فيه بالمعنى الثانى اى بغمس الاعضاء فيه ومعنى قوله التوضى خارجه ان تكون اعضاء المتوضى خارج الحوض كى يوافق الصحيح ولا يناقض كلام نفسه فيما ينقل من التصحيح وكان تخطئة السائل حيث سأل عن الوضوء فيه بغمس

میں کہتا ہوں یہ مُلقٰی میں ظاہر ہے اور یہ کہ اس سے مراد پہلے معنی کے اعتبار سے وضو کرنا ہے یعنی دھوون اس میں گرے اور سائل نے اس میں صحیح حکم پر خبردار کیا تھا کہ ٹپکنے والا پانی طاہر مغلوب ہے مگر انھوں نے اس کا جواب منع کے ساتھ دیا اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ صحیح کے خلاف ہے، اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ خود شیخ عنقریب یہ نقل کریں گے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اور پھر خود اسی پر چلے ہیں، اور ہمارے لائق بات تو یہ تھی کہ ہم اس کو دوسرے معنی میں لیتے وہ یہ کہ اس میں وضو کرنے پر محمول کرتے یعنی اس میں اعضاء کا ڈبو دینا، اور ان کے اس قول کے معنی کہ وضو حوض کے باہر، یہ ہیں کہ وضو کرنیوالے کے اعضاء حوض کے باہر ہوں تاکہ صحیح کے موافق ہو اور خود

---

[1] رسالہ ابن الشحنۃ

الاعضاء ولم یکن بعده محل لذکر قلة المتقاطر
الیسر علینا من تطرق امثال الخلل الی
کلام العلامة ولکنه رحمه الله سیصرح بهذا[1]
الظاهر فانسد باب التاویل ثم قدم مقدمة
فی بیان الماء الذی یظهر فیه اثر الاستعمال
والذی لا یظهر فیه قاصدا اثبات ان الحوض
المسئول عنه اعنی الصغیر مما یتأثر بالاستعمال
تأثره بالنجس فقال اعلم ان الماء الذی
یظهر فیه اثر الاستعمال هو الذی[1] یظهر فیه
اثر النجاسة وکل ما لا یظهر فیه اثر النجاسة
لا یظهر فیه اثر الاستعمال ولا فرق ثم
جعل یسرد الاقوال فی حد القلیل واطال الی
ان قال فثبت ح ظهور اثر الاستعمال وهو
سلب الطهوریة عن ماء الحوض الذی
سألت عنه وکان حکمه کالاناء والجب والبئر اه

کلام آپس میں متناقض نہ ہو یعنی اُس تصحیح کے جو نقل
کی جائے گی، اور انہوں نے سائل کو غلط اس لیے
ٹھہرایا کیونکہ اس نے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنے اعضاً
کو حوض میں داخل کرکے وضو کرنا چاہتا ہے اس کے بعد
اس کا محل نہ تھا کہ ٹپکنے والا کم ہے یہ ہم پر بہ نسبت
اس کے آسان ہے کہ علامہ کے کلام میں خلل کو مان
لیں مگر وہ خود اس ظاہر کی تصریح کریں گے تو تاویل کا
باب بند ہوگیا، پھر ایک مقدمہ اُس پانی کے بارے
میں بیان کیا جس میں اثرِ استعمال ظاہر ہوتا ہے
اور جس میں نہیں ہوتا ہے، اس سے ان کا ارادہ یہ بتانا کہ
وہ چھوٹا حوض جس کے بارے میں دریافت کیا جارہا ہے،
مستعمل پانی سے اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح نجس
پانی سے، اور فرمایا جاننا چاہیے کہ وہ پانی جس میں استعمال
کا اثر ظاہر ہوتا ہے وہی ہے جس میں نجاست کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور
جس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اس میں استعمال کا اثر بھی ظاہر
اور کوئی فرق نہیں پھر انہوں نے قلیل کے حد میں کئی اقوال پیش کیے اور کافی طوالت اختیار کی اور آخر میں کہا، تو ثابت ہوگیا کہ استعمال
کے اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جس حوض کی بابت دریافت کیا ہے اس کے پانی سے طہوریت سلب

---

[1] تعقیب المسند الیه بضمیر الفصل یفید قصر المسند علی المسند الیه فمفاد القضیة الاولی ان تأثیر النجاسة مقصور علی ما یؤثر فیه الاستعمال ای کل ما لا یظهر فیه اثر الاستعمال لا یظهر فیه اثر النجاسة ثم ذکر عکسه کلیا فافاد انهما شئ واحد وانه لا انفکاک لتأثیر عن اخراه منه غفرله۔ (م)

مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل لانا مسند کے مسند الیہ پر حصر کا فائدہ دیتا ہے تو پہلے قضیہ کا فائدہ یہ ہے کہ نجاست کا مؤثر ہونا اس چیز پر منحصر ہے جس میں استعمال مؤثر ہو یعنی جس میں استعمال کا اثر ظاہر نہ ہو اس میں نجاست کا اثر بھی ظاہر نہ ہوگا پھر انہوں نے اس کا عکس کلی ذکر کیا جس کا مفاد یہ ہے کہ دونوں شئ واحد ہیں اور یہ کہ ایک کی تاثیر دوسرے سے جدا نہ ہوگی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ہوگئی اور اس کا حکم برتن، گڑھے اور کنویں کی مانند ہوگیا۔

اقول رحمکم اللہ کل ما اتیتم بہ الی
ھنا انما بین ان القلیل الذی تؤثر فیہ النجاسۃ
کذا وکذا ولیس فی شیئ منہ ما یدل علی
ان کل قلیل یتأثر بالاستعمال کالنجاسۃ
وانما کان المقصود فیہ ولو تذکروا فیہ غیر
قولکم ان کل ما تأثر بہا تأثر بہ ولا فرق وھی
القضیۃ الاولی فی کلامکم اما الاخری القائلۃ
ان کل ما تأثر بہ تأثر بہا فلا کلام فیہا ولا
تمس المقصود اصلا ثم ذکر تکمیلا لتوضیحہ
وسرد فیہ فرع[1] الخلاصۃ ان الحوض الصغیر
قیاس الاوانی والحباب لایجوز التوضی فیہ
ولو وقعت فیہ قطرۃ خمر تنجس[1] وفرع[2]
البزازیۃ والتجنیس والخانیۃ اذا نقص الحوض
من عشر فی عشر لایتوضؤ فیہ بل یغترف منہ ویتوضؤ خارجہ[2]
ولفظ الخانیۃ لایجوز فیہ الوضوء[3] ولفظ التجنیس
اعلاہ عشر فی عشر واسفلہ اقل وھو ممتلئ
یجوز التوضی فیہ والاغتسال فیہ وان نقص
لا ولکن یغترف منہ ویتوضأ اھ[4] قلت وفی
عکسہ عکسہ ای اذا کان اسفلہ عشرا فی عشر اعلاہ

میں کہتا ہوں یہاں تک آپ نے جو کچھ بیان
کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل پانی وہ ہے جس میں نجاست
اثر کرے وہ پانی فلاں فلاں ہے، اس میں یہ کہیں
نہیں ہے کہ ہر قلیل پانی استعمال سے متاثر ہوتا ہے
جس طرح کہ نجاست سے متاثر ہوتا ہے اور اس سے وہ
مقصود تھا جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا صرف یہ ذکر کیا ہے کہ ہر پانی
جو نجاست سے متاثر ہوگا وہ استعمال سے بھی متاثر ہوگا بغیر کسی فرق
کے، یہ ہوا پہلا قضیہ تمہارے کلام میں اور دوسرا قضیہ
یہ ہے کہ جو پانی استعمال سے متاثر ہوگا وہ نجاست سے
بھی متاثر ہوگا، تو اس میں کلام نہیں، اور اس کا
مقصود سے کوئی تعلق نہیں، پھر اپنی وضاحت کی تکمیل
کی اور یہ فروع ذکر کیں، فرع[1] خلاصہ کہ چھوٹا حوض جو
برتنوں اور گڑھوں کی مانند ہو اس میں وضو جائز نہیں ہے
اور اس میں اگر ایک قطرہ شراب کا گر جائے تو وہ نجس
ہوجائے گا۔ [2] بزازیہ، تجنیس اور خانیہ میں ہے کہ جب
حوض دہ در دہ سے کم ہو تو اس میں وضو نہ کریگا بلکہ اس میں سے
چُلّو کے ذریعے لے گا اور وضو حوض سے باہر کرے گا، اور خانیہ کے
الفاظ یہ ہیں اس میں وضو جائز نہیں، اور تجنیس کے
الفاظ یہ ہیں کہ اس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہے اور نچلا

---

[1] خلاصۃ الفتاوی — الجنس الاول فی الحیاض — نولکشور لکھنؤ ۱/۵

[2] بزازیہ مع الھندیہ — نوع فی الحیض — نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵

[3] قاضی خان — فصل فی الماء الراکد — نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[4] بحر الرائق — کتاب الطہارۃ — سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

اقول لم یجز الوضوء فیہ ممتلئا فاذا نقص وبلغ الکثرۃ جاز وبہ یلغز ای ماء لا یجوز الاغتسال فیہ مادام کثیرا واذا قل جاز وفرع[۳] الخانیۃ خندق طولہ مائۃ ذراع او اکثر فی عرض ذراعین قال عامۃ المشایخ لا یجوز فیہ الوضوء ثم حکی عن بعضھم الجواز ان کان ماؤہ لو انبسط یصیر عشرا فی عشر[۱] اھ قلت[۲] وھو المختار در رعن عیون المذاھب والظھیریۃ وصححہ فی المحیط والاختیار وغیرھما واختار فی الفتح القول الاخر وصححہ تلمیذہ الشیخ قاسم لان مدار الکثرۃ علی عدم خلوص النجاسۃ الی الجانب ولا شک فی غلبۃ الخلوص من جھۃ العرض[۲] اھ ش۔

کم ہے اور وہ بھرا ہُوا ہو تو اس سے وضو بھی جائز ہے اور غسل بھی، اور کم ہو تو جائز نہیں البتہ اس سے چُلّو بھر کر پانی لے کر وضو کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے عکس میں حکم برعکس ہے یعنی جب اس کا نچلا حصّہ دہ در دہ ہو اور اوپر والا کم ہو تو اس میں وضو جائز نہیں جبکہ بھرا ہوا ہو، پس جب کم ہوجائے اور کثرت کو پہنچ جائے تو جائز ہے، اسی سے ایک فقہی پہیلی مشہور ہے" وہ کون سا پانی ہے کہ جب کثیر ہو تو اُس سے غسل جائز نہیں اور جب کم ہو تو جائز ہے۔ خانیہ کی فرع، ایک خندق ہے جس کی لمبائی سَو ہاتھ تھی یا اُس سے زیادہ ہے اور چوڑائی دو ہاتھ ہے تو عام مشایخ فرماتے ہیں اُس سے وضو جائز نہیں، اور بعض مشایخ سے جواز منقول ہے، بشرطیکہ وہ حوض ایسا ہو کہ اگر اس کے پانی کو پھیلایا جائے تو وہ دَہ در دَہ ہو جائے اھ میں کہتا ہُوں یہی مختار ہے اس کو درر نے عیون المذاہب سے اور ظہیریہ سے نقل کیا اور محیط واختیار وغیرہما نے اس کی تصحیح کی، اور فتح میں دوسرے قول کو اختیار کیا اور اس کی تصحیح ان کے شاگرد شیخ قاسم نے کی کیونکہ کثرت کا دارومدار نجاست کے دوسری جانب نہ پہنچنے پر ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلوص کا غلبہ چوڑائی کی طرف سے ہے اھ ش

اقول[۱] ھذا غیر مسلم اذ لو کان علیہ المدار لما جاز الوضوء فی الماء الکثیر من الجانب الذی فیہ النجاسۃ ولیس کذلک فعلوان المدار ھو المقدار اعنی المساحۃ فلا حاجۃ الی العرض وقد قال المحقق نفسہ قالوا فی غیر المرئیۃ یتوضؤ من جانب الوقوع وفی المرئیۃ لا من

میں کہتا ہُوں یہ مسلّمہ بات نہیں ہے کیونکہ اگر اسی پر مدار ہوتا تو کثیر پانی میں اس جانب سے وضو جائز نہیں ہوتا جس میں کہ نجاست ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو معلوم ہُوا کہ اصل چیز مقدار ہے یعنی پیمائش، تو چوڑائی کی کوئی حاجت نہیں، اور خود محقق نے فرمایا ہے" مشایخ کا غیر مرئی نجاست میں

---

[۱] قاضی خان — فصل فی الماء الراکد — نولکشور لکھنؤ — ۱/۳

[۲] رد المحتار — باب المیاہ — مصطفی البابی مصر — ۱/۱۴۲

ابی یوسف انه کالجاری لا یتنجس الا بالتغیر وھو الذی ینبغی تصحیحه لان الدلیل انما یقتضی عند الکثرۃ عدم التنجس الا بالتغیر من غیر فصل وھو ایضا الحکم المجمع علیه علی ما قدمناہ من نقل شیخ الاسلام ویوافقه ما فی المبتغی ان ماء الحوض فی حکم ماء جار[1] اھ و العلامة نفسه اطال فیه الکلام فی رسالته تلک واحتج بالاحادیث والاثار وقال فی اخرہ فثبت ان ماء الغدر لا یتنجس الا بالتغیر سواء کان الواقع فیه مرئیا او غیر مرئی فالجاری اولی[2] اھ وقال قبله علی قول صاحب الاختیار ان کانت النجاسة مرئیة لا یتوضؤ من موضع الوقوع الخ مانصه یقال له اذا کان الحکم ھذا فاین الاصل الذی ادعیته وھو ان الکثیر لا ینجس وکیف خرج ھذا عن دلیل الاصل الذی اوردته وھو الحدیث[3] الخ وقال علی قول البدائع انکانت مرئیة لا یتوضؤ من الجانب الذی فیه الجیفة مانصه کل مخالف للاصل المذکور والحدیث[4] اھ

کہتا ہے کہ جہاں نجاست گری ہے وہاں سے وضو کرسکتا ہے اور مرئیہ میں نہیں، اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ جاری پانی کی طرح ہے جب تک تغیر نہ ہوگا نجس نہ ہوگا اسی کی تصحیح ہونی چاہئے، کیونکہ دلیل کا تقاضا تو یہ ہے کہ کثرت کی صورت میں صرف اسی وقت ناپاک ہو جبکہ تغیر آجائے اور اس میں کوئی قید نہ ہو، یہ بھی اجماعی حکم ہے ہم اس پر شیخ الاسلام کی نقل بیان کرآئے ہیں، اور مبتغی میں اسکے موافق ہے کہ حوض کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے اھ اور علّامہ نے خود اپنے اس رسالہ میں اس پر طویل بحث کی ہے اور احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے اور اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تالابوں کا پانی صرف تغیر سے ناپاک ہوتا ہے خواہ گرنے والی چیز مرئی ہو یا غیر مرئی، تو جاری میں یہ حکم بطریق اولٰی ہوگا اھ اور اس سے قبل صاحبِ اختیار پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نجاست مرئیہ ہو تو گرنے کی جگہ سے وضو نہیں کریگا الخ ان کی عبارت اس طرح ہے "اس سے کہا جائیگا کہ جب حکم یہ ہے تو اس اصل کا کیا ہوا جو آپ نے بیان کی تھی کہ کثیر پانی ناپاک نہیں ہوتا اور یہ اُس دلیل اصل سے کیسے خارج ہوگیا جس کو آپ نے بیان کیا تھا اور وہ حدیث ہے الخ اور بدائع کے قول پر فرمایا کہ اگر نجاست مرئیہ ہو تو جہاں مردار گرا ہے وہاں سے

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۲
[2] زہر الروض فی مسئلۃ الحوض
[3] ایضاً
[4] ایضاً

وضو نہیں کرے گا، ان کی یہ تمام عبارت اصل مذکور اور حدیث کے مخالف ہے اھ

ثم اقول بل[ف1] ادارة الامر عليه يبطل اعتبار العرض فان المناط ان يكون بين النجاسة والماء الذی يريد ان يأخذه عشرة اذرع فاذا وقع النجس فی احد اطراف ذلك الخندق لم يخلص الی الطرف الآخر طولا وان خلص عرضا فيجوز الاخذ من الطول بعد عشرة اذرع وان لم يجز من العرض بل[ف2] ھو تبطل اعتبار المساحة رأسا اذ المدار على هذا على الفصل فلوان خندقا طوله عشرة اذرع وعرضه شبر وقع فی طرف منه نجس جاز الوضوء من الطرف الآخر لوجود الفصل المانع للخلوص وهذا لا يقول به احد منا ولو[ف3] وقع النجس فی الوسط والغدير عشر فی عشر بل عشرون فی العشرين الا اصبعا فی الجانبين تنجس كله لان الفصل فی كل جانب اقل من عشر و[ف4] كذا اذا كان مائة فی مائة بل الفا فی الف[1] ووقع بفصل عشر فی الاطراف ثم كل عشرين فی الاوساط قطرة نجس وجب تنجس الكل من دون تغير وصف، مع كونه عشرة آلاف

پھر میں کہتا ہوں کہ اس پر دارومدار کرنا عرض کے اعتبار کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ اس وقت علت حکم یہ ہے کہ اس کے اور نجاست کے درمیان دس ہاتھ کا فاصلہ ہو تو اگر اس خندق کے ایک کنارے میں نجاست گر گئی تو وہ لمبائی میں دوسرے کنارے تک نہیں آسکتی اگرچہ چوڑائی میں دوسری طرف پہنچ جائے، تو لمبائی میں دس ہاتھ کے بُعد سے اس پانی کا استعمال جائز ہوگا اگرچہ چوڑائی سے جائز نہیں، بلکہ یہ مساحت کے اعتبار کو باطل کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں دارومدار فصل پر ہے اب اگر کسی خندق کی لمبائی دس ہاتھ ہے مگر چوڑائی ایک بالشت ہے اور اس کے ایک کنارہ میں نجاست گر جائے تو دوسرے کنارے سے وضو جائز ہے کیونکہ خلوص کے لیے مانع موجود ہے، اور ہم میں سے یہ قول کسی کا نہیں۔ اور اگر نجاست تالاب کے بیچوں بیچ گر گئی اور تالاب دہ در دہ بلکہ بست در بست ہے مگر دونوں طرف سے ایک ایک انگل کم ہے تو پورے کا پورا ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ فصل ہر جہت میں دس سے کم ہے، اسی طرح اگر وہ سَو در سَو ہو بلکہ ہزار در ہزار ہو، اور نجاست دس ہاتھ

---

[1] فتكفی لتنجيس عشرة آلاف ذراع خمس و عشرون قطيرة كحبة الجاورس مثلا ولتنجيس ماء منبسط فی الف الف ذراع الفان وخمسمائة. اھ منه غفر له۔ (م)

دس ہزار گز کو نجس کرنے کے لیے نجاست کے پچیس قطرے باجرہ کے دانہ برابر کافی ہیں اور ایک لاکھ گز میں پھیلنے والے پانی کو نجس کرنے کے لیے دو ہزار پانچ سو قطرے کافی ہیں اھ منہ غفرلہ (ت)

ذراع بل الف الف، فالحق ان المدار هو المقدار، والماء بعده كماء جار، والله تعالى اعلم۔

کے فاصلہ سے اطراف میں واقع ہو اور پھر ہر بیس کے درمیان میں ایک نجس قطرہ ہو تو کل نجس ہو جائیگا خواہ وصف میں تغیر نہ ہوا ہو دس ہزار گز ہونے کے باوجود بلکہ لاکھ گز ہونے کے باوجود حق یہ ہے کہ دارو مدار مقدار پر ہے اور پانی اس کے بعد ماءِ جاری کی طرح ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقول ويظهر للعبد الضعيف انه كان ينبغي ان يجعل هذا هو المقصود بظاهر الرواية ان الكثير ما لا يخلص بعضه الى بعض واعتبروه بالارتفاع والانخفاض بتحريك الوضوء من ساعته او الغسل او الاغتراف او التكدر او سراية الصبغ والاول هو الصحيح ويقرر ان المقصود به ليس الا تحصيل جامع بينه وبين الجاري قال الامام ملك العلماء في البدائع عن ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه في جاهل بال في الماء الجاري ورجل اسفل منه يتوضؤ به قال لا بأس به وهذا لان الماء الجاري مما لا يخلص بعضه الى بعض فالماء الذي يتوضؤ به يحتمل انه نجس ويحتمل انه طاهر والماء طاهر في الاصل فلا نحكم بنجاسته بالشك[1] اھ۔

میں کہتا ہوں اس عبدِ ضعیف پر یہ ظاہر ہوا کہ مناسب یہ تھا کہ اسی کو ظاہر الروایۃ کا مقصود بنایا جاتا یعنی کثیر وہ ہے کہ بعض بعض میں شامل نہ ہو اور اس میں انہوں نے پانی کے زیر و بم کا لحاظ کیا ہے، وضو، غسل، چُلّو سے پانی لینے، گدلا ہونے یا رنگ کے سرایت کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے، اور اول ہی صحیح ہے، اور یہ مقرر ہے کہ مقصود اس پانی اور جاری پانی میں کوئی جہت جامعہ تلاش کرنا ہے، ملک العلماء نے بدائع میں ابوحنیفہ سے نقل کی ہے کہ اگر کوئی جاہل جاری پانی میں پیشاب کردے اور اس کے نچلے حصے میں کوئی شخص وضو کر رہا ہو تو فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاری پانی کے اجزا ایک دوسرے میں شامل نہیں ہوتے ہیں، تو جس پانی سے وہ وضو کر رہا ہے اس کے بارے میں احتمال ہے کہ پاک ہو اور احتمال ہے کہ ناپاک ہو، اور پانی اصل کے اعتبار سے پاک ہے تو شک کی بنا پر اس پر ناپاکی کا حکم نہیں کیا جائے گا اھ

اقول معناه ان البول يستهلك في الماء فيصير كجزء منه لكن لا يطهر لنجاسته عينا فهذا ماء بعضه نجس غير ان الماء الجاري لا يتأثر بقيته بهذا البعض وهذا معنى قوله لا يخلص

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ پیشاب پانی میں گُم ہو جاتا ہے اور اس کے ایک جزء کی طرح ہوجاتا ہے لیکن وہ پاک نہیں کرتا ہے کہ اس کی ذات نجس ہے تو یہ ایسا پانی ہے جس کا بعض نجس ہے مگر جاری پانی

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر المحل نجسا سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

بعضه الی بعض فانه[ف۱] فهم ما ارد علیه العلامة
قاسم فی الرسالة بقوله هذا مما لا یکاد یفهم و
من نظر تدافع امواج الانهار جزم بخلاف
مقتضی هذه العبارات اه[۱] وکانه ظن ان
المراد لا یصل بعضه الی بعض ولو[ف۲] ارید هذا لم
یکن فی تدافع الامواج ما یدفعه فان التموج
حین یوصل الماء الاول مکان الثانی
ینقل الثانی الی مکان الثالث فلا یثبت
وصول الاول الی الثانی بل الی مکانه الاول و
بالجملة المقصود حصول هذا المعنی الملحق
ایاه بالجاری فاذا حصل لحق وصار لا یقبل
النجاسة اصلا لانه یتنجس من موضع النجاسة
الی حیث یخلص بعضه الی بعض و یبقی الباقی
علی طهارته حتی یجب ان یترك من موضع
النجاسة قدر حوض صغیر کما هی روایة الاملاء
وذلك[ف۳] لان الماء یتنجس بالمتنجس تنجسه
بالنجس فان صار قدر ما یخلص الیه نجسا
کیف یبقی ما بعده طاهرا مع اتصاله به و
والله تعالی اعلم هذا وذکر المسألة فی البدائع
فجعل الجواز احکم وعدمه احوط حیث قال اذا
کان الماء الراکد له طول بلا عرض کالانهار
التی فیها میاه راکدة لم یذکر فی ظاهر الروایة
وعن ابی نصر محمد بن محمد بن سلام

کے بقیہ اجزاء اس سے متاثر نہیں ہوتے ہیں، اور یہی
مفہوم اس عبارت کا ہے کہ اس کا بعض حصہ دوسرے
بعض کی طرف نہیں پہنچتا ہے، تو وہ اعتراض جو علامہ
قاسم نے اپنے رسالہ میں کیا وُہ ختم ہوا، اعتراض یہ ہے
"یہ ایک ناقابلِ فہم چیز ہے اور جو شخص بھی نہروں کی ٹکراتی
ہوئی موجوں کا مشاہدہ کرے گا اس کو معلوم ہوجائیگا
کہ ان عبارات میں جو لکھا ہے وُہ غلط ہے" اور غالباً
انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ پانی کا بعض حصّہ
دوسرے بعض تک نہیں پہنچتا ہے، اگر بات یہی ہوتی
تو موجوں کے ٹکراؤ سے اس کی تردید نہ ہوتی، کیونکہ
موج جب پہلے کو دوسرے کی جگہ لے جائے گی تو
دوسرے کو تیسرے کی جگہ لے جائے گی تو پہلا پانی دوسرے
پانی کی جگہ تک نہیں پہنچے گا بلکہ اس کی پہلی جگہ تک پہنچے گا،
خلاصہ یہ کہ اس میں اس وصف کا حاصل ہونا ہے
جو اس کو جاری پانی سے ملاتا ہے، اگر یہ وصف پایا جائیگا
تو وہ جاری پانی کے حکم میں ہوگا اور نجاست کو بالکل
قبول نہ کرے گا، یہ نہیں کہ نجاست کی جگہ سے وہ
ناپاک ہوجائے گا، اور جہاں تک اس کے اجزاء
جائیں گے اور باقی اپنی اصلی طہارت پر باقی رہے گا
یہاں تک کہ نجاست کی جگہ سے چھوٹے حوض کی مقدار
میں جگہ چھوڑ دی جائے جیسا کہ یہ املاء کی روایت ہے
کیونکہ پانی ناپاک چیز سے ایسا ہی ناپاک ہوجاتا ہے
جیسا کہ خود نجس چیز سے، تو اگر اتنی مقدار جو اس کی طرف

---

۱ رسالہ لعلامہ قاسم

ان كان طول الماء مما لا يخلص بعضه الى بعض يجوز التوضؤ به وعن ابى سليمن الجوزجانى لا وعلى قوله لو وقعت فيه نجاسة ان كان فى احد الطرفين ينجس مقدار عشرة اذرع وان كان فى وسطه ينجس من كل جانب مقدار عشرة اذرع فما ذهب اليه ابونصر اقرب الى الحكم لان اعتبار العرض يوجب التنجيس واعتبار الطول لا يوجب فلا ينجس بالشك وما قاله ابوسليمن اقرب الى الاحتياط لان اعتبار الطول ان كان لا يوجب التنجيس فاعتبار العرض يوجب فيحكم بالنجاسة احتياطا اھ[1]۔

آرہی ہے نجس ہوجائے تو اس کے بعد جو بچا ہے وہ طاہر کیسے رہے گا حالانکہ وہ بھی اس کے ساتھ متصل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ بدائع میں مسئلہ کا ذکر کیا اور جواز کو مضبوط اور عدمِ جواز کو احوط قرار دیا، فرمایا جب پانی ٹھہرا ہوا ہو اس میں طول ہو مگر عرض نہ ہو جیسا کہ نہروں میں ٹھہرا ہوا پانی۔ ظاہر روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے، اور ابونصر محمد بن محمد بن سلام سے مروی ہے کہ اگر پانی کی لمبائی ایسی ہے کہ پانی کا بعض دوسرے بعض تک نہ پہنچتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے، ابوسلیمان الجوزجانی سے ہے کہ نہیں، اور ان کے قول پر اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو اگر وہ کسی ایک کنارے پر ہو تو دس ہاتھ کی تعداد پر ناپاک ہوجائے گا، اور اگر درمیان میں ہو تو ہر جانب سے دس ہاتھ ناپاک ہوجائے گا تو ابونصر کا قول اقرب الی الحکم ہے کیونکہ چوڑائی کا اعتبار ناپاک کرتا ہے اور لمبائی کا اعتبار نجاست لازم نہیں کرتا، تو شک سے ناپاک نہ ہوگا، اور جو ابوسلیمان نے کہا وہ اقرب الی الاحتیاط ہے کیونکہ لمبائی کا اعتبار اگر نجس کرنے کو واجب نہیں کرتا تو چوڑائی کا اعتبار واجب کرتا ہے تو نجاست کا حکم احتیاطاً لگایا جائے گا اھ

اقول فى كلا التعليلين نظر بل الطول يوجب الطهارة والعرض لا يوجب تنجيسه لان المدار اذا كان على الخلوص وعدمه فعدمه من جهة الطول ظاهر ووجوده من جهة العرض زائل لان بقلة العرض يحصل الخلوص فى العرض وكيف يسرى منه الى الطول مع وجود الفصل المانع للخلوص؟

میں کہتا ہوں دونوں تعلیلوں پر اعتراض ہے بلکہ لمبائی طہارت کو واجب کرتی ہے اور چوڑائی اس کی ناپاکی کو واجب نہیں کرتی کیونکہ دارومدار خلوص کے ہونے نہ ہونے پر ہے تو اس کا عدم لمبائی کے اعتبار سے ظاہر ہے اور اس کا وجود چوڑائی کے اعتبار سے زائل ہے، کیونکہ چوڑائی کی قلت سے خلوص حاصل ہوگا چوڑائی میں تو اس سے لمبائی کی طرف کیسے چلے گا حالانکہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

ان شئت فشاهده بما جعلوه معیار الخلوص وعدمه فانك اذا توضأت فیه یتحرك فی عرضه لاجمیع طوله وكذا الصبغ والتكدیر واجاب فی البحر بان هذا وان كان الاوجه الا انهم وسعوا الامر علی الناس وقالوا بالضم ای ضم الطول الی العرض كما اشار الیه فی التجنیس بقوله تیسیرا علی المسلمین[1] اھ واقرہ ش۔

فصل خلوص کو مانع ہے، اور اگر تو چاہے تو اس کا مشاہدہ اس چیز سے کر جس کو انہوں نے خلوص و عدمِ خلوص کا معیار قرار دیا ہے کیونکہ جب اس میں وضو کریں گے تو اس کے عرض میں اس کی حرکت ہوگی نہ کہ اس کے طول میں۔ اسی طرح رنگ اور گدلا پن۔ اور بحر میں جواب دیا کہ یہ اگرچہ اوجہ ہے مگر فقہاء نے لوگوں پر معاملہ کو آسان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ طول کو عرض سے ملایا جائے، چنانچہ تجنیس میں فرمایا تیسیرا علی المسلمین اھ (مسلمانوں کو سہولت دینے کے لیے) اور اس کو برقرار رکھا ش نے۔

اقول لیس باوجه فضلا عن ان یكون الاوجه وانما الاوجه الجواز كما علمت وبالله التوفیق ھذا ثم ذكر فی زھر الروض فرع الخانیة حوض كبیر فیه مشرعة ان كان الماء متصلا بالالواح بمنزلة التابوت لایجوز فیه الوضوء و اتصال ماء المشرعة بالماء الخارج منها لاینفع كحوض كبیر انشعب منه حوض صغیر فتوضأ فی الصغیر لایجوز وان كان ماء الصغیر متصلا بماء الكبیر وكذا لایعتبر اتصال ماء المشرعة بما تحتها من الماء ان كانت الالواح مشدودة[2] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ اوجہ نہیں، چہ جائیکہ الاوجہ ہو، اوجہ تو جواز ہی ہے جیسا کہ آپ نے جانا وباللہ التوفیق پھر زہر الروض میں فرمایا، خانیہ کی فرع، ایک بڑا حوض ہے جس میں ایک نالی ہے، اب اگر اس کے تختے تابوت کی طرح ملے ہوئے ہیں تو اس میں وضو جائز نہیں اور نالی کے پانی کا متصل ہونا نفع بخش نہیں ہے، جیسے بڑے حوض میں سے چھوٹا حوض نکال لیا جائے اور کوئی شخص اس چھوٹے حوض سے وضو کرے تو جائز نہیں اگرچہ چھوٹے کا پانی بڑے کے پانی سے متصل ہو اسی طرح نالی کے پانی کا نیچے کے پانی سے متصل ہونا معتبر نہیں اگر تختے بندھے ہوں اھ

اقول انما مبناہ فیما یظھر ما تقدم فی فرعھا الثالث من اشتراط العرض والا فلا شك

میں کہتا ہوں اس کا دار و مدار بظاہر اسی چیز پر ہے جو تیسری فرع میں گزرا یعنی چوڑائی کی شرط ورنہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۷

[2] فتاوی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نول کشور لکھنؤ ۱/ ۴

فی حصول المساحة المطلوبة عند اتصال الماء
وقد علمت ان اشتراطه خلاف الصحیح الرجیح
الوجیه وفرع الخانیة حوض صغیر یدخل
الماء من جانب ویخرج من جانب قالوا ان کان اربعا فی
اربع فمادونه یجوز فیه التوضی وان کان اکثر لا
الا فی موضع دخول الماء وخروجه لان فی
الوجه الاول مایقع فیه من الماء المستعمل
لایستقر فیه بل یخرج کما دخل فکان جاریا
وفی الوجه الثانی یستقر فیه الماء ولا یخرج الا
بعد زمان والاصح ان هذا التقدیر لیس بلازم
وانما الاعتماد علی ماذکر من المعنی فینظر فیه
ان کان ماوقع فیه من الماء المستعمل یخرج
من ساعته ولا یستقر فیه یجوز فیه التوضی
والافلا وذلک یختلف بکثرة الماء الذی یدخل
فیه وقوته وضد ذلک[1] اھ۔

مطلوبہ پیمائش کے پانی کے اتصال کے وقت حاصل
ہوجانے میں کوئی شک نہیں، اور آپ جان چکے ہیں
کہ اس کی شرط صحیح رجیح وجیہ کے خلاف ہے۔ خانیہ
کی فرع، ایک چھوٹا حوض ہے جس میں ایک طرف سے
پانی داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکلتا ہے
تو فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر چہار در چہار ہے یا اس سے
کم ہے تو اس میں وضو جائز ہے اور اگر زیادہ ہے
تو نہ ہوگا، صرف پانی کے داخل ہونے کی جگہ سے یا
خارج ہونے کی جگہ سے ہوجائے گا کیونکہ پہلی صورت
میں جو مستعمل پانی اس میں داخل ہوگا وہ اس میں نہیں
ٹھہریگا بلکہ داخل ہوتے ہی نکل جائیگا تو جاری ہوگا اور دوسری
صورت میں پانی اس میں ٹھہریگا اور کافی دیر بعد نکلے گا اور زیادہ صحیح
یہ ہے کہ یہ اندازہ لازم نہیں ہے، اور اعتماد صرف اسی
وصف پر ہے جو ذکر کیا گیا ہے، تو اس میں غور کیا جائے
کہ اگر مستعمل پانی داخل ہوتے ہی نکل جاتا ہے اور
اس میں ٹھہرتا نہیں تو اس میں وضو جائز ہے ورنہ نہیں اسکا
دارومدار اس پانی کی قوت وضعف پر ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے اھ

اقول ھو خلاف ماعلیه الفتوی قال
فی الدر والحقوا بالجاری حوض الحمام لو
الماء نازلا والغرف متدارک کحوض صغیر
یدخله الماء من جانب ویخرج من اخر
یجوز التوضی من کل الجوانب مطلقا به یفتی[2]
اھ ای سواء کان اربعا فی اربع او اکثر اھ ش[3]

میں کہتا ہوں یہ مفتی بہ قول کے خلاف ہے، در
میں فرمایا فقہاء نے حوض حمام کو جاری پانی کا حکم دیا ہے، خواہ
پانی اتر رہا ہو اور مسلسل چلو بھر کر پانی لیا جائے جیسے چھوٹا
حوض کہ جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہو کر دوسری
طرف سے نکل جاتا ہو تو ایسے حوض کے ہر طرف سے وضو
جائز ہے، اسی پر فتوی ہے، یعنی وہ چار چار کا ہو یا زیادہ

---

[1] فتاوی خانیة المعروف قاضی خان — فصل فی المیاہ — نولکشور لکھنؤ — ۱/۳
[2] درمختار — باب المیاہ — مجتبائی دہلی — ۱/۳۶
[3] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر — ۱/۱۴۰

وعليه الفتوى من غير تفصيل هندية عن صدر الشريعة والمجتبى والدراية وفرع الخانية بعد ما مرّ وكذا قالوا في عين ماء هي سبع في سبع ينبع الماء من اسفلها ويخرج من منفذها لا يجوز فيه التوضي الا في موضع خروج الماء منها[1] اھ

اقول هو ايضا خلاف الفتوى قال في الدر بعد ما تقدم وكعين هي خمس في خمس ينبع الماء منه به يفتى[2] اھ قال الشيخ اعني ابن الشحنة وصرح الامام الحصيري في خير مطلوب بان الحاصل ان الشرط عدم استعمال الماء الذي استعمله ووقع منه[3] اھ قال وهذا محقق استعماله في الحوض الذي سألت عنه وهذه الفروع صريحة في عين مسألتك[4] اھ۔

اقول اولاً كل هذه الفروع ماعدا الاولين خلاف الصحيح والمفتى به كما علمت وكذا الاولان على محمل يفيده كما سيأتي فلا يصح الاحتجاج بها وثانيا هذه سبعة فروع وان عددت فرع البزازية والتجنيس والخانية الاولى كلا بحياله فتسعة وليس في شيئ منها ما يفيد دعوى التسوية بين الملقى والملاقي في سلب الطهورية حتى الفرع السادس فرع حوض

ہو اھ ش، اور اسی پر فتوٰی ہے بلا تفصیل ہندیہ، صدر الشریعۃ، مجتبٰی اور درایہ سے۔ خانیہ کی فرع: اسی طرح فقہاء نے اس چشمے کی بابت فرمایا ہے جو سات سات کا ہو، اس کے نیچے پانی کا سوتا ہو اور پانی اس کی نالی سے نکلتا ہو، اس حوض سے صرف اسی جگہ سے وضو جائز ہے جہاں سے پانی نکل رہا ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ بھی خلافِ فتوٰی ہے، در میں فرمایا اور جیسے وہ چشمہ جو پانچ پانچ کا ہو، جس میں پانی پھُوٹ رہا ہو، یہ مفتی بہ ہے اھ شیخ ابن الشحنہ نے فرمایا اور امام حصیری نے خیر مطلوب میں صراحت کی کہ اصل چیز یہ ہے کہ مستعمل پانی کو دوبارہ مستعمل نہیں ہونا چاہیے اھ اور جو تم سے سوال کیا ہے اس میں ایسا ہونا محقق ہے، اور یہ فروع تمہارے سوال کے سلسلہ میں صریح ہیں اھ

میں کہتا ہوں اولاً یہ تمام فروع سوائے پہلی دو کے صحیح اور مفتی بہ کے خلاف ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اور پہلی دو بھی ایسے محمل پر جو اس کا فائدہ دے، جیسا کہ آگے آئے گا تو ان سے استدلال صحیح نہیں، اور ثانیاً یہ سات فروع ہیں اور اگر آپ بزازیہ، تجنیس اور خانیہ کی پہلی عبارت کو مستقل شمار کریں تو کل نَو ہوئیں مگر ان میں کہیں یہ دعوٰی نہیں کہ ملقی اور ملاقی میں سلبِ طہوریت میں مساوات ہے، یہاں تک کہ

---

[1] قاضی خان فصل فی المیاہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳
[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶
[3] و [4] رسالہ ابن شحنہ

صغیر یدخل فیہ الماء ویخرج وذلک لان کلھا یحتمل الوضوء فیہ بالمعنی الثانی اعنی بغمس الاعضاء وقد علمت انہ الاقرب الی الظرفیۃ وقد قال فی الخانیۃ حوض کبیر وقعت فیہ النجاسۃ ان کانت النجاسۃ مرئیۃ لایجوز الوضوء ولا الاغتسال فی ذلک الموضع بل یتنحی الی ناحیۃ اخری بینہ وبین النجاسۃ اکثر من الحوض الصغیر وان کانت غیر مرئیۃ قال مشایخنا ومشایخ بلخ جاز الوضوء فی موضع النجاسۃ[1] اھ فلیس یخاف ان المراد[عہ] المعنی الثانی اذ لامعنی لعدم جواز الوضوء خارج الحوض بحیث تقع الغسالۃ فی موضع النجاسۃ ولا وجہ علی ھذا للفرق بین المرئیۃ وغیرھا وھذا کما تری یشمل الفرع السادس فانہ اذا لم یستقر ما یقع فیہ من الماء بل یخرج من ساعتہ کان جاریا کما ذکروا الجاری لایتاثر بالغمس واذا کان یستقر ولا یخرج الا بعد زمان کان راکدا وھو صغیر فیضرہ الغمس فلیس فی الفروع شیئ مما یفید دعواہ نعم ھی صریحۃ فی دعوانا ان الملاقی کلہ یصیر مستعملا اما ما اراد الشیخ فانما یلمح الیہ تعلیل الفرع السادس

چھٹی فرع جو چھوٹے حوض سے متعلق ہے جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہوکر دوسری طرف سے نکل جاتا ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اس امر کا احتمال ہے کہ اس میں وضو کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے ہو، یعنی اعضاء کو ڈبو کر، اور تم جان چکے ہو کہ یہی معنی ظرفیت کے زیادہ قریب ہیں۔ اور خانیہ میں فرمایا کہ ایک بڑا حوض ہے جس میں نجاست گرگئی اب اگر نجاست مرئیہ ہے تو اس سے نہ وضو جائز ہے نہ غسل، اُس جگہ سے جہاں نجاست گری ہے بلکہ وُہ نجاست گرنے کی جگہ سے ایک چھوٹے حوض کے فاصلہ کی مقدار میں دُور ہوجائے، اور اگر وُہ نجاست غیر مرئیہ ہے تو ہمارے مشایخ اور بلخ کے مشایخ نے فرمایا جہاں نجاست گری ہے وہاں سے بھی وضو کرنا جائز ہے اھ تو ظاہر ہے کہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آدمی حوض کے باہر اس طرح وضو کرے کہ اس کا دھوون حوض میں خاص اس جگہ گرے جہاں نجاست گری تھی، اور پھر اس صورت میں مرئیہ اور غیر مرئیہ کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں چھٹی فرع کو شامل ہے، کیونکہ جب اس میں جانے والا پانی ٹھہرا نہیں، تو یہ جاری پانی کے حکم میں ہوگیا اور جاری پانی اعضاء کے ڈبونے سے متاثر نہیں ہوتا ہے،

عہ وحمل الوضوء والاغتسال علی الاغتراف وفی علی من بعید یاباہ الذوق السلیم اھ منہ (م)

اور وضو اور غسل کو چُلّو سے لینے پر محمول کرنا اور "فی" کو "من" کے معنی میں کرنا بعید ہے، ذوقِ سلیم اس سے انکار کرتا ہے اھ (ت)

---

[1] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

المذکور فی الخانیة لزیادته لفظ المستعمل ولو لم یزدہ لرجع الی ما ذکرنا انه اذا لم یستقر الماء فیه کان جاریا وکذا تعلیل الحصیری وقد علمتم ما افادہ شیخکم المحقق علی الاطلاق فی فرع الخانیة انه بناء علی کون المستعمل نجسا وکذا کثیر من اشباہ ھذا اما علی المختار من روایة انه طاھر غیر طھور فلا فلتحفظ لیفرع علیھا ولا یفتی بمثل ھذہ الفروع اھ[1] فاذا کان ھذا فی الفروع فما بالك بالتعلیلات۔

اور اگر وہ ٹھہر کر تھوڑی دیر میں خارج ہوتا ہے تو وہ ٹھہرا ہوا ہے، تو حوض کے چھوٹا ہونے کی صورت میں اس کو مضر ہوگا، تو فروع میں سے کوئی بھی ان کے دعوٰی کے حق میں مفید نہیں ہے ہاں فروع ہمارے دعوٰی میں صریح ہیں کہ کل ملاقی مستعمل ہو جائے گا اور جو شیخ کی مراد ہے اس کی طرف خانیہ کی چھوٹی فرع کی تعلیل میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں نے مستعمل کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور اگر وہ یہ لفظ نہ بڑھاتے تو اس کا مفہوم بھی وہی نکلتا کہ جب پانی اس میں ٹھہرا نہیں تو جاری ہے اور یہی حال حصیری کی تعلیل کا ہے، اور آپ جان چکے ہیں، خانیہ کی فرع میں جو تمہارے شیخ محقق علی الاطلاق نے فرمایا ہے وہ مستعمل پانی کے نجس ہونے پر مبنی ہے اور اسی طرح اس کے بہت سے نظائر کا حال ہے اور اگر مختار روایت لی جائے جس میں اس پانی کو طاہر غیر طہور قرار دیا گیا ہے تو ایسا نہ ہوگا، اس کو یاد رکھا جائے اور اسی پر تفریعات کی جائیں اور ان جیسی فروع پر فتوٰی نہ دیا جائے اھ جب فرع کا یہ حال ہے تو تعلیلات کا کیا حال ہوگا!

وانا **اقول** احالة الخانیة علی استقرار المستعمل یحتمل البناء علی احد ضعیفین نجاسة المستعمل او خروج الماء عن الطھوریة بوقوع المستعمل وان قل وھو المتعین فی کلام الحصیری وکلاھما خلاف الصحیح المعتمد بتصریح اجلة الاکابر حتی الشیخ نفسه فی ھذہ الرسالة نفسھا کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی فھھنا افسد الشیخ علینا ما اردنا حمل کلامه علیه من ان المراد الوضوء بالغمس اما الفروع

میں کہتا ہوں خانیہ کا مستعمل پانی کے استقرار پر محوّل کرنا دو میں سے کسی ایک ضعیف چیز پر مبنی ہے یا تو مستعمل پانی کی نجاست یا پانی کا طہوریت سے خارج ہونا مستعمل پانی کے مل جانے کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی کم ہو، اور حصیری کے کلام میں بھی یہی متعین ہے، اور اکابر کی تصریح کے مطابق یہ دونوں صحیح معتمد کے خلاف ہیں، یہاں تک کہ شیخ نے خود بھی اسی رسالہ میں اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی، اس طرح ہم نے شیخ کے کلام کا جو حل تلاش کیا تھا

---

[1] فتح القدیر قبیل بحث الغدیر العظیم سکھر ۱/۷۰

فليس الاولى بنا ان نعمد الى كلمات الائمة فنحملها على محمل ضعيف غير مقبول مع صحة الصحيح وبالله التوفيق۔

ثم عقد رحمه الله تعالى فصلا فى تعريف الماء المستعمل وما يصير به مستعملا وما لا وذكر فيه ما قدمنا عن القدورى عن الجرجانى وعن مبسوط شمس الائمة السرخسى من ان سقوط حكم الاستعمال عند محمد فى من دخل البئر للدلو لاجل الضرورة وكذا ادخال الجنب يده فى الاناء (اى للاغتراف عند عدم ما يغترف به كما قدمنا) وطالب الدلو رجله فى البئر ولو ادخل رجله فى الاناء او رأسه صار مستعملا لعدم الحاجة قال فياليت شعرى ما جواب المتمسك بهذه المسألة (اى مسألة من دخل البئر للدلو لم يستعمل عند محمد) عن كلام هؤلاء الائمة الاساطين ثم ذكر ما قدمنا عن الفوائد الظهيرية عن شيخ الاسلام خواهرزاده عن محمد قال وهذا نقل صريح عن الامام الثالث نقله مثل خواهرزاده ثم ذكر كلام الكافى المقدم وانه حكى كلام القدورى ولم يتعقبه قال فظهر لك بهذا ان ادخال اليد فى الحوض الصغير بقصد التوضى فيه سالب عن الماء وصف الطهورية لارتفاع الحدث والتقرب بادخال اليد ونزعها باتفاق علمائنا الاربعة

وُہ بھی درست نہ ہوسکا، یعنی یہ کہ وضو سے مراد اعضاء کا ڈبونا ہے، اور جہاں تک فروع کا تعلق ہے تو ہم ایسا نہیں کرسکتے کہ ائمہ کے کلمات کو ضعیف محمل پر محمول کریں حالانکہ صحیح بھی موجود ہو، وباللہ التوفیق۔

پھر انھوں نے مستعمل پانی کی تعریف میں ایک فصل قایم کی، اس میں یہ بتایا کہ کب پانی مستعمل ہوتا ہے اور کب نہیں، اور انہوں نے اس سلسلہ میں قدوری، جرجانی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط سے عبارات نقل کیں، اور بتایا کہ محمد کے نزدیک جو شخص کنویں سے ڈول نکالنے کے لیے داخل ہو اس سے پانی کا مستعمل نہ ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے، اور اسی طرح جُنب شخص کا چھوٹا برتن نہ ہونے کی صورت میں ٹب میں ہاتھ کو داخل کرنے کا معاملہ ہے، اسی طرح کوئی شخص ڈول نکالنے کے لیے کنویں میں اپنا پیر ڈالے تو اس کا حکم وہی ہے، اگر یہ شخص اپنا پیر برتن میں ڈال دے یا سر ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ حاجت منعدم ہے، فرمایا معلوم نہیں جو اس مسئلہ سے استدلال کرتے ہیں ان کا جواب کیا ہوگا (یعنی یہ مسئلہ کہ محمد کے نزدیک کنویں سے ڈول نکالنے سے پانی مستعمل نہ ہوگا) ان ائمہ کے کلام کا! پھر انہوں نے وُہ ذکر کیا جو ہم فوائد ظہیریہ سے شیخ الاسلام خواہرزادہ سے محمد سے روایت کو نقل کیا، فرمایا یہ صریح نقل ہے تیسرے امام سے اس کو خواہرزادہ جیسے شخص نے نقل کیا، پھر کافی کا گزشتہ کلام نقل کیا اور قدوری کا کلام نقل کیا مگر اس کا تعاقب نہ کیا، فرمایا اس سے ظاہر ہوا کہ

(يريد الائمة الثلثة وزفر) رضی الله عنهم واذا تجرد عن القصد المذكور فهو غير مؤثر في قول مردود ثبوته عن محمد ردہ هولاء الاساطين الذين لايلتفت الى قول غيرهم في المذهب ثم ايد رد ثبوته عن محمد علیہ بقول الامام قاضی خان فی شرح الجامع الصغير لانص فيه عن اصحابنا قال وذكر المتاخرون فيها خلافا ثم حكى ان من علمائنا من قال ان الماء يصير مستعملا عند محمد برفع الحدث ايضا لانتقال الاثام الى الماء وانما لم يصر ماء البئر مستعملا في مسألة الجنب عند محمد لمكان الضرورة ثم قال ولعمري انی لاعجب ممن يقول في مسألتنا هذه ان مستنده في افتائه يجوز التوضی في هذا الحوض مسألة البئر والحال انه لاجامع بينهما لان تلك في من تجرد عن النية وهذه فيمن يتوضأ ما هذا الاعجيب والله الموفق ثم اورد كلام شيخه في الفتح الذی ذكرناه في النمرة الاولى الى قوله كذا في الخلاصة ۔[1]

وضو کرنے والے کا چھوٹے حوض میں ہاتھ کو داخل کرنا بہ نیت وضو پانی سے طہوریت کے وصف کو سلب کردے گا کیونکہ ہاتھ کے ڈال کر نکالنے سے ہمارے ائمہ اربعہ (ائمہ ثلثہ وزفر) کے اتفاق سے پانی کا وصف طہوریت ختم ہوجائے گا، حدث کے ختم ہوجانے اور تقرب کے حاصل کرنے کی وجہ سے، اور جب قصد مذکور نہ ہو تو وہ غیر مؤثر ہے ایک قول کے مطابق جس کا ثبوت محمد سے نہیں ہے اس کو ائمۂ مذہب نے رد کیا ہے جن کا قول فیصل ہے پھر اس کو محمد کا قول نہ ہونے پر شرح جامع صغیر میں قاضی خان کے قول سے مؤید کیا ہے کہ اس میں ہمارے اصحاب کی کوئی نص نہیں، فرمایا کہ متاخرین نے اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، پھر یہ حکایت کی کہ ہمارے علماء میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ محمد کے نزدیک حدث کے مرتفع ہونے سے بھی پانی مستعمل ہوجاتا ہے، کیونکہ پانی کی طرف گناہ منتقل ہوتے ہیں، اور کنویں کے مسئلہ میں جنب کے داخل ہونے سے پانی کا مستعمل نہ ہونا محمد کے نزدیک ضرورت کی وجہ سے ہے، پھر فرمایا مجھے بے انتہا تعجب ہے اس مسئلہ میں کہ انہوں نے اپنے فتوی کی سند کنویں کے مسئلہ کو بنایا ہے اور یہ فتوی دیا ہے کہ اس حوض میں وضو جائز ہے حالانکہ دونوں

---

[1] وقع فی صدر الرسالة عند ذكر الكتب عد العناية سهوا مرتين فليكن هذا متمم الاربعين بل الذی یأتی عن خزانة المفتين اه منه غفرله

[1] شروع رسالہ میں جہاں کتابوں کا ذکر ہے عنایہ کا شمار سہواً دو دفعہ کیا ہے۔ پس چاہئے یہ چالیس کا تتمہ ہو بلکہ وہ جو خزانۃ المفتین سے آرہا ہے اھ (ت)

---

[1] شرح جامع الصغیر لقاضی خان اور رسالہ ابن شحنہ

کے درمیان کوئی علت جامع موجود نہیں کیونکہ وہ مسئلہ نیت کے نہ ہونے کا ہے اور یہ وُہ ہے جس میں نیتِ وضو پائی جاتی ہے یہ بڑی عجیب بات ہے واللہ الموفق۔ پھر انہوں نے اپنے شیخ کا کلام ذکر کیا جو ہم نے نمرہ اولیٰ میں ذکر کیا کذا فی الخلاصۃ تک۔

اقول کلہ کلام طیب وعنہ اخذت عبارۃ الفوائد الظھیریۃ غیر ان ما قال فی لعمری انی لا عجب فلعمری انی لا عجب اذ قد حقق الشیخ ان الصحیح عن محمد ایضا عدم الفرق بین النیۃ وعدمھا فما منشؤ ھذا الفارق وانما کان علیہ ان یقول تلک للضرورۃ وھذہ بدونھا ثم عقد تذنیبا یسرد فروع ما یصیر بہ الماء مستعملا وما لا وقدم علیھا تنبیھا فی ان الفتوی فی سبب الاستعمال علی قولھما انہ رفع حدث او التقرب لا علی قول محمد انہ التقرب فقط ونقل تصحیح قولھما عن الخلاصۃ والخانیۃ وخزانۃ المفتین والاختیار والبزازیۃ۔

اقول اراد التنبیہ علیہ علی تسلیم خلاف محمد والا فلا حاجۃ الیہ بعد ما قد ثبت ان الاول قولھم جمیعا وان الثانی لم یثبت عن الثالث ھذا وفیہ مما یفیدنا فی المسألۃ فرع الخلاصۃ وخزانۃ المفتین ادخل یدہ فی الاناء او رجلہ للتبرد یصیر مستعملا لانعدام الضرورۃ اھ[۱] وقد منا

میں کہتا ہوں سارا کلام اچھا ہے اور اسی سے فوائد ظہیریہ کی عبارت لی گئی ہے سوائے اس قول کے کہ "مجھے بے انتہا تعجب ہے" تو مجھے ان پر بے انتہا تعجب ہے کیونکہ جب شیخ نے یہ تحقیق کی ہے کہ محمد سے صحیح یہ ہے کہ نیت اور عدمِ نیت میں کوئی فرق نہیں، تو یہ فارق کہاں سے آگیا، دراصل ان کو کہنا یہ چاہیے تھا کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور یہ بلا ضرورت ہے۔ پھر ایک تذنیب قائم کی اس میں ان فروع کا ذکر کیا ہے جن میں پانی مستعمل ہوتا ہے اور نہیں ہوتا ہے اس سے پہلے ایک تنبیہ ذکر کی، اس میں یہ بتایا ہے کہ سببِ استعمال میں فتوی شیخین کے قول پر ہے اور وہ سبب یا تو رفع حدث ہے یا تقرب ہے، محمد کے قول پر نہیں ہے کہ سبب صرف تقرب ہے اور انہوں نے اُن دونوں کے قول کی تصحیح نقل کی خلاصہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، اختیار اور بزازیہ سے۔

میں کہتا ہوں تنبیہ سے ان کا مقصود محمد کے خلاف کو تسلیم کرنا ہے، ورنہ اس بات کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ پہلا سب ہی کا قول ہے اس کی حاجت نہیں ہے اور دوسرا تیسرے سے ثابت نہیں، اس کو سمجھئے کہ یہ ہمیں مسئلہ میں فائدہ دے گا، خلاصہ اور خزانہ کی فرع، کسی نے اپنا ہاتھ یا پیر برتن میں ٹھنڈا کرنے کو ڈالا تو مستعمل ہو جائیگا کہ ضرورت

---

[۱] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۶

عن الخلاصة والخانیة والبزازیة والغنیة
وفرع الخانیة قال محمد رحمه الله تعالٰی
اذا كان علی ذراعیه جبائر فغمسها فی الماء
او غمس رأسه فی الاناء لایجوز ویصیر
الماء مستعملا[1] اھ قال وانما قدمت ھذا
التنبیه تنبیها لمن یظن ان الفتوی علی قول
محمد رحمه الله تعالٰی فی ذلك لاطلاق اصحاب
الكتب ان الفتوی علی قوله فی الماء المستعمل
وانما مرادھم ان الفتوی علی قوله فی كونه
طاھرا لافیما یصیر به مستعملا علی انه
سیرد علیك فی الفصل الثانی ان التحقیق ان
ھذا (ای طھارته) مذھب ابی حنیفة ایضا
وانما اشتھرت نسبته الی محمد لكونه فی
جملة من رواه عن الامام[2] اھ

اقول ای انه اجل من رواه وقد
اخذ به وھذا اول التصحیحین الموعود
بیانهما ثم اتی علی سرد الفروع وفیها
ما یفیدنا **فرع الخلاصة** ان ادخال
الكف مجردا انما لایصیر مستعملا اذا لم یرد
الغسل فیه بل اراد رفع الماء فان اراد
الغسل ان كان اصبعا او اكثر دون
الكف لایضر ومع الكف بخلافه[3] اھ

نقل کی اھ، ہم نے یہ خلاصہ، خانیہ، بزازیہ اور غنیہ سے
پیش کر دیا ہے۔ خانیہ کی فرع، محمد نے فرمایا کسی کے
ہاتھ پر پٹیاں ہوں، پھر وہ ہاتھ پانی میں ڈبو دے یا
سر ڈبو دے تو جائز نہیں، اور پانی مستعمل ہو جائیگا
اھ اور فرمایا میں نے یہ تنبیہ اس لیے کی ہے تاکہ جو لوگ
سمجھتے ہیں کہ فتوٰی محمد کے قول پر ہے وہ متنبہ ہو جائیں
کیونکہ اصحاب کتب نے اطلاق فرمایا ہے کہ فتوٰی ان
کے قول پر ہے مستعمل پانی میں۔ حالانکہ ان کی مراد یہ ہے
کہ فتوٰی محمد کے قول پر ہے پانی کے طاہر ہونے میں
نہ کہ مستعمل ہونے میں۔ علاوہ ازیں آپ دوسری
فصل میں دیکھیں گے کہ تحقیق یہی ہے کہ یہ (یعنی اس کی
طہارت) مذہب ابی حنیفہ بھی ہے، اس کی
نسبت محمد کی طرف محض اس لیے مشہور ہو گئی ہے
کہ وہ بھی اس کے راویوں میں ہیں اھ

میں کہتا ہوں وہ اس کے راویوں میں بزرگ تر
ہیں اور انہوں نے اس کو اختیار کیا ہے، اور یہ پہلی
تصحیح ہے جن دو کا ہم نے وعدہ کیا تھا، پھر فروع کا
بیان کیا۔ خلاصہ کی فرع، ہاتھ کا داخل کرنا محض
پانی لینے کے لیے، بلا ارادۂ غسل، پانی کو مستعمل
نہیں کرتا ہے، اور اگر بہ نیت غسل ہو تو اگر ایک
ہتھیلی سے کم ہے تو مضر نہیں، اور اگر ایک ہتھیلی ہے
تو مضر ہے اھ۔

---

[1] فتاوٰی خانیة المعروف بقاضی خان فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸

[2] رسالہ ابن الشحنة

[3] خلاصة الفتاوٰی فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/ ۶

قلت وقدمنا تحقیق ان الانملۃ و الظفر والکف سواء **وفرع الخلاصۃ** عن فقہ الامراء ھذا اذا کان الذی یدخل یدہ فی الاناء او البئر بالغا فان کان صبیا ان علم ان یدہ طاھرۃ بان کان مع الصبی رقیب فی السکۃ یجوز التوضی بذلک[1] الخ

میں کہتا ہوں ہم پہلے تحقیق پیش کر آئے ہیں کہ پورا ناخن اور ہتھیلی حکم میں برابر ہیں۔ خلاصہ کی فرع فقہ الامراء سے، یہ اُس وقت ہے جبکہ ہاتھ داخل کرنے والا بالغ ہو اور اگر نابالغ ہے تو اگر یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک تھا مثلاً بچہ گلی میں اپنے کسی محافظ کے ہمراہ تھا تو اس سے وضو جائز ہے الخ

اقول وبہ فارق البالغ فافاد ان لو ادخل البالغ یدہ فی اناء او بئر لم یجز الوضوء بہ وھذا[1] کنص کتاب الحسن لایبقی لتاویل البحر مساغا **ثم** عقد الفصل الثانی فی حکم الماء المستعمل ومتی یصیر مستعملا وقال بعد ما بین ماھو بین بنفسہ ومسلم عند الکل اعنی عدم جواز الوضوء بالماء المستعمل عند ائمتنا جمیعا ما نصہ ھذا مع عمومہ یشھد للفصل الاول قال وکفی بذلک حجۃ[2] اھ

میں کہتا ہوں اس سے بالغ و نابالغ میں فرق ظاہر ہوگیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بالغ نے برتن یا کنویں میں اپنا ہاتھ ڈالا تو اس سے وضو جائز نہیں اور یہ حسن کی کتاب کے نص کی طرح ہے۔ اس میں بحر کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، پھر دوسری فصل مستعمل پانی کے حکم کے بیان میں قائم کی، اور یہ بتایا کہ پانی کب مستعمل ہوگا، اور پھر جو انہوں نے اسکو واضح کرنے کے بعد جو خود واضح ہے اور تمام کے نزدیک مسلّم ہے یعنی مستعمل پانی سے وضو کا جائز نہ ہونا ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک کہا اس کی نص یہ ہے "یہ اپنے عموم کے ساتھ پہلی فصل کے لیے شہادت دیتی ہے" اور یہ کافی حجت ہے اھ۔ (ت)

اقول ھذا[2] نظیر تمسک البحر بالاطلاق فنظر الی اطلاق ان العبرۃ للغلبۃ ولم یلاحظ ان الشان فی قصر الاستعمال علی ما التصق بالجلد فقط والشیخ نظر الی ھذا العموم ولم یلاحظ ان الکلام فی تعمیم الاستعمال جمیع الماء القلیل بدخول نحو ظفر من محدث

میں کہتا ہوں یہ بحر کے اطلاق کو دلیل بنانے کی ایک نظیر ہے تو انہوں نے اطلاق کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اعتبار غلبہ کا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ مستعمل ہونا اُسی پانی کے لیے ہے جو جلد سے متصل ہو، اور شیخ نے اس عموم کی طرف دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ گفتگو اس امر میں ہے کہ تھوڑا پانی مکمل طور پر مستعمل ہو جائے گا خواہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

[2] رسالہ ابن الشحنۃ

ثم اورد خاتمة فی حکم ملاقاة الماء الطاهر للماء الطھور وبین ان العبرة للغلبة ونقل تصحیحه عن التوشیح والتحفة وعنھما انه المذھب المختار۔

قلت وھذا ھو ثانی التصحیحین الموعود بیانھما فاعترف الشیخ بالحق، وذھب تسویة الملق بالملاقی وزھق، ثم نقل فرع الخانیة ومثله عن شرح القدوری لمختصر الکرخی فی نزح عشرین دلوا اذا القی الوضوء فی البئر قال فھذا اصرح شیئ فی اتفاق الائمة الثلثة علی تاثیر الماء المستعمل فی الماء الطھور وان کان اقل منه وذکر عن شرح الجامع الصغیر لقاضی خان انتضاح الغسالة فی الاناء اذا قل لایفسد الماء وتکلموا فی القلیل عن محمد ماکان مثل رؤس الابر قلیل وعن الکرخی ان کان یستبین مواقع القطر فی الماء فھو کثیر وان کان لایستبین کالطل فقلیل قال وھذا رحمك الله اصرح مما تقدم وقد حکی ھذا فی الفوائد الظھیریة وعلیه مشی القدوری وحکی عن ابی سلیمن انه سئل عن ماء الجنابة اذا وقع وقوعا یستبین وتری عین القطرات ظاھرة قال انه لیس بشیئ[1] وفی فتاوی قاضیخان خلاف ھذا وفی خزانة المفتین جنب اغتسل

بے وضو اپنا ایک ناخن ہی کیوں نہ ڈالے ۔ پھر خاتمہ اس امر کے بیان میں ہے کہ طاہر پانی طہور پانی سے جب ملے گا تو اعتبار غلبہ کو ہوگا، اور اس کی تصحیح توشیح اور تحفہ سے نقل کی اور اسی سے نقل کیا کہ یہ مذہب مختار ہے۔

میں کہتا ہوں یہ دوسری تصحیح ہے جن دو کا ہم نے وعدہ کیا تھا، تو شیخ نے حق کا اعتراف کرلیا' اور ملقی اور ملاقی کی برابری ختم ہوئی، پھر خانیہ کی فرع نقل کی اور اسی قسم کی شرح قدوری مختصر کرخی کی فرع نقل کی ۔ یہ بیس ڈول کھینچنے سے متعلق ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ وضو کا پانی کنویں میں ڈالا ہو، فرمایا پاک پانی میں مستعمل پانی کے اثرانداز ہونے کی ائمہ ثلثہ کے نزدیک یہ واضح مثال ہے، اگرچہ وہ اُس پانی سے کم ہو، اور قاضی خان کی شرح جامع صغیر سے یہ نقل کیا کہ اگر دھوون کے کچھ قطرات برتن میں گرجائیں اور کم ہوں تو پانی کو فاسد نہ کریں گے' اور قلیل میں کلام کیا ہے اس میں محمد سے منقول ہے کہ جو سوئی کے ناکوں کے برابر ہو وہ قلیل ہے اور کرخی سے یہ منقول ہے کہ پانی کے قطرے اگر پانی میں ظاہر ہوں تو یہ کثیر ہے اور اگر ظاہر نہ ہوں جیسے شبنم کے قطرے ہوتے ہیں تو یہ قلیل ہے فرمایا یہ گزشتہ مثال سے بھی زاید صریح ہے، یہ فوائد ظہیریہ میں مذکور ہے۔ اسی پر قدوری چلے ہیں، اور ابوسلیمان سے کسی نے جنابت کے پانی کی بابت دریافت کیا کہ اگر اس کے قطرے پانی میں پڑجائیں اور واضح نظر آئیں، فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، فتاوٰی قاضیخان

---

[1] رسالہ ابن الشحنہ۔

فانتضح من غسله فی انائه لم یفسد الماء اما اذا کان بسیل فیه سیلانا افسدہ[1] قال و التحقیق ھنا ان المسألة مبنیة علی اصل ذکرہ ائمتنا فی کتاب الایمان ونقلوہ الی الرضاع قال فی الذخیرة حلف لا یشرب لبنا فصب الماء فی اللبن فالاصل فی ھذہ المسألة واجناسھا ان الحالف اذا عقد یمینه علی مائع فاختلط بمائع اٰخر خلاف جنسه ان کانت الغلبة للمحلوف علیه[2] (وسقط بقیة الکلام من نسختی زھر الروض)

میں اس کے برعکس ہے اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ ایک ناپاک آدمی نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے برتن میں گرے تو پانی فاسد نہ ہوگا اور اگر اس میں بہنے لگا تو پانی فاسد ہوجائے گا، فرمایا در اصل یہ مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے جس کو ہمارے ائمہ ثلٰثہ نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اور اس کو رضاع کے بیان میں نقل کیا، ذخیرہ میں فرمایا کہ کسی شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ دودھ نہیں پیئے گا تو اس نے پانی دُودھ میں ملایا، تو اس مسئلہ میں اور اس کے نظائر میں اصل یہ ہے کہ حلف اٹھانے والے نے جب کسی سیّال چیز پر حلف اٹھایا اور وُہ کسی اور مائع سے مل گیا جو اس کی جنس سے نہ ہو تو اگر محلوف علیہ غالب ہے (اور باقی کلام میرے زہر الروض کے نسخہ سے ساقط ہے) (ت)

اقول سبحٰن اللہ[ف1] یذکر الشیخ رحمه اللہ تعالٰی فی اول الکلام ان الصحیح والمذھب المختار ھو اعتبار الغلبة وقد نص فی شرحه للوھبانیة انه الصحیح عن ائمتنا الثلٰثة رضی اللہ تعالٰی عنھم وان علیه الفتوی ثم یعود یحتج بفرعی النزح والانتضاح ویقول ذاك اصرح شیئ فی اتفاق الائمة الثلٰثة وھذا اصرح منه وای مساغ بقی لھما بعد ما تبین الحق الصحیح المذھب المختار المفتی به المطبق علیه من ائمتنا الثلٰثة رضی اللہ تعالٰی عنھم وما فتح[ف2] بابه من بیان المبنی وھو فرع الحلف فھو اصرح شیئ فی ان

میں کہتا ہوں سبحان اللہ شیخ کلام کی ابتداء میں ذکر کرتے ہیں کہ صحیح اور مذہب مختار غلبہ کا اعتبار ہی ہے اور شرح وہبانیہ میں اس پر نص ہے کہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ سے یہی صحیح ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے پھر انہوں نے نزح اور انتضاح کی دونوں فرعوں پر کلام کیا، اور فرمایا کہ یہ ائمہ ثلٰثہ کے اتفاق میں صریح چیز ہے اور یہ اس سے زاید صریح ہے اور مذہب حق وصحیح، اور مذہب مختار مفتی بہ اور ائمہ ثلٰثہ (حنفی مذہب کے) کا متفق علیہ مذہب معلوم ہوجانے کے بعد اُن دونوں کے لیے کیا وجہ جواز رہ گئی ہے! اور بیان مبنی کا جو دروازہ کھولا ہے اور وہ حلف کی فرع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[2] رسالہ ابن شحنۃ

المدار على الغلبة فان كان اقرہ فی اٰخر كلامه الذاهب من نسختی فهو كر علی ما احتج به بالنقض والا فاعجب واعجب وسیمكث الشیخ غیر بعید و یعود الی الحق كما سیاتی بتوفیقه تعالٰی فلولا انه اورد هذا الكلام واحتج بهذین الفرعین هنا و ذینك التعلیلین ثمه لكان كل كلامه صحیحا سدیدا ولكن اللہ یفعل ما یرید ثم كتب تتمة قال فیها ان من ادل الدلیل علی انه لا یجوز التوضی فی هذا الحوض عند واحد من علمائنا رحمهم اللہ تعالٰی ما فی كتاب الاصل لمحمد رضی اللہ تعالٰی عنه روایة الامام ابی سلیمن الجوزجانی رحمة اللہ تعالٰی علیه عنه فی باب الوضوء والغسل قلت ارأیت جنبا اغتسل فانتضح من غسله شیئ فی انائه هل یفسد علیه الماء قال لا قلت لم قال لان هذا ما لا یستطاع الامتناع منه قلت ارأیت ان افاض الماء علی رأسه او جسدہ او غسل فرجه فجعل ذلك الماء كله یقطر فی الاناء قال هذا یفسد الماء ولا یجزئه ان یتوضأ ولا یغتسل به[1] قال وقال فی باب البئر وما ینجسها قلت ارأیت رجلا طاهرا وقع فی بئر فاغتسل فیها قال افسد ماء البئر كله قلت وكذلك لو توضأ فیها قال نعم قلت

دارومدار غلبہ کو ہے، اگر انہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے اپنے اس کلام میں جو میرے نسخہ سے ساقط ہے تو یہ اسی طرف رجوع ہے جس پر نقض سے استدلال کیا ہے، ورنہ بہت ہی تعجب خیز بات ہے، اور عنقریب آجائے گا کہ شیخ نے حق کی طرف رجوع کیا بتوفیق تعالٰی، اگر وہ یہ کلام یہاں نہ لاتے اور ان دو فرعوں سے استدلال نہ کرتے اور وہاں دو تعلیلیں بیان نہ کرتے تو کل کلام صحیح ہوتا، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے پھر انہوں نے ایک تتمہ لکھا اور فرمایا کہ پھر اس پر سب سے بڑی دلیل اس پر کہ ہمارے کسی امام کے نزدیک اس حوض سے وضوء جائز نہیں۔ امام محمد کی اصل میں وارد شدہ روایت ہے جو امام ابو سلیمان الجوزجانی کی روایت ہے اور باب الوضوء و باب الغسل میں مذکور ہے، روایت یہ ہے کہ میں نے کہا اگر ایک جنب نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے ایک برتن میں گرے تو کیا پانی خراب ہوگیا، فرمایا نہیں، میں نے کہا کیوں؟ فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس سے بچنا محال ہے، میں نے پوچھا اگر جنب نے اپنے سر یا جسم پر پانی ڈالا یا اپنی شرمگاہ دھوئی اور یہ پانی برتن میں جمع ہوتا رہا فرمایا اس سے پانی فاسد ہوجائیگا، نہ اس سے وضو جائز ہوگا نہ غسل، فرمایا انہوں نے کنویں اور اس کی نجاستوں کے باب میں فرمایا، میں نے پوچھا اگر ایک پاک شخص کنویں کے پانی میں گر گیا اور اس میں غسل کیا، فرمایا کل پانی خراب ہوجائے گا، میں کہتا ہوں یہی حکم کنویں میں وضو کا ہے؟

---

[1] کتاب الاصل المعروف بالمبسوط امام محمد باب الوضوء والغسل من الجنابۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۴

وكذلك لو استنجى فيها قال نعم قلت فما حال البئر قال عليهم ان ينزحوا ماء البئر كله الا ان يغلبهم الماء قلت ارأيت الرجل هل يجزئه وضوءه ذلك قال لا[1] وسكت عليه ولم يعزه لاحد من شيخيه وهذا شانه فى المتفق عليه كما صرح به اول الكتاب اھ[2]

فرمایا ہاں، میں نے کہا اسی طرح اگر کنویں میں استنجا کیا؟ فرمایا ہاں، میں نے پُوچھا اور کنویں کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کنویں کا سارا پانی نکالنا چاہئے، الّا یہ کہ نکالتے نکالتے تھک جائیں، میں نے پُوچھا کیا اُس شخص کے لیے یہ وضو کافی ہوگا؟ فرمایا نہیں، اس پر وہ خاموش ہوگئے اور اپنے شیوخ میں سے کسی کی طرف اس کو منسوب نہ کیا، اور متفق علیہ مسائل میں ان کا یہی طریقہ تھا جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا اھ (ت)

اقول الفرع الاخير فى الملاقى وهو لا شك صحيح، والتمسك به نجيح، وهو اصرح تصريح، اما الاول ففى الملقى ولا محيد من ابتنائه على احد ضعيفين وليس الاصل هذا كتاب المبسوط احد الكتب الستة الظاهرة بل من الكتب النادرة فكيف يعارض به مذهب ائمتنا جميعا الصحيح المختار المفتى به وبالله التوفيق ثم قال رحمه الله تعالٰى ونقل عصام الدين فى شرح الهداية بعد الكلام على مسألة انغماس الجنب فى البئر هذا مبنى على ان اجزاء ماء الذى فى محل واحد بمنزلة شيئ واحد فى حكم الاستعمال لانه ينسب الى الجميع عرفا بل لغة ايضا اذ لا تذهب افهام اهل العرف واللغة الى ان المستعمل بعض هذا الماء والباقى ممتزج به الا ترى ان الماء المستعمل عند من يجعله طاهرا غير

میں کہتا ہوں فرع اخیر ملاقی میں ہے اور وہ بلاشبہ صحیح ہے اور یہ تمسک کے قابل اور واضح تصریح ہے، اور پہلی فرع ملقی میں ہے، اور سوائے اس کے چارۂ کار نہیں کہ دو میں سے ایک ضعیف پر بنا کرنا چاہئے، اور اصل سے مراد وہ مبسوط نہیں جو چھ ظاہر کتب میں سے ایک ہے بلکہ کتبِ نادرہ سے ہے، تو جو اس میں مذکور ہے وہ ہمارے ائمہ کے صحیح مختار مفتی بہ سے کیسے معارض ہو سکتا ہے وباللہ التوفیق، پھر فرمایا، عصام الدین نے شرح ہدایہ میں، جنب کے کنویں میں غوطہ لگانے کا مسئلہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہ اس پر مبنی ہے کہ پانی کے تمام اجزاء جو ایک جگہ ہیں وہ حکم استعمال میں بمنزلہ شیئ واحد کے ہیں، کیونکہ وہ عرفاً تمام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے بلکہ لغت میں بھی ایسا ہے، کیونکہ اہل عرف اور اہل لغت یہ لفظ سن کر یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ کچھ پانی تو مستعمل ہے اور کچھ اس میں ملا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک مستعمل پانی طاہر غیر طہور ہے جب کسی دوسرے

---

[1] کتاب الاصل المعروف بالمبسوط امام محمد رجل طاہر وقع فی البئر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۳
[2] رسالہ ابن شحنہ

طہورا اذا وقع فی ماء اٰخر لایفسدہ حتی یغلب
علیہ بہذا قطع فی الاسرار جعلہ فی التحفۃ
اصح ولو صب ماء کثیر علی العضو یصیر الکل
مستعملا عندھم مع ان الملاقی للبشرۃ مغلوب
بناء علی ان الکل واحد فی حکم الاستعمال و
قد اشیر الٰی ھذا المعنی فی الاسرار[1]۔

اقول ھذا لعمری من الحسن بمکان،
تنشط بہ الاذان، وتبتھج بہ النفوس،
ولاعطر بعد عروس، وقد وفقنی المولی،
سبحنہ وتعالٰی، لمعناہ فیما مضی، واتقنت
بیانہ، وشیدت ارکانہ، وبہ ظہر الفرق
بین الملاقی والملقی، بحیث لایعتری وھم
ولا شک یبقی، والعجب من الشیخ مشی علی
التسویۃ بینھما محتجا بالتعلیلین ثم نقضہ
بنقل تصحیح الصحیح، عن التحفۃ والتوشیح،
ثم بعد اسطر عاد الیہ وجعل فرعی النزح و
الانتضاح اصرح صریح، ثم نقضہ بنقل
الاصل الاصیل، عن ذخیرۃ الامام الجلیل،
ثم لم یلبث ان عاد الیہ بنقل فرع الاصل،
ثم نقضہ بنقل کلام العصام متصلا بہ من
غیر فصل، وبہ ختم وانما العبرۃ للخواتیم،
ختم اللہ تعالٰی لنا علی الدین القویم، والصراط

پانی میں گر جائے تو اس کو اس وقت تک فاسد نہ کرے گا جب تک اس پر غالب نہ ہو جائے۔ اسرار میں اس پر قطعی حکم لگایا اور تحفہ میں اس کو اصح قرار دیا ہے اور اگر کسی عضو پر بہت سا پانی ڈالا تو ان کے نزدیک سارا پانی مستعمل ہو جائے گا، حالانکہ جو پانی جلد سے متصل ہے وہ مغلوب ہے کیونکہ حکمِ استعمال میں سب ایک ہی ہے اور اسی معنی کی طرف اسرار میں اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بحث ذہنوں کو جلا بخشنے والی ہے، اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کی تقریر کی ہے، اس سے ملقی اور ملاقی کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا اور شک باقی نہ رہا، اور شیخ پر تعجب ہے کہ انھوں نے ان دونوں کو ایک قرار دیا ہے اور دو تعلیلوں سے استدلال کیا ہے پھر ایک صحیح کی تصحیح نقل کرکے اس پر نقض وارد کیا، یہ تحفہ اور توشیح کی نقول ہیں، پھر چند سطور کے بعد اس بحث کا اعادہ کیا اور نزح اور انتضاح کی دونوں فروع کو بہت صریح قرار دیا، پھر اس پر ذخیرہ سے نقض وارد کیا، پھر اصل کی فرع کو نقل کیا، پھر اس پر عصام کی نقل سے نقض وارد کیا اور اس پر کلام کو ختم کیا۔۔۔۔۔۔

اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ دینِ قویم صراطِ مستقیم اور تمام حسنات

---

[1] رسالہ ابن شحنہ

المستقيم ، وبكل حسنى ، وعلى نبينا الكريم و اله الكرام الصلاة الزهرا والسلام الاسنى، والحمد لله رب العلمين ۔

الفصل الرابع فی فوائد شتی و تحقیق حکم الوضوء فی الحوض الصغیر

الحمد لله فرغنا عن الرسائل الثلاث بل الكتب الخمسة هذه والبحر والبدائع و اتينا على جميع ما فيها والأن نذكر ما بقي من الفوائد تكميلا للعوائد وبالله التوفيق

فائدہ ۱: قال المحقق على المقدسي رحمه الله تعالى في شرح نظم الكنز رادا على البحر ما نصه واما تاويل الكلام بان المراد بصيرورته مستعملا صيرورة ما لاقى اعضاءه منه مستعملا فهذا بعيد جدا اذ لا يحتاج الى التنصيص على ذلك اصلا اھ[۱] نقله في منحة الخالق من الماء المستعمل واقره **قلت** قدمنا ثمانية ردود عليه وهذا تاسع وازيدك عاشرا **فاقول** اذا انغمس احد في الماء ثم خرج ينقسم الماء الى خمسة اقسام قسم يبقى في الحوض ولا ينفصل عن الماء بانفصال البدن والثاني يخرج مع البدن وينحدر عنه بلا مكث والثالث يمكث ويذهب بالتقاطر والرابع بلا يذهب

پر کرے، اور ہمارے نبی کریم ان کی آل مکرم پر صلاۃ و سلام نازل فرمائے آمین والحمد للہ رب العالمین ۔

چوتھی فصل میں مختلف فوائد اور چھوٹے حوض سے وضو کا حکم۔

الحمد للہ کہ ہم تینوں رسائل بلکہ ان پانچوں کتب اور بحر و بدائع سے فارغ ہوگئے، اور ان میں جو کچھ تھا وہ بیان کردیا اور اب باقیماندہ فوائد تکمیلِ بحث کے لیے ذکر کرتے ہیں۔

فائدہ ۱: محقق علی المقدسی نے کنز کی نظم کی شرح میں بحر پر رد کرتے ہوئے فرمایا، ان کی عبارت یہ ہے اور کلام کی یہ تاویل کرنا کہ پانی کے مستعمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو پانی اسکے اعضاء سے ملا ہے وہ مستعمل ہوجائے گا، تو یہ بہت بعید ہے کیونکہ اس پر تنصیص کا قطعاً محتاج نہیں، اس کو منحۃ الخالق میں نقل کیا ہے مستعمل پانی کی بحث میں، اور اس کو برقرار رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں ہم نے اس پر آٹھ رد کئے ہیں اور یہ نواں ہے اور اب دسویں کا اضافہ کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص پانی میں غوطہ لگائے اور پھر نکلے، تو پانی کی اس صورت میں پانچ قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو حوض ہی میں رہتا ہے اور بدن سے جدا ہونے کی وجہ سے پانی سے جدا نہیں ہوتا ہے۔ اور دوسرا بدن کے ساتھ نکلتا ہے اور بلا ٹھہرے

---

[۱] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

بالنشف والخامس نداوة تبقى بعد النشف ایضا ولا تذهب الا بالجفاف بعمل الشمس والهواء ولا شك انها ایضا اجزاء مائیة ولا تداخل فی الاجسام بل لا تلاصق فی الاجزاء کما تقدم فکان کل قسم فوق الاخر منفصلا عنه وکان تحت الکل ذلك الندی فهو الذی لاقی البدن وهو لا یقبل الانفصال ولا استعمال الا به فلا استعمال تلك عشرة کاملة۔

اس سے نیچے آتا ہے، اور تیسرا ٹھہرتا ہے اور ٹپک کر ختم ہو جاتا ہے، اور چوتھا وہ تری ہے جو کپڑے کے ذریعے جذب کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ پانچواں وہ تری جو کپڑے کے ذریعے جذب کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور آفتاب یا ہوا سے خشک ہو جانے کے بعد ہی ختم ہوتی ہے اور بلا شبہ یہ بھی پانی کے اجزا ہیں اور یہ اجسام میں تداخل نہیں بلکہ تلاصق فی الاجزاء بھی نہیں جیسا کہ گزرا، تو ہر قسم دوسری سے اوپر ہوئی اس سے جدا ہوئی اور ہر ایک کے نیچے وہ تری ہوتی ہے تو یہ وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہے اور یہ انفصال کو قبول نہیں کرتا ہے اور استعمال بلا انفصال نہیں ہوتا ہے، تو مستعمل نہ ہوا، تو یہ دس مکمل ہو گئے۔

فان قلت الامر کما وصفتم ولکنا نعدی الحکم الی ما عدا الاول لتعلقه بالبدن ولذا انتقل بانتقاله **اقول اولا** لا نسلم انه لتعلقه به والا لکان له استمساك علیه کالتقاطر بل اندفع بدفعه وانحدر بطبعه الا تری ان المنغمس ان اندفع بعنف قوی صحبه ماء کثیر او برفق فقلیل وان استدرج فی الخروج بحیث لا یتحرك الماء حتی الامکان لم یکد یخرج معه الا ما یزول بالتقاطر مع ان اللقاء کان واحدا فعلموا انه لحرکة الدفع یختلف باختلافها۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ درست ہے لیکن ہم حکم اول کے علاوہ دوسروں پر لگاتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق بدن سے ہے اور اسی لیے اس کے منتقل ہونے سے وہ منتقل ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اولاً ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اس کے تعلق کی وجہ سے ہے ورنہ وہ اس پر رکتا، جیسا کہ ٹپکنے والا، بلکہ اسکے دفع کرنے سے مندفع ہو گیا اور بالطبع منحدر ہو گیا مثلاً پانی میں غوطہ کھانیوالا اگر قوت سے نکلے تو اس کے ساتھ بہت پانی آئے گا اور اگر آہستگی سے ہو تو کم پانی آئیگا اور اگر اتنا آہستہ نکلے کہ حتی الامکان پانی میں حرکت نہ پیدا ہو تو اس کے ساتھ صرف اتنا پانی آئیگا جو ٹپک کر زائل ہو جائے حالانکہ ملاقاۃ ایک ہی ہے، تو معلوم ہوا کہ دفع کی حرکت میں اس سے اختلاف ہوتا ہے۔

فان قلت اذن لا ریب فی تعلق التقاطر فنحکم علیه بالاستعمال وهو لا شك قابل الانفصال فیصح التاویل ولا ینفی الاستعمال

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس صورت میں ٹپکنے والے کے تعلق میں کوئی شک نہیں تو ہم اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگائیں گے اور بلا شبہ وہ قابلِ انفصال ہے تو تاویل

اقول ثانیا ما انحدر بلا مکث عند الخروج بعد الانغماس شأن ما مر وانحدر فورا من غسالۃ الوضوء والغسل فلا یستعمل الا ما بقی بعدہ متساقطا بالتقاطر وھو خلاف الاجماع۔

صحیح ہوگی اور استعمال منتفی نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں غوطے سے نکلنے کے فوراً بعد جو پانی بدن سے بہتا ہوا گرتا ہے اسکا حال اس پانی جیسا ہے جو وضو اور غسل کے فوراً بعد بہتا ہوا گرتا ہے تو مستعمل وہی ہوگا جو اس کے بعد قطرات کی صورت میں ٹپکتا رہے اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔

وثانیا شأن ما التعلق والتلاصق فالتعلق یشمل الدثار والتلاصق یختص بالشعار وھو الفرق بینھما فان قلت ھما ثوبان فیعد احدھما حاجزا للاٰخر عن التلاق، بخلاف الماء فانہ شیئ واحد فلا یحجز بعضہ بعضا بل الکل ملاق، اقول ذلک ما کنا نبغ فالماء کلہ واحد عند الانغماس فالکل ملاق بلا وسواس،

دوسرا، تعلق اور تلاصق میں بہت فرق ہے، تعلق استر کو شامل ہے اور تلاصق اوپر والے حصہ کے ساتھ مختص ہے، اور یہی دونوں میں فرق ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تو دو کپڑے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے رکاوٹ ہے، اور پانی تو شے واحد ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے حصّہ کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا ہے وہ تو سارے کا سارا ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے، میں کہتا ہوں یہ تو ہمارے حسبِ منشا ہے، جب انسان پانی میں غوطہ لگائے گا تو پانی شئی واحد ہوگا اور بغیر رکاوٹ آپس میں ملے گا۔

فائدہ ۲: قال العلامۃ الشیخ حسن الشرنبلالی فی شرحہ علی الوھبانیۃ ردا علی البحر ما نصہ وما ذکر من ان الاستعمال بالجزء الذی یلاقی جسدہ دون باقی الماء فیصیر ذلک الجزء مستھلکا فی کثیر فھو مردود لسریان الاستعمال فی الجمیع حکما ولیس کالغالب یصب القلیل من الماء فیہ[1] اھ

فائدہ ۲: علامہ شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں فرمایا بحر پر رد کرتے ہوئے، نص یہ ہے، اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ استعمال اس جزء سے ہے جو بدن سے ملا ہوا ہو نہ کہ باقی پانی سے تو وہ جزء کثیر اجزاء میں مل کر ختم ہو جائیگا، تو یہ مردود ہے کیونکہ حکماً تو استعمال تمام پانی میں سرایت کرے گا، اور یہ اس غالب پانی کی طرح نہیں جس میں تھوڑا سا پانی مل گیا ہو اھ۔

اقول لفظ السریان وقع غیر موقعہ فانہ یوھم ان المستعمل اولا ما لاقی ثم یسری الحکم الی بقیۃ اجزاء الماء بالتجاور وھو

میں کہتا ہوں "سریان" کا لفظ بے موقع استعمال ہوا ہے اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مستعمل اولاً تو وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہے پھر حکم بقیہ اجزاء کی

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

مردود صريحا بما تقدم ان العبرة للغابة ولو سرى لسرى بالملقى كما توهم العلامة عبد البر فيبطل الفرق و يعود الكلام على مقصود بالنقض وهذا هو الذى حمل البحر على قصر الاستعمال على ما لاقى بل نقول انه اذا انغمس فيه وهو قليل فقد استعمل كله معا لان جميعه شئ واحد فلا قصر ولا سريان ولقد احسن العلامة الشامى رحمه الله تعالىٰ اذ قرره بقوله فى المنحة يعنى انه لما انغمس او ادخل يده مثلا صار مستعملا لجميع ذلك الماء حكما لان المستعمل حقيقة هو ما لاقى جسده بخلاف ما اذا صب المستعمل فيه فان المستعمل حقيقة وحكما هو ذلك الملقى فلا وجه للحكم على الملقى فيه بالاستعمال ما لم يساوه او يغلب عليه اذ لم يدخل فيه جسده حتى يحكم عليه بالاستعمال حكما يدل عليه ما فى الاسرار للدبوسى وقولهم فى مسألة البئر جحط لو انغمس بقصد الاغتسال للصلاة صار الماء مستعملا اتفاقا اھ فهذا هو التحقيق والله تعالىٰ ولى التوفيق۔

طرف جائے گا کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں، اور یہ صریحا مردود ہے، جیسا کہ گزرا کہ اعتبار غلبہ کو ہے اور اگر سرایت کرے گا تو ملقی میں کرے گا، جیسا کہ علامہ عبد البر کو وہم ہوا ہے تو فرق باطل ہوجائے گا اور کلام مقصود بالنقض کی طرف لوٹے گا، اور یہی چیز ہے جس نے بحر کو اس پر مجبور کیا کہ وہ استعمال کا حکم صرف اس پر لگائیں جو ملاقی ہو، بلکہ ہم کہتے ہیں جب کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے اور پانی کم ہو تو سب یکدم مستعمل ہوجائیگا کیونکہ وہ سارے کا سارا شیئ واحد ہے، تو نہ قصر ہے اور نہ سرایت ہے، علامہ شامی نے اس کو برقرار رکھ کر اچھا کیا، وہ منحہ میں فرماتے ہیں یعنی جب اس نے غوطہ لگایا یا مثلاً اس نے اپنا ہاتھ ڈبویا تو سارا پانی مستعمل ہوگیا حکما، کیونکہ حقیقۃً مستعمل تو صرف وہی ہے جو بدن سے متصل ہو، اور اگر مستعمل اس میں ڈالا گیا تو دوسرا حکم ہے، کیونکہ حقیقۃً وحکماً مستعمل یہی ملقی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملقی فیہ پر استعمال کا حکم لگایا جائے تاوقتیکہ وہ اس کے برابر نہ ہو یا اس پر غالب نہ ہو کیونکہ اس کا جسم تو اس میں داخل نہیں ہوا کہ اس پر حکما استعمال کا حکم لگایا جائے، اس پر دبوسی کی اسرار دلالت کرتی ہے اور ان کا مسئلہ البئر جحط میں یہ کہنا کہ اگر کسی شخص نے کنویں میں اس نیت سے غوطہ لگایا کہ نماز کے لیے غسل کرے گا تو پانی اتفاقاً مستعمل ہوجائے گا اھ تو تحقیق یہی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے کا والی ہے۔

فائدہ ۳: سبق العلامة ابا الاخلاص

فائدہ ۳: علامہ نے ابو الاخلاص سے پہلے فرق کو

لے منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

فی تعبیر الفرق هکذا بعض معاصری العلامة زین فاورده وردّه وهذا نصه فی البحر اذا عرفت هذا ظهر لك ضعف من یقول فی عصرنا ان الماء المستعمل اذا صب علی الماء المطلق وکان المطلق غالباً یجوز الوضوء بالکل واذا توضأ فی فسقیة صار الکل مستعملا اذ لا معنی للفرق بین المسألتین وما قد یتوهم فی الفرق من ان فی الوضوء یشیع الاستعمال فی الجمیع بخلافه فی الصب مدفوع بان الشیوع والاختلاط فی الصورتین سواء بل لقائل ان یقول الماء الغسالة من خارج اقوی تاثیرا من غیره لتعین المستعمل فیه بالمعاینة والتشخیص وتشخص الانفصال[1] اه وهذا الکلام ارتضاه السیدان ط وش حتی قال ط بعد ذکر کلام الشرنبلالی هذا التوهم قد ذکره فی البحر واعرض عنه[2] اه اما المدقق العلائی فاستدرك علی البحر بکلام الشرنبلالی فقال فراجعه متاملا[3] اه

اقول لقول القائل یشیع فی الجمیع (ف۱) ثلثة محامل وذلك لان الشیوع الامتزاج

بیان کیا، اسی طرح علّامہ زین کے بعض معاصرین نے فرق بیان کیا، اور اس کو رد کیا، اور یہ بحر میں ان کی عبارت ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارے بعض معاصرین کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا کہ مستعمل پانی جب مطلق پانی میں ڈالا جائے اور مطلق غالب ہو تو سارے پانی سے وضو جائز ہے اور جب چھوٹے حوض میں وضو کیا تو کل مستعمل ہوگیا، کیونکہ دونوں مسئلوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ فرق جو بیان کیا جاتا ہے کہ وضو کی صورت میں استعمال تمام پانی میں عام ہوجاتا ہے اور ڈالنے میں یہ صورت نہیں ہوتی، اس لیے ناقابلِ لحاظ ہے کہ شیوع اور اختلاط دونوں صورتوں میں برابر ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ دھوون کا باہر سے ڈالنا زیادہ مؤثر ہے، کیونکہ اس میں مستعمل دیکھنے اور علیحدہ پہچان کرنے سے متعین ہوجاتا ہے اھ اور اس کلام کو سیدان "ط" اور "ش" نے پسند کیا یہاں تک کہ "ط" نے شرنبلالی کا کلام ذکر کرنے کے بعد فرمایا "اس وہم کو بحر میں ذکر کیا اور اس سے اعراض کیا اھ اور مدقق علائی نے بحر پر شرنبلالی کے کلام سے استدراک کیا اور فرمایا پورے غور سے اس کی طرف مراجعت کریں اھ

میں کہتا ہوں "یشیع فی الجمیع" والے قول میں تین تاویلات ہوسکتی ہیں کیونکہ شیوع امتزاج بلا امتیاز ہو

---

[1] بحر الرائق — کتاب الطہارۃ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۴
[2] طحطاوی علی الدر — باب المیاہ — بیروت — ۱/۱۰۴
[3] الدر المختار علی حاشیۃ الطحطاوی — باب المیاہ — بیروت — ۱/۱۰۴

من دون امتياز فلا يمكن التعيين بل الكل
يحتمله على البدلية كهبة المشاع والمعنى
عليه انه اذا توضأ في الفسقية اختلط ماء
وضوئه بسائرها بحيث لا يمكن التمييز
فأي غرفة تأخذها تحتمل ان تكون
من المستعمل فيكون حكم الاستعمال شائعا
في جميع الاجزاء شيوع هبة نصف شائع في
الصفين والشيوع[2] السريان اي اذا توضأ فيها
استعمل ما لاقاه وتعدى الحكم منه الى جاره
وهكذا فصار الكل مستعملا والشيوع[3] العموم اي
ان في الوضوء يعم الاستعمال لجميع وانت تعلم
ان المعنى الثالث حق صحيح لا غبار عليه اصلا
ولا يمسه ما في البحر لان عموم الحكم
لعموم السبب فان الكل ملاق كما سبق مرارا
والمعنى الثاني هو ما جنح اليه العلامة الشرنبلالي
في منبادر كلامه وقد علمت ما له وعليه
والمعنى الاول مثله في البطلان كفى ردا عليهما
مسألة الملقى ولزوم اثبات الفرق بابطاله
والبحر حمله على الاول ففسر الشيوع
بالاختلاط وحكم انه في الصورتين سواء و
انما ذلك عنده للمعنى الاول دون السريان
والعموم الا ان يريد بالشيوع سببه و
يفسره بالاختلاط فيكون المعنى ان
سبب السريان او العموم عندك هو الاختلاط
سواء في الصورتين مع تخلف الحكم

تو تعیین ممکن نہیں بلکہ کل میں اس کا احتمال علی سبیل
البدلیۃ ہے جیسا کہ مشاع کا ہبہ، اور اس کا مفہوم یہ ہے
کہ جب چھوٹے حوض میں وضو کیا تو اس کا پانی تمام پانی میں
ملے گا اور امتیاز ممکن نہیں، تو جو چلّو لیا جائے گا اس
میں احتمال ہے کہ مستعمل پانی سے ہو، تو استعمال کا حکم
تمام پانی کو اس طرح شامل ہوگا جیسا کہ غیر ممتاز دو
حصوں والی چیز کے نصف کا ہبہ ہو، اور شیوع[2]
سریان یعنی جب اس میں وضو کیا تو جو اس کے
ملاقی ہے وہ مستعمل ہو جائیگا پھر اسکے ساتھ والے اجزاء
تک یہی حکم چلے گا اور اس طرح سارے کا سارا مستعمل
ہو جائے گا، اور شیوع[3] عموم کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی وضو
کی صورت میں استعمال کا حکم تمام پر لاگو ہو جاتا ہے،
اور آپ جانتے ہیں کہ تیسرا معنی حق اور بے غبار ہے،
اور بحر کا اعتراض اس پر نہیں ہوتا، کیونکہ حکم کا عموم
سبب کے عموم کی وجہ سے ہے کیونکہ کل ملاقی ہے جیسا
کہ کئی مرتبہ گزرا، اور دوسرے معنی کی طرف علامہ
شرنبلالی کا میلان ہے جیسا کہ اُن کے کلام سے متبادر
ہے اور اسکا مالہ وما علیہ آپ جان چکے ہیں اور پہلا معنی
بھی اسی کی طرح باطل ہے، ان کی تردید میں اور اسکے ابطال
کو فرق کے اثبات کا لازم ہونا کافی ہے
اور بحر نے اس کو پہلے پر محمول کیا ہے اور شیوع
کی تفسیر اختلاط سے کی ہے اور حکم لگایا ہے کہ یہ
دونوں صورتوں میں برابر ہے اور ان کے نزدیک یہ
پہلے معنی کے باعث ہے سریان وعموم کی وجہ سے نہیں
ہے، ہاں اگر شیوع سے مراد اس کا سبب لیں تو

فی الملقی وفاقا وقد علمت جوابه علی الحق نعم من یزعم السریان یرد علیه ولا یرد ۔

----- اور اس کی تفسیر وہ اختلاط سے کریں تو معنی یہ ہوں گے کہ سریان یا عموم کا سبب تمہارے نزدیک اختلاط ہی ہے اور وہ دونوں صورتوں میں یکساں ہے حالانکہ ملقی میں حکم مختلف ہے اتفاقاً، اور اس کا حق جواب آپ جان چکے ہیں، ہاں جو سریان کا گمان کرتا ہے اس پر رد کیا جائے گا اور وہ رد نہ کرے گا۔ (ت)

ثم اقول ما ترقی به لا احصله **فاولا** لیس من شرط الاستعمال رؤیة مرورہ علی البدن ولا معاینة انفصاله ولا لمرئیه مزیة علی غیرہ مع تحقق العلم القطعی به ولا شك انه شیئ متشخص بنفسه فلا یضرہ عدم قدرتنا علی تمییزہ **وثانیا** لیس الاستعمال مقولا بالتشکیک لیکون المرئی اقوی من غیرہ **وثالثا** انما مبناہ علی ما ارتکز فی ذهنه رحمه الله تعالٰی ان الملاقی هی الاجزاء الملاصقة ولیس کذلك بل الکل کما حققنا فکما ان المصبوب کان ممتازا منحازا متشخصا عاینا مرورہ علی البدن ثم انفصاله عنه کذلك کل الماء فی الفسقیة ممتاز منحاز متعین معاین ورود الاعضاء فیه ثم انفصالها منه ۔

میں کہتا ہوں بر سبیل ترقی جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے وہ درست نہیں، اولاً مستعمل ہونے کی یہ شرط نہیں کہ اس کو بدن پر گزرتا ہوا دیکھا جا سکے، نہ اس کے جُدا ہونے کا دیکھنا ضروری ہے اور نہ ہی دیکھے کے قابل ہونا اس کے لیے دوسروں پر وجہِ فضیلت ہے، جبکہ اس کا علم قطعی ہو اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو متشخص بنفسہ ہے تو ہمارا اس کی تمیز پر قادر نہ ہونا اس کو مضر نہیں؛ ثانیاً استعمال تشکیک کے قبیلہ میں سے نہیں تاکہ مرئی دوسروں سے اقوی ہو۔
ثالثاً اُس کا مبنٰی صرف یہ ہے کہ اُن کے (رحمہ اللہ) ذہن میں یہ بات مرکوز ہوگئی ہے کہ مُلاقی صرف وہ اجزاء ہیں جو متصل ہیں حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ تمام اجزاء ہیں جیسا کہ ہم نے تحقیق کی ہے جیسا کہ بدن پر ڈالا جانے والا پانی الگ اور ممتاز نظر آتا ہے اور جسم سے جدا ہوتا بھی دکھائی دیتا ہے اسی طرح حوض کا کُل پانی الگ اور ممتاز ہے جو نظر آتا ہے، اس میں اعضاء کا ڈوبنا اور جُدا ہونا بھی نظر آتا ہے۔ (ت)

فائدہ ۴: کلام الاسرار المار برمته فی الفصل الثانی وقع اوله موافقا لما وقع فی البدائع من ان المستعمل هی الاجزاء الملاصقة بالبدن واٰخرہ نص صریح علی ما هو الحق حتی ان اخا

فائدہ ۴: اسرار کا مکمل کلام جو گزرا دوسری فصل میں اس کی ابتداء بدائع کے مطابق ہے کہ مستعمل وہی اجزاء ہیں جو بدن سے متصل ہیں اور اس کا آخر حق پر نص صریح ہے، یہاں تک کہ صاحب البحر کے بھائی علامہ عمر ابن نجیم جو اس مسئلہ میں ان کے پیروکار ہیں،

صاحب البحر العلامۃ عمر بن نجیم رحمہم اللہ تعالٰی مع اقتفائہ فی المسألۃ اٰثار البحر انصف فیما نقل عنہ فی ھامش البحر حین عقب عبارۃ الاسرار بقولہ فھذہ العبارۃ کشفت اللبس الخ فکتب علیہ نعم کشفت اللبس من حیث اٰخرھا الا ان محمدا یقول لما اغتسل بالماء القلیل صار الکل مستعملا[1] حکما فلنا صورتان صورۃ وقوع ماء مستعمل فی غیرہ فیعتبر غلبۃ الذی لیس بمستعمل والثانیۃ ماء واحد توضأ بہ شخص او ادخل یدہ لحاجۃ[2] صار مستعملا کلہ حکما کما رأیت[3] اھ نقلہ فی المنحۃ واقرہ ولذلک لم یتأت للبحر الانتفاع باولہ والتجأ الی ردہ ببنائہ علی روایۃ ضعیفۃ والعبد الضعیف قدم التوفیق بین اولہ واٰخرہ بحیث جعلہ کلاما واحدا منتظما والشیخ العلامۃ عبد البر سلک فی شرح الوھبانیۃ مسلکا اٰخر فجعل اولہ سؤالا واٰخرہ جوابا اذ قال والحاصل ان ابا زید الدبوسی فی کتاب الاسرار اورد

بحر کے حاشیہ میں نقل کرتے ہیں، اور نقل میں انصاف کیا ہے جہاں انہوں نے اسرار کی عبارت کے بعد کہا اس عبارت نے غبار صاف کردیا الخ اس پر کہا ہاں غبار صاف کردیا اُس کے آخر تک، صرف اتنا ہے کہ محمد کہتے ہیں کہ جب تھوڑے سے پانی میں غسل کیا تو کل حکماً مستعمل ہوگیا، ہم کہتے ہیں یہاں دو صورتیں ہیں ایک تو مستعمل پانی کا غیر مستعمل میں واقع ہونا تو اُس پانی کے غلبہ کا اعتبار رہوگا جو مستعمل نہیں دُوسرا وہ پانی جس سے ایک شخص نے وضو کیا ہو یا بوجہ حاجت اس نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا تو کل حکماً مستعمل ہوگیا جیسا کہ آپ نے دیکھا اھ اس کو منحہ میں نقل کیا اور برقرار رکھا، اس لیے بحر کو اس عبارت کے اول سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس کے رد میں انہوں نے کہا کہ یہ ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے، اور ناچیز نے اس قول کے اول و آخر میں تطبیق دی ہے اور اس کو منتظم کلام کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور شیخ علامہ عبدالبر نے وہبانیہ کی شرح میں ایک دوسری راہ اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ اس کے اول کو سوال اور آخر کو جواب قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ ابوزید الدبوسی نے کتاب الاسرار میں وہ ذکر کیا ہے

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[2] کذا فی نسختی المنحۃ وصوابہ لا لحاجۃ اولغیر حاجۃ اھ منہ (م)
میرے پاس موجود منحہ کے نسخہ میں اسی طرح ہے اور مناسب "لَا لِحَاجَۃٍ" یا "لِغَیرِ حَاجَۃٍ" ہے۔ (ت)

[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

ماذکره فی البدائع علی سبیل الالزام من ابی یوسف لمحمد رحمهما اللہ تعالی و ذکر جواب محمد عنه فکشف اللبس و اوضح کل تخمین وحدس فانه قال بعد ما ذکر مذاهب علمائنا فی الماء المستعمل والاستدلال لمحمد رحمهم اللہ تعالی عامة مشایخنا ینصرون قول محمد وروایته عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالی عنه ثم قال یحتج للقول الاخر (ای نجاسته) بما روی فذکر حدیث لایبولن احدکم ثم قال ومن قال ان الماء المستعمل طاهر طهور لایجعل الاغتسال فیه حراما الی اخر ما تقدم عن الدبوسی[1]

اقول هذا التقریر وان لم یکن ظاهرا من سوق عبارة الاسرار بیانه یتوقف علی ما ذکر فی البدائع ثم البحر ان اخراج الماء من ان یکون مطهرا من غیر ضرورة حرام اھ[2] فیستفاد منه ان اغتسال المحدث فی الماء القلیل حرام عند محمد ایضا فکان الامام ابا یوسف یلزمه بان المستعمل طاهر عندك والطاهر لایسلب الطهور طهوریته مادام الطهور غالبا کلبن یقع فیه فلا یصح لك تحریم الاغتسال فیه لا

جو بدائع میں ابو یوسف کی طرف سے محمد پر الزام ذکر کیا ہے اور محمد کا جواب ذکر کیا ہے جس سے تمام بات واضح ہو گئی انہوں نے پہلے تو ہمارے علماء کا مذہب مستعمل پانی کی بابت ذکر کیا اور امام محمد کا استدلال ذکر کیا پھر کہا کہ عام مشائخ امام محمد کے قول اور ان کی روایت جو امام ابو حنیفہ سے ہے کی تائید کرتے ہیں ——— پھر فرمایا دوسرے قول پر (یعنی اُس کی نجاست پر) اُس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو مروی ہے، پھر لایبولن احدکم والی حدیث سے استدلال کیا۔ پھر فرمایا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مستعمل پانی طاہر وطہور ہے وہ اس سے غسل کو حرام قرار نہیں دیتے ہیں الی اخر ما تقدم عن الدبوسی۔ (ت)

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تقریر اسرار کی عبارت کے سیاق سے ظاہر نہیں ہے، اس کا بیان اُس پر موقوف ہے جو بدائع پھر بحر میں مذکور ہے کہ پانی کو مطہر ہونے سے بلا ضرورت خارج کرنا حرام ہے اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو کا تھوڑے پانی میں غسل کرنا محمد کے نزدیک بھی حرام ہے، گویا امام ابو یوسف بطور الزام اُن سے یہ کہتے ہیں کہ تمہارے نزدیک مستعمل پانی پاک ہے اور پاک پانی دوسرے پانی کی طہوریت کو سلب نہیں کرتا ہے جب تک کہ طہور غالب ہو، جیسے کہ دودھ اس میں گر جائے، تو آپ

---

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۷

[2] بحر الرائق ″ ″ ۱/۷۰

ان تقول بقوله وتحکم بنجاسة الغسالة فح یفسد الکل ویصح الحکم فاجاب محمد بان الکل لکونه قلیلا شئ واحد فصار الکل ملاقیا لبدن المحدث فصار الکل مستعملا حکما بخلاف اللبن فلیس فیه الا اختلاط طاهر بطهور ولیس سبب الاستعمال فلا یسلبه الطهوریة ما دام الماء غالبا علیه۔

اُس میں غسل کو حرام نہیں کر سکتے ہیں، صرف اس کی یہی صورت ہے کہ آپ میرے قول کو اختیار کرلیں اور دھوون کی نجاست کا قول کریں، اِس صورت میں کُل پانی فاسد ہو جائے گا اور حکم صحیح ہوگا۔ محمد نے اس کا جواب دیا کہ کل پانی بوجہ قلیل ہونے کے چونکہ شئ واحد ہے تو کل بے وضو بدن سے متصل ہوا، تو حکماً کل مستعمل ہوگیا، دُودھ میں یہ چیز نہیں اُس میں ایک طاہر کا طہور سے ملنا ہے اور یہ استعمال کا سبب نہیں ہے تو اُس کی طہوریت کو سلب نہ کرے گا جب تک پانی اس پر غالب رہے۔ (ت)

قلت وملك العلماء لم یجعله الزاما من ابی یوسف لمحمد بل دفع دخل یرد علی استدلال ابی یوسف بالحدیث کما تقدم نقله فی صدر الفصل الاول ولکل وجهة هو مولیها وبالجملة اوله علی کلا الوجهین تأیید لروایة ضعیفة وکفی باخره جوابا عنه والاولی ما فعل العبد الضعیف کما علمت ولله الحمد۔

میں کہتا ہوں ملک العلماء نے اس کو ابو یوسف کی طرف سے امام محمد پر بطور الزام ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ ایک درمیانی اعتراض کا جواب ہے جو ابو یوسف کے حدیث سے استدلال پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فصل اول کی ابتداء میں گزرا، ہر شخص کا اپنا اپنا طرز استدلال ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ اس کا اوّل دونوں صورتوں میں ایک ضعیف روایت کی تائید ہے اور اس کا آخر اس کا جواب شافی ہے، اور بہتر وہ صورت ہے جو ناچیز نے اختیار کی ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا وللہ الحمد۔ (ت)

فائدہ ۵: من کلام الشیخ ابن الشحنة فی الشرح علی مسألة محدث وقع فی بئر مانصه والذی تحرر عندی انه یختلف الحکم فیها باختلاف اصول ائمتنا فیه والتحقیق نزح الجمیع عند الامام علی القول بنجاسة الماء المستعمل وقیل اربعون عنده وتحقیق مذهب محمد انه یسلبه الطهوریة وهو الصحیح عن الامام والثانی وعلیه

فائدہ ۵: یہ شیخ ابن الشحنہ کے کلام سے ماخوذ ہے جو انہوں نے اُس بے وضو کی بابت کیا ہے جو کنویں میں گر پڑا ہو، فرماتے ہیں اس کا حکم ہمارے ائمہ کے اصول کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے اور تحقیق یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تمام کنویں کا پانی نکالا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک مستعمل پانی نجس ہے، ایک قول یہ ہے کہ چالیس ڈول نکالے جائیں گے، اور مذہب امام محمد کی تحقیق یہ ہے کہ وہ

الفتوی فینزح منه عشرون لیصیر طهورا وهذا
علی القول بعدم اعتبار الضرورة اما لو
اعتبرت لایصیر مستعملا فی کل موضع تحقق
الضرورة فی الانغماس فی الماء او ادخال الید
فیه واعتبار الضرورة فی مثل ذلك مذکور
فی الصغری وغیرها فلا تغتر بما ذکره شیخنا
العلامة زین الدین قاسم تغمده الله
برحمته فی رسالته المسماة برفع الاشتباه
فانه خالف فیها صریح المنقول عن ائمتنا
واستند الی کلام وقع فی البدائع علی
سبیل البحث وتبعه (یعنی القاسم) علی
ذلك بعض من ینتحل مذهب الحنفیة
ممن لارسوخ له فی فقههم وکتب فیه کتابة
مشتملة علی خلط وخبط ومخالفة النصوص
المنقولة عن محمد رحمه الله تعالی
وقد بینت ذلك فی مقدمة کتبتها حققت
فیها المذهب فی هذه المسألة (ثم قال
والحاصل ان ابا زید الدبوسی الی اخر
ماقدمنا عنه انفا ثم قال) وفی البدائع ایضا
التصریح بان الطاهر اذا انغمس فی البئر
للاغتسال صار مستعملا عند اصحابنا الثلثة
رضی الله تعالی عنهم وصرح فی فتاوی قاضیخان
بان ادخال الید فی الاناء للغسل یفسد
الماء عند ائمتنا الثلثة وتکفل بایضاح هذا
وتحریره رسالتی زهر الروض اھ[1]

پانی سے طہوریت کو سلب کرلیتا ہے، اور امام صاحب
سے صحیح یہی ہے اور دُوسرے امام سے بھی، اور اسی پر
فتوٰی ہے تو اُس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ
وہ طہور ہوجائے اور یہ عدم اعتبارِ ضرورت کے قول پر ہے،
اور اگر ضرورت کا اعتبار کیا جائے تو ہر اس جگہ جہاں پانی میں
غوطہ لگانے کی یا ہاتھ ڈبونے کی ضرورت ہو وہاں پانی
مستعمل نہ ہوگا اور ضرورت کا اعتبار اس کی مثل میں
صغرٰی وغیرہا میں مذکور ہے تو شیخ علّامہ زین الدین
نے اپنے رسالہ رفع الاشتباہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس
سے مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے ائمہ کی صریح
نقول کے مخالف ہے، وہ محض اُس بحث کے سہارے
پر ہے جو بدائع نے کی ہے اور ان کی (یعنی علامہ قاسم کی)
پیروی محض بعض ناپختہ کار حنفی فقہا نے کی ہے، اور
اسی پر ایک بے سروپا کتاب جو امام محمد سے منقول
نصوص کے مخالف ہے لکھی ہے، میں نے یہ تمام
بحث ایک مقدمہ میں کی ہے، اور اس میں مذہب
کی تحقیق کی ہے (پھر فرمایا خلاصہ یہ کہ ابوزید دبوسی
الی اخر ماقدمنا عنہ انفا پھر فرمایا) اور بدائع میں
میں بھی یہ تصریح کی ہے کہ پاک انسان جب کنویں
میں غوطہ لگائے غسل کی نیت سے، تو ہمارے
اصحابِ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک پانی مستعمل
ہوجائے گا، اور فتاوٰی قاضیخان میں یہ تصریح
موجود ہے کہ پانی میں بہ نیتِ غسل ہاتھ ڈالنا پانی
کو فاسد کردیتا ہے، ہمارے ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک،
میں نے اسکی مکمل ایضاح و تحریر اپنے رسالہ زہر الروض میں کی ہے۔ (ت)

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

اقول ھو کلام طیب لخص فیہ مقاصد رسالتہ وخلصہ مما خلط بہ فی زھر الروض من تسویۃ الملقی والملاقی فی عدم الجواز و الاحادیث نزح عشرین و التحقیق عندہ علی مذھبہ المعتمد لا نزح اصلا مالم یساو او یغلب لان الطھور لا یطھر۔

میں کہتا ہوں یہ کلام بہت خوب ہے، اس میں اُنہوں نے بڑی وضاحت سے اپنے رسالہ کے مقاصد کو ظاہر کیا ہے، اور زہر الروض نے جو ملقی اور ملاقی میں خلط مبحث کیا ہے عدمِ جواز میں، اُس سے بھی چھٹکارا دلایا ہے صرف بیس ڈول والی حدیث کا معاملہ باقی ہے اور ان کے مذہبِ معتمد میں تحقیق یہ ہے کہ جب تک مستعمل پانی برابر یا غالب نہ ہو اس وقت تک پانی بالکل نہیں نکالا جائیگا کیونکہ طہور پاک نہیں ہوتا ہے۔(ت)

فائدہ ٦: قال فی الدر ان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر بالکل والا لا وھذا یعم الملقی والملاقی ففی الفساقی یجوز التوضی مالم یعلم تساوی المستعمل علی ما حققہ فی البحر والنھر والمنح قلت لکن الشرنبلالی فی شرح الوھبانیۃ فرق بینھما فراجعہ متاملا[1] اھ وذکر ش عند قولہ حققہ فی البحر استدلالہ علی ذلک بالاطلاق المفید للعموم وبقول البدائع وفتوی قاری الھدایۃ المذکورۃ قال وقد استدل فی البحر بعبارات اخر لاتدل لہ کما یظھر للمتامل لانھا فی الملقی والنزاع فی الملاقی کما اوضحناہ فیما علقناہ علیہ فلذا اقتصرنا علی ما ذکرنا[2] اھ وراَیتنی کتبت فی جد

فائدہ ٦: دُر میں ہے کہ مطلق پانی آدھے سے زائد ہے تو کُل سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور یہ چیز ملقی اور ملاقی کو عام ہے تو چھوٹے حوضوں میں وضو جائز ہے جب تک مستعمل پانی کا برابر ہونا معلوم نہ ہو، اس کی تحقیق بحر، نہر اور منح میں موجود ہے، میں کہتا ہوں شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں دونوں میں فرق کیا ہے وہ بغور دیکھا جائے اھ اور "ش" نے ان کے قول حققہ فی البحر کے پاس ان کا استدلال ذکر کیا کہ ان کا اطلاق مفید عموم ہے، اور بدائع کے قول اور قاری الہدایہ کے مذکورہ فتوٰی سے، فرمایا بحر میں دوسری عبارات سے بھی استدلال کیا ہے مگر وہ ان کے حق میں مفید نہیں، جیسا کہ غور کرنے پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ وہ عبارات ملقی سے متعلق ہیں اور جھگڑا ملاقی میں ہے، جیسا کہ ہم نے

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ١/٣٤

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ١/١٣٤

الممتار علی قولہ المفید للعموم ما نصہ ۔
اقول نعم یفید علی فرض ان المستعمل فی الملاقی ھو السطح الملاصق من الماء بجسد المحدث لاغیرہ وھو اول النزاع وانا **اقول** لوکان کذلک لارتفع المستعمل من صفحۃ الدنیا لانک اذا صببت الماء علی یدک مثلا فانما یلاقی یدک سطح من الماء وسائر جرمہ منفصل عنھا کما ان التلاقی یکون بسطح من یدک وسائر جرمھا لم یمسہ الماء والجسم ابدا یکون اکبر من السطح فتکون الغلبۃ لغیر المستعمل فلا یصیر مستعملا ابدا واذا جعلت کلہ مستعملا لتلاقی سطحہ سطح الجسد فلا نعلم فرقا بین جرم وجرم فان اسلت اسالۃ ضعیفۃ صار الکل مستعملا وان صببت صبا شدیدا حتی کان ثخن الماء اضعاف الاول کان ایضا کلہ مستعملا فلا دلیل علی التفرقۃ بین ثخن وثخن ما لم یبلغ حد الکثرۃ وقول البدائع بحث منہ ذکرہ فی سؤال وجواب لا نقل عن الاصحاب بخلاف کلام الامام الدبوسی فانہ نقل صریح ومن النصوص الصرائح کذلک مسائل ادخال الید والرجل ودخول المحدث فی البئر المصرح بھا نقلا عن الائمۃ الثلثۃ فی المتون و الشروح والفتاوی وحمل کلھا علی روایۃ ضعیفۃ مما لا یعقل ولا یحتمل وعبارۃ الفتوی

واضح کیا ہے، اپنی تعلیقات میں اس پر ہم نے روشنی ڈالی ہے، اس لیے ہم نے اس پر اکتفاء کیا، اور میں نے اپنی کتاب "جد الممتار" میں لکھا ہے، یہ ان کے قول "المفید للعموم" کے تحت لکھا گیا ہے، میری عرض یہ ہے کہ ہاں فائدہ دیتا ہے اس مفروضہ پر کہ مستعمل ملاقی پانی وہ سطحِ آب ہے جو مُحدِث کے جسم سے ملی ہوتی ہے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اور وہ پہلا نزاع ہے، اور میں کہتا ہوں اگر ایسا ہی ہوتا تو روئے زمین پر مستعمل پانی کا وجود ہی ناپید ہوجاتا کیونکہ مثلاً اگر آپ نے اپنے ہاتھ پر پانی بہایا تو آپ کا ہاتھ پانی کی سطح سے ملے گا اور اس کا باقی حصہ اس سے الگ رہے گا، جس طرح تلاقی آپ کے ہاتھ کی سطح سے ہوتی ہے اور اس کا باقی حصہ پانی سے کبھی نہیں لگتا ہے اور جسم ہمیشہ سطح سے بڑا ہی ہوتا ہے، تو غلبہ غیر مستعمل کو ہوگا تو وہ مستعمل کبھی نہ ہوگا، اور جب آپ نے کل کو مستعمل قرار دیا کہ اس کی سطح جسم کی سطح سے مل رہی ہے تو ہم ایک جرم اور دوسرے جرم میں فرق نہیں پاتے ہیں، تو اگر آہستہ سے بہایا جائے تو کُل مستعمل ہوجائے گا اور اگر سختی سے بہایا جائے اس طور پر کہ پانی کا حجم پہلے سے کئی گنا زائد ہو تو بھی کل مستعمل ہوجائے گا تو پانی کے ایک حجم اور دوسرے حجم کے فرق پر کوئی دلیل نہیں، تاوقتیکہ وہ حدِ کثرت کو نہ پہنچ جائے، اور بدائع کا قول تو محض ایک بحث ہے جس کو انہوں نے ایک سوال و جواب کے ضمن میں ذکر کیا ہے یہ اصحاب امام ابی حنیفہ

صریحۃ فی ان الماء المستعمل یقع فیھا فیکون
من الملقی دون الملاقی ولا تغتر بانھم
لابد لھم ان یغترفوا منھا فید خلوا ایدیھم
قبل الغسل وذلک تلاق لان الاغتراف
معفو عنہ بالاتفاق لاجل الحاجۃ اھ ما
کتبت علیہ وقد علمت مما قدمناہ فی
الفصول الثلثۃ ان الفحول الثلثۃ کلھم قد
اغفلوا محل النزاع ولکن لا عجب فی الاغفال
انما العجب من العلامۃ الشامی تنبہ لھذا و
ترک جل ما فی البحر لکونہ فی الملقی ثم
اورد عبارۃ الفتوی مع انھا کما علمت صریحۃ
فی الملقی فکان یجب اسقاطھا ایضا وقد
علمت ما فی الاستدلال بالعموم من نوع
مصادرۃ علی المطلوب فلیس بیدہ شئ
اصلا سوی بحث البدائع الواقع منا ضلا
لمتواترات النصوص والروایات الظاھرۃ
الصحیحۃ عن الائمۃ الثلثۃ مصادما
لاجماعھم المنقول فی الکتب المعتمدۃ حتی
البدائع والبحر فتثبت ولا تزل ثبتنا اللہ و
ایاک والمسلمین بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا
وفی الاٰخرۃ انہ ولی ذلک والقدیر علیہ ولا حول
ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی
علی سیدنا ومولٰنا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ
اجمعین اٰمین!

سے نقل نہیں ہے جبکہ امام دبوسی نے نقل پیش کی ہے اسی
طرح ہاتھ پیر داخل کرنے، اور بے وضو کے کنوئیں میں داخل
ہونے کے مسائل صراحۃً متون و شروح میں مذکور ہیں اور
اور فتاوٰی میں بھی مذکور ہیں، ان کو ہمارے ائمہ ثلثہ سے
نقل کیا گیا ہے، اب ان تمام چیزوں کو ایک ضعیف
روایت پر محمول کرنا انتہائی غیر معقول بات ہے، اور
فتوٰی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مستعمل پانی
اس میں گرتا ہے تو وہ ملقی سے ہوگا نہ کہ ملاقی سے، تجھے یہ دھوکا نہ ہو کہ
ان کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس سے چُلّو کے ذریعہ پانی نکالیں تو وہ
ہاتھ دھونے سے قبل داخل کرینگے اور اسی کو تلاقی کہتے ہیں، کیونکہ
اس طرح چُلّو سے پانی نکالنا بالاتفاق معاف ہے،
کیونکہ اس میں حاجۃ ہے اھ یہاں تک میرا حاشیہ
ختم ہوا، اور جو کچھ ہم نے فصول ثلثہ میں ذکر کیا ہے اس سے
آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ تینوں جلیل القدر علماء اصل
محلِ نزاع سے غافل رہے، لیکن اس غفلت پر تعجب
نہیں، تعجب تو اس امر پر ہے کہ علامہ شامی اس پر
متنبہ ہوگئے اور جو بحر میں تھا اس کو ترک کردیا کیونکہ
اس کا تعلق ملقی سے تھا، اور پھر بھی فتوٰی کی عبارت ذکر
کی، حالانکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے وہ ملقی میں صریح ہے
تو اس کا اسقاط بھی ضروری تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ
عموم سے استدلال میں ایک قسم کا مصادرہ علی المطلوب
ہے تو اُن کے پاس بدائع کی بحث کے علاوہ کچھ نہیں ہے
جبکہ یہ عبارت نصوصِ متواترہ اور روایاتِ ظاہرہ صحیحہ کے
مخالف ہے اور ائمہ ثلثہ کا جو اجماع کتب معتمدہ حتی کہ
بدائع اور بحر میں بھی منقول ہے اُس کے بھی خلاف ہے لہذا اس کو خوب ذہن نشین کرلینا چاہئے، اللہ تعالٰی تم کو

ہم کو تمام مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں حق پر ثابت قدم رکھے وہ اس کا والی اور قادر ہے اس اللہ علی وعظیم کے سوا کسی کو طاقت نہیں ہے اور صلوٰۃ ہمارے سرداران کی آل اصحاب بیٹے جماعت تمام پر ہو، آمین! (ت)

فائدہ ۷ : ختم ھذا البحث ش بقولہ قلت وفی ذلک (ای ما مال الیہ العلامۃ والبحر) توسعۃ عظیمۃ ولا سیما فی زمن انقطاع المیاہ عن حیاض المساجد وغیرھا فی بلادنا ولکن الاحتیاط لایخفی اھ[1]

اقول الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین وقد علمت ان ما مال الیہ لا دلیل علیہ والتوسعۃ قد تبیح المیل الی روایۃ لغیرھا رجحان علیہا درایۃ وھھنا لا روایۃ ولا درایۃ نعم ان تحققت الضرورۃ ففی العمل بقول امامی الھدی مالک والشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما مندوحۃ ان الماء المستعمل طاھر وطھور۔

فائدہ ۷ : 'ش' نے اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے "میں کہتا ہوں اور اس میں (یعنی جس کی طرف علامہ اور بحر کا میلان ہے) بڑی وسعت ہے خاص طور پر اس زمانہ میں جبکہ ہمارے بلاد کی مساجد وغیرہ کے حوضوں کا پانی ختم ہوجاتا ہے، لیکن احتیاط مخفی نہیں اھ (ت)

میں کہتا ہوں احتیاط تو اس میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے جو زیادہ قوی ہو اس پر عمل کیا جائے، اور آپ کو معلوم ہے کہ جس طرف ان کا رجحان ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور گنجائش میں کبھی مرجوح روایت کو بھی درایۃً اختیار کرنا پڑتا ہے، اور یہاں تو نہ روایت ہے اور نہ درایت، ہاں اگر ضرورت پائی جاتی ہے تو بقول امام مالک اور امام شافعی عمل کی حد تک پائی جاتی ہے، اور ان کے نزدیک یہ پانی طاہر و طہور ہے۔ (ت)

فائدہ ۸ : قال ش فی المنحۃ علی قول البحر لا معنی للفرق بین المسألتین یرید الملقی والملاقی مانصہ قال بعض مشایخنا یدل علیہ ایضا روایۃ النجاسۃ فان النجس ینجس غیرہ سواء کان ملقی او ملاقیا فکذا علی روایۃ الطہارۃ واذا کان کذلک فلیکن التعویل علیہ سیما وقد اختارہ کثیرون وعامۃ من تأخر عن الشارح تابعہ علی

فائدہ ۸ : 'ش' نے منحہ میں بحر کے قول پر فرمایا دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں، یعنی ملقی اور ملاقی میں، ان کی عبارت یہ ہے کہ ہمارے بعض مشایخ نے فرمایا اس پر نجاست کی روایت دلالت کرتی ہے کیونکہ نجس دوسرے کو بھی نجس کرتا ہے خواہ وہ ملقی ہو یا ملاقی، اسی طرح طہارت کی روایت پر۔ اور جب صورتِ حال یہ ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ بہت سے علماء نے اسکو

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۵

ذلك حتی صاحب النهر مع ما فيه من
رفع الحرج العظيم على المسلمين[1] اھ

اقول اولا ان کان للقیاس علی روایة
ف۱
النجاسة مساغ کان الشیخ ابن الشحنة
احق بهذا منکم فان التسویة علی روایة
النجاسة انما هی فی التاثیر لا فی عدمها فکما
استویا علیها فی التاثیر بسلب الطهارة فکذا
علی روایة الطهارة بسلب الطهوریة لا
فی عدم التاثیر اصلا وثانیا صرحوا ان ماء
ف۲
ورد علی نجس نجس کعکسه ای ان التنجس
یحصل للماء القلیل کله سواء کان هو
الوارد علی نجاسة او بالعکس واذن نقول
بمثله هٰهنا فکما ان الماء الوارد علی
نجاسة حکمیة یصیر کله منسلب
الطهوریة کذلک النجاسة الحکمیة اذا وردت
علی ماء قلیل تجعل جمیعه مسلوب الطهوریة
وقیاس احدی النجاستین علی الاخری احق
بالقبول من قیاس روایة الطهارة علی
روایة النجاسة وثالثا وهو الحل الحکم
ف۳
انما یثبت بثبوت سببه وسبب التنجس هو
ملاقاة النجس وهو حاصل فی الملقی
کالملاقی وسبب الاستعمال ملاقاة بدن

مختار کیا ہے اور شارح کے بعد آنے والے علماء نے
حتی کہ صاحبِ نہر نے بھی ان کی متابعت کی ہے، پھر
مسلمانوں کو تنگی سے نکالنا ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں، اولاً اگر قیاس کو نجاست والی روایت
پر گنجائش موجود ہو تو شیخ ابن الشحنہ اس کے
بہ نسبت آپ کے زاید مستحق ہیں، کیونکہ نجاست والی
روایت پر برابری تاثیر میں ہے نہ کہ عدمِ تاثیر میں جیسے
وہ دونوں سلب طہارت کی تاثیر میں برابر ہیں، اسی
طرح طہارت کی روایت پر سلب طہوریت میں برابر ہونا
چاہیے نہ کہ اصلاً عدمِ تاثیر میں مساوات ہو۔

ثانیاً اس امر کی علماء نے تصریح کی ہے جو پانی
نجس پر وارد ہوتا ہے وہ بھی نجس ہو جاتا ہے جیسا کہ
اس کا عکس ہے، یعنی ناپاک ہونا کل تھوڑے پانی میں
ہوتا ہے خواہ وہ نجاست پر وارد ہو یا نجاست اس
پر وارد ہو، اس لیے اسی قسم کا قول ہم یہاں کرتے ہیں
تو جس طرح وہ پانی جو نجاستِ حکمیہ پر وارد ہوتا ہے
اس کی طہوریت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح نجاستِ حکمیہ
جب تھوڑے پانی پر وارد ہو تو تمام پانی کی طہوریت
ختم ہو جائے گی، اور ایک نجاست کو دوسری نجاست
پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ طہارت
کی روایت کو نجاست کی روایت پر قیاس کیا جائے۔

ثالثاً، یہی حل ہے، حکم جب ثابت ہوتا ہے
تو وہ اس کے سبب کے ثابت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

محدث او متقرب سواء کان بورود الماء علی الحدث او الحدث علی الماء وھو حاصل فی الملاقی منتف فی الملقی فیه لان الماء المستعمل اذا القی فی الحوض فلا ماؤہ ورد علی حدث ولا الحدث ورد علیه انما ورد علیه ما ورد علی الحدث ولیس ھذا سبب الاستعمال۔

ورابعا سمعت حدیث رفع الحرج ودفعه وخامسا لیس ھؤلاء الکثیرون الا المتاخرون عن البحر ولیس فیھم من یکون له قول فی المذھب لا سیما علی خلاف المذھب الصحیح المعتمد المذیل بطراز الاجماع وھذا صاحب البحر قائلا فیه لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنه الی قولھما او قول احدھما او غیرھما الا لضرورۃ من ضعف دلیل او تعامل بخلافه کالمزارعة وان صرح المشایخ بان الفتوی علی قولھما[۱] اھ فاذا کان ھذا فی قول امامی المذھب وقد افتوا به فما ظنك بما لیس قول احدھما ولا قول احد ولا روایة عن احد وما صححه احد ولا له فی الدرایة مستند، فکیف یعدل الی مثله عن مذھب

اور ناپاک ہونے کا سبب ناپاک سے ملاقات ہے، تو وہ ملقی میں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ملاقی میں ہے اور استعمال کا سبب محدث کے بدن سے ملاقات ہے یا متقرب کے بدن سے ملاقات ہے خواہ حدث پر پانی وارد ہو یا پانی پر حدث وارد ہو، اور یہ چیز ملاقی میں تو ہے ملقی فیہ میں نہیں کیونکہ مستعمل پانی جب حوض میں ڈالا جائے تو نہ تو اس کا پانی حدث پر وارد ہُوا اور نہ ہی حدث اس پر وارد ہوا، اور اس پر وہ چیز وارد ہوئی ہے جو حدث پر وارد ہوئی ہے اور یہ سبب استعمال نہیں۔

رابعاً آپ حرج رفع کرنے کا معاملہ اور اس کا رَد سُن چکے ہیں۔

خامساً یہ کثیر علماء بحر سے متاخر ہیں، اور ان میں کوئی اس پایہ کا نہیں کہ مذہب میں اس کا قول سند ہو، خاص طور پر قول صحیح کے مقابل جس پر اجماع ہوچکا ہو، خاص طور پر جبکہ صاحبِ بحر فرما رہے ہوں، فتوٰی امام اعظم کے قول پر ہی دیا جائے نہ کہ صاحبین یا کسی ایک صاحب کے قول پر سوائے ضرورت کے، مثلاً یہ کہ دلیل ضعیف ہو یا اس کے خلاف تعامل ہو، جیسے مزارعۃ کے معاملہ میں ہوا خواہ مشایخ نے تصریح کی ہو کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے اھ جب یہ معاملہ دو ائمہ مذہب کے ساتھ ہے اور وہ اس پر فتوٰی دے چکے ہیں تو جہاں کسی کا

---

[۱] بحرالرائق اوقاتِ نماز سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۶

جمیع الائمۃ الصحیح المعتمد، وما مثل ھؤلاء
بین ایدی ائمۃ المذھب الا کمثل احدنا
عند ھؤلاء بل اقل وابعد، لاستوائنا جمیعا
فی وجوب الاستسلام للائمۃ وردا وصدرا و
ان لا تکون لنا الخیرۃ من انفسنا[ف١] اذا
قضوا امرا، اما کثرۃ من تبع البحر فقد قال
البحر فی ماھو اعظم کثرۃ واشد قوۃ
من الوف امثال ھذا لدورانہ فی متون
المذھب والشروح والفتاوی اعنی عد
الاعتکاف مما لا یصح تعلیقہ مانصہ ھذا
الموضع مما اخطؤا فیہ والخطأ ھنا اقبح
لکثرۃ الصرائح بصحۃ تعلیقہ وانا متعجب
لکونھم تداولوا ھذہ العبارات متونا و
شروحا وفتاوی وقد یقع کثیرا ان مؤلفا
یذکر شیئا خطأ فیأتی من بعدہ
فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا
تنبیہ فیکثر الناقلون واصلہ لواحد مخطئ اھ[1]
وھذا ھو الواقع ھھنا کما تری وباللہ العصمۃ
علی[ف٢] ان کلام کثیر منھم فی الباب لم
یسلم عن اضطراب وھذا البحر نفسہ قد
اکثر من نقول ما قدمنا من حججنا
وفیھا نقل الاجماع ونص فی مسألۃ البئر
ان المذھب المختار ان الماء طاھر غیر طھور[2]

قول ہی نہ ہو اور نہ روایت ہو، اور نہ کسی نے اس کی
تصحیح کی ہو اور نہ اس کے لیے مستند درایت ہو تو تمام ائمہ کا
اجماعی مذہب چھوڑ کر اس کو کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے،
ائمہ مذہب کے سامنے ان کی قدر و قیمت اتنی
نہیں جتنی کہ ہماری ان حضرات کے سامنے ہے
بلکہ اس سے بھی کمتر، کیونکہ ہم سب پر ائمہ کے حکم کا
ماننا لازم ہے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے
اور جب کسی معاملہ کا وہ فیصلہ کر دیں تو ہمیں اپنی طرف سے
کوئی اختیار نہیں! اور رہا یہ معاملہ کہ بحر کی اتباع بہت مشائخ نے
کی ہے ایک مسئلہ میں جو شدت و قوت کے لحاظ سے اس سے
ہزار گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ متون مذہب اور شروح اور
فتاوی میں موجود ہے، یعنی اعتکاف کی تعلیق کے صحیح نہ ہونے کے
بارے میں خود بحر نے فرمایا کہ یہاں ان کو غلطی لگی ہے، اور یہاں
خطا زیادہ قبیح ہے کیونکہ اس کی تعلیق کی صحت پر
بکثرت تصریحات موجود ہیں اور مجھے تعجب ہے کہ
فقہائے ان عبارات کو متون و شروح اور فتاوی میں
قبول کیا ہے، عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک
مؤلف ایک چیز ذکر کر دیتا ہے غلطی سے، پھر بعد
والے اس غلطی کو بلا نکیر نقل کرتے رہتے ہیں، اس طرح
ایک خطا کار کے ناقل بکثرت ہو جاتے ہیں اھ اور یہاں
ایسا ہی ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں، علاوہ ازیں
ان میں سے اکثر کا کلام اضطراب سے خالی نہیں اور
خود بحر نے بہت سی نقول ذکر کی ہیں جنہیں ہم نے اپنے دلائل میں
بہت پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں اجماع کو

---

[1] بحر الرائق متفرقات من البیوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۸۵

[2] بحر الرائق مسئلۃ البئر جحط " ۱/۹۸

والنھر قال فی عبارة الاسرار ما قال ولما تمسك البحر بعبارة المحیط والتوشیح والتحفة اذا وقع الماء المستعمل فی البئر الخ کتب علیه لایخفاك ان العبارة فی وقوع الماء لا المغتسل وکذا فیما بعده[1] اھ والدر استدرك علی البحر بکلام الحسن وکذا **ابو السعود** وقدمنا کلمات **ش** وھم جمیعا **والحلیة** قبلھم عللوا سقوط حکم الاستعمال بالضرورة وھو کما علمت اعتراف بالحق بالضرورة۔

نقل کیا ہے اور کنویں کے مسئلہ میں یہ صراحت کی ہے کہ مذہب مختار یہ ہے کہ پانی طاہر غیر طہور ہے، اور نہر نے اسرار کی عبارت میں فرمایا ہے جو گزرا، اور جب بحر نے محیط، توشیح اور تحفہ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا "جب مستعمل پانی کنویں میں گر جائے الخ" تو اس پر لکھا کہ آپ پر مخفی نہ رہے کہ عبارت پانی کے گرنے میں ہے نہ کہ دھوون کے گرنے میں، اور اسی طرح اس کے بعد کی عبارت اھ اور، در نے بحر پر حسن کے کلام سے استدراک کیا ہے، اور اسی طرح ابو السعود نے، اور ہم نے "ش" اور ان سب کے اور حلیہ کے کلمات نقل کئے ان تمام حضرات نے حکم استعمال کے ساقط ہونے کی وجہ ضرورت کو قرار دیا ہے، اور جیسا کہ آپ نے جانا یہ اعتراف حق ہے۔ (ت)

فائدہ ۹: اقول ذکرت فی الطرس المعدل مسألة ادخال المحدث رأسه او خفه او جبیرته فی الماء وانه یجزئه عند الامام الثانی ولا یصیر الماء مستعملا وان الصحیح وفاق محمد فیھا وان المراد لا یصیر ماء الاناء مثلا مستعملا بل البلة الملتصقة بالرأس ای الممسوح فقط فاعلم ان ھذا الخصوص المسح فلا یقاس علیه المغسول قال ملك العلماء فی البدائع ادخل رأسه او خفه او جبیرته فی الاناء وھو محدث قال ابو یوسف یجزئه فی المسح ولا یصیر الماء مستعملا سواء نوی

فائدہ ۹: میں نے "الطرس المعدل" میں محدث کا پانی میں اپنا سر، موزہ یا پٹی ڈبونے کا مسئلہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ دوسرے امام کے نزدیک اس کو یہ کفایت کرے گا، اور پانی مستعمل نہ ہوگا، اور اس میں صحیح یہی ہے کہ محمد کو اس سے اتفاق ہے، اور یہ کہ مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی مستعمل نہ ہوگا بلکہ وہ تری جو سر سے لگی ہوئی ہے یعنی صرف ممسوح، تو جاننا چاہئے کہ یہ خاص مسح کے لیے ہے تو اس پر مغسول کو قیاس نہ کرنا چاہئے، ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کسی نے اپنا سر، موزہ یا پٹی پانی میں داخل کی اور بے وضو تھا، تو ابو یوسف نے فرمایا اسکے مسح کو کافی ہے، اور پانی بہر حال مستعمل نہ ہوگا خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ استعمال کے دو

---

[1] نہر الفائق

او لم ینو لوجود[1] احد سببی الاستعمال وانما کان لان فرض المسح یتأدی باصابة البلة اذ ھو اسم للاصابة دون الاسالة فلم یزل شیئ من الحدث الی الماء الباقی فی الاناء وانما زال الی البلة وکذا اقامة القربة تحصل بھا فاقتصر حکم الاستعمال علیھا[عہ] اھ وھذا ینادی باعلی نداء ان عدم انتقال الحدث الی باقی الماء فی الاناء واقتصار حکم الاستعمال علی البلة فی صور المسح انما کان لانہ لا یحتاج الا الی بلة فبھا یتأدی فرضہ وبھا تقوم قربتہ فھو لم یستعمل الماء بل البلة بخلاف ما وظیفتہ الغسل فانہ اسالة فکان استعمالا للماء لا لمجرد بلة فیزول بہ الحدث الی جمیع ما فی الاناء لقلتہ ولا یقتصر حکم الاستعمال علی البلة الملاقیة لسطح البدن

سببوں میں سے ایک پایا جارہا ہے اور یہ اس لیے ہوا کہ مسح کا فرض ادنیٰ تری سے ادا ہوجاتا ہے کیونکہ مسح لگانے کو کہتے ہیں نہ کہ بہانے کو، تو حدث میں سے کوئی چیز چھوٹ کر برتن میں پانی تک نہیں آتی صرف تری تک منتقل ہوئی اور اسی طرح اس سے قربۃ قائم ہوتی ہے تو اس پر استعمال کا حکم محدود ہوگیا اھ اور اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسح میں حدث کا برتن میں باقی پانی کی طرف منتقل نہ ہونا اور استعمال کے حکم کا صرف تری تک محدود رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں محض تری کی ضرورت ہے اسی سے فرض ادا ہوجاتا ہے اور اسی سے قربۃ ادا ہوجاتی ہے، تو اس نے پانی کو استعمال نہیں کیا بلکہ اس نے تری کو استعمال کیا بخلاف اس کے جس میں دھونا ضروری ہے کیونکہ اس میں بہانا ضروری ہے تو وہاں پانی کا استعمال ہوگا محض تری کا نہیں ہوگا، تو حدث برتن کے تمام پانی کی طرف منتقل ہوگا کیونکہ وہ کم ہے اور استعمال کا حکم اس تری

عہ اقول قولہ لوجود متعلق بالمنفی ای صیرورة الماء مستعملا لوجود ازالة الحدث وان لم ینو واقامة القربة ایضا ان نوی منتفیة فلا یصیر مستعملا وان وجد السببان وانما کان ھذا الانتفاء لانہ لم یستعمل الماء بل البلة وذلک لان فرض المسح الخ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اقول اسکا قول لوجود، منفی سے متعلق ہے یعنی پانی کا مستعمل ہونا حدث کے ازالہ کی وجہ سے اگرچہ نیت نہ کرے اور قربۃ ادا کرنے سے بھی اگر نیت کرے منتفی ہے، تو مستعمل نہ ہوگا اگرچہ دونوں سبب پائے جائیں، اور یہ انتفاء اس لیے ہے کیونکہ اس نے پانی استعمال نہیں کیا صرف تری استعمال کی اور یہ اس لئے ہے کہ مسح کا فرض الخ ۱۲ منہ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الظاهر لان البلة لا يحصل بها اسالة ولا غسل فظهر الامر وبالله التوفيق فلا حجة فيه للمسوين بين الملاقي والملقى وليس مبناه على تلك المسألة ـ

اقول والدليل القاطع عليه ان ابا يوسف القائل بنجاسة الماء المستعمل لم يقل ههنا بالسريان قال الامام فقيه النفس ابو يوسف رحمه الله تعالى قال انما يتنجس الماء في كل شئ يغسل اما ما يمسح فلا يصير الماء مستعملا[1] اھ مع اجماع اصحابنا ان النجاسة تسري في القليل بلا فرق بين الكثير منها والقليل وقد تقدم التصريح به عن البدائع فاندفع ما كان ذهب اليه وهلى في بادي الرأي ان سبيل المسألة سبيل الخلف في الملقى والملاقي واستنار ما ذكرت جوابا عنه من الفرق بين الغسل والمسح اما توقفي في وجهه فالوجه عند المجتهد وليس علينا ابداؤه ـ

واقول يخطر ببالي والله تعالى اعلم ان الاجسام كما قدمت جواهر فردة متراكمة متفرقة حقيقة متصلة حسا وامر الغسل لا يتأدى الا بجسم ما في ذي ثخن صالح

تک محدود نہ رہے گا جو بدن کے ظاہر کی سطح سے متصل ہے کیونکہ تری سے نہ بہانا حاصل ہوتا ہے نہ غسل، تو معاملہ بتوفیق اللہ ظاہر ہوگیا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے حجت نہیں جو ملقی اور ملاقی میں فرق نہیں کرتے تو اسکی بنیاد اس مسئلہ پر نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں، اس پر قطعی دلیل یہ ہے کہ ابو یوسف جو مستعمل پانی کی نجاست کے قائل ہیں وہ یہاں سرایت کا قول نہیں کرتے، امام فقیہ النفس نے فرمایا کہ امام ابو یوسف فرمایا "پانی ہر اس چیز میں نجس ہوتا ہے جو دھوئی جاتی ہے اور جس پر مسح کیا جاتا ہے اس سے مستعمل نہ ہوگا اھ حالانکہ ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ نجاست تھوڑے پانی میں سرایت کرتی ہے خواہ کم ہو یا زائد، بدائع سے اس پر تصریح گزر چکی ہے تو ان کا جواب ہوگیا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ خلف کی طرح ہے ملقی اور ملاقی میں اور جو جواب میں نے ذکر کیا وہ بھی واضح ہوگیا یعنی یہ کہ غسل اور مسح میں فرق ہے، اور اس کے استدلال میں میرا توقف کرنا اس لیے ہے کہ دلیل پیش کرنا مجتہد کا کام ہے، اور ہمیں اس کا ظاہر کرنا لازم نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ اجسام جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا جواہر فردہ ہیں تہ بہ تہ ہیں حقیقۃً متفرق ہیں اور حسًّا متصل ہیں، اور دھونا ایسے جسم سے ہوسکتا ہے جو پانی کا

---

[1] فتاوی قاضی خان الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

يرى سائلا على البدن سيلانا فلا بد فيه من اعتبار المحسوس وفي الحس الماء الكائن في محل واحد شئ متصل واحد فحصل الاستعمال للكل لحصول الملقى لكل كما في نجاسة تود على الماء وانما سقط الحكم عن الكثير لان الشرع جعله كالجاري فلا يتأثر مالم يتغير كما سبق تقرير كل ذلك اما المسح فمجرد اصابة من دون اسالة فتكفي فيه جواهر قريبة تفيد بلة وهي منفصلة عما فوقها فيقتصر الالقاء عليها ولا يتعدى الى سائر الاجزاء لعدم الحاجة الى ترك الحقيقة وبه استبان ما قالوا هنا من قصر الالقاء على البلة وظهر الجواب عما ذكرت فيه من النظر واشار اليه المحقق حيث اطلق ابن الهمام بقوله فيه نظر هذا ما عندي في تقريره وجهد المقل دموعه ويحتاج الى تلطيف القريحة وكيف ما كان لا حجة فيه للمستوين بل هو حجة عليهم لدلالة فحواه ان قصر الحكم على البلة دون بقية ما في الاناء لعدم الحاجة في المسح الى الاسالة فافاد ان فيما وظيفته الاسالة يعم الحكم جميع ما في الاناء وهو المقصود۔

فائدہ ۱۰: اقول وبالله التوفيق هنا لفظان الوضوء من الحوض و

ہو اور اس میں حجم ہو اور جسم پر بہتا ہوا نظر آئے، تو اس میں محسوس کا اعتبار ضروری ہے اور حس میں وہ پانی جو ایک جگہ ہو متصل واحد ہے تو کل پانی مستعمل ہوگیا کیونکہ ملاقاۃ کل سے ہی ہے، جیسے کہ وہ نجاست جو پانی پر وارد ہو اور حکم کثیر سے اس لیے ساقط ہوگیا کیونکہ شریعت نے اس کو جاری کے حکم میں رکھا ہے توجب تک اس میں تغیر نہ ہو متاثر نہ ہوگا جیسے کہ اسکی تقریر گزری، اور مسح میں صرف پانی کا لگانا ہے نہ کہ بہانا ہے، تو اس کے لیے قریب جواہر ہونا کافی ہے جن سے تری پیدا ہوتی ہے اور وہ جواہر اوپر والوں سے جدا ہیں تو ملاقاۃ اسی پر منحصر رہے گی اور باقی اجزاء کی طرف منتقل نہ ہوگی کیونکہ ترک حقیقۃ کی حاجت نہیں اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ملاقاۃ صرف تری تک محدود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا، اور جو نظر میں نے ذکر کی ہے اس سے جواب ظاہر ہوگیا، اور محقق نے اس کی طرف اشارہ کیا کیونکہ ابن ہمام نے فرمایا اس میں نظر ہے میرے نزدیک اسکی تقریر یہی ہے، بہرصورت ان کیلئے اس میں کوئی حجۃ نہیں جو ملقی اور ملاقی میں برابری کے قائل ہیں، بلکہ یہ اُن کے خلاف حجۃ ہے، کیونکہ اس کا فحوٰی اس پر دلالت کرتا ہے کہ حکم تری پر مقصور ہے، جو برتن میں باقیماندہ پانی ہے اس پر نہیں ہے کیونکہ مسح میں اسالۃ کی ضرورت نہیں، تو انہوں نے بتایا کہ جہاں بہانا ہوتا ہے وہاں حکم برتن کے تمام پانی کو عام ہوتا ہے اور یہی مقصود ہے (ت)

فائدہ ۱۰: میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں، یہاں دو لفظ ہیں الوضوء من الحوض اور الوضوء فی الحوض۔ قاسم نے

به عبد العلامة قاسم تسامحا[١] وفي الحوض وبه
عبد العلامة ابن الشحنة وسوى[٢] بينهما البحر
فتارة يقول من كصدر مقالته واسم
رسالته واخرى في كمطاوي عبارته و
قد علمت ان الثاني يحتمل وجهين الوضوء
خارجه بحيث تقع الغسالة فيه ولو بعد
الجريان على الارض والوضوء فيه بغمس
الاعضاء ذاك ملقي وهذا ملاق واللفظ
الاول يحتمل ثلثة وجوه هذين والوضوء
خارجه بالاغتراف منه بحيث لا تصل
الغسالة اليه كالوضوء من بئر زمزم و
هذا الثالث على ثلثة وجوه الاغتراف
بالاناء بحيث لا يصيب شئ من يده الماء
وباليد لعدم اناء او مع وجوده فالاول
جائز بالاجماع ولا يتوهم تطرق خلل
به الى الماء وكذا الثاني لمكان الضرورة
الا اذا ادخل ازيد من قدر الحاجة
او قدرها للاغتراف ثم نوى الغسل فيه فان
هذين يعودان الى صورة الغمس كالثالث
ففي هذه[١] الاربع يصير الماء كله مستعملا

تسامح سے کام لیتے ہوئے من الحوض سے تعبیر کیا اور ابن الشحنہ
نے الوضوء فی الحوض سے تعبیر کیا اور بحر نے ان دونوں کو برابر کیا،
کبھی تو من کہتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے اپنے مقالہ
کی ابتداء اور رسالہ کے نام میں، اور کبھی فی استعمال
کیا جیسا کہ عبارات کے درمیان میں کیا۔ اور آپ
جان چکے ہیں دوسرا دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے،
ایک تو وضو حوض کے باہر اس طرح کہ دھوون حوض میں گرے
خواہ زمین پر بہہ کر جائے اور ایک یہ کہ وضوء اس طرح کیا جائے
کہ حوض میں اعضاء ڈبوئے جائیں وہ ملقی ہے اور یہ
ملاقی ہے اور پہلا لفظ تین وجوہ کا محتمل ہے، دو تو
یہی اور تیسری یہ کہ حوض کے باہر بیٹھ کر حوض سے چلو بھر
پانی لیں اس طرح کہ دھوون حوض تک نہ پہنچے، جیسے زمزم
کے کنوئیں سے کیا جاتا ہے۔ اور اس تیسری وجہ میں
بھی تین وجوہ ہیں، ایک[١] تو یہ کہ برتن سے پانی لیں اس طرح
کہ ہاتھ پانی کو نہ لگے، دوسرے[٢] یہ کہ ہاتھ سے لیں جبکہ
برتن نہ ہو، تیسرے[٣] یہ کہ ہاتھ سے لیں لیکن برتن موجود ہو تو پہلا
بالاجماع جائز ہے اور اس سے پانی میں خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور
دوسرا بھی جائز ہے کیونکہ ضرورت ہے، ہاں اگر ضرورت
سے زائد ہاتھ داخل کیا یا بقدر ضرورت ڈالا پھر اس
میں غسل کا ارادہ کیا تو یہ دونوں صورتیں ڈبونے کی صورت

---

[١] ای ادخال الزائد علی قدر حاجة الاغتراف ونية الغسل فيه والاغتراف بيد محدثة مع وجود الاناء والوضوء فيه بغمس الاعضاء اھ منه غفر له۔ (م)

یعنی چلو کی مقدار سے زیادہ داخل کرنا اور پانی میں دھونے کی نیت کرنا اور برتن کے ہوتے ہوئے محدث ہاتھ کے ذریعے پانی نکالنا اور پانی میں اعضاء ڈبو کر وضو کرنا اھ منہ غفر لہ (ت)

قلیلا کان اوکثیرا مالم یکن کثیرا اما اول الثانی
اعنی الوضوء خارجه مع وقوع الغسالة فیه
فالصحیح المعتمد انه لا یفسد الماء مالم یساوه
او یغلب علیه هذه احکام الصور الخمس وقد
وضحت بحمد الله تعالٰی مثل الشمس وبه
ظهر ان العلامة عبد البر اصاب فی حکم الاربع
الاول دون الخامس والعلامتان القاسم و
البحر ومن تبعهم بالعکس ثم معه فیما خالف
الصحیح عدة روایات واقوال مفصلة فی
البدائع وغیرها ان الماء المستعمل یفسد
المطلق مطلقا وان قل او اذا استبان
مواقع القطر او اذا سال سیلانا والکل حاصل
فی الوضوء فی الحوض الصغیر بالمعنی الاول
بخلاف هؤلاء الجلة فلیس بایدیهم الا
بحث وقع فی البدائع علی خلاف النصوص
المتواترة واجماع ائمة المذهب رضی الله تعالٰی
عنهم والحق، هو هذا الفرق، الذی وفق
المولی سبحنه وتعالٰی عبده الذلیل،
بتحقیقه الجلیل، بحیث احاط ان شاء الله
تعالٰی بکل کثیر وقلیل، وبلغ الغایة القصوی
فی التفریع والتاصیل، فله الحمد علی ما
اولی، وافضل الصلوات العلی، والتسلیمات
الزاکیات المبارکات علی المولی، واله و
صحبه، وابنه وحزبه، کما یحب ربنا و
یرضی، اٰمین، والحمد لله رب العٰلمین،
والله سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

میں شامل ہیں، جیسی کی تیسری، تو ان چاروں صورتوں
میں کل پانی مستعمل ہوجائیگا خواہ کم ہو یا زیادہ، جب تک کثیر نہ ہوجائے
لیکن دوسرے کا پہلا یعنی حوض کے باہر وضو کرنا اس
طرح کہ دھوون اس میں گرتا رہے تو صحیح اور معتمد یہ ہے
کہ جب تک وُہ پانی کے برابر نہ ہو یا اس پر غالب
نہ ہو پانی کو فاسد نہ کرے گا، یہ پانچوں صورتوں کے
احکام ہیں اور میں نے بحمد اللہ سورج کی طرح واضح کردیا ہے
اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ علامہ عبد البر نے پہلی چار صورتوں کے بیان میں
کوئی غلطی نہیں کی مگر پانچویں میں غلطی کی اور علامہ قاسم
اور بحر اور ان کے متبعین نے برعکس کیا پھر ان کے ساتھ
ان صورتوں میں جن میں مخالفت کی متعدد روایات و
اقوال ہیں جن کی تفصیل بدائع وغیرہ میں ہے، مثلاً یہ کہ مستعمل
پانی مطلق پانی کو مطلقاً فاسد کردیتا ہے خواہ کتنا ہی
کم کیوں نہ ہو، یا قطروں کے مقامات ظاہر ہوں یا جبکہ
خوب بہے اور یہ سب چھوٹے حوض میں وضو کرنے سے
حاصل ہے، لیکن پہلے معنی کے اعتبار سے، بخلاف
ان جلیل القدر علماء کے کہ ان کے ہاتھ میں سوائے اُس
بحث کے کچھ نہیں جو نصوص متواترہ، اجماع ائمہ مذہب کے
خلاف بدائع میں واقع ہے، اور حق وہ فرق ہے
جس کی اپنے ذلیل بندے کو مولیٰ سبحٰنہ نے توفیق دی
تحقیق جلیل کی کہ اس نے کثیر وقلیل کا احاطہ کیا اور انتہا
کو پہنچا اُس کی حمد سب سے اولیٰ ہے بہتر صلوٰۃ و
سلام افضل مبارک مزکی آقا پر ان کے آل اصحاب
اولاد جماعت پر جیسا کہ ہمارا رب پسند فرمائے آمین
والحمد للہ رب العالمین الیٰ آخرہ۔ (ت)

مسئلہ ۳۰ مرسلہ مولوی نذر امام صاحب مدرس سہسوانی ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص غسلِ جنابت کی حاجت میں غسل حوض میں کرے تو حوض پلید ہوجائے گا یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حوض میں کوئی شخص متواتر گھُسے تو پلید ہوجاتا ہے بکر کہتا ہے آدمی پاک صاف گھُسا تو نہ پلید ہوتا ہے نہ مکروہ، ہاں نجاست سے رنگ بُو مزہ بدل جائیگا تو پلید ہوجائیگا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حوض کتنا ہی چھوٹا پانی کتنا ہی کم ہو کسی پاک صاف آدمی کے جانے نہانے سے جس کے بدن پر کوئی نجاستِ حقیقیہ نہ لگی ہو ہرگز ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ اسے نہانے کی حاجت ہی ہو اگرچہ وہ خاص ازالۂ جنابت ہی کی نیت سے اُس میں گیا ہو ہمارے ائمہ کے صحیح و معتمد و مفتی بہ مذہب پر غسل بھی اُتر جائے گا اور حوض بھی بدستور پاک رہے گا اور اگر آبِ حوض مائے کثیر کی مقدار پر ہے جب تو جنب کے نہانے سے مستعمل ہونا درکنار باجماعِ تمام ائمہ کرام کسی نجاست حقیقیہ کے گرنے سے بھی ہرگز ناپاک نہ ہوگا جب تک اس قدر کثرت سے نجاست نہ گرے کہ اس کے رنگ یا بُو یا مزہ کو بدل دے اسی پر فتوٰی ہے یا ایک قول پر اُس کا نصف یا اکثر نجاستِ مرئیہ پر ہو کر گزرے بہتا پانی تو باجماعِ قطعی تمام اُمتِ محمدیہ علی سیدہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ آبِ کثیر ہے کہ بغیر اُس تغیر یا مرور کے کسی طرح ناپاک نہیں ہوسکتا جیسے دہلی میں مسجد فتحپوری کا حوض جس میں جمنا سے لائی ہوئی نہر پڑی ہے اور ٹھہرے ہوئے پانی میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں:

(۱) جس پر آدمی کا دل شہادت دے کہ ایک کنارے کی پڑی ہُوئی نجاست کا اثر دوسرے کنارے تک نہ پہنچے گا اُس کے حق میں وہی کثیر ہے اور اثر نہ پہنچنے کا معیار یہ کہ ایک کنارے پر وضو کیا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی فوراً اُٹھنے اور نیچے ہونے نہ لگے نری حرکت یا دیر کے بعد پانی کے اُٹھنے بیٹھنے کا اعتبار نہیں۔

(۲) جس کی مساحت سطح بالائی دہ در دہ یعنی اُس کے طول و عرض کا مسطح سَو ہاتھ ہو اور گہرا اتنا کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھُلے وُہ کثیر ہے ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب وہی قولِ اول ہے اور عام متونِ مذہب نے قولِ ثانی اختیار کیا اور بکثرت مشایخ اعلام نے اُس پر فتوٰی دیا بہرحال یہ قول بھی باقی تمام مذاہب کے اقوال سے زیادہ احتیاط رکھتا ہے ہاں اگر پانی مقدارِ کثیر سے کم ہے تو البتہ کتنی ہی ذرا سی نجاست اگرچہ خفیفہ کے گرنے یا کسی ایسے شخص کے نہانے سے جس کے بدن پر کچھ بھی نجاستِ حقیقیہ لگی تھی ضرور بالاتفاق ناپاک ہوجائیگا اور ہمارے جمیع ائمہ مذہب کے مذہب صحیح و معتمد پر جبکہ اُس سے کوئی فرض طہارت ساقط ہو (مثلاً جنب نہائے یا محدث وضو کرے یا بالضرورت طہارت مثلاً چلّو میں پانی لینے کے سوا صاحب حدث کے کسی بے دھوئے

عضو کا جسے دھونا ضرور تھا کوئی جُز کسی طرح اگرچہ بلا قصد اُس سے دُھل جائے) یا بہ نیت قربت استعمال میں لایا جائے (مثلاً باوضو آدمی وضوئے تازہ کی نیت سے اُس میں کسی عضو کو غوطہ دے کر دھوئے) سارا پانی مستعمل ہوجائیگا کہ پاک تو ہے مگر غسل و وضو کے قابل نہ رہا جب حوض صغیر[1] میں یہ صورت واقع ہو تو اس کے مطہر کرنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک کرنا چاہئے یا تو مطہر پانی مستعمل پر غالب کر دینا یا حوض کو لبریز کر کے مطہر پانی سے بہا دینا اول کی صورت یہ ہے کہ حوض میں خود ہی اُس شخص کے نہاتے یا بے دُھلا عضو بلا ضرورت ڈالتے وقت نصف حوض سے کم پانی تھا تو اب مطہر پانی سے بھر دیں کہ یہ مستعمل سے زیادہ ہوگیا اور اگر اُس وقت نصف یا زیادہ حوض میں پانی تھا تو پہلے اتنا پانی نکال دیں کہ حوض کا اکثر حصہ خالی ہو جائے پھر منہ تک بھر دیں مثلاً ہموار حوض کہ زیر و بالا یکساں مساحت رکھتا ہے دو گز گہرا ہے اور اس شخص کے نہاتے وقت اُس میں گز بھر پانی تھا تو پاؤ گرہ پانی نکال دیں اور سترہ گرہ تھا تو سوا گرہ کھینچ دیں کہ بہر حال سوا سولہ گرہ خالی اور پونے سولہ میں پانی رہے پھر نئے پانی سے لبالب بھر دیں اور دوم کی شکل یہ کہ حوض میں اُس وقت پانی کتنا ہی ہو اُس میں سے کچھ نہ نکالیں اور نیا پانی اُس میں پہنچاتے جائیں یہاں تک کہ کناروں سے اُبل کر بہہ جائے یہ دوسرا طریقہ ناپاک حوض کے پاک کرنے میں بھی کفایت کرتا ہے جبکہ ناپاک چیز نکالنے کے قابل نکال کر پانی سے اُبال کر بہا دیں ظاہر ہے کہ اُس وقت حوض میں پانی نصف سے جتنا کم ہو پہلا طریقہ آسان تر ہوگا دو گز گہرے حوض میں اُس وقت چار ہی گرہ پانی تھا تو صرف چار گرہ پانی اور پہنچا کر چند ڈول زیادہ ڈال دیں کہ مستعمل سے مطہر اکثر ہوگیا اور اس وقت پانی نصف سے جتنا زائد ہو دوسرا طریقہ سہل تر ہوگا کہ اُس میں نکالنا کچھ نہ پڑے گا اور کم حصہ خالی ہے جسے بھر کر بہانا ہوگا اور جہاں دونوں[2] صورتیں دشواری و حرج صریح رکھتی ہوں وہاں اگر قول بعض علماء پر عمل کرکے اُس میں سے بیس ہی ڈول نکال دیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی اسی قدر کافی ہو یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (اللہ تعالٰی تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ ت) اور سب سے زیادہ صورت ضرورت یہ ہے کہ وہاں کنواں نہ ہو جس سے حوض بھرتا ہو اور ہوگیا مستعمل اب اُس کے بہانے یا مستعمل پر مطہر بڑھانے کے لیے پانی کہاں سے لائیں لہذا اس صورت ثالثہ پر عمل ہوگا و باللہ التوفیق۔

درمختار میں ہے:

لایجوز (ای رفع الحدث) بماء استعمل لاجل قربۃ او اسقاط فرض بان یدخل یدہ او رجلہ فی حب لغیر اغتراف و نحوہ اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر علی المذھب وھو طاھر ولو من جنب وھو الطاھر

جائز نہیں (یعنی رفع حدث) اُس پانی سے جو حدث دُور کرنے یا قربۃ حاصل کرنے کے لیے استعمال میں لایا گیا ہو مثلاً یہ کہ اپنا ہاتھ یا پیر کسی گڑھے میں داخل کر دے اور اس کو مقصود چلّو بھر کر پانی لینا نہ ہو تو وہ عضو سے جُدا ہوتے ہی مستعمل ہو جائے گا خواہ اس پر

لیس بطھور لحدث علی المعتمد محدث انغمس فی بئر ولا نجس علیہ الاصح انہ طاہر والماء مستعمل[1] اھ ملتقطا۔

نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے اور یہ پاک ہی رہے گا خواہ ناپاک آدمی ہی کیوں نہ ہو اور وہ طاہر ہے، پاک کرنے والا نہیں ہے، معتمد قول یہی ہے، اگر کوئی بے وضو کسی کنویں میں غوطہ لگائے اور اس کے جسم پر کوئی نجاست نہ ہو اصح یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور پانی مستعمل ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ الاصح ھذا القول ذکرہ فی الھدایۃ روایۃ عن الامام قال الزیلعی والہندی وغیرھما تبعا لصاحب الھدایۃ ھذہ الروایۃ اوفق الروایات وفی فتح القدیر وشرح المجمع انھا الروایۃ المصححۃ قال فی البحر فعلم ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور[2] اھ مختصرا۔

اس کا قول الاصح، اس قول کو ہدایہ میں امام سے بطور روایت کے ذکر کیا ہے، زیلعی اور ہندی وغیرہما نے صاحبِ ہدایہ کی متابعت میں کہا کہ یہ روایت اوفق الروایات ہے، فتح القدیر اور شرح المجمع میں ہے کہ تصحیح شدہ روایت یہی ہے، بحر میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آدمی پاک ہے، پانی پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اھ مختصرا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الغلبۃ لو المخالط مماثلا کمستعمل بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطہیر والا لا[3] اھ ملتقطا۔

غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا اگر ملنے والا مماثل ہو جیسے مستعمل پس اگر مطلق اکثر ہے نصف سے، تو تطہیر جائز ہے ورنہ نہیں اھ ملتقطا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان لم یکن المطلق اکثر بان کان اقل اومساویا لایجوز[4] اھ۔

یعنی اگر مطلق زاید نہ ہو مثلاً یہ کہ کم ہو یا مساوی تو جائز نہیں اھ (ت)

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۸

[3] دُرمختار " مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[4] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

درمختار میں ہے :

یجوز بجار وقعت فیہ نجاسۃ ان لم یر اثرہ وھو طعم اوریح اولون) ظاھرہ یعم الجیفۃ ورجحہ الکمال وقال تلمیذہ قاسم انہ المختار وقواہ فی النھر واقرہ المصنف وفی القھستانی عن المضمرات عن النصاب وعلیہ الفتوی وقیل ان جری علیہ نصفہ فاکثر لم یجز وھو احوط (وکذا) یجوز (براکد) کثیر وقع فیہ نجس لم یر اثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی بحر (والمعتبر) فی مقدار الراکد (اکبررای) المبتلی بہ (فان غلب علی ظنہ عدم خلوص النجاسۃ الی الجانب الاخرجاز والالا) ھذا ظاھر الروایۃ وھوالاصح غایۃ وغیرھا وفی النھر ان اعتبار العشر اضبط ولاسیما فی حق من لارأی لہ من العوام فلذا افتی بہ المتأخرون الاعلام[1] اھ مختصرا۔

وضو جائز ہے اُس جاری پانی سے جس میں نجاست گری اور اس کا اثر یعنی مزہ، بُو یا رنگ اس میں ظاہر نہ ہو، بظاہر یہ مردہ کو بھی عام ہے، کمال نے اس کو ترجیح دی ہے اور ان کے شاگرد قاسم نے کہا کہ یہی مختار ہے، اور نہر میں اس کو تقویت دی اور مصنف نے اس کو برقرار رکھا، اور قہستانی میں مضمرات سے نصاب سے منقول ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اور کہا گیا کہ اگر اس پر آدھا یا زائد جاری ہو تو جائز نہیں اور یہی احوط ہے (اور اسی طرح) جائز ہے (ٹھہرے ہوئے کثیر پانی سے جس میں نجاست گری ہو اور اس کا اثر غیر مرئی ہو خواہ اُس جگہ سے ہو جہاں نجاست نظر آتی ہو، اسی پر فتوٰی ہے بحر (اور معتبر) ٹھہرے ہوئے پانی کی مقدار میں (جس طرف رائے کا رجحان ہو) یعنی اس شخص کی رائے جو اس معاملہ سے متعلق ہے (اگر اس کو یہ ظن غالب ہے کہ نجاست یہاں سے تجاوز کرکے دوسری طرف نہیں گئی ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں) یہ ظاہر روایت ہے اور یہی صحیح ہے غایہ وغیرہ میں۔ اور نہر میں ہے کہ دس ہاتھ کا اعتبار کرلینا زائد مناسب ہے خاص طور پر اُن عوام کے حق میں جن کی اس سلسلہ میں کوئی رائے نہیں ہوتی ہے، اسی لیے متاخرین علما نے اسی پر فتوٰی دیا ہے اھ مختصرا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی الھدایۃ وغیرھا ان الغدیر العظیم مالایتحرک احد طرفیہ بتحرک الطرف الاٰخر وفی

ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ بڑا تالاب وہ ہے کہ جس کے ایک کنارہ کی حرکت سے دوسرے کنارے کو حرکت

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۱

فی المعراج انہ ظاہر المذہب وفی الزیلعی ظاہر المذہب وقول المتقدمین حتی قال فی البدائع والمحیط اتفقت الروایۃ عن اصحابنا المتقدمین انہ یعتبر بالتحریک وھو ان یرتفع و ینخفض من ساعتہ لا بعد المکث ولا یعتبر اصل الحرکۃ والمعتبر حرکۃ الوضوء ھو الاصح محیط و حاوی القدسی ولا یخفی علیک ان اعتبار الخلوص بغلبۃ الظن بلا تقدیر شیئ مخالف فی الظاہر لاعتبارہ بالتحریک لان غلبۃ الظن امر باطنی یختلف وتحریک الطرف الاخر حسی مشاہد لا یختلف مع ان کلا منہما منقول عن ائمتنا الثلثۃ فی ظاہر الروایۃ ولم ار من تکلم علی ذلک ویظہر لی التوفیق بان المراد غلبۃ الظن بانہ لو حرک لوصل الی الجانب الاخر اذا لم یوجد التحریک بالفعل فلیتأمل[1] اھ ملخصا۔

اقول ھذا الذی ابداہ من التوفیق حسن بالقبول حقیق فان من وجد فی البریۃ ماء فی احد جانبیہ نجاسۃ فھل یؤمر ان یتوضأ فی الطرف الاخر کی یجرب علی نفسہ انہ یتحرک ام لا فان وجدہ یتحرک فلیجتنب و ای شیئ یجتنب وقد

نہ ہو، اور معراج میں ہے کہ ظاہر مذہب یہی ہے۔ اور زیلعی میں ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے اور متقدمین کا قول ہے، یہاں تک کہ بدائع اور محیط میں ہے کہ ہمارے اصحاب متقدمین کی روایت اس پر متفق ہے کہ اعتبار ہلانے کا ہے اس کے ساتھ ہی پانی اوپر نیچے ہونے لگے نہ کہ دیر بعد، اور عام حرکت کا اعتبار نہیں، اور معتبر وضو کی حرکت ہے، یہی اصح ہے، محیط اور حاوی قدسی۔ اور تجھ پر یہ بات مخفی نہ ہونی چاہئے کہ غالب ظن کا اعتبار بلا تقدیر شیئ بظاہر حرکت کے اعتبار کے مخالف ہے کیونکہ غلبہ ظن ایک باطنی امر ہے جس میں اختلاف ہوتا ہے، اور دوسرے کنارہ کو حرکت دینا ایک حسی امر ہے جس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، پھر یہ دونوں چیزیں ہمارے ائمہ ثلثہ سے ظاہر روایت میں منقول ہیں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس پر کلام کیا ہو، اس میں تطبیق کی شکل میرے نزدیک یہ ہو سکتی ہے کہ جب بالفعل تالاب کو حرکت نہ دی جائے تو اس امر کا غلبہ ظن ہونا چاہیے کہ اگر حرکت دی جاتی تو دوسرے کنارے پر حرکت پیدا ہوتی فلیتأمل اھ ملخصا (ت)

میں کہتا ہوں تطبیق کی جو شکل انھوں نے پیش کی ہے نہایت مستحسن ہے کیونکہ اگر کوئی شخص جنگل میں پانی کا تالاب پائے جس کے ایک کنارہ پر نجاست ہو تو کیا یہ معقول بات ہوگی کہ اسے حکم دیا جائے، جاؤ اس کے دوسرے کنارے سے وضو کرکے تجربہ کرو کہ آیا اس طرح دوسرے کنارے پر حرکت ہوتی ہے

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱

تلوث فاذن ليس المراد الا ان يغلب على ظنه انه ان توضأ تحرك فما فى القول الاول بيان للمقصود وما هنا بيان لمعرفته فان خلوص النجاسة امر باطنى لا يوقف عليه ووصول الحرك يعرفه فما يظن فيه هذا هو المظنون فيه ذاك ومالا فلا ثم (ف۱) المنقول فى البئر اذا انغمس فيها محدث ولو جنبا نزح عشرين دلوا ففى رد المحتار عن الوهبانية مذهب محمد انه يسلبه الطهورية وهو الصحيح عند الشيخين فينزح منه عشرون ليصير طهورا[1] اھ قال والمراد بالمحدث مايشمل الجنب ثم (ف۲) وقع بينهم النزاع فى ان الصهريج وهو على ما نقل الشافعية عن القاموس الحوض الكبير هل هو كالبئر فيكفى فيه نزح البعض حيث يكفى ام كالزير فيجب اخراج الكل وغسل السطوح للتطهير بالاول افتى بعض معاصرى العلامة عمر بن نجيم صاحب النهر متمسكا باطلاقهم البئر من دون تقييد بالمعين ورده فى النهر تبعا للبحر بما فى البدائع والكافى وغيرهما من ان الفأرة لو وقعت فى الحب يهراق الماء كله قال ووجهه ان الاكتفاء بنزح البعض فى الآبار على خلاف القياس بالآثار فلا يلحق بها غيرها ثم قال وهذا الرد انما

یا نہیں ؟ اب اگر حرکت محسوس کرے تو وضو نہ کرے اور اب بچ کیسے سکتا ہے جبکہ اس کے اعضاء اس گندے پانی میں ملوث ہو چکے ہیں، لہذا غلبۂ ظن سے مراد یہی ہے کہ اگر وہ وضو کرے تو دوسرے حصہ پر حرکت ہوگی، تو پہلے قول میں مقصود کا بیان ہے اور یہ معرفت کا بیان ہے کیونکہ نجاست کا دوسری جانب پہنچنا ایک باطنی امر ہے اس پر اطلاع نہیں ہوتی ہے، اور حرکت کے پہنچنے سے معلوم ہوتا ہے جہاں اس کا گمان ہے وہاں اُس کا بھی ہے اِس کا نہیں تو اُس کا بھی نہیں، پھر کنویں کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اگر بے وضو یا جنب کنویں میں غوطہ لگائے تو اُس سے بیس ڈول پانی نکالا جائیگا۔ ردالمحتار میں وہبانیہ سے منقول ہے کہ محمد کا مذہب یہ ہے کہ طہوریت سلب ہو جائیگی، اور شیخین کے نزدیک یہی صحیح ہے، تو اس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ وہ طہور ہو جائے اھ فرمایا اور محدث میں جُنب بھی شامل ہے، پھر فقہاء میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ جو صہریج ۔ شافعیہ نے قاموس سے نقل کیا کہ اس سے مراد بڑا حوض ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ کنویں کی طرح ہے تو اس کا کچھ پانی نکالنا کافی ہوگا یا زیر (سوتا) کی طرح ہے اور کل پانی نکالنا ہوگا اور اس کی سطحوں کو بھی دھونا پڑے گا، پہلے قول کے مطابق علامہ عمر بن نجیم صاحبِ نہر کے بعض معاصرین نے فتوٰی دیا اور فقہا کے اس اطلاق سے استدلال کیا کہ انھوں نے کنویں میں سوتے والے اور

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۷

يتم بناء على ان الصهريج ليس من مسمى البئر
في شئ[1] اھ قال الشامی ای فاذا ادعی دخوله فی
مسمی البئر لایکون مخالفا للاٰثار ویؤیده ما
قدمناه من ان البئر مشتقة من بأرت ای
حفرت والصهریج حفرة فی الارض لا تصل
الید الی مائها بخلاف العین والحب والحوض
والیه مال العلامة المقدسی فقال ما استدل
به فی البحر لایخفی بعده واین الحب من
الصهریج لاسیما الذی یبیع الوفاء من الدلاء[2] اھ
لکنه خلاف ما فی النتف ونصه اما البئر فهی
التی لها مواد من اسفلها اھ ای لها میاه تمد
تنبع من اسفلها ولا یخفی انه علی هذا التعریف
یخرج الصهریج والحب والآبار التی تملؤ
من المطر ومن الانهار[3] اھ ما فی رد المحتار
باختصار۔

بغیر سوتے والے میں فرق نہ کیا، اس کو نہر میں بحر کی
متابعت میں رد کیا، کیونکہ بدائع اور کافی وغیرہ میں ہے
کہ گڑھے میں چوہیا گر جائے تو کل پانی نکالا جائے گا
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کنویں سے کچھ پانی کا نکالنا
خلافِ قیاس ہے اور آثار کی وجہ سے ہے تو کنویں
کے علاوہ کسی اور چیز میں یہ خلافِ قیاس نہ چلے گا،
پھر فرمایا یہ رد اس بناء پر ہے کہ صہریج پر بئر کا اطلاق
نہیں ہوتا اھ شامی نے کہا یعنی جب یہ دعوٰی کیا جائے
کہ اس پر بھی بئر کا اطلاق ہوتا ہے تو آثار کے مخالف
نہ ہوگا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بئر
بأرت سے مشتق ہے یعنی "حفرت" (میں نے
کھودا) صہریج اس گڑھے کو کہتے ہیں جس کے پانی تک ہاتھ
نہ پہنچتا ہو، عین، حب، حوض اس کے برعکس ہے
اور اسی طرف علامہ مقدسی مائل ہوئے ہیں، اور فرمایا
جس سے بحر نے استدلال کیا ہے اُس کا بُعد مخفی نہ رہے
اور حب اور صہریج میں بڑا فرق ہے خاص طور پر وہ جس میں ڈول کی گنجائش ہو اھ مگر یہ نتف کے خلاف ہے اور اس کی
عبارت یہ ہے اور کنواں وہ ہے جس کے نیچے سے سوتے ہوں اھ یعنی نیچے سے پانی نکلتا رہتا ہو، اور مخفی نہ رہے
کہ صہریج، حب اور کنویں جو بارش سے بھر جاتے ہیں یا نہروں سے وہ اس تعریف سے خارج ہیں اھ ردالمحتار مختصراً (ت)۔

اقول وکون البئر من ابار یقتضی ان
کل بئر محفورة لا ان کل محفور بئر ولا تنس
ماحکوه فی القارورة والجرجیر وفی الدر

میں کہتا ہوں بئر کا "بأر" سے مشتق ہونا
اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر بئر کھودا ہوا ہو یہ نہیں کہ ہر کھودا ہوا بئر ہو اور تم
اسکو نہ بھلانا جو انہوں نے قارورہ اور جرجیر کے بارے میں حکایت کیا ہے

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹
[2] ردالمحتار " " ۱/۱۵۹
[3] ردالمحتار " " ۱/۱۵۹

المختار عن حواشی العلامۃ الغزی صاحب التنویر علی الکنز عن القنیۃ ان حکم الرکیۃ کالبئر و عن الفوائد ان الحب المطمور اکثرہ فی الارض کالبئر قال فی الدر وعلیہ فالصھریج والزیر الکبیر ینزح منہ کالبئر فاغتنم ھذا التحریر[1] اھ قال الشامی الرکیۃ فی العرف بئر یجتمع ماؤھا من المطر فھی بمعنی الصھریج قال وھذا مسلم فی الصھریج دون الزیر ف۱ لخروجہ عن مسمی البئر وکون اکثرہ مطمورا ای مدفونا فی الارض لایدخلہ فیہ لاعرفا ولا لغۃ وما فی الفوائد معارض باطلاق ما مر عن البدائع والکافی وغیرھما وفرق ظاھر بینہ وبین الصھریج کما قدمنا عن المقدسی[2] اھ مختصرا۔

اور درمختار میں حواشی علامہ غزی صاحب تنویر کنز پر قنیہ سے ہے کہ "رکیہ" کا حکم کنویں کا سا ہے، اور فوائد سے ہے کہ حب مطمور کا اکثر حصہ اگر زمین کے اندر ہو تو وہ کنویں کی طرح ہے۔ در میں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صہریج اور زیر کبیر سے کنویں کی طرح پانی نکالا جائے گا اس تحریر کو غنیمت جانو اھ شامی نے فرمایا کہ رکیہ عرف میں اس کنویں کو کہتے ہیں جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہوجاتا ہے تو یہ صہریج کے معنی میں ہے، فرمایا یہ صہریج میں مسلّم ہے زیر میں نہیں، کیونکہ اس پر بئر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، اور اس کا بیشتر حصہ زمین میں مدفون اور دھنسا ہوا ہوتا ہے لہذا وہ عرفاً اور لغۃً کنواں نہیں ہے، اور جو فوائد میں ہے وہ بدائع اور کافی وغیرہ کے اطلاق کے معارض ہے اور اس میں اور صہریج میں واضح فرق ہے جیسا کہ ہم نے مقدسی سے نقل کیا اھ مختصرا۔ (ت)

اقول ھذا من الحسن بمکان لکن ف۲ ع۱ لایظھر التفرقۃ بین الحوض والصھریج ف۳ فان عدم وصول الید الی الماء لیس داخلا فی مسمی البئر ولا الصھریج وانما البئر کما ذکر من البأر بمعنی الحفر او منہ بمعنی الادخار ویختلف قرب مائھا وابتعادہ باختلاف الارض والفصول ففی الاراضی الندیۃ وابان المطر

میں کہتا ہوں یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اس سے حوض اور صہریج میں فرق ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ پانی تک ہاتھ کا نہ پہنچ سکنا کنویں کے مفہوم میں شامل نہیں ہے اور نہ صہریج کے مفہوم میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا بئر، بأر سے ہے جس کے معنی کھودنے کے ہیں، یا بمعنی ذخیرہ کرنے کے ہیں، اور اس کے پانی کا قریب و بعید ہونا زمین اور موسموں کے اختلاف سے

ع۱ ناظر الی قولہ السابق بخلاف العین و الحب والحوض اھ منہ (م)

جو اس کے قولِ سابق بخلاف العین والحب والحوض کی طرف نظر رکھتا ہوا اھ (ت)

---

[1] درمختار، فصل فی البئر، مجتبائی دہلی ۱/۳۹

[2] ردالمحتار، فصل فی البئر، مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹

يقترب جدًا لاسيما بقرب الانهار الكبار حتى رأينا من الآبار ماينال ماؤها بالايدى و اذا سالت السيول ترعت واستوت بالارض وهى التى تسمى بالهندية چوياؤ الحياض كثيرا ماتكون بعيدة الغور، حتى اذا ملئت الى قدر النصف او ازيد منه قليلا لاتصل الايدى الى مائها واذا امتلأت وصلت وكذلك الزير الكبير وما الصهريج الاحوضا يجتمع فيه الماء كما رأيته فى نسختى القاموس وعليها شرح فى تاج العروس ومثله فى مختار الرازى وفى الصراح صهريج بالكسر حوضچهٔ آب[1] اه وعلى ما اثرتم عن القاموس هو الحوض الكبير يجتمع فيه الماء وهذا ايضا لايزيد على الحوض الا بقيد الكبر والحوض حوض صغر اوكبر ولا شك ان الصهريج وان بعد قعره يملؤه الوادى اذا سال فتراه يتدفق بماء سلسال وقد قال ذو الرمة ؎

صوادى الهام والاحشاء خافقة
تناول الهيم ارشاف الصهاريج

فاذا كانت الابل ترتشف ارشافها بشفاهها فما بال الايدى لاتصل الى مياهها والعلامة المقدسى انما يميل الى التفرقة بين الجب والصهريج بالحرج البين فى تفريغ الصهاريج وغسلها ونشفها كالبئر بخلاف الزير واليه يشير قوله لاسيما الذى يسع الوفا اذا علمت

ہوتا ہے چنانچہ تر زمینوں اور بارش کے موسم میں بہت قریب ہوتا ہے خاص طور پر بڑی بڑی نہروں کے قریب، یہاں تک کہ ہم نے بعض کنوئیں ایسے دیکھے جن میں سے ہاتھ سے پانی نکالا جا سکتا ہے اور سیلاب کے موسم میں تو یہ کنوئیں منہ تک بھر جاتے ہیں ہندی میں اس کو "چوبا" کہتے ہیں اور کسی حوض کی گہرائی زیادہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ آدھے بھر جائیں یا اس سے زائد تب بھی ان کے پانی تک ہاتھ نہیں پہنچ پاتا ہے، جب بھر جاتے ہیں تب ہاتھ پہنچتا ہے اور یہی حال بڑے زیر کا ہے اور صہریج بڑے حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے، میرے قاموس کے نسخہ میں یہی ہے اور تاج العروس میں اس کی شرح ہے، اور یہی چیز مختار الرازی میں ہے اور صراح میں ہے صہریج بالکسر پانی کا چھوٹا حوض اھ اور جس کو تم نے جو قاموس کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ صہریج بڑا حوض ہے جس میں پانی جمع ہوتا ہے اور یہ بھی حوض ہی ہے، صرف بڑا ہوتا ہے، اور حوض تو حوض ہی ہوتا ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، اور اس میں شک نہیں کہ صہریج خواہ کتنا ہی گہرا ہو اس کو وادی بھرتی ہے، جب وہ بھر جاتا ہے تو اس سے پانی اچھل کر نکلتا ہے ذوالرمّہ نے کہا ہے

؎ صوادى الهام والاحشاء خافقة
تناول الهيم ارشاف الصهاريج

(پتلی کمر والی اشراف عورتیں اس طرح سیراب ہوتی ہیں جیسے پیاسے اونٹ حوضوں کے بقیہ پانی کو پیتے ہیں)

[1] الصراح، باب الجیم فصل الصاد مطبع مجیدی کانپور ص ۸۸

هذا فاعلم انا لو اقتصرنا فی المسألة علی ما زعمه العلامتان قاسم والبحر وتبعه کثیر ممن جاء بعده من الاعلام ان المستعمل لیس الا الملاقی البدن لم نحتج الی الامر بنزح شیئ اصلا لان الملاقی اقل بکثیر من الباقی فالطهوریة لم تسلب حتی تجلب لکنه خلاف نصوص ائمة المذهب المنقول فی الکتب المعتمدة اجماعهم علیه فوجب الرجوع الی المذهب واعتری الخلاف بین انه کالبئر او کالزیر فعملنا بالایسر عند الحرج وبالاجراء اوتفریغ الاکثر حیث لا حرج کی یصیر جاریا او المطلق اکثر اجزاء، وباجماع یجزئ فی الطهور اجزاء، فهذا تحقیق ما عولنا علیه، والحمد لله ومنه والیه، هکذا ینبغی التحقیق، والله سبحنه و تعالی ولی التوفیق، وما ذکرنا من مسألة الاجراء فتحقیقه فی رد المحتار وقد ذکرناه فی مواضع من فتاونا۔

توجب اونٹ اپنے ہونٹوں سے حوض سے پانی پیتے ہیں تو ہاتھ پانی تک کیوں نہیں پہنچتے ہیں، اور علامہ مقدسی 'حب' اور 'صہریج' میں فرق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صہاریج کو خالی کرنے میں بہت حرج ہوتا ہے اسی طرح ان کو دھونا اور سکھانا بھی مشکل ہے جیسے کنواں، بخلاف 'زیر' کے، اور اسی طرف انہوں نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ "خاص طور پر وہ جس میں "وفا" سما سکے، جب آپ نے یہ جان لیا تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اگر مسئلہ میں علامہ قاسم اور بحر اور ان کے پیروکاروں کی طرح صرف اسی پر اکتفاء کرتے کہ مستعمل صرف وہی ہے جو بدن سے ملاقی ہو، تو ہمیں کچھ پانی نکالنے کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جو ملاقی ہے وہ بہت ہی کم ہوتا ہے بہ نسبت باقی کے تو طہوریت اس وقت تک سلب نہ ہوگی جب تک کہ آزمایا نہ جائے لیکن یہ ائمہ مذہب کے نصوص کے خلاف ہے جو کتب معتمدہ میں منقول ہیں اور اسی پر اُن کا اجماع ہے تو مذہب کی طرف رجوع لازم ہے اور اس وقت اختلاف ظاہر ہوا ہے درمیان اس کے کہ آیا یہ کنویں کی طرح ہے یا زیر کی طرح ہے اور ہم نے جو ایسر تھا اس پر عمل کیا حرج کے جاری کرنے کے وقت اور اکثر کے خالی کرنے کا حکم اس جگہ دیا جہاں کوئی حرج نہ ہو تاکہ وہ جاری ہو جائے یا مطلق کے اجزاء زیادہ ہوں اس کی طہوریت کے لیے اجماع کافی ہے یہ وہ تحقیق ہے جو ہم نے بیان کی۔ تمام تعریف اللہ کی ہے اسی کے لیے ہے، تحقیق کو یہی لائق تھا، اللہ سبحان بلند توفیق کا والی ہے، ہم نے اجراء کے مسئلہ کی جو تحقیق بیان کی ہے وہی ردالمحتار میں ہے اپنے فتاوٰی میں ہم نے بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ (ت)

رہا زید کا کہنا کہ کوئی شخص متواتر داخل ہو تو پلید ہو جائے گا اس کا محض غلط ہونا تو ظاہر ہے کہ جس روایت پر مستعمل پانی نجس ہے پانی ایک ہی بار سے پلید ہو جائے گا اور صحیح و معتمد مذہب پر لاکھ بار سے بھی پلید نہ ہوگا

ہاں علامہ زین قاسم وعلامہ زین بن نجیم کی نظر اس میں مختلف ہوئی کہ بکثرت آدمیوں کے نہانے سے حوض صغیر کا سب پانی مستعمل ہوجائے گا یا نہیں، اول نے ثانی اور ثانی نے اول کا استظہار کیا۔

اقول عندی الاظہر ھو الثانی (میرے نزدیک اظہر ثانی ہے۔ ت) مگر اس کی بنا اُن کے اُس خیال پر ہے کہ پانی کا جو حصّہ بدن سے ملا اُتنا ہی مستعمل ہوتا ہے تو ایک آدمی کے نہانے سے سارا پانی کیونکر مستعمل ہوسکتا ہے ہاں بہت سے نہائیں تو یہ شُبہ جاتا ہے کہ پانی کے جتنے حصّے ان سب کے بدن سے ملے وہ باقی پانی کے برابر یا اُس سے زائد ہوجائیں تو سب مستعمل ہوجائیگا مگر وہ خیال صحیح نہیں مذہب معتمد و صحیح یہی ہے جو پانی آب کثیر کی حد کو نہ پہنچا ہو وہ ایک آدمی کا نہانا کیا ناخن کا ایک کنارہ بے ضرورت ڈوب جانے سے سب مستعمل ہوجاتا ہے وقد نقلوا علیہ الاجماع فی غیر ماکتاب واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ ڈاکٹر محمد واعظ الحق صاحب سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ ۲ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارش کا پانی اگر کسی خندق میں جمع ہوجائے اور وہ خندق دس گز سے لمبا چوڑا زیادہ ہو مگر بستی کے قریب ہو اور اس میں بستی کا پانی جاتا ہو اس میں غسل کرنا اور وضو بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جس خندق کی مساحت دہ در دہ ہے یعنی طول وعرض کے ضرب دینے سے سو ہاتھ حاصل ہوں مثلاً دس ہاتھ طول ہو دس ہاتھ عرض یا بیس ہاتھ طول، پانچ ہاتھ عرض یا پچاس ہاتھ طول، دو ہاتھ عرض اور ان سب صورتوں میں اس کا گہراؤ اتنا ہو لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھل جائے تو اب اس میں دو صورتیں ہیں اگر پہلے اُس میں بارش کا پانی بھر گیا اُس کے بعد گھروں کا پانی پاک ناپاک ہر طرح کا خواہ صرف ناپاک ہی آکر ملا تو جب تک خاص نجاست کے سبب اُس کے رنگ یا بُو یا مزے میں تغیّر نہ آئے پانی پاک رہے گا اور اُس سے وضو وغسل جائز اور اگر پہلے بستی کا پانی اس میں آکر مستقر ہوگیا تو اوّلاً یہ نظر کرنا ہے کہ وہ پانی ناپاک بھی تھا یا نہیں اگر ناپاک نہ تھا جب تو ظاہر ہے مثلاً پانی برسا اور مکانوں کے ہر گونہ پانیوں کو اپنے ساتھ بہا کر اس خندق میں لایا اور اُس کے رنگ، مزے، بُو کسی میں نجاست کے باعث تغیّر نہ آیا تو وہ ناپاک بھی اس کے ساتھ بہ کر پاک ہوگئے لان الماء الجارے یطھر بعضہ بعضا (کیونکہ جاری پانی بعض ناپاک پانی کو پاک کردیتا ہے۔ ت) یا پہلے سے ناپاک پانی خندق میں تھا ---- اور اب کوئی پاک پانی ایسا بہتا آیا کہ بہاؤ ٹھہرنے سے پہلے وہ دہ در دہ ہوگیا یہ بھی صورت طہارت کی ہے کہ جب تک بہ رہا تھا قابلِ نجاست نہ تھا اور ٹھہرا تو اُس وقت کہ دہ در دہ ہوکر حکم جاری میں ہوچکا تھا لہذا کوئی وقت اُس نے وصف نجاست قبول کرنے کا نہ پایا اور اگر پانی ناپاک تھا خواہ یوں کہ نجاست نے

بہتے پانی کا کوئی وصف مذکور بدل دیا یا یہ کہ پہلے خالص ناپاک پانی خندق میں پہنچ لیا اُس کے بعد بارش وغیرہ کا پانی تھوڑا تھوڑا اس میں آتا گیا کہ جتنا ملا ناپاک ہوتا گیا یا پہلے سے پاک پانی خندق میں دہ دردہ سے کم جگہ میں تھا اُس پر خالص ناپاک پانی وارد ہوا تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں اگر بارش تھوڑی سی ہوئی کہ وُہ پانی اُس ناپاک میں مل کر رہ گیا تو وہ بھی ناپاک ہوگیا اور اگر بارش زور سے ہوئی کہ بکثرت پانی بہتا آیا جس نے اس خندق کو بھر کر ابال دیا کہ پانی کناروں سے چھلک گیا تو اب سب پاک ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حوض دہ در دہ میں گز شرعی کی مقدار کیا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کو دربارہ مساحت حوض کبیر کہ دہ در دہ قرار پایا ہے تعیین گز میں تین قول پر اختلاف ہے

قول اول معتبر ذراع کرباس ہے اور اسی کو ذراع عامہ کہتے ہیں یعنی کپڑوں کا گز۔ اسی قول کی طرف اکثر کا رجحان رائے اور اسی کو درر و ظہیریہ و خلاصہ و خزانہ و مراقی الفلاح و عالمگیریہ وغیرہا میں اختیار کیا اور شرح زاہدی و تجنیس اور فتاوی کبری پھر قہستانی پھر درمختار میں اُسے مختار اور نہایہ میں صحیح اور ہدایہ میں مفتی بہ اور ولوالجیہ میں الیق و اوسع کہا۔ پھر خود ذراع کرباس کی تقدیر میں اختلاف واقع ہوا امام ولوالجی نے سات مشت قرار دیا ہر مشت چار انگل مضموم تو اٹھائیس ۲۸ انگل کا گز ہوا ہمارے یہاں کی نو ۹ گرہ سے زاید اور دس ۱۰ گرہ سے کم یعنی ۹ $\frac{1}{3}$ گرہ۔ اس قول پر نہایہ پھر جامع الرموز پھر درمختار اور باتباع ولوالجی فاضل ابرہیم حلبی نے شرح منیہ میں اقتصار کیا مگر جمہور علماء کے نزدیک ذراع کرباس چھ مشت کا ہے ہر مشت چار انگل مضموم اور اسی طرف رجحان روئے علامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام کا ہے اور یہی عالمگیریہ میں تبیین اور بحر الرائق میں کتب کثیرہ سے منقول پس قول راجح میں یہ گز چوبیس ۲۴ انگل کا ہوا کہ ایک ہاتھ ہے تو ہمارے یہاں کا آدھ گز ٹھہرا۔

قول دوم اعتبار ذراع مساحت کا ہے امام علامہ فقیہ النفس اہل الافتاء والترجیح امام فخر الدین قاضی خان اوزجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ میں اسی قول کی تصحیح اور قولِ اول کا رد کیا طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس پر بھی حکایتِ فتویٰ واقع ہوئی اور بیشک من حیث الدلیل اسے قوت ہے۔ اس گز کی تقدیر میں اقوال مختلفہ وارد ہوئے مضمرات میں سات مشت، ہر مشت کے ساتھ ایک انگل قرار دیا کہ مجموع پینتیس انگل ہمارے

---

[1] یہ فتویٰ فتاوائے قدیمہ کے بقایا سے ہے جو مصنف نے اپنے صغر سن میں لکھے تھے ۱۲ (م)

گز سے ۱۰½ گرہ ہوا علامہ کرمانی نے سات مشت چھ مشت معمولی اور ساتویں میں انگوٹھا پھیلا ہوا کہ یہ بھی تخمیناً گیارہ گرہ کے قریب ہوا مگر یہ دونوں قول شاذ ہیں قول جمہور کہ عامۂ کتب میں مصرح سات مشت ہے ہر مشت نہ انگشت کشادہ یعنی ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر ساڑھے اٹھارہ گرہ ہوا یعنی ۱۸½ گرہ۔

قول سوم ہر شہر و دیار و ہر عہد و زمانہ میں گز رائج کا اعتبار ہے محیط میں اسی کو اصح اور نہر میں انسب کہا اور کافی میں بھی یہی اختیار کیا مگر علمائے متاخرین اس قول کو رد کرتے اور من حیث الدلیل نہایت ضعیف بتاتے ہیں اور نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے،

وهذه نصوص العلماء فی الهداية للامام برهان الدين المرغينانی قدس سره الربانی بعضهم قدروا بالمساحة عشرا فی عشر بذراع الكرباس توسعة للامر على الناس وعليه الفتوٰى[1] وفی فتح القدير للامام المحقق على الاطلاق قوله بذراع الكرباس هوست قبضات ليس فوق كل قبضة اصبع قائمة وهل المعتبر ذراع المساحة او ذراع الكرباس او فی كل زمان ومكان[2] حسب عاداتهم اقوال فی الخانية للامام فخر الدين رحمه الله تعالٰى يعتبر فيه ذراع المساحة لا ذراع الكرباس هو الصحيح لان ذراع المساحة بالممسوحات اليق[3] وفی شرح المنية للعلامة ابن امير الحاج هل المعتبر ذراع الكرباس او ذراع المساحة ذهب بعضهم الى الاول فی الهداية وعليه

اور یہ علماء کے نصوص ہیں، برہان الدین مرغینانی کے ہدایہ میں مذکور ہے بعض نے تو پیمائش دَہ در دَہ کرباس کے ذراع سے کی ہے "تاکہ لوگوں کے لیے فراخی ہو" اور اسی پر فتوٰی ہے، فتح القدیر میں ہے "بذراع الکرباس" یہ چھ مشت کا ہوتا ہے، ہر مشت پر انگلی زائد نہ کی جائے' اب رہا یہ سوال کہ معتبر ذراع مساحۃ ہے یا ذراع کرباس ہے یا ہر زمانہ و مقام میں ان کی عادت کے مطابق ہے اس میں مختلف اقوال ہیں امام فخر الدین نے خانیہ میں ذراع مساحت کا اعتبار کیا کرباس کا نہیں یہی صحیح ہے اس لیے کہ مساحت کا ذراع ممسوحات کے زیادہ لائق ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج کی شرح منیہ میں ہے کہ آیا ذراع کرباس کا اعتبار ہے یا ذراع مساحۃ کا؟ کچھ لوگ پہلے قول کی طرف گئے ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے' اور شرح زاہدی میں ہے یہی مختار ہے، اور بعض نے دوسرے قول کو لیا ہے قاضیخان نے کہا کہ یہی صحیح ہے کیونکہ مساحۃ کا گز

---

[1] ہدایہ　　فصل فی البئر　　مطبع عربیہ کراچی　　۱/۳۰

[2] فتح القدیر　　〃　　نوریہ رضویہ سکھر　　۱/۷۰

[3] فتاوی خانیۃ المعروف قاضی خان　　فصل فی الماء الراکد　　نولکشور لکھنؤ　　۱/۴

الفتوى وفي شرح الزاهدي وهو المختار وذهب
بعضهم الى الثاني قال قاضي خان هو الصحيح
لان ذراع المساحة بالممسوحات اليق وفي
فتاوى الولوالجي الحوض الكبير لما كان مقدرا
بعشرة اذرع في عشرة اذرع فالمعتبر ذراع
الكرباس دون المساحة وهي سبع مشتات اي
سبع قبضات ليس فوق كل مشت اصبع قائمة
لان ذراع المساحة سبع مشتات فوق
كل مشت اصبع قائمة فالاول اليق
للتوسع انتهى والمراد بالاصبع القائمة
ارتفاع الابهام كما في غاية البيان فظهر ان
ذراع الكرباس اقصر من ذراع المساحة فبسبب
ذلك وقع الترفيه للناس بالتقدير بها ونقلوا
عن المحيط انه يعتبر في كل زمان ومكان
ذراعهم وعليه مشى في الكافي[1] اه وفي الشرح
الكبير لابراهيم الحلبي المعتبر في الذراع
ذراع الكرباس وهو سبع قبضات فقط وهو
اختيار الامام اسحٰق بن ابي بكر الولوالجي في
فتاويه لانه اقصر فيكون ايسر واختار قاضيخان
في فتاويه ذراع المساحة وهو سبع قبضات
باصبع قائمة في القبضة الاخيرة وقيل في كل
قبضة قال قاضي خان لانه يعني الغدير
المقدر من الممسوحات فكان ذراع المساحة

ممسوحات کے زیادہ لائق ہے اور فتاویٰ ولوالجی میں ہے
کہ بڑا حوض جو دہ در دہ ہوتا ہے اور اس میں معتبر
کرباس کا ذراع ہے نہ کہ مساحۃ کا اور وہ سات مشت
ہے، جس میں ہر مشت پر ایک انگلی کا اضافہ نہ ہو کیونکہ
مساحۃ کا گز سات مشت ہے جس میں ہر ایک مشت
پر ایک کھڑی انگلی کا اضافہ ہو، تو پہلا آسانی سے
زیادہ مطابقت رکھتا ہے انتہی، اور کھڑی انگلی سے مراد
انگوٹھے کی بلندی ہے، جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے تو
معلوم ہوا کہ ذراع کرباس ذراع مساحت سے چھوٹا
ہے تو اسی سبب سے تقدیر ذراع میں لوگوں کے لیے آسانی ہوئی اور
محیط سے نقل کیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کا الگ گز
معتبر ہوگا، اور کافی نے بھی یہی کہا ہے اھ اور ابراہیم
حلبی کی شرح کبیر میں ہے کہ معتبر ذراع کرباس ہے
جو سات مشت ہوتا ہے فقط، اور اسی کو امام اسحٰق
بن ابی بکر الولوالجی نے اپنے فتاویٰ میں پسند کیا ہے،
کیونکہ وہ چھوٹا ہوتا ہے تو اسی میں آسانی رہے گی اور
قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں ذراع مساحۃ کو مختار
کہا ہے اور وہ سات مشت مع ایک کھڑی انگلی
کے آخری مشت میں ہے اور بعض نے کہا کہ ہر مشت میں
قاضی خان نے فرمایا یعنی تالاب جس کا اندازہ لگایا گیا ہے
وہ ممسوحات سے ہے، تو اس میں ذراع مساحۃ سے
اندازہ لگانا زائد مناسب ہوگا، اور محیط میں ہے اصح
یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں وہیں کا ذراع معتبر ہوگا

[1] حلیہ

فيه اليق وفي المحيط والاصح ان يعتبر في كل زمان ومكان ذراعهم وتبعه صاحب الكافي كصاحب النهر الفائق وغيره وهذا عجيب و بعيد جدا الی آخر ما قال[1] وفي البحر الرائق للعلامة زين بن نجيم المصري اختلف المشايخ في الذراع على ثلثة اقوال ففي التجنيس المختار ذراع الكرباس واختلف فيه ففي كثير من الكتب انه ست قبضات ليس فوق كل قبضة اصبع قائمة فهي اربع وعشرون اصبعا بعدد حروف لا اله الا الله محمد رسول الله والمراد بالاصبع القائمة ارتفاع الابهام كما في غاية البيان وفي فتاوی الولوالجي ان ذراع الكرباس سبع قبضات ليس فوق كل قبضة اصبع قائمة وفي فتاوی قاضي خان وغيره الاصح ذراع المساحة وهو سبع قبضات فوق كل قبضة اصبع قائمة وفي المحيط والكافي الاصح انه يعتبر في كل زمان ومكان ذراعهم من غير تعرض للمساحة والكرباس[2] وفي الفتاوی الهندية المعتبر ذراع الكرباس كذا في الظهيرية وعليه الفتوی كذا في الهداية وهي ذراع العامة ست قبضات اربع وعشرون اصبعا

صاحبِ کافی اور صاحبِ نہر الفائق وغیرہ نے اس کی متابعت کی اور یہ بہت عجیب ہے اور نہایت بعید ہے' اور علامہ زین بن نجیم المصری کی بحر الرائق میں ہے کہ مشائخ کے ذراع کی بابت تین اقوال ہیں، تجنیس میں ہے کہ ذراع کرباس مختار ہے، اور اس میں اختلاف ہے، کئی کتب میں ہے کہ یہ ایسی چھ مشت کے برابر ہے جن میں ہر مشت پر ایک کھڑی انگلی زاید نہ ہو تو گویا یہ چوبیس انگشت کے برابر ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حروف کی تعداد کے مطابق اور کھڑی انگلی سے مراد انگوٹھے کی بلندی ہے جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے اور فتاوی ولوالجی میں ہے کہ ذراع کرباس سات مشت بلا کھڑی انگلی کے اضافہ کے، اور فتاوی قاضی خان وغیرہ میں ہے اصح یہ ہے کہ مساحۃ کا گز سات مشت مع ایک کھڑی انگلی کے، اور محیط اور کافی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ ہر زمان ومکان میں ان کا اپنا گز معتبر ہوگا، اس میں مساحۃ اور کرباس کا کچھ ذکر نہیں' اور فتاوی ہندیہ میں ہے معتبر ذراع کرباس ہے، یہی ظہیریہ میں ہے اسی پر فتوی ہے، ہدایہ میں بھی ہے اور یہ عام گز ہے جو چھ مشت یعنی چوبیس انگشت کا ہوتا ہے یہی تبیین میں ہے فاضل قہستانی کی جامع الرموز میں ہے کہ ذراع میں اختلاف ہے، تو محیط میں ہے اصح یہ ہے کہ ہر زمان ومکان کا اپنا اپنا گز معتبر ہوگا

---

[1] غنیۃ المستملی — فصل فی احکام الحیاض — سہیل اکیڈمی لاہور — ۱/۹۸

[2] بحر الرائق — کتاب الطہارت — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۶

كذا فی التبیین[1] اھ وفی جامع الرموز للفاضل القہستانی اختلف فی الذراع ففی المحیط الاصح ذراع کل مکان وزمان وفی فتاوی قاضی خان الصحیح ذراع المساحۃ وھی سبع قبضات واصبع قائمۃ فی کل مرۃ کما فی الولوالجی او المرۃ السابعۃ کما فی الکرمانی او اصبع موضوعۃ فی کل مرۃ کما فی سیر المضمرات وفی النھایۃ الصحیح ذراع الکرباس وھی سبع قبضات کل قبضۃ اربع اصابع وھو المختار کما فی الکبری[2] وفی الدر المختار للفاضل علاء الدین الحصکفی فی القہستانی والمختار ذراع الکرباس وھو سبع قبضات فقط[3] وفی حاشیتہ للعلامۃ السید احمد الطحطاوی واما ذراع المساحۃ فسبع قبضات فوق کل قبضۃ اصبع قائمۃ[4] وفی رد المحتار للفاضل السید محمد امین الشامی قولہ والمختار ذراع الکرباس وفی الھدایۃ ان علیہ الفتوی واختارہ فی الدرر والظہیریۃ والخلاصۃ والخزانۃ وفی المحیط والکافی انہ یعتبر فی کل زمان ومکان ذراعھم قال فی النھر وھو الانسب قلت لکن ردہ فی شرح المنیۃ

فتاوٰی قاضی خان میں ہے صحیح ذراعِ مساحۃ جو سات مشت کہ ہر مشت پر ایک انگلی کھڑی ہو جیسا کہ ولوالجی میں ہے یا ساتویں مشت پر کھڑی انگلی ہو جیسا کہ کرمانی میں ہے یا ایک لیٹی ہوئی انگلی ہر مرتبہ جیسا کہ سیر المضمرات میں ہے اور نہایہ میں ہے صحیح ذراع کرباس ہے اور وہ سات مشت ہے، ہر مشت چار انگل ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ کبرٰی میں ہے اور فاضل علاء الدین حصکفی نے درمختار میں بیان فرمایا اور قہستانی میں ہے کہ پسندیدہ ذراع کرباس ہے اور وہ صرف سات مشت ہے، اور اس کے حاشیہ میں علامہ سید احمد طحطاوی نے فرمایا ذراعِ مساحۃ سات مشت ہے ہر مشت پر ایک کھڑی انگشت، اور سید محمد امین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا ان کا قول والمختار ذراع الکرباس، اور ہدایہ میں اسی پر فتوٰی ہے اور درر، ظہیریہ، خلاصہ، خزانہ میں اسی کو اختیار کیا ہے محیط اور کافی میں فرمایا کہ ہر زمان و مکان میں لوگوں کے گز کا اعتبار ہوگا، نہر میں ہے کہ یہی انسب ہے۔
میں کہتا ہوں اس کو شرح منیہ میں رد کیا ہے کہ مقصود اس تقدیر سے غلبۂ ظن ہے اس امر کا کہ نجاست دوسری طرف نہیں گئی ہے، اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس میں زمان مکان کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے' ان کا قول کہ وہ سات مشت ہے' یہ ولوالجیہ میں ہے، اور

---

۱ ہندیۃ	فصل فی الماء الراکد	نورانی پشاور	۱/۱۸
۲ جامع الرموز	بیان المیاہ	گنبد ایران	۱/۴۸
۳ درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	۱/۳۶
۴ طحطاوی علی الدر	"	بیروت	۱/۱۰۸

بان المقصود من هذا التقدیر غلبة الظن بعدم خلوص النجاسة وذلك لایختلف باختلاف الازمنة والامکنة قوله وهو سبع قبضات هذا اما فی الولوالجیة وفی البحران فی کثیر من الکتب انه ست قبضات الخ[1] اھ والمراد بالقبضة اربع اصابع مضمومة نوح اقول وهو قریب من ذراع الید لانه ست قبضات وشیئ وذلك شبران[2] انتهی ملخصا وفی مراقی الفلاح للفاضل الشرنبلالی عشر فی عشر بذراع العامة[3] انتهی مختصرا وفی حاشیته للفاضل الطحطاوی نقل صاحب الدران المفتی به ذراع المساحة وانه اکبر من ذراعنا الیوم فالعشر فی العشر بذراعنا الیوم ثمان فی ثمان[4] اھ

بحر میں ہے کہ بہت کتب میں چھ مشت ہے الخ اھ اور مشت سے مراد چار بندھی ہوئی انگلیاں ہیں، نوح۔ میں کہتا ہُوں یہ ہاتھ کے گز سے قریب ہے کیونکہ وُہ چھ مشت اور تھوڑا زاید ہوتا ہے اور وہ دو بالشت ہوتا ہے انتہی ملخصاً، اور شرنبلالی کی مراقی الفلاح میں ہے کہ عام لوگوں کے گز سے دَہ در دَہ ہو، انتہی مختصراً۔ اور فاضل طحطاوی کے حاشیہ میں ہے نیز صاحبِ در نے نقل کیا کہ مفتی بہ پیمائش والا گز ہے اور وہ ہمارے موجودہ گز سے بڑا ہے گویا آج کے اعتبار سے دَہ در دَہ آٹھ در آٹھ ہوا اھ۔ (ت)

اقول فیه سهو بوجوه وذلك ان عبارة الدر بتمامها هکذا فی القهستانی والمختار ذراع الکرباس وهو سبع قبضات فقط فیکون ثمانیا فی ثمان بذراع زماننا ثمان قبضات وثلاث اصابع علی القول المفتی به بالعشر[5] اھ فاولا

میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے سہو ہے کیونکہ دُر کی پُوری عبارت اس طرح ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے اور مختار کرباس کا گز ہے اور وہ صرف سات مشت ہوتا ہے تو ہمارے زمانہ کے گز کے اعتبار سے آٹھ ضربِ آٹھ، آٹھ مشت اور تین انگل ہوگا دس کے مفتی بہ قول پر اھ اوّلاً اُنھوں نے صراحت

---

[1] ردالمحتار	باب المیاہ	مصطفی البابی مصر	۱/۱۴۴
[2] ردالمحتار	"	"	"
[3] مراقی الفلاح	کتاب الطهارة	الامیریہ مصر	ص ۱۶
[4] حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح	"		
[5] درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	۱/۳۶

صریح نصہ اختیار ذراع الکرباس دون المساحۃ
وثانیا لیس فیہ ذکر الافتاء علی شیئ من
تقادیر الذراع انما فیہ ان المفتی بہ
ما علیہ المتاخرون من تقدیر الکثیر بعشر
فی عشر وقد قال السید نفسہ فی حواشی
الدر قولہ علی المفتی بہ ای الذی افتی
بہ المتأخرون وقد علمت اصل المذہب[1]
اھ وثالثا من ابین سھو قولہ رحمہ اللہ
تعالی انہ اکبر من ذراعنا وکیف تکون سبع
قبضات اکبر من ثمان واذا کان عشر فی
عشر بذالک ثمانیا فی ثمان بھذا فکل احد
یعرف ان ھذا اکبر لا ذاک ولا وجود لہ
فی الدر ولا فی اصلہ القھستانی فلو قال رحمہ اللہ
تعالی نقل الدر ان المختار ذراع الکرباس
وانہ اصغر الخ لاصاب ثم حساب الدر تبعا
لاصلہ ان عشرا فی عشر کثمان فی ثمان بینہ
السید ط بان العشرۃ فی سبعۃ بسبعین
والثمانیۃ فی مثلہا باربعۃ وستین قبضۃ
والثمانیۃ فی ثلثۃ اصابع باربع وعشرین
اصبعا وھی ست قبضات فتمت سبعین قبضۃ اھ[2]

کی ہے کہ ذراع کرباس لیا جائے گا نہ کہ ذراع مساحت۔
ثانیاً اس میں ذراع کی مقدار کی بابت کسی مفتی بہ قول کا ذکر نہیں ہے اس میں صرف اتنا ہے کہ مفتی بہ قول متاخرین کا قول ہے، اور وہ یہ ہے کہ کثیر دہ دردہ کو کہتے ہیں، اور سید نے خود حواشی در میں فرمایا ان کا قول علی المفتی بہ، یعنی متاخرین کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اصل مذہب تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔
ثالثاً سب سے بڑا سہو اس میں یہ ہوا ہے کہ کہ انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے گز سے بڑا گز ہے، اور سات مشت آٹھ مشت سے کیسے بڑا ہو سکتا ہے اور جب دہ در دہ برابر ہے اس آٹھ در آٹھ کے، تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بڑا ہے نہ کہ وہ، اور در میں یہ نہیں پایا جاتا ہے، اور نہ اس کی اصل قہستانی میں، اگر وہ یہ فرما دیتے کہ دُر نے یہ نقل کیا ہے کہ مختار کرباس کا گز ہے اور وہ چھوٹا ہوتا ہے الخ تو درست بات ہوتی، پھر در کا حساب اس کی اصل کی متابعت میں یہ ہے کہ دہ دہ دردہ ایسا ہے جیسا کہ آٹھ در آٹھ، اس کو سید ط نے یوں بیان کیا کہ دس ضرب سات ستر ہوتے ہیں اور آٹھ ضرب آٹھ چونسٹھ ہوتے ہیں (یعنی اتنی مشت) اور آٹھ انگلیوں کو تین سے ضرب دیا جائے تو چوبیس انگلیاں ہوتی ہیں اور یہ چھ مشت ہوتی ہیں اس طرح ستر مشت

عله کذا فی ط والاصوب ثلث بالتذکیر اھ منہ (م)
طحطاوی میں اسی طرح ہے اور ثلث بتذکیر ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے (ت)

[1] طحطاوی علی الدر المختار — باب المیاہ — بیروت — ۱/۱۰۸
[2] طحطاوی علی الدر المختار — باب المیاہ — بیروت — ۱/۱۰۸

پوری ہوئیں ۔ (ت)

اقول وھو حساب حق صحیح لاغبار علیہ اخذ فیہ عشرا فی عشر بذراع ھو سبع قبضات وثمانیا فی ثمان بذراع ھو ثمان قبضات وثلث اصابع وبین مساواۃ ضلع لضلع فانہ علی کل سبعون قبضۃ کما بین او مائتان وثمانون اصبعا لان الاول ثمان و عشرون اصبعا والثانی خمس وثلثون و اذا ضربت الاول فی عشرۃ والثانی فی ثمانیۃ اتحد الحاصل وھو ٢٨٠ ومساواۃ الضلع للضلع یوجب بالضرورۃ مساواۃ المربع للمربع لکن السید ش رحمہ اللہ تعالٰی رد علی الدر بقولہ کانہ نقل ذلک عن القھستانی ولم یمتحنہ وصوابہ فیکون عشرا فی ثمان وبیان ذلک ان القبضۃ اربع اصابع واذا کان ذراع زمانھم ثمان قبضات وثلاث اصابع یکون خمسا وثلاثین اصبعاً واذا ضربت العشر فی ثمان بذلک الذراع تبلغ ثمانین فاضربہا فی خمس وثلاثین تبلغ الفین وثمان مائۃ اصبع وھی مقدار عشر فی عشر بذراع الکرباس المقدر بسبع قبضات لان الذراع حینئذ ثمانیۃ[1] وعشرون اصبعا والعشر فی عشر بمائۃ فاذا ضربت ثمانیۃ وعشرین فی مائۃ

میں کہتا ہوں، بلاشبہ یہ حساب صحیح ہے اس میں دہ در دہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک ذراع کے لحاظ سے جو سات مشت ہو، اور آٹھ در آٹھ کو ایسے ذراع کے ساتھ جو آٹھ مشت تین انگل ہو، اور ایک ضلع کا دوسرے ضلع کے مساوی ہونا بیان کیا کیونکہ یہ ہر قول پر ستر مشت ہوگا جیسا کہ بیان کیا، یا دو سو اسی (٢٨٠) انگشت کیونکہ پہلا اٹھائیس انگشت ہے اور دوسرا پینتیس انگشت اور جب پہلے کو دس میں اور دوسرے کو آٹھ میں ضرب دیا جائے تو دونوں کا حاصل ایک ہی ہوگا یعنی دو سو اسی۔ اور ایک ضلع کی مساواۃ دوسرے ضلع سے ایک مربع کی مساواۃ دوسرے مربع سے بالبداہۃ ثابت کرتی ہے لیکن سید ش نے در پر اپنے اس قول سے رد کیا، غالباً انھوں نے یہ قہستانی سے نقل کیا ہے اور اس کو بغور دیکھا نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ ہو جائیگا دس ضرب آٹھ۔ اور اس کی تشریح یہ ہے کہ ایک مشت چار انگشت ہوتی ہے، اور ان کے زمانہ کا ذراع آٹھ مشت تین انگشت تھا، اس طرح پینتیس انگشت ہوئیں اور جب دس کو آٹھ میں اس ذراع کے حساب سے ضرب دی جائے تو حاصل اسّی ہوتا ہے، پھر اس کو پینتیس سے ضرب دی جائے تو حاصل دو ہزار آٹھ سو انگشت ہوگا، اور یہی مقدار دہ در دہ کی ہے کرباس کے گز سے

---

[1] کذا فی ش والاصوب ثمان بالتذکیر اھ منہ (م)

شامی میں اسی طرح ہے اور بہتر تذکیر کے ساتھ ثمان ہے۔ (ت)

تبلغ ذلك المقدار واما علی ما قاله الشارح فلا تبلغ ذلك لانك اذا ضربت ثمانيا فی ثمان تبلغ اربعاً و ستين فاذا ضربتها فی خمس و ثلاثين تبلغ الفين و مائتين و اربعين اصبعا و ذلك ثمانون ذراعا بذراع الكرباس والمطلوب مائة فالصواب ما قلناه فافهم اھ[1] اشار بقوله فافهم الی الرد علی ط كدابه المذكور فی صدر كتابه۔

جس کی مقدارسات مشت بتائی گئی ہے، کیونکہ اس صورت میں ذراع اٹھائیس انگشت ہوگا، اور دس ضرب دس سو ہے تو جب اٹھائیس کو سو میں ضرب دیں تو وہی حاصل ہوگا، اور بقول شارح یہ حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ جب آٹھ کو آٹھ میں ضرب دیں تو چونسٹھ حاصل ہوگا، اور جب ان کو پینتیس میں ضرب دی جائے تو دو ہزار، دو سو چالیس انگشت ہوئی، اور ذراع کرباس سے یہ اسّی ذراع ہوتے ہیں، جبکہ مطلوب سَو ہیں، تو صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا فافہم اھ فافہم سے ط پر رد کی طرف اشارہ ہے یہ ان کا معروف طریقہ ہے جو انھوں نے اپنی کتاب کے شروع میں اختیار کیا۔ (ت)

اقول وھو کله زلة نظر منه رحمه اللہ تعالٰی اصاب فی حرفين الاول ان ذراع زمانهم خمس وثلثون اصبعا والاٰخر ان ذراع الكرباس المقدر بسبع قبضات ثمان وعشرون وما سوی ذلك كله سهو صريح

فاولا ماكان عشرا فی ثمان بذراعهم لايكون الفين وثمانمائة بل ثمانية وتسعين الف اصبع بتقديم التاء لان ٣٥ فی ١٠ ثلثمائة وخمسون وفی ٨ مائتان وثمانون و ٣٥٠ × ٢٨٠ = ٩٨٠٠٠ **وثانيا** ماكان عشرا فی عشر بذراع الكرباس المذكور لايكون ايضا ٢٨٠٠ بل ثمانية وسبعين الف اصبع بتقديم السين واربعمائة لان

میں کہتا ہُوں یہ اُن سے لغزش ہوئی ہے دو حرف تو صحیح ہیں، پہلا تو یہ کہ ان کے زمانہ کا ذراع پینتیس انگشت تھا، اور دوسرا یہ کہ کرباس کے گز کی مقدار سات مشت کے حساب سے اٹھائیس ہے، اس کے علاوہ جو کچھ کہا وہ صریح سہو ہے۔

اولاً دس کو آٹھ میں ضرب دینے سے دو ہزار آٹھ سو نہیں آتے بلکہ اٹھانوے ہزار انگشت بتقدیم التاء، اس لیے کہ ٣٥ ضرب ١٠ = ٣٥٠ اور ٣٥ ضر[...] آٹھ ٢٨٠ ہوئے، اور ٣٥٠ × ٢٨٠ = ٩٨٠٠٠ ہوئے۔

ثانیا ذراع کرباس مذکور کے اعتبار سے دس ضرب دس ٢٨٠٠ نہیں بنتا اٹھتر ہزار چار سو بنتا ہے یہ بتقدیم سین ہے --- اس لیے کہ ٢٨ × ١٠

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ١/١٤٤

۲۸ ق ۱۰ ا مائتان وثمانون و مربعها ۷۸۴۰۰ بنقص
تسعة عشر الف اصبع وستمائة فکیف
یستویان **وثالثا** ثمان فی ثمان بذراعهم
لایکون الفین ومائتین واربعین بل مربع
مائتین وثمانین لان کل ذراع ۳۵ والطول
۸ ۳۵×۸ = ۲۸۰ وکذلك العرض فالسطح
۷۸۴۰۰ مثل عشر فی عشر بذراع الکرباس
سواء بسواء کما قال الشارح والقهستانی و
ط **ورابعا** مساحة ثمانین ذراعا بذراع
الکرباس لاتکون ۲۲۴۰ بل اثنین وستین الفا
وسبع مائة وعشرین اصبعا لان مساحة
ذراع ما کان ذراعا فی ذراع وذلك مربع ۲۸
سبع مائة واربع وثمانون اصبعا و ۷۸۴×
۸۰ = ۶۲۷۲۰ ومنشؤ الخطاء فی کل ذلك
انه رحمه الله تعالی لم یفرق بین الخط و
السطح فحسب ان الطول یضرب فی العرض
ومابلغ یضرب فی اصابع الذراع وهی
خمس وثلثون اوثمان وعشرون
اصبعا فما حصل یکون مساحة الماء
ولیس کذلك وانما هی مقدار الاصابع
فی خط قدر ذراع اما السطح قدر ذراع
فاصابعه مربع ذلك وهی الف ومائتان
وخمس وعشرون اصبعا علی الاول وسبع
مائة واربع وثمانون علی الثانی فذلك
یضرب فی ۶۴ یکن ثمانیا فی ثمان بالاول

دو سو اسی ہوئے اور ان کا مربع ۷۸۴۰۰ ہوا ،
انیس ہزار چھ سو انگشت گھٹا کر، تو یہ دونوں کیسے
برابر ہو سکتے ہیں؟

ثالثاً آٹھ ضرب آٹھ ان کے گز سے دو ہزار
دو سو چالیس نہیں بنتے، بلکہ مربع دو سو اسی کا بنتا
ہے کیونکہ ہر ذراع ۳۵ انگشت ہے اور لمبائی ۸، اس لیے
۳۵×۸ = ۲۸۰ ہوا - اور یہی حال چوڑائی کا ہے
تو مسطح ۷۸۴۰۰ مثل دہ در دہ کرباس کے گز سے بالکل
برابر برابر ہے جیسا کہ شارح، قہستانی اور 'ط' نے
فرمایا -

رابعاً کرباس کے گز سے اسی گز کی پیمائش
۲۲۴۰ نہیں بنتی ہے بلکہ باسٹھ ہزار سات سو بیس
انگشت ہے، اس لیے کہ ایک ذراع کی پیمائش وہ ہے
جو ذراع در ذراع ہو اور یہ ۲۸ کا مربع ۷۸۴ انگشت ہے
اور ۷۸۴×۸۰ = ۶۲۷۲۰ ہے اور اس تمام بحث میں
غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خط اور سطح میں فرق
نہیں کیا ہے، اور اس طرح حساب کیا کہ لمبائی کو
چوڑائی میں ضرب دی اور جو حاصل آیا اس کو ذراع
کی انگلیوں میں ضرب دی اور وہ پینتیس یا اٹھائیس
انگلیاں بنتی ہیں اور جو حاصل ہوا وہ پانی کی پیمائش
قرار دی، حالانکہ بات یہ نہیں ہے، یہ تو ان کی
انگلیوں کی مقدار ہے جو خط میں ذراع کی مقدار ہو
اور وہ سطح جو ذراع کی مقدار ہو تو اس کی انگلیاں اسکا
مربع ہوگا اور وہ ایک ہزار دو سو پچیس انگلیاں ہیں
پہلے قول پر اور دوسرے قول پر ۷۸۴ ہیں، اس کو

وھذا یضرب فی ۱۰۰ یکن عشرا فی عشر بالثانی
وظاھر ان ۱۲۲۵ × ۶۴ و ۷۸۴ × ۱۰۰ کلاھما
۷۸۴۰۰ وھو المطلوب وان اردت عشرا فی
ثمانین بالاول فاضرب ۱۲۲۵ فی ۸۰ یکن
۹۸۰۰۰ وان اردت مساحۃ ثمانین ذراعا
بالثانی فاضرب ۷۸۴ فی ۸۰ یکن ۶۲۷۲۰ فاتضح
ماقلنا مع کونہ غنیا عن الایضاح وان
شئت المزید فلاحظہ فی ما ھو ذراع فی ما
ذراع فان واحدا فی واحد واحد فاضربہ
علی طریقۃ السید فی اصابع الذراع تبق
کما ھی وھی بعینھا اصابع طرف فطرف الشئ
ساوی الشئ فی المقدار وھو محال بالبداھۃ
بل ھنا المقدار حاصل الکل طرف فمجموع
خطوط الاطراف الاربعۃ اربعۃ امثال
السطح کلہ فطرف الشئ اضعاف الشئ وای
محال ابعد منہ۔

چونسٹھ میں ضرب دی جائے گی تو یہ ۸ × ۸ بنے گا
پہلے قول پر، اب اس کو ضرب دی جائے گی ۱۰۰ میں
تو یہ ۱۰ × ۱۰ ہوگا دوسرے قول پر، اور ظاہر ہے
کہ ۱۲۲۵ × ۶۴ اور ۷۸۴ × ۱۰۰ دونوں ہی
۷۸۴۰۰ ہیں اور یہی مطلوب ہے، اور اگر آپ
پہلے قول پر دس کو اسی میں ضرب دیں تو ۱۲۲۵ کو
۸۰ میں ضرب دیں تو ۹۸۰۰۰ ہوگا، اور اگر اسی گز
کی پیمائش دوسرے قول کے مطابق ہو تو ۷۸۴ کو ۸۰
میں ضرب دیں تو حاصل ۶۲۷۲۰ آئے گا، تو جو ہم نے
کہا وہ واضح ہوگیا اور اگر مزید وضاحت درکار ہو تو
ایک ذراع ضرب ذراع کو دیکھیں کیونکہ ایک ضرب ایک
ایک ہی ہوتا ہے، اب سید کے طریقہ کے مطابق اس
کو ہاتھ کی انگلیوں میں ضرب دیجئے تو وہ جتنی ہیں اتنی
ہی رہیں گی، اور یہی بعینہ ایک طرف کی انگلیاں ہیں
تو گویا ایک چیز کی طرف اس چیز کے مساوی ہو گئی
مقدار میں اور یہ بداہۃً محال ہے بلکہ یہاں پر وہ
مقدار جو کل کا حاصل ہے ایک طرف ہے تو چاروں اطراف کے خطوط کا مجموعہ پوری سطح کا چارگنا ہوجائے گا تو لازم آئے گا
کہ شئی کا طرف اس سے کئی گنا بڑھ جائے اور اس سے زیادہ بعید محال اور کون سا ہوگا۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین قول ہیں اور ہر طرف ترجیح وتصحیح اقبول مگر قول ثالث درایۃً ضعیف اور اس کا لفظ
ترجیح بھی اس قوت کا نہیں اور قول دوم اگرچہ اقیس ہے اور اس کی تصحیح امام قاضی خان نے فرمائی جن کی
نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں کما ذکر العلامۃ شامی
فی رد المحتار وغیرہ فی غیرہ مگر قول اول کی طرف جمہور ائمہ ہیں اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس طرف جمہور ہوں
کمافی رد المحتار والعقود الدریۃ وغیرھما اور اس کا لفظ تصحیح سب سے اقوی کہ علیہ الفتوے
بخلاف قول دوم کہ اس میں لفظ صحیح ہے اور سید طحطاوی کی اس پر حکایت فتوی معلوم ہولیا کہ سہو صریح ہے
پس جو زیادہ احتیاط چاہے مساحت آب کثیر میں گز مساحت کا اعتبار کرے کہ ساڑھے تین فٹ اور ہمارے

گز سے سدس اوپر ساڑھے اٹھارہ گرہ کا ہے جس کا دس گز ہمارے گز سے ۱۱ گز ۲/۳ ۱ گرہ ہوا تو اس کی پیمائش کا دَہ دردَہ ہمارے گز سے ایک سو چھتیس گز ایک گرہ اور ۴/۹ گرہ ہوا اور نہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد و ماخوذ ہے جس کا دہ دردہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہُوا اور اُس کے اعتبار میں اصلاً دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر و آسانی بیشتر اور مقدارِ دَہ در دَہ کا اعتبار بھی خود رفق و تیسیر کی بنا پر ہے کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳ از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث مرسلہ جناب مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی دام فضلہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ۔

ایک حوض دہ دردہ ہے اس میں طاق ڈال کر بارہ تھم قایم کیے ہیں اب کُل تھموں کے عرض کو جو حساب کرتے ہیں تو چھ گز ہوتے ہیں اس سے حوض کبیر ہونے میں خلل ہے کہ نہیں بیّنوا تُوجروا

الجواب

علمائے کرام نے خفیف وباریک اشیا جیسے نرکل یا کھیتی کے پٹھوں کا حائل ہونا معاف رکھا ہے[1] مگر ستون کہ چھ گز سطح گھیریں جن سے وُہ پانی کہ سو ہاتھ تھا بہت گھٹ گیا ضرور دہ دردہ نہ رکھیں گے جیسے برف کہ پانی پر جابجا جم کر قطعے قطعے ہوجائے اور کثیر ہو کہ پانی کے جنبش دینے سے جنبش نہ کرے وہ حوض آب قلیل ہوجائے گا، عالمگیریہ میں ہے:

لوتوضأ فی اجمۃ القصب او من ارض فیھا زرع متصل بعضھا ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز واتصال القصب بالقصب لایمنع اتصال الماء بالماء کذا فی الخلاصۃ[2] وان کان الجمد علی وجہ الماء قطعا قطعا ان کان کثیرا لایتحرک بتحریک الماء لایجوز الوضوء بہ کذا فی المحیط[2] اھ وفی جامع الرموز عن المجتبی لوکان فیہ

اگر کسی نے نرکل کے جھنڈ میں یا گھنی کھیتی کی زمین میں وضو کیا تو اگر اس کا رقبہ دَہ دردَہ ہو تو جائز ہے تو نرکل کا نرکل سے متصل ہونا پانی کے پانی سے متصل ہونے میں مانع نہیں ہے، ایسا ہی خلاصہ میں ہے اور اگر پانی پر جمی ہوئی برف ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہو تو اگر اتنی زاید ہو کہ پانی کو حرکت دینے سے متحرک نہ ہو تو وضو اس سے جائز نہیں، کذا فی المحیط اھ اور جامع الرموز میں مجتبٰی سے ہے اگر اس پانی میں

---

[1] عالمگیری الماء الجاری نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

[2] ایضاً

قطع خشب او جمد یتحرك بتحریك الماء جاز فیہ الوضوء اھ[1] افھم ان لولم یتحرك لم یجوز واللہ تعالٰی اعلم۔

لکڑی یا برف کے ٹکڑے ہوں اور وہ پانی کو حرکت دینے سے متحرک ہوتے ہوں تو اُس سے وضو جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر متحرک نہ ہو تو وضو جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴ از شہر مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی محمد طاہر صاحب رضوی متعلم مدرسہ اہلسنت ۹ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ۔

سوال اول: حوض دہ در دہ میں اگر کوئی شخص تھوک یا رینٹھ ڈالے یا پاؤں اُس کے اندر ڈال کر دھوئے یا وضو اس طرح کرے کہ تمام غسالہ اس میں گرتا جائے تو آیا ان سب صورتوں میں وہ حوض پاک رہے گا یا نہیں، برتقدیر ثانی اگر کوئی نجس سمجھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ان سب صورتوں میں وہ حوض پاک ہے اور اسے نجس سمجھنا جہالت اور اگر کوئی شخص مسئلہ بتانے کے بعد بھی اصرار کرے تو سخت گنہگار ہو اگر حوض میں تھوکنے یا ناک صاف کرنے سے احتراز لازم ہے کہ یہ افعال باعث نفرت ہیں اور بلاوجہ شرعی نفرت دلانا جائز نہیں قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولا تنفروا[2] واللہ تعالٰی اعلم (حضور پاک نے فرمایا: اچھی خبر سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

۳۵ سوال ۲: ایک تالاب دہ در دہ میں تمام محلہ کے چوبچوں پاخانوں نالیوں وغیرہ کا نجس پانی آکر جمع ہوتا ہے بلکہ بھنگی اُس میں میلے کی ڈھلیاں بھی ایام برسات میں ڈالا کرتے ہیں اور بعض اوقات لوگ اس کے کنارے پاخانہ پیشاب بھی پھرتے ہیں کہ اُس میں بہہ کر جاتا ہے تو آیا ایسے تالاب میں کپڑے نجس دھونے سے پاک ہوں گے یا نہیں اور اُس تالاب کو حکم پاکی کا دیا جائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ان نجاستوں کے گرنے سے پہلے اُس میں دہ در دہ پانی تھا اُس کے بعد گریں اور اُن کے گرنے سے اُس کا رنگ یا مزہ یا بُو متغیر نہ ہوا اور کپڑا دھونے میں عین نجاست کپڑے پر نہ لگ آئی تو کپڑا پاک ہو گیا ورنہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الرموز بیان المیاہ مطبع الاسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۸

[2] صحیح بخاری اصح المطابع کراچی ۱/۱۶

مسئلہ ۳۶ ازشہر محلہ بہاری پور مسئولہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مریض کو دواءً ایسے پانی سے وضو یا استنجا کرنا جس میں کوئی دوسری شے جوش دی گئی ہو جس سے پانی کا نام پانی نہ رہے جائز ہے یا نہیں یعنی اس سے طہارت حاصل ہوگی بوجہ اس ضرورت کے یا ضرورت پر لحاظ نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب

استنجا[1] تو یقیناً جائز ہے کہ اُس میں مائے مطلق بلکہ پانی ہی شرط نہیں ہر طاہر قالع مزیل سے ہوجاتا ہے مگر وضو جائز نہ ہوگا (اُن چیزوں سے)

لکمال الامتزاج بالطبخ کالمرق ولزوال اسم الماء کالنبیذ۔

جو پکانے سے ایک جان ہوجائیں جیسے شوربا یا اس کو پانی نہ کہا جائے جیسے نبیذ۔ (ت)

وضو میں لحاظ ضرورت کی کیا حاجت اگر مائے مطلق سے وضو مضر ہو تیمم کرلے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷ ازموضع سرنیان مسئولہ امیر علی صاحب قادری ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ میرے موضع میں چند تالاب ہیں اُن تالابوں کے پانی سے غسل اور وضو، پینا، کپڑے دھونا کیسا ہے کیونکہ اکثر مویشی ہنود ومسلمان ہر ایک نہاتے ہیں استنجا بڑا ہر ایک قوم وہاں پاک کرتی ہے اور کبھی چمار بھنگی بھی نہاتے ہیں اور اتفاقیہ سؤر پانی پی جائے یا نہائے کبھی یہ تالاب مقید رہتے ہیں اور کبھی اُن کے اندر ہو کر ندی سے نہر جاری ہوجاتی ہے اُس کی تشریح یوں ہے :

نمبر تالاب	لمبائی	چوڑائی	گہرائی	نمبر تالاب	لمبائی	چوڑائی	گہرائی
۱	۱۰ گز	۱۰ گز	۱ گز	۳	۳۰ گز	۳۰ گز	۲ گز
۲	۲۰ گز	۲۰ گز	۲۰ گز	۴	۳۰۰۰ گز	۱۰۰۰ گز	۴ گز

کسی وقت میں اس سے زیادہ بھی پانی ہوجاتا ہے اور کبھی کچھ کم اور اگر ندی سے پانی آجائے اور راستہ میں نہر میں کچھ غلیظ ہو تو کیا حکم ہے اور بستی کے قریب چند اور تالاب ہیں اور ان کا پانی رنگ بدلے ہوئے رہتا ہے اکثر ہنود تک اُس پانی سے نفرت کرتے ہیں برسات میں بھی صاف طور پر نہیں ہوتا ہے لمبائی چوڑائی گہرائی بھی بہت مگر پانی صاف نہیں ہے دیگر شہر سے نالہ کا پانی ندی میں آکر گرتا ہے اور ندی کا پانی کچھ تھوڑا مخلوط ہوتا ہے دیکھنے میں اکثر

پیشاب کی صورت معلوم ہوتا ہے ایسے پانی سے اکثر لوگ نہاتے اور دھوبی کپڑے دھوتے ہیں اکثر وضو کرتے ہیں تو اس پانی کے لیے کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ جس پانی کی سطح بالا کی مساحت سو ہاتھ ہو مثلاً دس دس ہاتھ لمبا چوڑا یا بیس ہاتھ لمبا پانچ ہاتھ چوڑا یا پچیس ہاتھ لمبا چار ہاتھ چوڑا وعلی ہذا القیاس اور گہرا اتنا کہ لپ سے پانی لے تو زمین نہ کھل جائے وہ پانی نجاست کے پڑنے یا نجاست پر گزرنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست کے سبب اُس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدل جائے اگر نجاست کے سوا اور کسی وجہ سے اُس کے رنگ یا بُو یا مزے یا سب میں فرق ہو تو حرج نہیں اور اعتبار پانی کی مساحت کا ہے نہ تالاب کی۔ تالاب کتنا ہی بڑا ہو اگر گرمیوں میں خشک ہو کر اُس میں سو ہاتھ سے کم پانی رہے گا اور اب اُس سے کوئی استنجا کرے یا کتا وغیرہ ناپاک منہ کا جانور پیئے تو ناپاک ہو جائے گا یُوں ہی برسات کا بہتا ہُوا پانی آیا اور اُس میں نجاست مل گئی تو جب تک بہ رہا ہے اور نجاست سے اُس کا رنگ بُو مزہ نہیں بدلا پاک ہے اب جو وہ کسی تالاب میں گر کر ٹھہرا اور ٹھہرنے کے بعد سو ہاتھ سے مساحت کم رہی اور نجاست کا کوئی جُز اُس میں موجود ہے تو اب سب ناپاک ہو گیا اور اگر سو ہاتھ سے زیادہ کی مساحت میں ٹھہرا تو پاک ہے ناپاک نالے کا پانی ندی میں آ کر گرا اور اس سے ندی کے پانی کا رنگ یا مزہ یا بو بدل گئی ناپاک ہو گیا ورنہ پاک رہا واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۸ مسئولہ حافظ محمد قاسم صاحب از عدن کیمپ محلہ مسکین باڑہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک حوض ہے جو بعض لوگوں کے چھ قبضہ یعنی چوبیس[۲۴] انگلیوں سے دہ دردہ سے چھیالیس[۴۶] انگل زیادہ ہے اور یہ چوبیس[۲۴] انگلیاں سترہ[۱۷] انچ کے برابر ہیں اور جن لوگوں کی چوبیس[۲۴] انگلیاں ساڑھے سترہ[۱/۲ ۱۷] انچ ہیں اُس سے دہ دردہ سے چوبیس[۲۴] انگلیاں زیادہ ہیں اور جن لوگوں کی چوبیس[۲۴][۱] انگلیاں اٹھارہ[۱۸] انچ کی برابر ہیں اُس سے دہ دردہ بارہ انگل کم ہے اور اس کے بیچ میں ایک ستون ہے

---

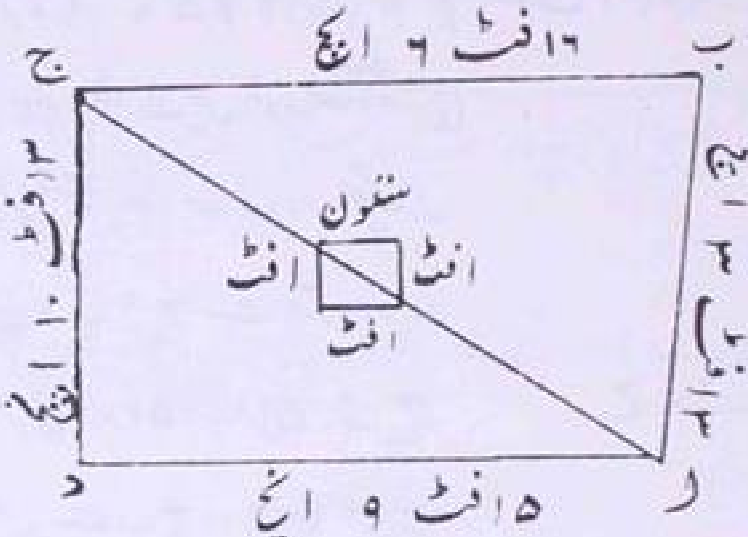
[۱] فائدہ: شرعی گز میں یہی انگل معتبر ہیں جن کے چوبیس اٹھارہ انچ کے برابر ہیں ایک ہاتھ مربع کی مساحت مختلف پیمانوں سے اس جدول میں ہے:

ایک ہاتھ مربع میں ان پیمانوں کے حصے

نمبری گز	¼ گز	انچ	۳۲۴ انچ
فٹ گرہ	۲ فٹ ۴-۶ گرہ	انگل	۵۷۶ انگل

(باقی برصفحہ آیندہ)

جس کا طول وعرض ایک ایک فٹ ہے کیا ایسے حوض میں سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں اور نجاست پڑنے سے اس کا پانی نجس ہوگیا یا نہیں؟ تمام کتابوں کے حوالہ سے جواب دیا جائے اور علماء کے مُہر و دستخط بھی ہونا چاہئیں اس کے بارہ میں یہاں سخت فساد ہے اکثر لوگ اس سے وضو کرنا جائز نہیں سمجھتے جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باعتبار مذہب حنفی ہونا ہونا چاہیے، حوض کی شکل یہ ہے:



گہرائی حوض کی ۳ فٹ ۶ انچ۔

الجواب

ذوارب‍عۃ الاضلاع ا ب ج د میں قطر ا ج وصل کیا تو مثلث ا د ج میں حسب بیان سائل ضلع ا د ۱۸۹ انچ ہے

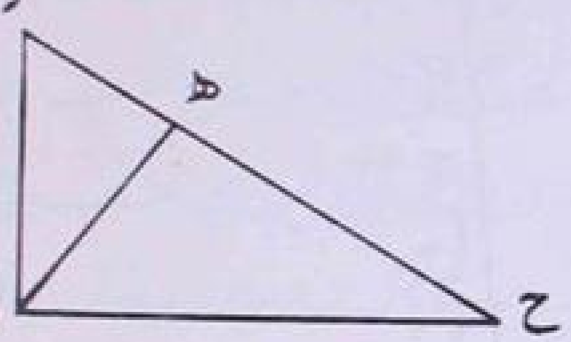
(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اب جتنے ہاتھ کا رقبہ لیا جائے اُن سب پیمانوں سے اس کی مقدار یہیں سے ظاہر ہوگی مثلاً ده دردہ کے لیے ان مقادیر کو ۱۰۰ میں ضرب کرو تو گز ۲۵ ہوئے اور فٹ سوا دو سو علیٰ ہذا القیاس، یہاں سے حساب مذکور سوال کی غلطی کا اندازہ ہو سکتا ہے دہ دہ دردہ حوض اس صحیح پیمانے سے ۳۲۴۰۰ انچ ہوگا اور جو ہاتھ سترہ انچ ہے اس سے سو ہاتھ صرف اٹھائیس ہزار نو سو (۲۸۹۰۰) انچ ہوگا ساڑھے تین ہزار انچ کا فرق پڑے گا جس کے چار ہزار چھ سو چھیاسٹھ انگل اور دو تہائی ہوئے نہ کہ صرف اٹھاون، اور جو ہاتھ ۱۷ انچ ہے اس سے سو ہاتھ تیس ہزار پانچ سو پچیس انچ ہوگا پونے انیس سو انچ کم جس کے ڈھائی ہزار انگل ہوئے نہ کہ فقط چھتیس وقس علیہ ۱۲ (م)

[1] جس میں زاویہ د قائمہ ہے ۱۲ (م)

[2] آسانی عمل وقلت تفاوت کے سبب یہ تقریب کی گئی اور تحقیق یہ ہے کہ مثلث ا د ح جبکہ قائم الزاویہ ہے اس کی مساحت وہی ۳۱۳۷۴ کی نصف ۱۵۶۸۷ انچ ہوئی۔ رہا مثلث د ب ح (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور ضلع ع ج ۱۶۶ مسطح ۳۱۳۷۴ اور مثلث ا ب ج میں ضلع ا ب ۱۵۹ ہے اور ضلع ب ج ۱۹۸ مسطح ۳۱۴۸۲
مجموع ۶۲۸۵۶ جن کا نصف ۳۱۴۲۸ یہ اس حوض کی مساحت تقریبی ہوئی اور دہ دردہ کے لیے ۳۲۴۰۰ انچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اولاً مقدار قطر ا ح معلوم کی یوں کہ د ح ۱۶۶ کا مربع ۲۷۵۵۶ ہے اور ا ع ۱۸۹ کا مربع ۳۵۷۲۱، مجموعہ ۶۳۲۷۷، لوگارثم ۴٫۸۰۱۲۴۵۹ نصف ۲٫۴۰۰۶۲۳۰ یہ لوگارثم قطر ہوا عدد



۲۵۱٫۵۴۹ انچ یہ قدر قطر ہوئی لاجرم مثلث میں زاویہ حادہ ہے ا ج پر ب سے عمود ب ھ اتارا، پس بحکم شکل ۱۳ مقالہ دوم اقلیدس مربع ب ح چھوٹا ہے مجموع مربعین ا ب ا ح سے بقدر دوچند مسطح ا ح ا ھ، ا ب ۱۵۹ کا مربع ۲۵۲۸۱ + مربع ا ح ۶۳۲۷۷ = ۸۸۵۵۸ جس میں سے ب ح ۱۹۸ کا مربع ۳۹۲۰۴ کم کیا باقی ۴۹۳۵۴ نصف ۲۴۶۷۷ یہ ا ح ا ھ کا مسطح ہے اس کے لوگارثم ۴٫۳۹۲۲۹۲۴ سے لوقطر ۲٫۴۰۰۶۲۳۰ کم کیا باقی لو ا ھ ۱٫۹۹۱۶۶۹۴ عدد ۹۸٫۱۰۰۱ یہ مقدار ا ھ ہوئی اس کے مربع ۹۶۲۳٫۲۹۳ کو مربع وتر قائمہ ا ب ۲۵۲۸۱ سے تفریق کیا باقی ۱۵۶۵۷٫۷۰۴ یہ مربع عمود ہوا اس کا لوگارثم ۴٫۱۹۴۷۱۸۸ نصف ۲٫۰۹۷۳۵۹۴ لو عمود ہے اسے قاعدہ یعنی قطر ا ح کے لوگارثم مذکور میں جمع کیا ۴٫۴۹۷۹۸۲۴ ہوا اس سے ۰٫۳۰۱۰۳۰۰ کم کیا کہ مساحت مثلث نصف مسطح عمود و قاعدہ ہے باقی ۴٫۱۹۶۹۵۲۴ عدد ۱۵۷۳۸٫۲۱۰۵ انچ مساحت مثلث ا ب ح ہوئی اسے مساحت مثلث اول میں جمع کرنے سے مساحت حوض ۳۱۴۲۵ انچ ہوئی حساب تقریبی سے صرف تین انچ کم تو حوض دہ دردہ سے ۹۷۵ انچ کم ہے جن کے تیرہ سوا انگل ہوئے نہ صرف بارہ جو سوال میں ہے۔

فائدہ: حوض کا زاویہ ح حادہ ہے اس لیے کہ مثلث ب ھ ح قائم الزاویہ میں ب ح : ع :: ب ھ : جیب ب ح ھ = لو عمود ۲٫۰۹۷۳۵۹۴ × لو ب ح ۱۱٫۷۰۳۲۳۳۰ = ۲٫۲۹۶۶۶۵۱۱ ۹٫۸۰۰۶۹۴۲ کہ لو جیب ۳۹ ۱۱ ۴۳ ۲۶ ۳ ۴ ہے اور مثلث ا د ح قائم الزاویہ میں ا ح : ع :: ا د : جیب ا ح د = لو ا د ۲٫۲۷۶۴۶۱۸ لو قطر ۲٫۴۰۰۶۲۳۰ = ۹٫۸۷۵۸۳۸۸ کہ لو جیب ۴۸ ۴۲ ۴۲ ہے مجموع زاویتین ۸۸ ۵۴ ۵۰٫۷۰ مقدار زاویہ ح ہے اور اگر یہ بھی قائمہ ہوتا تو امر آسان تر تھا ب ح پر اسے عمود ذھ نکالا کہ بحکم موازات ج ع کے برابر ہوا اور ھ ح :: ذ ع تو مستطیل ھ ع ۱۸۹ × ۱۶۶ = ۳۱۳۷۴ اور مثلث ب ھ ا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

دکار ہیں تو یہ ۲،۹ انچ کم ہوا[1] لہذا مائے قلیل ہے ایک قطرہ نجاست سے سب ناپاک ہوجائیگا، رہا اس میں وضو کرنا اگر ہاتھ یا پاؤں کوئی عضو بے دُھلا اس میں نہ ڈالا جائے تو وضو جائز ہے اگرچہ غسالہ اس میں گرے جب تک مائے مستعمل اس کے پانی پر غالب نہ ہو جائے ھو الصحیح مگر بے دُھلا کوئی عضو اگرچہ ایک پورا یا ناخن بلاضرورت اس سے مس کرے گا تو سارا پانی قابلِ وضو نہ رہے گا بناء علی الفرق بین الملاقی والملقی کما حققناہ فی رسالتنا النمیقۃ الانقی واللہ تعالٰی اعلم (ملاقی اور ملقی میں فرق کی تحقیق اپنے رسالہ النمیقۃ الانقی میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۳۹ مرسلہ شیخ ابراہیم صاحب مدرس مدرسہ فیض عام گردھر پور ضلع پنچ محل ملک احمد آباد گجرات ۴ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

نجس پانی دو تین گز بہنے سے یا ہوا لگنے سے پاک ہوجاتا ہے یہ کہیں مصرح ہے بینوا توجروا۔

الجواب

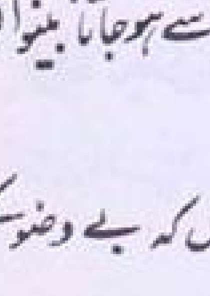
نجس پانی نہ ہوا لگنے سے پاک ہوسکتا ہے نہ خود بہنے سے، ہاں پاک پانی اگر بہتا ہوا آئے اور اسے بہالیجائے تو پاک ہوجائیگا فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا واللہ تعالٰی اعلم (کیونکہ جاری پانی کا ایک حصہ دوسرے پانی کو پاک کردیتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۴۰ از موضع موہن پور تھانہ و ڈاک خانہ دیور نیا مسئولہ محمد شاہ بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پانی مکروہ کس کس طرح سے ہوجاتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

عوام میں یہ مشہور ہے کہ بے وضو کا ناخن ڈوبنے سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اور مسئلہ ہے یوں کہ بے وضو کے



(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قائم الزاویہ ہیں ب ھ = ۱۹۸ - ۱۸۹ مجموعہ مثلث و مستطیل ۳۲۱۲ مگر بہ حسب بیان سائل محال ہے کہ اب کو ح ع سے اقصر بتایا ہے تو ضرور ہے کہ ب ح موازی اع نہ ہو واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

[1] گز شرعی کہ چوبیس انگل ہے ایک ہاتھ یا ڈیڑھ فٹ ہے جس کے ۱۸ انچ ہوئے اور اس ذراع سے خود سوال میں دہ دردہ سے کم ہونا مذکور مگر وہ نہایت مختل و ناصواب تھا لہذا از سر نو محاسبہ کیا ۱۲ (م)

اعضائے وضو میں جو کوئی بے دُھلا حصہ سر کے سوا آبِ قلیل سے بے ضرورت مس کرے گا وُہ پانی قابلِ وضو نہ رہے گا اور اس کا پینا مکروہ۔ اسی طرح بلی اور چھوٹی ہوئی مرغی اور حشرات الارض دموی جیسے سانپ، گرگٹ، چھپکلی، چُوہے، گھونس، چھچھوندر اور شکاری پرندوں جیسے باز، جرے، شکرے، بہری، بیز، چیل، کوّے اور ان کے امثال جانوروں کا جھوٹا بھی مکروہ ہے جو نجاست سے پرہیز نہیں کرتے جبکہ نہ بالفعل نجاست معلوم ہو جیسے بلی نے اُسی وقت چوہا کھایا اور ہنوز اتنی دیر نہ گزری کہ لعاب سے لب و زبان صاف ہوجاتے کہ اس صورت میں اُس کا جھوٹا مکروہ نہیں بلکہ نجس ہے نہ طہارت معلوم ہو جیسے بند مرغی کہ نجاست کے پاس جانے نہیں پاتی یا شکاری پرند جسے پاک گوشت کھلایا جاتا ہے اور مدت سے اُس نے شکار نہ کیا کہ اس صورت میں اس کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے نیز اجنبی عورت کا پیا ہوا پانی پینا مرد کو اور اجنبی مرد کا عورت کو بھی مکروہ ہے جبکہ مظنہ لذت نفسانی ہو نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

الماء (طاہر مطہر مکروہ) استعمالہ تنزیہا علی الاصح وھو ما شرب منہ الھرۃ الاھلیۃ اذالوحشیۃ سؤرھا نجس (ونحوھا) ای الاھلیۃ الدجاجۃ المخلاۃ وسباع الطیر والحیۃ و الفأرۃ[1] لانہا لاتتحامی عن النجاسۃ۔

پانی (طاہر مطہر مکروہ ہے) اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے، اصح یہی ہے، یہ وُہ پانی ہے جس سے بلی نے پیا ہو یعنی پالتو بلی نے، کیونکہ جنگلی بلی کا پانی نجس ہے (اور اسی کی مثل) یعنی پالتو بلی کی طرح کُھلی پھرنے والی مرغی، شکاری پرندے، سانپ اور چوہا ہے کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچتے ہیں (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

قولہ نجس ای اتفاقا لما ورد السنور سبع فان المراد بہ البری[2] اھ

اس کا، قول نجس یعنی اس پر اتفاق ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بلی درندہ ہے۔ اس سے مراد جنگلی بلی ہے اھ (ت)

اقول ھذا عجب بل کان الکلام فی الاھلی کما فی الحدیث وقد بینّاہ مع الکلام علیہ فی سلب الثلب نعم نجاستہ

میں کہتا ہُوں یہ عجیب بات ہے گفتگو گھریلو بلی میں تھی جیسا کہ حدیث میں ہے، ہم نے اس کو پوری بحث کے ساتھ "سلب الثلب" میں بیان کیا ہے

---

[1] مراقی الفلاح کتاب الطہارت مطبع الامیر بولاق مصر ص ۱۳

[2] حاشیہ طحطاوی " " " " "

مصرح بھا فی جامع الرموز معزیا للکشف و نص فی الدر المختار انه نجس مغلظ فالکلام فی التعلیل۔

ہاں اس کی نجاست جامع الرموز میں مصرح ہے، اس کو کشف کی طرف منسوب کیا ہے، اور درمختار میں صراحت ہے کہ وہ نجاست غلیظہ ہے، تو گفتگو تعلیل میں ہے۔ (ت)

تین قسم کے پانی مکروہ ہوئے:

۱۔ مائے مستعمل یہ ہمیشہ مکروہ ہے،

۲۔ اور اجنبی کا جھوٹا صرف بحالت لذت،

۳۔ اور ان جانوروں کا جھوٹا جبکہ صاف پانی موجود ہو ورنہ نہیں۔

درمختار میں ہے:

سؤر ھرۃ ودجاجۃ مخلاۃ و سباع طیر لم یعلم ربھا طھارۃ منقارھا و سواکن بیوت طاھر مکروہ تنزیھا فی الاصح ان وجد غیرہ والا لم یکرہ اصلا[1]

بلّی کا جُھوٹا، کھلی مرغی، پرندوں کے درندوں کا جھوٹا جن کے بارے میں مالک کو معلوم نہیں کہ ان کی چونچ پاک ہے، گھر میں رہنے والے جانوروں (چوہا، چھپکلی وغیرہ) کا جھوٹا اصح قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے یہ اس وقت ہے جبکہ دوسرا پانی موجود ہو ورنہ کراہت بھی نہ ہوگی۔ (ت)

جو جانور دموی نہیں یعنی خون سائل نہیں رکھتے خواہ حشرات الارض سے ہوں یا نہیں جیسے بچھو، مکھی، زنبور اور تمام دریائی جانور اُن کا جھوٹا مکروہ بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

سؤر ما لادم لہ طاھر طھور بلا کراھۃ[2]

جس جانور میں خون نہ پایا جاتا ہو اس کا جھوٹا بلاشبہ طاہر و طہور ہے بلا کراہت۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سواء کان یعیش فی الماء اوفی غیرہ ط عن البحر[3]

عام ازیں کہ وہ پانی میں رہتا ہو یا نہ رہتا ہو، ط عن البحر۔ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۳۸
[2] ایضاً
[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

اُسی میں زیرِ قول شارح وسواکن بیوت فرمایا:

ای ما لہ دم سائل کالفأرۃ والحیۃ والوزغۃ بخلاف مالادم لہ کالخنفس والصرصر والعقرب فانہ لایکرہ کما مر وتمامہ فی الامداد[1] اھ۔

یعنی وُہ جانور جن میں بہنے والا خون ہو جیسے چُوہا، سانپ، چھپکلی۔ بخلاف ان جانوروں کے جن میں خون نہ ہو جیسے خنفس (ہشت پا)، صرصر (جھینگر، مجیرا)، بچھو، کیونکہ یہ مکروہ نہیں، جیسا کہ گزرا، اور مکمل بحث امداد میں ہے۔ (ت)

اقول فلایتجہ ما نم عم فی جامع الرموز من کراھۃ سؤر العقرب بالاتفاق ولم یعزہ لاحد واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں اس سے معلوم ہوا کہ جامع الرموز میں ہے کہ بچھو کا جُھوٹا مکروہ ہے بالاتفاق، اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اس کو اُنھوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۱ از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ۔

نامحرم عورت جوان یا بُڑھیا اپنے مرشد کا جھوٹا پانی یا شوربا پی لے تو درست ہے یا نہیں، مکروہِ تحریمی یا تنزیہی، باسند لکھیں۔

الجواب

تلذذِ شہوانی کی نیت سے حرام اور خالص تبرک کی نیت سے جائز واللہ یعلم المفسد من المصلح (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے مفسد کو مصلح سے۔ ت) صحیح حدیث میں ہے جب حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں مقیم ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اوِشش جب اُن کے گھر جاتا وُہ اور اُن کے گھر والے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُنگشتانِ مبارک کے نشان کی جگہ سے کھاتے۔ دُرمختار کتاب الخطر میں ہے:

یکرہ للمرأۃ سور الرجل وسورھا لہ[2]۔

مرد کا جُھوٹا عورت کے لیے اور عورت کا مرد کے لیے مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

[2] درمختار فصل فی البیع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

اُسی کے آخر فصل فی البئر میں ہے:

بکرہ سؤرھا للرجل کعکسہ لاستلذاذ۔[1]

عورت کا جھوٹا مرد کے لیے اور مرد کا عورت کے لیے لذّت لینے کے لیے مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یفھم منہ انہ حیث لا استلذاذ لاکراھۃ۔[2]

اس سے یہ سمجھ میں آیا اگر لذّت کے لیے نہ ہو تو کراہت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳: ازمقام چیتور گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

پانی کی نالی ناپاک چُونے سے طیار کی گئی اور خشک ہونے سے قبل اُس میں پانی جاری کیا گیا اور وہ پانی حوض میں اُسی جگہ سے جمع ہونا شروع ہوا جہاں ناپاک چُونے سے بند کی گئی تھی تو کیا یہ پانی پاک ہے یا ناپاک، فقہا نے لکھا ہے کہ جس تالاب میں نجاست کنارہ پر ہو اور پانی وہیں سے جمع ہوتا ہو تو وہ پانی ناپاک ہے تو اس روایت پر تمام پانی ناپاک ہوگا۔

الجواب

پانی اگر اُوپر سے اُس نالی پر بہتا ہُوا آیا اور بہتا ہوا گزر گیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اسکے کسی وصف میں اُس کے سبب تغیر نہ ہو دوسری روایت ضروریہ ہے کہ کل یا اکثر یا نصف پانی کا بہاؤ اگر نجاست پر ہو تو بہنا نفع نہ دے گا کل پانی ناپاک سمجھا جائیگا وصحح ایضا وان کان الاول علیہ المعول لانہ الاقوی وعلیہ الفتوی (اور اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے اعتماد اگرچہ پہلے قول پر ہے کیونکہ وہ اقوی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت)

اقول مگر یہ نجاست مرئیہ میں ہے جیسے مردار یا غلیظ غیر مرئیہ میں بالاتفاق اُسی ظہور اثر کا اعتبار ہے،

کما نصوا علیہ قاطبۃ وقال فی البحر فی توجیہ القول الاٰخر للتیقن بوجود النجاسۃ فیہ بخلاف غیرالمرئیۃ لانہ اذا لم یظھر اثرھا علم ان الماء ذھب بعینھا۔[3]

جیسا کہ اُن تمام نے اس پر نص کیا، اور بحر میں دوسرے قول کی توجیہ میں فرمایا کہ اس میں نجاست کا پایا جانا متیقن ہے بخلاف غیر مرئی نجاست کے کیونکہ جب اس کا اثر ظاہر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ پانی عین نجاست کو بہا کر لے گیا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار | فصل فی البئر | مجتبائی دہلی | ۱/۴۰

[2] ردالمحتار | 〃 | مصطفی البابی مصر | ۱/۱۶۳

[3] ردالمحتار | باب المیاہ | 〃 | ۱/۱۳۸

اور چُونا نجاست نہیں متنجس ہے اور اعتبار نجس کا ہے نہ متنجس کا لہٰذا اگر ناپاک گلاب یا زعفران آب جاری میں گرے اور اس میں گلاب کی بُو یا زعفران کی رنگت آجائے اسے ظہور اثر نہ کہیں گے بلکہ اُس نجاست کا کوئی وصف پانی میں آئے جس نے گلاب و زعفران کو ناپاک کیا تو پانی ناپاک ہوگا، ردالمحتار میں ہے:

فی شرح ھدیۃ ابن العماد لسیدی عبد الغنی الظاھر ان المراد اوصاف النجاسۃ لا المتنجس کماء الورد و الخل مثلا فلو صب فی ماء جار یعتبر اثر النجاسۃ التی فیہ لا اثرہ نفسہ لطھارۃ المائع بالغسل ولم ار من نبہ علیہ وھو مھم فاحفظہ اھ[1]

سیدی عبدالغنی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں لکھا ہے کہ بظاہر اس سے مراد نجاست کے اوصاف ہیں نہ کہ نجس ہونے والا پانی، جیسے گلاب کا پانی اور سرکہ، اگر اس کو بہتے پانی میں ڈالا جائے تو اس میں جو نجاست ہے اس کا اثر معتبر ہوگا، خود اس کا اپنا اثر معتبر نہ ہوگا کیونکہ بہنے والی چیز غسل (دھونے) سے پاک ہوجاتی ہے، اس نکتہ پر میں نے کسی اور کو مطلع نہیں پایا حالانکہ یہ بہت اہم ہے اسے یاد کرلیجئے اھ (ت)

اقول وھو اضح البرھان فان المقصود غلبۃ النجاسۃ علی الماء حتی اکسبتہ وصفالھا وذلک فی ظھور وصف نفسہا دون المتنجس بہا الا تری ان لوکانت قلیلۃ لا تغلب الماء وکان مکان ماء الورد ماء قراح لم یظھر اثرھا فکذا فی ماء الورد اذ لا تختلف قلۃ وکثرۃ باختلاف المتنجس۔

میں کہتا ہوں اس کی دلیل بہت واضح ہے کیونکہ مقصود نجاست کا پانی پر غالب ہونا ہے تاکہ نجاست کا وصف اس میں ظاہر ہوجائے، اور یہ سبب خود اس کا اپنا وصف اس میں ظاہر ہونہ کہ اس چیز کا جو اس کی وجہ سے نجس ہُوئی ہے، مثلاً اگر نجاست اتنی تھوڑی ہوتی کہ پانی پر غالب نہ ہوتی اور بجائے عرق گلاب کے سادہ پانی ہوتا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہوتا تو اسی طرح گلاب کے پانی کا حال ہے کیونکہ نجاست قلۃً وکثرۃً میں ناپاک ہونے والے پانی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی ہے۔ (ت)

۲
توجبکہ وہ نجاست جس سے چُونا ناپاک ہُوا مرئی نہیں تو یہ صورت نجاست غیر مرئیہ کی ہے اس سے وہ روایت متعلق نہیں بلکہ یہاں بالاتفاق حکم طہارت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴ از کوٹہ میوہ عقب موچی کٹرہ مکان چاند خان دفعدار مرسلہ شیخ ممتاز علی ہیڈ کلکوری سررشتہ محکمہ جنگلات کوٹہ ۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ۔

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین سوالاتِ ذیل کے جواب میں خداوند کریم آپ کو اجرِ عظیم اور سائل کو صراطِ مستقیم عطا فرمائے۔

عمرو و زید دو شخص ہیں عمرو سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ چاہ جو سامنے موجود ہے اس کا پانی قابلِ وضو اور نیز دیگر استعمال کے ہے یا نہیں؟ عمرو نے جواب دیا کہ بنا بر رفعِ شک چاہ کو ناپ لیا جائے چنانچہ وہ کنواں ناپا گیا تو لمبائی ½ ۱۱ ہاتھ اور چوڑائی ½ ۹ ہاتھ گہرائی ۳ ہاتھ ہوئی جو برابر ہے ۳۲۷٫۷۵ ہاتھ کے مگر زید اس کو ۲۴ ہاتھ بتلا کر اس کے پانی سے وضو ناجائز بتلاتا ہے اور پانی ہذا کو قابلِ استعمال نہیں بتلاتا لیکن عمرو نے اسی چاہ سے وضو کیا اور زید نے عمرو کے پیچھے نماز پڑھی لہٰذا التماس ہے کہ اس پانی کا استعمال موافق شرع شریف جائز ہے یا نہیں اور زید کی نماز اس صورت میں عمرو کے پیچھے ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: اس چاہ میں پانی کی اس قدر آمد ہے کہ اگر چرس بند کر دیا جائے جو دن بھر پانی کھینچتا ہے تو چاہ لبریز ہو کر زاید پانی ایک راستہ سے خارج ہو کر چند روز میں دو سو فیٹ لمبے اور پچاس فیٹ چوڑے بند کو جس کی گہرائی بھی ۳ فیٹ سے کم نہیں لبریز کر دیتا ہے۔ یہ پانی مویشی پیتے ہیں یہ تو موسم سرما کی حالت ہے اور موسم گرما میں چرس چلے یا نہ چلے کنویں سے پانی باہر نہیں آتا البتہ جس قدر کنواں خالی ہو جاتا ہے وقت چرس چلنے کے اُتنا ہی رات کو پھر کنویں میں پانی آجاتا ہے ماسوا اس کے پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب ایسے کنویں قلیل ہیں کہ جن کا پانی ڈول وغیرہ سے کھینچا جائے ورنہ عام کنویں زینہ دار ہیں تمام لوگ اندر جا کر پانی پیتے اور بھرتے ہیں بلکہ نہانا اور عام طور پر کپڑے وغیرہ دھونے کا عام رواج ہے، ہاں بعض موقع پر ایسا بھی رواج ہے کہ جس کنویں کے اندر نہاتے ہیں اُس کا پانی نہیں پیتے۔

الجواب

پانی میں فقط اُس کی سطح بالا کی پیمائش معتبر ہے عمق کا اصلاً لحاظ نہیں اگر اوپر کی سطح مثلاً ایک ہاتھ مربع ہے اور ہزار ہاتھ گہرا ہے تو وہ ایک ہی ہاتھ قرار پائے گا اور سطح سو ہاتھ ہے اور فقط نصف ہاتھ گہرا ہے تو وہ پورا سو ہاتھ ٹھہرے گا نہ کہ پچاس۔ عمق صرف اتنا ہونا چاہئے کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھلے لہٰذا چاہ مذکور کی مساحت ۱۰۹٫۲۵ ہاتھ ہے نہ ۳۲۷٫۷۵ بہرحال شک نہیں کہ وہ مائے کثیر ہے اُس سے وضو و غسل اور اُس میں کپڑے دھونا سب جائز ہے وہ نجاست پڑنے سے کبھی ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست اس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدل دے اُسے ۲۴ ہاتھ کہنا محض بے علمی اور اُس سے وضو و غسل ناجائز بتانا صریح نادانی ہے اور اگر واقع میں اُس کے اعتقاد میں یہی ہے کہ اُس کنویں کے پانی سے وضو نہیں ہو سکتا اور اُس نے عمرو کو اُس سے وضو کر کے نماز پڑھاتے دیکھا اور اپنے اُسی اعتقاد پر قائم رہ کر اُس کی اقتداء کر لی تو زید کی نماز نہ ہوئی کہ اس کے

اعتقاد میں امام بے وضو نماز پڑھا رہا ہے بلکہ وہ اس سے بھی سخت تر ہے کہ اس سے نماز کو معاذ اللہ بازیچہ سمجھنا پیدا ہوتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ یہی حکم اُن سب کنوؤں کا ہے جن کے پانی کی سطح بالا ۲۲۵ فٹ ہو اُن میں کپڑے دھونا بھی جائز ہے اور اُس سے ناپاک نہ ہوں گے اگرچہ وُہ کپڑے ناپاک ہوں جب تک نجاست ان کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدل دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتوٰی مسمّٰی بہ

الهنئ النمير فی الماء المستدير

خوشگوار صاف آبِ مستدیر کی تحقیق (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۴۴ ۱۱ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کُنویں کا دَوْر کے ہاتھ ہونا چاہیئے کہ وہ دَہ دردہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

الجواب

اس میں چار قول ہیں ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے اور تحقیق جُدا ہے:

قول اول اڑتالیس ہاتھ خلاصہ وعلمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوٰی کبرٰی میں اسی کو احوط بتایا سید طحطاوی نے اُس کا اتباع کیا ہندیہ میں ہے:

ان کان الحوض مدورا یعتبر ثمانیۃ و اربعون ذراعا کذا فی الخلاصۃ وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی[1]۔ اگر حوض گول ہو تو اڑتالیس ہاتھ کا اعتبار ہوگا' کذا فی الخلاصۃ اور یہی احوط ہے کذا فی محیط السرخسی۔ (ت)

طحطاوی میں ہے: الاحوط اعتبار ثمانیۃ واربعین[2] (احوط اڑتالیس کا اعتبار کرنا ہے۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی الماء الراکد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

[2] طحطاوی علی الدرالمختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۷

دوم چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اسی کو مختار و مفتیٰ بہ بتایا بحر الرائق میں نقل فرمایا: المختار المفتی به ستة واربعون کیلا یعسر رعایة الکسر[1] اھ (مختار ومفتیٰ بہ چھیالیس ہے تاکہ کسر کی رعایت کی دشواری میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ ت)

اقول یرید ان ثمہ کسرا اسقط او رفع تیسیرا ثم رأیت فی الفتح ماعین الرفع حیث قال ان کان الحوض مدورا فقدر باربعة واربعین وثمانیة واربعین والمختار ستة واربعون وفی الحساب یکتفی باقل منہا بکسر للنسبة لکن یفتی بستة واربعین کیلا یتعسر رعایة الکسر قال والکل تحکمات غیر لازمة انما الصحیح ماقدمناه من عدم التحکم بتقدیر معین[2] اھ ای عملا باصل المذھب وقد علمت ان الفتوی علی اعتبار العشر۔

میں کہتا ہوں ان کی مراد یہ ہے کہ یہاں کسر ہے جو ساقط کردی گئی ہے یا بڑھادی گئی ہے آسانی کے لیے، پھر میں نے فتح میں دیکھا تو انہوں نے رفع کو متعین کردیا، فرمایا اگر حوض گول ہو تو اس کا اندازہ چوالیس اور اڑتالیس کیا گیا ہے اور مختار چھیالیس کیا گیا ہے اور حساب کے اعتبار سے اس سے کم پر بھی اکتفا کیا جائیگا کسر نسبت کے لیے، لیکن چھیالیس پر فتوٰی دیا جائیگا تاکہ کسر کی رعایت میں پریشانی لاحق نہ ہو، فرمایا یہ تمام باتیں محض اپنی مرضی سے کہہ دی گئی ہیں ان کا ماننا لازم وضروری نہیں صحیح وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کسی معین مقدار کا ہونا ضروری نہیں ہے اھ یعنی اصل مذہب پر عمل کرتے ہوئے اور آپ جان چکے کہ فتوٰی دس پر ہے۔ (ت)

سوم چوالیس ہاتھ اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں۔ جامع الرموز میں ہے:

اما فی المدور فیشترط ان یکون دورہ ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعا واربعین فالاول احوط کما فی الکبرٰی

گول حوض میں شرط یہ ہے کہ اس کا دور اڑتالیس ہاتھ ہو، اور ایک قول ہے کہ چوالیس ہاتھ ہو تو اول احوط ہے جیسا کہ کبرٰی میں ہے۔ (ت)

چہارم چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب میں مبرہن ہے۔ جامع الرموز میں ہے:

وقیل ستة وثلثین وھو الصحیح المبرھن[3]

اور ایک قول ہے کہ یہ چھتیس ہے اور یہی صحیح ہے

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ولایجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

[3] جامع الرموز باب بیان المیاہ گنبد ایران ۱/۴۸

عند الحساب کما فی الظھیریۃ وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث مایساویہ[1]۔

اور حساب کی رُو سے مبرہن ہے کما فی الظہیریہ اور پہلے دو میں مربع حوض مدوّر حوض متحقق ہوگیا اور تیسرے میں اس کے مساوی ہے۔ (ت)

اسی پر مولٰی خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ فقیہ و محاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفی المدور بستۃ وثلثین ای بان یکون دورہ ستۃ وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطر وھو خمسۃ ونصف وعشر فی نصف الدور وھو ثمانیۃ عشر یکون مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع اھ سراج وماذکرہ ھو احد اقوال[2] خمسۃ وفی الدرر عن الظہیریۃ ھو الصحیح[3]۔

ان کا قول کہ مدور میں چھتیس ہیں یعنی اس کا دور چھتیس گز ہو اور اس کا قطر گیارہ گز اور ایک خمس ہو اور اس کی مساحت یہ ہے کہ نصف قطر یعنی ساڑھے پانچ کو اور دسویں کو نصف دور میں ضرب دی جائے، اور یہ اٹھارہ ہے، تو کل سو ہاتھ اور چار خمس ذراع ہوگا اھ سراج، اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ پانچ میں سے ایک قول ہے اور درر میں ظہیریہ سے ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (ت)

اقول تحقیق یہ ہے کہ اُس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہیے یعنی ۳۵٫۴۴۹۰۷۷ تو قطر تقریباً ۱۱ گز ۱۰ گرہ ۱/۲ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک اُنگل یعنی ۱۱٫۲۸۳۷۹ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصول ہندسہ[4] مقالہ ۳ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط

---

[1] جامع الرموز باب بیان الماء گنبد ایران ۱/۴۸

[2] لو ارنے التقدیر الا اربعۃ اقوال وکانہ اراد بالخامس ماذکر المحقق ان لا تعیین ۱۲ منہ حفظہ ربہ تعالٰی (م)

میں نے تقدیر میں صرف چار قول دیکھے ہیں شامی نے گویا پانچویں سے وہ مراد لیا ہے جس کو محقق نے ذکر کیا ہے کہ تعیین نہیں۔ (ت)

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲

[4] یہ کتاب کتاب اقلیدس سے جُدا و جدید ہے ۸ مقالوں پر مشتمل اور ہندسہ و مساحت و مثلث کردی سب میں مفید ہے اس میں بہت دعاوی کا بیان کتاب اقلیدس پر مزید ہے فاضل محمد عصمت مصری نے اسے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ۱۲ (م)

یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے اور ہم نے[ف ۱] اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے قند حہ لہ الطلومہ ہے نصف قطر نرحہ سر مدمح الک یعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے قطر اُس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۲۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے۔

وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الکاشی علی مانقل العلامۃ البرجندی فی شرح تحریر المجسطی لوبعہ ای ستاو خمسین مکان مہ لا یفارق محسوبی الا بنحو ۱۱ رابعۃ وجاء بحساب اخر مربعہ رفعا ای سبعا واربعین وبالجملۃ لا فرق الا فی بعض روابع وعلی ہذا الاخیر عولنا۔

اور فاضل غیاث الدین جمشید الکاشی کے حساب میں جیسا کہ علامہ برجندی نے شرح تحریر مجسطی میں لکھا ہے لوبعہ یعنی ۵۶ بجائے مہ، یہ حساب میرے حساب سے مختلف نہیں مگر صرف ۱۱ رابعہ کی مقدار میں اور دوسرے حساب سے مربعہ رفعا یعنی سینتالیس ہے، خلاصہ یہ کہ اختلاف صرف بعض روابع میں ہے اور اسی اخیر پر ہم نے اعتماد کیا ہے۔ (ت)

تو قطر اگر ایک ہی محیط ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ہے فان ۳۶۰ ÷ ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ = ۱۱۴٫۵۹۱۵۵۹۱۵۷ تحویلہ الی الستینی قد حہ لہ الطلومہ یہاں سے ہمیں دو مساواتیں حاصل ہوئیں قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م فرض کیجئے پس (۱) ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط اس لیے کہ

۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ :: ق : ط

(۲) $\frac{ق ط}{۴}$ = م ان کے بعد قطر و محیط و مساحت سے جو چیز گز، ہاتھ، فٹ، گرہ وغیرہا جس معیار سے مقدر کی جائے اُسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

مطلوب / معلوم	قطر	محیط	مساحت
قطر		۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	[ل] ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ ق^{۲}
محیط	$\frac{ط}{۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵}$		[۲] $\frac{ط^{۲}}{۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶}$
مساحت	$\sqrt{\frac{م}{۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵}}$	$\sqrt{۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶\ م}$	

[ل] عدد معلوم یعنی مقدار محیط باجزائے قطریہ کو ص فرض کیجئے ∴ ص ق = ط، $\frac{ق ط}{۴}$ = م ∴ $\frac{ص ق^{۲}}{۴}$ = م یہ عدد $\frac{ص}{۴}$ ہے ۱۲ منہ (م)

[۲] جبکہ $\frac{ط}{ص}$ = ق، $\frac{ق ط}{۴}$ = م ∴ $\frac{ط^{۲}}{۴ص}$ = م یہ عدد ۴ص ہے ۱۲ منہ (م)

پھر آسانی کے لیے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دیے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے۔

معلوم / مطلوب	لوقطر	لومحیط	لومساحت
لوقطر		لوق + ۰،۴۹۷۱۴۹۹	۲لوق + ۱،۸۹۵۰۸۹۹
لومحیط	لوط + ۱،۵۰۲۸۵۰۱		۲لوط + ۲،۹۰۰۷۹۰۱
لومساحت	(لوم + ۰،۱۰۴۹۱۰۱) / ۲	(لوم + ۱،۰۹۹۲۰۹۹) / ۲	

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲،۰ ∴ (۲،۱۰۴۹۱۰۱) / ۲ = ۱،۰۵۲۴۵۵۰ کہ لوگارثم ۱۱،۲۸۴ کا ہے یہ قدر قطر ہوئی نیز (۳،۰۹۹۲۰۹۹) / ۲ = ۱،۵۴۹۶۰۴۹ کہ لوگارثم ۳۵،۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دَور ہوئی۔ ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۱،۲۸۴ × ۳۵،۴۴۹ = ۴۰۰،۰۰۶۵۱۲ ÷ ۴ = ۱۰۰،۰۰۱۶ کہ سو ہاتھ سے صرف $\frac{۱۶}{۱۰۰۰۰}$ یعنی $\frac{۱}{۶۲۵}$ زائد ہے کہ ایک انگل عرض کا $\frac{۲۴}{۶۲۵}$ یعنی انگل کے چھبیسویں حصے سے بھی کم ہے بخلاف حساب سراج وشرنبلالیہ کہ اُن کے خیال سے ۱۹ انگل اور واقع میں تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے کما سیأتی۔

اقول وبہذا علم ما فی البیانات السابقۃ **فاولا** ما کان دورہ ستا وثلثین لایزید قطرہ علی ۱۱ ذراعا بخمس ذراع فقط بل بقریب من نصف ذراع لان ۳۶ لوغارثمہا ۱،۵۵۶۳۰۲۵ + ۱،۵۰۲۸۵۰۱ = ۱،۰۵۹۱۵۲۶ وھو لوغارثم ۱۱،۴۵۹ لا ینقص من النصف الا قدر $\frac{۴۱}{۱۰۰۰}$ **وثانیا** ما کان کذا تزید مساحتہ علی مائۃ ذراع باکثر من ثلثۃ اذرع لا اربعۃ اخماس ذراع وذلک لان ۲ × ۱،۵۵۶۳۰۲۵ + ۲،۹۰۰۷۹۰۱ = ۲،۰۱۳۳۹۵۱ وھو لوغارثم ۱۰۳،۱۳ **وثالثا** لو عمل بقطر ذکر بان رسم خط

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ سابقہ بیانات میں ہے اوّلاً جس کا دور چھتیس ہو اس کا قطر ۱۱ ذراع پر ایک ذراع کا صرف پانچواں حصہ زائد نہ ہوگا بلکہ آدھے ذراع کے قریب زائد ہوگا کیونکہ ۳۶ کا لوغارثم ۱،۵۵۶۳۰۲۵ + ۱،۵۰۲۸۵۰۱ = ۱،۰۵۹۱۵۲۶ ہے اور وہ لوگارثم ۱۱،۴۵۹ کا ہے یہ نصف سے صرف $\frac{۴۱}{۱۰۰۰}$ کی مقدار کم ہے، اور ثانیاً جو ایسا ہو اس کی پیمائش سو ہاتھ پر تین ذراع سے زائد ہوگی نہ یہ کہ ایک ذراع کا $\frac{۴}{۵}$ اور یہ اس لیے ہے کہ ۲ × ۱،۵۵۶۳۰۲۵ + ۲،۹۰۰۷۹۰۱ = ۲،۰۱۳۳۹۵۱ اور وہ لوگارثم ہے ۱۰۳،۱۳ کا،

مثلہ ورسمت علی منتصفہ ببعد طرفہ
دائرۃ فجعل دور البئر مثلہا لم یصح فان
۱۱٫۲ لوغارثمہ ۱٫۰۴۹۲۱۸۰ ضعفہ
۲٫۰۹۸۴۳۶۰ + ۱̄٫۸۹۵۰۸۹۹ =
۱٫۹۹۳۵۲۵۹ وھو لوغارثم ۹۸٫۵۲
فیکون السطح اقل من مائۃ ذراع بذراع
ونصف تقریبا وبالجملۃ ان اخذ الدور
زاد علی المطلوب بثلثۃ اذرع وان اخذ
القطر نقص عنہ بذراع ونصف ان ارید
الجمع بینہما لم یمکن۔ اما قول المحقق
الشرنبلالی فی غنیۃ ذوی الاحکام حیث
ذکر اولا ما مر عن ش عن السراج
ثم قال وبرھان ذلک انا علمنا الدور
والمساحۃ التی ھی تکسیر الدائرۃ فقسمنا
المساحۃ علی ربع الدور وھو تسعۃ فخرج
القطر احد عشر ذراعا وخمس ذراع و
برھان اعتبار ستۃ وثلثین بقسمۃ المساحۃ
وھی مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع
علی نصف القطر فھو علی ما ذکرناہ اھ[1]

اور ثالثاً اگر مذکورہ قطر پر عمل کیا جائے اس طرح
کہ اسی کی مثل ایک خط کھینچا جائے اور اُس کے نصف
پر اُس کے بُعد کے کنارے پر ایک دائرہ کھینچا جائے
اور کنویں کا دَور اسی کی مثل کیا جائے، تو صحیح نہ ہوگا
کیونکہ ۱۱٫۲ کا لوگارثم ۱٫۰۴۹۲۱۸۰ ہے اس کا
دوگنا ۲٫۰۹۸۴۳۶۰ + ۱̄٫۸۹۵۰۸۹۹
= ۱٫۹۹۳۵۲۵۹ ہے اور یہ لوگارثم ۹۸٫۵۲ ہے تو
سطح سو ہاتھ سے تقریباً ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگی
اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر دور لیا جائے تو مطلوب
پر زاید ہوگا تین ہاتھ اور اگر قطر لیا جائے تو اس سے
ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگا اور اگر ان دونوں میں جمع کا ارادہ
کیا جائے تو ممکن نہ ہوگا، اور غنیۃ ذوی الاحکام میں
محقق شرنبلالی نے فرمایا پہلے تو جو ذکر کیا گیا 'ش
سے' سراج سے وہ انھوں نے ذکر کیا، پھر فرمایا
اس کی برہان یہ ہے کہ ہمیں دور اور پیمائش کا علم ہے
جو دائرہ کی تکسیر ہے، تو ہم نے مساحۃ کو رُبع دور
پر تقسیم کیا اور وہ ۹ ہے تو قطر ۱۱ $\frac{1}{5}$ ذراع نکلا،
اور برہان اس امر پر کہ ۳۶ کا اعتبار مساحۃ کی تقسیم
پر اور وہ مساحۃ سو ذراع اور چار خمس ذراع ہے
نصف قطر پر، تو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ اس کے مطابق ہے اھ۔ (ت)

فاقول لفظ نصف ھھنا سبق قلم و
صوابہ علی ربع القطر لما علمت ان $\frac{\text{ق ط}}{4} = \text{م}$
قسمنا المعادلۃ علی $\frac{\text{ط}}{4}$ ∴ $\text{ق} = \text{م} \div \frac{\text{ط}}{4}$

میں کہتا ہوں لفظ نصف یہاں قلم کی سبقت
ہے صحیح ربع قطر ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے
کہ $\frac{\text{ق ط}}{4} = \text{م}$، ہم نے معادلہ کو تقسیم کیا $\frac{\text{ط}}{4}$ پر

[1] غنیۃ ذوی الاحکام علی حاشیۃ غرر الاحکام فرض الغسل دار السعادۃ مصر ۱/۲۳

وهی دعواه الاولی وثانیاقسمناها علی ق/۴ ∴ ط = ص ÷ ق/۴ لا ق/۴ وهی دعواه الاخری هذا سهل وانما الشأن فی تعیین هذه المقادیر وما القصد الا ابداء مقدار دور تکون مساحته مائة ذراع فلیس بالید الاهذه **فاولا**[ف۱] کیف عُدل عنها الیٰ ما یزید علیها باربعة اخماس ذراع **وثانیا**[ف۲] بنیتم برهان اعتبار هذا الدور علی قدر القطر وبرهان اعتبار هذا القطر علی قدر الدور وهذا دور **وثالثا**[ف۳] بنیتم المساحة تبعا للسراج علی الدور والقطر وهذان دوران اٰخران ولکن الامران السراج بنی الامر علی الاستقراء فقرب تقریبا واذا تقرر هذا فابانة القطر من الدور والمساحة اوالدور من القطر والمساحة ارادة تحقیق ما تقرر لا البرهان علی ذلك وباللّٰه التوفیق هذا وما ذکر القهستانی من وقوع مربع عشر داخل دائرة محیطها ثمانیة واربعون اواربعة واربعون۔

ق = ص ÷ ط/۴ پر اور یہ اس کا پہلا دعوی ہے۔ اور ثانیا ہم نے اس کو ق/۴ ∴ ط = ص ÷ ق/۴ لا ق/۴ پر تقسیم کیا، اور یہ ان کا دوسرا دعوی ہے یہ سہل ہے اور اہم معاملہ ان مقادیر کی تعیین کا ہے اور مقصد صرف مقدار دور کا اظہار ہے جس کی مساحۃ ایک سَو ذراع ہو، تو ہاتھ میں یہی ہے۔

اولاً یہاں اُس سے عدول کرکے وہ چیز اختیار کی گئی ہے جس پر ایک ذراع کے چار خمس زاید ہے، ایسا کیوں کیا گیا؟

ثانیاً اس دور کے اعتبار کی برہان کو تم نے قطر کی مقدار پر مبنی کیا ہے، اور اس قطر کے اعتبار کی برہان کو دور کی مقدار پر مبنی کیا ہے، اور یہ دور ہے۔

ثالثاً تم نے پیمائش کی بنیاد، سراج کی پیروی میں، دور اور قطر پر رکھی ہے، اور یہ دو دوسرے دور ہیں، لیکن سراج نے معاملہ کی بنیاد استقراء پر رکھی ہے تو ان کی یہ بات قریب قریب ٹھیک ہے، جب یہ ثابت ہوگیا تو قطر کو دور اور پیمائش سے الگ کرنا یا دور کو قطر و پیمائش سے الگ کرنا، ثابت شدہ چیز کی تحقیق کا ارادہ ہے اس پر برہان نہیں ہے وباللّٰہ التوفیق، اس کو سمجھنا چاہئے، اور قہستانی نے دس کے مربع کا ذکر کیا ہے جس کے دائرہ کا محیط اڑتالیس یا چوالیس بنتا ہے۔ (ت)

فاقول له وجه فی الاول فیقع فیها لغة وان لم یقع علی مصطلح الفن من ان یماسها جمیع زوایاه وذلك لان المربع الواقع فی محیط ثمانیة واربعین ضلعه اطول[۱]

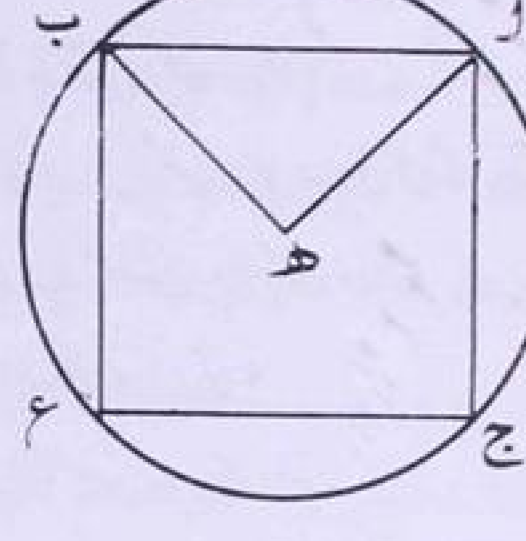
میں کہتا ہوں اس کی پہلے میں وجہ موجود ہے تو وہ اس میں لغت کے اعتبار سے واقع ہے اگرچہ فن کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہے، یعنی یہ کہ اس کو اس کے تمام زاویے مس کرتے ہوں اور اس کی دلیل

---

[۱] ای باکثر من اربعة اخماس ذراع و ذلك

یعنی ایک ہاتھ کے چار خمس سے زیادہ (باقی برصفحہ آیندہ)

من عشرة فلا يمكن ان يماسها اكثر من زاويتين من المربع اما في الثاني فلا وجه له اصلا فليقع مربع اء في دائرة اب ج ء على مركز ھ ولو ۴۴ = ۱،۶۴۳۴۵۲۷ + ۱۶۵۰۲۸۵۰۱ آ =



۱۶۱۴۶۳۰۲۸ ھذا لو القطر، ـ ۰۶۳۰۱۰۳۰۰ = ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ ھذا لو نصفه اھ ثم في مثلث اھ ب القائم الزاوية اھ : جيب ب وھي مه حه لو جيبها ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ آ :: اب : ع = ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ ـ ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ = ۰۶۹۹۵۷۸۷۸ ھذا لو اب وان شئت بالعروسی فضعف لو اھ

یہ ہے کہ جو مربع اڑتالیس کے محیط میں ہوتا ہے، اس کا ضلع دس سے لمبا ہوتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ مربع کے دو سے زاید زاویے اس کو مس کریں، اور دوسرے میں اس کی کوئی وجہ موجود نہیں، مثلاً اء کا مربع اب ج ء کے دائرہ میں واقع ہو اور ھ کے مرکز پر ہو اور لو ۴۴ = ۱،۶۴۳۴۵۲۷ + ۱۶۵۰۲۸۵۰۱ آ = ۱۶۱۴۶۳۰۲۸ یہ لو قطر ہے ـ ۰۶۳۰۱۰۳۰۰ = ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ یہ لو اس کا آدھا ہے اھ پھر مثلث میں اھ ب زاویہ قائمہ اھ: جیب ب اور یہ مہ حہ لو اس کا جیب یہ ہے ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ آ :: اب : ع :: ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ ـ ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ آ = ۰۶۹۹۵۷۸۷۸ یہ لو اب ہے اور اگر تم چاہو شکل عروسی سے تو اھ کا دوگنا لو اھ ۱۱۶۶۹۰۵۴۵۶ اس کا عدد ۴۹۲۰۳۹۴۵۶۸ کا دوگنا ۹۸۴۰۷۸۹۱۳۶ اس کا لوگارثم ۱۱۶۹۹۱۵۷۵۶ اسکا نصف ۰۶۹۹۵۷۸۷۸ ہے جیساکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لان لو المحيط ۱۶۶۸۱۲۴۱۲ ،۱ + ۱۶۵۰۲۸۵۰۱ آ = ۱۶۱۸۴۰۹۱۳ ھذا لو القطر ۰۶۳۰۱۰۳۰۰ = ۰۶۸۸۳۰۶۱۳ ھذا لو نصف القطر ـ لو جيب مه ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ آ = ۱۶۰۳۳۵۷۶۳ ھذا لو ضلع المربع الواقع فيه فھی ۱۰۶۸۰۳۷۵ فالمساحة تكون اكثر من ۱۱۶۶۲٫۲ ھذا في المربع اما الدائرة فمساحتها اكثر من مائة وثلثة وثمانين ذراعا اھ منه (م)

کیونکہ محیط کا لوگارثم ہے ۱۶۶۸۱۲۴۱۲ ،۱ + ۱۶۵۰۲۸۵۰۱ آ = ۱۶۱۸۴۰۹۱۳ یہ قطر کا لوگارثم ہے ۰۶۳۰۱۰۳۰۰ = ۰۶۸۸۳۰۶۱۳ یہ نصف قطر کا لوگارثم ہے ـ لو جیب مہ ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ = ۱۶۰۳۳۵۷۶۳ یہ محیط میں واقع ہونے والے مربع کے ضلع کا لوگارثم ہے ۱۰۶۸۰۳۷۵ لہذا مساحت ۱۱۶۶۲٫۲ سے زیادہ ہوگی یہ مربع میں ہے، رہا دائرہ تو اس کی پیمائش ایک سو تراسی (۱۸۳) ہاتھ سے زیادہ ہے۔ (ت)

١،٦٦٩٠٥٣٥٦ا عددها ٤٩٦٠٣٩٤٥٦٨ ضعفه ٩٨٦٠٧٨٩١٣٦ لوغارثمه ٦،٩٩١٥،٥٦ ا نصفه ٠،٦٩٩٥٧٨٧٨ مثل ما مر وھو لوغارثم ٩٦٩٠٣٥ ھذا قدر الضلع ولم تبلغ عشرا کما ترٰی ثم المساحۃ ٩٨٦٠٧٩ اقل من مائۃ بنحو ذراعین لما علمت انھا ضعف مربع اھ وضعف مربع نصف القطر ھے مساحۃ المربع لان مساحتہ مربع ضلع اب وھو ضعف مربع اھ بالعروسی فانی یقع فیھا مربع عشر فی عشر۔

تنبیہ حکم العلامۃ الشرنبلالی ببطلان سائر الاقوال سوی الرابع حیث قال والصواب کلام الظھیریۃ ولا یعدل عنہ الی غیرہ وقال فالزام قدر یزید علی الستۃ والثلثین لاوجہ لہ علی التقدیر بعشر فی عشر عند جمیع الحساب اھ[له] **اقول** وقد اشار الی الجواب عما یتوھم ان فیھا قولین مصححین بل الثانی مذیل بطراز الفتوی فکیف یمنع المصیر الیہ بل انما ینبغی التعویل علیہ وذلک ان المفتی بہ المعتمد ھو التقدیر بمائۃ والاقوال جمیعا انما ترومہ ومبنی ذلک علی الحساب دون التفقھات الغامضۃ التی لاقول لنا فیھا لاسیما علی خلاف الفتوی وامر الحساب لایلتبس فاذا علمنا قطعا ان الصواب ھذا وجب

گزرا اور وہ لوگارثم ہے ٩٦٩٠٣٥ کا، یہ ضلع کی مقدار ہے اور یہ دس تک نہیں پہنچ سکی ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں پھر پیمائش ٩٨٦٠٧٩ سو سے تقریباً دو ذراع کم ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مربع کا دوگنا ہے اھ اور نصف قطر کے مربع کا دوگنا ہی مربع کی پیمائش ہے کیونکہ اس کی پیمائش اب ضلع کا مربع ہے اور وہ اھ کے مربع کا دوگنا ہے شکل عروسی کے اعتبار سے، تو اس میں دہ در دہ کا مربع کہاں سما سکتا ہے! (ت)

تنبیہ علامہ شرنبلالی نے سوائے چوتھے قول کے تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں صحیح ظہیریہ کا قول ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو اختیار نہ کیا جائے نیز فرمایا ایسی مقدار کا لازم قرار دینا جو چھتیس ٣٦ سے زاید ہو اس کی کوئی وجہ نہیں جبکہ دہ در دہ کا اندازہ ہو، یہی تمام حساب دانوں کے نزدیک ہے اھ میں کہتا ہوں یہ اشارہ ہے وہم کے جواب کی طرف، وہم یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہے بلکہ دوسرے قول کی بابت کہا گیا ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے، تو اس کی طرف رجوع کرنے کو کیونکر منع کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ اس پر تو اعتماد کرنا چاہئے، کیونکہ معتمد اور مفتی بہ سو کا اندازہ ہے اور تمام اقوال کا مقصود بھی یہی ہے، یہ چیز تو حساب پر مبنی ہے اس میں لمبی چوڑی فقیہانہ ابحاث کا کوئی موقعہ نہیں، خاص

[له] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الغرر فرض الغسل ١/٢٣

ترك ماسواه غير ان قدوة الرياضيين
العلامة عبد العلى البرجندى رحمه
الله تعالىٰ حاول فى شرح النقاية توجيه قولے
۴۸ و ۴۴ عازيا لهذا الى الكبرى والذى
رأيته فى شرح القهستانى ان فى الكبرى
جعل الاول هو الاحوط والله تعالىٰ اعلم و
كانه لم يقع له قول ۴۶ فقال تحقيق الكلام
ههنا متوقف على ثلث مقدمات هى[1] ان
مربع وتر القائمة فى مثلث يساوى مجموع
مربعى ضلعيها وان[2] محيط الدائرة ازيد من
ثلثة امثال قطرها بسبع قطرها وانه[3] اذا
كانت مساحة دائرة معلومة وقسمت باحد
عشر قسما متساوية وزيد ثلثة اقسام منها
على مجموع المساحة واخذ جذر المجموع
يكون قطر الدائرة كل ذلك مبرهن
فى علمى الهندسة والحساب فنقول اذا كان
كل من ضلعى الحوض المربع عشر اذرع كان
مجموع مربعى الضلعين مائتين وجذرهما
اربعة عشر وعشر ونصف[1] عشر تقريبا و
هو مقدار الخط الواصل بين الزاويتين
المتقابلتين وهو اطول الامتدادات الممكنة
فى المربع المذكور للمقدمة الاولى فاعتبر

طور پر فتویٰ کے خلاف کہنے کی گنجائش نہیں اور
حساب کا معاملہ تو بالکل واضح ہوتا ہے، اب جبکہ
ہمیں معلوم ہوگیا کہ صحیح یہی ہے تو دوسرے اقوال کا
ترک لازم ہوگیا، البتہ قدوۃ الریاضیین علامہ عبدالعلی
برجندی نے شرح نقایہ میں ۴۸ اور ۴۴ کے دو قول کی
تشریح کی کوشش کی ہے، اس کو کبریٰ کی
طرف منسوب کیا ہے اور میں نے شرح قہستانی میں
دیکھا کہ کبریٰ میں پہلے قول کو احوط قرار دیا ہے واللہ
تعالیٰ اعلم اور غالباً ۴۶ کے قول کی طرف وہ متوجہ نہ
ہوئے تو فرمایا یہاں تحقیق کلام تین مقدمات پر مبنی ہے

(۱) قائمہ کے وتر کا مربع مثلث میں اس کے
دو ضلعوں کے دو مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے۔

(۲) اور دائرہ کا محیط اس کے قطر کی تین مثل سے
اس کے قطر کے سُبع جتنا زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) اگر ایک دائرہ کی مساحت معلوم ہو اور گیارہ
برابر برابر تقسیم کی جائے اور اس میں سے تین اقسام کا
اضافہ کیا جائے مجموعی پیمائش پر اور مجموعہ کا جذر لیا جائے
تو دائرہ کا قطر نکل آئے گا۔

یہ سب علم ہندسہ اور حساب میں مبرہن ہے، اب
ہم کہتے ہیں کہ جب ایک مربع حوض کے دونوں ضلعے
دس ذراع ہوں گے تو دونوں ضلعوں کے دونوں مربعوں
کا مجموعہ دو سو ہوگا اور دونوں کا جذر چودہ ذراع اور
دسواں اور دسویں کا آدھا ہوگا تقریباً، اور یہی مقدار

---

[1] بل جزء من خمسة وعشرين جزء وشیٔ قليل فانه ۱۴۲۶۱۲۴ تقريبا اھ منه (م)

بلکہ پچیس اجزاء میں سے ایک جزء اور تھوڑی مقدار کیونکہ وہ ۱۴۲۶۱۲۴ ہے تقریباً۔ (ت)

فی الفتاوی الکبری ان یکون قطر الحوض المدور مساویا لاطول الامتدادات المفروضة فی الحوض المربع لیمکن وقوع مربع بالشرط المذکور داخل الحوض المدور ولا یکون البعد بین جزئین متقابلین من محیط المدور فی شیئ من المواضع اقصر من اطول امتدادات المربع فیکون محیط الحوض المدور ثلثة امثال ذلک الامتداد وسبعه اعنی اربعا و اربعین ذراعا واربعة اعشار وثلثی عشر[1] للمقدمة الثانیة ولما کان الکسر الزائد اقل من النصف اسقطوه کما هو عادة اهل الحساب وصاحب الخلاصة اعتبر ایضا ما اعتبر فی الکبری لکنه لم یتدنق فی الحساب فاخذ الکسر الزائد واحدا للاحتیاط فاخذ الامتداد الاطول خمسة عشر فاذا اعتبرناه قطرا یکون المحیط سبعا واربعین ذراعا وسبع ذراع فاعتبر ثمانیا واربعین تتمیما[2] للکسر القاصر

اس خط کی ہے جو دو متقابل زاویوں کے درمیان متصل ہے، اور یہ مربع مذکور میں ممکنہ امتدادات میں سب سے لمبا ہے اس کی دلیل پہلا مقدمہ ہے تو فتاوی کبری میں اس امر کا اعتبار کیا گیا ہے کہ گول حوض کا قطر مربع حوض کے مفروضہ امتدادات میں سب سے طویل ہو تاکہ گول حوض میں شرط مذکور کے ساتھ مربع کا ہونا ممکن ہو اور گول حوض کے محیط سے دو متقابل اجزا کا درمیانی بُعد کسی جگہ بھی مربع کے امتدادات میں سے طویل تر سے چھوٹا نہ ہو تو گول حوض کا محیط اس امتداد سے تین گنا اور ساتواں ہوگا یعنی چوالیس ہاتھ اور چار اعشار اور دسویں کے دو ثلث ہوں گے، یہ دوسرے مقدمہ سے ثابت ہے اور چونکہ کسر زائد نصف سے کم ہے تو اس کو ساقط کر دیا گیا، جیسا کہ حساب دانوں کا طریقہ ہے، اور خلاصہ کے مصنف نے وہی اعتبار کیا ہے جو فتاوی کبری میں کیا ہے، لیکن انہوں نے حساب میں باریک بینی نہ کی، تو انہوں نے کسر زائد کو ایک اعتبار کیا احتیاطاً، تو اُنھوں نے طویل ترین امتداد کا اعتبار پندرہ ذراع

---

[1] بل الکسر علی ما ذکره ۶۴۷۱۴ وھو اربعة اعشار واکثر من ثلثی عشر بقدر ۶/۱۲۵ تقریبا وعلی ما ذکرنا ۶۴۴۳۶۳ وھو اربعة اعشار واقل بثلثی عشر بقدر ۵۱/۲۵۰ ای اکثر من خمس العشر اھ منہ (م)

بلکہ ان کے ذکر کے مطابق کسر ۶۴۷۱۴ ہے اور یہ چار عُشر اور ایک عُشر کے دو تہائی حصے سے تقریباً ۶/۱۲۵ کی مقدار میں زیادہ ہے اور ہمارے بیان کے مطابق ۶۴۴۳۶۳ ہے اور یہ چار عشر اور ۵۱/۲۵۰ کی مقدار میں دسویں حصے کے دو ثلث سے کم یعنی دسویں حصے کے پانچویں حصے سے زیادہ۔ (ت)

[2] اقول السبع لایتم ولا احتیاط فی الاحتیاط فکان یجب ترکہ اھ منہ۔ (م)

میں کہتا ہوں کہ ساتواں حصہ مکمل نہیں ہوتا اور اس احتیاط میں احتیاط نہیں ہے لہذا اس کا ترک کرنا واجب تھا۔ (ت)

الامام ظہیر الدین اعتبر ان تکون
مساحۃ الحوض المدور مساویۃ لمساحۃ
المربع فیکون الماء فیہ مساویا للماء المربع
ویشبہ ان یکون ھذا ماخوذا عما نقل
عن محمد بن ابراھیم المیدانی علی
ما مر نقول کانت المساحۃ مائۃ قسمناھا
باحد عشر قسما کان کل قسم تسعۃ وجزء من
احد عشر فاذا زدنا ثلثۃ امثالھا علی
المائۃ حصل مائۃ وسبعۃ وعشرون و
ثلثۃ اجزاء من احد عشر وجذرہ یکون
احد عشر وخمسا ونصف سدس تقریبا[عہ۱] و
ھو قطر دائرۃ مساحتھا مائۃ للمقدمۃ
الثالثۃ وثلثۃ امثالہ مع سبعہ اعنی محیط
الحوض المدور یکون خمسا وثلثین ذراعا
ونصف ذراع الا نصف عشر[عہ۲] فاعتبروا ھذا
الکسر واحدا واخذوا محیطہ ستا وثلثین
وانما اوردنا ھذہ المباحث لیظھر وجہ
صحۃ اقوال ھؤلاء الائمۃ وانہ لیس شیئ
منھا کما توھم بعضھم غلطا صریحا وکم
من عائب قولا صحیحا[۱] اھ۔

گیا، تو جب ہم اس کو قطر قرار دیں تو محیط سینتالیس
گز اور ایک ذراع کا ساتواں ہوگا، لیکن کسر کو
ختم کرنے کے لیے پورے اڑتالیس کا اعتبار کیا گیا ہے
اور قاضی ظہیر الدین نے گول حوض کی پیمائش مربع کی
پیمائش کے مساوی قرار دی ہے، تو اس کا پانی
مربع کے پانی کے مساوی ہوگا، اور غالباً یہ
محمد بن ابراہیم میدانی کی نقل سے ماخوذ ہے جیسا کہ گزرا
ہم کہتے ہیں پیمائش سو مخفی اس کو ہم نے گیارہ پر تقسیم
کیا تو ہر حصہ نو اور گیارہ کا ایک جز ہوا اور جب اس کا
تین گنا سو پر زاید کیا تو ایک سو ستائیس (۱۲۷) اور گیارہ کے
تین اجزاء حاصل ہوئے اور اس کا جذر گیارہ، اور
پانچواں اور چھٹے کا تقریباً نصف ہوا اور وہ دائرہ کا
قطر ہے جس کی پیمائش سو ہے، اس کی دلیل تیسرا
مقدمہ ہے اور اس کا تین گنا مع ساتویں کے یعنی
گول حوض کا محیط پینتیس ذراع اور نصف ذراع
دسویں کا نصف کم ہوگا تو اس کسر کو انہوں نے پورا
ایک شمار کیا اور اس کا محیط چھتیس لیا اور ہم نے یہ
مباحث اس لیے ذکر کیے تاکہ ان ائمہ کے اقوال کی
صحت کا سبب معلوم ہو سکے اور یہ کہ ان میں سے کوئی
بھی صریح غلط نہیں جیسا کہ بعض نے وہم کیا اور
بہت سے لوگ صحیح اقوال کو عیب لگاتے ہیں اھ (ت)

عہ۱ ای اقل منہ بشیئ قلیل فانہ ۱۱٫۲۸۱۵۱۸ تقریبا اھ منہ (م)

عہ۲ بل المستثنی اقل منہ فعلی ما ذکرہ $\frac{۴}{۱۰۵}$ و علی ما ذکرنا $\frac{۲۱۹}{۵۰۰۰}$ اھ منہ (م)

یعنی اس سے کچھ کم کیونکہ وہ تقریباً ۱۱٫۲۸۱۵۱۸ ہے اھ (ت)

بلکہ مستثنٰی اس سے کم ہے ان کے ذکر کے مطابق $\frac{۴}{۱۰۵}$ ہے اور ہمارے ذکر کے مطابق $\frac{۲۱۹}{۵۰۰۰}$ ہے اھ (ت)

۱؎ خلاصۃ الفتاوی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳

اقول رحمہ اللہ تعالی وشکر سعیہ فقد جلا عن اقوال اجلاء ومحصلہ ان کلام الظہیریۃ مبتن علی اعتبار المساحۃ وسائر الاقوال علی اشتراط الامتدادین الطول والعرض وہما قولان معروفان فی المذہب وان کان عندنا المعول علی الاول کما بیناہ فی الفصل الثالث من کتابنا النمیقۃ الانقی ویؤیدہ ان صاحب الخلاصۃ قال ہہنا الحوض الکبیر مقدر بعشر فی عشر وصورتہ ان یکون من کل جانب عشرۃ اذرع وحول الماء اربعون ذراعا ووجہ الماء مائۃ ذراع ہذا مقدار الطول والعرض اھ[1] فلم یکتف بقولہ وجہ الماء مائۃ بل بین الطول وفصل العرض واظہر الدور ثم ذکر الوجہ وان اختار فیما بعد فی جنس فی النہر اعتبار المساحۃ حیث قال ان کان الماء لہ طول وعمق ولیس لہ عرض کانہار بلخ ان کان بحال لو جمع یصیر عشرا فی عشر یجوز التوضی بہ وہذا قول ابی سلیمن الجوزجانی وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث وعلیہ اعتماد الصدر الشہید وقال الامام ابوبکر الطرخانی لایجوز وان کان من ہنا الی سمرقند و عند من لایجوز یحفر حفیرۃ ثم یحفر نہیرۃ فیجعل الماء فی النہیرۃ الی الحفیرۃ فیتوضؤ من النہیرۃ فلو وقعت فیہا النجاسۃ یتنجس عشرۃ فی عشرۃ والمختار انہ

میں کہتا ہوں انہوں نے اجلّہ علماء کے اقوال سے پردہ ہٹایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ظہیریہ کا قول پیمائش کے اعتبار پر مبنی ہے اور باقی اقوال طول وعرض کے دو امتدادوں کے شرط کرنے پر مبنی ہیں، اور یہ دونوں قول مذہب میں معروف ہیں اگرچہ ہمارا اعتماد اول پر ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "النمیقۃ الانقی" کی تیسری فصل میں بیان کیا، اور اس کی تائید یہ ہے کہ اس مقام پر صاحبِ خلاصہ نے کہا کہ بڑا حوض دہ در دہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے دس ہاتھ ہو اور پانی کا گرد چالیس ہاتھ ہو، اور پانی کی سطح سو ہاتھ ہو یہ طول وعرض کی مقدار ہے اھ تو انھوں نے اپنے اس قول "پانی کی سطح سو ہاتھ ہے" پر اکتفاء نہ کیا بلکہ طول وعرض کی تفصیل بیان کی اور دور ظاہر کیا پھر اس کی وجہ بیان کی، اگرچہ اس کے بعد جنس فی النہر کی بحث میں مساحت کو اختیار کیا فرمایا کہ اگر پانی کا طول وعمق ہو اور اس کا عرض نہ ہو جیسے بلخ کی نہریں، اگر یہ اس قسم کا ہو کہ جمع کرنے پر دہ در دہ ہو جائے تو اس سے وضو جائز ہے یہ ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے، اور اسی کو فقیہ ابو اللیث نے اختیار کیا اور صدر الشہید نے اسی پر اعتماد کیا اور امام ابو بکر الطرخانی نے فرمایا کہ ایسی نہر سے وضو جائز نہیں خواہ وہ یہاں سے سمرقند تک کیوں نہ ہو، اور جو حضرات وضو کے جواز کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں پہلے ایک چھوٹا سا گڑھا کھودا جائے پھر ایک چھوٹی سی نہر کھودی جائے اور اس نہر سے پانی نکال کر گڑھے میں لایا جائے اور نہر سے وضو کیا جائے،

---

[1] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۳

لایتنجس الا بما یتنجس بہ الحوض الکبیر[1] اھ

اب اگر اس میں نجاست گر جائے تو وہ دردہ ناپاک ہو جائیگا، اور مختار یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا، صرف اُسی صورت میں ناپاک ہوگا جس صورت میں بڑا حوض ناپاک ہوتا ہے اھ (ت)

اقول وبہ ظہر (ف۱) الجواب عن ایراد الشرنبلالی فان الحساب انما قطع بذلك عند اعتبار المساحة دون اشتراط الامتدادین (ف۲) الطولی والعرضی بل قطع عند ذلك بوجوب الزیادة علی ۴۴ فضلا عن ۳۶ کما تقدمت الاشارة الیہ وتوضیحہ ان لیس المراد الامتدادان کیفما وقعا بل محیطین بقائمة والا لم یتساو الطول والعرض ولولا ذلك لکفی مثلث کل ضلع منہ عشرة اذرع مع انھم نصوا فیہ بوجوب ان یکون کل خمسة عشر ذراعا وخمسا کما فی السراج الوھاج والزھر النضیر للعلامة الشرنبلالی وقد قال البرجندی المراد بذلك ان یکون کل من الاطراف الاربعة عشرا اذرع وزوایاہ الاربع قوائم اذ لو لم تکن الزوایا کذلك لم یعتبر[2] اھ ولا یمکن وقوع مثلث قائم الزاویة فی دائرة الا فی نصفھا اذ لو کانت القطعة ازید کانت الزاویة حادة او انقص کانت منفرجة (۳۰ من ۳ من اقلیدس) وح یکون وتر القائمة قطر الدائرة

میں کہتا ہوں اس سے شرنبلالی کے اعتراض کا جواب بھی معلوم ہو گیا کیونکہ از روئے حساب یہ بات قطعی اس وقت ہوتی ہے جب پیمائش کا اعتبار کیا جائے نہ کہ طولی و عرضی امتدادوں کی شرط لگائی جائے بلکہ اس وقت ۴۴ سے زیادتی کا واجب ہونا قطعی ہوگا چہ جائیکہ ۳۶ سے جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزرا، اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ یہ مراد نہیں کہ دونوں امتداد جیسے بھی واقع ہوں بلکہ دو محیط ایک قائمہ کے ساتھ، ورنہ طول و عرض مساوی نہ ہوتے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو اس کے ہر ضلع کا مثلث دس ہاتھ کو کافی ہوتا حالانکہ علمائے اس میں صراحت کی ہے کہ پندرہ ذراع اور ایک خُمس کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ "السراج الوہاج" میں ہے اور شرنبلالی کی "الزہر النضیر" میں ہے، اور برجندی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چاروں طرف میں سے ہر طرف دس ذراع ہو اور اس کے چاروں زاویے قائمہ ہوں، کیونکہ اگر زاویے ایسے نہ ہوئے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اھ اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی مثلث قائم الزاویہ کسی دائرہ میں ہو، ہاں نصف دائرہ میں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر کوئی قطعہ زاید ہوتا تو زاویہ حادہ ہو جاتا، اگر کم ہوتا تو منفرجہ ہو جاتا (۳۰، ۳ میں سے،

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[2] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۳

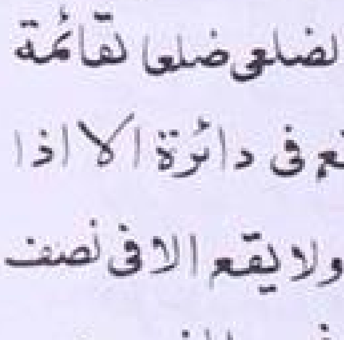
فاذا كانت كل ساق عشرا كان جذر القطر مائتين وهو ۱۴،۱۴۲ او بالتدقيق ۱۴،۱۴۲۱۳۶۸ فاذا كان هذا قطر الدائرة لوغارثمه ۱،۱۵۰۵۱۵۰ + ۰،۴۹۷۱۴۹۹ = ۱،۶۴۷۶۶۴۹ وهو لوغارثم ۴۴،۴۲۹ فيكون المحيط اكثر من ۴۴ وذلك ما اردناه۔

اقلیدس سے) اور اس وقت قائمہ کا وتر دائرہ کا قطر ہو جاتا، اب جبکہ ہر ساق دس ہاتھ کی ہو تو قطر کا جذر دو سو ہوتا اور وہ ۱۴،۱۴۲ ہے اور اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو یہ ہوگا ۱۴،۱۴۲۱۳۶۸، تو جب دائرہ کا قطر یہ ہوا تو اس کا لوگارثم ۱،۱۵۰۵۱۵۰ + ۰،۴۹۷۱۴۹۹ = ۱،۶۴۷۶۶۴۹ ہوگا اور یہ لوگارثم ۴۴،۴۲۹ ہے تو محیط ۴۴ سے زائد ہوگا، اور یہی ہماری مراد ہے۔ (ت)

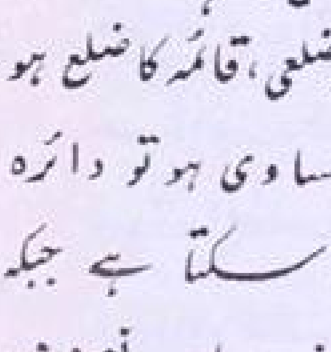
اقول وبه تبين وجه ما طوى بيانه العلامة البرجندى انه لم اختير وقوع المربع داخل المدور وان لا يكون قطرها اقصر من اطول امتدادات المربع اعنى قطرها فان المقصود هو الامتداد الضلعى المفروض عشرة دون القطرى و وجهه ان ذلك الامتداد الضلعى ضلعا لقائمة مساويا للضلع الاخر لا يقع فى دائرة الا اذا كان قطرها وتر المثلث ولا يقع الا فى نصف الدائرة فاذا رسم مثله فى النصف الاخر تم المربع وظهر وقوعه فيها۔

میں کہتا ہوں اس سے اس کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی جس کا بیان علامہ برجندی نے لپیٹ دیا ہے یعنی مدور کے اندر مربع واقع ہونے کے لیے یہ شرط کیوں اختیار کی گئی ہے کہ اس کا قطر مربع کے طویل ترین امتدادات سے کم نہ ہو جائے یعنی اس کا قطر، کیونکہ مقصود امتداد ضلعی ہے جو دس فرض کیا گیا ہے، قطری نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ امتداد ضلعی، قائمہ کا ضلع ہو اور دوسرے ضلع سے مساوی ہو تو دائرہ میں تب ہی واقع ہو سکتا ہے جبکہ اس کا قطر وتر مثلث ہو اور یہ نصف دائرہ میں ہی ہوتا ہے، اب اسی کی مثل جب دوسرے نصف میں کھینچی جائے تو مربع مکمل ہو جائے گا، اور اس کا اس میں واقع ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ (ت)

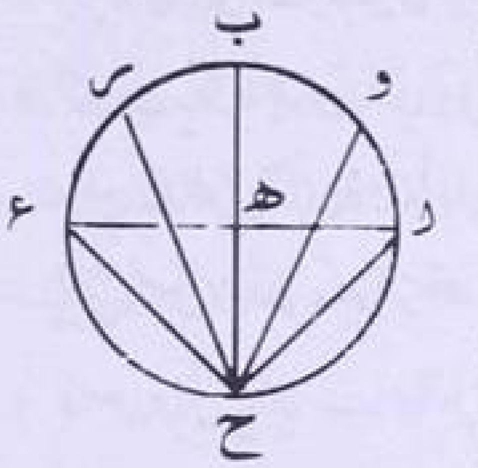
واقول بوجه اخر مربع كل ضلع منه عشرة اذا وقعت نجاسة فى احدى زواياها مثل ج ووصلنا اء فالنصف المقابل لها وهو مثلث اب ء



اور ایک دوسرے طریقہ پر میں کہتا ہوں ایک ایسا مربع ہے کہ جس کا ہر ضلع دس ہاتھ ہے اب اگر اس کے ایک زاویہ مثلاً ج میں نجاست پڑ جائے

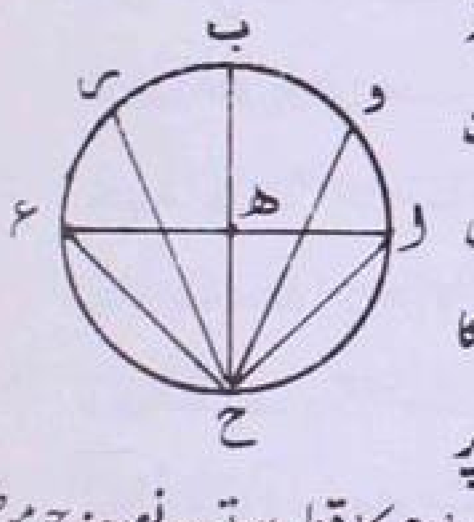


يحيط به خطا ا ب، ب ع وكل نقطة تفرض
عليهما يكون بعده من النجاسة عشرة
اوع اكثر فبعد كل من ا و ع عشرة ثم
لايزال يزداد حتى يكون ابعده على
نقطة ب اكثر من اربعة عشر ذراعا
بما تقدم هذا شان المربع الذى يعد
ماؤه فى الشرع كثيرا فان كان الحوض
مدورا وجعلنا قطره عشرة نظرا الى انه
البعد المطلوب كما توهم المتوهم فلتكن
الدائرة ا ب ح ع
على مركز ھ
وقعت النجاسة
عند ح فاخرجنا
قطر ح ب واقمنا



عمودا عليه قطر ا ع فالنصف المقابل
لموقع النجاسة ا ب ع وابعد نقاطه منه
ب وهو عشرة اذرع فجميع النقاط لاتزال
تقرب من ح ويكون اقرب الكل اليه نقطتا
ا ع (٧ من ٣ من اقليدس) فلم تنسج
الدائرة على منوال المربع المطلوب بل على
ضده وعكسه فيجب ان يكون اقرب النقاط
الى ح وهما ا و ع كل بفصل عشرة وح يكون
شأن الدائرة شأن المربع سواء بسواء
ان بُعد كل من ا و ع عشرة ثم لايزال
يزداد حتى يكون ابعده على ب واذن

اور ہم ا ع کو ملائیں تو اس کا نصف مقابل جو ا ب ع کا مثلث
ہے اس کو دو خط محیط ہیں، ایک ا ب والا دوسرا
ب ع والا اور ہر نقطہ جو اُن دونوں پر فرض کیا جائے
اس کی دوری نجاست سے دس ہاتھ ہوگی یا
اس سے زائد ہوگی تو ا اور ع میں سے ہر ایک کی
دوری دس ہاتھ ہے پھر وہ مسلسل زیادہ ہوتا رہتا
ہے یہاں تک کہ اکا بعد ب کے نقطہ پر
چودہ ذراع سے زاید ہوگا اس قاعدے کی وجہ سے
جو گزرا، یہ ہے وہ مربع حوض جس کے پانی کو شرعاً
کثیر کہا جاتا ہے، اگر حوض مدور ہو اور ہم اس کا
قطر دس مقرر کریں یہ دیکھ کر کہ مطلوبہ بُعد یہی ہے،
جیسا کہ وہم کرنے والے نے وہم کیا ہے اب ا ب ح ع
کا دائرہ ھ کے مرکز
پر ہوگا، اب نجاست
ح کے پاس گری
تو ہم نے ح ب کا
قطر نکالا اور اس پر



ایک عمود قائم کیا جو ا ع کا قطر ہے تو وہ نصف جو موضع
نجاست کے مقابلے میں ہے وہ ا ب ع ہے اور اس کا بعید ترین نقطہ
ب ہے اور وہ دس ہاتھ ہے، اور تمام نقاط
ح کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور سب سے قریب
ا ع کے نقطے ہیں (۷، ۳ سے اقلیدس سے)
تو دائرہ مطلوب مربع کے طریق پر نہیں بنایا گیا بلکہ
اس کی ضد پر اور اس کے عکس پر، تو لازم ہے کہ
ح کے قریب تر نقطے ا اور ع ہیں ہر ایک میں دس کا

يكون قطر الدائرة هو وتر المثلث فيكون ۱۴ء۶ اعنى ح ب اكثر من اربعة عشر ذراعا بما تقدم وثبت وقوع المربع فى الدائرة۔

فاصلہ ہے اور اس وقت دائرہ کا حال مربع کے حال کی طرح ہوگا، بالکل برابر، یعنی دونوں ۱۰ اور ۲ کا بعد دس ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں بعید ترب ہے اس وقت دائرہ کا قطر مثلث کا وتر ہوگا تو ۱۴ء۶ یعنی ح ب چودہ ہاتھ سے زائد ہوگا بسبب اس قاعدے کے جو گزرا اور مربع کا دائرہ میں واقع ہونا ثابت ہوا۔ (ت)

اقول ومن ھھنا ظھرت ثلثة امور اخر **الاول** لم يصح قول ۴۴ لان فيه نقصا من المطلوب كما علمت والمقادير المقدرة لا يعمل فيها بالاسقاط **الثانى** حيث ان القطر ۱۴۶۴۲ ففى جعله ۱۵ بالرفع مجازفة كثيرة كما فى قول ۴۸ وفى جعله ۱۴ بالاسقاط نقص من المقصود وهو لا يسوغ فكان العدل التوسط بينهما وهو جعله ۱۴۶۵ ثلثة امثاله ۴۳۶۵ وسبعه ذراعان وكسر فالمجموع **اكثر** من خمسة واربعين ذراعا ونصف والكسر اذا زاد على النصف بل واذا بلغ النصف يؤخذ واحدا كما هو عادة الحساب فاعتبر المحيط ۴۶ **الثالث** ظهر قول الفتح ان فى الحساب يكتفى باقل منها بكسر لكن يفتى بستة واربعين كيلا يتعسر رعاية الكسر اھ[1] وظهر وجه الافتاء به لانه اعدل الاقوال لا تقتير ولا اسراف ولا تقصير ولا جزاف

میں کہتا ہوں کہ اس سے تین امور ثابت ہوئے: **اوّل**، ۴۴ کے قول کی تصحیح نہیں کی گئی ہے کیونکہ یہ مطلوب سے ناقص ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اور مقدرہ مقادیر میں اسقاط کا عمل نہیں ہوتا،

ثانی یہ کہ قطر ۱۴۶۴۲ ہے تو اس کو اگر بڑھا کر اندازاً ۱۵ بنا لیا جائے تو یہ اٹکل پچو کے سوا کچھ نہیں ہے جیسا کہ ۴۸ کے قول پر ہے اور اگر ساقط کرکے اس کو ۱۴ بنایا جائے تو مقصود سے کم ہوگا اور یہ درست نہیں ہے، تو انصاف یہ ہے کہ ان دونوں میں درمیانہ درجہ اختیار کیا جائے، اور وہ یہ ہے کہ ۱۴۶۵ اس کا تین گنا ہے ۴۳۶۵ اور اس کا ساتواں دو ذراع ہے اور کسر ہے تو مجموعہ ۴۵ ذراع اور نصف سے زاید ہے اور کسر جب نصف سے زاید ہو جائے بلکہ جب نصف تک پہنچ جائے تو اس کو پورا ایک شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ حساب دانوں کی عادت ہے تو محیط ۴۶ اعتبار کیا گیا۔

ثالث، فتح کا یہ قول ظاہر ہوگیا کہ حساب

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

هكذا ينبغي ان يفهم كلام العلماء الكرام و الحمد لله ولي الانعام ولا يذهبن عنك ان كل ذلك بناء على اشتراط الامتدادين والصحيح الماخوذ المعتمد القصر على المساحة فلذلك كان التعويل على ماصححه في الظهيرية و الملتقط والذخيرة مع مافيه من تقريب وان شئت اقرب شئ الى التحقيق فقد اذناك به وبالله التوفيق ۔

میں کسر کے ساتھ اس سے کم پر اکتفاء کیا جائیگا، لیکن ۶ ۴ پر فتوی دیا جائے گا تاکہ کسر کی رعایت دشوار نہ ہو اھ اور اس پر اقتصار کی وجہ ظاہر ہوگئی کیونکہ یہ اعدل الاقوال ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے، اسی طرح علماء کرام کے کلام کو سمجھنا چاہئے، اور یہ مخفی نہ رہے کہ یہ سب اس بنا پر ہے کہ دو امتدادوں کی شرط ہے اور صحیح ماخوذ معتمد مساحت پر انحصار ہے لہذا اعتماد اس پر ہوگا جو ظہیریہ، ملتقط اور ذخیرہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے، پھر اس میں تقریب ہے اور اگر تحقیق کے قریب تر چیز کی تلاش ہو تو ہم نے تمہیں اس پر آگاہ کردیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ (ت)

تنبیهات: (۱) اقول مقدمة البرجندی الثالثة مبنية على الثانية لما علمت ان $\frac{\text{ق ط}}{4} = \text{م}$ فاذا كان ق : ط :: ۷ : ۲۲ كان $\frac{22\,\text{ق}}{7} = \text{ط} \therefore \frac{22\,\text{ق}^2}{28}$ بل $\frac{11\,\text{ق}^2}{14} = \text{م} \therefore 11\,\text{ق}^2 = 14\,\text{م} \therefore \text{ق}^2 = \frac{14\,\text{م}}{11} \therefore \text{ق} = \sqrt{\frac{14\,\text{م}}{11}}$ وهو المطلوب قد علمت انه تقريب بعيد ولكن لا يخل بالمقصود فان على التحقيق ق : ط :: ۷ : ۲۱،۹۹۱۱۴۸۵۵ $\therefore \frac{\text{الخ } 21{,}99\,\text{ق}}{7} = \text{ط} \therefore \frac{\text{الخ } 21{,}99\,\text{ق}^2}{28} = \text{م} \therefore \text{ق} = \sqrt{\frac{28\,\text{م}}{\text{الخ } 21{,}99}}$ فلوغارثم المساحة يجمع في لو ۲۸ — لو الخ ۲۱،۹۹ ولو ۲۸ = ۱،۴۴۷۱۵۸۰ والاخر ۱،۳۴۲۲۴۷۹ حاصل التفريق ۰،۱۰۴۹۱۰۱ مثل ما قدمنا في جدولنا يجمع فيه لو المساحة ونصف الحاصل يكن لو القطر فكان القطر كما قدمنا ۱۱،۲۸۴ و المحيط ۳۵،۴۴۹ خمسة وثلثين وكسرا لا يبلغ النصف وهو حاصل حساب البرجندی

تنبیہات: (۱) میں کہتا ہوں برجندی کا تیسرا مقدمہ دوسرے پر مبنی ہے، جیسا کہ آپ نے جانا کہ $\frac{\text{ق ط}}{4} = \text{م}$ تو جب ق : ط :: ۷ : ۲۲ ہوا تو $\frac{22\,\text{ق}}{7} = \text{ط} \therefore \frac{22\,\text{ق}^2}{28}$ بلکہ $\frac{11\,\text{ق}^2}{14} = \text{م} \therefore 11\,\text{ق}^2 = 14\,\text{م} \therefore \text{ق}^2 = \frac{14\,\text{م}}{11} \therefore \text{ق} = \sqrt{\frac{14\,\text{م}}{11}}$ ہوگا اور یہی مطلوب ہے، اور آپ جان چکے یہ تقریب بعید ہے لیکن مقصود میں مخل نہیں کیونکہ تحقیقی طور پر ق : ط :: ۷ : ۲۱،۹۹۱۱۴۸۵۵ $\therefore \frac{\text{الخ } 21{,}99\,\text{ق}}{7} = \text{ط} \therefore \frac{\text{الخ } 21{,}99\,\text{ق}^2}{28} = \text{م} \therefore \text{ق} = \sqrt{\frac{28\,\text{م}}{\text{الخ } 21{,}99}}$ تو مساحت کے لوگارثم کو جمع کیا جائے گا لو ۲۸ — لو الخ ۲۱،۹۹ ولو ۲۸ = ۱،۴۴۷۱۵۸۰ ایک اور دوسرا ۱،۳۴۲۲۴۷۹ حاصل تفریق ۰،۱۰۴۹۱۰۱ ہے جیسا کہ ہم نے اپنے جدول میں بیان کیا، اس میں مساحت کا لو جمع کیا جائیگا اور حاصل کو آدھا کیا جائے گا تو لو قطر ہوگا تو جیسا کہ ہم نے لکھا قطر ۱۱،۲۸۴ ہوگا اور محیط ۳۵،۴۴۹

رفع الکسر لما علمت ان الاسقاط فی المقادیر باطل فکان الدور ۳۶ وهو المقصود۔

(۲) کون القطر[ف۱] من المحیط $\frac{۷}{۲۲}$ لیس مبرهنا علیه فی الحساب بل لم تعلم الی الاٰن النسبة بینهما تحقیقا انما عملوا بالاستقراءات والتقریبات فکذا ما یبتنی علیه من ان $ق = \sqrt{\frac{۱۴م}{۱۱}}$ فقوله کل ذلك مبرهن فی الهندسة والحساب تسامح۔

(۳) فی اسقاط[ف۲] الکسر الزائد ههنا و ان کان اقل من النصف ما قد علمت۔

(۴) القول الرابع[ف۳] مبنی قطعا علی ما فی الظهیریة ایضا عن محمد المیدانی انه ان کان بحال لو جمع ماؤه یصیر عشرا فی عشر لبنائه الامر علی المساحة فقط من دون اعتبار العرض فلیس هذا محل یشبه۔

(۵) قال فی الدر[ف۴] وفی المثلث من کل جانب خمسة عشر وربعا وخمسا اھ[۱] وفی بعض النسخ او خمسا واعترضه ط بان الحساب یقینی فلا معنی للتردید واختار تبعا لنوح افندی الربع وان المساحة مائة ذراع وثلثة ارباع ذراع وشیئ قلیل لا یبلغ ربع ذراع۔

اور کچھ کسر ہوگی جو نصف تک نہیں پہنچے گی اور یہی برجندی کے حساب کا حاصل ہے کسر بڑھائی اس لیے گئی ہے کہ آپ جان چکے ہیں کہ مقادیر کا ساقط کرنا باطل ہے تو دور ۳۶ ہوا اور یہی مقصود ہے۔

(۲) قطر کا محیط سے ہونا $\frac{۷}{۲۲}$ حساب میں مبرہن نہیں ہے بلکہ اب تک ان دونوں کے درمیان تحقیقی نسبت بھی معلوم نہیں ہوسکی ہے، جو کچھ کیا ہے وہ محض استقراء اور تقریب ہے، تو جو اس پر مبنی ہوگا اس کا بھی یہی حال ہے، یعنی یہ کہ $ق = \sqrt{\frac{۱۴م}{۱۱}}$ تو اس کا یہ قول کہ یہ تمام حساب اور ہندسہ میں مبرہن ہے اس میں تسامح ہے۔

(۳) کسر زائد کو ساقط کرنے میں اگرچہ نصف سے کم ہو، جو کلام ہے وہ تم جان چکے ہو۔

(۴) چوتھا قول قطعًا اس پر مبنی ہے جو ظہیریہ میں بھی محمد المیدانی سے منقول ہے کہ اگر وہ ایسا ہو کہ اس کا پانی اگر جمع کیا جائے تو وہ دہ در دہ ہوگا کیونکہ اس نے اس معاملے کو صرف مساحت پر مبنی کیا ہے اور عرض کا اعتبار نہیں کیا تو اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں۔

(۵) در میں فرمایا اور مثلث میں ہر طرف سے ۱۵، چوتھائی اور پانچواں ہے اھ اور بعض نسخوں میں یا پانچواں ہے، اور اس پر "ط" نے اعتراض کیا کہ یہ حساب یقینی ہے تو اس میں تردید کا کوئی مفہوم نہیں اور انھوں نے نوح آفندی کی متابعت میں چوتھائی کو مختار رکھا اور یہ کہ مساحۃ ایک سو ذراع اور ایک ذراع کے تین ربع ہیں اور کچھ مزید جو چوتھائی ذراع کو نہیں پہنچتا۔ (ت)

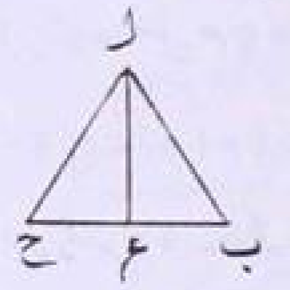
۱؎ درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

اقول (۱) بل ولا سدس سدس ذراع (۱/۳۶) کما ستعلم وجعل ش نسخة او اصوب اقول (۲) اذ النسخة الواو حظ من صواب ولیس کذلك وبناها علی الاختلاف فی التعبیر فان نوحا عبر بالربع والسراج والشرنبلالی بالخمس واختار تبعا لهما الخمس وان المساحة مائة ذراع وشیئ قلیل لایبلغ عشر ذراع اقول (۳) بل یبلغه بل یغلبه کما ستری قال وعلی التعبیر بالربع یبلغ نحو ربع ذراع اقول (۴) بل اکثر من ثلثة ارباعه وذلك ان ط عن افندی وش عن السراج نقلا موا مرة مساحته ان تضرب احد جوانبه فی نفسه فما صح اخذت ثلثه وعشره فهو مساحته اھ[۱] اقول (۵) وهذا وان کان فیه ما ستعرف فالعمل به علی وجهین الاول ان تأخذ ثلث المربع و عشره مع الکسر وهو الذی عملا به مع قولهما فما صح الخ ولذا قال السراج فی مربع خمسة عشر والخمس ان ثلثه علی التقریب ۷۷ ولو اخذ الصحیح فقط لکان ثلثه تحقیقا وقال نوح فی مربع خمسة عشر والربع ان ثلثه ۷۷ ونصف ذراع و سدس ثمنه وعشره ۲۳ وربع ونصف ثمن عشر وما ذلك الا باعتبار الکسر والثانی العمل علی ما صح فقط فعلی الاول مربع ۱۵۶۲ = ۴ء۰ ۱۶۰۲۳۱ ثلثه ۱۳ء۰ ۷۷ وعشره

میں کہتا ہوں بلکہ ذراع کے سدس کے چھٹے کو بھی نہیں پہنچتا جیسا کہ آپ عنقریب جان لیں گے اور "ش" نے او کے نسخہ کو درست قرار دیا، میں کہتا ہوں اس صورت میں واو کا نسخہ بھی کچھ صحیح ہو سکتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اور انھوں نے اس کا مبنیٰ تعبیر کے اختلاف کو قرار دیا ہے کیونکہ نوح نے چوتھائی سے تعبیر کیا اور سراج اور شرنبلالی نے پانچویں سے تعبیر کیا، اور خمس کو ان دونوں کی متابعت میں مختار قرار دیا اور یہ کہ مساحتہ سو ذراع اور قدرے ہے جو ایک ذراع کے دسویں تک نہیں پہنچتی ہے۔ میں کہتا ہوں، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ مقدار اس سے زائد ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ عنقریب دیکھ لیں گے، فرمایا جب اس کو چوتھائی سے تعبیر کیا جائے تو یہ تقریباً چوتھائی ذراع ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کے تین چوتھائی سے بھی زائد ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "ط" نے آفندی سے اور "ش" نے سراج سے اس کی پیمائش کا حساب یہ نقل کیا کہ اس کے کسی کنارے کو خود اسی میں ضرب دی جائے تو جو جواب ہو اس کا تہائی اور دسواں اس کی پیمائش ہے اھ۔ میں کہتا ہوں اس میں کچھ بحث ہے جو آپ جان لیں گے پھر بھی اس کا عمل دو طریقوں پر ہے، پہلا تو یہ ہے کہ مربع کا تہائی اور دسواں مع کسر کے لیا جائے، اور اسی پر ان دونوں نے عمل کیا ہے، ساتھ ہی ان کا یہ قول ہے فما صح الخ اور اس لئے سراج نے پندرہ اور پانچویں کے مربع میں فرمایا کہ اس کا تہائی تقریبی ۷۷ ہے، اور اگر صرف صحیح لیا جائے

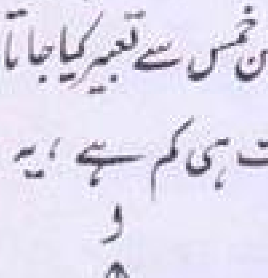
[۱] رد المحتار باب المیاہ ۱/۱۳۲

۲۳٫۱۰۴ مجموعهما ۱۰۰٫۱۱۷ وهو اکثر
من العشر و مربعه ۱۵٫۲۵ = ۲۳۲٫۵۶۲۵
ثلثه ۷۷٫۵۲۰۸۳ وعشره ۲۳٫۲۵۶۲۵
مجموعهما ۱۰۰٫۷۷۷۰۸ وهو اکثر من ٫۷۵
وعلی الثانی $\frac{۲۳۱}{۳}$ = ۷۷ وعشره ۲۳٫۱ مجموعهما
۱۰۰٫۱ فقد بلغ العشر و $\frac{۲۳۲}{۳}$ = ۷۷٫۳۳ وعشره
۲۳٫۲ مجموعهما ۱۰۰٫۵ وهو نصف بل
اکثر لان ۳ دائر ثم اقول التحقیق ان
الکسر اقل من الخمس یعبر به لقلة التفاوت
جدا ولیکن مثلث ا
متساوی الاضلاع
اذ فیه الکلام کما



سمعت من قول الدر من کل جانب کذا فکل
زاویة منه سدس الدور و مساحة کل
مثلث نصف مسطح العمود والقاعدة وهی
ههنا مثل سائر الاضلاع اخرجنا علی ب ج
عمود ا ء ففی مثلث ا ء ج القائم الزاویة
ا ج : ء ج :: ا ء : جیب ج ولنسم ا ج
الضلع ض و ا ء عمود ع م وذلك الجیب جط
لکونه جیب السدس جس فبحکم التناسب
ض جس = ع م وحیث ان $\frac{\text{ض ع م}}{۲}$ = ۱۰۰ ∴
ض^۲ جس = ۲۰۰ بل ض^۲ = $\frac{۲۰۰}{\text{جس}}$ ∴ ض = $\sqrt{\frac{۲۰۰}{\text{جس}}}$
ولو ۲۰۰ = ۲٫۳۰۱۰۳۰۰ ولو جس $\bar{۱}$٫۹۳۷۵۳۰۶
حاصل الطرح ۲٫۳۶۳۴۹۹۴ نصفه
۱٫۱۸۱۷۴۹۷ هذا لو ض فهو ۱۵٫۱۹۶۷۱۳۸

تو اس کا ثلث تحقیقی ہوگا اور فوح نے پندرہ اور چوتھائی
کے مربع کی بابت فرمایا کہ اس کا تہائی ۷۷، اور آدھا
ذراع اور ثمن ذراع کا سدس ہے اور اس کا عشر ۲۳ اور
ربع اور عشر کے ثمن کا نصف ہے اور یہ کسر ہی کے اعتبار
سے ہو سکتا ہے، اور دوسرا عمل صرف صحیح کے
مطابق ہے۔ تو پہلی صورت میں مربع ۱۵٫۲ =
۲۳۱٫۰۴ اس کا ثلث ۷۷٫۰۱۳ اس کا
دسواں ۲۳٫۱۰۴ ہے ان دونوں کا مجموعہ
۱۰۰٫۱۱۷ ہے اور یہ دسویں سے زاید ہے اور مربع
۱۵٫۲۵ = ۲۳۲٫۵۶۲۵، اس کا تہائی
۷۷٫۵۲۰۸۳، اور اس کا دسواں ۲۳٫۲۵۶۲۵،
ان دونوں کا مجموعہ ۱۰۰٫۷۷۷۰۸ ہے اور یہ ٫۷۵
سے زائد ہے، اور دوسری تقریر پر $\frac{۲۳۱}{۳}$ = ۷۷ ہے اور
اس کا دسواں ۲۳٫۱، ان دونوں کا مجموعہ ۱۰۰٫۱
تو دسواں ہوگیا اور $\frac{۲۳۲}{۳}$ = ۷۷٫۳۳ ہے اور اس کا دسواں
۲۳٫۲ ہے ان دونوں کا مجموعہ ۱۰۰٫۵ ہے اور
وہ آدھا ہے بلکہ زائد ہے کیونکہ ۳ دائر ہے۔ پھر میں
کہتا ہوں کہ تحقیق یہ ہے کہ کسر خمس سے کم ہے لیکن خمس سے تعبیر کیا جاتا
ہے کیونکہ اس میں تفاوت بہت ہی کم ہے، یہ
ایک مثلث ہے اس مثلث کے
تمام اضلاع برابر ہیں، کیونکہ کلام
اسی میں ہے، ڈر کا کلام اس



بابت آپ سُن ہی چکے ہیں کہ ہر طرف سے ایسا ہی
ہو تو اس کا ہر زاویہ دور کا چھٹا ہے اور ہر مثلث کی
پیمائش عمود کی مسطح کا نصف ہے اور قاعدہ یہاں

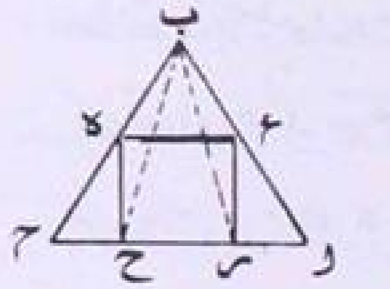
كسرا اقل من ٢،٢ ثم لوض ـ لوجس = ١،١١٩٢٨٠٣ هذا لوعم فهو ١٣،١٦٠٧٣٩٤ ثم لوض + لوعم = ٢،٣٠١٠٣٠٠ طرحا منه لو٢ بقي ٢،٠٠٠٠٠٠٠ وهو لو١٠٠ تماما من دون زيادة ولا نقص وبوجه آخر في استعلام ض حيث ان مربع نصف الشيء ربع مربع الشيء فبالعروسي $\text{عم}^{٢} + \frac{\text{ض}^{٢}}{٤} = \text{ض}^{٢} \therefore \text{عم}^{٢} = \frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤} \therefore \text{عم} = \sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}}$ وكان عم ض = ٢٠٠ $\therefore \text{ض}\sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} = ٢٠٠$ بل $\sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} = \frac{٢٠٠}{\text{ض}} \therefore \frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤} = \frac{٤٠٠٠٠}{\text{ض}^{٢}} \therefore ٣\text{ض}^{٤} = ١٦٠٠٠٠$ بل $\text{ض}^{٤} = \frac{١٦٠٠٠٠}{٣} \therefore$ لو المقسوم ٥،٢٠٤١٢٠٠ ـ لو المقسوم عليه ٠،٤٧٧١٢١٣ = ٤،٧٢٦٩٩٨٧ ربعه ١،١٨١٧٤٩٧ مثل الحساب الاول سواء.

تمام اضلاع کی مثل ہے ہم نے ب ج پر ایک عمود نکالا جس کا نام ءہ ہے تو اءح جو زاویہ قائمہ والا ہے ءح : ہح :: اہ : جیب ٦٠ ، اح ضلع کا نام ہم نے ض رکھا اور اء عمود کا عم رکھا اور وہ جیب گر رہا ہے، کیونکہ جیب چھٹا جس ہے تو تناسب کے قاعدہ سے ض جس = عم ہے اور چونکہ $\frac{\text{ض عم}}{٢} = ١٠٠ \therefore \text{ض}^{٢}\,\text{جس} = ٢٠٠$ ہے بلکہ $\text{ض}^{٢} = \text{جس}\ ٢٠٠ \therefore \text{ض} = \sqrt{\frac{٢٠٠}{\text{جس}}}$ ولو ٢٠٠ = ٢،٣٠١٠٣٠٠ و لوجس ٦٠ = ١̄،٩٣٧٥٣٠٦ طرح کا حاصل ٢،٣٦٣٤٩٩٤ ہو جس کا آدھا ١،١٨١٧٤٩٧ یہ لوض ہے تو وہ ١٥،١٩٦٧١٢٨ بطور کسر ٢،٢ سے کم ہے، پھر لوض ـ لوجس = ١،١١٩٢٨٠٣ یہ لوعم ہے تو وہ ١٣،١٦٠٧٣٩٤ ہے پھر لوض + لوعم = ٢،٣٠١٠٣٠٠ ہے تو ہم نے اس لو٢ کو کم کیا تو ٢،٠٠٠٠٠٠٠ بچا اور یہ پورا لو ١٠٠ ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں، اور دوسرے طریقے پر ض کے استعلام میں، کہ کسی چیز کا آدھا مربع اس چیز کے مربع کا چوتھائی ہوتا ہے تو شکل عروسی سے $\text{عم}^{٢} + \frac{\text{ض}^{٢}}{٤} = \text{ض}^{٢} \therefore \text{عم}^{٢} = \frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤} \therefore \text{عم} = \sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}}$ اور عم ض = ٢٠٠ $\therefore \text{ض}\sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} = ٢٠٠$ بلکہ $\sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} = \frac{٢٠٠}{\text{ض}} \therefore \frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤} = \frac{٤٠٠٠٠}{\text{ض}^{٢}} \therefore ٣\text{ض}^{٤} = ١٦٠٠٠٠$ بلکہ $\text{ض}^{٤} = \frac{١٦٠٠٠٠}{٣} \therefore$ لو مقسوم ٥،٢٠٤١٢٠٠ ـ لو مقسوم علیہ ٠،٤٧٧١٢١٣ = ٤،٧٢٦٩٩٨٧ اس کا ربع ١،١٨١٧٤٩٧ اور یہ بالکل پہلے حساب کے مساوی ہے۔ (ت)

اقول وبه ظهر ما في مؤامرة المساحة المذكورة اذ حاصله ان $\frac{١٣\text{ض}^{٢}}{٧،٥} = \text{م}$ اى $\frac{١٣\text{ض}^{٢}}{١٥} = ٢\text{م}$ وقد علمت ان $\text{ض}\sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} = ٢\text{م}$ فهما متساويان قسمناهما على ض $\therefore \frac{١٣\text{ض}}{١٥} = \sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} \therefore \frac{١٦٩\text{ض}^{٢}}{٢٢٥} = \frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤} \therefore$

میں کہتا ہوں اور اسی سے وہ اعتراض ظاہر ہوا جو مذکورہ پیمائش کا مؤامرہ ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ $\frac{١٣\text{ض}^{٢}}{٧،٥} = \text{م}$ یعنی $\frac{١٣\text{ض}^{٢}}{١٥} = ٢\text{م}$ اور تو نے جان لیا کہ $\text{ض}\sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}} = ٢\text{م}$ وہ دونوں قسمیں مساوی ہیں جن کو ہم نے ض پر تقسیم کیا $\frac{١٣\text{ض}}{١٥} = \sqrt{\frac{٣\text{ض}^{٢}}{٤}}$

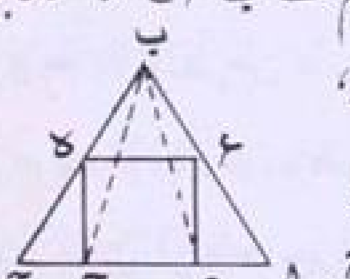
٦،٧٦ ض٢ = ٥،٧ ض٢ وهو محال اى ان ١٣١ ٢٣ و ٢٣٢ =٠. نعم لا باس به فى التخمين و يختص بهذا القسم من المثلث وما ذكرنا عام **ثم** **اقول** هذا الذى ذكره فى مساحة المثلث انما يبتنى على القول المعتمد من اعتبار المساحة وحدها اما على القول الآخر من اعتبار الامتدادين فلا بد ان يكون كل ضلع اكثر من احد وعشرين ذراعا و نصف ذراع بكسر قريب جزء من احد وعشرين جزء من ذراع و ذلك لانه يجب وقوع مربع عشر فى المثلث كما علمته فى الدائرة فليكن ءح المربع رسمنا على ءه منه مثلا مثلث ء ب ه متساوى الاضلاع و اخرجنا ب ء ح ر حتى التقيا على ا و اخرجنا ب ه ر ح حتى التقيا على ح



فمثلث ا ب ح هو المطلوب اما الالتقاء فلانا اذا وصلنا ب ح كانت زاوية ب ح ر جزء قائمة ه ح ر و زاوية ا ب ح جزء ا ب ه ثلثى القائمة فقد خرجا من اقل من قائمتين واما ان ا ب ح المثلث المطلوب فلان زاويتى ه ا ء ه ح متساويتان بالماموني فباسقاط قائمتى ه ء ر ء ه ح تبقى ر ء ا ح ه ح متساويتين وفى هذين المثلثين زاويتا ر و ح قائمتان وضلعا ر ء ه ح متساويان فزاويتا ا و ح

∴ ١٦٩ ض٢/٢٢٥ = ٣٣ ض٢/٤ ∴ ٦،٧٦ ض٢ = ٥،٦٧٥ ض٢

اور وہ محال ہے یعنی ١٣١ ٢٣ و ٢٣٢ = ٠. ہاں تخمینہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ مثلث کی اس قسم کے ساتھ خاص ہے جو ہم نے ذکر کیا وہ عام ہے، پھر میں کہتا ہوں مثلث کی پیمائش میں جو انہوں نے ذکر کیا ہے قول معتمد پر مبنی ہے کہ صرف پیمائش کا اعتبار کیا جائے، اور دوسرا قول جس میں دو امتدادوں کا اعتبار ہے تو اس میں ضروری ہے کہ ہر ضلع میں ساڑھے اکیس ذراع پر کچھ کسر زائد ہو جو ذراع کے اکیسویں جزء کے لگ بھگ ہو گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دس کے مربع کا مثلث میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ نے دائرہ میں جانا، تو اب ء ح کا مربع ہم نے ء ہ پر کھینچا مثلاً مثلث ء ب ہ جس کے اضلاع برابر ہوں اور ہم نے ب ء ح ر نکالا یہاں تک کہ وہ دونوں ا پر ملے،



ہم نے ب ہ ر ح نکالا یہاں تک کہ وہ دونوں ح پر ملے تو مثلث ا ب ح کا بنا وہی مطلوب ہے، جہاں تک ملنے کا تعلق ہے تو جب ہم نے ب ح کو ملایا تو ب ح ر کا زاویہ ہ ح ر کے زاویہ قائمہ کا جزء ہوا، اور ا ب ح کا زاویہ ا ب ہ کا جزء ہوا جو قائمہ کا دو ثلث ہے، کیونکہ یہ دونوں قائموں سے اقل ہے، اور ا ب ح کا مثلث مطلوب ہے کیونکہ ہ ا ء ہ ح کے دونوں زاویئے مامونی سے متساوی ہیں تو ہ ء ر ء ہ ح کے دونوں قائموں کو ساقط کرنے کے بعد ر ء ا ح ہ ح دونوں متساوی ہیں اور ان دونوں

متساویتان (۲۶ من اولی الاصول) وحیث
ان ب ثلثا قائمة والمجموع کقائمتین
(۳۲ منہا) فالکل متساویة وبوجہ اخصر
حیث ان ب ہ ۶ ثلثا قائمة و ۶ ہ ح تمامہا
الی قائمتین (۱۳ منہا) فباسقاطہ للقائمة
منہا تبقی ح ہ ح ثلث قائمة فباسقاطہا
مع ح القائمة من مثلث ہ ح ح تبقی ح ثلثی
قائمة وکذلک افا لزوایا الثلاث متساویة
فکذا الاضلاع الثلاث والا لاختلفت
الزوایا (۱۸ منہا) فمثلث ا ب ح السماد
بزوایا لمربع الاربع متساوی الاضلاع
وذلک ما اردناہ وآذ فی مثلث ہ ح ح القائم
الزاویة ہ ح : ع :: ہ ح : جیب السدس
وہ ح ۱۰ بالفرض ∴ ۱۶–۱۹۳۷۵۳۰۱-۱۶۹۳۷۵۳۰۱آ
= ۱۶۰۶۲۴۶۹۴ وہو لوغارثم ۵۴۷ ۱۱۶
ہذا مقدار ہ ح وقد کان ب ہ ۱۰ ∴ ب ح
۲۱۶۵۴۷ وذلک ما اردناہ واللہ تعالٰی
اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا
محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم
ابدا امین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مثلثوں میں ر و ح کے دونوں زاویے قائمے ہیں
اور ر ۶ ہ ح کے دونوں ضلعے برابر ہیں تو ا و ح
کے دونوں زاویے برابر ہوں گے (۲۶ پہلی اصل سے)
اور چونکہ ب ایک قائمہ کا دوثلث ہے اور مجموعہ دو قائموں کی مانند
ہے (۳۲ اسی اصل سے) تو سب برابر ہوئے اور بطور اختصار چونکہ
ب ہ ۶ ایک قائمہ کا دوثلث ہے اور ۶ ہ ح جو دو قائموں کے برابر ہے
(۱۳ اسی اصل سے) تو ہ کو قائمہ کے لئے ساقط کرنے سے
باقی رہتا ہے ح ہ ح ثلث قائمہ کا تو اسکو ح کے قائمہ کے
ساتھ ساقط کرنے سے ہ ح ح کے مثلث سے
ح باقی رہ جائیگا جو ایک قائمہ کا دوثلث ہے اور اسی
طرح ا کا حال ہے تو تینوں زاویے برابر ہیں، تو
اسی طرح تینوں اضلاع برابر ہوں گے ورنہ زاویے
مختلف ہوجائیں گے (۱۸ پہلی اصل سے) تو ا ب ح
کا گزشتہ مثلث مربعوں کے چاروں زاویوں کے
ساتھ برابر ضلعوں والا ہوگا اور یہی ہم نے ارادہ
کیا تھا اور چونکہ ہ ح ح زاویہ قائمہ والے مثلث
ہیں ہ ح : ع :: ہ ح : جیب چھٹا ہے وہ
ح ۱۰ بالفرض ∴ ۱۶–۱۶۹۳۷۵۳۰۶ آ۱۶۹۳۷۵۳۰۶
= ۱۶۰۶۲۴۶۹۴ اور یہ لوگارثم ۵۴۷ ۱۱۶ کا
ہے یہ مقدار ہ ح اور ب ہ ۱۰ ∴ ب ح ۲۱۶۵۴۷
اور یہی ہماری مراد تھی واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ
تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم ابداً آمین والحمد للہ رب العالمین۔ (ت)

۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۴ھ

مسئلہ ۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو نہر سے افضل ہے یا حوض سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وضو نہر سے افضل ہے مگر کسی مصلحتِ خاصہ کے باعث۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کسی معتزلی کے سامنے

اُسے غبطہ پہنچانے کو حوض سے وضو افضل ہے کہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

فی فوائد الرستغفنی التوضی بماء الحوض افضل من النھر لان المعتزلۃ[1] لایجیزونہ

فوائد الرستغفنی میں ہے نہر کی بہ نسبت حوض سے وضو کرنا افضل ہے کیونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کو

---

[1] فی المعراج بناء علی جزء لایتجزء فانہ عند اھل السنۃ موجود فتتصل اجزاء النجاسۃ الی جزء لایمکن تجزئتہ فیکون باقی الحوض طاھرا وعند المعتزلۃ معدوم فیکون کل الماء مجاورا للنجاسۃ فیکون الحوض نجسا عندھم وفی ھذا التقریر نظراھ قال ش فی توضیحہ عند الفلاسفۃ کل جسم قابل لانقسامات غیر متناھیۃ فلا یوجد جزء من الطاھر الا ویقابلہ جزء من النجاسۃ فتتصل اجزاء النجاسۃ بجمیع اجزاء الماء اھ **اقول** اولا[ف۱] این القابلیۃ من الفعلیۃ والجسم عندھم متصل بالفعل فلا یلاقی الا مالاقی وثانیا[ف۲] لوقسم لم یلزم ایضا اتصال اجزاء النجاسۃ بجمیع اجزاء الماء لان الانصاف علی نسبۃ الاضعاف فاذا کانت النجاسۃ قدر اصبع والماء الف ذراع فنصفھا نصف اصبع وشطرہ خمسمائۃ ذراع وھکذا الی مالایتناھی وتساوی التقسیم لایستلزم تساوی الاقسام فیما بینھما الاتری ان ایام الابد وسنیہ کلا غیر متناہ والیوم لایساوی السنۃ ابدا وکفی بھذین لتوجیہ

معراج میں ہے یہ جزء لایتجزی پر مبنی ہے، کیونکہ یہ اہل السنۃ کے نزدیک موجود ہے تو نجاست کے اجزاء ایسے جزء تک پہنچیں گے جو منقسم نہیں ہوتا ہے، تو باقی حوض طاہر رہے گا اور معتزلہ کے نزدیک جزء، نہیں ہے اس لیے کل پانی نجاست کا پڑوسی ہوگا، توان کے نزدیک حوض نجس ہوگا' اس تقریر میں نظر ہے اھ 'ش' نے اس کی توضیح میں فرمایا فلاسفہ کے نزدیک ہر جسم لامتناہی تقسیم کو قبول کرتا ہے تو پاک پانی کے ہر جزء کے مقابل ایک ناپاک جزء ہوگا تو اجزاء نجاست تمام اجزاء پانی کے ساتھ متصل ہوجائیں گے اھ

میں کہتا ہوں قابلیۃ اور فعلیۃ میں بہت فرق ہے، اور جسم ان کے نزدیک متصل بالفعل ہے تو وہ صرف اسی سے ملے گا جس سے ملا ہوا ہے، اور ثانیاً اگر تقسیم بھی کیا جائے تو لازم نہیں آتا کہ نجاست کے تمام اجزاء پانی کے تمام اجزاء سے متصل ہوں کیونکہ انصاف اضعاف کی نسبت کے مطابق ہی ہوگا، مثلاً نجاست ایک انگلی کی مقدار ہے اور پانی ہزار ذراع ہے، تو اس کا نصف آدھی انگلی ہوا اور اس کا آدھا پانسو ذراع ہوا اور اسی طرح الی مالانہایۃ تک ہوگا، اور تقسیم (باقی برصفحہ آئندہ)

من الحیاض فیر غمهم بالوضوء منها اھ و

جائز قرار نہیں دیتے ہیں اس طرح ان کی تذلیل ہوگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) النظر و وجهه ش بما توضيحه مع تلخيصه ان لو بنيت المسألة عليه لما تنجس عندنا من الماء الا ما يساوی النجاسة حجما فقطرة بقطرة و نصفها بنصفها - **اقول** و ايضا يلزم المعتزلة لو قالوا به تنجيس البحر العظيم بقطيرة قال على ان المشهور ان الخلاف فی الجزء بين المسلمين والفلاسفة بنوا عليه قدم العالم وعدم حشر الاجساد والمعتزلة لم يخالفوا فی شیء من ذلك والا لكفروا اھ **اقول** ليس نفی الجزء كفرا ولا لازم المذهب مذهبا لاسيما تلك اللوازم البعيدة وكم من لزوم على مذاهب المعتزلة القائلين بها قطعا ثم لم يكفروا فليكن هذا منها فكيف يرد نقل الثقة على انه يكفی فيه ان يكون قول بعضهم كما قال تعالى قالت اليهود عزير ابن الله قالوا قالها طائفة قليلة منهم كانت وبانت قال فالاولى ما قيل من بناء المسئلة على ان الماء يتنجس عندهم بالمجاورة وعندنا لا بل بالسريان و ذلك يعلم بظهور اثرها فيه فما لم يظهر لا يحكم بالنجاسة هذا ما ظهر لی فاغتنمه اھ **اقول** نص فی البدائع ان التنجس بالتجاور و بنيا فی النميقة الانقی ان الماء القليل يتنجس معا لا بالسريان على انهم اذ لم

کی تساوی سے اقسام کی تساوی لازم نہیں آتی ہے، مثلاً ابد کے ایام اور سال غیر متناہی ہیں اور ایک دن ہرگز بھی ایک سال کے برابر نہیں ہوسکتا ہے اور یہ دونوں نظر کی توجیہ کو کافی ہیں اور "ش" نے اس کی جو توجیہ کی ہے اس کی تلخیص مع توضیح یہ ہے کہ اگر مسئلہ اسی پر مبنی ہو تو ہمارے نزدیک صرف اتنا ہی پانی نجس ہوگا جتنا کہ نجاست کے مساوی ہے۔ تو ایک قطرہ ایک قطرہ ہی کے مقابل ہوگا اور نصف اس کے نصف کے مقابل ہوگا۔

میں کہتا ہوں اگر معتزلہ کا یہی قول ہوتا تو ان پر یہ لازم آتا کہ ایک قطرہ سے پورا سمندر ناپاک ہوجائے، انھوں نے فرمایا علاوہ ازیں مشہور یہ ہے کہ اختلاف جزء میں فلسفیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے، اور فلاسفہ نے اس پر عالم کے قدم اور حشر و نشر کی نفی کی بنیاد رکھی ہے اور معتزلہ نے ان چیزوں میں کسی کی مخالفت نہیں کی ہے ورنہ وہ کافر قرار پاتے اھ

میں کہتا ہوں جزء کی نفی کفر نہیں ہے اور نہ ہی لازم مذہب، مذہب ہوتا ہے، خاص طور پر یہ لوازم بعیدہ، اور جو معتزلی مذہب رکھتے ہیں ان پر بہت سے لوازم ہیں، مگر ان کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے، سو یہ لازم بھی منجملہ ایسے لوازم کے ہوجائے، تو ثقہ کی نقل کو کیسے رد کیا جائے، علاوہ اس کے اس میں اتنا کافی ہے کہ یہ بعض کا قول ہو، جیسا کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

هذا انما یفید الافضلیۃ لھذا العارض ففی مکان لایتحقق النھر افضل[1] اھ

اھ اس سے افضل ہونے کی یہ عارضی وجہ معلوم ہوتی ہے جہاں یہ وجہ نہ ہو وہاں نہر سے وضو افضل ہوگا۔ (ت)

اقول اس مصلحت سے اہم دفع تہمت ہے کہ معاذ اللہ لوگوں کو اس پر اتباعِ معتزلہ کا گمان ہو اس کے دفع کے لیے ایسا کرے اس کی نظیر مسح موزہ ہے کہ رافضی خارجی ناجائز جانتے ہیں اگر کسی کو اس پر گمانِ خروج ہو تو اس کے دفع کو مسح موزہ افضل ورنہ فی نفسہ پاؤں دھونا افضل۔ دُرمختار میں ہے:

الغسل افضل الا لتھمۃ فھو افضل[2]

موزے پر مسح سے پاؤں دھونا افضل ہے مگر تہمت سے بچنے کے لیے مسح افضل ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الروافض والخوارج لایرونہ وانما یرون

رافضی خارجی پاؤں پر مسح کرتے ہیں اگر موزے پر مسح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یفرقوا بین القلیل والکثیر یلزمھم بالمجاورۃ ایضا تنجیس البحر الکبیر برشح یسیر فالحق عندی ان ذلک مبنی علی انھم لایلحقون الکثیر بالجاری واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ حفظہ ربہ تعالٰی۔ (م)

فرمانِ الٰہی ہے" یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" علماء فرماتے ہیں یہ صرف ایک گروہ کا قول تھا اور یہ فرقہ ختم ہوگیا، فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ اس امر پر مبنی ہے کہ پانی ان کے نزدیک مجاورۃ کی وجہ سے ناپاک ہوجاتا ہے، اور ہمارے نزدیک سرایت کی وجہ سے اور اس کا پتا اس سے لگتا ہے کہ اس کا اثر پانی میں ظاہر ہوتا ہے، تو جب تک اثر ظاہر نہ ہو نجاست کا حکم نہ لگایا جائے گا، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے تم اس کو غنیمت جانو۔

میں کہتا ہوں بدائع میں اس کی تصریح کی ہے کہ نجس ہونے کی وجہ مجاورۃ ہے اور ہم نے النمیقۃ الانقی میں بیان کیا ہے کہ تھوڑا سا پانی یک دم ناپاک ہوجاتا ہے نہ کہ سرایت سے، علاوہ ازیں انھوں نے قلیل وکثیر میں فرق نہیں کیا ہے، ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کہیں ایک بڑے سمندر کا پانی بھی مجاورۃ سے ناپاک ہوجاتا ہے خواہ تھوڑے سے چھینٹے کیوں نہ ہوں، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ وہ کثیر پانی کو جاری کے ساتھ ملحق نہیں کرتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲

[2] درمختار باب المسح علی الخفین مجتبائی دہلی ۱/۴۶

المسح علی الرجل فاذا مسح الخف انتفت التھمۃ بخلاف ما اذا غسل فان الروافض[1] قد یغسلون تقیۃ فیشتبہ الحال فی الغسل فیتھم افادح۔

کرے گا تو تہمت ختم ہو جائے گی بخلاف اسکے کہ جب وہ دھوئیگا کہ رافضی تقیہ سے دھو بھی لیتے ہیں غسل کی صورت میں صورت حال مشتبہ ہو جاتی ہے تو تہمت کا خدشہ ہوگا افادح (ت)

اقول رافضی تقیہ سے سب کچھ کر لیتے ہیں یوں ہی وہابی مجالس میلاد مبارک میں جائیں قیام کریں گیارھویں شریف کی نیاز میں حاضر ہوں پلاؤ کھانے کو موجود اور دل میں شرک وحرام، لہذا ہم نے نفی تہمت خروج سے تصویر کی۔

قال ش ما ذکرہ الشارح نقلہ القھستانی عن الکرمانی ثم قال لکن فی المضمرات وغیرہ ان الغسل افضل وھو الصحیح کما فی الزاھدی اھ وفی البحر عن التوشیح ھذا مذھبنا وقال الرستغفنی المسح افضل[2] اھ

ش نے فرمایا جو شارح نے ذکر کیا ہے اس کو قہستانی نے کرمانی سے نقل کیا ہے پھر فرمایا لیکن مضمرات وغیرہ میں ہے کہ غسل افضل ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اھ اور بحر میں توشیح سے منقول ہے "یہ ہمارا مذہب ہے" اور الرستغفنی نے کہا کہ مسح افضل ہے اھ (ت)

اقول ھذا سبق نظر انما نقل عن الکرمانی التخییر بین الغسل والمسح ونقل اولویۃ المسح عن الذخیرۃ **ثم** ھو لا یمس ما ذکر الشارح فان کلامہ عند وجود التھمۃ والذی فی الذخیرۃ وغیرھا اولویۃ المسح حکما مطلقا وعلیہ یرد التصحیح المذکور واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں ان کی نظر چوک گئی ہے، کرمانی سے تو یہ نقل کیا ہے کہ غسل اور مسح میں اختیار ہے اور ذخیرہ سے مسح کی اولویت نقل کی ہے پھر یہ اس کے مطابق نہیں ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ہے کیونکہ ان کا کلام وجود تہمت کے متعلق ہے اور جو ذخیرہ وغیرہ میں ہے وہ مسح کے اولٰی ہونے کا مطلق حکم ہے اور اسی پر مذکور تصحیح وارد ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ثم اقول اُس سے بھی اہم دفع وسوسہ ہے اگر کوئی شخص وسوسہ میں مبتلا ہو حوض سے وضو کرتے کراہت رکھتا ہو اُسے حوض ہی سے وضو افضل ہے کہ قطع وسوسہ ہو و رغم الشیطان اھم من رغم المعتزلی واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب المسح علی الخفین مصر ۱/۱۹۳

[2] ایضاً

مسئلہ ۴۶ ۱۰ شوال ۱۳۱۲ ہجریہ قدسیہ

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک اہلِ اسلام اور ایک ہنود کو حاجت غسلِ جنابت ہے اُن دونوں کا آبِ غسل پاک ہے یا کچھ فرق ہے؟ ایک اہلِ اسلام نے اپنی بی بی سے صحبت کی اور غسل کیا وہ پانی پاک ہے یا نہیں؟ اور ہنود نے بھی ایسا ہی کیا ہے اُس کے غسل کا پانی جو مستعمل ہو کر گرا ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اور ان دونوں کے پانی میں فرق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر شرعی طور پر نہائے کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن ظاہر پر پانی بہ جائے اور حلق کی جڑ تک سارا منہ اور ناک کے نرم بانسے تک ساری ناک دُھل جائے تو کافر کی جنابت اُتر جائے گی ورنہ نہیں،

فی التنویر والدر والشامی یجب علی من اسلم جنبا اوحائضا والا بان اسلم طاهرا[1] (ای من الجنابۃ والحیض والنفاس ای بان کان اغتسل) فمندوب انتہی[2] ملخصا۔

تنویر، در اور شامی میں ہے کہ واجب ہے اس شخص پر جو اسلام لایا جنابت کی حالت میں یا عورت اسلام لائی حیض کی حالت میں، ورنہ اگر پاکی کی حالت میں اسلام لایا (یعنی جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونے کی حالت میں، اگر ناپاک تھا تو غسل کرلیا) تو مندوب ہے انتہی ملخصا۔ (ت)

اکثر جسم پر پانی بہ جانا اگرچہ کفار کے نہانے میں ہوتا ہو اور بے تمیزی سے منہ بھر کر پانی پینے میں سارا منہ بھی حلق تک دُھل جاتا ہو مگر ناک میں پانی بے چڑھائے ہرگز نہیں جاتا اور خود ایسا کیوں کرتے کہ پانی سُونگھ کر چڑھائیں لہٰذا اس چھپ چھپ کر لینے سے جو کفار کر لیا کرتے ہیں اُن کا غسل نہیں اُترتا۔ ع

ہرچہ شوئی پلید تر باشد

فی الحلیۃ عن السیر الکبیر للامام محمد ینبغی للکافر اذا اسلم ان یغتسل غسل الجنابۃ ولا یدرون کیفیۃ الغسل[3] اھ وفیہا عن الذخیرۃ الاتری ان فرضیۃ المضمضۃ و الاستنشاق خفیت علی کثیر من العلماء

حلیہ میں امام محمد کی سیر کبیر سے منقول ہے کہ اگر کافر اسلام لائے تو اس پر لازم ہے کہ غسل جنابت کرے اور وہ غسل کی کیفیت نہیں جانتے اھ اور اس میں ذخیرہ سے منقول ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت بہت سے علماء پر مخفی

---

[1] الدر المختار موجبات الغسل مجتبائی دہلی ۱/۳۲

[2] رد المحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۴

[3] حلیہ

فکیف علی الکفار[1]۔ رہی تو کافروں کا کیا کہنا۔ (ت)

نمازی محتاط مسلمان کے غسل کا پانی پاک ہے اگرچہ دوبارہ اُس سے غسل یا وضو نہیں ہوسکتا مگر وہ خود پاک ہے کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو نماز جائز ہے اور دھونے کی حاجت نہیں اور جس کے بدن پر نجاست لگی ہونا تحقیق ہو اُس کے بدن کا پانی نجس ہے اور تحقیق نہ ہو تو بے نمازی بے احتیاط کے آبِ وغسل میں شُبہ ہے اُس سے بچنا اولٰی ہے نہ کہ کافر کہ اُن کے تو پاجاموں رانوں میں چھٹنکیوں پیشاب ہوتا ہے ان کا آبِ غسل مکروہ ہے پھر بھی ناپاکی کا حکم نہ دیں گے جب تک تحقیق نہ ہو کما حققناہ فی الاحلی من السکر واللہ تعالٰی اعلم (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ احلی من السکر میں اس کی تحقیق کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۷۴ مسئولہ شیخ شوکت علی صاحب ۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۲ ہجریہ قدسیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ جھُوٹا ہندو یا نصرانی وغیرہ کا پاک ہے یا ناپاک؛ اُس کے کھانے کا کیا حکم ہے اگر کوئی کافر سہواً یا قصداً حقہ یا پانی پی لے تو اس کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

حکم اللہ ورسول کے لیے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نصرانی کے کھانے سے ممانعت فرمائی، سُنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومصنف ابوبکر بن ابی شیبہ ومسند امام احمد میں ھُلب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

واللفظ لابی بکر قال رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن طعام النصارٰی فقال لایتخلجن فی صدرک طعام ضارعت فیہ نصرانیۃ[2]۔

الفاظ ابی بکر کے ہیں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ طعام نصرانی سے نہی فرمائی اور ارشاد کیا زنہار تیرے سینے میں وہ کھانا جنبش نہ کرے جس میں نصرانیت کا اشتراک ہو۔

اقول بھذا اللفظ اوردہ الامام الجلیل السیوطی فی الجامع الکبیر وقال حسن اھ وھو صریح فی رد مازعم الھروی فی تاویل الحدیث انہ نظیف کما نقلہ عنہ

اقول، انہی الفاظ سے اس کو امام سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیا اور حسن کہا اھ اور یہ ہروی کی واضح تردید ہے انھوں نے حدیث کی تاویل کی کہ یہ صاف ستھرا ہے، یہ مجمع البحار میں اُن سے منقول ہے

---

[1] حلیہ

[2] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ التقذر للطعام مجتبائی لاہور ۲/ ۵،

فی مجمع البحار ثم ردہ بقولہ وسیاق الحدیث لایناسبہ اھ[1]

پھر انھوں نے اس کو اپنے اس قول سے رد کیا اور حدیث کا سیاق اس کے مناسب نہیں۔ (ت)

اقول وایضا[ف1] یبعد ما نقلہ عن الطیبی من تفسیرہ بقولہ شابھت النصرانیۃ والرھبانیۃ فی تشدیدھم وتضییقھم وکیف وانت علی الحنفیۃ السھلۃ اھ[2] کیف وھذا لایلایم النھی۔

میں کہتا ہوں یہ بھی بعید ہے کہ انھوں نے طیبی سے اس کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ یہ نصرانیت اور رہبانیت کے مشابہ ہے ان کی شدت اور سختی میں اور تم دین حنیف پر ہو جو سہل اور آسان ہے اھ کیسے اور یہ نہی کے مناسب نہیں۔ (ت)

اقول وکذا[ف2] یبعد ما فھم منہ ابوداود اذ اوردہ فی باب کراھیۃ التقذر للطعام وانما تأتی لہ ذلک لان لفظ روایتہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسألہ رجل فقال ان من الطعام طعاما اتحرج منہ فقال لایتخلجن فی صدرک شیئ ضارعت فیہ النصرانیۃ اھ[3] فھذا اللفظ محتمل والذی ذکرناہ نص صریح فتثبت وباللہ التوفیق ورحم اللہ الامام اباحاتم الرازی حیث یقول ما کنا نعرف الحدیث مالو نکتبہ من ستین وجھا۔

میں کہتا ہوں اسی طرح وہ بھی بعید ہے جو ابوداؤد نے اس سے سمجھا ہے کیونکہ انھوں نے اس کو باب کراہیۃ التقذر الطعام میں وارد کیا ہے، اور انھوں نے ایسا اس لیے کیا ہے کیونکہ ان کی روایت کے لفظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، اور آپ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان کھانوں میں سے ایک کھانا ایسا ہے جس سے میں حرج محسوس کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا تمہارے دل میں کوئی ایسی چیز خلش پیدا نہ کرے جو نصرانیت کے ساتھ ملی ہے اھ اب ان الفاظ میں احتمال ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صریح نص ہے، اور اللہ ابوحاتم الرازی پر رحم فرمائے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک حدیث کو نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ اس کو ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیں۔ (ت)

ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] مجمع البحار لفظ ضرع منشی نولکشور لکھنؤ ٢/٢٨٨

[2] طیبی شرح مشکوٰۃ

[3] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ التقذر الطعام مجتبائی دہلی ٢/١٠٥

قلت یا رسول اللہ انا نغزو ارض العدو فنحتاج الی اٰنیتھم فقال استغنوا عنھا ما استطعتم فان لم تجدوا غیرھا فاغسلوھا و کلوا منھا واشربوا[1]۔ اوردہ الامام فی الجامع وعزاہ لابن ابی شیبۃ۔

میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دشمن کے ملک میں جہاد کو جاتے ہیں اُن کے برتنوں کی حاجت پڑتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک بن پڑے اُن برتنوں سے دُور رہو اور اگر اور برتن نہ ملے تو انھیں دھو کر پاک کرلو اس کے بعد ان میں کھاؤ پیو۔

اقول قد رواہ احمد والبخاری و مسلم وابوداود والترمذی واٰخرون وفی لفظ للترمذی قال انقوھا غسلا[2]۔

میں کہتا ہوں احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور دوسروں نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی کا لفظ فاغسلوھا کی جگہ **انقوھا** غسلا ہے۔ (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

انما المشرکون نجس[3]۔ کافر نرے ناپاک ہیں - یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے پھر اگر شراب وغیرہ نجاستوں کا اثر ان کے منہ میں باقی ہو تو ناپاکی ظاہری بھی موجود ہے اور اس وقت ان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کُتے کا، بلکہ اُس سے بھی بدتر لخلاف مالک فی الکلب (کیونکہ کتے کے بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ت) اور حُقے وغیرہ جس چیز کو اُن کا لعاب لگ جائیگا ضرور ناپاک ہو جائے گی۔

تنویر الابصار میں ہے:

سؤر شارب خمر فور شربھا وھرۃ فور اکل فارۃ نجس[4]۔

شرابی کا شراب پینے کے بعد فوری جھوٹا اور بلّی کا چوہا کھانے کے بعد فوری جھوٹا نجس ہے۔ (ت)

ہنود و نصارٰی وغیرہم اکثر شراب خور ہوتے ہیں اور مونچھیں بڑھانا اُن کا شعار اور شراب خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی تو جب تک مونچھ دُھل نہ جائے گی پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کر دے گی، درمختار میں ہے:

لو شاربہ طویلا لایستوعبہ اللسان فنجس

اگر شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں کہ زبان ان تک

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ — الاکل فی اٰنیۃ الکفار — ادارۃ القرآن کراچی — ۸/۹۷

[2] جامع للترمذی — " — امین کمپنی دہلی — ۲/۲

[3] القرآن ۹/۲۸

[4] الدرالمختار — فصل فی البئر — مجتبائی دہلی — ۱/۳۰

ولو بعد زمان[1] — نہ پہنچ سکے تو اس کا جھوٹا نجس ہے اگرچہ وہ طویل وقت کے بعد پانی پیئے۔ (ت)

اور اگر ظاہری نجاستوں سے بالکل جُدا ہو جس کی اُمید کافروں میں بہت کم ہے تو اس کے جھوٹے کو اگرچہ کُتّے کے جھوٹے کی طرح صریح ناپاک نہ کہا جائے۔

فی التنویر والدر سؤر ادمی مطلقا ولو جنبا او کافرا طاهر الفم طاهر[2] اھ مختصرا۔

تنویر اور در میں ہے آدمی کا جھوٹا چاہے وہ جنبی ہو یا کافر ہو پاک ہے کیونکہ منہ پاک ہے۔ مختصراً (ت)

اقول مگر ہر چیز کہ ناپاک نہ ہو طیب و بے دغدغہ ہونا ضرور نہیں رینٹھ بھی تو ناپاک نہیں پھر کون عاقل اُسے اپنے لب و زبان سے لگانا گوارا کرے گا کافر کے جھوٹے سے بھی بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے اور یہ نفرت اُن کے ایمان سے ناشئ ہے۔

وفی رفعه عن قلوبهم اسقاط شناعة الكفرة عن اعينهم او تخفيفها وذلك غش بالمسلمين وقد صرح العلماء كما فی العقود الدرية وغيرها ان المفتی انما يفتی بما يقع عنده من المصلحة ومصلحة المسلمين فی ابقاء النفرة عن الكفرة لا فی القائها[3]۔

اور اس کو ان کے دلوں سے اٹھانے میں کافروں کی بُرائی کو ان کی نگاہوں میں ختم کرنا ہے یا کم کرنا ہے، اور یہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ عقود الدریۃ وغیرہا میں ہے کہ مفتی کو وہی فتوٰی دینا چاہیے جس میں اس کے نزدیک مصلحۃ ہو اور مسلمانوں کی مصلحۃ اس میں ہے کہ ان کے دلوں میں کافروں سے نفرت باقی رہے نہ یہ کہ نفرت ختم ہو جائے۔ (ت)

جو شخص دانستہ اُس کا جھُوٹا کھائے پیئے مسلمان اُس سے بھی نفرت کرتے ہیں وہ مطعون ہوتا ہے اُس پر محبتِ کفار کا گمان جاتا ہے اور حدیث میں ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فلا يقفن مواقف التهم[4]۔

جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔

متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وما یسوء الاذن[5] اُس بات سے بچ جو کان کو بُری لگے

---

[1] الدرالمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] ایضاً

[3] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۴

[4] مراقی الفلاح مع الطحطاوی قبیل باب سجود السہو نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۴۹

[5] مسند امام احمد عن ابی الغادیۃ بیروت ۴/۷۱

رواه الامام احمد عن ابی العادیة والطبرانی فی الکبیر وابن سعد فی الطبقات والعسکری فی الامثال وابن مندة فی المعرفة والخطیب فی المؤتلف کلهم عن ام العادیة عمة العاص بن عمرو الطفاوی وعبد الله بن احمد الامام فی زوائد المسند وابو نعیم و ابن مندة کلاهما فی المعرفة عن العاص المذکور مرسلا وابو نعیم فیها عن جبیب بن الحارث رضی الله تعالٰی عنهم۔

اس کو امام احمد نے ابو العادیہ سے روایت کیا اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن سعد نے طبقات میں اور عسکری نے امثال میں اور ابن مندہ نے معرفہ میں اور خطیب نے مؤتلف میں، ان سب نے اُم عادیہ، عاص بن عمرو طفاوی کی پھوپھی سے روایت کی، اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، اور ابو نعیم اور ابن مندہ نے دونوں نے معرفہ میں عاص مذکور سے مرسلاً روایت کی، اور ابو نعیم نے معرفہ میں جبیب بن حارث سے روایت کی۔ (ت)

نیز بہت حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وکل امر یعتذر منه[1] ہر اس بات سے بچ جس میں عذر کرنا پڑے۔

رواه ایضا فی المختارة والدیلمی کلاهما بسند حسن عن انس والطبرانی فی الاوسط عن جابر وابن منیع ومن طریقه العسکری فی امثاله والقضاعی فی مسنده معاً و البغوی ومن طریقه الطبرانی فی اوسطه و المخلص فی السادس من فوائده وابو محمد الابراهیمی فی کتاب الصلاة وابن النجار فی تاریخه کلهم عن ابن عمر والحاکم فی صحیحه والبیهقی فی الزهد والعسکری فی الامثال وابو نعیم فی المعرفة عن سعد بن ابی وقاص واحمد وابن ماجه وابن عساکر عن ابی ایوب الانصاری کلهم رافعیه

اس کو بھی مختارہ اور دیلمی میں دونوں نے بسندِ حسن روایت کیا انس سے اور طبرانی نے اوسط میں جابر سے اور ابن منیع نے اور عسکری نے امثال میں اور قضاعی اپنی مسند میں ابن منیع کی سند سے ایک ساتھ اور بغوی نے اور اس کی سند سے طبرانی نے اپنی اوسط میں اور مخلص چھٹے فائدہ میں، اور ابو محمد ابراہیمی نے کتاب الصلوٰۃ میں اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں، سب نے ابن عمر سے، اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے الزہد میں اور عسکری نے امثال میں اور ابو نعیم نے المعرفۃ میں سعد بن ابی وقاص سے اور احمد و ابن ماجہ اور ابن عساکر نے ابو ایوب الانصاری سے، ان

---

[1] جامع الصغیر مع فیض القدیر ٣/ ١٢٧

الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والبخاری فی تاریخہ والطبرانی فی الکبیر وابن مندۃ عن سعد بن عمارۃ من قولہ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔

تمام حضرات نے اس کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رفع کیا ہے، اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندہ نے سعد بن عمارۃ سے۔ انہی کا قول نقل کیا، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم:

بشروا ولا تنفروا[1]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بشارت دو اور وہ کام نہ کرو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔ اسے احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

پھر اُس میں بلاوجہ شرعی فتح باب غیبت ہے اور غیبت حرام فما ادی الیہ فلا اقل ان یکون مکروھا (تو جو اس تک پہنچائے وہ کم از کم مکروہ ضرور ہوگا۔ ت) تو دلائل شرعیہ واحادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ کافر کے جھوٹے سے احتراز ضرور ہے اور اس باب میں یہاں نصارٰی کا حکم بہ نسبت ہنود کے بھی سخت تر ہے کہ وجوہ کثیرہ مذکورہ میں دونوں شریک اور نصارٰی میں یہ امر زائد کہ یہاں ان کی سلطنت ہونے کے باعث مذہبی نفرت کی کمی میں تبدیل دین یا کم از کم ضعف ایمان کا وہ اندیشہ بہ نسبت ہنود کہیں زیادہ ہے۔

فمن الجھل التمسک ھنا بما فی الصدر الاول اذ کانوا اذلاء مقھورین تحت ایدینا فکان فی نفرتیبھم منا تقریبھم الی الاسلام والاٰن قد انعکس الامر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ وقد کانت نساء ذوی الھیاٰت یحضرن لیلا ونھارا الجماعات، ونھی عنہ الائمۃ الاثبات، مع قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتمنعوا اماء اللہ مساجد[2] اللہ وکم من حکم یختلف باختلاف الزمان،

یہاں یہ امر جہالت ہوگا کہ اس چیز سے استدلال کیا جائے جو صدر اول میں تھی کیونکہ اس زمانہ میں وہ کمزور تھے اور ہمارے ماتحت تھے اس لیے ان کو اپنے قریب کرنے سے ان کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دینا مقصود تھی اور اب تو معاملہ ہی الٹ ہوگیا ہے، ایک زمانہ تھا کہ باعزت لوگوں کی عورتیں دن اور رات دونوں اوقات میں جماعات میں حاضر ہوتی تھیں، مگر ائمہ کرام نے اب اُن کے آنے کی ممانعت کر دی ہے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اللہ

---

[1] جامع للبخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

[2] مسند امام احمد عن ابن عمر بیروت ۲/۱۶

بل والمکان، کما تشھد بہ فروع جمۃ فی کتب الائمۃ، وھذا ماعندی وبہ افتیت مرارا واللہ ربی علیہ معتمدی، والیہ مستندی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، اور بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کے اختلافات سے مختلف ہوتے ہیں بلکہ امکنہ کے اختلاف سے بھی مختلف ہوتے ہیں جیساکہ کتبِ ائمہ میں بہت سی فروع اس پر شاہد ہیں میرے نزدیک یہی ہے اسی پر میں نے کئی مرتبہ فتوٰی دیا ہے اللہ میرا رب ہے اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف سہارا ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۸ از کانپور محلہ بوچڑ خانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جبشانی طالب علم مدرسہ فیض عام ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ ماجوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی۔ حقہ کا پانی پاک ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قطعاً پاک ہے پانی پاک تمباکو پاک اُسکا دُھواں پاک، پاک چیز سے پاک پانی کا رنگ مزہ بُو بدل جانا اُسے ناپاک نہیں کرسکتا یہاں تک کہ مذہب صحیح میں نہ صرف طاہر بلکہ مطہر وقابل وضو رہتا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے وضو کرے وضو ہوجائیگا اگرچہ بوجہ بُو مکروہ ہے یہاں تک کہ جب تک اُس کی بُو باقی ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شامل ہونا منع ہوگا پھر بھی اگر سفر میں ہو اور وضو کو پانی کم تھا کہ مثلاً ایک یا دونوں پاؤں دھونے سے رہ گئے اور حقے میں پانی ہے جس سے وہ کمی پُوری ہوسکتی ہے تو اس صورت میں تیمم جائز نہ ہوگا نماز باطل ہوگی بلکہ اُسی پانی سے وضو کی تکمیل لازم ہوگی لانہ یجد ماء وانما یقول اللہ تعالٰی ولم تجدوا ماءً[1] (کیونکہ وہ پانی کو پا رہا ہے جبکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔ ت)

درمختار میں ہے:

یجوز بماء خالطہ طاھر جامد کفاکھۃ وورق شجر وان غیر کل اوصافہ فی الاصح ان بقیت رقتہ واسمہ[2] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

اُس پانی میں وضو جائز ہے جس میں کوئی خشک پاک چیز مل گئی ہو، جیسے میوہ اور درخت کے پتے، خواہ اُس نے اُس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو، اصح یہی ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کی رقت اور اُس کا نام باقی رہے ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن ۴/۴۳

[2] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

فتوٰی مسمّٰی بہ

۳۲

رحب الساحۃ فی میاہ لایستوی وجھھا وجوفھا فی المساحۃ ۱۳

ان پانیوں کے بارے میں میدان وسیع کرنا جن کی سطح اور گہرائی پیمائش میں برابر نہ ہو (ت)

مسئلہ ۴۹

۴ جمادی الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں **سوال اوّل** حوض نیچے دَہ در دَہ اور اوپر کم ہے بھرے ہوئے میں نجاست پڑی تو سب ناپاک ہوگیا یا صرف اوپر کا حصّہ جہاں تک سو ہاتھ سے کم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

بعض کے نزدیک اصلاً ناپاک نہ ہوگا کہ مجموع آب کثیر ہے۔

اقول ویشبہ ان یکون مبنیا علی اعتبار العمق وقد صححہ بعضھم والمعتمد المعول علیہ لا۔

میں کہتا ہُوں یہ گہرائی کے اعتبار پر مبنی ہے اور بعض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر اعتماد نہیں ہے۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

الحوض الکبیر اذا انجمد ماؤہ فنقب انسان نقبا وتوضأ منہ ان کان الماء منفصلا عن الجمد یجوز وانکان متصلا بالجمد اختلف المشایخ فیہ بعضھم اعتبر واجملۃ الماء حتی لایتنجس وبعضھم اعتبروا موضع النقب ان کان کبیرا یجوز والا فلا۔[1]

بڑے حوض کا پانی جب جم جائے اور کوئی اس میں سوراخ کرکے وضو کرلے تو پانی اگر برف سے الگ ہے تو جائز ہے اور اگر برف سے متصل ہے تو مشایخ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے تمام پانی کا اعتبار کیا یہاں تک کہ وُہ نجس نہ ہوگا، اور بعض نے سوراخ کی جگہ کا اعتبار کیا، اگر وُہ بڑا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

بعض کے نزدیک کل ناپاک ہوجائے گا۔

اقول وکانہ لانہ ماء واحد والعبرۃ بوجہ الماء وھو قلیل لا بالعمق وان کثر۔

میں کہتا ہُوں اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک پانی ہے اور اعتبار پانی کی سطح کا ہے اور وہ قلیل ہے، عمق کا اعتبار نہیں، خواہ زائد ہی کیوں نہ ہو۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

خلاصہ میں ہے:

ان کان اعلاہ اقل من عشر فی عشر و اسفلہ عشر فی عشر فوقعت قطرۃ خمر ثم انتقص الماء وصار عشرا فی عشر اختلف المشایخ فیہ[1]۔

اگر اس کا بالائی حصہ دہ در دہ سے کم ہے اور نچلا دہ در دہ ہو اب اس میں ایک قطرہ شراب کا گرجائے پھر پانی کم ہوجائے اور دہ در دہ ہوجائے، تو اس میں مشایخ کا اختلاف ہے۔ (ت)

بدائع میں اوّل کو اوسع ثانی کو احوط فرمایا اور غنیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی دوم پر فتوی ہے:

حیث قال الحوض اذا انجمد ماؤہ فنقب فی موضع منہ فوقعت فیہ نجاسۃ قال نصیر و ابوبکر الاسکاف یتنجس وقال عبداللہ بن المبارك وابوحفص الکبیر البخاری لایتنجس اذا کان الماء تحت الجمد عشرا فی عشر و ان کان متصلا بالجمد والفتوی علی قول نصیر وابی بکر وان کان منفصلا عن الجمد یجوز بلاخلاف کالحوض المسقف[2] اھ واعترضہ شارحہ المحقق ابن امیر الحاج بانہ یفید ان الحوض عند نصیر وابی بکر یتنجس سواء کان الماء ملتزقا بالجمد او متسفلا عنہ ثم ینافیہ قولہ وان کان منفصلا یجوز بلاخلاف فان قلت لم لا یحمل ما عن نصیر وابی بکر علی ما اذا کان متصلا بالجمد و قد اندفع التناقض عن المصنف قلت لانہ ینافیہ قولہ فان کان متصلا بالجمد

انہوں نے فرمایا کہ حوض کا پانی جم جائے اور اس میں کسی جگہ سوراخ کیا جائے اور اس میں نجاست گرجائے تو نصیر اور ابوبکر الاسکاف نے فرمایا وہ ناپاک ہوجائیگا، اور عبداللہ بن مبارک اور ابوحفص کبیر نے فرمایا کہ اگر برف کے نیچے پانی دہ در دہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا، اگرچہ برف سے متصل ہو، اور فتوی نصیر اور ابوبکر کے قول پر ہے اور اگر برف سے جُدا ہو تو بغیر اختلاف کے جائز ہے جیسے وہ حوض جس کے اوپر چھت ہو اھ اس پر اس کے شارح محقق ابن امیر الحاج نے اعتراض کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض نصیر اور ابوبکر کے نزدیک نجس ہوجاتا ہے خواہ پانی برف سے ملا ہوا ہو یا اس کے نیچے ہو، پھر اس کے مخالف ہے اُن کا قول کہ اگر منفصل ہو تو جائز ہے بلاخلاف۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو نصیر اور ابوبکر سے منقول ہے اسکو اس پر کیوں محمول نہیں کیا گیا کہ یہ اُس صورت میں ہے جبکہ وہ برف سے متصل ہو اور تناقض مصنف سے رفع ہوگیا، میں

---

[1] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] غنیۃ المستملی فصل الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۰

فالفتوی علی قول نصیر فانه یفید ان موضوع المسألة اعم وان نصیرًا وابابکر یقولان ینجس مطلقا وابن المبارك وابا حفص یقولان لاینجس مطلقا فتأمله[1] اھ

کہوں گا، اس لیے کہ اس کے منافی اس کا قول کہ اگر برف کے ساتھ متصل ہو تو فتوی نصیر کے قول پر ہوگا، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع مسئلہ اعم ہے اور یہ کہ نصیر اور ابوبکر دونوں کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً نجس ہوگا، اور ابن مبارک اور ابوحفص کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً نجس نہیں ہوگا فتأمله اھ۔ (ت)

اقول [ف] رحم الله المحقق لاشك ان اول الکلام فی المتصل یوضحه ما فی البدائع ان کان جامدا ونقب فی موضع منه فان کان الماء غیر متصل بالجمد یجوز بلا خلاف وان متصلا والنقب صغیرا اختلف المشایخ قال نصیر بن یحیی وابوبکر الاسکاف لاخیر فیه وسئل ابن المبارك فقال لاباس به وقال الیس الماء یضطرب تحته وھو قول الشیخ ابی حفص الکبیر وھذا اوسع والاول احوط اھ[2] وقد نقله المحقق فی الحلیة ھھنا۔

میں کہتا ہوں اللہ محقق پر رحم کرے بیشک کلام کا ابتدائی حصہ متصل میں ہے اس کی وضاحت بدائع میں ہے، اور وہ یہ کہ اگر وہ جامد ہو اور اس کے کسی حصہ میں سوراخ کرلیا گیا ہو تو اگر پانی برف سے ملا ہوا نہ ہو تو بلاخلاف جائز ہے اور اگر متصل ہو اور سوراخ چھوٹا ہو تو مشایخ کا اختلاف ہے، نصیر بن یحیی اور ابوبکر الاسکاف فرماتے ہیں اس میں خیر نہیں اور ابن مبارک سے دریافت کیا گیا تو فرمایا اس میں حرج نہیں، نیز فرمایا کیا اس کے نیچے پانی میں حرکت نہیں ہوتی ہے اور یہی ابوحفص کبیر کا قول ہے اور یہ زیادہ آسان ہے جبکہ پہلے میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے اھ اور محقق نے اس کو یہاں حلیہ میں نقل کیا۔ (ت)

اقول [ف۲] ولولا ھذا لم یکن له محمل الا ذاك لان الذھن لایسبق منه الا الیه اذ ھو الغالب ونادر ان ینجمد الاعلی ویبقی الاسفل منفصلا عنه الا اذا نقب واستفرغ منه شیئ صالح

میں کہتا ہوں اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کا محمل یہی ہوتا، کیونکہ ذہن کی سبقت اسی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ غالب یہی ہے اور یہ نادر ہے کہ اوپر والا منجمد ہوجائے اور نیچے والا اس سے جدا رہے، ہاں اگر اس میں سوراخ کرکے قابلِ لحاظ حد تک پانی نکال لیا جائے تو جدا ہوسکتا ہے۔

ومارد به علیه من المنافاة۔

اور جس چیز سے اس پر رد کیا ہے یعنی منافات،

فاقول [ف۳] غیر متوجه الیه فان قوله

تو میں کہتا ہوں یہ ان کی طرف متوجہ نہیں کیونکہ

---

[1] حلیہ

[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

"وان کان متصلا بالجمد" لیس شرطا جزاؤہ فالفتوی حتی یفید ان کلام نصیر و ابی بکر فیما ہو اعم من الاتصال بل ہو من تتمۃ قول ابن المبارک وان وصلیۃ والفاء فی فالفتوی فصیحۃ والمعنی انہ ان انفصل عن الجمد جاز بلاخلاف وان اتصل فکذا عند عبد اللہ و ابی حفص وقال نصیر و ابوبکر لا وعلیہ الفتوی علی ان فی عامۃ نسخ المنیۃ وعلیہ الفتوی بالواو دون الفاء وقولہ فان کان متصلا لیس بالفاء فی نفس المتن المنقول فی الحلیۃ فانقطع منشاء التوہم راسا ثم رأیت الغنیۃ فسرہ علی ما ہو الحق وافاد فائدۃ اخری ستعرفہا۔

ان کا قول "وان کان متصلاً بالجمد" شرط نہیں جس کی جزا فالفتوی ہو تاکہ اس کا فائدہ یہ ہو کہ نصیر اور ابوبکر کا اس میں کلام ہے جو اتصال سے اعم ہے بلکہ وہ ابن مبارک کے کلام کا تتمہ ہے اور "ان" وصلیہ ہے اور فالفتوی میں فاء فصیحیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر وہ برف سے جدا ہو تو بلا خلاف جائز ہے اور اگر متصل ہو تو اسی طرح عبداللہ اور ابو حفص کے نزدیک حکم ہے اور نصیر اور ابوبکر کہتے ہیں نہیں، اور اسی پر فتوی ہے، علاوہ ازیں منیہ کے عام نسخوں میں وعلیہ الفتوی واو کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں، اس کا قول فان کان متصلا نفس متن میں فاء کے ساتھ نہیں جو حلیہ میں منقول ہے، تو وہم کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ پھر میں نے غنیہ میں دیکھا کہ انھوں نے اس کی حق تفسیر کی، اور ایک اور فائدہ بیان کیا جو ہم آیندہ بیان کریں گے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ صرف وہی بالائی حصہ ناپاک ہوگا جو دَہ دردَہ سے کم ہے یہاں تک کہ اگر اوپر کا پانی نکال دیا گیا اور آب وہاں تک رہ گیا جہاں سے دَہ دردہ ہے تو یہ پانی پاک ہے اس لیے کہ اگرچہ وہ آب نجس سے متصل تھا مگر آب کثیر اتصال نجس سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ بدل نہ جائے۔ ہندیہ میں ہے:

ان کان اعلی الحوض اقل من عشر فی عشر واسفلہ عشر فی عشر او اکثر فوقعت نجاسۃ فی اعلی الحوض وحکم بنجاسۃ الاعلی ثم انتقص الماء وانتہی الی موضع ہو عشر فی عشر فالاصح انہ یجوز الوضوء بہ والاغتسال فیہ[1]

اگر حوض کا بالائی حصہ دَہ دردَہ سے کم ہو اور اس کا نچلا حصہ دہ دردہ ہو یا زیادہ ہو اور نجاست حوض کے اوپر والے حصے میں گر جائے، اور اوپر والے حصہ کے نجس ہونے کا حکم کر دیا جائے، پھر پانی گھٹ جائے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جو دہ در دہ ہو تو اصح یہ ہے

---

[1] فتاوی ہندیہ الثانی الماء الراکد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹

كذا فی المحيط۔

کہ اس سے وضو اور غسل جائز ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وذکر السراج الهندی ان الاشبه الجواز۔[1]

اور سراج ہندی نے ذکر کیا ہے کہ اشبہ جواز ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

نص فی الذخیرة انه الاشبه۔[2]

ذخیرہ میں نص ہے کہ یہی اشبہ ہے۔ (ت)

فتوی کہ منیہ میں مذکور ہوا اُس سے بھی یہی مراد ہے کہ حصّہ بالائی کی نجاست پر فتوی ہے نہ کہ کل کی، غنیہ میں ہے:

(الحوض اذا انجمد ماؤه فنقب فی موضع) وبقی الماء تحت الجمد متصلا به (فوقعت فيه نجاسة قال نصير وابوبكر ينجس الماء) لكونه متصلا بالجمد فلا يخلص بعضه الى بعض فيكون وقوع النجاسة فی ماء قليل فيفسدہ (وقال ابن المبارك وابوحفص لا وان كان) ای ولو كان (الماء متصلا بالجمد) لكونه عشرا فی عشر (والفتوی علی قول نصير) لما قلنا (واما اذا كان) الماء تحت الجمد (منفصلا عنه (فيجوز) ولا يفسد الماء لان الفرض انه عشر فی عشر ولم تنفصل بقعة منه عن سائره كما فی الصورة الاولی۔

(حوض کا پانی جب جم جائے اور کسی جگہ سوراخ کیا جائے اور برف کے نیچے والا پانی اس کے ساتھ متصل رہے (تو اس میں نجاست گر گئی، تو نصیر اور ابوبکر نے فرمایا پانی نجس ہوجائیگا) کیونکہ وُہ برف کے ساتھ متصل ہے تو اس کا بعض حصہ دوسرے بعض کی طرف نہیں جائیگا اور اس طرح نجاست قلیل پانی میں گرے گی، اور اس کو فاسد کردے گی (اور ابن مبارک اور ابوحفص نے کہا نہیں اگرچہ وُہ ہو) یعنی برف پانی سے متصل ہو، کیونکہ وہ دہ دردہ ہے (اور فتوی نصیر کے قول پر ہے) جیسا کہ ہم نے کہا (اور اگر پانی ہو) برف کے نیچے جدا برف سے (تو جائز ہے) اور پانی فاسد نہ ہوگا کیونکہ مفروضہ یہ ہے کہ یہ دہ دردہ ہے اور اس کا کوئی حصہ باقی پانی سے جُدا نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔ (ت)

اسی طرح منیہ میں جو اس کے متصل تھا:

وان نقب الجمد فعلا الماء فولغ الكلب يتنجس عند عامة العلماء۔[3]

اور اگر برف میں سوراخ کیا تو پانی اوپر چڑھ آیا اس میں کُتّے نے منہ ڈال دیا تو عام علماء کے نزدیک نجس ہوجائیگا۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق، بحث الماء الدائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷ [2] حلیہ
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الحیاض ص ۹۹

دونوں شارح محقق نے اسے اُسی قدر پانی کی نجاست پر حمل فرمایا ہے غنیہ میں ہے:

(یتنجس عند عامة العلماء) ولم یعتبر الماء الذی تحت الجمد وکان ما فی الثقب کغیرہ من الماء القلیل خلافا لما قال البعض ان ما فی الثقب یعتبر متصلا بما تحتہ وھو کثیر فلا یتنجس[1]

(اور عام علماء کے نزدیک پانی نجس ہوجائے گا) اور جو پانی برف کے نیچے ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور جو سوراخ میں ہے وُہ تھوڑے پانی کی طرح ہے، لیکن بعض علماء نے اس کے خلاف یہ فرمایا ہے کہ جو سوراخ میں ہے وہ اسی طرح ہے جو اس کے نیچے ہے اور وہ کثیر ہے تو ناپاک نہ ہوگا۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

(یتنجس عند عامة العلماء) ذلك الماء الذی فی الثقب لا الحوض لان المسألة مفروضة فی الحوض الکبیر[2]

(عام علماء کے نزدیک نجس ہوجائے گا) وُہ پانی جو سوراخ میں ہے نہ کہ حوض میں کیونکہ مسئلہ بڑے حوض میں مفروض ہے۔ (ت)

یہاں سے یہ بھی ظاہر ہُوا کہ یہی مذہب جمہور علماء ہے،

وھنا بحث غریب للخانیة ثم للخلاصة و اللفظ لھا قال اختلف المشایخ فیہ وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان الماء الذی تنجس فی اعلی الحوض اکثر من الماء الذی فی اسفلہ و وقع الماء النجس فی اسفل الحوض علی التدریج کان طاھرا علی ما یاتی فی مسألة الجمد وقال بعضھم لا یطھر کالماء القلیل اذا وقعت فیہ نجاسة ثم انبسط علی ما مر[3] اھ والمراد بما یاتی فی الجمد

اور یہاں ایک عجیب بحث خانیہ اور خلاصہ کی ہے الفاظ خلاصہ کے ہیں فرمایا کہ مشایخ نے اس میں اختلاف کیا ہے، اور جواب میں تفصیل ہونی چاہئے، اگر وہ پانی جو حوض کے بالائی حصہ میں نجس ہوا ہے اس پانی سے زیادہ ہے جو اس کے نچلے حصے میں ہے، اور نجس پانی حوض کے نچلے حصے میں گرا بتدریج تو پاک رہے گا، جیسا کہ منجمد پانی کے بیان میں آئے گا، اور بعض نے فرمایا طاہر نہیں رہے گا جیسے قلیل پانی، جب اس میں نجاست گر جائے پھر وہ پھیل جائے، جیسا کہ گزرا اھ اور ما یاتی فی الجمد سے

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۰

[2] حلیہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

قوله رحمه الله تعالی لو تنجس موضع النقب ثم ذاب الجمد بتدريج الماء نجس وقال الشيخ الامام شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالی الماء طاهر سواء ذاب بتدريج او دفعة واحدة[1] اھ۔

مراد ان کا قول ہے کہ "اگر سوراخ کی جگہ نجس ہوئی پھر منجمد پانی بتدریج پگھل گیا تو پانی ناپاک ہے"، اور شیخ الامام شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا پانی پاک ہے خواہ بتدریج پگھلا ہو یا یک دم اھ (ت)

اقول وجه الاول وعليه المعول انه كلما ذاب شیئ منه اتصل بالنجس وهو قليل فيتنجس حتی تاتی النجاسة على الكل بخلاف ما اذا ذاب دفعة لانه كثير فلا يتنجس بمجاورة النجس ووجه قول شمس الائمة انه كثير وفيه ان النجس لا يطهر بالكثرة۔

میں کہتا ہوں پہلے قول کی وجہ جس پر اعتماد ہے کہ جب بھی اس سے کوئی چیز پگھلی اور نجس سے متصل ہوئی اور وہ قلیل ہو تو وہ نجس ہو جائے گا یہاں تک کہ کل نجس ہوگا بخلاف اس صورت کے جبکہ یکدم پگھل جائے کیونکہ وُہ کثیر ہے، لہذا نجس کی مجاورت کی وجہ سے نجس نہ ہوگا، شمس الائمہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ کثیر ہے، اور اس میں یہ اعتراض ہے کہ نجس کثرت کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا ہے۔ (ت)

اقول لکن فی قیاس مسألتنا علی مسألة الجمد نظر فان الطاهر ههنا ماء كثير فلا يضره مجاورة نجس سواء كانت دفعة او تدريجا وكان المجاور اكثر منه او اقل على خلاف ما يفيده تقييده بكثرة المتنجس[1] قدر الاساحة من قصر حكم الطهارة على ما لو كان اقل مما تحته قدرا فلا يتنجس ما تحته سواء وقع فيه دفعة او تدريجا بخلاف الاكثر وانت تعلم ان الماء الكثير انما يتنجس بتغير وصف له بالنجاسة بلا فرق

میں کہتا ہوں ہمارے مسئلہ کو منجمد پانی پر قیاس کرنے میں نظر ہے کیونکہ یہاں پاک پانی کثیر ہے تو اس کو نجس کی مجاورۃ نقصان دہ نہ ہوگی خواہ یکدم ہو یا بتدریج ہو اور مجاور اس سے زیادہ یا کم ہو، یہ اس کے خلاف ہے کہ جس کو متنجس کی کثرت کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی مقدار کے اعتبار سے نہ کہ پیمائش کے اعتبار سے، جس نے طہارت کے حکم کو اس صورت میں مقصور کیا کہ اگر وہ اپنے نیچے والے پانی سے کم ہو، تو اس کا نیچے والا ناپاک نہ ہوگا، خواہ اس میں وہ یک دم گرا ہو یا تدریجی طور پر بخلاف اکثر کے اور آپ کو معلوم ہے

---

[1] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

بین قدر وقدر علی القول الصحیح المعتمد
المفتی بہ کما عرف فی مسألۃ جیفۃ فی النھر
نعم مشی الشیخ علی مختارہ ثمہ حیث قال
ان کان ما یلاقی الجیفۃ اکثر او کانا
سواء فالماء نجس اھ والیہ یشیر قولہ الماء
النجس اذا دخل الحوض الکبیر لا یتنجس
الحوض وان کان الماء النجس علی ماء الحوض
غالبا لانہ کلما اتصل الماء بالحوض صار
ماء الحوض علیہ غالبا[1] اھ فقد[عـه] اشار الی

کہ کثیر پانی اسی وقت نجس ہوگا جب نجاست کی وجہ
سے اس کا کوئی وصف متغیر ہو جائے، اس میں
مقادیر کے طرق کا اعتبار نہیں، قول صحیح، معتمد
مفتی بہ یہی ہے، جیسا کہ نہر میں گر جانے والے مردہ
کے مسئلہ میں معلوم ہوا ہے البتہ شیخ نے وہاں اپنے مختار
قول ہی کو لیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو پانی مردار سے
ملاقی ہے، اگر وہ زائد ہے یا دونوں برابر ہیں تو پانی
نجس ہے اھ اور ان کے قول "نجس پانی جب بڑے
حوض میں داخل ہو جائے تو وہ حوض ناپاک نہ ہوگا"

عـه اقول وبما اشرنا الیہ اندفع ما جنح
الیہ فی الحلیۃ من اثبات التناقض بین
فرعی الخلاصۃ ھذین فان مقتضی الفرع
الاخیر طھارۃ السافل بلا تفصیل اھ بمعناہ
وذلک لان کلامہ فی ھذا الفرع یشیر
الی صورۃ التدریج فلا ینافی التفصیل
المذکور سابقا وکذا[2] اندفع بحثہ ترجیح الطھارۃ
مطلقا وان ذاب تدریجا حیث قال بعد
قول شمس الائمۃ قلت وھذا ھو المتجہ
بعد ان کان الحوض کبیرا ولم یظھر للنجاسۃ
اثر فیہ کما ھو فرض المسألۃ اھ اقول ماذا
ینفع کون متسع الحوض کبیرا بعد ان کان
الذائب من الجمد قلیلا فالعبرۃ للماء

میں کہتا ہوں ہم نے جس طرف اشارہ کیا ہے اس سے
حلیہ میں جو کہا ہے وہ رفع ہو گیا، حلیہ میں انہوں نے
خلاصہ کی اِن دو فرعوں کے درمیان تناقض ثابت
کیا ہے، کیونکہ آخری فرع کا مقتضٰی یہ ہے کہ نچلا
حصہ بلا تفصیل پاک ہے اھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
اُن کا کلام اس فرع میں تدریج کی صورت کی طرف اشارہ
کرتا ہے تو سابقہ تفصیل کے خلاف نہ ہوگا، اور اسی
طرح ان کی وہ بحث ساقط ہو گئی جس میں انہوں نے مطلقاً طہارت کو
ترجیح دی ہے اگرچہ وہ پگھلا ہو تدریجاً انہوں نے شمس الائمہ
کے قول کے بعد فرمایا "میں کہتا ہوں یہی معقول بات
ہے بشرطیکہ حوض بڑا ہو اور نجاست کا کوئی اثر ظاہر
نہ ہو، جیسے کہ مسئلہ میں مفروض ہے اھ
میں کہتا ہوں حوض کے بڑا ہونے کا ایسی صورت
(باقی برصفحہ آئندہ)

۱؎ خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر فی التوضی، الماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹
۲؎ خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاولٰی فی الحیض " ۱/ ۴

التدریج ولفظ الفتح فی تعلیله لان کل ما یتصل بالحوض الکبیر یصیر منه فیحکم بطهارته[1] اھ وفی البزازیة الماء الکثیر النجس دخل فی الحوض الکبیر لا ینجسه لانه حکم بالطهارة زمان الاتصال[2] اھ هذا اوجه وثانیا لا اثر لوقوع ماء نجس فی ماء طاهر الا اللقاء وهو حاصل فیما نحن فیه من بدو الامر ففیم التفصیل بخلاف مسألة الجمد فانه

اگرچہ نجس پانی حوض کے پانی پر غالب ہو جائے یہی اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ جونہی پانی حوض کے پانی سے ملے گا حوض کا پانی اس پر غالب ہوتا جائیگا اھ تو انھوں نے تدریج کی طرف اشارہ کیا ہے اور فتح نے اس کی تعلیل میں یہ فرمایا ہے "اس لیے کہ جو بڑے حوض سے ملے گا وہ اسی کا جز ہو جائیگا تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا اھ اور بزازیہ میں ہے کہ کثیر نجس پانی جب بڑے حوض میں داخل ہو جائے تو اس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لا للمحل والماء هو الذائب دون الجمد ثم استشهد علیه بفرع الخلاصة الاخیر وتعلیله بانه کلما اتصل بالحوض صار ماء الحوض علیه غالب قال بل هذا ابلغ کما هو غیر خاف فتنبه لذلك اھ اقول ذلك فی ماء نجس کثیر لقی ماء طاهرا کثیرا تدریجا وهذا ماء قلیل طاهر لقی ماء نجسا فاین هذا من ذلك وای مدخل فیه للابلغیة من حیث ان ثم الغالب النجس وههنا الطاهر بعد ان التدریج جعل ذلك الغالب مغلوبا کما افصح به فی الخلاصة وهذا المغلوب غالبا کما علمت والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفر له۔ (م)

میں کیا فائدہ جبکہ پگھلی ہوئی برف کم ہو کیونکہ اعتبار پانی کا ہے نہ کہ محل کا اور پانی تو پگھلا ہوا ہی ہے نہ کہ جمی ہوئی برف، پھر انھوں نے اس پر خلاصہ کی آخری فرع اور اس کی تعلیل سے استشہاد کیا، اور وہ یہ کہ جب وہ حوض سے ملے گا تو حوض کا پانی اس پر غالب ہو جائے گا، فرمایا یہ زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ مخفی نہ رہے، تو اس پر متنبہ ہونا چاہئے اھ

میں کہتا ہوں وہ کثیر نجس پانی میں ہے جو کثیر طاہر پانی سے ملاقی ہو اور یہ ملاقات تدریجاً ہو، اور یہ کم طاہر پانی ہے جس کی ملاقات نجس پانی سے ہوئی ہے تو اس میں اور اُس میں کیا نسبت ہے اور اس میں ابلغیۃ کو کیا دخل ہے کیونکہ وہاں غالب نجس ہے اور یہاں طاہر بعد اس کے کہ تدریج نے اُس غالب کو مغلوب کر دیا ہے جیسا کہ خلاصہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور اس مغلوب کو غالب کر دیا جیسا کہ آپ نے جانا ہے واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱

[2] بزازیۃ علی الھندیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

لانجماده لا لقاء مع النجس الا لسطح منه فالباقی اذا ذاب تدریجا حصل اللقاء للقلیل فتنجس الكثرة للمتنجس فلم يطهر واذا ذاب دفعة حصل اللقاء للكثير فلم تنجس **وثالثا** المعهود ههنا ان الماء العالی یرفع ويبقى السافل لا ان العالی يقع في السافل دفعة او تدريجا **ورابعا** اذا كان الماءان متلاصقين ولم يكن هذا اوقوع العالی في السافل لم يتصور الزيادة عليه الابوقوع العالی فی محل السافل ولا يكون الا بعد خروج السافل لاستحالة التداخل فلا يقع العالی فی السافل ابدا لا دفعة ولا تدريجا **وخامسا** لوفرض فلا يكون الا الخروج هذا ودخول ذاك والكل حركة فلا يمكن الا تدريجا كان يكون فی السافل منفذ يفتح فيجعل السافل يخرج والعالی ينزل ولا تصور لان يخرج السافل دفعة فيسقط العالی مرة واحدة و بالجملة لم يصل فهمي القاصر لمراده والله تعالی اعلم بمراد خواص عباده لا جرم ان قال فيه فی الدر[1] لو وقع فيه نجس لم يجز حتى يبلغ العشر فقال ش[2] فاذا بلغها جاز وان كان اعلاه اكثر مقدارا وفی البحر عن السراج الهندی انه الاشبه اھ ورحم الله

نجس نہیں کرے گا کیونکہ اتصال کے وقت اس پر طہارت کا حکم لگ چکا ہے اھ یہ معقول بات ہے۔

ثانیا نجس پانی کے پاک پانی میں پڑجانے کا کوئی اثر نہیں سوائے ملاقات کے، اور وہ ہمارے اس مسئلہ میں ابتداء سے حاصل ہے تو تفصیل کس چیز میں ہے، بخلاف منجمد پانی کے مسئلہ کے، کیونکہ یہ منجمد ہے اس لیے اس کی ملاقات نجس کے ساتھ نہ ہوگی صرف اس کی سطح ملے گی اور باقی جب تدریجی طور پر پگھلے گا تو اس کے تھوڑے سے جز سے ملاقات ثابت ہوگی، تو نجس ہوجائیگا، اور کثرہ تنجس کیلئے ہے تو پاک نہ ہوگا، اور جب یک دم پگھلے گا تو کثیر سے ملاقات ہوگی، تو ناپاک نہ ہوگا۔

ثالثا، معمول کے مطابق اوپر والا پانی اٹھا لیا جاتا ہے اور نیچے والا پانی باقی رہ جاتا ہے نہ یہ کہ اوپر والا نیچے والے میں گرتا ہے، کبھی یک دم اور کبھی تدریجی طور پر۔

رابعا، جب دونوں پانی ملے ہوئے ہوں اور اوپر والا نیچے والے میں نہ گرے تو اس پر زیادتی متصور نہ ہوگی صرف ایک صورت میں زیادتی ہوگی اور وہ یہ کہ اوپر والا نیچے والے کی جگہ میں گرے، اور یہ تب ہی ہوگا جبکہ نیچے والا نکلے، کیونکہ تداخل محال ہے، تو اوپر والا نیچے والے میں کبھی نہیں گرے گا، نہ یک دم اور نہ تدریجی طور پر۔

---

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[2] رد المحتار ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

العلامة الشلبی حیث نقل فی حاشیة الزیلعی کلام الخانیة الی ذکر القولین ورسم اھ ولم یعرج لذکر بحثہا اصلا واللہ تعالٰی اعلم۔

خامسًا گرنا فرض کیا جائے تو اس کے نکلنے اور اس کے داخل ہونے کی وجہ سے ہوگا اور یہ سب حرکت ہے، تو یہ صرف تدریجی طور پر ہی ہو سکتا ہے، مثلاً یہ کہ نچلے میں کوئی سوراخ ہو جس کو کھولا جائے تو نیچے والا نکلنے لگے اور اوپر والا اترنے لگے اور اس کا کوئی تصور نہیں کہ نیچے والا ایک دم نکلے اور اوپر والا یکدم گر جائے اور خلاصہ یہ کہ میں اپنی ناقص رائے میں ان کی مراد سمجھنے سے قاصر رہا ہوں اور اللہ تعالٰی اپنے خواص کی مراد کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا در میں ہے اگر اس میں نجس واقع ہو جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ دس کو پہنچ جائے، تو "نش" نے فرمایا جب وہ دس کو پہنچے تو جائز ہے اگرچہ اس کے اوپر والا مقدار میں زاید ہو، اور بحر میں سراج ہندی سے منقول ہے کہ یہی اقرب الی الحق ہے اھ اور اللہ تعالٰی علامہ شلبی پر رحم کرے کہ انھوں نے زیلعی کے حاشیہ میں خانیہ کا کلام نقل کیا قولین کے ذکر تک اور اھ کا نشان لگا دیا اور انکی بحث کا اصلاً ذکر نہ کیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال دوم

اسی صورت میں حوض کے بالائی حصے کے منتہے پر ایک نالی ہے جب یہ اوپر کا پانی ناپاک ہوا نالی کھول کر نکال دیا گیا صرف نیچے کا پانی جہاں سے دہ در دہ ہے رہ گیا پھر پاک پانی سے بھر دیا گیا تو اب یہ سب حوض پاک ہوگیا یا نہیں، اگر نہیں تو کیا کیا جائے کہ پاک ہو بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ناپاک پانی نکال دینے کے بعد اتنا انتظار کیا کہ حوض کی بالائی سطوح جو اُس پانی سے ناپاک تھیں خشک ہوکر پاک ہوگئیں اُس کے بعد پاک پانی بھرا گیا اور اُوپر[عہ] آجانے والی نجاست باقی نہیں تو سارا حوض پاک ہے ورنہ بالائی حصہ پھر ناپاک ہوگیا، ردالمحتار میں ہے:

لوکانت النجاسة مرئیة باقیة فیه او امتلأ قبل جفاف اعلی الحوض تنجس[1]۔

اگر حوض میں نجاست مرئیہ باقی رہے یا بھر جائے حوض کا اعلٰی حصہ خشک ہونے سے پہلے تو نجس ہوجائے گا۔ (ت)

عہ توضیح جواب سوم سے ہوگی خلاصہ یہ کہ تہ نشین نجاست اوپر آئے گی نہیں اور پانی ملے گا آب زیریں سے جو بوجہ کثرت ناپاک نہیں اور اوپر آنے والی اگر غیر مرئیہ تھی یا مرئیہ نکال دی گئی گروہ بھی غیر مرئیہ رہ گئی تو ناپاک پانی کے ساتھ نکل گئی ہاں مرئیہ باقیہ ہے تو پھر ناپاک کر دے گی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۳

جارہ کاریہ ہے کہ نجاست مذکورہ نکال کر پاک پانی ڈالتے جائیں یہاں تک کہ کناروں سے چھلک کر کچھ دور بہ جائے اب وہ حوض کے کنارے بھی پاک ہو گئے اور یہ سب پانی بھی۔ درمختار میں ہے:

المختار طھارۃ المتنجس بمجرد جریانہ[1]۔ مختار مذہب پر نجس حوض صرف پانی کے جاری ہونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

یطھر الحوض بمجرد ما یدخل الماء من الانبوب و یفیض من الحوض ھو المختار لصیرورتہ جاریا[2]۔ مختار قول میں صرف نالی کے ذریعہ پانی داخل ہونے اور حوض سے بہہ جانے سے حوض پاک ہو جاتا ہے کیونکہ اب پانی جاری ہو چکا ہے۔ (ت)

فتاوی امام ظہیر الدین میں ہے:

الصحیح انہ یطھر وان لم یخرج مثل ما فیہ وان رفع انسان من ذلک الماء الذی خرج وتوضأ بہ جاز[3] اھ ذکرہ ش واقوالا اُخر وروایات مضطربۃ سیأتی الکلام علیھا واللہ تعالٰی اعلم۔ صحیح قول پر حوض پاک ہو جائیگا اگرچہ اتنا پانی خارج نہ ہوا ہو جتنا اس میں ہے اگر کوئی آدمی وہ پانی اٹھائے جو خارج ہو چکا ہے اور اس سے وضو کرے تو جائز ہے۔ اس کو شامی نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ دیگر اقوال اور مضطرب روایات بھی ذکر کی ہیں جن پر کلام آئے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال سوم[5]

اسی صورت میں اگر پانی صرف حصہ زیریں دہ در دہ میں تھا اور اس وقت نجاست پڑی کہ ناپاک نہ ہوا پھر نجاست نکال کر یا بے نکالے بھر دیا تو اب اوپر کا حصہ پاک رہا یا ناپاک ہو گیا بینوا توجروا۔

الجواب

کتب حاضرہ سے اس صورت پر کلام اس[1] وقت ذہن میں نہیں وانا اقول وباللہ التوفیق

---

[1] نعم تعرض لھا السادۃ الثلثۃ ناظروا ہاں تینوں سادات نے اس سے بحث کی ہے ط نے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[2] غنیۃ المستملی سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۰۳

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

نجاست چار قسم ہے، مرئیہ کہ نظر آئے اور غیر مرئیہ کہ پانی میں مل کر امتیاز نہ رہے جیسے پیشاب، اور ہر ایک دو قسم ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الدر فقال ط انکان اعلاہ ضیقا واسفلہ عشرا فاذا بلغہا ووقعت فیہ نجاسۃ حینئذ جاز التطہیر بہ فاذا امتلأ حتی بلغ المکان الضیق قال الحلبی لم اجد حکمہ والظاہر التنجس لان النجاسۃ تحقق وقوعہا وانما جوزنا التطہیر بہ لسعتہ وقد ذہبت اھ

اقول وسیرد علیک ما حرر الفقیر بتوفیق القدیر ویظہر بہ ان ہذا الحکم غیر ظاہر بل ولا مقبول فی راسبۃ مرئیۃ اوغیرہا ولا فی طافیۃ مرئیۃ قد اخرجت او بقیت فی زاویۃ فی الاسفل ولا فی غیر مرئیۃ وفی الاسفل زوایا فانما یقبل فی ثنتین من سبع ان تکون مرئیۃ وقد طفت اوغیر مرئیۃ ولا زاویۃ وذلک انہ انما یتحقق وصولہا الی الاعلی فی ہاتین فماذا یضرہ ضیقہ ولم یصل الیہ النجس ولم یتصل بماء متنجس۔ ہذا ونقلہ ش ہکذا بقی ما لو وقعت فیہ النجاسۃ ثم نقص فی المسألۃ الاولی (ای اعلاہ کثیر) او امتلأ فی الثانیہ (ای اسفلہ کثیر) قال ح لم اجد حکمہ اھ ثم تعقبہ بقولہ ہذا عجیب فانہ حیث حکمنا بطہارتہ ولم یعرض لہ ما ینجسہ ہل یتوہم نجاستہ نعم لو کانت النجاسۃ مرئیۃ وکانت باقیۃ فیہ او امتلأ قبل جفاف اعلی الحوض تنجس اما اذا کانت غیر مرئیۃ اومرئیۃ واخرجت منہ او امتلأ بعد ما حکم بطہارۃ جوانب اعلاہ بالجفاف

ف

فرمایا اگر اسکا بالائی حصہ تنگ اور نچلا دس ہاتھ ہو جب پانی اسفل تک پہنچے اور اس میں نجاست گر پڑے تو اس سے طہارت جائز ہے اور جب وہ بھر جائے یہاں تک کہ تنگ جگہ کو پہنچ جائے تو حلبی کا بیان ہے کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا بظاہر ناپاک ہوجائے گا' کیونکہ اس میں نجاست کا گرنا یقینی ہے اور ہم نے اس کی فراخی کے باعث اس سے پاکی کے جواز کا قول کیا ہے اور اس صورت میں فراخی ختم ہوگئی ہے اھ

میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں جو میں نے لکھا ہے وہ آپ دیکھ لیں گے، اس سے معلوم ہوگا کہ یہ حکم نہ تو ظاہر ہے اور نہ مقبول ہے، خواہ وہ حوض کی گہرائی میں نظر آتی ہو یا نہ آتی ہو اور نہ تیرنے والی مرئی میں جو نکال دی ہو یا کسی گوشہ میں نچلے حصہ میں باقی ہو اور نہ غیر مرئیہ کی صورت میں نچلے حصہ میں کئی زاویے ہوں سات میں سے دو صورتوں میں مقبول ہوگا اگر مرئیہ ہو، اور اوپر آگئی ہے یا غیر مرئیہ ہو' اور زاویہ میں نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اُوپر کی طرف آنا اس وقت متحقق ہوگا جب کہ اِن دو صورتوں میں ہو، تو اُس کی تنگی اُس کے لیے کیا مضر ہوگی حالانکہ نہ اُس تک نجاست پہنچی اور نہ وہ نجس پانی سے متصل ہُوئی۔ اور "ش" نے اس کو اسی طرح نقل کیا، اب یہ صورت باقی رہ گئی کہ اگر اس میں نجاست گر گئی پھر پہلی صورت میں پانی گھٹ گیا

(باقی بر صفحہ آیندہ)

طافیہ کہ اوپر تیرتی رہے اور راسبہ کہ تہ نشین ہوجائے اگر نجاست راسبہ تھی کہ پانی بھرنے سے اوپر نہ آئے گی جب تو سارا حوض پاک ہے مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ' نیچے کا حصہ یُوں کہ وہ دردہ ہے اثرِ نجاست قبول نہ کرے گا اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فلا اذ لا مقتضی للنجاسۃ هذا ما ظهر لی اھ

اقول رحم اللہ السید فاولا[ف۱] انما الکلام فیما اذا وقع النجس فی الکثیر ثم انتقص بتسفل او امتلأ وحدیثا جفاف اعلی الحوض وعدمہ متعلقان بما اذا وقعت نجاسۃ فی الاعلی القلیل ثم بلغ الاسفل الکثیر ثم ملئ فبلغ القلیل فیما بمعزل عن المحل وثانیا[ف۲] لایتنجس بمرئیۃ باقیۃ راسبۃ ولا بطافیۃ تعلقت بزاویۃ وثالثا[ف۳] یتنجس بغیر المرئیۃ ایضا لو طافیۃ ولا زاویۃ هذا۔

ثم قول[ف۴] ح فی الاولی لم اجد حکمہ لایستقیم علی ما شرحنا بہ نظم الدر لکونہ اذن مصرحا بہ فیہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

(یعنی اس کا اوپر والا کثیر ہو) یا دوسری صورت میں بھر گیا (یعنی اس کا نچلا حصہ کثیر ہوگیا)، 'ح' نے فرمایا کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا، پھر بعد میں فرمایا 'یہ عجیب ہے'' کیونکہ جب ہم نے اس کی طہارت کا حکم لگایا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں آئی جو اس کو نجس کرے تو آیا اس کی نجاست متوہم ہے، ہاں اگر نجاست مرئی ہو اور اس میں باقی ہو یا حوض کے بالائی حصے کے خشک ہونے سے قبل بھر جائے تو ناپاک ہوجائیگا، اور اگر نجاست غیر مرئی ہو یا مرئی ہو اور اس سے نکال لی جائے یا اس کے بالائی حصے کے کناروں کے خشک ہونے کے بعد بھر گیا، تو نہیں کیونکہ نجاست کا کوئی مقتضی نہیں، یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔

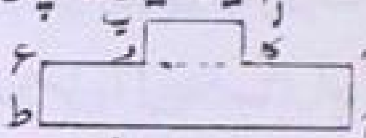
میں کہتا ہوں اللہ سید پر رحم کرے، اول تو یہ کہ کلام اُس صورت میں ہے جبکہ نجاست کثیر پانی میں واقع ہو، اور پھر پانی کم ہوجائے یا بھر جائے، اور حوض کے بالائی حصے کے خشک ہونے اور نہ ہونے کی بات اس صورت سے متعلق ہیں جبکہ نجاست اعلٰی قلیل میں گر کر نچلے کثیر میں پہنچے پھر حوض بھر کر قلیل کو پہنچے تو یہ دونوں صورتیں اس بحث سے الگ ہیں۔

اور دوسرا یہ کہ پانی کی تہ میں بیٹھی باقی نجاست مرئیہ سے نجس نہ ہوگا اور نہ ہی ایسی نجاست سے جو تیرتی ہوئی کسی گوشہ میں ٹھہر گئی ہو۔

تیسرا' غیر مرئیہ سے بھی نجس ہوجائیگا اگر تیرنے والی ہو اور کوئی گوشہ نہ ہو۔

پھر 'ح' کا پہلی صورت میں یہ فرمانا کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا' درست نہیں' جیسے کہ ہم نے در کی نظم کی اس کے ساتھ تشریح کی ہے، کیونکہ یہ تو اس میں بصراحت مذکور ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

نجاست اُس میں موجود ہے اور اوپر کا حصہ یُوں کہ نجاست اُس میں نہیں اور جس سے متصل ہے وُہ پاک ہے اور اگر نجاست طافیہ مرئیہ تھی اور اُسے پہلے نکال دیا جب بھی ظاہر ہے کہ ناپاکی کی کوئی وجہ نہیں اور اگر بے نکالے پانی بھر دیا کہ پانی ڈالے سے اوپر آگئی تو بالائی حصہ ناپاک ہوگیا کہ نجاست اُس سے متصل ہُوئی اور وہ آب قلیل ہے رہی طافیہ غیر مرئیہ اُس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حوض کے حصۂ زیریں میں کوئی کنج ایسا نہ ہو جو اُس نجاست کو اوپر جانے سے روکے مثلاً یہ شکل ح  ء دونوں حصوں میں خط ح ء فصل مشترک ہے ظاہر ہے کہ جو اُترانے والی چیز خط ح ء میں کہیں ہے وہ پانی بھرنے سے خط د ب پر آجائے گی دُوسرے یہ کہ ایسے کنج ہوں مثلاً یہ شکل

 یا یہ  اول میں خط ہ ر دوم میں خط ح ہ پر جو ایسی چیز ہو وہ پانی بھرے سے خط د ب تک ضرور پہنچے گی لیکن دوم میں خط ہ ء یا کم میں دو خط ح ہ خط ر ء کے نیچے جو کچھ ہے وہ د ب تک نہیں جا سکتا پہلی صورت میں بالائی حصہ د ب ح ء ناپاک ہو جائے گا اور دوسری صورت میں سارا حوض پاک رہے گا و لہذا ہم نے طافیہ مرئیہ میں پانی ڈالے سے اوپر آجانے کی قید لگائی کہ اگر کسی کنج میں اُلجھ رہی تو اب بھی کوئی حصہ ناپاک نہ ہوگا۔

والوجہ فیہ ان غیر المرئیۃ لا تنعدم بل تکتتم وحیث ہی طافیۃ لابد لہا من العلو ولذا منع العراقیون من مشایخنا التوضی من موقع غیر المرئیۃ فی الحوض الکبیر لانہ راکد فلا تنتقل، وجوز ائمۃ بلخ وبخاری وما وراء النہر التوضی منہ من این یشاء وہو الصحیح وعللوہ بانتقال المائع قال ملک العلماء فی البدائع وان کانت غیر مرئیۃ قال مشایخ العراق لا یتوضؤ من ذلک الجانب لما ذکرنا فی المرئیۃ (وہو قولہ لانا تیقنا بالنجاسۃ فی ذلک الجانب) بخلاف الماء الجاری لانہ ینقل النجاسۃ فلم یتیقن بالنجاسۃ فی موضع الوضوء ومشایخنا بما وراء النہر فصلوا بینہما (ای بین المرئیۃ وغیرہا) ــــ ففی

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مرئیہ ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ چھپ جاتی ہے، اور جب تیر رہی ہوتی ہے تو اس کا اُوپر آنا لازمی ہے، اس لیے ہمارے عراقی مشایخ بڑے حوض میں گر جانے والی غیر مرئی نجاست کے مقام سے وضو کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ ٹھہری ہوتی ہے تو منتقل نہ ہو گی اور بلخ، بخاری اور ماوراء النہر کے مشایخ نے اجازت دی کہ جہاں سے جی چاہے وضو کر لے اور یہی صحیح ہے، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ بہنے والی چیز منتقل ہوتی ہے، ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو تو مشایخ عراق کا قول ہے کہ اُس جانب سے وضو نہ کرے جیسا کہ ہم نے مرئیہ میں ذکر کیا ہے (اس سے مراد ان کا یہ قول ہے کہ ہم نے اُس جانب میں نجاست کا یقین کر لیا ہے)، بخلاف جاری پانی کے کیونکہ وہ نجاست

غیر المرئیة یتوضؤ من ای جانب کان کما قالوا جمیعا فی الماء الجاری وھو الاصح لان غیر المرئیة لایستقر فی مکان واحد بل ینتقل لکونه مائعا سیالا بطبعه فلو نستیقن بالنجاسة فی الجانب الذی یتوضؤ منه فلا نحکم بنجاسة بالشک اھ[1] وفی الحلیة قال مشایخ بلخ وبخارے یتوضؤ من ای جانب کان وفی محیط رضی الدین والتحفة و البدائع وغیرھا ھو الاصح لان غیر المرئیة ینتقل لکونه مائعا سیالا[2]۔

کو منتقل کرتا ہے تو مقامِ وضو میں نجاست کا یقین نہیں اور ہمارے ماوراء النہر کے مشایخ نے دونوں میں تفصیل کی ہے (یعنی مرئیہ اور غیر مرئیہ میں) اور غیر مرئیہ میں جس جانب سے چاہے وضو کرے جیسا کہ جاری پانی میں سب کا اتفاق ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ غیر مرئیہ کسی ایک جگہ میں نہیں ٹھہرتی بلکہ منتقل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ طبعی طور بہنے والی ہے اس لیے وضو والی جانب میں نجاست کا یقین نہ ہوا، پس شک کی وجہ سے ہم نجاست کا حکم نہیں دیں گے اھ اور حلیہ میں ہے کہ بلخ اور بخارا کے مشایخ نے فرمایا ہے کہ جس جانب سے چاہے وضو کرلے اور رضی الدین کی محیط، تحفہ اور بدائع وغیرہ میں ہے کہ وہی اصح ہے کیونکہ غیر مرئیہ منتقل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ سیال مائع ہے (ت)

اقول احسن فی ترک بطبعه وھو فی کلام البدائع متعلق بسیالا لاینتقل لان طبع المائع الانحدار الی صبب لا الانتقال فی سطح مستو بلا سبب نعم الریاح لاتزال تزعزع المیاہ ومن ضرورته انتقال المائع المختلط به ولیس له جهة معینة لاختلاف الریاح فتطرق الاحتمال الی جمیع المحال اذا عرفت ھذا ففی الصورة الاولی حیث لاحاجز لها عن العلو تطفو وتنجس الاعلی علی قول الجمیع بل لو لم تطف لنجست لاتصالها بالماء الاعلی ولو من تحت اما فی الثانیة فعلی قول العراقیین ان کانت وقعت فی الماء السافل فی محاذاة

میں کہتا ہوں انھوں نے بطبعه کو چھوڑ کر اچھا کیا، اور یہ بدائع میں "سیالا لاینتقل" سے متعلق ہے کیونکہ بہنے والی چیز کی خاصیت نیچے کی طرف آنا ہے وہ مستوی سطح کی طرف بلاسبب نہیں جاتا ہے، ہاں ہوائیں مسلسل پانی میں لہر پیدا کرتی رہتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہنے والی چیز جو اس میں شامل ہو جائے منتقل ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی ایک جہت متعین نہیں کیونکہ ہوائیں مختلف رخ سے چلتی ہیں، تو ہر جگہ میں احتمال پیدا ہو جائے گا، جب تم نے یہ جان لیا تو پہلی صورت میں جہاں اوپر جانے سے کوئی مانع نہ ہو نجاست تیر کر اوپر آجائے گی اور تمام علماء کے مطابق اوپر والا حصہ ناپاک ہو جائے گا، بلکہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی المقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[2] حلیۃ

خط ا ب تنجس الاعلی لعدم انتقالها من ثم وان وقعت فی حجاب عنه مثل خط ر ح و ط ح لم تتنجس لانها لا تصل الی الماء العالی وعلی قول سائر الائمة الاصح لا تتنجس مطلقا وان کانت وقعت حذاء ا ب لاحتمال انتقالها الی احدی الزوایا ولا یزول الیقین بالشك هذا ما ظهر لی واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر نجاست تیر کر نہ بھی جائے تو بھی ناپاک ہوگا کیونکہ وُہ اوپر والے پانی کے ساتھ متصل ہوجائے گی خواہ نیچے سے ہو اور دوسری صورت میں تو بقول عراقی مشایخ کے اگر نجاست نچلے پانی میں ا ب خط کے مقابل گری ہے تو اوپر والا نجس ہوجائیگا، کیونکہ وہ وہاں سے منتقل نہیں ہوتی ہے اور اگر وہ اسکے حجاب میں گری ہے جیسے رح اور ط ح کا خط تو پانی نجس نہیں ہوگا کیونکہ وہ اوپر والے پانی تک نہ پہنچے گی اور باقی ائمہ کے قول کے مطابق اصح یہ ہے کہ مطلقاً ناپاک نہ ہوگا اگرچہ نجاست ا ب کے مقابل گری ہو کیونکہ احتمال ہے کہ وہ کسی ایک زاویے کی طرف منتقل ہوگئی ہو اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال[۵۲] چہارم

حوض اوپر دہ در دہ اور نیچے کم ہے بھرے ہُوئے میں نجاست پڑی تو سب پاک رہا یا نیچے کا حصہ ناپاک ہوگیا جہاں سے مساحت سو ہاتھ سے کم ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کلام علامہ سیّد طحطاوی سے ظاہر یہ ہے کہ حصّہ زیرین ناپاک ہوجائیگا۔

حیث قال واذا وقعت فیه نجاسة فی تلك الحالة فالاعلی طاهر الی ان یبلغ الاقل فینجس[1] اھ وحمله علی انه ینجس بنجاسة اخری خلاف ظاهر سوق الکلام۔

جہاں فرمایا کہ "اور جب اس میں نجاست گر جائے اس حالت میں تو بالائی حصہ پاک ہے یہاں تک کہ اقل کو پہنچے تو وُہ ناپاک ہوگا اھ اور اس کو اس پر محمول کرنا کہ وُہ دوسری نجاست کے ساتھ نجس ہوجائیگا سیاق کلام کے ظاہر کے خلاف ہے۔ (ت)

اقول وکذا هو ظاهر الدر ان قدر وقوع النجس بقرینة قرینه فان نظمه لو اعلاه

میں کہتا ہوں اور اسی طرح وہ دُر کا ظاہر ہے اگر نجس گرنا مقدر کیا جائے اور اس پر قرینہ اس کا متصل

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۸

عشرا و اسفلہ اقل جاز حتی یبلغ الاقل ولو بعکسہ فوقع فیہ نجس لم یجز حتی یبلغ العشر[1] اھ فان ضمیر جاز الی رفع الحدث بہ ومعلوم ضرورۃ من الدین ان رفع الحدث جائز بکل ماء مطلق مطلقا ولو قلیلا مالم یسلب طہارتہ او طہوریتہ فکان المعنی کقرینہ لو اعلاہ عشرا و اسفلہ اقل فوقع فیہ نجس جاز التطہر بہ حتی یبلغ الاقل فاذا بلغہ لم یجز فقد غیا جواز التطہر بہ ببلوغہ الاقل فبنفس البلوغ لا یجوز لظھور حکم النجس الذی لم یتحملہ الاعلی لکثرتہ وحملہ علی التقیید بوقوع النجاسۃ بعد بلوغ الاقل کما فعل ش حیث قال ای اذا بلغ الاقل فوقعت فیہ نجاسۃ تنجس کما فی المنیۃ اھ[2]

کلام ہے، کیونکہ ان کی عبارت اس طرح ہے "اور اگر اس کا بالائی حصہ دس ہاتھ ہے اور نچلا حصہ کم ہے تو وضو جائز ہے یہاں تک کہ وہ اقل کو پہنچے اور اگر اس کا عکس ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ دس ہاتھ کو پہنچے اھ کیونکہ جاز کی ضمیر "رفع الحدث بہ" کی طرف لوٹتی ہے اور یہ چیز دین کے ضروریات سے ہے کہ رفعِ حدث ہر مطلق پانی سے جائز ہے خواہ کم ہی ہو تاوقتیکہ اس کی طہارت یا طہوریت سلب نہ ہوئی ہو تو معنی اس کے قرین کی طرح یہ ہوئے کہ اگر اس کا بالائی حصہ دس ہاتھ ہو اور اس کا نچلا حصہ کم ہو اور اس میں نجس واقع ہو جائے تو اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اقل کو پہنچ جائے، اور جب اقل کو پہنچے تو جائز نہیں اس کے ساتھ طہارت کے جواز کی غایت اقل کو پہنچنا بیان فرمائی تو نفس بلوغ سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نجس کا حکم ظاہر ہے جس سے بالائی حصہ متاثر نہ ہوا کیونکہ وہ کثیر ہے اور اس کو اقل کو پہنچنے کے بعد نجاست کے واقع ہونے سے مقید کرنا جیسا کہ "ش" نے کیا انہوں نے فرمایا "یعنی جب اقل کو پہنچے اور اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک ہو جائیگا جیسا کہ منیہ میں ہے اھ (ت)

فاقول خروج[ف1] عن الظاہر و اخراج[ف2] للکلام الی قریب من العبث والاستناد[ف3] الی

میں کہتا ہوں یہ ظاہر سے خروج ہے، اور کلام کو تقریبًا لغو قرار دینا ہے اور اس کو منیہ کی طرف

[ف1] فی الحلیۃ عند قول المنیۃ اذا سد الماء من فوقہ وبقی جریہ یجوز التوضی بہ ما نصہ کان علی المصنف ان یذکر

منیہ کے اس قول "جب اوپر سے پانی بند ہو جائے اور پانی جاری ہو تو وضو جائز ہے" پر حلیہ نے کہا کہ مصنف کو "بہ" کی جگہ "فیہ" کہنا چاہئے تھا (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

---

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۲

المنیۃ فی غیر محلہ فان عبارتھا لوان ماء الحوض کان عشرا فی عشر فتسفل فصار سبعا فی سبع فوقعت النجاسۃ فیہ تنجس فان امتلاء صار نجسا ایضا[1] اھ فھو لم یذکر للاعلی حکما انما قصد بیان حکم المتسفل فاحتاج فی التصویر الی وقوع النجس فیہ لیکون توطئۃ لابانۃ حکم خفی وھو انہ بعد امتلائہ ایضا یبقی نجسا کما کان بخلاف نظم الدر فانہ افرز الاعلی بحکم الجواز ولا معنی لہ الا بفرض وقوع المانع والا فذکرہ عبث ثم حد لجوازہ حدا ینتھی دونہ وھو بلوغ الاقل فافادما قلنا واین ھذا من عبارۃ المنیۃ وکلام الدر من اولہ الی ھنا فی مرفع الحدث بہ لا فیہ ولو کان لصح حملا لہ علی معنی التوضی بغمس الاعضاء فیہ بناء علی ما ھو الحق من فرق الملاقی والملقی وان کان میل صاحب الدر الی خلافہ فاذن کان

منسوب کرنا بے محل ہے کیونکہ منیہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر حوض کا پانی دہ در دہ ہو اور پھر نیچے چلا جائے اور سات در سات ہو جائے پھر اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک ہو جائے گا اور اگر بھر جائے تو بھی نجس ہو جائیگا تو انہوں نے بالائی کا کوئی حکم بیان نہیں، ان کا مقصود تو محض یہ تھا کہ وہ نچلے کا حکم بیان کریں تو اس کی وضاحت میں ان کو یہ کہنا پڑا کہ اس میں نجاست گر جائے، تاکہ یہ ایک مخفی حکم کے اظہار کی بنیاد بن جائے اور وہ یہ کہ یہ بھر جانے کے باوجود نجس ہی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا، اور در کی نظم اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے بالائی پہ جواز کا حکم لگایا اور اس کا کوئی مفہوم نہیں، ہاں مانع کے وقوع کو فرض کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے، ورنہ تو اس کا ذکر عبث ہے، پھر انھوں نے اس کے جواز کی ایک حد مقرر کی جس سے پہلے وہ منتہی ہوتا ہے اور وہ اقل تک پہنچنا ہے تو جو ہم نے کہا اس کا انہوں نے افادہ کیا، اور اس کو منیہ کی عبارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فیہ (ای مکان بہ) لان من الواضح جدا جواز الوضوء بہ جاریا کان او غیر جار خارجہ فلا یقع التقیید ببقاء جریان الماء موقعا ثم ھما اعلی کعبا من ذکر مثلہ اھ ۱۲ منہ غفر لہ۔ (م)

کیونکہ اس سے وضوء کا جواز بہت واضح ہے خواہ پانی جاری ہو یا نہ ہو لہذا پانی کے جاری رہنے کی قید لگانا بے موقع ہوگا حالانکہ ان حضرات کا مقام ایسے کلام سے بلند و بالا ہے اھ (ت)

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

یؤل الی کلام البزازیة لوعشرافی عشر ثم قل توضأ به لافیه لاعتبار اوان الوقوع[1] اھ لکن لامساغ له فی کلامه ولذا احتاج ش الی اضافة قید لیس فیه فترجح ما قلنا۔

سے کیا تعلق ہے؟ اور دُر کا کلام ابتداءً سے یہاں تک اس کے ساتھ حدث کے رفع کرنے کی بابت ہے نہ کہ اُس میں، اور اگر ایسا ہوتا تو صحیح ہوتا اور اس کو اس پر محمول کیا جاتا کہ اس میں اعضاء کو ڈبو کر وضو کرنا جیسا کہ حق ہے کہ ملقی اور ملاقی میں فرق ہے اگرچہ صاحبِ دُر کا میلان اس کے خلاف ہے، ایسی صورت میں بزازیہ کے کلام کی طرف لوٹا جائیگا اگر دہ در دہ ہو پھر کم ہو گیا ہو تو اسکے ساتھ وضو کرے نہ کہ اس میں کیونکہ وقوع کے زمانے کا اعتبار ہے اھ مگر اس کی ان کے کلام میں گنجائش نہیں، اور اسی لیے "ش" نے لیس فیہ کا اضافہ کیا، تو جو ہم نے کہا وہ راجح ہے۔ (ت)

اور کلام علامہ سید شامی سے مفہوم کہ سب پاک رہے گا۔

حیث قال فی المسألة الاخری وھی ما اذا کان اعلاہ قلیلا واسفله کثیرا فوقع فیه نجس لم یجز حتی یبلغ العشر فاذا بلغها جاز ما نصه وکانهم لم یعتبروا حالة الوقوع ھھنا لان ما فی الاسفل فی حکم حوض اٰخر لسبب کثرته مساحته و انه لو وقعت فیه النجاسة ابتداء لم تضره بخلاف المسألة الاولی تدبر[2] اھ فرق بین المسألتین ان نجاسة الاعلی القلیل لاتشمل الجزئین وطهارة الاعلی الکثیر تشملهما۔

جبکہ فرمایا دوسرے مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اس کا بالائی حصہ کم ہو اور نچلا زائد ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ وہ دہ در دہ کو پہنچے تو جب اس مقدار کو پہنچے تو جائز ہے، اور ان کی عبارت یہ ہے اور گویا ان حضرات نے یہاں وقوع کی حالت کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ جو نچلے حصہ میں ہے وہ الگ حوض کے حکم میں ہے کیونکہ وہ پیمائش کے اعتبار سے کثیر ہے، اور یہ کہ اگر اس میں ابتداءً نجاست گرتی تو مضر نہ ہوتی بخلاف پہلے مسئلہ کے تدبر اھ تو دونوں مسئلوں میں فرق ہے کہ اوپر والے کی نجاست جو قلیل ہے دونوں جزؤں پر مشتمل نہیں اور اعلی کثیر کی طہارت دونوں کو شامل ہے۔ (ت)

اقول اولاً اعتبار حالة الوقوع

میں کہتا ہوں اولاً حالتِ وقوع کا اعتبار

---

[1] فتاوی بزازیة علی حاشیة الہندیة — نورانی کتب خانہ پشاور — ۴/۵

[2] ردالمحتار — باب المیاہ — مصطفی البابی مصر — ۱/۱۴۳

مذکور فی البدائع والتبیین والخانیة والخلاصة
والبزازیة والحلیة والغنیة والبحر وغیرها
من دون ثنیا ولا حاجة الی استثناء ھذہ فان
الاسفل لم یزل کثیرا فقد اعتبرت حالة الوقوع
الا ان یقال ان الماء کان واحدا ظاھرا و
وجھه حین الوقوع قلیلا وبه العبرة فکان
ینبغی التنجس باعتبارہ لکن لم ینجسوہ نظرا
الی ان وجھه یصیر کثیرا حین بلوغ الماء
الی الاسفل وثانیا[1] لقائل ان یقول لم لا
یقال فی تلك اعنی مسألتنا ھذہ ان ما فی
الاسفل فی حکم حوض اٰخر لسبب قلته
مساحة وانه لو وقعت فیه النجاسة ابتداء
لضرته وقد یمکن الجواب بان الکثیر یستتبع
القلیل فیعد الاسفل القلیل عمقا للاعلی
الکثیر ومعلوم ان الوجه ان کان کثیرا
لم یتنجس شیئ من الماء لا وجھه ولا عمقه
ولا یشترط مع ذلك کثرة العمق الا تری
لو کان الحوض علی ھذا الشکل



نصف دائرة وکان ا ب منه کثیرا لا یتنجس
شیئ منه وان کان مادونه قلیلا حتی
لا یبقی علی ح الا نقطة بخلاف العکس فان
القلیل لا یستتبع الکثیر فیعد حوضا براسه.

بدائع، تبیین، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، حلیہ، غنیہ اور بحر وغیرہ میں بلا استثناء مذکور ہے اور اس میں استثناء کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نچلا تو کثیر تھا تو حالتِ وقوع کا اعتبار کیا گیا، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ پانی بظاہر ایک تھا، اور اس کی سطح وقوع کے وقت کم تھی اور اسی کا اعتبار ہے تو مناسب یہی تھا کہ اسی کے اعتبار سے ناپاک ہو، لیکن علماء نے اس کو نجس قرار نہیں دیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی سطح کثیر ہوجائے گی جبکہ پانی نچلے حصہ کو پہنچے گا۔

اور ثانیاً کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نچلا حصہ ایک مستقل حوض کے حکم میں ہے کیونکہ اس کی پیمائش کم ہے اور یہ کہ اگر اس میں ابتداء کوئی نجاست گرجاتی تو ناپاک ہوجاتا اور اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کثیر قلیل کو اپنا تابع بنالیتا ہے تو یہ سمجھا جائیگا کہ نچلا کم حصہ گویا اوپر کے کثیر حصہ کے لیے عُمق ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اگر پانی کی سطح زائد ہوتی تو پانی قطعاً ناپاک نہ ہوتا نہ اُس کی سطح اور نہ اُس کی گہرائی، اور اس کے باوجود گہرائی کی کثرت شرط نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اگر حوض کی شکل یہ ہو



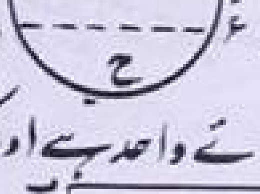
یعنی آدھے دائرہ کی شکل اور ا ب اس میں کثیر ہے اس میں کچھ ناپاک نہ ہوگا اگرچہ اس سے کم قلیل ہے اور ح پر صرف ایک نقطہ رہے گا، بخلاف عکس کے کیونکہ قلیل کثیر کو تابع نہیں بنا سکتا ہے تو یہ مستقل حوض شمار ہوگا۔ (ت)

یہ غایت توجیہ ہے۔[1]

---

[1] وسیاق الجواب عنه ۱۲ منه غفرله (م)

[1] عنقریب ان کی طرف سے اس کا جواب ذکر کیا جائے گا۔ (ت)

واقول وباللہ التوفیق نجاست اگر طافیہ ہے کہ حصہ زیریں تک پہنچی ہی نہیں جب تو ظاہر ہے کہ اس کی نجاست کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس کا اتصال آبِ بالا سے ہے اور وہ بوجہ کثرت نجس نہ ہوا اور اگر راسبہ ہے کہ اسفل تک پہنچی خواہ مطلقاً جیسے پتھر یا ابتداءً جیسے غرق شدہ جانور کہ تہ نشین ہوکر مرتا پھر اُتراتا ہے یا انتہاءً جیسے وہ کپڑا کہ تیرتا رہے گا پھر پانی سے بوجھل ہوکر بیٹھ جائیگا تو اب دو صورتیں ہیں اُن کا بیان یہ کہ پانی کے لیے بلحاظ محل مثل حوض وغیرہ ایک تو صفت ہے یعنی کثرت وقلت کہ مساحت محل کے سو ہاتھ یا کم ہونے سے حاصل ہوتی ہے دوسری صورت کہ جس فضا میں متمکن ہے اُس کی شکل سے پیدا ہوتی ہے یہ شکل کبھی واحد ہوتی ہے اگرچہ اس میں حصے فرض کر سکتے ہیں اگرچہ اُن حصص مفروضہ کا مساحت میں تفاوت اُن کے لیے منشاء انتزاع ہو جیسے اسی شکل نصف دائرہ میں کہ مثلاً خط ء ہ تک کثیر اور 

نیچے قلیل ہو تو دو حصے ممتاز ہو جائیں گے ا ب ء ہ کثیر اور ء ہ ج قلیل مگر حقیقۃً ا ب ج فضائے واحد ہے اور کبھی شکل خود ہی واقع میں متعدد ہوتی ہے جیسے حوض کے اندر حوض مثلاً اس شکل پر 

کہ حصہ بالا ا ء اور زیریں ہ ط خود ہی ممتاز ہیں اس لحاظ سے حصص زیر و بالا کی چار قسمیں ہوگئیں ایک یہ کہ دونوں حصے صورۃً وصفۃً ہر طرح متحد ہوں جیسے دو گز گہرے مربع میں ایک گز اوپر ایک گز نیچے، دوم صورۃً متحد ہوں اور صفۃً مختلف جیسے وہی نصف دائرہ کی شکل کہ فضا واحد ہے اور ا ہ کثیر اور ء ہ ج قلیل، سوم صفۃً متحد ہوں اور صورۃً مختلف جیسے اسی شکل ا ط میں جبکہ ہ س بھی سو ہاتھ سے کم نہ ہو یا ا ب بھی دہ دردہ سے کم۔ چہارم صورۃً وصفۃً ہر طرح جدا ہوں جیسے یہی شکل جبکہ ا ب سو ہاتھ اور ہ س کم ہو۔

قسم اول کا حکم تو ظاہر ہے کہ وہ زیر و بالا شیئ واحد ہے اگر نجس ہوگا سب نجس ہوگا پاک رہے گا سب پاک رہے گا۔

یونہی قسم دوم کہ بلاشبہ وہ محل واحد ہے اگرچہ حصص انتزاعیہ کی مساحت مختلف ہے۔

یونہی سوم کہ اگرچہ دو تسے ہے مگر دونوں متحد الصفۃ ہیں اگر کثیر ہیں تو زیریں بھی ناپاک نہ ہوگا اگرچہ نجاست راسبہ ہو اور قلیل ہیں تو یہ بھی نجس ہو جائیگا اگرچہ نجاست طافیہ ہو کہ نجس سے اتصال نہ ہوا تو متنجس سے ہوا کہ حصہ بالا ناپاک ہوگیا۔

شکل چہارم وہی محل نظر ہے جبکہ نجاست راسبہ اس تک پہنچی اور نظر حاضر میں ظاہر یہی ہے کہ ناپاک ہو جائے کلام ائمہ سے معہود یہی ہے کہ جب صورت وصفت دونوں مختلف ہوں تو ان کو دو محل جداگانہ ٹھہراتے ہیں اور فقط اتصال قلیل بہ کثیر کو کافی نہیں جانتے۔

نہر کے کنارے کنارے پانی لینے کے لیے تختہ بندی کرتے ہیں کہ اُن پر بیٹھ کر پانی لیں وضو کریں اس سے

خا۔ نہ خانے ہو جاتے ہیں ہر خانہ مشرعہ کہلاتا ہے۔ اس صورت پر



پانی اگر تختوں سے نیچا ہے جب تو محل کلام نہیں کہ تختوں سے پانی کا انقسام نہ ہوا لیکن اگر پانی تختوں سے ملا ہوا ہے تو ہر خانہ آب جداگانہ سمجھا جائیگا اور اگر اُن کا طول وعرض دس دس ہاتھ نہیں تو جن کے نزدیک دونوں امتداد ہونا شرط ہے اس میں نجاست پڑے تو جتنا پانی تختوں سے گھرا ہوا ہے ناپاک ہو جائیگا اور نہر کے پاک پانی سے اس کا متصل ہونا نفع نہ دے گا۔

وف ۱ یوں ہی اگر نہر یا بڑے تالاب کا پانی برف سے جم گیا اور ایک جگہ سے برف توڑ کر پانی کھول لیا اگر بہتا پانی اُس جمے ہوئے سے متصل نہیں تو ظاہر کہ پانی شئ واحد رہا اور اگر متصل ہے اور یہ حصہ کہ کھولا گیا دس دس ہاتھ طول وعرض میں نہیں تو یہ ان کے نزدیک نجاست سے ناپاک ہو جائیگا اور اُس میں اعضا ڈال کر وضو کرنے سے مستعمل ہو جائیگا اور بہتے پانی سے اُس کا اتصال فائدہ نہ دے گا ہاں باقی پانی بحال خود رہے گا (ف ۲) مثلاً ایک مشرعہ میں نجاست پڑی یا کسی نے اعضاء بے وضو ڈال کر دھوئے تو صرف وہی مشرعہ ناپاک یا مستعمل ہوا برابر کے دوسرے مشرعہ سے پینا وضو کرنا ہو سکتا ہے کہ وہ تو ہر ایک اُن کے نزدیک حوض جدا ہے یونہی برف سے ایک جگہ کھلا ہوا پانی نجس یا مستعمل ہو جائے تو اُس کے برابر دوسری جگہ سے کھول کر استعمال کر سکتا ہے

وف ۳ یونہی اگر حوض کبیر سے کاٹ کر ایک حوض صغیر بنایا کہ اُس میں سے پانی اس میں آیا یہ نجاست یا اعضائے بے وضو ڈالنے سے اُن کے نزدیک نجس و مستعمل ہو جائیگا اور بڑے حوض سے پانی ملا ہونا کام نہ دے گا یہ گویا بعینہ وہی صورت چہارم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صورت مبحوثہ میں وہ حوض صغیر حوض کبیر کے نیچے ہے اور اس صورت میں اس کے برابر، پانی بہرحال ملا ہوا ہے، تو جس طرح صفت وصورت دونوں مختلف ہونے کے باعث اُن کے نزدیک برابر کا حوض صغیر حوض کبیر کا جزء نہ ٹھہرا بلکہ مستقل قرار پایا۔ یونہی نیچے کا۔ ان مسائل پر نصوص کتب مذہب میں دائر و سائر ہیں اگرچہ فقیر کے نزدیک ان کی بنا اشتراط امتدادین طول وعرض پر ہے اور صحیح ومعتمد اعتبار محض مساحت ہے یہ خلافیہ جداگانہ ہے یہاں غرض اس قدر کہ بحال خلاف صورت (ف ۴) صفت معاً قلیل کو تابع کثیر نہ ماننا فتاوی امام اجل قاضیخان میں ہے:

حوض كبير فيه مشرعة توضأ انسان في المشرعة او اغتسل ان كان الماء متصلا بالالواح بمنزلة التابوت لا يجوز فيه الوضوء واتصال ماء المشرعة بالماء الخارج منها لا ينفع كحوض كبير تشعب منه حوض

ایک بڑا حوض ہے جس میں سے ایک نالی نکلتی ہے اس میں کسی شخص نے وضو یا غسل کیا تو پانی اگر تختوں سے متصل ہے بمنزلہ تابوت کے تو اس میں وضو جائز نہیں اور نالی کے پانی کا خارجی پانی سے متصل ہونا نافع نہ ہوگا جیسے بڑا حوض جس سے

صغیر فتوضأ انسان فی الحوض الصغیر لایجوز وان کان ماء الحوض الصغیر متصلا بماء الحوض الکبیر کذا لایعتبر اتصال ماء المشرعة بما تحتھا من الماء اذا کانت الالواح مشدودة۔[1]

چھوٹا حوض نکالا گیا ہو پھر چھوٹے حوض سے کسی انسان نے وضو کیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ چھوٹے حوض کا پانی بڑے حوض سے متصل ہو، اسی طرح نالی کے پانی کا نچلے پانی سے متصل ہونا معتبر نہیں جبکہ تختے بندھے ہوئے ہوں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو جمد حوض کبیر فنقب فیه انسان نقبا فتوضأ فیه ان کان الماء متصلا بباطن النقب لایجوز والا جاز وکذا الحوض الکبیر اذا کان له مشارع فتوضأ فی مشرعة او اغتسل والماء متصل بالواح المشرعة ولا یضطرب لایجوز وان کان اسفل منها جاز لانه فی الاول کالحوض الصغیر فیغترف ویتوضؤ منه لافیه وفی الثانی حوض کبیر مسقف۔[2]

اگر بڑا حوض منجمد ہوجائے اور اس میں کوئی شخص سوراخ کرے اور اس میں وضو کرے تو اگر پانی سوراخ کے اندرونی حصے سے متصل ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے اور اسی طرح بڑے حوض میں جب نالیاں ہوں اور وہ کسی ایک نالی سے وضو کرے یا غسل کرے حالانکہ پانی تختوں سے متصل ہو اور اس میں حرکت و ارتعاش پیدا نہ ہو تو جائز نہیں اور اگر تختوں سے نیچے ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ پہلی صورت میں چھوٹے حوض کی طرح ہے تو چلو بھر کر اس سے وضو کرے نہ کہ اس میں، اور دوسری صورت میں بڑا حوض چھت والا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جمد ماؤہ فنقب ان الماء منفصلا عن الجمد جاز لانه کالمسقف وان متصلا لا لانه کالقصعة حتی لو ولغ فیه کلب تنجس۔[3]

اگر اس کا پانی جم جائے اور کوئی اس میں سوراخ کیا تو اگر پانی برف سے جدا ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ چھت والے حوض کی طرح ہے اور اگر پانی متصل ہو تو جائز نہیں کیونکہ وہ بڑے پیالہ کی طرح ہوگا کہ اگر اس میں کتا منہ ڈال دے تو ناپاک ہوجائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضی خان — فصل فی الماء الراکد — نولکشور لکھنؤ ۱/۴
[2] فتح القدیر — بحث الغدیر العظیم — نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰
[3] الدرالمختار — باب المیاہ — مجتبائی دہلی ۱/۳۶

ای موضع الثقب دون المتسفل فلو ثقب فی موضع اخر واخذ الماء منہ و توضأ جاز کما فی التاترخانیۃ[1]۔

یعنی سوراخ کی جگہ نہ کہ نچلا حصّہ تو اگر کسی اور جگہ سوراخ کیا اور اُس سے پانی لیا اور وضو کیا تو جائز ہے جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

غنیہ کی عبارت مذکورہ مسئلہ اولٰی نے اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو فقیر کے بیان میں آیا،

حیث قال اذا کان الماء تحت الجمد منفصلا عنہ یجوز لانہ عشر فی عشر ولم تنفصل بقعۃ منہ عن سائرہ کما فی الصورۃ الاولی[2]۔

وہ فرماتے ہیں کہ جب پانی برف کے نیچے ہو اور اس سے جدا ہو تو جائز ہے اس لیے کہ وہ دہ در دہ ہے اور اس کا کوئی بقعہ دوسرے سے الگ نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔ (ت)

ہاں تالابوں نہروں میں چھوٹے چھوٹے کنج گوشے جا بجا ہوتے ہیں اُن میں ہر ایک کو مستقل ماننے میں حرج اور خلاف متفاہم عرف ہے لہذا اُس کی تقدیر ڈھائی ہاتھ چوڑے سے کی ہے کہ دس ہاتھ کی چہارم ہے اور ربع کے لیے حکم کل دیا جاتا ہے جیسے نجاست خفیفہ میں کہ بدن یا کپڑے پر لگے، خلاصہ میں فرمایا:

النھر الذی ھو متصل بالحوض فکان اذا امتلاء الحوض یدخل الماء النھر فتوضأ انسان فیہ ان کان النھر قدر ذراعین و نصف لایجوز ولا یجعل تبعا للحوض وان کان اقل یجوز ویجعل تبعا للحوض وقیل لایجوز ولا یجعل تبعا للحوض وان کان قدر ذراع[3]۔

وہ نہر جو حوض سے متصل ہو، اور جب حوض بھر جائے تو پانی نہر میں چلا جاتا ہو اب اگر اس نہر سے کوئی انسان وضو کرے تو اگر نہر ڈھائی ہاتھ ہے تو وضو جائز نہیں اور اس کو حوض کے تابع نہیں کیا جائیگا، اور اگر کم ہے تو جائز ہے اور اسکو حوض کے تابع سمجھا جائیگا ایک اور قول ہے کہ جائز نہیں اور اس کو حوض کے تابع نہیں سمجھا جائیگا۔ اگرچہ ایک ہاتھ کی مقدار ہو۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

النھر المتصل بالحوض الکبیر الممتلئ ان کان[عہ]

وُہ نہر جو بڑے بھرے حوض سے متصل ہو اگر ڈھائی ہاتھ

عہ وقع فی نسخۃ الطبع ان کان الحوض وھو خطأ اھ ۱۲ منہ غفر لہ۔ (م)

مطبوع نسخہ میں ان کان الحوض کا لفظ واقع ہے یہ درست نہیں ہے اھ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فی الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۰

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۵

قدر ذراعین و نصف لایکون تبعا له لان الربع یحکی حکایۃ الکل فلا یتوضؤ منہ وان اقل منہ فتبعہ وقیل لیس بتبع وان قدر ذراع[1]

ہو تو حوض کے تابع نہیں کیونکہ چوتھا کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو اس سے وضو درست نہ ہوگا اور اگر اس سے کم ہو تو تابع ہے اور ایک قول ہے کہ تابع نہیں خواہ ایک ہاتھ ہو۔ (ت)

اقول یوں ہی تالابوں نہروں کی تہ میں گڑھے بھی ہوتے ہیں ہر گڑھے کو مستقل قرار دینے میں حرج و مخالفت عرف ہے لہذا ارشاد مذکور کی بنا پر اُس کی تقدیر بھی پچیس ہاتھ مساحت سے چاہیے لان الربع یحکی حکایۃ الکل (کیونکہ چوتھا کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ت) یہاں سے اُس تعلیل کا جواب بھی کُھل گیا کہ الکثیر یستتبع القلیل (کثیر قلیل کو تابع بناتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر حکم یہ ہونا چاہیے کہ صورت مسئولہ میں اگر نجاست طافیہ ہے کہ حصۂ زیریں تک نہ پہنچی یا حصۂ زیریں حصّہ بالا کے ساتھ دو مختلف محل نہیں جیسے نصف دائرہ میں یا مختلف تو ہے مگر پچیس ہاتھ مساحت سے کم ہے تو ان سب صورتوں میں نجاست پڑنے سے کوئی حصہ نجس نہ ہوگا اور یہی محمل کلام علامہ شامی کا ہے اور اگر نجاست راسبہ ہے کہ حصۂ زیریں تک پہنچی اور اسفل اعلٰی سے مختلف الشکل ہے اور سو ہاتھ مساحت سے کم نہیں تو اوپر کا حصہ بوجہ کثرت پاک رہے گا اور یہ حصۂ زیریں بوجہ حوض مستقل قلیل ہونے کے ناپاک ہوجائیگا اور یہی محمل کلام علامہ طحطاوی کا ہے یہ ہے وہ جو فقیر کے لیے ظاہر ہوا اور محل محتاج تحریر و تنقیح اور جزم بالحکم دست نگر تصریح ہے،

والعلم بالحق عند ربی ان ربی بکل شیئ علیم اما ما فی الحلیۃ تحت قول المنیۃ المار فی صدر ھذا الجواب الرابع حیث قال وھذا محکی فی البدائع عن ابی القاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی غیر ان فرض المسألۃ فیھا فی الحوض الکبیر وقعت فیہ النجاسۃ ثم قل ماؤہ حتی صار یخلص بعضہ الی بعض وقعت فیہ نجاسۃ ثم عاد وہ الماء حتی امتلأ ولم یخرج منہ شیئ اھ[2]۔

اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، بیشک میرا رب ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور حلیہ میں منیہ کے قول کے تحت، جو اس چوتھے جواب کے شروع میں گزرا ہے کہ انھوں نے فرمایا یہ قول بدائع میں ابو القاسم صفار سے منقول ہے مگر اس میں جو مسئلہ فرض کیا گیا ہے وہ بڑے حوض میں ہے جس میں نجاست گر گئی ہو پھر اس کا پانی اتنا کم ہوگیا کہ اس کا پانی ایک دوسرے سے متصل ہوگیا پھر اس میں نجاست گر گئی اور پھر اس کا پانی زائد ہوگیا یہاں تک

---

[1] بزازیہ علی الہندیۃ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

[2] حلیۃ

کہ حوض بھر گیا اور اس سے کچھ باہر نہ نکلا اھ۔ (ت)

فاقول اولا لیس ھذا مسوقا فی البدائع سیاقا واحدا فی تصویر واحد حتی یقال ان الماء الواقع فیہ النجاسۃ حین امتلائہ وکثرۃ مساحتہ بعد ما فرغ اعلاہ و بلغ السافل القلیل احتیج فی تنجیسہ الی وقوع النجاسۃ مرۃ اخری فافاد ان السافل القلیل لاینجس تبعا للعالی الکثیر وھو باطلاقہ یشمل ما اذا کان السافل مخلف الصورۃ بل کل منھما فرع علیحدۃ ذکرھما فی البدائع علی التعاقب عن امامین فالاولی لا تؤخذ فی الاخری وھذا نصہ لوتنجس الحوض الصغیر بوقوع النجاسۃ ثم بسط ماؤہ حتی صار لایخلص بعضہ الی بعض فھو نجس لان المبسوط ھو الماء النجس وقیل فی الحوض الکبیر وقعت فیہ النجاسۃ ثم قل ماؤہ حتی صار یخلص بعضہ الی بعض انہ طاھر لان المجتمع ھو الماء الطاھر ھکذا ذکرہ ابوبکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالٰی واعتبر حالۃ الوقوع ولو وقع فی ھذا القلیل نجاسۃ ثم عاودہ الماء حتی امتلاء الحوض ولم یخرج منہ شیئ قال ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز التوضوء بہ لانہ کلما دخل الماء فیہ صار نجسا[1] اھ وذلک ان لاعتبار حالۃ الوقوع

تو میں کہتا ہوں اوّلاً، یہ چیز بدائع میں صرف ایک ہی انداز میں مذکور نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ جب کثیر پانی کے بھرے ہونے کی صورت میں نجاست گر جائے اور اس کا بالائی حصہ خالی ہو کر نیچے قلیل تک آجائے تو اُسی وقت ناپاک ہوگا جب اُس میں دوبارہ نجاست گرے، تو انھوں نے یہ بتایا کہ نچلا قلیل حصہ اوپر والے حصہ کی متابعت میں ناپاک نہ ہوگا، یہ اطلاق اس کو بھی شامل ہے جبکہ نچلے کی صورت مختلف ہو، بلکہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ فرع ہے، اس کو بدائع میں یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا ہے، اور دونوں اماموں کی طرف منسوب کیا ہے تو ایک صورت کو دوسری میں نہیں لیا جائیگا ان کی عبارت اس طرح ہے "یا چھوٹا حوض جو نجاست کے گر جانے سے ناپاک ہوگیا ہو، پھر اُس کا پانی اتنا پھیل گیا کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض تک پہنچنے سے قاصر ہوگیا تو یہ نجس ہے کیونکہ مبسوط نجس پانی ہی ہے، اور وہ بڑا حوض جس میں نجاست گر گئی پھر اس کا پانی اتنا کم ہوگیا کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض تک پہنچنے لگا تو یہ پاک ہے کیونکہ جو اکٹھا ہے وُہ پاک پانی ہے اسی طرح اس کو ابوبکر الاسکاف نے ذکر کیا اور حالۃ وقوع کا اعتبار کیا، اور اگر اس کم میں نجاست گری پھر اس میں پانی واپس آگیا یہاں تک کہ حوض بھر گیا اور اس میں سے کچھ باہر

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۲/۱

محلین الاول تغیر مساحة الماء مع بقائه (ف۱)
فی ذاته کما کان بلا نقص ولا زیادة کان
یکون الماء منبسطا فی حوض کبیر وفیه
منفذ مسدود دونه بئر مثلا قطرها ذراعان
فوقعت فی الحوض نجاسة فلم یتنجس الماء
لانه عشر فی عشر ثم اخرجت النجاسة و
فتح المخرج حتی انتقل ذلك الماء الی البئر
فصار فی قطر ذراعین لم یعد نجسا لان
العبرة لحین الوقوع وھو اذ ذاك کان کثیر (ف۲)
المساحة وان صار الاٰن قلیلا وان کان
الماء فی البئر فوقعت فیھا نجاسة فنزح کلھا
وجعل الماء فی الحوض حتی انبسط وصار
عشرا فی عشر لم یطھر اعتبارا بحال الوقوع
حیث کان عندئذ قلیل المساحة وان صار
الاٰن کثیرا وھذا ما فی البزازیة لو کان دون
عشر فی عشر لکنه عمیق وقع فیه مائع و
انبسط حتی عد کثیرا لایتوضوء منه ولو
عشرا فی عشر ثم قل توضأ به لا فیه لاعتبار
اوان الوقوع[1] اھ وفی الخانیة الماء الطاھر اذا
کان فی موضع ھو عشر فی عشر وقعت فیه
نجاسة ثم اجتمع ذلك الماء فی مکان
ھو اقل من عشر فی عشر یکون طاھرا ولو
کان الماء فی مکان ضیق ھو اقل من عشر فی عشر

نہ نکلا، ابوالقاسم الصفار نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز
نہیں کیونکہ جب اس میں پانی داخل ہوا تو نجس
ہوگیا، اھ کیونکہ وقوع کی حالت کے دو اعتبار ہیں
پہلا تو یہ کہ پانی کی پیمائش میں تغیر آجائے اور اس کی
ذات بحال رہے جیسی کہ تھی نہ کمی اور نہ زیادتی مثلاً
یہ کہ پانی بڑے حوض میں پھیلا ہوا ہو اور اس میں
ایک سوراخ ہو جو کنویں تک جاتا ہو اور یہ سوراخ
بند ہو، کنویں کا قطر مثلاً دو ہاتھ ہو اب حوض میں نجاست
گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا کہ یہ دہ دردہ ہے پھر
نجاست نکال لی جائے اور سوراخ کھول دیا جائے
اور وہ پانی کنویں کی طرف منتقل ہو جائے اور دو
ذراع کے قطر میں پہنچ جائے تو نجس نہ ہوگا، کیونکہ
یہاں اعتبار گرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت
اس کی پیمائش زیادہ تھی اگرچہ اب کم ہوگئی ہے اور
اگر پانی کنویں میں ہو اور اس میں نجاست گر جائے پھر کنویں کا تمام
پانی نکال کر ایک حوض میں جمع کر لیا جائے حتی کہ وہ پھیل جائے
اور پانی دہ دردہ ہو جائے تو پانی پاک نہ ہوگا کیونکہ نجاست کے
واقع ہونے کے وقت کا اعتبار ہے اور اس وقت پیمائش کم تھی
اگرچہ اب کثیر ہوگئی ہے۔ بزازیہ میں ہے اور اگر وہ دہ دردہ سے کم ہو لیکن
گہرا ہو اور اس میں کوئی بہنے والی چیز گر گئی اور پھیل گئی یہاں تک
کہ زیادہ ہوگئی تو اس سے وضو نہ کیا جائیگا اور اگر وہ دہ دردہ
ہو اور پھر کم ہو جائے تو اس سے وضو کر لیگا نہ کہ اس میں، یہاں
بھی گرنے کے وقت کا اعتبار ہے اھ اور خانیہ میں ہے کہ پاک پانی اگر
کسی ایسی جگہ میں ہے جو دہ دردہ ہو اور اس میں نجاست گر جائے
پھر وہ پانی ایسی جگہ جمع ہو جائے جو دہ دردہ سے کم ہو تو وہ پانی
پاک ہے اور اگر پانی تنگ جگہ میں ہو جو دہ دردہ سے کم ہے اس
میں نجاست گر جائے پھر وہ پھیل کر دہ دردہ ہو جائے تو
پانی ناپاک ہے اور اعتبار اس میں نجاست

[1] فتاوی بزازیة نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵

ووقعت فیه نجاسة ثم انبسط ذلك الماء و صار عشرا فی عشر کان نجسا والعبرة فی هذا الوقت وقوع النجاسة اھ[1] ومثله فی الخلاصة وفی الدر عن التتارخانیة عن الظهیریة وفی غیرها والثانی تغیر مساحته لزیادة فیه او نقصه کان یکون فی غدیر بطنه اکثر انحدارا من حافاته کما وصفنا من نصف الدائرة اعلاه عشر فی عشر ثم لم یزل یقل فاذا کان ممتلئا کان کثیرا لا یقبل النجاسة فاذا وقعت واخرجت (ف[1]) وقل الماء بالاستعمال او بحر الصیف حتی یبس فی الاطراف وبقی فی بطنه اقل من عشر فی عشر کما هو مشاهد فی کثیر من الغدران لم یعد نجسا لانه کان حین وقعت کثیرا وان جف ماؤه (ف[2]) وبقی فی وسطه قلیلا وعند ذلك وقع فیه نجس ثم دخله الماء حتی امتلأ وصار کثیرا غیر انه لم یفض من جوانبه کی یطهر بالجریان فانه یبقی کما کان نجسا لما مر وهذا ما فی المنیة کما تقدم و فی الخانیة حوض اعلاه عشر فی عشر و اسفله اقل منه جاز فیه الوضوء یعتبر فیه وجه الماء فان قل ماؤه وانتهی الی موضع هو اقل من عشر لا یجوز فیه الوضوء[2] و

کے گرنے کے وقت کا ہے اھ اسی قسم کا کلام خلاصہ میں ہے، اور دُر میں تتارخانیہ سے ظہیریہ وغیرہ سے منقول ہے اور دوسرا یہ کہ پانی کی پیمائش میں تغیر آجائے اس میں کمی یا زیادتی کے باعث مثلاً یہ کہ اُس کے گڑھے میں پانی کا بہاؤ بہ نسبت کناروں کے زائد ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا، یعنی دائرہ کا نصف جس کا بالائی حصہ دہ دردہ ہو پھر برابر کم ہوتا گیا، اور جب بھرا ہوا ہو تو زاید ہوگا نجاست کو قبول نہ کریگا اور جب نجاست گر جائے اور نکال لی جائے اور پانی استعمال کی وجہ سے کم ہو جائے یا گرمی کے باعث اُس کے کنارے خشک ہو جائیں اور اس کے گڑھے میں دہ دردہ سے کم رہ گیا ہو جیسا کہ بہت سے گڑھوں میں مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ نجس نہ ہوگا کیونکہ جب نجاست اُس میں گری تھی تو وہ زائد تھا اگر حوض کا پانی خشک ہو جائے حتی کہ اس کے وسط میں تھوڑا سا پانی باقی رہے اور اس وقت نجاست گر جائے پھر پانی داخل ہو حتی کہ وہ بھر جائے اور پانی کثیر ہو گیا مگر پانی اس کے کناروں سے نکلا نہیں ورنہ وہ پانی کے بہاؤ سے پاک ہو جاتا اب وہ حسبِ سابق نجس ہی رہے گا اسکی دلیل گزری اور یہ منیہ میں ہے جیسا کہ گزرا، اور خانیہ میں ہے کہ ایک حوض جس کا بالائی حصہ دہ دردہ ہے اور نچلا اس سے کم ہے، اس سے وضو جائز ہے، اور اس میں پانی کی سطح کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس کا پانی کم ہو اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جو دہ دردہ سے کم تر ہو تو اس میں وضو جائز نہیں، محقق نے فتح میں فرمایا کہ کوئی نجاست دہ دردہ حوض میں گری اور پھر پانی کم ہو گیا تو وہ طاہر ہے اور جب

---

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] ایضاً

قال المحقق فی الفتح سقطت نجاسۃ فی عشر فی عشر ثم صار اقل فھو طاھر واذا تنجس حوض صغیر فدخل ماء حتی امتلأ ولم یخرج منہ شیئ فھو نجس[1] اھ وفی الغنیۃ الحاصل ان الماء اذا تنجس حال قلتہ لایعود طاھرا بالکثرۃ وان کان کثیرا قبل[ع۱] اتصالہ بالنجاسۃ لایتنجس بھا ولو نقص بعد سقوطھا فیہ حتی صار قلیلا فالمعتبر قلتہ وکثرتہ وقت اتصالہ بالنجاسۃ سواء وردت علیہ او ورد علیھا ھذا ھو المختار[2] اھ وبینہ فی التبیین باوجز لفظ فقال العبرۃ بحالۃ الوقوع فان نقص بعدہ لایتنجس وعلی العکس لایطھر[3] اھ فالامام ملک العلماء رحمہ اللہ تعالٰی ذکر الفصل الاول عن الامام ابی بکر الاسکاف الا تری الی قولہ ثم بسط ماؤہ وقولہ المبسوط ھو الماء النجس وقولہ المجتمع ھو الماء الطاھر فقولہ قل ای مساحۃ لاقدرا یقطع بہ تعبیرہ بالمجتمع وذکر الفصل الثانی من قولہ ولو وقع فی ھذا القلیل عن الامام

چھوٹا حوض ناپاک ہوگیا پھر اُس میں پانی بھر گیا اور اُس سے کچھ باہر نہ نکلا تو وہ حوض اُس نجاست سے ناپاک ہوگا اھ اور غنیہ میں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ پانی جب کمی کی حالت میں ناپاک ہوگیا تو کثرت کی حالت میں پاک نہ ہوگا، اور اگر اتصالِ نجاست کے وقت زائد تھا تو نجاست سے نجس نہ ہوگا اور اگر نجاست کے گرجانے کے بعد کم ہوا تو معتبر اس میں پانی کی قلت وکثرت ہے جبکہ اس میں نجاست گری تھی خواہ نجاست پانی پر وارد ہوتی ہو یا پانی نجاست پر وارد ہوا ہو یہی مختار ہے اھ، تبیین میں اسی کو بہت مختصر عبارت سے بیان کیا ہے فرمایا، اعتبار وقوع کی حالت کا ہے تو اگر اس کے بعد کم ہوا تو ناپاک نہ ہوگا اور اگر برعکس ہے تو پاک نہ ہوگا اھ امام ملک العلماء رحمہ اللہ نے پہلی فصل امام ابو بکر الاسکاف سے نقل کی اس کے قول ثم بسط ماؤہ اور ان کا قول مبسوط وہ نجس پانی ہے اور ان کا قول مجتمع وہ پاک پانی ہے، کی طرف غور کریں تو ان کا قول قلّ یعنی پیمائش کے اعتبار سے نہ کہ مقدار کے اعتبار سے جس کو وہ مجتمع سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری فصل کو "ولو وقع فی ھذا القلیل" سے ذکر کیا یہ امام ابو القاسم الصفار سے منقول ہے، اور اس میں

ع۱ اقول الاولی حین کما لایخفی اھ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں قبل کی بجائے لفظ حین کا استعمال بہتر ہے اھ (ت)

---

[1] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱
[3] تبیین الحقائق بحث عشر فی عشر بولاق مصر ۱/ ۲۲

ابی القاسم الصفار ولذا قال[1] عاودہ الماء حتی امتلأ ولیست مقالۃ ابی بکر ماخوذۃ فی مقالۃ ابی القاسم رحمہما اللہ تعالٰی و ان کان یوھمہ زیادۃ ھذا فی ھذا القلیل وکذا قولہ ثم عاودہ وقولہ حتی امتلأ فان ھذا شأن حوض کبیر نقص ماؤہ فبقی فی موضع قلیل ولم یمر لھذا ذکر سابقا لان الناقص لایقال لہ المجتمع فالاشارۃ وقعت غیر موقعہ **وثانیا** علی تسلیمہ فلا شک ان کلامہ فی الصورۃ الثانیۃ من الصور الاربع اعنی الاختلاف صفۃ مع الاتحاد صورۃ دون الرابعۃ التی فیہا کلامنا یقطع بہ تعلیلہ کلما دخل الماء صار نجسا مع قولہ ولم یخرج منہ شیئ کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

فرمایا اس میں پانی لوٹا یہاں تک کہ حوض بھر گیا اور ابوبکر کا مقالہ ابوالقاسم کے مقالہ میں ماخوذ نہیں ہے اگرچہ ھذا القلیل میں ھذا کی زیادتی ہے اور اسی طرح ان کے قول ثم عاودہ اور ان کے قول حتی امتلأ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ بڑے حوض کا حال ہے جس کا پانی گھٹ گیا ہے اور کم جگہ میں رہ گیا اور اس کا ذکر شروع میں نہیں ہے، کیونکہ ناقص کو مجتمع نہیں کہا جاتا ہے تو اشارہ بے موقع ہے،

اور ثانیاً اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ان کا کلام چار صورتوں میں سے دوسری صورت میں ہے، میری مراد یہ ہے جب صفت میں اختلاف اور صورت میں اتحاد ہو، یہ چوتھی صورت نہیں ہے جس میں ہماری گفتگو ہے، جس کی تعلیل قطعی ہے، جب بھی پانی داخل ہوگا تو نجس ہو جائے گا پھر ساتھ ہی یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ اس سے کوئی چیز نکلی نہ ہو جیسا کہ آپ ان شاء اللہ تعالٰی پہچان لیں گے۔ (ت)

سوال پنجم ۵۳

اسی صورت میں پانی حصۂ زیریں قلیل میں تھا اور اس وقت نجاست پڑی اور اُسے نکال کر یا بے نکالے بھر دیا گیا یا بارش وسیل سے بھر گیا کہ آب کثیر ہوگیا تو اب بھی اوپر کا حصہ پاک ہے یا نہیں اور حصۂ زیریں کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

یہاں اکثر کتب میں منقول تو اس قدر ہے کہ اگر بھر کر اُبل گیا کہ کچھ پانی باہر نکل گیا جب تو پاک ہوگیا کہ جاری ہولیا

---

[1] فافاد زیادۃ القدر دون المساحۃ فقط اھ منہ غفرلہ۔ (م)

اس نے مقدار کی زیادتی کا فائدہ دیا ہے صرف پیمائش کا نہیں اھ (ت)

ورنہ اوپر کا حصہ بھی ناپاک ہے اگرچہ مساحت کثیر ہیں ہے کہ نیچے کا حصہ جبکہ ناپاک تھا تو اس میں جتنا پانی ملتا گیا ناپاک ہوتا گیا اگر بھر کر اُبل جاتا سب پاک ہوجاتا مگر ایسا نہ ہُوا تو ناپاک ہی رہا کہ ناپاک پانی کثرتِ مساحت سے پاک نہیں ہوسکتا اور بعض نے کہا پاک ہوجائیگا اور اس کی وجہ ظاہر نہیں بدائع سے امام ابوالقاسم صفار کا قول گزرا نیز عبارتِ مُنیہ فان امتلأ صار نجسا ایضا ای کان (اگر حوض بھر جائے تو وہ نجس ہوگا جیسا کہ وہ تھا۔ت) اُسی میں اس کے بعد ہے وقیل لایصیر نجسا[1] (اور بعض نے کہا کہ نجس نہیں ہوگا۔ ت) حلیہ میں ہے ووجھہ غیر ظاھر[2] (اور اس کی وجہ معلوم نہیں۔ ت) غنیہ میں اتنا فرمایا والاول اصح[3] (اور پہلا زیادہ صحیح ہے۔ت)

اقول وباللہ التوفیق خیال فقیر میں یہاں ابحاث جلیلہ ہیں جن کو بقدر مساعدت وقت چند تاصیلات و تفریعات میں ظاہر کرے واللہ المعین وبہ استعین۔

اصل ۱: ہر مائع یعنی بہتی چیز کہ ناپاک ہوجائے پانی یا اپنی جنس طاہر کے ساتھ بہنے سے پاک ہوجاتی ہے وقد حققہ فی ردالمحتار بما لامزید علیہ (اور اس کی تحقیق ردالمحتار میں بطریق اتم کی ہے۔ت)

اصل ۲: آب کثیر کے حکم جاری ہونے میں جس طرح طول عرض یا مساحت یا ایک مقدار عمق بھی ضرور ہے جاری ہونے کے لیے ان میں سے کچھ شرط نہیں ملنبع کا پانی جب تک بہ رہا ہے جاری ہے اگرچہ گرہ بھر کے پرنالہ سے آرہا ہو کما نصوا علیہ فی ماء السطح (جیسا کہ سطح کے پانی میں فقہاء نے نص کی ہے۔ت) ولہذا یہ حکم ہر برتن کو شامل ہے مثلاً کٹورے یا تھالی میں ناپاک پانی ہو پانی اس پر ڈالیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنے لگے پانی اور برتن سب پاک ہوجائیں گے امام ملک العلماء نے بدائع آخر فصل مایقع بہ التطہیر میں فرمایا:

الحوض الصغیر اذا تنجس قال الفقیہ ابوجعفر الھندوانی رحمہ اللہ تعالٰی اذا دخل فیہ الماء الطاھر وخرج بعضہ یحکم بطھارتہ بعد ان لاتستبین فیہ النجاسۃ لانہ صار جاریا وبہ اخذ الفقیہ ابواللیث وعلی ھذا حوض الحمام اوالاوانی اذا تنجس[4]

چھوٹا حوض جب ناپاک ہوجائے، فقیہ ابوجعفر الہندوانی نے فرمایا جب اس قسم کے حوض میں پاک پانی داخل ہوجائے اور اس میں سے کچھ حصہ نکل جائے تو اس کے پاک ہونے کا حکم دیا جائیگا بشرطیکہ اس میں نجاست ظاہر نہ ہو کیونکہ وہ جاری ہوجائیگا، اور یہی فقیہ ابواللیث کا قول ہے اور اس پر حمّام کا

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

[2] حلیہ

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

[4] بدائع الصنائع آخر فصل مایقع بہ التطہیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷

حوض یا برتن قیاس کیا جائے، یعنی نجس ہونے کی صورت میں۔ (ت)

اصل ۳: اس جریان کے تین رکن ہیں:

۱۔ دخول ۲۔ خروج ۳۔ معیت

یعنی مثلاً پانی ایک طرف سے داخل ہو اور دوسری طرف سے کچھ حصہ خارج ہو اور وُہ نکلنا اُسی داخل ہونے کی حالت میں ہو اگرچہ ابتدائے دخول میں نہ ہو۔

لوٹے میں ناپاک پانی ہے اُس پر پاک پانی نہ ڈالیے۔ ٹونٹی سے وہی ناپاک پانی نکال دیجئے تو صرف خروج بلا دخول ہوا یا آدھے لوٹے میں ناپاک پانی ہے پاک پانی سے بھر دیجئے کہ کچھ نکلے نہیں تو محض دخول بلا خروج ہوا یا پاک پانی بھرنے کے بعد جھکا کر ٹونٹی سے کچھ نکال دیجئے تو خروج بحال دخول نہ ہوا۔ ان تینوں صورتوں میں طہارت نہ ہوگی بلکہ پاک پانی ڈالتے رہیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنا شروع ہو اُس وقت پاک ہوگا کہ ایک وقت وُہ آیا کہ خروج و دخول کی معیت ہوگئی اگرچہ برتن بھرنے تک صرف دخول بلا خروج تھا۔ تبیین و فتح میں ہے:

ولو تنجس الحوض الصغیر بوقوع نجاسة فیه ثم دخل فیه ماء اٰخر وخرج الماء منه طهر ان قل اذا کان الخروج حال دخول الماء فیه لانه بمنزلة الجاری۔[1]

اور اگر چھوٹے حوض میں نجاست گر گئی اور وہ نجس ہوگیا پھر اس میں اور پانی داخل ہوگیا اور نکل گیا تو حوض پاک ہوجائے گا خواہ کم ہی ہو جبکہ پانی داخل ہوتے ہی نکل گیا ہو کیونکہ وہ بمنزلہ جاری کے ہے۔ (ت)

بحر میں اسی کی مثل لکھ کر فرمایا:

صححه فی المحیط وغیره وقال السراج الهندی وکذا البئر واعلم ان عبارة کثیر منهم تفید ان الحکم اذا کان الخروج حالة الدخول وهو کذلك فیما یظهر لانه ح یکون فی المعنی جاریا لکن ایاك وظن انه لو کان الحوض غیر ملاٰن فلم یخرج منه شیئ فی اول الامر لا یکون طاهرا اذ غایته انه عند امتلائه قبل خروج الماء

محیط وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا اور سراج ہندی نے فرمایا اور اسی طرح کنوئیں کا حال ہے اور جاننا چاہیے کہ اکثر علماء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے جبکہ پانی داخل ہوتے ہی نکل جائے تو حکم بظاہر ایسا ہی ہے کیونکہ یہ جاری کے حکم میں ہے لیکن آپ یہ گمان نہ کریں کہ اگر حوض بھرا ہوا نہ ہو اور اس میں سے ابتداءً کچھ نہ نکلے تو وہ پاک نہ ہوگا کیونکہ حوض بھرنے تک نکلنے سے پہلے ناپاک ہوجائے گا پھر وہ اتنی مقدار کے نکلنے کے بعد پاک ہوجائیگا جس سے طہارت

[1] تبیین الحقائق بحث عشر فی العشر بولاق مصر ۱/ ۲۲-۲۳

منه نجس فيطهر بخروج القدر المتعلق به الطهارة اذا اتصل به الماء الجاري الطهور كما لوكان ممتلئا ابتداء ماء نجسا ثم خرج منه ذلك القدر لاتصال الماء الجاري به كذا في شرح المنية اھ[1] يريد حلية الامام ابن اميرالحاج۔

متعلق ہوجبکہ اس کے ساتھ طاہر اور طہور پانی متصل ہوجو جاری ہو جیسا کہ ابتداءً بھرا ہونے کی صورت میں تھا، یعنی اس میں نجس پانی تھا پھر اس میں سے اتنی مقدار نکل گئی کیونکہ اس کے ساتھ جاری پانی متصل ہوا، کذا فی شرح المنیہ اھ اس سے ان کی مراد ابن امیر الحاج کی حلیہ ہے۔ (ت)

ہاں علماء نے مواضع ضرورت میں اخراج کو بھی خروج رکھا ہے جیسے حمام کا حوض کہ اُس میں کسی نے ناپاک ہاتھ ڈال دیا اگر لوگ اُس میں سے پانی لے رہے ہیں مگر نل سے پانی اُس میں نہیں آتا یا نل سے پانی آرہا ہے مگر لوگ اس میں سے پانی نکال نہیں رہے ہیں تو ناپاک ہوجائیگا کہ خروج یا دخول ایک پایا گیا اور اگر اُدھر نل سے پانی آرہا ہے اور اُدھر لوگوں کا اُس میں سے لینا برابر جاری ہے کہ پانی کی جنبش ساکن نہیں ہونے پاتی تو جاری کے حکم میں ہے ناپاک نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے، ہندیہ میں ہے:

حوض الحمام طاهر فان ادخل رجل يده في الحوض وعليها نجاسة ان كان الماء ساكنا لايدخل فيه شیئ من انبوبه ولا يغترف منه انسان بالقصعة يتنجس وان كان الناس يغترفون ولايدخل من الانبوب ماء او على العكس فاكثرهم على انه يتنجس وان كان الناس يغترفون ويدخل من الانبوب فاكثرهم على انه لايتنجس هكذا في فتاوی قاضی خان وعليه الفتوى كذا في المحيط[2]۔

حمام کا حوض پاک ہے اگر کسی شخص نے حوض میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ہاتھ پر نجاست تھی اگر پانی ساکن تھا ایسا کہ اس میں کوئی چیز اس کی نالی سے داخل نہ ہو اور کوئی انسان اس میں سے پیالہ سے نہ نکال رہا ہو تو وہ ناپاک ہوجائے گا اور اگر یہ لوگ اس میں سے چُلّو بھر کر پانی لیتے ہوں اور نالی سے پانی داخل نہ ہوتا ہو یا برعکس ہو تو اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ ناپاک ہوجائیگا اور اگر لوگ اس سے چلّو بھر کر لیتے ہوں اور نالی سے پانی داخل ہوتا ہو تو اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ ناپاک نہ ہوگا اسی طرح فتاوٰی قاضی خان میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق بحث عشر فی العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز بہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

اسی طرح[1] وضو کے حوض میں بھی اگر نالی سے پانی آرہا ہے اور لوگ برابر لے رہے ہیں کہ پانی ٹھہرنے نہیں پاتا ناپاک نہ ہوگا عالمگیریہ میں ہے:

حوض صغیر تنجس فدخل الماء الطاهر من جانب وسال ماء الحوض من جانب اٰخر کان الفقیه ابوجعفر رحمه الله تعالٰی یقول کما سال یحکم بطهارة الحوض وهو اختیار الصدر الشهید رحمه الله تعالٰی کذا فی المحیط وفی النوازل وبه ناخذ کذا فی التتارخانیة وان دخل الماء ولم یخرج ولکن الناس یغترفون منه اغترافا متدارکا طهر کذا فی الظهیریة والغرف المتدارك ان لایسکن وجه الماء فیما بین الغرفتین کذا فی الزاهدی[1]۔

چھوٹا حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل ہوا اور حوض کا پانی دوسری جانب سے بہ نکلا تو فقیہ ابوجعفر اس حوض کی طہارت کا حکم دیتے تھے، اور یہی صدر الشہید کا مختار ہے کذا فی المحیط، اور نوازل میں ہے، اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں، اسی طرح تتارخانیہ میں ہے اور اگر پانی داخل ہوا اور نہ نکلا لیکن لوگ اس سے مسلسل چلّو بھر لیتے رہے تو وہ پاک ہوگا کذا فی الظہیریہ اور مسلسل چلّو بھرنا یہ ہے کہ دو چلوؤں کے درمیان پانی پُرسکون نہ ہو کذا فی الزاہدی۔ (ت)

اس کی دوسری سند فتاوٰی خلاصہ سے آتی ہے (یعنی فصل چہارم میں) علامہ[2] خیر رملی نے کنواں بھی اسی حکم میں داخل کیا جبکہ سوتوں سے پانی اُبل رہا اور اوپر سے برابر چرخ چل رہا اُدھر سے آتا اِدھر سے نکل رہا ہو اس حالت میں نجاست سے ناپاک نہ ہوگا ہاں نجاستِ مرئیہ اس میں رہنے دی اور پانی کھینچنا اتنی دیر موقوف ہوگیا کہ پانی ٹھہر گیا جنبش جاتی رہی تو اب ناپاک ہوجائے گا۔ منحۃ الخالق میں ہے:

والحقوا بالجاری حوض الحمام قال الرملی

اور جاری پانی سے علماء نے حمام کے حوض کو ملادیا،

---

[1] یونہی اگر اس کنارے پر کوئی نہا رہا ہے کہ پانی برابر نکل رہا ہے تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لوکان یدخله الماء ولایخرج منه لکن فیه انسان یغتسل ویخرج الماء باغتساله من الجانب الاٰخر متدارکا لاینجس[12] منه غفر له (م)

اگر پانی حوض میں داخل ہو رہا ہو اور اس سے نکل نہ رہا ہو لیکن کوئی آدمی وہاں غسل کر رہا ہو اور اس کے غسل کا پانی مسلسل دوسری جانب نکل رہا ہو تو وہ نجس نہ ہوگا۔ (ت)

[2] اس کی کامل تائید تنبیہ جلیل کے آخر میں آتی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز بہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

اقول وبالاولی الحاق الأبار المعینة التی علیها الدولاب ببلادنا اذ الماء ینبع من اسفلها والغرف فیها بالقوادیس متدارك فوق تدارك الغرف من حوض الحمام فلا شك فی ان حکم مائها حکم الجاری فلو وقع فی حال الدوران فی البئر والحال هذہ نجاسة لا ینجس تأمل واللہ تعالٰی اعلم۔

رملی کہتے ہیں میں کہتا ہوں وہ کنوئیں جن پر ہمارے ملک میں رہٹ ہوتا ہے ان کو جاری پانی سے ملانا بطریقِ اولٰی ہوگا، کیونکہ پانی ان کے نیچے سے نکلتا ہے اور ڈولوں کے ذریعے سے ان سے پانی کا نکالنا تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے یہ تسلسل اس سے کہیں زاید ہے جو حوض کے حمام سے چلو بھرنے سے ہوتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ ان کے پانی کا حکم جاری پانی کا ہے تو اگر اس حالت میں پانی کے چلتے وقت نجاست کنوئیں میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا تأمل واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اصل ۴ : اقول اگرچہ مذہب صحیح میں اس خروج کے لیے کوئی مقدار نہیں ادنٰی ابلنا کافی ہے جس پر سیلان صادق آئے،

کما تقدم عن البدائع وخرج بعضہ وعن التبیین والفتح والبحر وان قل وعن المحیط کما سال وھذہ کاف الفور۔

جیسا کہ بدائع سے گزرا کہ وخرج بعضہ اور تبیین، فتح، بحر میں ہے کہ وان قل اور محیط سے ہے کما سال یعنی فوراً بہنے پر، کما میں کاف فوراً کا معنی دیتا ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے :

فی المبتغی بالغین المعجمة ھو الصحیح وفی محیط رضی الدین ھو الاصح وکذلك البیر علی ھذا لان الماء الجاری لما اتصل بہ صار فی الحکم جاریا[2]۔

مبتغٰی میں ہے غین معجمہ سے اور یہی صحیح ہے اور محیط رضی الدین میں ہے ھو الاصح، اور اسی طرح کنوئیں کا حال ہے کیونکہ جب جاری پانی اس سے متصل ہوگیا تو جاری کے حکم میں ہوگیا۔ (ت)

مگر شک نہیں کہ یہ بہاؤ جب تک منتہی نہ ہوگا کہ حکم جریان منتطع نہ ہوگا کہ وہ حرکت واحدہ مستمرہ ہے اُس کے بعض پر متحرک کو جاری اور باقی پر راکد و واقف ماننے کے کوئی معنی نہیں،

ولہذا ساغ لمن ارادان یزید ای لم یکتف لحکم الجریان بمجرد السیلان بل شرط حرکة

اور اسی لیے جائز ہے اس شخص کے لیے جس نے زائد کیا کہ زائد ہو یعنی کافی نہ ہوا جاری ہونے کے حکم کےلیے

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

[2] حلیہ

كثيرة يعتد بها فلولا ان هذا السائل من ذلك الماء المطلوب سيلانه لم تنفع الزيادة ۔

صرف سیلان کا ہونا، بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ اس میں بکثرت حرکت ہو کہ جس کا اعتبار ہو کیونکہ اگر یہ بہنے والا پانی اس پانی سے نہ ہوتا جس کا بہاؤ مطلوب ہے تو اس اضافے کا کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ میں نقل فرمایا:

لو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة يطهر اما قدر ذراع او ذراعين فلا[1]۔

اگر حوض بھر گیا اور کنارے سے نکل کر پانی بہتا ہوا مشجرہ تک پہنچ گیا تو وہ پاک ہوجائے گا بہرحال ایک ذراع یا دو ذراع تو نہیں۔ (ت)

ظہیریہ میں تصریح فرمائی کہ اس اُبال میں جو پانی نکل رہا ہے اندر کا پانی تو پاک ہو ہی گیا باہر نکلنے والا بھی طاہر مطہر ہے یہاں تک کہ پانی نکلتا جائے اور اُس سے کوئی وضو کرتا جائے یا کہیں جمع ہونے کے بعد کسی برتن میں لے کر وضو کرے تو وضو صحیح ہے ظاہر ہے کہ اول سیلان کا پانی اتنا نہ ہوگا جس سے وضو ہوجائے ردالمحتار میں ہے:

فی الظهيرية الصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه وان رفع انسان من ذلك الماء الذی خرج وتوضأ به جاز اھ قال ش لكن فی الظهيرية ايضا حوض نجس امتلأ ماء وفار ماؤه على جوانبه وجف جوانبه لا يطهر وقيل يطهر اھ وفيها ولو امتلأ فتشرب الماء فی جوانبه لا يطهر مالم يخرج الماء من جانب اخر اھ وفی الخلاصة المختار انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه فلو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط الى اخر ما نقلنا وانهى الكلام على قوله فليتأمل اھ وذكر بعده مسألة

ظہیریہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وُہ پاک ہوجائے گا اگرچہ اُس سے اُتنا پانی نہ نکلے جو حوض میں تھا اور اگر کسی انسان نے وُہ پانی اٹھالیا جو خارج ہوا تھا اُس سے وضو کرلیا تو جائز ہے اھ "ش" نے فرمایا لیکن ظہیریہ ہی میں ہے کہ ایسا حوض جو ناپاک ہو اگر پانی سے بھر جائے اور اس کا پانی کناروں سے بہہ نکلے پھر خشک ہوجائے اور اُس کے کنارے بھی خشک ہوجائیں تو پاک نہ ہوگا" اور ایک قول ہے کہ پاک ہوجائیگا اھ اور اسی میں ہے کہ اگر کوئی حوض اتنا بھر گیا کہ اس کے کنارے پانی سے تر ہوگئے تو وہ اُس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ پانی دوسری طرف سے نہ نکلے اھ اور خلاصہ میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ وہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ١/٥

طهارة الاواني فقال هل يلحق نحو القصعة بالحوض فاذا كان فيها ماء نجس ثم دخل فيها ماء جار حتى طف من جوانبها هل تطهر هي والماء الذي فيها كالحوض ام لا لعدم الضرورة في غسلها توقفت فيه مدة ثم رأيت في خزانة الفتاوى اذا فسد ماء الحوض فاخذ منه بالقصعة وامسكها تحت الانبوب فدخل الماء وسال ماء القصعة فتوضأ به لايجوز اھ وفي الظهيرية في مسألة الحوض لوخرج من جانب اٰخر لايطهر مالم يخرج مثل ما فيه ثلاث مرات كالقصعة عند بعضهم والصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه اھ فالظاهر[1] ان ما في الخزانة مبني على خلاف الصحيح يؤيده ما في البدائع وعلى هذا حوض الحمام او الاواني اذا تنجس اھ ومقتضاه انه على القول الصحيح تطهر الاواني ايضا بمجرد الجريان فاتضح الحكم ولله الحمد ولبقي شئ

پاک ہوجائیگا اگرچہ اس میں سے اتنا پانی خارج نہ ہو جتنا کہ اس کے اندر ہے اور اگر حوض اتنا بھرا کہ جانب سے بہنے لگا الی آخر ما نقلنا پھر انھوں نے اپنا کلام فلیتأمل اھ پر ختم کیا اور اس کے بعد برتنوں کی طہارت کا مسئلہ ذکر کیا اور فرمایا آیا پیالہ جیسی چیز کو حوض پر قیاس کیا جائے گا؟ اور یہ کہ اگر اس میں ناپاک پانی ہو پھر جاری پانی اس میں داخل ہوجائے اور کناروں سے نکل جائے تو آیا وہ پیالہ اور جو پانی اس میں ہے پاک ہوگا؟ جس طرح حوض پاک ہوتا ہے، یا پاک نہ ہوگا کیونکہ اس کو دھو کر پاک کرنے میں ضرورت نہیں، تو میں نے اس مسئلہ میں ایک مدت تک توقف کیا، پھر میں نے خزانۃ الفتاوی میں دیکھا کہ جب حوض کا پانی فاسد ہوجائے اور اس سے کوئی شخص پیالہ بھر کرلے اور اس کو نالی کے نیچے روک کر رکھے پھر پانی داخل ہو اور پیالہ کا پانی بہہ نکلے اب اس پانی سے وضو کرے تو جائز نہ ہوگا اھ اور ظہیریہ کے حوض میں مسئلہ میں ہے، اگر پانی دوسری طرف سے نکل گیا تو اس وقت

---

[1] اقول في الاحتجاج بكلام الظهيرية على الخزانة نظر فلقائل ان يقول مفاده ان عدم الطهارة في القصعة متفق عليه للاستشهاد به والتصحيح انما يرجع الى الحوض ١٢ منه (م)

میں کہتا ہوں ظہیریہ کے کلام سے جو استدلال خزانہ کے خلاف کیا ہے اس میں نظر ہے، کیونکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ پیالہ میں پاک نہ ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے کیونکہ اس سے استشہاد کررہے ہیں اور تصحیح صرف حوض کی طرف راجع ہے۔ (ت)

اخر[1] سئلت عنه وهو ان دلوا[2] تنجس فافرغ فيه رجل ماء حتى امتلأ وسال من جوانبه هل يطهر بمجرد ذلك والذي يظهر لي الطهارة اخذا مما ذكرنا هنا[3] ومما مر من انه لا يشترط ان يكون الجريان بمدد نعم على ماقدمناه عن الخلاصة من تخصيص الجريان بان يكون اكثر من[4] ذراع او

تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ جتنا اس میں تھا اس سے تین گنا زیادہ نہ نکلا ہو جیسا کہ پیالہ کا حکم ہے، یہ بعض حضرات کے نزدیک ہے، اور صحیح یہ ہے کہ پاک ہوجائیگا اگرچہ اتنا پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ پیالہ میں تھا، تو بظاہر خزانہ میں جو ہے وہ صحیح کے برعکس ہے، بدائع میں اس کی تائید ہے اور اسی پر حمام کے حوض یا برتنوں کا قیاس ہے، یعنی ان کے ناپاک ہوجانے کی

---

[1] اقول هو هو بعينه لاشيئا اخر ولا احتمال لاختلاف الحكم باختلاف صورة القصعة والدلو ۱۲ منه۔ (م)

[2] اقول لابد من التقييد بتنجسه من داخل اذ لو تنجس من تحت لم يعمل فيه السيلان على ظاهره او من خارج فما لم يسل على الموضع المتنجس منه بحيث يذهب النجاسة كما روى عن الامام الثاني رضي الله تعالى عنه في ازار المغتسل ۱۲ منه غفر له (م)

[3] اقول رحمك الله ليس الجريان ههنا الا بمدد فاي حاجة للبناء على مختلف فيه ۱۲ منه۔ (م)

[4] اقول صوابه الاقتصار على ذراعين اذ عبارة الخلاصة اما قدر ذراع او ذراعين فلا ۱۲ منه (م)

اقول یہ بعینہ وہی ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور پیالہ اور ڈول کی صورت کے مختلف ہونے کی وجہ سے حکم کے مختلف ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔ (ت)

اقول اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ وہ ڈول اندر سے ناپاک ہو کیونکہ اگر وہ نیچے سے ناپاک ہو تو اس میں پانی کے بہانے کا اسکے ظاہر پر کوئی اثر نہ ہوگا یا خارج ناپاک ہو تو ایسی صورت میں پانی کا اس جگہ پر بہانا لازم ہے جو ناپاک ہے اور اس موجود نجاست کا ختم ہوجانا ضروری ہے، جیسا دوسرے امام ابو یوسف سے منقول ہے غسل کرنے والے کے تہبند کی بابت۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ آپ پر رحم کرے یہاں پر جریان مدد سے ہے تو اس میں اختلاف کی بنا رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں عبارت کو ذراعین پر ختم کرنا مناسب ہے کیونکہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے اما قدر ذراع او ذراعین فلا۔ (ت)

ذراعین بتقیید بذلك هنا لکنه مخالف لاطلاقهم طهارة الحوض بمجرد الجریان[1] اھ مختصرا

صورت میں اھ اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ قول صحیح پر برتن محض پانی کے جاری ہوجانے سے پاک ہوجائیں گے۔ تو اب حکم واضح ہوگیا، وللہ الحمد، اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا گیا ہے اور وُہ یہ ہے کہ اگر کوئی ڈول ناپاک ہوگیا اور اس میں پانی بہایا گیا یہاں تک کہ وُہ بھر کر بہنے لگا تو کیا وہ محض اس طریقہ سے پاک ہوجائیگا؟ تو مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاک ہوجائیگا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے یہاں ذکر کی اور جو گزری، یعنی یہ شرط نہیں کہ پانی کا جاری ہونا مد کے حساب سے ہو، ہاں جو ہم نے خلاصہ سے نقل کیا ہے یعنی کہ بہنے کو اس امر سے مقید کیا جائے کہ وُہ ایک یا دو ذراع سے زیادہ ہو، تو یہی قید یہاں بھی معتبر ہو گی، مگر یہ چیز فقہاء کے اطلاقات کے مخالف ہے وہ فرماتے ہیں حوض محض پانی کے جاری ہونے سے ہی پاک ہوجائیگا اھ مختصراً۔ (ت)

اقول قد افاد واجاد، واوضح المراد، کما ھو دابه علیه رحمة الکریم الجواد، لکن عبارة الخلاصة ھکذا اما حوض الحمام اذا وقعت فیه نجاسة قال فی التجرید عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه انھا لاتستقر وھو کالماء الجاری فان تنجس حوض الحمام فدخل الماء من الانبوب وخرج من الجانب الاخر فھو کالحوض الصغیر وفیه اقاویل ستاتی ولاباس بدخول الحمام للرجال والنساء وفی الفتاوی

میں کہتا ہوں اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق بڑی وضاحت سے اپنے مقصود کو ظاہر کر دیا، لیکن خلاصہ کی عبارت اس طرح ہے " بہرحال حمام کا حوض جبکہ اس میں نجاست گر جائے، تجرید میں حضرت امام ابوحنیفہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایسی نجاست ٹھہرے گی نہیں اور یہ جاری پانی کی طرح ہے، اب اگر حمام کا حوض ناپاک ہوگیا اور اس میں ایک نالی سے پانی داخل ہوکر دوسری طرف سے خارج ہوگیا تو یہ چھوٹے حوض کی طرح ہے، اس میں متعدد اقوال ہیں جو عنقریب آئیں گے اور مردوں

---

[1] ردالمحتار بحث عشر فی عشر مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۴۳

حوض الماء اذا اغترف رجل منه وبيده نجاسة
وكان الماء يدخل من انبوبه في الحوض و
الناس يغترفون من الحوض غرفا متداركا
لم يتنجس ـ الحوض الصغير اذا تنجس فدخل
الماء من جانب وخرج من جانب فيه اقاويل
قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالى
المختار انه طاهر وان لم يخرج مثل
ما فيه وكذا البئر ولو امتلأ الحوض و
خرج من جانب الشط على وجه الجريان
حتى بلغ المشجرة يطهر ما قدر ذراع او ذراعين
فلا ولو خرج من النهر الذي دخل الماء
في الحوض لا يطهر[1] اه كلامه الشريف
بلفظ المنيف فقوله ولو امتلأ الحوض وهو
كذلك بالواو لا بالفاء في نسختي الخلاصة
القديمة جدا ليس تتمة قول الصدر الشهيد
ولا داخلا تحت المختار وقد قدمنا عن
الهندية عن المحيط عن الصدر الشهيد
انه كما سال يطهر وقد وعد ان فيه اقاويل
ستأتي فلو كان هذا تتمته لم يذكر الا قولا
واحدا فوجب ان يكون هذا قولا اخر مقابل
المختار ولا يمكن جعل ما ذكر عن الفتاوى
قولا اخر لان الكلام في حوض تنجس وتلك
صورة عدمه وقد قدمنا مثلها عن

اور عورتوں کو حمّام میں داخل ہونے میں حرج نہیں،
اور فتاوٰی میں ہے کہ پانی کے حوض میں اگر کسی شخص نے
اپنا ناپاک ہاتھ ڈالا اور اس حوض میں پانی نالی سے
آرہا ہے اور لوگ اس حوض سے مسلسل چُلّو بھر کر پانی
لے رہے ہیں تو یہ حوض ناپاک نہ ہوگا ۔ چھوٹا حوض جب
ناپاک ہوا اور اس میں پانی ایک طرف سے داخل ہوکر
دوسری طرف سے نکل گیا تو اس میں کئی اقوال ہیں، صدر
الشہید نے فرمایا مختار یہ ہے کہ یہ پاک ہے خواہ اس سے
اتنی مقدار میں پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ اس میں موجود ہے
اور یہی حکم کنویں کا ہے اور اگر حوض بھر کر کنارے سے نکل گیا
اور بہتا رہا یہاں تک کہ مشجرہ تک پہنچ گیا تو پاک
ہوجائے گا، اور ایک ہاتھ یا دو ہاتھ پاک نہ ہوگا،
اور اگر اُس نہر سے پانی نکلا جس سے حوض میں داخل
ہُوا تھا تو پاک نہ ہوگا اھ تو ان کا قول "ولو امتلأ
الحوض" میرے پاس خلاصہ کے قدیم نسخہ میں یہ ایسا ہی واؤ کے ساتھ ہے
فاء کے ساتھ نہیں، یہ نہ تو صدر الشہید کے قول کا
تتمہ ہے اور نہ مختار کے تحت داخل ہے اور ہم نے
ہندیہ سے محیط سے صدر الشہید سے نقل کیا کہ وہ بہتے
ہی پاک ہوجائے گا، اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اس
میں کئی اقوال ہیں جو آئیں گے تو اگر یہ تتمہ ہوتا تو صرف
ایک ہی قول ذکر کرتے تو لازم ہے کہ یہ قولِ مختار کے
مقابل ہے اور جو فتاوٰی سے انہوں نے نقل کیا
اس کو دوسرا قول قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ کلام اُس

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی المیاہ نولکشور لکھنؤ

التجريد فان كونها لاتستقر ليس الا للغرف
المتدارك فليس في الخلاصة اختيار
تخصيص الجريان باكثر من ذراعين
حتى يعكر عليه بمخالفته اطلاقهم و
انما حكاه قولا وجعل المختار هو الاطلاق
اما عبارتا الظهيرية الاخيرتان **فاقول** هما
فيما دخل الماء الحوض وملأه حتى طش
منه على جوانبه على وجه الانتضاح الخفيف
اللازم للامتلاء بدخول قوي عنيف ولا
يصدق عليه السيلان من الجانب الأخر
(ف) فليس فيهما ماينا في عبارته الاولى (ف٢) الا
ترى الى قوله في الثالثة لايطهر مالم
يخرج من جانب اخر ناط الطهارة بمجرد
الخروج فعلم ان ماذكر لايسمى خروجا
من جانب اخر وما هو الا الانتضاح الذي
ذكرنا هكذا ينبغي ان يفهم كلام العلماء (ف٣)
ولله الحمد وبه ظهر ان قول العلامة ش
في صدر المسألة حتى طَفَّ (لہ) من جوانبها حقه

حوض میں ہے جو ناپاک ہو گیا اور وہ اُس کے ناپاک
نہ ہونے کی صورت ہے اور اسی کی مثل تجرید سے انہوں
نے نقل کیا، کیونکہ اس کا برقرار نہ رہنا تسلسل سے
چُلّو بھرنے کی ہی وجہ سے ہے، تو خلاصہ میں دو ہاتھ
سے زائد جاری ہونے کی تخصیص کو اختیار نہیں کیا، اگر
ایسا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ وہ ان کے اطلاقات
کی مخالفت کر رہے ہیں، انہوں نے تو اس کو محض
حکایت کیا ہے، اور مختار اطلاق ہی کو قرار دیا ہے،
اور ظہیریہ کی دو آخری عبارتوں کے متعلق میں کہتا ہوں
یہ دونوں اُس صورت سے متعلق ہیں جبکہ پانی حوض
میں داخل ہُوا اور اس کو بھر دیا اور اسکے کناروں سے
آہستہ آہستہ چھلکنے لگا یہ چیز عام طور پر اس وقت ہوتی ہے
جب حوض میں پانی یک دم سختی کے ساتھ داخل
ہوتا ہے، اور اس پر دوسری جانب سے بہنا صادق
نہیں آتا ہے، تو ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے
جو ان کی پہلی عبارت کے منافی ہو، چنانچہ وہ تیسری
صورت کے بارے میں فرماتے ہیں "وہ اس وقت
تک پاک نہ ہوگا جب تک دوسری طرف سے خارج

لہ لم ار هذا الفعل ولا مصدره في
الصحاح ولا الصراح ولا المختار ولا
القاموس ولا تاج العروس ولا مفردات الراغب
ولا نهاية ابن الاثير ولا الدر النثير
ولا مجمع البحار ولا المصباح المنير
انما في القاموس طفّ المكوك والاناء

اس فعل اور اس کے مصدر کو میں نے صحاح،
صراح، مختار، قاموس، تاج العروس،
مفردات راغب، نہایہ ابن اثیر، درنثیر، مجمع البحار
اور مصباح المنیر میں نہیں پایا۔ قاموس میں اتنا ہی
ہے کہ برتن اور پیمانے کا طَف، طفف (حرکت کے
ساتھ) اور طفاف (باقی بر صفحہ آئندہ)

ان یقول حتی سال من الجانب الاٰخر فربما لایزید ما ذکر علی الانتضاح اولا یبلغه ولا حاجة الی السیلان من جمیع الجوانب انما اللازم الخروج من جهة المقابل للدخول فلوکان الاناء مائلا فی ارض غیر مستویة وادخل فیه الماء من جانبه العالی وخرج من السافل کفی نعم لوصب فی الجانب السافل فعاد منه لم یکف کما فی اٰخر عبارة الخلاصة وباللّٰه التوفیق۔

نہ ہوجائے، انہوں نے طہارت کا دارومدار محض خروج پر رکھا، تو معلوم ہوا کہ جو انھوں نے ذکر کیا ہے اس کو خروج نہیں کہتے ہیں وُہ تو محض چھینٹوں کا اڑنا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور علماء کے کلام کو اسی طرح سمجھنا چاہئے وللّٰہ الحمد، اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ علامہ ش کی گفتگو مسئلہ کی ابتداء میں حتی طف من جوانبہا اس کے بجائے یوں کہنا چاہئے تھا کہ حتی سال من الجانب الاٰخر، تو جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ چھینٹوں سے نہیں بڑھے گا یا اس تک نہیں پہنچے گا، اور تمام کناروں سے بہنے کی حاجت نہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ جس طرف سے پانی داخل ہوا ہو اس کی مخالف جہت سے بہہ نکلے، اب اگر برتن کسی ناہموار زمین پر ہے اور ایک طرف کو جھکا ہوا ہے اور اس میں پانی اوپر کی طرف سے داخل ہو کر نچلی طرف سے نکل جائے تو کافی ہے، ہاں اگر نچلے حصہ میں بہایا جائے اور اُس سے واپس آجائے تو کافی نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کی عبارت کے آخر میں ہے وباللّٰہ التوفیق۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وطففه محرکة وطفافه ویکسر ما ملاء اصبارة او ما بقی فیه بعد مسح رأسه اوهو جمامه او ملؤه واناء طفّان بلغ الکیل طفافه اھ فی تاج العروس هذا طف المکیال وطفافه اذا قارب ملأه اھ وقوله اصبارہ ای جوانبه وجمامه ماعلی رأسه فوق طفافه ویکون ذلك فی الدقیق ونحوه یعلو رأسه بعد امتلائه ۱۲ منه غفرله۔ (م)

(طا کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے) اس کو کہا جاتا ہے جو اس کے کناروں کو بھر دے یا جو برتن کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد باقی بچ جائے یا اس کا ابھرنا ہے یا بھرنا ہے اور اناء طفان اس برتن کو کہا جاتا ہے جو مقرر ناپ تک بھر جائے اھ تاج العروس میں ہے کہ کہا جاتا ہے "یہ پیمانے کا طف ہے اور اس کا طفاف ہے" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پیمانہ بھرنے کے قریب ہو اھ اور قاموس نے "اصبارہ" جو کہا ہے تو اس سے مراد اس کے اطراف ہیں، اور "جمامه" سے مراد وہ ہے جو برتن بھرنے کے بعد اوپر ابھرا ہو اور یہ چیز آٹے وغیرہ میں پائی جاتی ہے کہ برتن بھرنے کے بعد اوپر تک اٹھا ہوتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

اصل ۵ : اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ کسی محل کے جوف میں پانی کی حرکت اگرچہ گزنوں ہو اُس محل کے حق میں جریان نہ ٹھہرے گی اُس کے بطن میں پانی کی جنبش اگرچہ باہر سے داخل ہونے پر ہوتی مگر اُس سے خارج تو نہ ہو تو جریان کے دو رکن نہ پائے گئے، مگر اُس محل کے اندر اگر دوسرا محل صغیر اور رہو اور پانی اُس میں جاکر اُسے ابال دے تو اس کے حق میں ضرور جریان ہو جائیگا کہ اس میں سب ارکان متحقق ہو گئے اگرچہ دوسرے کے جوف سے خروج نہ ہوا مثلاً دیگ میں ایک کٹورا رکھا ہے کٹورے میں ایک مینگنی پڑ گئی وہ نکال کر پھینک دی اور کٹورے پر پانی بہایا کہ اُبل کر نکل گیا مگر دیگ سے نکلنا کیا معنی وہ بھری بھی نہیں تو بے شک کٹورا اور اس کا پانی پاک ہو گیا کہ زمین پر یا دیگ کے اندر رکھے ہونے کو حکم میں کچھ دخل نہیں وھذا ظاھر جدا (اور یہ بہت واضح ہے۔ ت)

اصل ۶ : اقول اس جریان سے اگرچہ طہارت ہو جائے گی اور نجاست مرئیہ تھی اور نکال لی یا غیر مرئیہ تھی تو مطلقاً ہمیشہ طہارت رہے گی جب تک دوبارہ نجاست عارض نہ ہو مگر اگر نجاست مرئیہ ہے اور نہ نکالی تو حکم طہارت اُس وقت تک ہے جب تک یہ جریان باقی ہے پانی تھمتے ہی ظرف اور اس کے اندر کا پانی پھر ناپاک ہو جائیں گے کہ سبب یعنی نجاست موجود ہے اور مانع کہ جریان تھا زائل ہو گیا وھذا ایضا بوضوحہ غنی عن الایضاح (اور یہ بھی اپنے واضح ہونے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ ت)

منحۃ الخالق میں شرح ہدیۂ ابن العماد لسیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:

اذا وضع السرقین فی مقسم الماء الی البیوت وجری مع الماء فی القساطل[1] فالماء نجس

جب گوبر پانی میں ایسے مقام پر رکھ دیا جائے کہ وہاں سے پانی مختلف گھروں کو منقسم ہو کر جاتا ہو اور وہ گوبر پانی

---

[1] اعتید فی بلادنا القاء زبل الدواب فی مجاری الماء الی البیوت لسد خلل تلک المجاری المسماۃ بالقساطل اھ ش لایجری الماء الابہ ای بالزبل لکونہ یسد خروق القساطل فلاینفذ الماء منھا ویبقی جاریا فوقہ اھ شرح ھدیۃ ابن العماد قلت وھی لغۃ مستحدثۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

ہمارے ممالک میں چوپایوں کا گوبر وغیرہ پانی کی گزرگاہ میں ڈال دیتے ہیں تاکہ ان نالیوں کے سوراخ بند ہو جائیں، اس خلل کو قساطل کہتے ہیں اھ ش تو پانی اس گوبر کے ساتھ ہی جاری ہوگا کیونکہ یہ اُن سوراخوں کو بند کرتا ہے جن سے پانی جاری ہوتا ہے، تو پانی ان کے اندر سے نہیں نکلتا ہے بلکہ اوپر سے بہتا ہے اھ شرح ہدیہ ابن العماد، میں کہتا ہوں یہ جدید لغت ہے۔ (ت)

فاذا ركد الزبل فى وسط القساطل وجرى
الماء صافيا كان نظير ما لو جرى
ماء الثلج على النجاسة اوكان بطن
النهر نجسا وجرى الماء عليه ولم
يتغير احد اوصافه بالنجاسة فان
ذالك الماء طاهر كله كذلك هذا فاذا
وصل الماء الى الحياض فى البيوت فان
وصل متغيرا احد الاوصاف بالزبل او عين
الزبل ظاهرة فيه فهو نجس من غير شك
فاذا استقر فى حوض دون القدر
الكثير فهو نجس وان صفا بعد ذلك فى
الحوض وزال تغيره بنفسه لانه ماء نجس
والماء النجس لا يطهر بزوال تغيره بنفسه
لاسيما وقد ركد الزبل فى اسفله وان استقر
فى حوض كبير فهو نجس ايضا مادام متغيرا
اوزال تغيره بنفسه ايضا واما اذا استمر
الماء جاريا وزال تغير الحوض بالماء الصافى
يطهر الماء كله سواء كان الحوض صغيرا
اوكبيرا وان كان الزبل فى اسفله راكدا مادام
الماء الصافى فى ذلك الحوض يدخل من
مكان ويخرج من مكان فاذا انقطع
الجريان وكان الحوض صغيرا والزبل فى
اسفله راكدا فالحوض نجس[1] اھ۔

کے ساتھ قساطل میں جاری ہُوا، تو پانی ناپاک ہو جائیگا
تو اگر گوبر قساطل کے درمیان جم گیا اور صاف
پانی بہنے لگا، تو یہ ایسا ہے جیسا کہ برف کا پانی نجاست
پر بہنے لگے یا نہر کا پیٹ ناپاک ہو اور اس پر پانی
جاری ہو اور نجاست سے اس کے اوصاف میں
سے کوئی وصف متغیر نہ ہُوا تو یہ پورا پانی پاک ہے،
اب پانی جب گھروں کے حوضوں میں پہنچے تو اگر پانی
کا کوئی وصف متغیر ہو کر پہنچا ہے یا پانی میں بعینہٖ گوبر
ظاہر ہے تو وہ بلاشبہ ناپاک ہے، اور اگر کثیر
مقدار میں نہ ہو اور حوض میں ٹھہر جائے تو وہ ناپاک ہے،
اگرچہ اس کے بعد حوض میں صاف ہو جائے اور اس کا
تغیر خود بخود زائل ہو جائے کیونکہ وہ ناپاک پانی ہے اور
ناپاک پانی تغیر کے از خود زائل ہونے کی وجہ سے پاک
نہیں ہوتا ہے خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ
گندگی اس کے نیچے جمی ہوئی ہے۔ اور اگر گندگی
بڑے حوض میں جم جائے تو جب تک متغیر رہے گا
ناپاک رہے گا، یا اس کا تغیر خود بخود ختم ہو جائے
اور اگر پانی مسلسل جاری رہے اور حوض کا تغیر صاف
پانی کی وجہ سے ختم ہو جائے، اس صورت میں کل پانی
پاک ہو جائیگا خواہ حوض چھوٹا ہو یا بڑا، اگرچہ

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵

گندگی اُس کی تہ میں جمی ہوئی ہو بشرطیکہ صاف پانی اس میں ایک جانب سے داخل ہوتا ہو اور دوسری جانب سے خارج ہوتا ہو، تو جب پانی کا جاری ہونا بند ہو جائے اور حوض چھوٹا ہو اور گندگی اس کی تہ میں جمی ہوئی ہو تو حوض ناپاک ہے۔ (ت)

اقول کلام طیب من طیب طیب اللہ تعالٰی ثراہ وقد اقرہ الشامی وغرضنا یتعلق ھھنا بجملتہ الاخیرۃ غیر ان قولہ وجری مع الماء فالماء نجس یحمل علی ما اذا تغیر فان [ف۱] المحقق المعتمد ان الجاری لاینجس مالم یتغیر حتی موضع المرئیۃ و کذا الکثیر الملحق بہ علی المعتمد رجحہ المحقق علی الاطلاق وقال تلمیذہ قاسم انہ المختار در واستحسنہ تلمیذہ الاٰخر ابن امیر الحاج وایدہ بالحدیث وکذا ایدہ سیدی عبد الغنی وھو ظاھر المتون ش وفی الدر عن جامع الرموز عن جامع المضمرات عن النصاب علیہ الفتوٰی وفی ش عن البحر عن الحلیۃ عن النصاب بہ یفتی فاذا کان ھو الثابت بالحدیث وھو ظاھر المتون وعلیہ الفتوٰی فقد سقط ماسواہ ثم قولہ رحمہ اللہ تعالٰی الماء النجس لایطھر بزوال تغیرہ بنفسہ۔

فاقول ھذا کما ذکرہ فی غیر الجاری [ف۲] لقول الخلاصۃ ماء نجس یجعلونہ فی نھر کبیر ان کان کثیرا بحیث لایتغیر لایتنجس وان تغیر تنجس و یطھر

میں کہتا ہُوں یہ بہت اچھا کلام ہے، اس کو شامی نے برقرار رکھا ہے اور یہاں ہماری غرض آخری جُملہ سے متعلق ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اس کا قول "وجری مع الماء فالماء نجس" اسکو اس پر محمول کیا جائیگا جبکہ پانی میں تغیر آجائے کیونکہ محقّق معتمد قول یہ ہے کہ جاری پانی اس وقت تک نجس نہ ہوگا جب تک کہ اس میں تغیر نہ آجائے یہاں تک کہ نجاست مرئیہ کی جگہ بھی اور اسی طرح کثیر بھی قول معتمد پر اسی کے ساتھ ملحق ہے، اس کو محقق علی الاطلاق نے ترجیح دی اور ان کے شاگرد قاسم نے کہا کہ یہی مختار ہے (دُر) اور اس کو ان کے دوسرے شاگرد ابن امیر الحاج نے مستحسن قرار دیا اور اس کی تائید حدیث سے کی اور اس کی تائید سیدی عبد الغنی نے بھی کی اور متون سے بھی یہی ظاہر ہے "ش" اور دُر میں جامع الرموز سے جامع المضمرات سے نصاب سے یہ ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اور شامی میں بحر سے حلیہ سے نصاب سے ہے بہ یفتی پھر جب حدیث سے یہی ثابت اور متون سے بھی یہی ظاہر اور فتوٰی بھی اسی پر ہے تو اس کے ہوتے ہوئے باقی سب ناقابل اعتبار ہے۔ پھر اُن کا قول "نجس پانی اس کے تغیر کے از خود زائل ہونے کی وجہ سے پاک نہ ہوگا" میں کہتا ہوں یہ اُس پانی میں ہے جو جاری نہ ہو، کیونکہ خلاصہ میں ہے کہ ایک نجس پانی کو اگر بڑی نہر میں کرلیں تو اگر وہ کثیر ہے اور متغیر نہیں ہوتا ہے تو ناپاک

بساعۃ یعنی اذا انقطع اللون والرائحۃ اھ زاد فی نسخۃ ما نصہ فی نسخۃ القاضی الامام سلمہ اللہ تعالٰی اھ ای ھذا مذکور فی نسختہ والمراد بہ الامام فقیہ النفس ولم ارہ فی فتاواہ واللہ تعالٰی اعلم وقول سیدی نفسہ اذا رکد الزبل فی وسط القساطل وجری الماء صافیا طھر وفی ردالمحتار فی دیارنا انھار المساقط تجری بالنجاسات وترسب فیھا لکنھا فی النھار تتغیر ولا کلام فی نجاستھا ح وفی اللیل یزول تغیرھا فیجری فیھا الخلاف لجریان الماء فیھا فوق النجاسۃ قال فی خزانۃ الفتاوٰی لو کان جمیع بطن النھر نجسا فان کان[1] الماء کثیرا لایری ماتحتہ فھو طاھر والافلا وفی الملتقط قال بعض المشایخ الماء طاھر وان قل اذا کان جاریا[2] اھ

نہ ہوگا اور اگر متغیر ہوگیا تو ناپاک ہوجائے گا اور فوراً ہی پاک ہوجائے گا یعنی جونہی رنگ اور بُو ختم ہوگی اھ زاید کیا ایک نسخہ میں، اصل عبارت یہ ہے ”قاضی امام سلمہ اللہ تعالٰی کے نسخہ میں اھ“ یعنی یہ اُن کے نسخہ میں مذکور ہے اور اس سے مراد امام فقیہ النفس ہیں اور یہ چیز ان کے فتاوٰی میں نہیں دیکھی ہے واللہ تعالٰی اعلم اور سیدی عبدالغنی خود فرماتے ہیں کہ جب گندگی قساطل کے درمیان جم جائے اور پانی صاف جاری ہو تو پاک ہوجائیگا، اور ردالمحتار میں ہے کہ ہمارے ملک میں گندگی گرنے کی جگہوں پر جو نہریں ہوتی ہیں اُن میں نجاست جاری رہتی ہے اور پھر بہتی جاتی ہے اور یہ نجاست دن میں متغیر ہوجاتی ہے اور اس وقت انکی نجاست میں کوئی کلام نہیں اور رات کو اُن کا تغیر زائل ہوجاتا ہے تو اس میں اختلاف ہے کیونکہ اس میں پانی نجاست کے اوپر جاری رہتا ہے، خزانۃ الفتاوٰی میں فرمایا ”اگر نہر کا کل پیٹ ناپاک ہو تو اگر پانی کثیر ہے کہ اس کی تہہ نظر نہ آتی ہو تو وہ پاک ہے ورنہ نہیں، اور ملتقط میں ہے کہ بعض مشایخ نے فرمایا پانی پاک ہے اگرچہ کم ہو جبکہ جاری ہو اھ (ت)

اقول مافی الملتقط مبتن علی الصحیح المفتی بہ ومافی الخزانۃ علی القول الاٰخر الدائر فی کثیر من الکتب ان الجاری ان جری نصفہ اواکثرہ علی نجاسۃ مرئیۃ تنجس وھی المرادۃ فی الخزانۃ

میں کہتا ہوں جو کچھ ملتقط میں ہے وہ صحیح مفتی بہ پر مبنی ہے، اور جو خزانہ میں ہے وہ دوسرے قول پر مبنی ہے جو بہت سی کتابوں میں مذکور ہے کہ جاری پانی اگر اس کا نصف یا زاید کسی نجاست مرئیہ پر جاری ہو تو ناپاک ہوجائے گا، اور یہی

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر فی التوضی الخ نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

نقله الهندية عن المحيط اذا كانت الجيفة
ترى من تحت الماء لقلة الماء لا لصفائه
كان الذي يلاقيها اكثر اذا كان سد عرض
الساقية وانكانت لاترى او لم تاخذ الا
الاقل من النصف لم يكن الذي يلاقيها
اكثر اهـ[1] واياك ان تظن ان كلام
الخزانة على ظاهر اطلاقه ولو تنجس
بطن النهر بغير مرئية توهما ان بطن النهر
اذا كان نجسا وهو يرى فقد مر الماء كله على نجاسة
مرئية وان كان لا يرى لكثرة الماء لا لكدرته
فانما جرى على غير مرئية فلا يتأثر بالتغير
وذلك لان العبرة بالنجس لا المتنجس
كما بيناه في فتاوينا لكن لقائل ان يقول
ان العلة في غير المرئية انه اذا لم يظهر
اثرها علم ان الماء ذهب بعينها كما في
البحر وغيره اما ههنا فبطن النهر كله نجس
فالماء اينما ذهب لايلاقي الا نجسا تامل
ولاحاجة فان الفتوى على اعتبار الاثر
مطلقا في الجاري والكثير معا نعم ظاهر
كلام سيدي وتقرير الشامي ههنا ان
الكثير الملحق بالجاري لا يلحق به في
التطهير بزوال التغير لقوله وان استقر في
حوض كبير فهو نجس وان زال تغيره بنفسه

خزانہ میں مراد ہے، اس لیے کہ ہندیہ میں محیط سے ہے کہ
جب مردار پانی کے نیچے نظر آئے اس کی کمی کے باعث
نہ کہ پانی کی صفائی کے باعث تو جو اُس مردار سے
متصل ہو جائے وہ زیادہ ہوگا، جبکہ نہر کی چوڑائی کو بند
کرلے، اور اگر مردار نظر نہ آئے یا آدھے سے کم راستے
کو بند کرے تو جو اُس سے ملاقات کرتا ہے وہ پانی
اکثر نہیں ہوگا اھ اور خزانہ کے کلام کو اُس کے ظاہر
پر محمول نہ کرنا چاہیے اور اگر نہر کی تہ نجاستِ غیر مرئیہ سے
ناپاک ہوگئی اس توہم پر کہ نہر کی تہ جس وقت ناپاک ہو اور
وہ نظر آتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کل پانی
نجاستِ مرئیہ پر جاری ہوگیا، اگرچہ وہ نظر نہ آتی ہو
پانی کی کثرت کے باعث، نہ کہ اس کے گدلے پن کے
باعث، کیونکہ وہ پانی نجاستِ غیر مرئیہ پر جاری ہوا ہے
تو وہ تغیر سے متاثر نہ ہوگا، کیونکہ اعتبار نجاست کا
ہوگا نہ کہ ناپاک ہونے والی شے کا، جیسا کہ ہم نے
اپنے فتاوٰی میں بیان کیا، لیکن کوئی کہنے والا کہہ
سکتا ہے کہ علت غیر مرئیہ میں یہ ہے کہ جب اس کا
اثر ظاہر نہ ہوا تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نجاست
کو پانی بہالے گیا ہے جیسا کہ بحر وغیرہا میں ہے،
اور یہاں نہر کا پیٹ تمام کا تمام ناپاک ہے تو پانی
جہاں بھی جائیگا نجس سے ملاقات کرے گا تامل،
اور کوئی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ جاری اور کثیر پانی میں
فتوی مطلقاً اثر کے اعتبار پر ہے، ہاں سیدی عبدالغنی

---

[1] ہندیہ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

فليحرر ولينظر وجهه فان الذی فی المنية من فصل الحياض فی مسألة حوض الحمام مانصه الا ترى ان الحوض الكبير الحق بالماء الجارى على كل حال لاجل الضرورة[1] قال فی الحلية الجملة من الذخيرة[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور شامی کی تقریر کا ظاہر یہ ہے کہ یہاں کثیر جو جاری کے ساتھ ملحق ہے ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ پاک ہونے میں اس کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائیگا پاک ہونے میں تغیر کے ختم ہو جانے کے باعث کیونکہ وہ فرماتے ہیں اور اگر وہ بڑے حوض میں ٹھہر جائے تو ناپاک ہے اگرچہ اس کا تغیر از خود زائل ہو جائے، اس کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور اس کی وجہ پر غور کرنا چاہئے کیونکہ منیہ میں حوضوں کی فصل میں حمام کے حوض کے بیان میں ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے "کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ بڑا حوض جاری پانی سے ملحق ہے اور یہ علٰی کل حال ہے اور اس کی وجہ ضرورت ہے، حلیہ میں فرمایا یہ تمام ذخیرہ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اصل ۷: فتوٰی اس پر ہے کہ پانی کا عرض میں پھیلنا اس کے جریان کو نہیں روکتا جبکہ پانی آگے نکل جاتا ہو، مثلاً دہ در دہ حوض ہے اُس میں پانی ایک طرف سے آیا دوسری طرف سے نکل گیا جاری ہو گیا اگرچہ عرض میں نو ہاتھ پھیلنے کے لیے ضرور وقفہ درکار ہوگا اور اُتنی جلد پانی اُس سے نہ نکل سکے گا جس قدر جلد تین چار ہاتھ کے عرض سے نکل جاتا، ہندیہ میں ہے:

اذا كان الحوض صغيرا يدخل فيه الماء من جانب ويخرج من جانب يجوز الوضوء من جميع جوانبه وعليه الفتوٰى من غير تفصيل بين ان يكون اربعا فی اربع او اقل فيجوز او اكثر فلا يجوز كذا فی شرح الوقاية وهكذا فی الزاهدی ومعراج الدراية[3]۔

جب حوض چھوٹا ہو اور اس میں پانی ایک طرف سے دوسری طرف سے نکل جاتا ہو تو اس کے تمام اطراف سے وضو جائز ہے' اور اسی پر فتوٰی ہے، اس میں یہ تفصیل بھی نہیں کہ وہ چار در چار ہو یا کم ہو تو جائز ہوگا اور اگر زائد ہو تو جائز نہ ہوگا کذا فی شرح الوقایہ والزاہدی و معراج الدرایہ۔ (ت)

بحر میں ہے:

فی معراج الدراية يفتی بالجواز مطلقا

معراج الدرایہ میں ہے جواز کا مطلقاً فتوٰی دیا جائیگا

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۷۳

[2] حلیۃ

[3] ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

واعتمدہ فی فتاوی قاضی خان[1] — اور قاضی خان میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ (ت)

فتاوی ذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری پھر حلیہ میں ہے:

علیہ الفتوی لان ھذا ماء جار[2] — اسی پر فتوی ہے کیونکہ یہ جاری پانی ہے۔ (ت)

بلکہ پانی کا گھومنا ایک دائرہ پر چکر کھانا جس طرح بھنور میں ہوتا ہے یہ بھی مانع جریان نہیں کہ بھنور پانی کو روک نہیں رکھتا چکر دے کر نکال دیتا ہے اوپر سے دوسرا پانی آتا اب اسے گھما کر چھوڑ دیتا ہے یہ سلسلہ قائم رہنے کے باعث گمان ہوتا ہے کہ ایک ہی پانی گھوم رہا ہے یہ بات غیر آب کے ڈالنے سے متمیز ہوسکتی ہے مثلاً اوپر سے لکڑی ڈالی جائے بھنور پر پہنچ کر چکر کھا کر اُس طرف نکل جائے گی اور اگر بھنور قوی ہوا اسے گھمانے میں دبا کر ڈوٹکڑے کرے گا اور چکر دے کر نکال دے گا، فسبحن من خلق ماشاء کیف شاء ولا یجری فی ملکہ الا مایشاء (پاک وہ ذات جس نے پیدا کیا جو چاہا جیسے چاہا اور نہیں چلتی کوئی شے اس کے ملک میں مگر جیسے وہ چاہے۔ (ت))

منیہ مسئلہ حوض چار در چار میں ہے:

الظاھران الماء لایستقر فی مثلہ بل یدور حولہ ثم یخرج فیکون کالجاری[3]۔ — ظاہر یہ ہے کہ پانی ایسی جگہ میں نہیں ٹھہرتا بلکہ اس کے ارد گرد چکر کھاتا ہے پھر نکل جاتا ہے تو یہ جاری پانی کی طرح ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

کذا فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری حکایۃً عن الشیخ الامام ابی الحسن الرستغفنی[4]۔ — جیسے ذخیرۃ اور تتمۃ الفتاوی الصغری میں شیخ الامام ابی الحسن الرستغفنی سے حکایت ہے (ت)

اصل ۸: حوض وغیرہ کے جریان میں اگرچہ خروج لازم تھا مگر ملحق بالجاری یعنی دہ در دہ میں اس کی حاجت نہیں گرمیوں کے خشک تالاب میں جانوروں کے گوبر وغیرہ نجاستیں پڑی ہیں برسات میں پانی آیا اور اُسے بھر دیا اگر تالاب کے جوف میں جہاں سے پانی نے گزر کر اُسے بھرا نجاست ہے جب تو سارا تالاب نجس ہوگیا اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک بھر کر اُبل نہ جائے۔

---

[1] بحرالرائق — عشر فے عشر — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۸

[2] حلیہ

[3] منیۃ المصلی — فصل فے الحیض — مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

[4] حلیہ

اقول اس لیے کہ جب بارش یا بہاؤ کا پانی اس کے جوف میں داخل ہوا اب جب تک کہ اُس کے بطن میں متحرک رہے گا جاری نہ کہلائے گا کہ جریان کے لیے خروج شرط ہے اور یہ غیر جاری پانی نجاست سے اُس وقت ملا کہ ہنوز دہ در دہ نہ تھا کہ جوف میں اس کے مدخل ہی پر نجاستیں تھیں تو نہ جاری ہے نہ کثیر لاجرم ناپاک ہوگیا یوں ہی جتنا پانی آتا گیا ناپاک ہوتا گیا اور نجس پانی کثیر ہوجانے سے پاک نہیں ہوسکتا جب تک جاری نہ ہوجائے اور اگر مدخل آب میں اتنی دُور تک نجاست نہیں کہ وہاں تک آنے والے پانی کے عرض طول کا مسطح سَو ہاتھ تک پہنچ گیا اُس کے بعد نجاست سے ملا تو اب ناپاک نہ ہوگا کہ کثیر ہوکر ملا اگرچہ جوف سے باہر نہ گیا۔

اقول وبما قررنا ظهران المسألة مبتنية على الاصل الثالث لا على خلافية مرور نصف الماء او اكثره على نجاسة مرئية فان الفتوى فيها على الطهارة مطلقا مالم يتغير نعم ان لقى الماء النجاسات في طريقه على شاطئ الغدير قبل ان يدخله كان على الخلافية لانه جار بخلاف المتحرك في بطن الغدير كما علمت۔

اقول اور جو تقریر ہم نے کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ تیسری اصل پر مبنی ہے، اِس اختلافی مسئلہ پر مبنی نہیں ہے کہ آدھا پانی یا اکثر نجاست مرئیہ پر گزرے، کیونکہ اس میں فتوٰی مطلقاً طہارت پر ہے تاوقتیکہ تغیر نہ ہو، ہاں اگر پانی ملے اپنے راستہ میں ان نجاستوں کے ساتھ جو گڑھے کے کنارے پر ہے قبل اس کے کہ وہ گڑھے میں داخل ہو، تو یہ اختلافی مسئلہ ہوگا، کیونکہ وہ جاری ہے بخلاف اس پانی کے جو تالاب کی تہ میں حرکت کر رہا ہو جیسا کہ تو نے جانا۔ (ت)

فتاوٰی خانیہ وخزانۃ المفتین اور محیط پھر حلیہ نیز خلاصہ وفتح القدیر میں فتاوٰی اور بحر و ہندیہ میں فتح اور غیاثیہ نیز ذخیرہ پھر حلیہ میں فتاوائے اہل سمرقند سے ہے:

واللفظ لفقيه النفس غدير عظيم يبس في الصيف وراثت الدواب فيه (زاد في الخلاصة والفتح والذخيرة والناس) ثم دخل فيه الماء وامتلأ ينظر ان كانت النجاسة في موضع دخول الماء فالكل نجس وان انجمد ذلك الماء كان نجسا لان كل ما دخل فيه صار نجسا فلا

اور الفاظ فقیہ النفس کے ہیں، ایک عظیم تالاب جو گرمی میں خشک ہوگیا اور اس میں چوپایوں نے لید کردی (خلاصہ اور فتح میں اور ذخیرہ میں لوگوں کا بھی اضافہ ہے) پھر اس میں پانی داخل ہوگیا اور وہ گڑھا بھر گیا، تو دیکھا جائے گا اگر نجاست پانی کے داخل ہونے کی جگہ پر ہے تو کل پانی نجس ہے، اور اگر یہ پانی منجمد ہوگیا تو نجس ہوجائیگا، کیونکہ اس

يطهر بعد ذلك وان لم تكن النجاسة فی موضع دخول الماء واجتمع الماء فی مکان طاهر وهو عشر فی عشر ثم تعدی الی موضع النجاسة کان الماء طاهرا والمنجمد منه طاهر ما لم يظهر فيه اثر النجاسة (قال فی الذخيرة لان الماء صار کثيرا قبل ان يتنجس فلا يتنجس بعد ذلك لاتصال النجاسة به اھ زاد فی الخانية) وکذا الغدير اذا قل ماؤه فصار اربعا فی اربع ووقعت نجاسة ثم دخل الماء الی ان صار الماء الجديد[1] عشرا فی عشر قبل ان يصل الی النجس کان طاهرا۔

میں جو بھی داخل ہوگا وُہ نجس ہو جائیگا، اور اس کے بعد پاک نہ ہوگا، اور اگر نجاست پانی کے داخل ہونے کی جگہ نہ ہو اور پانی پاکیزہ جگہ پر جمع ہو جائے، اور وہ دَہ در دَہ ہو پھر پانی نجاست کی جگہ چلا گیا تو پانی پاک ہوگا اور جو منجمد ہوگیا وہ اس وقت تک پاک رہے گا جب تک نجاست کا اثر اس پر ظاہر نہ ہو (ذخیرہ میں فرمایا اس لیے کہ پانی نجس ہونے سے پہلے کثیر ہوگیا تو اس کے بعد نجس نہ ہوگا نجاست کے پانی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے اھ خانیہ میں اضافہ کیا) اور اسی طرح تالاب کا پانی جب کم ہو جائے اور چار در چار رہ جائے اور اس میں نجاست داخل ہو جائے پھر اس میں نیا پانی آجائے یہاں تک کہ نجاست کو پہنچنے سے قبل دہ در دہ ہو جائے تو پاک ہو جائے گا۔ (ت)

ایسا ہی جواہر اخلاطی میں ہے۔

اصل ۹ : اقول وباللہ التوفیق ایک فائدہ نفیسہ ہے کہ شاید اس کی تحریر فقیر کے سوا دوسری جگہ نہ ملے اثر نجاست قبول نہ کرنے کو پانی کا جریان چاہیے سیلان کافی نہیں سائل وجاری میں عموم وخصوص مطلق ہے ہر جاری سائل ہے اور ہر سائل جاری نہیں دیکھو بطنِ حوض میں جو پانی نل سے داخل ہوا اور دوسرے کنارے تک پہنچا اُس وقت ضرور سائل ہے مگر جاری نہ ٹھہرا جب تک دوسری طرف سے نکل نہ جائے اور اس پر دلیل

---

[1] ونصها حوض عشر فی عشر قل ماؤه ثم وقعت النجاسة ثم دخل الماء حتی امتلأ الحوض ولم يخرج منه شیئ لا يجوز التوضئ به لانه کلما دخل الماء يتنجس اھ منه غفر له (م)

اس کی عبارت یہ ہے کہ ایک حوض دہ در دہ ہو اس کا پانی کم ہو جائے پھر اس میں نجاست پڑ جائے پھر حوض بھر جائے اور اس سے کچھ نہ نکلے، تو اس سے وضو جائز نہیں اس لیے کہ جو پانی بھی داخل ہوگا وُہ ناپاک ہو جائے گا اھ (ت)

لہ فتاوی قاضی خان فصل الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴ والمزید من الذخيرة وھی ليست بموجودہ

قاطع آب وضو ہے کہ ضرور اعضائے وضو پر سائل ہے فانہ غسل ولاغسل الا بالاسالۃ (پس بیشک وضو دھونا ہے اور دھونا بغیر اسالہ کے ممکن نہیں ہے۔ت) مگر جاری نہیں ورنہ مستعمل نہ ہوتا کہ آب جاری استعمال تو استعمال نجاست سے متاثر نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو یونہی بدن یا کپڑے کی ناپاکی جس پانی سے دھوئی اس نے بدن یا ثوب پر سیلان ضرور کیا ورنہ استخراج نجاست نہ کرتا مگر جاری نہیں ورنہ ناپاک نہ ہوجاتا حالانکہ تین بار دھونے میں امام کے نزدیک تینوں پانی ناپاک ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو ناپاک ہیں تیسرا جب بدن یا کپڑے سے جدا ہو جائے پاک ہے، تنویر میں ہے:

ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ[1]

پانی جو وارد ہوا نجس پر نجس ہے جیسا کہ اس کا عکس ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الورود یشمل ما اذا اجری علیھا وھی علی ارض او سطح وما اذا صب فوقھا فی اٰنیۃ بدون جریان[2]

ورود کا لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب پانی نجاست پر بہے اور وہ زمین یا سطح پر ہو اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب پانی نجاست کے اوپر بہایا جائے کسی برتن میں اور اس میں جریان نہ ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

القیاس یقتضی تنجس الماء باول الملاقاۃ للنجاسۃ لکن سقط للضرورۃ سواء کان الثوب فی اجانۃ واورد الماء علیہ او بالعکس عندنا فھو طاھر فی المحل نجس اذا انفصل سواء تغیر اولا وھذا فی الماءین اتفاقا اما الثالث فھو نجس عندہ لان طھارتہ فی المحل ضرورۃ تطھیرہ وقد زالت طاھر عندھما اذا انفصل والاولی فی غسل الثوب النجس وضعہ فی الاجانۃ

قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی پہلی ہی ملاقاۃ میں ناپاک ہوجاتا ہے نجاست کی وجہ سے لیکن ضرورت کی وجہ سے قیاس ساقط ہوگیا خواہ کپڑا ٹب میں ہو اور اس پر پانی وارد ہو یا بالعکس ہو یہ ہمارے نزدیک ہے، تو یہ اپنے محل میں طاہر ہے اور جب جدا ہوگا تو نجس ہوگا خواہ متغیر ہو یا نہ ہو، یہ دو پانیوں میں اتفاقاً ہے، اور تیسرا تو وہ ان کے نزدیک نجس ہے کیونکہ اس کی طہارت محل میں ضرورت کی وجہ سے ہے، اور یہ ضرورت محل کی طہارت کی ہے اور وہ ضرورت

---

[1] الدرالمختار فصل الانجاس مجتبائی دہلی ۱/۵۵
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۸

من غیر ماء ثم صب الماء علیه لا وضع الماء اولا اخروجا من خلاف الامام الشافعی فانہ یقول بنجاسۃ الماء[1]۔

زائل ہوگئی، صاحبین کے نزدیک جُدا ہوتے ہی پاک ہوجائیگا نجس کپڑے کو دھونے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کو خشک ٹب میں رکھا جائے پھر اس پر پانی بہایا جائے یہ نہیں کہ پہلے ٹب میں پانی موجود ہو امام شافعی کے اختلاف سے بچنے کیلئے اس میں امام شافعی کا قول ہے کہ پانی نجس ہوجائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں اس کے بعد فرمایا:

ولا فرق علی المعتمد بین الثوب المتنجس والعضو[2] اھ ط اھ یشیر الی خلاف ابی یوسف لاشتراط الصب فی العضو کما فی البدائع۔

معتمد قول کے مطابق ناپاک کپڑے اور عضو کے درمیان کوئی فرق نہیں اھ ط اھ اس میں ابو یوسف کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے وہ عضو پر پانی بہانے کو شرط قرار دیتے ہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے۔ (ت)

اقول وظاھر التعلیل بضرورۃ تطہیر الثوب انہ طاھر فی حق ذلک الثوب لا غیر فلو وضع الثوب النجس فی اجانۃ وصب الماء فوقع فیہ ثوب اٰخر طاھر یتنجس وان لم ینفصل الماء عن الثوب الاول بعد لان ماکان بضرورۃ تقدر بقدرھا فمن کان یصلی ووقع طرف ردائہ فی الاجانۃ فاصابہ اکثر من الدرھم وھو یتحرک بتحرکہ لم تجز صلاتہ ھذا ما ظھر فلیحرر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں، اور بظاہر تعلیل یہ ہے کہ یہ کپڑا ضرورۃً پاک ہے تو یہ پاکی اسی کپڑے تک محدود رہے گی لہٰذا اگر ایک ناپاک کپڑا طشت میں رکھا گیا اور اس پر پانی بہایا گیا پھر اسی طشت میں کوئی اور پاک کپڑا گر گیا تو وہ ناپاک ہوجائے گا اگرچہ اب تک پہلے کپڑے سے پانی جُدا نہ ہُوا ہو کیونکہ جو چیز بوجہ ضرورت ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت ہی رہتی ہے، اب اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اُس کے کپڑے کا کنارہ ٹب میں گر گیا تو اگر درہم سے زائد ہو اور وہ کپڑے کے ہلنے سے حرکت کرے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہُوا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اُس نفیس فائدہ سے اصل ۳ پر یہ توہم زائل ہوگیا کہ پانی تالاب کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۳۹

[2] ایضاً

بہتا پہنچا پھر جاری کیوں نہ ہُوا یہ سیلان ہے جریان نہیں اور وُہ فرق کھل گیا جو اصل ۸ میں ہم نے ذکر کیا کہ تالاب کے اندر مدخل آب کے قریب نجاست ہے اور پانی اس پر ہوکر گزرا ناپاک ہوگیا کہ وہ سائل ہے جاری نہیں اور تالاب کے باہر زمین پر کنارے کے قریب نجاست ہے اور پانی اُس پر گزرتا تالاب میں داخل ہوا تو ناپاک نہ ہوا جب تک وصف نہ بدلے کہ وہ جاری ہے اور اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ جوف زخم کے اندر خون کا سیلان معتبر نہیں جوف سے باہر بہے تو ناقض وضو ہے فافہم یہی مبنی ہے اس مسئلہ کا کہ استنجا کرنے کو لوٹے سے پانی کی دھار ڈالی ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے اُس دھار پر پیشاب کی چھینٹ پڑ گئی دھار ناپاک نہ ہوگی کہ جاری ہے اور یہی دھار استنجا کرنے سے ناپاک ہوجائے گی کہ بدن پر جاری نہیں ردالمحتار میں ہے:

قال فی الضیاء ذکر فی الواقعات الحسامیة لو اخذ الاناء فصب الماء علی یدہ للاستنجاء فوصلت قطرة بول الی الماء النازل قبل ان یصل الی یدہ قال بعض المشائخ لاینجس لانه جار قال حسام الدین ھذا القول لیس بشیئ والا لزم ان تکون غسالة الاستنجاء غیر نجسة قال فی المضمرات وفیه نظر والفرق ان الماء علی کف المستنجی لیس بجار والنازل من الماء قبل وصوله الی الکف جار ولا یظھر فیه اثر القطرة فالقیاس ان لایصیر نجسا وما قاله حسام الدین احتیاط اھ ویؤید عدم التنجس ماذکرنا من الفروع واللہ تعالٰی اعلم اھ[1]

ضیاء میں کہا "واقعات حسامیہ" میں ہے کہ اگر برتن سے استنجاء کرنے کے لیے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا، اور پیشاب کا کوئی قطرہ اس پانی تک کسی طرح پہنچ گیا جو اوپر سے آرہا ہے اور ابھی تک عضو تک نہیں پہنچا تھا تو بعض مشایخ فرماتے ہیں ناپاک نہ ہوگا کیونکہ یہ جاری پانی ہے، حسام الدین نے فرمایا اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ورنہ تو لازم کہ استنجاء کا دھوون ناپاک نہ ہو۔ مضمرات میں فرمایا اس میں نظر ہے اور فرق یہ ہے استنجاء کرنے والے کے ہاتھ میں جو پانی ہے وُہ جاری نہیں اور اُوپر سے آنے والا پانی جو ہنوز ہاتھ تک نہیں پہنچا ہے جاری پانی ہے اس میں قطرہ کا اثر ظاہر نہ ہوگا تو قیاس یہی ہے کہ نجس نہ ہو اور حسام الدین نے جو فرمایا ہے وہ بطور احتیاط ہے اھ اور ناپاک نہ ہونے پر وہ فروع دلالت کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

اقول وقد جزم به فی الخلاصة عازیا للفتاوی وفی البزازیة ولم یحکوا

میں کہتا ہُوں اس پر خلاصہ میں جزم کیا اور اس کو فتاوٰی کی طرف منسوب کیا اور بزازیہ میں کسی اختلاف کا

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۶

خلافا و نصہا فی ما یتصل بالماء الجاری فی الفتاوی رجل استنجی فلما صب الماء من القمقمۃ علی یدہ لاقی الماء الذی یسیل من القمقمۃ البول قبل ان یقع علی یدہ بعض ما خرج فھو طاھر[1] اھ قال ش بخلاف مسألۃ الجیفۃ فان الماء الجاری علیہا لم یذھب بالنجاسۃ ولم یستھلکہا بل ھی باقیۃ فی محلہا وعینہا قائمۃ علی ان فیہا اختلافا ولھذا استدرك الشارح بقولہ ولکن قدمنا ان العبرۃ للاثر[2] اھ کلام الشامی وقد منا ان ما استدرك بہ الشارح ھو المفتی بہ المعتمد واللہ تعالٰی اعلم۔

ذکر نہیں کیا، اور اس کی اصل عبارت، جو جاری پانی سے متصل ہے فتاوٰی میں یہ ہے، کہ ایک شخص نے استنجا کیا، تو جب اُس نے ٹونٹی سے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا تو وہ پانی ہاتھ پر گرنے سے قبل پیشاب کے قطرہ سے مل گیا، تو یہ پانی پاک ہے اھ ش نے فرمایا یہ مسئلہ مردار کے مسئلہ کے خلاف ہے کیونکہ جو پانی اس پر گرتا یا جاری ہوتا ہے وہ نجاست کو بہا کر نہیں لے جاتا ہے اور نہ ہی نجاست کو ختم کرتا ہے بلکہ نجاست کا عین اپنی حالت پر ہی باقی رہتا ہے، پھر اس میں اختلاف بھی ہے اس لیے شارح نے یہ کہہ کر استدراک کیا ہے ولکن قدمنا ان العبرۃ للاثر اھ شامی کا کلام ختم ہوا اور ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ جو استدراک شارح نے کیا ہے وہی مفتٰی بہ اور معتمد ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اصل ۱۰: ہماری کتابوں میں آتا فرماتے ہیں کہ پانی نجاست پر وارد ہو یا نجاست پانی پر، دونوں کا یکساں حکم ہے کما تقدم عن التنویر و ذکر مثلہ الجم الغفیر وفی الغرر الوارد کالمورود (جیسا کہ تنویر سے گزرا اور اس کی مثل بہت سے لوگوں نے ذکر کیا ہے اور غرر میں ہے کہ وارد مورود کی طرح ہے۔ ت)

اقول وباللہ التوفیق یہاں ایک فرق ہے غامض و دقیق اور تحقیق انیق ہے قبول کی حقیق۔ نجاست حقیقیہ کے لیے ایک دفع ہے اور ایک رفع۔ دفع یہ کہ نجاست اثر نہ کرنے پائے اور رفع یہ کہ نجاست کا اثر موجود زائل ہو جائے دفع جاری و کثیر کے ساتھ خاص ہے اور رفع ہر مائع طاہر مزیل کے لیے اور ملاقات نجاست و آب کے ثمرے چار ہیں:

(۱) اعمال (۲) اہمال

(۳) انتقال (۴) استیصال

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی وما تنصل بالماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

اعمال یہ کہ نجاست اپنا عمل کرے۔

اہمال یہ کہ عمل نہ کر سکے۔

انتقال یہ کہ اُس کا اثر جس شے پر تھا اُس سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جائے۔

استیصال یہ کہ نجاست سرے سے فنا ہو جائے۔

نجاست جب آبِ قلیل راکد یعنی غیر جاری پر وارد ہو تو صرف اعمال ہے یعنی اُسے ناپاک کر دے گی اور خود اُس میں باقی رہے گی اور جب آبِ [ف۱] جاری یا کثیر پر وارد ہو تو محض اہمال ہے یعنی باقی تو اس میں رہے گی مگر اثر کچھ نہ کر سکے گی،

وماذکرنا من انتقالها عند ائمة بلخ وبخارٰی وماوراء النهر فی الجواب الثالث فذاك انتقال فی الماء لاعن الماء۔

اور جو ہم نے تیسرے جواب میں ذکر کیا کہ یہ منتقل ہو جائیگی ائمہ بلخ و بخاری اور ماوراء النہر کے نزدیک ہے تو یہ پانی میں منتقل ہونا ہے نہ کہ پانی سے۔ (ت)

اور جب آبِ راکد نجاست پر وارد ہو جیسے کپڑا یا بدن پاک کرنے میں، تو یہاں انتقال ہے یعنی نجاست اُس کپڑے یا بدن سے منتقل ہو کر اس پانی میں آجائے گی وہ پاک ہو جائے گا اور یہ ناپاک۔ اور جب آبِ [ف۲] جاری نجاست پر وارد ہو جیسے حوض وغیرہ کی صورتوں میں گزرا تو یہ صورت استیصال کی ہے یعنی وہ بھی پاک ہو گیا اور یہ پانی بھی پاک رہا نجاست کہیں باقی ہی نہ رہی، ہاں جاری و کثیر اگر نجاست سے متغیر ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں قلیل راکد کی طرح ہیں بالجملہ ورود آب بر نجاست میں اگر یہ پانی صرف رافع ہے تو نجاست اُس شے سے دُور کر کے اپنے اُوپر لے لے گا کہ اس میں دفع کی قوت نہیں اور اگر دافع بھی ہے تو فنا کر دے گا کہ اُس ناپاک شدہ شَے سے رفع کی اور اپنے اوپر سے دفع کی اس کے لیے کوئی محل ہی نہ رکھا اصل ۵۳ میں ظہیریہ کی عبارت گزری کہ حوض بھی پاک ہو گیا اور یہ پانی جو اُس سے باہر نکل گیا اُسے اُٹھا کر کسی نے وضو کیا تو وضو ہو گیا ظاہر ہے کہ یہ اعمال ہوا نہ انتقال ہوا کہ پانی خود بھی پاک رہا نہ اہمال ہُوا کہ وُہ ہوتا تو اُس وقت تک ہوتا کہ پانی بہ رہا تھا جب ٹھہر گیا اور ہے قلیل تو نجاست اگر رہتی واجب تھا کہ عمل کرتی جیسا کہ اصل ۶ میں گزرا لیکن یہ بھی نہ ہوا اور اس پانی کو [ف۳] اٹھا کر اُس سے وضو جائز ہُوا تو یہ نہیں مگر نجاست کا استیصال۔ اسی طرح تصریح فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین پر پانی بہایا کہ ہاتھ بھر بہ گیا زمین بھی پاک ہو گئی اور یہ پانی بھی پاک رہا،

فی ردالمحتار عن الذخیرة عن الحسن بن ابی مطیع اذا صب علیها الماء فجری قدر ذراع طهرت الارض والماء طاهر

ردالمحتار میں ذخیرہ سے حسن بن ابی مطیع سے ہے کہ جب اس پر پانی بہایا گیا اور ایک ذراع کی مقدار اس پر جاری ہُوا تو زمین اور پانی پاک ہیں بمنزلہ جاری پانی کے

بمنزلۃ الماء الجاری قال ش فھذا نص فی المقصود وللہ الحمد[1] اھ۔

ش نے فرمایا "یہ عبارت ہمارے مقصود پر نص صریح ہے وللہ الحمد اھ (ت)

یُوں ہی تصریحات ہیں کہ دو برتن ہیں ایک میں مثلاً پانی یا دُودھ پاک ہے دوسرے میں ناپاک، دونوں کی دھار ہوا میں ملاکر چھوڑی کہ ایک ہوکر تیسرے برتن میں پہنچی یا دونوں کو ملاکر مثلاً پاک پکی چھت پر بہایا کہ ایک دھار ہوکر بہے سب پاک ہوگیا خزانہ وخلاصہ وبزازیہ وردالمحتار میں ہے:

اناءان ماء احدھما طاھر والاٰخر نجس فصبا من مکان عال فاختلطا فی الھواء ثم نزل طھر کلہ ولو اجری ماء الاناءین فی الارض صار بمنزلۃ ماء جار[2]۔

دو برتن ہیں ان میں سے ایک کا پانی پاک اور دوسرے کا ناپاک ہے، اب دونوں سے اوپر سے پانی بہایا پھر یہ دونوں پانی ہوا میں باہم مل گئے پھر نیچے آئے تو پاک ہیں، اور اگر دونوں برتنوں کا پانی زمین پر بہا دیا گیا تو دونوں بمنزلہ جاری پانی کے ہو گئے۔ (ت)

اشارات تقریر سابق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ثمرۂ استیصال علی الاطلاق نجاست غیر مرئیہ میں ہے مرئیہ جب تک باقی ہے معدوم نہیں کہی جاسکتی، ہاں کثیر وجاری میں اثر نہ کرسکے گی قلیل وراکد ہوتے ہی اپنا عمل دکھائے گی مگر یہ کہ اس سے پہلے نجاست نکال دی یا پانی میں مستہلک یا مٹی کی طرف مستحیل ہوگئی تھی کہ پہلی دو صورتوں میں مرئیہ نہ رہی غیر مرئیہ ہوگئی اور پچھلی میں نجاست ہی نہ رہی منحۃ الخالق میں ہے:

قال العلامۃ عبدالرحمٰن افندی العمادی مفتی دمشق فی کتابہ ھدیۃ ابن العماد قال صاحب مجمع الفتاوٰی فی الخزانۃ ماء الثلج اذا جری علی طریق فیہ سرقین ونجاسۃ ان تغیبت النجاسۃ واختلطت حتی لایری اثرھا یتوضؤ منہ[3]۔

علامہ عبدالرحمٰن آفندی عمادی مفتی دمشق نے اپنی کتاب ہدیۃ ابن العماد میں فرمایا صاحب مجمع الفتاوٰی نے خزانہ میں فرمایا کہ برف کا پانی ایسے راستے میں بہا جس پر گوبر پڑا ہوا تھا اور نجاست بھی تھی اگر نجاست اس میں اس طرح گُھل مل گئی کہ اس کا اثر نظر نہیں آتا تو اُس سے وضو کیا جائے گا۔ (ت)

یُوں ہی بزازیہ وخلاصہ وفتاوٰی سمرقند میں ہے شرح ہدیہ میں بعد کلام مذکور اصل ۶ فرمایا:

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

[2] ردالمحتار باب الانجاس " ۱/۲۳۹

[3] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحرالرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵

فالحوض نجس الی ان یصیر الزبل الذی فی اسفلہ حمأۃ وھی الطین الاسود فلا یکون نجسا حینئذ واذا کان الحوض کبیرا فالامر فیہ یسیر[1]۔

تو حوض اس وقت تک ناپاک ہے جب تک کہ جو گندگی اس کے نیچے ہے کیچڑ میں تبدیل ہوجائے تو اس وقت وہ ناپاک نہ ہوگا، اور اگر حوض بڑا ہو تو معاملہ آسان ہے۔ (ت)

منحہ میں ہے :

یعنی اذا اجری بعد ذلک لا بمجرد صیرورۃ الزبل حمأۃ کما یعلم مما مر[2] اھ

یعنی اس کے بعد پانی جاری بھی ہوا ہو کیونکہ محض کیچڑ بن جانا کافی نہیں، جیسا کہ سابقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ (ت)

اقول تبین مما حققنا ان المراد بالماء فی قولھم ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ ھو الماء الراکد القلیل اذ بہ تستقیم القضیتان علی عمومھما وقد اشار الیہ ملک العلماء حیث قال لاخلاف ان النجس یطھر بالغسل فی الماء الجاری وکذا بالغسل بصب الماء علیہ واختلف ھل یطھر بالغسل فی الاوانی قال ابو حنیفۃ و محمد یطھر حتی یخرج من الاجانۃ الثالثۃ طاھرا وقال ابو یوسف لا یطھر البدن ما لم یصب علیہ الماء وفی الثوب عنہ روایتان وجہ قول ابی یوسف القیاس یابی الطھارۃ بالغسل اصلا لان الماء متی لاقی النجاسۃ یتنجس سواء ورد الماء علی النجاسۃ او وردت النجاسۃ علی الماء الا انا حکمنا بالطھارۃ لحاجۃ

میں کہتا ہوں جو تحقیق ہم نے کی اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کے قول ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ میں ماء سے مراد وہ تھوڑا پانی ہے جو ٹھہرا ہوا ہو، کیونکہ اسی تشریح سے دونوں قضیے درست ہوں گے اور ان کا عموم صحیح قرار پائیگا اور ملک العلماء نے اسی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نجس چیز جاری پانی میں دھونے سے پاک ہوجائے گی اور اسی طرح اگر اس پر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے تو پاک ہوجائے گی، اس میں اختلاف ہے کہ کیا برتنوں میں دھو کر بھی پاک ہوگی یا نہیں؟ ابو حنیفہ اور محمد فرماتے ہیں پاک ہوجائے گی یہاں تک کہ تیسرے ٹب سے پاک نکلے گا اور ابو یوسف نے فرمایا بدن اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کے اوپر پانی نہ بہایا جائے اور کپڑے کے بارے میں ان سے

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵

[2] ایضاً

الناس والحاجة تندفع بالحکم بالطہارة عند ورود الماء علی النجاسة فبقی ماوراء ذلک علی القیاس فعلی ھذہ لا یفرق بین البدن والثوب ووجہ الفرق لہ علی روایۃ ان فی الثوب ضرورة اذ کل من تنجس ثوبہ لا یجد من یصب ولا یمکنہ الصب بنفسہ ووجہ قولھما ان القیاس متروک فی الفصلین لتحقق الضرورۃ فی المحلین اذ لیس کل من اصابت النجاسۃ بدنہ یجد ماء جاریا او من یصب وقد لا یتمکن من الصب بنفسہ مع ان ماذکرہ من القیاس غیر صحیح لان الماء لا ینجس اصلا مادام علی المحل النجس اھ[1] مختصرا فقد افاد مرتین ان القضیتین فی غیر الجاری ای وما فی حکمہ من الکثیر والعجب ان المدقق العلائی حمل الکلام علی الجاری فقال فی شرحہ (ورد) ای جری (نجس) اذا ورد کلہ او اکثرہ ولو اقلہ لا کجیفۃ فی نہر او نجاسۃ علی سطح لکن قد مر ان العبرۃ للاثر (کعکسہ) ای اذا وردت النجاسۃ علی الماء تنجس الماء اجماعا[2] اھ

دو روایتیں ہیں، ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دھونے سے طہارت بالکل نہ ہو کیونکہ پانی جب نجاست سے ملاقی ہوگا تو ناپاک ہوجائے گا خواہ پانی نجاست پر وارد ہو یا نجاست پانی پر وارد ہو، مگر ہم نے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے طہارت کا حکم دیا اور حاجت پانی کے نجاست پر وارد ہونے کی صورت میں پاکی کے حکم کے ساتھ رفع ہوجاتی ہے تو اُس کے علاوہ قیاس کے مطابق رہے گا، اس بنا پر بدن اور کپڑے میں فرق نہیں کیا جائیگا، اور ان کے نزدیک وجہِ فرق ایک روایت پر یہ ہے کہ کپڑے میں ضرورت ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کا کپڑا ناپاک ہوجائے اس کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی کہ کوئی اس کے کپڑے پر اُوپر سے پانی بہائے اور خود بھی وُہ نہیں بہا سکتا ہے، اور طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قیاس دونوں صورتوں میں متروک ہے کیونکہ دونوں جگہ ضرورت متحقق ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کو نجاست لگ جائے نہ تو بہتا ہوا پانی پاتا ہے اور نہ ہی کسی بہانے والے کو پاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود بھی نہیں بہا سکتا ہے' اور اس کے علاوہ جو قیاس اُنھوں نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ پانی جب تک نجس جگہ پر رہے ناپاک نہیں ہوتا ہے اھ مختصر، تو دو مرتبہ انھوں نے

---

[1] بدائع الصنائع اما طریق التطہیر بالغسل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۷
[2] الدر المختار باب الانجاس مجتبائی دہلی ۱/ ۵۵

بتایا کہ دونوں قضیئے غیر جاری پانی میں ہیں یعنی اُس پانی میں جو جاری پانی کے حکم میں ہو، مثلاً کثیر پانی، تعجب ہے کہ مدقق علائی نے کلام کو جاری پانی پر محمول کیا ہے، اور اپنی شرح میں فرمایا ہے (ورد) یعنی جاری ہوا (ناپاک) جب وارد ہُوا اس کا کل یا اکثر، اگر کم جاری ہُوا تو یہ حکم نہیں ہوگا جیسا کہ نہر میں مُردار یا چھت پر نجاست، لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا کہ اعتبار اثر کا ہے (جیسا کہ اس کا عکس) یعنی جب کہ نجاست پانی پر وارد ہو تو پانی اجماعاً ناپاک ہوجائیگا اھ (ت)

اقول ف۱ بل لایتنجس اجماعا اذا کان جاریا ما لم یتغیر بها فالمراد الراکد القلیل قطعا ولو حمل ف۲ علیه لم یحتج فی الاولی الی تقییدها ولا الاستدراك علیها والعجب ان السادات الثلثة ح و ط و ش کلهم حملوه علی ما یعم الراکد والجاری فاعترض الاولان علی الشارح قائلین علی قوله جری هذا خاص بما اذا جری علی ارض او سطح ولا یشمل ما اذا صب علی نجاسة لان الصب لایقال له جریان مع ان الحکم عام فالاولی ابقاء المصنف علی عمومه[1] اھ

میں کہتا ہوں بلکہ ناپاک نہ ہوگا اجماعاً جبکہ جاری ہو، جب تک متغیر نہ ہو، تو مراد تھوڑا سا ٹھہرا ہوا پانی ہے قطعاً، اور اگر اس پر محمول کیا جائے تو پہلی میں اس کی تقیید کی حاجت نہ ہوگی اور نہ ہی استدراک کی ضرورت ہوگی اور تعجب یہ ہے کہ سادات ثلثہ ح، ط اور ش نے اس کو ٹھہرے اور جاری پانی دونوں میں عام کر رکھا ہے تو پہلے دو نے شارح پر اعتراض کیا، اور کہا ہے کہ ان کا قول جری، یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ وُہ پانی زمین یا سطح پر جاری ہو اور اس صورت کو شامل نہیں ہے جبکہ کسی نجاست پر بہایا جائے کیونکہ بہانے کو جاری ہونا نہیں کہا جاتا ہے حالانکہ حکم عام ہے، تو اولیٰ وہی ہے کہ مصنف نے اس کو اس کے عموم پر باقی رکھا ہے اھ۔ (ت)

اقول ف۳ اترون ماء جاریا او کثیرا ورد علی نجس او بالعکس هل یتنجس بالورود فاین العموم واشار الثالث الی جوابین فقال فسر الورود به لیتأتی له التفصیل والخلاف الذان ذکرهما والا فالورود اعم وایضا فالجریان

میں کہتا ہوں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جاری پانی یا کثیر پانی جو کسی نجاست پر وارد ہو یا بالعکس، صرف وارد ہونے سے نجس ہوجائے گا؟ تو عموم کہاں ہوا؟ اور تیسرے نے دو جوابوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ورود کی تفسیر اس کے ساتھ اس لیے کی گئی ہے تاکہ وہ اس کی تفصیل کرسکیں اور اس کے خلاف کا بھی ذکر کریں،

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الانجاس بیروت ۱/۱۶۱

ابلغ من الصب فصرح به مع علو حکم الصب منه بالاولی دفعا لتوهم عدم ارادته اھ[1]

جن کا انھوں نے ذکر کیا، ورنہ ورود اتم ہے اور نیز جاری ہونا ابلغ ہے بہانے سے، تو اس کی تصریح کردی حالانکہ بہانے کا حکم اس سے معلوم ہوگیا تھا بطریق اولی، تاکہ ارادہ نہ کرنے کا وہم دفع ہوجائے اھ (ت)

اقول لاعموم وعلی فرضه کیف یصح تفسیرہ بخاص لیتأتی له تقییدہ وجعله خلافیة بل کان علیه ان یبقیه علی عمومه ویقول وان کان جاریا اذا ورد کله الخ

میں کہتا ہوں کوئی عموم نہیں ہے اگر فرض کیا جائے تو اس کی تفسیر خاص سے کیسے صحیح ہوسکتی ہے تاکہ وہ اس کو مقید کرسکیں اور اس کو اختلافی بنا سکیں، بلکہ ان پر لازم تھا کہ وہ اس کو اس کے عموم پر باقی رکھیں، اور کہیں کہ اگرچہ جاری ہو جبکہ اس کا کل وارد ہو الخ (ت)

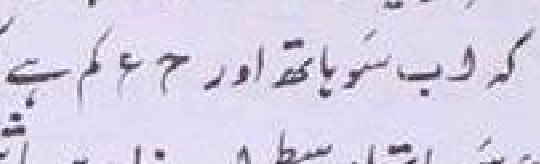
یہ جواہر زواہر بحمدہ تعالٰی عطیہ سرکار رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ ہیں والحمد ﷲ علی تواتر اٰلائه وافضل الصلاۃ والسلام علی سید انبیائه وعلیهم وعلی اٰله وصحبه واولیائه باقیین دائمین بدوامه وبقائه اٰمین والحمد ﷲ رب العٰلمین۔

جب یہ اصول عشرہ ممہد ہولیے اب **تفریعات** کی طرف چلئے۔

فاقول وباﷲ التوفیق اس مسئلہ میں ۱۲۰ صورتیں ہیں، جواب چہارم میں حوض کی قسمیں مذکور ہوئیں۔ قسم دوم وہ کہ اسفل اُسی کا جُز ہو شکل و احاطہ میں متمیز نہ ہو جیسے نصف دائرہ۔ قسم چہارم وہ کہ اسفل شکل جدا گانہ ہو۔ **صغیر تابع** وہ کہ پچیس ہاتھ مساحت سے کم ہو **مستقل** وُہ کہ پچیس ہاتھ یا زائد ہو مگر سَو سے کم ہو، حوضِ زیریں **ناقابل اجرا** ایک وہ کہ پانی اُس کی حدود سے باہر تک حوضِ بالا کے بطن میں بھرا ہو کہ باہر سے جو پانی آئیگا اُس کا بہاؤ اُس حوض صغیر میں داخل ہوکر نکلنا نہ ٹھہرے گا کہ اُس کا اجرا ہو بلکہ حوض بالا ہی کے بطن میں متحرک سمجھا جائیگا کہ جریان نہیں (اصل ۳ و ۵) ظاہر ہے کہ اگر دیگ میں ایک کٹورا رکھا اور نصف دیگ میں ناپاک پانی بھرا ہے لبالب بھر دینے سے بھی کٹورے کا پانی پاک نہ ہوگا نہ دیگ کا کہ اُن میں کسی کا اجرا نہ ہوا بخلاف اس کے کہ صرف کٹورے میں پانی ہو اور اُس پر پاک پانی ڈالیں یہاں تک کہ بھر کر اُبلے ضرور کٹورا اور اُس کا پانی پاک ہوجائیگا کہ اُس کا اجرا ہوگیا اگرچہ جوفِ دیگ میں (اصل ۲) دوسرا وہ کہ آگے اُبل کر بہنے کو جگہ نہ ہو جیسے اس صورت میں  کہ اگرچہ پانی حر

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۸

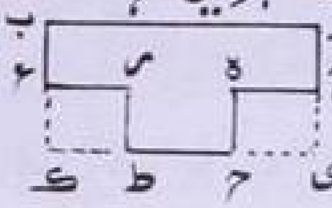
ح ء تک ہو آگے منتہی تک بلندی ہے۔ **قابل اجراء** وہ کہ پانی اُسی کے اندر اور آگے بہنے کو جگہ ہو **قلت منتہی**
یہ کہ حوضِ بالا کی فضا کہ اس حوضِ زیریں کی محاذات میں ہے مع فضائے حوضِ زیریں دہ در دہ سے کم ہو جیسے اس شکل میں

کہ ا ب سو ہاتھ اور ح ء کم ہے **کثرت منتہی** یہ کہ یہاں بھی دہ در دہ ہو جیسے
اسی شکل میں جب کہ سطح ح ء سو ہاتھ اور سطح ا ب زاید ہو یا شکل سوم مذکور جواب چہارم میں کہ ا ب د
ح ء دونوں مساوی ہیں **کثرتِ مبدء** یہ کہ ناپاک پانی جہاں تک بھرا ہے مثلاً بحالِ قابلیت اجراء ہ سے م
تک یا بحالِ عدمِ قابلیت ی سے م تک وہاں سے مدخل آب تک اتنی جگہ ہے کہ آنے والا پاک پانی دہ در دہ
ہو کر ناپاک پانی سے ملے گا مثلاً ا سے جو پانی ح پر آیا اور پہلی صورت میں ہ سے ناپاک پانی تھا تو ہ تک پہنچنے
سے پہلے سطح ح ہ میں سو ہاتھ مساحت ہو اور دوسری صورت میں ی سے نجس پانی تھا تو ی سے اوپر اوپر
سطح ح ی میں دہ در دہ کی وسعت ہو **قلتِ مبدء** یہ کہ اتنی جگہ نہیں بلکہ دہ در دہ سے کم رہ کر اُس سے ملے
بہر حال نجاست مرئیہ پاک پانی داخل ہونے سے پہلے نکال لی گئی تو مخرجہ ہے ورنہ باقیہ راسبہ خواہ طافیہ
ظاہر ہے کہ حوض زیر بحث قسم دوم سے ہوگا یا چہارم سے اور چہارم تابع یا مستقل اور دونوں قابل اجرا
یا ناقابل یہ پانچ صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر مبدء کثیر ہوگا یا قلیل بہر وجہ دوم منتہی بھی قلیل ہوگا یا کثیر یہ تین
ہو کر پندرہ[15] ہوئیں۔ بہر حال نجاست غیر مرئیہ ہوگی یا مرئیہ اور مرئیہ مخرجہ یا باقیہ اور باقیہ راسبہ یا طافیہ یہ
چار ہو کر ساٹھ[60] ہوئیں بہر صورت حوض بالا بھر کر اُبلا یا نہیں جملہ ایک سو بیس[120]۔ اب ہم بتوفیقہ تعالیٰ ان کا
ضبط کریں کہ ہر تقسیم اُسی صورت میں آئے جس سے وہاں حکم مختلف ہو۔

فاقول وباللہ ربی استعین اوّلاً حوض اگر قسمِ دوم سے ہو یا قسم چہارم سے اور صغیر ناقابل اجرا
تابع خواہ مستقل اور بہر حال نہ کثیر المبدء تھا نہ بھر کر اُبلا تو مطلقاً سب ناپاک ہو گیا عام ازیں کہ نجاست کسی
قسم کی ہو اور منتہی قلیل ہو یا کثیر کہ جتنا پانی نجاست سے ملتا گیا نجس ہوتا گیا اور نجس کثیر ہو کر طاہر نہیں ہو سکتا
یہ تین صورتیں ہوئیں بلکہ ایک ہی کہ ناقابلِ اجرا سب کو شامل ہے اور تفصیلاً بلحاظ کثرت وقلت منتہی و اقسام
نجاست چوبیس[24]۔

ثانیاً انہی صور ثلثہ سے پہلی دو صورتوں یعنی قسم دوم و ناجاری تابع میں اگر کثیر المبدء تھا یا بھر کر
اُبلا تو مطلقاً سب پاک ہو گیا یہ چار صورتیں ہوئیں بلکہ دو ہی کہ نامستقل دونوں کو شامل اور تفصیلاً بتیس[32]
کہ کثیر المبدء اُبلے یا نہیں اور اُبلنے والے قلیل المبدء میں منتہے قلیل ہو یا کثیر اور ہر ایک قسم دوم سے ہو یا ناجاری
تابع اور بہر حال نجاست کسی قسم کی۔

ثالثاً انہی کی صورت سوم ناجاری مستقل میں کثرتِ مبدء یا اُبلنے سے حوضِ بالا مطلقاً پاک رہے گا

کہ اُس کا پانی ناپاک پانی سے کثیر ہوکر ملا (اصل ۸) یا بعد کو بہ گیا (اصل ۱) اور صغیر مطلقاً ناپاک ہونا چاہیئے۔ اگرچہ نجاست غیر مرئیہ ہو کہ بہا نہیں اور مستقل ہے (جواب ۴) تو نجاست موجود اور سبب تطہیر مفقود صورت کثرت مبدء تو واضح ہے اور صورت اجرا میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کا استقلال اس کے اجرا کو اس کا اجرا ہونے سے مانع ہوگا اگر کہیے کہ مانع نہ ہوگا شکل ج



میں ج ح اور ر ک زمین کے ٹکڑے جنھوں نے حائل ہوکر ہ ط کو د ی سے ممتاز شکل کر دیا اگر ہٹا دیے جائیں تو شک نہیں کہ د ب کا اجرا تمام شکل د ک کا اجرا ہوگا جس میں ہ ط بھی داخل تو اتنے ٹکڑے کم کر لینے سے اثر اجرا کہ ہ ط تک پہنچتا تھا ہ ر پر کیوں ختم ہو جائے گا تو جواب وہی ہے کہ وہ ٹکڑے ہٹ جائیں تو د ک شکل واحد میں سب پانی ایک ہے بخلاف اس صورت کے کہ اب دو شکلوں میں دو پانی ہیں فلیتامل یہ دو صورتیں ہوئیں اور تفصیلاً اُسی طرح سولہ[16]۔

رابعاً صغیر قابلِ اجرا اور نہ ہوگا مگر قسم چہارم سے کہ قسم دوم اصلاً قابلِ اجرا نہیں جب تک سارا حوض بھر کر نہ بہے ظاہر ہے کہ اب جو پانی اُوپر سے آئیگا ضرور اُسے بھر کر بہا دے گا (اصل ۵) تو اُس وقت اس کی طہارت میں کلام نہیں (اصل ۱)، عام ازیں کہ مستقل ہو یا تابع کہ اجرا سے طہارت کے لیے کوئی مقدار شرط نہیں (اصل ۲) اب اگر نجاست غیر مرئیہ یا مخرجہ ہے تو عود نجاست کی کوئی وجہ نہیں کہ جریان اس نجاست کو فنا کر دیتا ہے (اصل ۱۰) تو مطلقاً زیر و بالا دونوں حصے پاک ہیں اگرچہ نہ مبدء کثیر ہو نہ منتہے کہ جریان کے لیے کوئی حد خاص مقدر نہیں (اصل ۴) خواہ بھر کر اُبلے یا نہیں کہ طاہر کو اجرا کی حاجت نہیں یہ چار صورتیں ہوئیں کہ قابل اجرا تابع یا مستقل اور نجاست غیر مرئیہ یا مخرجہ بلکہ ایک ہی کہ قابل اجرا اور نجاست غیر مرئیہ کہ بعد اخراج مرئیہ بھی غیر مرئیہ ہے اور تفصیلاً چوبیس[24] کہ ہر تقدیر پر مبدء کثیر ہو یا قلیل اور منتہے کثیر یا وہ بھی قلیل اور ہر صورت پر اُبلے یا نہیں۔

خامساً اسی صورت قابل اجرا میں نجاست باقیہ ہو تو مبدء یا منتہے کثیر ہونے کی حالت میں اگر نجاست طافیہ ہے مطلقاً دونوں حصے پاک رہیں گے صغیر تابع ہو یا مستقل کبیر اُبلے یا نہ اُبلے کہ جریان صغیر نے اُسے پاک کر دیا اور وہ اگرچہ مستقل ہو نجاست کہ طافیہ تھی اس میں نہ رہی آبِ بالا کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ آب بالا اُسے بہانے والا اُس سے متاثر نہ ہوا اگر کثیر تھا تو ظاہر (اصل ۸) اور قلیل تھا جب بھی بحالتِ جریان تو پاک تھا ہی (اصل ۴) اور یہ جریان منتہی نہ ہوا جب تک اُس فضائے حوض کبیر کو کہ محاذات صغیر میں ہے بھر نہ دیا (اصل ۴) کہ عرض میں پھیلنا جریان کا مانع نہیں (اصل ۷) اور اس وقت دہ در دہ ہو چکا تھا بہر حال قابل قبول نجاست نہ ہوا یوں ہی اگر راسبہ ہے اور صغیر تابع کہ اگرچہ وقوف جریان کے وقت نجاست اُس میں موجود تھی مگر آبِ بالا بوجہ کثرت متاثر نہ ہوا اور یہ بوجہ تبعیت اُس کے ساتھ شئے واحد ہے تو پاک ہی رہے گا

اور جریان بالا کی حاجت نہیں جیسے حوض قسم دوم کا اسفل اگرچہ مساحت میں کتنا ہی کم رہ جائے اور اُس میں نجاست موجود ہو جب اوپر کثیر ہے یا اجرا ہو جائے کوئی حصہ ناپاک نہ رہے گا ہاں اس صورت میں اگر صغیر مستقل ہے تو کبیر کہ کثیر ہے پاک رہے گا اور صغیر پھر ناپاک ہو جانا چاہیے کہ اُس سطح کے بھرتے ہی جریان ٹھہر گیا اور اُس وقت نجاست خود اس میں موجود ہے اور یہ تابع نہیں تو جریان بالا بھی اگر ہوا سے مفید نہیں اور اگر مبدء و منتہے دونوں قلیل ہیں اور حوض بالا بہا بھی نہیں تو مطلقاً دونوں حصے ناپاک رہیں گے صغیر تابع ہو یا مستقل اور نجاست طافیہ ہو یا راسبہ کہ اگرچہ اجرائے صغیر نے اسے پاک کیا اور اُس وقت تک وہ آنے والا پانی بھی پاک تھا مگر جریان ٹھہرا قلت پر تو آب قلیل ساکن میں نجاست موجود ہے خواہ بالا میں اگر طافیہ ہے یا زیریں میں اگر راسبہ تو وہ نجس ہو گیا (اصل ۶) اور دوسرا قلیل کہ اول میں زیریں اور دوم میں بالا ہے اس آبِ نجس سے متصل ہے تو دونوں نجس ہو گئے اور بعد کو جو پانی بڑھا بطنِ حوض میں متحرک ہوا تو دوبارہ اجرا نہ ہوا (اصل ۳ و ۵) اس بڑھنے میں سیلان سہی مگر وہ جریان کے لیے کافی نہیں (اصل ۹) اور اگر حوض بالا بہا اور صغیر تابع ہے تو سب پاک اگرچہ نجاست راسبہ ہو لما مر آنفا (جیسے ابھی گزرا ۔ ت) اور مستقل ہے تو صغیر بوجہ اتصال نجاست ناپاک ہونا چاہیے اگرچہ طافیہ ہو کہ وقوف جریان کے وقت بالا بسبب قلت ناپاک ہو گیا تھا اور یہ اُس سے متصل پھر جب بالا کا جریان ہوا وہ بوجہ استقلال اس کا جریان نہ ٹھہرنا چاہیے تو یہ نجس ہی رہا اور کبیر بوجہ جریان خود پاک ہو گیا یہ نو صورتیں ہیں کہ کثرت مبدء یا منتہے ہر ایک میں تین ہیں طافیہ مطلق اور راسبہ میں صغیر تابع یا مستقل یونہی قلت ہر دو میں تین ہیں عدم جریان بالا مطلق اور جریان میں تبعیت و استقلال بلکہ چھ ہی ہیں کہ دونوں کثرتیں وقوف علی الکثرۃ میں آگئیں اور تفصیلاً چوبیس کہ کثرت مبدء یا منتہے یا قلتِ ہر دو ہر ایک میں نجاست طافیہ ہے یا راسبہ۔ صغیر تابع ہے یا مستقل بالا بہا یا نہیں آٹھ آٹھ ہو کر چوبیس[24] ہوئیں مجموع ایک سو بیس اور ضابطہ میں بیس[20] ہی بلکہ صرف بارہ[12]۔

اختصار ھذا الضابط

اقول ان کان جوف الحوض النجس لایجری بدخول الماء الطاھر فان کثر المبدء او جری الکبیر طھر الکل لو الصغیر تابعا والکبیر فقط لو مستقلا والا تنجس الکل وان کان یجری به و

ضابطہ کا اختصار

میں کہتا ہوں اگر ناپاک حوض کی تہ پاک پانی کے داخل ہونے سے جاری نہیں ہوتی ہے، تو اگر مبدء زاید ہو گیا یا بڑا جاری ہوا، تو کل پاک ہے اگر صغیر تابع ہے اور کبیر فقط اگر مستقل ہو ورنہ سب ناپاک ہو گیا، اور اگر اس کے ساتھ جاری ہو اور

النجاسة غیر مرئیة طهر الکل وان باقیة فان وقف عن الجریان کثیرا وھی طافیة او الصغیر تابع طھر الکل والا فالکبیر وحدہ وان وقف قلیلا ولو یجر الکبیر تنجس الکل وان جری طھر الکل لو الصغیر تا بعاو الکبیر فقط لو مستقلا۔

نجاست مرئیہ نہ ہو تو کُل پاک اور اگرچہ نجاست باقی ہو تو اگر جاری ہونے سے بہت دیر رک جائے اور نجاست اوپر تیرتی ہو یا صغیر تابع ہو تو کل پاک ورنہ کبیر صرف پاک ہوگا، اور اگر تھوڑی دیر ٹھہرا اور کبیر جاری نہ ہوا تو کل ناپاک ہوا، اور اگر جاری ہُوا تو کل پاک ہوا اگر صغیر تابع ہو اور کبیر فقط اگر مستقل ہو۔(ت)

ضابطہ بروجہ دوم متفرق کہ ہر حصہ کی طہارت کا جدا ضابطہ۔

اقول طہارت بالا کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ آب طاہر کثیر ہو کر نجس تک پہنچے، یا

۲۔ حوض بھر کر اُبل جائے، یا

۳۔ صغیر کو بہائے اور نجاست غیر مرئیہ رہ گئی ہو، یا

۴۔ صغیر کو بہا کر دہ در دہ پر ٹھہرے۔

اور طہارت زیریں تابع مطلقاً تابع طہارت بالا ہے اور طہارت زیریں مستقل کو تین شرطیں درکار:

اوّل: اس کا جاری ہونا۔

دوم: نجاست کا راسبہ نہ ہونا۔

سوم: یا تو نجاست غیر مرئیہ ہو یا طافیہ ہے تو جریان حدکثرت پر ٹھہرے اُنہی کے اجتماع وافتراق سے زیر وبالا کے احکام پیدا ہوں گے طہارت بالا کی اگر کوئی صورت نہ پائی جائے دونوں حصّے مطلقاً نجس ہیں کہ اس مسئلہ میں نجاست بالا وطہارتِ زیریں معقول نہیں اور اگر اُن میں سے کوئی صورت متحقق ہو اور اُس کے ساتھ صغیر مستقل نہ ہو یا ہو تو اُس کی تینوں شرطیں جمع ہوں تو سب پاک ہے اور اگر طہارت بالا کی کوئی صورت پائی گئی اور صغیر مستقل ہے اور اس کی کوئی شرط متنفی ہُوئی تو اسفل ناپاک اعلیٰ پاک۔

ضابطہ بروجہ سوم کہ توزیع احکام کرے حکم تین ہیں:

۱۔ سب پاک

۲۔ سب ناپاک

۳۔ صرف حصّۂ بالا پاک۔ اس ضابطہ میں ہر حکم کی صورتیں جُدا کی جائیں گی۔

فاقول اگر آب طاہر آب نجس سے نہ کثیر ہو کر ملا نہ بعد کو اُبلا نہ نجاست غیر مرئیہ میں صغیر کو بہایا

نہ باقیہ میں بہا کر دہ در دہ پر ٹھہرا تو ان[1] اٹھائیس[28] صورتوں میں دونوں حصے مطلقاً ناپاک ہیں اور[2] اگر حوض قسم دوم سے ہو یا چہارم میں صغیر تابع قابل اجرنہ ہو اور دونوں صورتوں میں آب طاہر کثیر ہو کر نجس سے ملا یا[3] بعد کو اُبلا، یا[4] آب نجس حوض صغیر تابع خواہ مستقل میں قابل اجرا تھا اور نجاست غیر مرئیہ[2] رہ گئی تھی اگرچہ دہ در دہ سے کم پر ٹھہرا، یا[5] مرئیہ میں وہ صغیر تابع تھا اگرچہ راسبہ ہو اور اُسے بہا کر کثرت[3] پر ٹھہرا یا[6] بعد کو اُبلا، یا[7] صغیر مستقل تھا اور نجاست طافیہ اور بہا کر کثرت پر ٹھہرا[4]، ان ستر[70] صورتوں میں دونوں حصے مطلقاً پاک ہیں اور اگر صغیر مستقل تھا اور آنے والے پانی نے اُسے نہ بہایا کہ جگہ نہ تھی خواہ نجس پانی اس کی حد سے باہر تھا یا بہایا تو نجاست راسبہ تھی اور ان دونوں صورتوں میں پانی[9,10] اُس نجس سے کثیر ہو کر ملا خواہ صورت اخیرہ میں بہا کر کثرت پر ٹھہرا یا دونوں صورتوں میں بعد کو اُبلا یا[11,12] نجاست طافیہ تھی اور قلت پر ٹھہر کر آخر میں اُبلا ان[5] بائیس صورتوں میں اسفل ناپاک اعلیٰ پاک۔

---

[1] حوض قسم دوم سے ہے یا صغیر ناجاری تابع خواہ مستقل، بہرحال مبدء یا مبدء و منتہی دونوں قلیل بہرصورت نجاست چاروں قسم سے کسی قسم کی۔ ۲۴ یہ ہوئیں اور صغیر جاری سے تابع خواہ مستقل اور نہ کثرت پر ٹھہرا نہ بعد کو اُبلا بہر تقدیر نجاست طافیہ ہے یا راسبہ چار یہ ہوئیں جملہ ۲۸ اور ضابطہ میں ایک ۱۲ منہ (م)

[2] غیر مرئیہ رہ جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ نجاست سرے سے غیر مرئیہ تھی یا تھی مرئیہ اور قبل جریان نکال دی گئی کہ غیر مرئیہ رہ گئی ۱۲ منہ (م)

[3] کثرت پر ٹھہرنا دونوں صورتوں کو شامل ہے ابتدا ہی سے کثیر ہو کر ملا یا کثیر ہو کر جریان پر ٹھہرا ۱۲ منہ (م)

[4] حوض قسم دوم سے یا صغیر ناجاری تابع۔ بہرحال اگر مبدء کثیر ہے تو بعد کو اُبلے نہ اُبلے یا بعد کو اُبلا تو منتہی کثیر یا قلیل۔ یہ آٹھ صورتیں ہوئیں ہر صورت پر نجاست کی ہر قسم حاصل ۳۲۔ اور ضابطہ میں دو۔ اور اگر صغیر جاری ہے تابع خواہ مستقل اور نجاست غیر مرئیہ خواہ مخرجہ۔ چار ہوئیں۔ بہرصورت مبدء کثیر ہے یا قلیل اور منتہی کثیر یا دونوں قلیل بارہ[12] ہوئیں بہرصورت اُبلا یا نہیں، حاصل ۲۴۔ اور ضابطہ میں ایک اور صغیر جاری تابع میں مبدء کثیر ہے یا منتہی بہرحال اُبلا یا نہیں چار یہ اور پانچویں یہ کہ دونوں قلیل اور اُبلا بہرصورت نجاست طافیہ یا راسبہ حاصل ۱۰۔ اور ضابطہ میں دو صغیر جاری مستقل اور نجاست طافیہ اور منتہے کثیر اس میں ممکن کہ مبدء کثیر تھا یا قلیل بہرحال اُبلا یا نہیں حاصل ۴۔ اور ضابطہ میں ایک مجموع ستر اور ضابطہ میں چھ۔ ۱۲ منہ (م)

[5] صغیر مستقل ناجاری میں اگر مبدء کثیر ہے تو اُبلے خواہ نہیں اور اُبلا ہے تو منتہے کثیر ہو یا قلیل۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

اقول اولاً یہیں سے ظاہر ہُوا کہ کلام علمائے کرام حوض قسم دوم میں ہے ورنہ بانوے[92] صورتوں سے نقض وارد ہو جن میں سے ستر میں طہارت کل یقینی ہے اور بائیس میں طہارتِ اعلیٰ۔ تردد ہے تو نجاستِ اسفل میں اور حوض قسم دوم میں بیشک حکم یہی ہے کہ اعلیٰ اسفل سب ناپاک صرف دو استثنا ہیں جن میں سب پاک ہوگا ایک یہ کہ بھر کر اُبل جائے یہ صراحۃً اُن کے کلماتِ عالیہ میں مذکور حلیہ و بدائع و فتح سے گزرا امتلأ و لم یخرج منه شیئ (وُہ بھر گیا اور اس سے کوئی چیز خارج نہ ہوئی۔ ت) دُوسرے یہ کہ آنے والا پانی کثیر ہو کر اُس نجس سے ملے یہ بجائے خود معلوم و معہود کہ کثیر بے تغیر نجاست قبول نہیں کرتا تو اطلاق علمائے کرام صحیح و بے غبار ہے اور تحقیق بازغ و تنقیح بالغ یہ ہے[1] جو بتوفیقہ عزّوجل قلبِ فقیر پر القا ہُوئی۔

ثانیاً نیز یہ بھی واضح ہُوا کہ قول دوم بھی بے وجہ نہیں بلکہ وہ اُن ستر صور پر محمول جن میں سب پانی پاک رہتا ہے وباللہ التوفیق۔

ثالثاً یہ بھی لائح ہُوا کہ یہ محمل ایک[2] قول کی تصحیح دوسرے کی تضعیف کا نہیں بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں،

وللہ الحمد کثیرا طیبا مبارکا فیه کما یحب ربنا ویرضی، وصلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علی المصطفی الارضی، واله وصحبه وابنه وحزبه ماعلت سماء ارضا، والحمد للہ رب العٰلمین واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اللہ ہی کے لیے بہت پاکیزہ حمد ہے اس میں برکت ہو جتنی ہمارے رب کو پسند ہے اور اتنے درود وسلام ہوں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی آل، اصحاب، اولاد، گروہ سب پر جب تک آسمان زمین سے بلند رہے، والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ جلیل

وتشیید التفریع والتاصیل، وعلی اللہ ثم علی رسوله التعویل، جل وعلا

اور اصل بیان کرنے اور فروعی مسائل کا استنباط کرنے کی بنیاد، اور بھروسا اللہ عزّوجلّ پر ہے پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ چار ہوئیں اور ہر تقدیر نجاست کی ہر قسم۔ حاصل ۱۶ اور صغیر[10] مستقل جاری میں مبدء و کثیر ہو یا منتہی بہرحال اُبلے یا نہیں اور نجاست خاص راسبہ۔ یہ چار ہوئیں اور[11] اگر دونوں قلیل ہیں اور اُبلا تو نجاست راسبہ ہو خواہ[12] طافیہ یہ دو مل کر چھ ہوئیں، حاصل ۲۲، اور ضابطہ میں ۵۔ مجموع ۱۲۰، اور ضابطہ میں ۱۲ ۔ ۱۲ منہ (م)

وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتبجیل، اس کے رسول پر ہے، اللہ تعالٰی ان پر عظمت والا درود بھیجے۔ (ت)

اصل سوم میں گزرا کہ دخول وخروج دونوں اس جریان کے رکن ہیں اُن میں سے جو نہ پایا جائیگا جریان نہ ہوگا اور اصل نہم میں ردالمحتار و ضیاء و جامع المضمرات و بزازیہ و خلاصہ و فتاوٰی سے گزرا کہ لوٹے کی دھار جب تک بالتقدیر نہ پہنچی جاری ہے حالانکہ یہ محض خروج بلا دخول ہے۔

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ ہی کی توفیق سے میں کہتا ہوں اور اسی کی مدد سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچنا ہے۔ ت) اس کی تنقیح وتطبیق ایک اور خلافیہ کی توضیح و توفیق پر مبنی ہے علما مختلف ہوئے کہ جاری ہونے کے لیے اوپر سے مدد آنا بھی ضرور ہے یا بلا مدد کسی مانع کا آپ بہنا بھی جریان ہے محقق علی الاطلاق نے اول کو ترجیح دی فتح میں فرمایا:

الحق اباالجاری حوض الحمام اذا کان الماء ینزل من اعلاہ حتی لو ادخلت القصعۃ النجسۃ اوالید النجسۃ فیہ لا ینجس وھل یشترط مع ذلک تدارک اغتراف الناس منہ فیہ خلاف ذکرہ فی المنیۃ ثم لابد من کون جریانہ لمددلہ کما فی العین والنہر ھو المختار[1] اھ ثم ذکر مسألۃ الاستنجاء بالقمقمۃ ونقل عن التجنیس النظر فیہ بعین ما نظر الامام حسام الدین[2] ثم قال قال ای المصنف فی التجنیس ونظیرہ ما اوردہ المشایخ فی الکتب ان المسافر اذا کان معہ میزاب واسع (ای یسع ان یتوضأ فیہ) واداوۃ ماء یحتاج الیہ ولا یتیقن وجود الماء لکنہ[علیٰ] علی طمعہ قبل

جاری پانی کے ساتھ حمام کے حوض کو بھی شامل کیا گیا ہے، جبکہ پانی اس کے اُوپر سے اُتر رہا ہو یہاں تک کہ اگر اس میں ناپاک پیالہ یا ناپاک ہاتھ ڈالا تو ناپاک نہ ہوگا اور آیا اس میں یہ شرط بھی ہے کہ لوگ پے در پے اس میں سے چلو بھر کر پانی نکالتے ہوں؟ اس میں اختلاف ہے، اس کو منیہ میں ذکر کیا، پھر اس کے جاری رہنے کے لیے اس کو مدد دینے والی چیز ضروری ہے جیسا کہ چشمہ اور نہر میں ہوتا ہے یہی مختار ہے اھ پھر استنجاء ٹونٹی کے ساتھ کا مسئلہ نقل کیا اور پھر تجنیس سے نقل کیا کہ اس میں نظر ہے یہ وہی نظر ہے جو حسام الدین نے کی تھی، پھر کہا کہ مصنف نے تجنیس میں کہا ہے اور اس کی نظیر مشایخ کا یہ قول ہے کہ مسافر کے پاس جب واسع پرنالہ ہو (یعنی اس میں اتنی گنجائش ہو کہ اس میں وضو کیا جاسکے)

[علیٰ] اقول لعل وجہ التقیید بہ التنصیص علی انہ یجوز ھذا الاحتیال وان کان علی من الماء فعند عدمہ اولٰی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اس قید کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس بات پر نص کرنا مقصود ہو کہ یہ حیلہ جائز ہے اگرچہ پانی ملنے کی امید ہو تو جب امید نہ ہو تو بدرجہ اولٰی جائز ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر بحث الماء الجاری نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹

اور پانی کا برتن ہو جس کی ضرورت ہو

ينبغي ان يأمر احدا يصب الماء في طرف الميزاب وهو يتوضؤ وعند الطرف الاٰخر اناء طاهر يجتمع فيه الماء فانه يكون الماء طاهرا وطهورا لانه جار قال بعضهم هذا ليس بشیٔ لان الجاری انما لا يصير مستعملا اذا كان له مدد كالعين والنهر وما اشبهه ومما اشبهه حوضان صغيران يخرج الماء من احدهما ويدخل في الاٰخر فتوضأ في خلال ذلك جاز لانه جار وكذا اذا قطع الجاری من فوق وقد بقي جری الماء كان جائزا ان يتوضأ بما يجری في النهر قبل استقراره[1] اھ بالتقاط۔

اور پانی کا پایا جانا یقینی نہ ہو لیکن ملنے کی امید ہو، تو ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی کو حکم دے کہ وہ پرنالے کے ایک کنارے سے پانی بہائے اور وہ شخص وضو کرے اور پرنالے کی دوسری طرف ایک پاک برتن ہو جس میں پانی جمع ہوتا ہو تو وہ پانی طاہر اور طہور ہوگا کیونکہ وہ جاری ہے، بعض علمائے نے فرمایا یہ کچھ نہیں کیونکہ جاری پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے جبکہ اس میں نیا پانی شامل ہو رہا ہو جیسے چشمہ اور نہر اور اس کے مشابہ چیزیں، اور اس کے مشابہ دو چھوٹے حوض ہیں جن میں سے ایک میں سے پانی نکل کر دُوسرے میں داخل ہو رہا ہو تو کسی نے اس کے درمیان کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ جاری ہے اور اسی طرح اگر اوپر سے جاری پانی کو قطع کیا اور پانی کا جاری رہنا باقی ہو تو یہ جائز ہے کہ جو پانی نہر میں جاری ہو اس سے وضو کرلے اس کے استقرار سے قبل اھ (ت)

اور علامہ حدادی نے سراج وہاج اور علامہ سراج ہندی نے توشیح میں دوم کی تصحیح کی بحر و تنویر و دُر وغیرہا میں اسی پر اعتماد کیا بحر میں بعد نقل ترجیح فتح فرمایا:

وفي السراج الوهاج ولا يشترط في الماء الجاری المدد وهو الصحيح[2] اھ ثم ذكر في البحر عن التجنيس والمعراج وغيرهما مسألة جواز الوضوء بما يجری في نهر سد من فوقه[3]۔

اور السراج الوہاج میں ہے کہ جاری پانی میں مدد کی شرط نہیں اور یہی صحیح ہے اھ پھر بحر میں تجنیس اور معراج وغیرہ سے یہ مسئلہ منقول ہے کہ وُہ نہر جو اُوپر سے بند ہو اس میں جاری پانی سے وضو جائز ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر بحث الماء الجاری نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹
[2] بحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۶
[3] ایضاً

اقول ای فیه او به اذا وقع فیه نجس کما لا یخفی ثم رأیت فی الحلیة اخذ بمثله علی متنه اذ قال ظاهر عبارتهم فی هذه المسألة کما فی الذخیرة وواقعات الناطفی اذا سد من فوق فتوضاء بما یجری فی النهر جاز اھ ان یکون الوضوء فی النهر فکان علی المصنف ان یذکر فیه لان من الواضح جدا جواز الوضوء به جاریا کان او غیر جار خارجه اما باغتراف او اخذ منه باناء فلا یقع التقیید ببقاء جریان الماء موقعا ثم هم اعلی کعبا من ذکر مثله[1] اھ

میں کہتا ہوں یعنی اس میں یا اُس سے جبکہ اس میں نجاست گر جائے کما لا یخفی، پھر میں نے حلیہ میں دیکھا کہ متن میں انہوں نے اسی کو اختیار کیا ہے وُہ فرماتے ہیں ان کی عبارت کا ظاہر اس مسئلہ میں جیسا کہ ذخیرہ اور واقعات ناطفی میں ہے کہ جب نہر کو اُوپر سے بند کر دیا جائے اور پھر کوئی شخص اس پانی سے وضو کرے جو نہر میں جاری ہے تو جائز ہے' اور یہ کہ وضوء نہر میں ہو، تو مصنّف پر لازم تھا کہ "فیہ" کا ذکر کرتے کیونکہ اس سے وضوء کا جواز بہت واضح ہے، خواہ وہ جاری ہو یا نہ ہو، وضو کرنیوالا نہر سے باہر چلّو کے ذریعے نہر سے پانی لے کر یا کسی برتن کے ذریعے حاصل کرکے وضو کرے بہرصورت بقائے جریان کی قید درست نہیں پھر اُن کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ اس قسم کی چیزیں وہ ذکر کریں اھ (ت)

اقول ای عتب[ف] علی المصنف اذا کانوا هم المعبرین بالباء دون فی فهذا محل التفسیر لا الاخذ کما فعل الفقیر قال البحر فهذا یشهد لما فی السراج[2] اھ

میں کہتا ہوں جب وہ خود "باء" سے تعبیر کرتے ہیں تو مصنّف پر کیا اعتراض ہے، تو یہ تفسیر کا محل ہے نہ کہ گرفت کرنے کا، جیسا کہ فقیر نے کیا ہے، بحر نے فرمایا یہ اس چیز کی شہادت دیتا ہے جو سراج میں ہے اھ (ت)

اقول نعم[ف۲] لکن لا ینبغی عزوه للتجنیس فانه لیس جانحا الیه بل هو فی عداد راد علیه کما یظهر من عبارة الفتح حیث نقل عن التجنیس فی مسئلة القمقمة

میں کہتا ہوں، ہاں، لیکن اس کو تجنیس کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ اس کی طرف مائل نہیں ہیں بلکہ وہ اس پر رد کرتے ہیں، جیسا کہ فتح کی عبارت سے ظاہر ہے کیونکہ انھوں نے ٹونٹی

---

[1] حلیہ
[2] بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

هذا ليس بشیئ ثم قال ونظيره فذكر مسألة الميزاب ثم قال وما اشبهه وجعل منه مسألة الحوضين وهذه المسألة ثم قال فی البحر وذكر السراج الهندی عن الامام الزاهد ان من حفر نهرا من حوض صغير واجری الماء فی النهر وتوضأ بذلك الماء فی حال جريانه فاجتمع ذلك الماء فی مكان فحفر رجل اخر نهرا من ذلك المكان واجری الماء فيه وتوضأ به حال جريانه فاجتمع فی مكان اٰخر ففعل رجل ثالث كذلك جاز وضوء الكل لان كل واحد انما توضأ بالماء حال جريانه والجاری لا يحتمل النجاسة مالم يتغير[1] اھ

کے مسئلہ میں تجنیس سے نقل کیا ہے "یہ کچھ نہیں" پھر فرمایا اور اس کی نظیر اس کے بعد انھوں نے پرنالہ کا مسئلہ ذکر کیا، پھر فرمایا و ماشبھہ اور اس میں دو حوضوں کے مسئلہ کو شامل کیا اور اس مسئلہ کو بھی، پھر فرمایا بحر میں "اور ذکر کیا سراج ہندی نے امام زاہد سے کہ اگر کسی شخص نے چھوٹے حوض سے ایک نہر نکالی اور نہر میں پانی چھوڑ دیا، اور جب پانی جاری ہو گیا تو اُس سے وضو کیا، پھر وُہ پانی ایک جگہ جمع ہوگیا تو پھر کسی دوسرے شخص نے اس جگہ سے نہر نکالی اور اس میں پانی چھوڑ دیا اور اس پانی سے وضو کیا اس حال میں کہ پانی جاری تھا پھر وہ پانی کسی دوسری جگہ پہ جمع ہوگیا پھر کسی تیسرے شخص نے بھی یہی عمل کیا تو سب کا وضو جائز ہے کیونکہ ہر ایک نے جاری پانی سے وضو کیا ہے اور جاری اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک اس میں تغیر پیدا نہ ہوا ھ (ت)

اقول ای ان وقعت او الحكمية ان توضأ فيه بغمس الاعضاء فلا يبنی علی نجاسة المستعمل ثم هذه مثل مسألة الحوضين بل هی هی بعبارة ابسط وقد ذكرها صاحب المنية عن المحيط وفی الذخيرة عن القاضی الامام علی السغدی وفی الخانية وغيرها وقال فی الحلية المصنف نقل عن المحيط تقييد الجواز بما اذا كان بين المكانين مسافة وان كانت قليلة يوافقه ما فی الخانية تاويله اذا كان بين المكانين قليل مسافة وفی مسألة الحفرتين (ای يخرج من احدهما الماء و

میں کہتا ہوں یعنی اس صورت میں جبکہ نجاستِ حقیقیہ یا حکمیہ اس میں گر گئی ہو، اگر اس نے اس میں اعضاء ڈبو کر وضو کیا تو اس کی بناء مستعمل کی نجاست پر نہ ہوگی یہ دو حوضوں کے مسئلہ کی طرح ہے بلکہ مختصر عبارت کے ساتھ یہ بعینہ وہی مسئلہ ہے اس کو صاحبِ مُنیہ نے محیط سے نقل کیا ہے اور ذخیرہ میں قاضی علی السغدی سے اور خانیہ وغیرہ میں، اور حلیہ میں کہا کہ مصنف نے محیط سے جواز کی قید کو اس صورت میں نقل کیا ہے جبکہ دونوں جگہوں میں مسافت ہو خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، خانیہ میں بھی اسی کی موافق عبارت موجود ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ جبکہ دونوں جگہوں

[1] بحر الرائق الماء الجاری سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

يدخل في الاخرى وهي مسألة الفتح) لو كان بينهما قليل مسافة كان الماء الثاني (اي المجتمع في الحفرة الاخرى) طاهرا كذا قاله خلف بن ايوب ونصير بن يحيى و هذا لانه اذا كان بين المكانين مسافة فالماء الذي استعمله الاول يرد عليه ماء جار قبل اجتماعه في المكان الثاني فلا يظهر حكم الاستعمال (اي لا يثبت) اما اذا لم تكن بينهما مسافة فالماء الذي استعمله الاول قبل ان يرد عليه ماء جار يجتمع في المكان الثاني فيصير مستعملا فلا يطهر بعد ذلك انتهى وهذا كله بناء على نجاسة المستعمل اه[1]

کے درمیان کم درجہ کی مسافت موجود ہو، اور دو گڑھوں کے مسئلہ میں (یعنی ایک گڑھے سے پانی نکلے اور دوسرے میں داخل ہو اور یہ فتح کا مسئلہ ہے) اگر دونوں کے درمیان کم مسافت ہے تو دوسرا پانی (یعنی جو دوسرے گڑھے میں اکٹھا ہے) پاک ہوگا، خلف بن ایوب اور نصیر بن یحیٰی نے ایسا ہی کہا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جب دونوں جگہوں میں مسافت ہو تو وہ پانی جس کو پہلے نے استعمال کیا ہو اس پر دوسرا جاری پانی وارد ہوگا قبل اس کے کہ وہ دوسری جگہ جمع ہو، تو استعمال کا حکم ظاہر نہ ہوگا (یعنی ثابت نہ ہوگا) اور جب اُن دونوں کے درمیان مسافت نہ ہو تو وہ پانی جس کو پہلے نے استعمال کیا دوسرے جاری پانی کے وارد ہونے سے پہلے وہ دوسری جگہ اکٹھا ہوجائیگا تو مستعمل ہوجائیگا اور اب طاہر نہیں ہوسکتا ہے انتہی، اور یہ تمام اُس صورت میں ہے جب مستعمل پانی کو ناپاک قرار دیا جائے اھ (ت)

اقول حوض يكرى منه نهر فيجرى فيه ماء فيجتمع في مكان اٰخر كيف يتصور هذا من دون مسافة بينهما نعم يمكن في الحفرتين ان تكونا متجاورتين يكون خروج الماء من احدهما دخوله في الاخرى.

میں کہتا ہوں ایک ایسا حوض جس سے نہر نکالی جائے اور اس میں پانی چھوڑ دیا جائے، پھر وہ پانی دوسری جگہ جمع ہوجائے، یہ عمل دونوں میں مسافت کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ ہاں دونوں گڑھوں میں اس امر کا امکان ہے کہ قریب قریب ہوں، کہ ایک سے پانی نکلتے ہی دوسرے میں داخل ہوتا ہو۔ (ت)

فان قلت المراد مسافة فوق ما يغمس فيها المتوضئ اعضاءه ليتحرك

اگر یہ کہا جائے کہ مسافت سے مراد ایسی مسافت ہے کہ جو وضو کرنے والے کے اعضاء کے ڈوبنے

---

[1] حلیہ

على الارض بعد انفصاله عن اعضائه فيأتي عليه ماء اٰخر قبل دخوله فى المكان الثانى۔

سے زائد ہو تاکہ پانی اس کے اعضاء سے جُدا ہونے کے بعد حرکت کرے، اور اس کے دوسری جگہ داخل ہونے سے پہلے دوسرا پانی اس پر آجائے۔ (ت)

اقول اذ هو جار فلا يتأثر ولا يفتاق الى ان يجريه جار اٰخر فلو اجتمع من فوره فى المكان الثانى لكان طهورا فالوجه ان لا يجعل هذا تقييدا ولا تاويلا بل بيانا لفائدة التصوير بكرى النهر ويوجه بانه لولا ذلك لانقطع جريانه بدخوله فى بطن الثانى كما قدمنا تحقيقه ان الحركة فى البطن سيلان لاجريان فيقع الوضوء فى الراكد فيفسد ثم البناء على مسألة فرق الملاقى كما فعلنا فلا حاجة الى البناء على مهجور لكن صاحب الحلية مال الى التسوية ثم ذكر السراج مسألة الميزاب وعزاها للشيخ الزاهد ابى الحسن الرستغفنى وقال فيها وهو يتوضؤ فيه اھ

میں کہتا ہوں چونکہ وہ جاری ہے اس لیے متاثر نہ ہوگا اور نہ محتاج ہوگا اس بات کا کہ اسکو کوئی دوسرا جاری پانی جاری کرے اب اگر وُہ فوراً ہی دُوسری جگہ جمع ہو جائے تو طہور ہوگا تو وجہ یہ ہے کہ اس کو قید نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کو تاویل قرار دیا جائے بلکہ وہ نہر کھودنے کے فائدے کا بیان ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا جاری ہونا دوسرے بطن میں داخل ہونے کے سبب منقطع ہوجاتا، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے کہ حرکت بطن میں سیلان کہلاتی ہے نہ کہ جریان، اور اس طرح وضو ٹھہرے ہوئے پانی میں ہوگا اور پانی فاسد ہوجائیگا، پھر ملاقی کے فرق کے مسئلہ پر اس کی بنا ہے جیسا کہ ہم نے کیا ہے، تو کسی مہجور و متروک چیز پر بنا کی حاجت نہیں، لیکن صاحبِ حلیہ کا میلان برابری کی طرف ہے؛ پھر سراج نے پرنالہ کا مسئلہ بیان کیا اور اس کو شیخ زاہد ابو الحسن الرستغفنی کی طرف منسوب کیا اور اس میں کہا" اور حالانکہ وہ اس میں وضوء کر رہا ہے اھ (ت)

اقول اى بالغمس وبه يتضح ما اجمله فى الفتح قال لان استعماله حصل حال جريانه والماء الجارى لا يصير مستعملا باستعماله ثم قال السراج ومن

میں کہتا ہوں یعنی وُہ اعضاء کو ڈبو کر وضو کر رہا ہے، اور اسی سے وہ چیز واضح ہوتی ہے جس کا انہوں نے فتح میں اجمال کیا ہے۔ فرمایا کہ اس کا استعمال پانی کے جاری رہنے کی صورت میں ہوا ہے اور جاری پانی

---

[1] بحوالہ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۶

المشایخ من انکر ھذا القول وقال الماء الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان لہ مدد کالعین والنھر قال والصحیح القول الاول بدلیل مسألۃ واقعات الناطفی فذکر مسألۃ سد النھر من فوق قال فان ھناک لم یبق للماء مدد ومع ھذا یجوز التوضؤ بہ اھ[1]

کسی کے استعمال سے مستعمل نہیں ہوتا ہے، پھر سراج نے فرمایا" اور بعض مشایخ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جاری پانی اس وقت مستعمل نہیں ہوتا ہے جبکہ اس کا سوتا ہو جیسے چشمہ یا نہر، فرمایا اور صحیح پہلا قول ہے، اس پر دلیل واقعات الناطفی کی عبارت ہے، پھر انھوں نے نہر کو بند کرنے کا مسئلہ ذکر کیا کہ اس صورت میں پانی کی مدد باقی نہ رہی لیکن اس کے باوجود اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

اقول ولا تنس ما قدمناہ (ہم نے جو پہلے ذکر کیا ہے اُسے نہ بھُولیے۔ ت) علامہ نے ردالمحتار میں اور مسائل سے اس قول دوم کی تائید کی فقال ویؤیدہ ایضا ما مر من انہ لو سال دم رجلہ مع العصیر لاینجس خلافا لمحمد[2] (فرمایا اور اس کی تائید یہ عبارت کرتی ہے کہ اگر کسی شخص کا خون پھلوں کے رس کے ساتھ جاری ہُوا تو نجس نہ ہوگا، اس میں محمد کا خلاف ہے اھ ت)

قلت المسألۃ فی الدر عن الشمنی وغیرہ وفی المنیۃ عن المحیط وفی الحلیۃ عن المجتبٰی وعن مختارات النوازل وھی مقیدۃ بان کان العصیر لسیل ولم یظھر فیہ اثر الدم کما نصوا علیہ قال وفی الخزانۃ (فذکر ما قدمنا فی الاصل العاشر من مسألۃ اختلاط ماء الانائین فی الھواء او اجرائہ فی الارض قال ونظمھا المصنف فی تحفۃ الاقران قال وفی الذخیرۃ فذکر ما مر فی العاشر عن الحسن بن ابی مطیع۔

میں کہتا ہوں مسئلہ دُر میں شمنی وغیرہ سے اور منیہ میں محیط اور حلیہ میں مجتبٰی سے اور مختارات النوازل سے ہے، اور یہ اس امر سے مقید ہے کہ عصیر بہ رہا ہو اور اس میں خون کا اثر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ علماء نے صراحت کی ہے فرمایا' اور خزانہ میں ہے پھر انھوں نے وہ عبارت نقل کی جو ہم نے اصل عاشر میں ذکر کی یعنی دو برتنوں کا پانی جو ہوا میں آپس میں مل گیا یا زمین پر جاری کیا، فرمایا مصنف نے اس کو تحفۃ الاقران میں ذکر کیا فرمایا اور ذخیرہ میں ہے پھر وہ ذکر کیا جو فصل عاشر میں حسن بن ابی مطیع سے ہے۔ (ت)

---

[1] بحوالہ بحرالرائق بحث الماء جاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶
[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

یہاں تک تائید قولِ دوم میں سات مسئلے ہوئے :

۱ - حوض صغیر میں سے نہر کھود کر پانی بہا کر اُس میں وضو -

۲ - پرنالے میں پانی ڈلوا کر اس میں وضو -

۳ - نہر کہ اوپر سے اُس کا مینڈھا باندھ دیا ہے اُس میں وضو -

۴ - شیرۂ انگور نچوڑ رہا ہے اور وُہ جاری ہے کچھ خون اُس میں ٹپک گیا جس کا اثر ظاہر نہ ہوا نجس نہ ہوگا -

۵ - پاک ناپاک برتنوں کے پانی ہوا میں ملاکر چھوڑے -

۶ - یا زمین میں بہائے دونوں پاک ہوگئے -

۷ - ناپاک زمین پر پانی بہایا ہاتھ بھر بہ گیا زمین بھی پاک پانی بھی پاک -

اقول ان سب سے صاف تر وہ مسئلہ ہے کہ برف پگھلا اور ایسے راستہ پر بہا جس میں گوبر وغیرہ نجاسات ہیں اگر نجاسات کا اثر اس میں ظاہر نہ ہوا اس سے وضو ہوسکتا ہے،

وھو ماقدمناہ فی الاصل العاشر عن المنحۃ عن الھدیۃ عن الخزانۃ وعن البزازیۃ وعن الخلاصۃ عن الفتاوٰی -

یہ وہ ہے جو ہم پہلے اصل عاشر میں ذکر کر آئے ہیں منحہ سے، ہدایہ سے، خزانہ سے، بزازیہ سے، خلاصہ سے اور فتاوٰی سے - (ت)

شرح ہدیہ میں فرمایا :

ھذا مبنی علی عدم اشتراط المدد فی الماء الجاری[1] اھ -

یہ اس بناء پر ہے کہ جاری پانی میں مدد کی شرط نہ ہو - (ت)

ثم اقول اولا ھذہ الفروع متنوعۃ علی انحاء منہا ما ھو مؤید ولا شك و ھی مسألۃ نھر سد من فوق والتی زدت ومنھا مالا تأیید فیہ اصلا وھما المسألتان الاولیان ولا ادری کیف اتفق الفریقان علی جعلھما مما لامدد لہ فانہ انما

پھر میں کہتا ہوں اولاً یہ فروع کئی قسم کی ہیں، بعض تو وہ ہیں جن کی تائید موجود ہے اور جس میں شک نہیں، اس میں وہ فرع ہے جس میں ایسی نہر کا ذکر ہے جس کو اوپر سے بند کردیا گیا ہو اور اس کے ساتھ وہ اضافے جو میں نے کئے ہیں اور کچھ وُہ ہیں جن کی تائید بالکل نہیں ملتی ہے اور

---

[1] بحوالہ منحۃ الخالق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵

يتوضوء في النهر بين الحوضين او في الميزاب
ولا شك ان الحوض الاعلى والاداوة يمدان
ماءهما الا ترى كيف اتفقوا على الحاق
حوض الحمام بالماء الجاري اذا كان
الماء من الانبوب نازلا والغرف متداركا
وقد جزم به في الفتح ههنا كما رأيت و
نظيره ما قدمنا عن العلامة ش في
الاصل الرابع ان طهارة الدلو اذا افرغ
فيه ماء حتى سال مبني على عدم اشتراط
المدد ومنها ما للنزاع فيه مجال وفيه وان
اومى الى التائيد فمن طرف خفي فان
الماء الممتزج في الهواء او الجاري على
الارض في الخامسة والسادسة يمده
الصب بل وكذلك في السابعة وان كان
لفظ الذخيرة صب عليها الماء فجرى
قدر ذراع لا حتى جرى كي يدل ظاهرا على
عدم انقطاع الصب الى هذه الغاية
فان الفاء وان لم تدل دلالة
حتى غير انها لا تدل ايضا على الانقطاع
والاحتمال يقطع الاستدلال وكذلك
فرع العصير فان له مددا ما دام العصر
قائما **فانقلت** المسألة مرسلة فيشمل
ما اذا انقطع العصر **قلت** قالوا فيها و
العصير لسبيل فالاستشهاد بها يتوقف
على كون السيلان الباقي بعد انقطاع

یہ پہلے دو مسئلے ہیں، اور میں نہیں سمجھتا کہ دونوں فریق
ان دونوں مسئلوں کو مدد نہ ملنے والے پانی سے بنا دینے پر کیونکر
متفق ہو گئے ہیں؟ کیونکہ وضوء کرنے والا یا تو
نہر میں وضو کرے گا جو دو حوضوں کے درمیان ہے
یا پرنالہ سے کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ اوپر
والا حوض اور برتن دونوں پانی کو مدد پہنچاتے ہیں،
پھر مقامِ غور ہے کہ وہ حمام کے حوض کو جاری پانی
سے لاحق کرنے پر کیوں راضی ہوئے جبکہ پانی
نالی کے ذریعہ اوپر سے اُتر رہا ہو اور چُلّو سے
مسلسل پانی لیا جا رہا ہو۔ اور فتح نے یہاں جزم کیا
جیسا کہ آپ نے دیکھا اور اس کی نظیر وہ ہے جو
ہم نے علامہ "ش" سے چوتھی اصل میں نقل کیا کہ
ڈول کی پاکی جب اس میں پانی بہایا جائے یہاں تک
کہ اس کے اوپر سے بہہ نکلے مدد کے شرط نہ ہونے
پر مبنی ہے اور ان فروع میں سے بعض وہ ہیں جن
میں نزاع کی گنجائش کافی ہے اور اس میں تائید کی طرف
ہلکا سا اشارہ ہے کیونکہ ہوا میں ملا ہوا پانی،
یا زمین پر جاری پانچویں چھٹی صورت میں اس کو
بہانا مدد دیتا ہے بلکہ ساتویں میں بھی ایسا ہی ہے
اگرچہ ذخیرہ کے الفاظ "صب علیہا الماء فجری قدر ذراع"
ہیں نہ کہ حتی جری، اگر حتی کہا ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ
بہانا اس غایت تک منقطع نہیں ہوا، کیونکہ "فا" اگرچہ "حتی" کے مفہوم
پر دلالت نہیں کرتی تاہم وہ انقطاع پر بھی دلالت نہیں
کرتی اور جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال ختم
ہو جاتا ہے اور اسی طرح عصیر کی فرع کیونکہ اس کو

المدد جریانا وهو اول الکلام **فانقلت** نعم هو جریان بالاتفاق الم تسمع ما نقل فی الفتح والتوشیح عن شارط المدد ان الماء الجاری انما لا یصیر مستعملا اذا کان له مدد زاد السراج اما اذا لم یکن له مدد یصیر مستعملا اھ فقد سماه جاریا **قلت** جعله فی حکم الراکد والمقصود الحکم فلا شك ان المراد بسیلان العصیر وجریان الماء مالا یقبل به اثر النجاسة ویطهر بعضه بعضا نعم قد یقال فی الخامسة والسادسة ان الامتزاج فی الهواء او علی الارض انما یکون بعد الصب فقدر ما یخرج بالصب یمتزج فیحصل المزج الاخیر بعد تمام الصب فلو لم یبق جاریا بعده نجس الممتزج الاخیر کله۔

اس وقت تک مدد ملتی رہتی ہے جب تک نچوڑنا برقرار رہتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ تو مطلق ہے یہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ نچوڑنا ختم ہوجائے، اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ اس میں فقہاء نے فرمایا ہے اور عصیر بہہ رہا ہو تو اس سے استدلال اس امر پر موقوف ہے کہ باقی کا بہنا انقطاع مدد کے بعد جاری ہو اور یہی پہلی بات ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہاں یہ تو بالاتفاق جاری ہونا ہے، کیا تم نے وہ نقل نہیں سُنی جو فتح اور توشیح میں مدد کے شرط کرنے والے سے منقول ہے کہ جاری پانی اس وقت مستعمل نہ ہوگا جبکہ اس کے لیے مدد ہو سراج نے اتنا اور اضافہ کیا کہ اگر اس کے لیے مدد نہ ہوئی تو وہ مستعمل ہوجائیگا اھ تو اس کو انہوں نے جاری ہی کہا۔ میں کہتا ہُوں انھوں نے اس کو ٹھہرے ہُوئے کے حکم میں کیا ہے اور مقصود حکم ہے تو اس میں شک نہیں کہ عصیر کے بہنے اور پانی کے جاری ہونے سے مراد وہ ہے جو اثر نجاست کو قبول نہ کرے اور جس کا بعض حصہ بعض کو پاک کردے، ہاں پانچویں چھٹی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ہوا میں ملنا یا زمین پر جاری ہونا بہنے کے بعد ہی ہوگا تو جس قدر بہانا ہوگا وہ مل جائے گا اور آخری ملنا مکمل بہانے کے بعد ہی متحقق ہوگا تو اگر وہ جاری نہ رہا اس کے بعد تو آخری ملنے والا مکمل طور پر نجس ہوجائے گا۔ (ت)

وثانیا الاشهر فی حد الجاری ما یذهب بتبنة والاظهر ما یعد جاریا کما فی الدر وهو الاصح کما فی البدائع و التبیین والبحر والنهر ولا شك انهما صادقان علی نهر سد من فوقه فانه یذهب بحزمة فضلا عن تبنة ولا یسوغ لاحد

اور ثانیاً جاری کی جو مشہور تعریف ہے وہ یہ ہے کہ جاری پانی وہ ہے جو تنکا بہا کر لے جائے اور اظہر یہ ہے کہ جس کو جاری سمجھا جائے جیسا کہ دُرّ میں ہے اور وہی صحیح ہے جیسا کہ بدائع، تبیین، بحر اور نہر میں ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دونوں تعریفات اُس نہر پر صادق ہیں جو اوپر سے

من اهل العرف ان یقول انه راکد فمن العجب [ف۱] بعد ذکرہ اختیار اشتراط المدد الا ان یقال ان الوضوء بغمس الاعضاء انما یکون فیما بعد السد منفصلا عنه لا فی الاجزاء الملاصقة له وما انفصل عن السد فله من فوقه مدد تأمل۔

بند کر دی گئی ہو کیونکہ یہ تو پورا ایک گھٹا بہا کر لے جائے گی چہ جائیکہ تنکا اور اہل عرف میں سے کسی کو روا نہیں کہ وہ اس پانی کو ٹھہرا ہوا کہے، تعجب ہے کہ یہ بات ذکر کرنے کے بعد انہوں نے مدد کے شرط ہونے کو اختیار کیا ہے، تاہم یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اعضاء ڈبو کر وضو اسی پانی سے ہو سکتا ہے جو بندش کے بعد اس سے جدا ہو، اس پانی میں نہیں ہو سکتا جس کے اجزاء بندش کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اور جو بندش سے جدا ہے اسکو اوپر سے مدد مل رہی ہے تأمل۔

وثالثا [ف۲] یظهر لی والله تعالی اعلم ان لیس [ف۳] جریان الماء الا حرکته بطبعه فی فضاء وبقاؤه جاریا علی محل واحد هو الذی یحتاج الی المدد لان الجاری لا یقف فلو لم یمد لاخلی المحل وبالمدد یتجدد علیه امثاله فیستمر جاریا علیه مادام المدد غیر ان الجریان دافع لاثر النجاسة عن الماء ما استمر جاریا لا رافع له عنه فلو جری الماء [ف۴] المتنجس بنفسه بان کان فی صبب سد مجراه ففتح ففاض لم یطهر ابدا بل لا بد للطهارة من جریانه مع الطاهر فجریان الطاهر لا یحتاج الی المدد کنهر سد من فوقه و کما تری اذا اشتد المطر ووقف لا یزال الماء الواقع علی الارض والسطوح جاریا مدة بعده ولا یصح لاحد ان یقول وقف الواقع فور وقوف المطر وجریان النجس المطهر له یحتاج الی مدد من طاهر فلیکن محمل

اور ثالثاً، جو اللہ کے فضل سے مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پانی کے جاری ہونے سے فضا میں اس کی طبعی حرکت مراد ہے اور اس کا محل واحد پر جاری رہنا مدد کا محتاج ہے کیونکہ جو جاری ہے وہ ٹھہرے گا نہیں، تو اگر اس کو مدد نہ ملے تو وہ جگہ خالی ہو جائے گی اور مدد کی وجہ سے اس پر اس کے امثال کا تجدد ہوگا تو وہ اس پر جاری رہے گا جب تک مدد ملتی رہے گی، البتہ جریان پانی سے نجاست کے اثر کو دفع کرنے والا ہے جب تک کہ وہ جاری ہے اس سے رفع کرنے والا نہیں ہے تو اگر ناپاک پانی از خود جاری ہوا مثلاً کسی ڈھلوان میں تھا جو بند تھا پھر اس کو کھولا گیا تو وہ پانی جاری ہو گیا تو اس طرح وہ کبھی پاک نہ ہوگا بلکہ پاکی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاک پانی کے ساتھ جاری ہو، تو پاک کا جاری ہونا مدد کا محتاج نہیں جیسے کوئی نہر کہ اوپر سے بند کر دی جائے، اور جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ شدید

القولین وباللہ التوفیق ۔

بارش کے بعد چھتوں وغیرہ پر جمع شدہ پانی بہت دیر تک بہتا رہتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ گرنے والا پانی بارش کے ٹھہرنے کے فوراً بعد ٹھہر گیا اور ناپاک پانی کا بہنا جو اس کو پاک کردے، پاک پانی کی مدد کا محتاج ہے تو دونوں قولوں کا یہ محمل ہے وباللہ التوفیق ۔ (ت)

ثم اقول هذا[1] اذا كان الماء في فضاء اما اذا كان في جوف كحوض او ظرف فلابد مع ذلك من خروجه عنه لان الماء كان واقفا فيه والماء لايقف ما صادف منحدرا فدل وقوفه على عدمه فاذا دخله ماء اٰخر فلا يدفعه الى منحدر بل يعليه الى فوق فلا يكون جاريا الى ان يقطع العوائق بامتلاء المحل فيجد متسعا فينحدر فعند ذلك يصير جاريا فمن اجل هذا[2] شرط فيه مع الدخول الخروج فاذا كان حوض في حوض والماء وراء الصغير او ماؤه كان واقفا فيه لانعدام المنحدر فلا يجري مالم يخرج من الاعلى لما علمت اما اذا لم يكن الا في الصغير ووراءه مسيل فدخل الطاهر وملأه وجعل الماء يخرج منه ويسيل فقد جرى الى ان يصل الى ما يحاذيه من سطح الكبير فيقف لانعدام المنحدر فما يدخل اليه بعده لايجريه بل يعليه الى ان يملأ الاعلى ثم يفيض ۔

پھر میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ پانی فضا میں ہو، لیکن پانی اگر کسی تہ میں ہے جیسے حوض یا برتن تو ضروری ہے کہ وہ اس برتن سے خارج بھی ہو کیونکہ پانی اس میں ٹھہرا ہوا تھا اور پانی اترتی ہوئی چیز سے متصل ہونے کے وقت ٹھہر نہیں سکتا ہے، تو اس کا ٹھہرنا اس کے عدم کی دلیل ہے تو اب جب اس میں دُوسرا پانی داخل ہوا تو اس کو ڈھلوان کی طرف دھکا نہیں دے گا بلکہ اس کو اوپر کی طرف بلند کرے گا تو وہ اس وقت تک جاری نہ ہوگا جب تک کہ وُہ رکاوٹوں کو محل کے پُر کرنے سے دُور نہ کردے، پھر وُہ کشادگی پائیگا اور اُترے گا اُس وقت وُہ جاری ہوگا، اسی وجہ سے اس میں دخول کے ساتھ ہی خروج کی شرط بھی رکھی گئی ہے، تو جب ایک حوض دوسرے حوض میں ہو اور پانی چھوٹے حوض کے پیچھے ہو یا اس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو کیونکہ اس میں ڈھلوان موجود نہیں تو جب تک اوپر سے خارج نہ ہو جاری نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے جانا اور اگر پانی صرف چھوٹے میں ہو اور اس کے پیچھے پانی کے بہنے کا راستہ ہو اور پاک اس میں داخل ہوگیا ہو اور اس کو بھر دیا ہو یہاں تک کہ پانی اُس میں سے بہہ کر نکل رہا ہو تو اب جاری ہوگا یہاں تک کہ بڑے حوض کی مقابل سطح تک جا پہنچے، اب ٹھہر جائیگا کیونکہ ڈھلوان موجود نہیں ہے

تواب اس کے بعد جو آئے گا وہ اس کو جاری نہ کرے گا بلکہ اس کو بلند کرے گا یہاں تک کہ اُوپر والے کو بھر دے گا پھر بہے گا۔ (ت)

ثم اقول ھذا کلہ فی الجریان الحقیقی اما ما الحقوا بہ کحوض صغیر للحمام او للوضوء یدخل فیہ الماء من الانابیب والمیازیب ویخرج بالغرف المتدارك والبئر ینبع فیہا الماء من تحت ویخرج بالاستقاء المتوالی او بفتح منفذ فیہا ان امکن کما مرعلٰی عن الھندیۃ عن الظھیریۃ وعن المنحۃ عن الخیر الرملی وفی البحر عن البدائع عن الامام الحسن بن زیاد عند تکرار النزح ینبع الماء من اسفلہ ویؤخذ من اعلاہ فیکون کالجاری ۱ھ وھو عندی محمل ما فی الحلیۃ عن الامام محمد قال اجتمع رأیی و رأی ابی یوسف علی ان ماء البئر فی حکم الماء الجاری لانہ ینبع من اسفل ویؤخذ من اعلاہ فلا یتنجس بوقوع النجاسۃ فیہ[2] ۱ھ ونقلہ فی العنایۃ بلفظ قال محمد الخ ثم رأیت الامام ملك العلماء نقلہ فی البدائع بعین لفظ الحلیۃ وذکر تمامہ کحوض الحمام

پھر میں کہتا ہُوں یہ سب بحث جریان حقیقی میں ہے، لیکن فقہاء نے اس کے ساتھ جس کو لاحق کیا ہے جیسے چھوٹا حوض نہانے کے لیے یا وضو کے لیے جس میں پانی نلوں یا پرنالوں سے آتا ہے اور مسلسل چُلّو بھرنے سے نکلتا ہے، اور یا وہ کنواں جس میں نیچے پانی کے سوتے ہیں، اور مسلسل بھرنے سے وُہ پانی نکلتا رہتا ہے یا اس میں کوئی سوراخ کھول دیا گیا ہے اگر ممکن ہو، جیسا کہ ہندیہ سے ظہیریہ سے اور منحہ سے خیر رملی سے گزرا، اور بحر میں بدائع سے امام حسن بن زیاد سے منقول ہے کہ پانی بار بار نکالا جائے تو نیچے سے نکلتا ہے اور اوپر سے لے لیا جاتا ہے، تو یہ مثل جاری کے ہوگا ۱ھ اور میرے نزدیک یہ اس چیز کا محل ہے جو حلیہ میں امام محمد سے منقول ہے، انھوں نے فرمایا میری اور ابو یوسف کی یہ رائے ہے کہ کنویں کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے کیونکہ وہ نیچے سے نکلتا ہے اور اوپر سے لے لیا جاتا ہے تو اس میں نجاست کے گرنے سے نجس نہ ہوگا ۱ھ اور عنایہ میں اس کو "قال محمد" کے لفظ سے ذکر کیا الخ پھر بدائع میں اس کو بعینہٖ انہی الفاظ میں ذکر کیا جو حلیہ کے ہیں فرمایا

علٰی نشر علی ترتیب اللف ۱۲ (م) — اجمال کی ترتیب پر تفصیل ہے۔ (ت)

[1] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] ایضاً ۱/۷۵

اذاکان یصب الماء فیه من جانب و یغترف من جانب اٰخر انه لاینجس بادخال الید النجسة فیه اھ[1] وکذلک فی الفتح الی قوله کحوض الحمام اھ[2] فاکد ذلک ماذکرته من المحمل۔

جیسے حمام کا حوض کہ اس میں ایک جانب سے پانی ڈالا جائے اور دوسری جانب سے چُلّو کے ذریعہ نکالا جائے تو ناپاک ہاتھ کے ڈالے جانے سے نجس نہ ہوگا اھ اور اسی طرح فتح میں "کحوض الحمام" تک ہے اھ تو اِس نے تاکید کردی اُس محل کی جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

اقول وعند ھذا فھو فرع جید مقبول ف۱ ولاوجه لرده کما یعطیه کلام الحلیة تبعا للبدائع انه کان القیاس فی البئر ان لا تتنجس اصلا کما نقل عن محمد او لا تطھر ابدا کما قاله بشر المریسی الا ان اصحابنا ترکوا القیاسین بالاٰثار ھذا حاصل مافیھما حملا منھما ایاہ علی الاطلاق ولیس الاولی بنا ان نرد ما جاء عن الائمة ف۲ مع وجود محمل له صحیح فقد تظافرت کلماتھم علی قبول ھذا المعنی فی الحوض الصغیر فلو لا یقبل فی البئر ولا تخالفه الا فی ھیاٰۃ ولامدخل لھا فی الحکم فکل صغیر سواء اوان الماء یدخل فیه من اعلاہ و فیھا من اسفلھا ولا یختلف به الحکم فقد قال فی الفتح ف۳ لو تنجست بئر فاجری ماؤھا بان حفر لھا منفذ فصار الماء یخرج

میں کہتا ہُوں اور اس وقت یہ اچھی فرع ہے مقبول ہے، اور اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں جیسا کہ حلیہ میں بدائع کی تبعیت میں ہے کہ کنویں میں قیاس یہ تھا کہ کبھی ناپاک نہ ہو جیسا کہ محمد سے منقول ہے یا یہ کبھی پاک نہ ہو جیسا کہ بشر مریسی سے منقول ہے، مگر ہمارے اصحاب نے دونوں قیاسوں کو آثار کی وجہ سے ترک کردیا، یہ اُن دونوں کتابوں کا حاصل ہے کہ انھوں نے اس کو اطلاق پر محمول کیا ہے، اور جو چیز ائمہ سے منقول ہو اور اس کا مناسب محمل بھی موجود ہو تو اس کو رَد کردینا مناسب نہیں، کیونکہ چھوٹے حوض میں وہ اس حکم کو قبول کرتے ہیں تو پھر اس کو کنویں میں کیوں نہ قبول کیا جائے حالانکہ کنواں چھوٹے حوض سے صرف صورت میں مختلف ہے یا صورت کا حکم میں کیا دخل ہے؟ ہر چھوٹا برابر ہے، اور یہ کہ حوض میں پانی اوپر سے آتا ہے اور اس میں نیچے سے آتا ہے، تو اس سے حکم مختلف نہ ہوگا، چنانچہ

---

[1] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

[2] فتح القدیر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۶

منه حتی خرج بعضه طهرت لوجود سبب
الطهارة وهو جریان الماء وصار کالحوض
اذا تنجس فاجری فیه الماء حتی خرج
بعضه اھ[1] واغترف منه فی البحر واقره
وفی الدر یکفی نزح ما وجد وان قل و
جریان بعضه اھ[2] قال ش بان حفر لها
منفذ یخرج منه بعض الماء کما فی الفتح[3]
اھ وقد منا فی الاصل الثالث عن البحر فی
مسألة جریان الحوض الصغیر بدخول ماء
اٰخر فیه وخروج البعض منه حال دخوله
قال السراج الهندی وکذا البئر[4] اھ ومثله
فی البزازیة وقدمناه عن الخلاصة فلولا
انهم اعتبروا نبع الماء من اسفله لم یکن
له معنی فان الجریان دافع لا رافع
فالنجس لا یطهر به ابدا ما لم یجر مع
الطاهر هذا وبالجملة کل ما الحق
بالجاری علی هذا المنوال اعنی اقامة الاخراج
مقام الخروج فقد زید فیه قید اٰخر و
هو توالی الاخراج واستمرار تحرکه به
حتی لو سکن لم یلتحق وذلك لان لازم
الجریان شیئان تعاقب الاجزاء

فتح میں فرمایا کہ اگر کنواں ناپاک ہوجائے اور اس کا پانی
جاری کیا جائے مثلاً اس میں کوئی سوراخ کر دیا جس
سے کنویں کا کچھ پانی نکل گیا تو کنواں پاک ہوگیا، کیونکہ
سبب طہارت پایا گیا اور وہ پانی کا جاری ہونا ہے
اور یہ حوض کی طرح ہُوا کہ ناپاک ہوجائے اور اس میں
پانی جاری کیا جائے یہاں تک کہ کچھ پانی نکل جائے
اھ اس کو بحر میں ذکر کیا اور برقرار رکھا اور دُر میں ہے
کہ جو پانی اس میں ہے اس کا نکال دینا کافی ہے
خواہ کم ہی ہو اور جاری ہونا بعض کا اھ "ش"
نے کہا کہ مثلاً کنویں میں کوئی سوراخ کر دیا جس سے کچھ
پانی نکال دیا جیسا کہ فتح میں ہے اھ اور ہم نے
تیسری اصل میں بحر سے چھوٹے حوض کے جاری ہونے
کے مسئلہ میں بیان کیا کہ اس میں نیا پانی داخل ہو
اور اس کے داخل ہوتے وقت کچھ اس سے خارج
ہو، سراج ہندی نے کہا کہ اسی طرح کنویں کا
حال ہے اھ اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اور ہم نے
اس کو پہلے خلاصہ سے نقل کر دیا ہے تو اگر وہ پانی
کے نیچے سے پھُوٹنے کا اعتبار نہ کرتے تو یہ بے معنی
بات ہوتی کیونکہ جاری ہونا دافع ہے رافع نہیں تو
جب تک وہ نجس طاہر کے ساتھ جاری نہ ہو کبھی بھی
پاک ہونے کا نہیں، اس کو اچھی طرح سمجھئے۔ خلاصہ

۱؎ فتح القدیر آخر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۹۳
۲؎ الدر المختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۹۳
۳؎ ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۰
۴؎ بحرالرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۸

يزول منه جزء فيخلفه آخر وعدم الاستقرار بدوام التحرك فاذا دخل الماء في الحوض والبئر من جانب واخرج من آخر بالغرف والاستقاء وجد الاول فاذا استمر ذلك حصل الثاني فتم الشبه فساغ الالتحاق ولذا اعتبروا تدارك الغرفات بان لا يسكن وجه الماء بين الغرفتين لا الموالاة الحقيقية اذ بهذا القدر يحصل دوام التحرك المحصل للشبه هذا ما عندي والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

یہ کہ ہر وہ پانی جس کو جاری کے حکم میں کیا گیا ہے اور اس میں اخراج کو خروج گردانا گیا ہے تو اس میں ایک اور قید کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ تسلسل کے ساتھ اخراج کی قید ہے اور اس کی وجہ سے اس کا مسلسل متحرک رہنا، اور اگر وہ ٹھہر گیا تو جاری کے حکم میں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاری ہونے کو دو چیزیں لازم ہیں ایک تو اجزاء کا تعاقب کہ ایک جزء زائل ہو اور دوسرا جزء اس کے پیچھے آئے، اور مسلسل حرکت کی وجہ سے ایک جگہ نہ ٹھہرنا، تو جب حوض اور کنویں میں پانی ایک طرف سے داخل ہو اور دوسری طرف سے چلّوؤں اور ڈولوں یا نالیوں کے ذریعہ نکالا جائے تو پہلی چیز حاصل ہوگی اور یہ سلسلہ جاری رہے تو دوسری چیز حاصل ہوگی اور مشابہت مکمل ہوجائیگی اور اس کا لاحق کیا جانا جائز ہوگا اور اس کے لیے چلّوؤں کا پے درپے ہونا معتبر ہوگا، اور پے درپے کا مطلب ہے کہ دو چلّوؤں کے درمیان پانی میں ٹھہراؤ نہ آئے حقیقی موالات مراد نہیں ہیں کیونکہ اس مقدار سے تحرک کا دوام حاصل ہوجاتا ہے جس سے مشابہت پوری ہوتی ہے ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

ف: اس تقریر سے واضح ہوا کہ ندی[1] کا پانی جس کا مینڈھا اوپر سے باندھ دیا ہو اور[2] گلا ہوا برف کم زمین پر بہ رہا ہو اور[3] مینہ کا پانی کہ بارش تھمنے پر ہنوز رواں ہو اور[4] دو پانیوں کی دھار جو ہوا میں مل کر اُتر رہی ہے یا[5] زمین پر ایک ہو کر بہ رہی ہے اور[6] انگور کا شیرہ کہ ابھی رواں ہے اگرچہ ان کی مدد منقطع ہوگئی ہو جب تک کسی ایسی شے تک نہ پہنچیں جو آگے مرور کو مانع ہو سب جاری ہیں تو لوٹے کی دھار کہ ابھی ہاتھ تک نہ پہنچی بدرجہ اولٰی اور دخول وخروج دونوں کی شرط اُس مائع میں ہے جو کسی جوف میں رُکا ہوا ہے اور پانی ایک طرف سے آنا اور دوسری طرف سے جلد جلد کھینچا جانا کہ جنبش تھمنے نہ پائے یہ ملحق بہ آب جاری میں ہے والحمد للہ علی توالی آلائہ؎ وافضل صلوٰتہ واکمل تسلیمات علی افضل انبیائہ؎ وعلٰی آلہٖ وصحبہ وابنہ واحبائہ؎ والحمد للہ رب العٰلمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

تجدید النظر بوجہ اٰخر، وابانۃ ماھو احلی وازھر، واجلی واظھر۔

ایک اور طریقہ سے نظرِ ثانی، اور عمدہ، روشن اور اظہر طریقہ پر وضاحت

اللّٰھم لک الحمد ؛ والیک الصمد ؛ ارعبیدک الصواب، وقد التباب، فی کل باب، یاوھاب، وصلّ وسلّم وبارک علی السید الاواب، الذی تحکی نفحۃ من کرمہ الریح المرسلۃ ورشحۃ من فیضہ ھامر السحاب، وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ خیر حزب واٰل واصحاب ؛ اٰمین۔

اے اللہ تیرے لیے یہ حمد ہے اور تُو بے نیاز ہے، اے وہاب! اپنے بندوں پر ہر معاملہ میں اچھا راستہ کھول اور ہلاکت سے بچا، اور صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہوں رجوع لانے والے آقا پر جس کے کرم کا ایک جھونکا چلتی ہُوئی ہوا کے مشابہ ہے اور جس کے فیض کا ایک چھینٹا بہت برسنے والے بادل کی طرح ہے اور آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور گروہ سب پر سلامتی ہو۔ آمین۔ (ت)

جماہیر مشاہیر کتب معتمدہ متداولہ مستندہ کی تصریحات واضحہ وتلویحات لائحہ کا یہی مفاد کہ جو پانی یا مائع کسی جوف میں ہو تازہ آمد کتنی ہی ہو اُسے جاری نہ کرے گی جب تک بھر کر نہ اُبلے حوض وغیرہ کے بطن میں پانی کا بہنا اُس کے پانی کے لیے جریان نہیں کتبِ کثیرہ سے فروع متکاثرہ وتصریحاتِ متوافرہ اس معنی پر جوابات سابقہ میں گزریں، جواب سوم کے بعض احکام اور آخر چہارم کی تقریر اور پنجم کے اکثر مباحث اسی پر مبنی تھے اور اصل سوم تو خود یہی تھی اور یہی اصل پنجم کی تمہید اور ششم کا حصہ اولیں اور نہم کا اول و اخیر پھر تفریعات میں جو کچھ ان پر متفرع ہے لیکن یہاں ایک قول یہ ہے کہ جریان کے لیے خروج شرط نہیں، حوض کبیرہ جس کی تہ میں نجاستیں یا نجس پانی تھا مجرد بھر جانے سے پاک ہو جائیگا حلیہ[1] میں اگرچہ اس قول کو بصیغہ ضعف نقل کیا کہ وقیل لایصیر نجسا (اور ایک قول یہ ہے کہ نجس نہیں ہوگا۔ ت) اور حلیہ[2] میں اُس کا ضعف اور مستجل کر دیا کہ اس کی کچھ وجہ ظاہر نہیں غنیہ[3] میں اس کے خلاف کی تصریح تصحیح کی امام ابوالقاسم[4] صفار و امام[5] فقیہ ابوجعفر و امام[6] فقیہ ابو اللیث و امام[7] صدر شہید و امام[8] ابوبکر اعمش و امام[9] علی سغدی و امام[10] نصیر بن یحیٰی و امام[11] خلف بن ایوب وغیرہم اجلّہ اکابر قدست اسرارہم ورحمنا اللہ تعالٰی بہم فی الدارین کے ارشادات واختیارات اور ظہیریہ[12] و مبتغی[13] و محیط[14] برہانی و رضوی[15] و غنیہ کی تصحیحات اس کے خلاف پر ہیں ان کتابوں اور ان کے سوا بدائع[16] و فتح القدیر[17] و تبیین[18] و توشیح[19] و بحر[20] و تاتارخانیہ[21] و خانیہ[22] و خلاصہ[23] و ذخیرہ[24] و فتاوٰی[25] اہلِ سمرقند و غیاثیہ[26] و عالمگیریہ[27] و خزانۃ المفتین[28] و جواہر[29] اخلاطی و شرح[30] ہدیہ ابن العماد وغیرہا عامہ کتب جلیلہ نے فروع

کثیرہ وافرہ میں اصلاً اس کی طرف التفات بھی نہ کیا یہ امور بتاتے ہیں کہ وہ قول مہجور جمہور و نامقبول و نامنصور ہے ولہٰذا ہم نے بھی باتباع ائمہ اُس کی طرف میل نہ کیا مگر انصافاً وہ ساقط محض نہیں بجائے خود ایک قوت رکھتا ہے متعدد مشایخ اور کثیر یا اکثر فقہائے بخارا و بعض ائمہ بلخ نے اُسے اختیار کیا اور امام یوسف ترجمانی نے اسے بہ یفتی کہا۔ امام کردری نے وجیز میں اسے مقرر رکھا اور یہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے منیہ کی عبارت کہ ابھی مذکور ہوئی اس کے متصل ہی ہے:

حوض کبیر وفیہ نجاسات فامتلأ قیل ھو نجس وقیل لیس بنجس وبہ اخذ اکثر مشایخ بخاری رحمھم اللہ تعالٰی ذکرہ فی الذخیرۃ۔[1]

حوض کبیر جس کی تہہ میں نجاستیں ہوں پھر وُہ بھر جائے تو ایک قول کے مطابق نجس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نجس نہیں بخارا کے اکثر مشائخ (اللہ ان پر رحم کرے) نے اسی کو اختیار کیا ہے اس کو ذخیرہ میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

غنیہ میں قولِ اوّل کی تعلیل کی،

لتنجس الماء شیأ فشیأ۔[2]

کیونکہ پانی تھوڑا تھوڑا کرکے نجس ہوتا جاتا ہے۔ (ت)

اور دوم کی:

لکونہ کبیرا فصار کما لوکان ممتلئا فوقعت فیہ النجاسات۔[3]

کیونکہ یہ بڑا حوض ہے تو یہ اسی حکم میں ہوگا کہ پہلے وہ بھر گیا ہو پھر اس میں نجاستیں واقع ہوئی ہوں۔ (ت)

حلیہ میں ذخیرہ کا نص یُوں ذکر کیا:

وفی نظم الزندویسی اذا کان الحوض کبیرا وفیہ نجاسات فدخل الماء فامتلأ قال اھل بلخ وابو سھل الکبیر البخاری ھو نجس وقال الفقیہ ابو جعفر البلخی والفقیہ اسمٰعیل وابن الحسن الزاھدی البخاری الکل طاھر وبہ اخذ کثیر من

اور نظم زندویسی میں ہے کہ جب حوض بڑا ہو اور اس میں نجاسات ہوں، پھر پانی داخل ہو کر اس کو بھرے تو بلخ والوں اور ابو سہیل کبیر بخاری کا قول ہے کہ یہ نجس ہے اور فقیہ ابو جعفر البلخی، فقیہ اسمٰعیل اور ابن الحسن الزاہدی البخاری نے کہا کہ سب پاک ہے اور اس قول کو بخارا کے کثیر فقہائے نے

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۷۰
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱
[3] ایضاً

فقہاء بخاری وھکذا افتی عبد الواحد مرارا وھکذا کان یفتی الفقیہ ابوبکر العیاضی وکان یقول الماء الکثیر فی حکم الماء الجاری انتہی[1]

اختیار کیا ہے، اور عبدالواحد نے بھی اس پر کئی بار فتوٰی دیا اور ابوبکر عیاضی بھی اسی طرح فتوٰی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کثیر پانی جاری پانی کے حکم میں ہے انتہی۔ (ت)

پھر فرمایا :

ونقل الزاھدی عن یوسف الترجمانی انہ قال وبہ یفتی[2]

زاہدی نے یوسف الترجمانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے :

تنجس الحوض ثم دخل فیہ ماء کثیر وخرج منہ ایضا قیل طھر الحوض وان قل الخارج وقیل لا حتی یخرج مثل ما فیہ وقیل مثلاہ او ثلثۃ امثالہ وقیل یطھر وان لم یخرج شیئ قال یوسف الترجمانی رحمہ اللہ تعالٰی وبہ یفتی اھ[3]

حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں بہت سا پانی داخل ہوگیا اور نکل گیا تو ایک قول ہے کہ حوض پاک ہوگیا خواہ نکلنے والا پانی کم ہی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جب تک اتنا پانی نہ نکلے جتنا کہ حوض میں تھا پاک نہ ہوگا جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جب تک حوض کا دوگنا یا تین گنا پانی نہ نکلے پاک نہ ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ پاک ہوجائے گا خواہ کچھ بھی نہ نکلے، یوسف الترجمانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

اقول تفرد بشیئین احدھما قید الکثیر فی الماء الداخل وھم قاطبۃ ارسلوہ وقال ش وان قل الداخل[4] اھ وکانہ واللہ تعالٰی اعلم رعایۃ للقول الاخیر اذ یختص بالحوض الکبیر فدل علی کبرہ بدخول الماء الکثیر والاخر زیادۃ

میں کہتا ہوں وہ دو چیزوں میں متفرد ہیں ایک تو داخل ہونے والے پانی میں کثرت کی قید لگانے میں، جبکہ تمام فقہاء نے یہ قید نہیں لگائی ہے اور "ش" نے فرمایا اگرچہ داخل ہونے والا پانی قلیل ہو اھ اور گویہ واللہ تعالٰی اعلم آخری قول کی رعایت ہے کیونکہ یہ بڑے حوض کے ساتھ خاص ہے

---

[1] حلیہ
[2] حلیہ
[3] بزازیۃ علی الھندیۃ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸
[4] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۸

مثليه وانما يذكرون مثلا وثلاثا فالثاني
لتثليث الغسل والاول قياسا على البئر
فان نزح ما فيها لها تطهير افاده في البدائع
اما التثنية فلا وجه لها هذا ثم قال في
الحلية لكن في الذخيرة قبل هذه
المسألة وفي فتاوى اهل سمرقند
غدير كبير لا يكون فيه ماء في الصيف
ويروث فيه الناس والدواب (فذكر
ما قدمنا عن الخانية وغيرها عشرة
كتب في الاصل الثامن) قال فعلى قياس
الجواب في هذه المسألة يكون الجواب
ايضا في المسألة التي ذكرها المصنف ان كان
الماء الذي يدخل اولا يدخل على ماء
نجس او مكان نجس فهو نجس وان كان
يدخل على طاهر ويستقر فيه حتى يصير
عشرا في عشر ثم يتصل بالنجس فهو طاهر
قال فهذا قول ثالث في المسألة
المذكورة تخريجا كما يمكن ان يتأتى
القولان المذكوران فيها نصا في هذه
المسألة التي ذكرناها نحن عن الذخيرة
ايضا تخريجا اھ[1]

تو کثیر پانی کا داخل ہونا حوض کی بڑائی پر دلالت
کرے گا اور دوسری چیز دگنا ہونے کی زیادتی، اور
دوسرے فقہا ایک گنا اور تین گنا کا ذکر کرتے ہیں،
تو دوسرا دھونے میں تثلیث کے لیے ہے اور پہلا
کنویں پر قیاس کرتے ہوئے ہے، کیونکہ کنویں میں
جو کچھ ہے وہ اگر نکال لیا جائے تو کنواں پاک ہوجائیگا،
بدائع میں یہی ہے، اور دُگنا ہونے کی کوئی معقول
وجہ موجود نہیں، ہذا۔ پھر حلیہ میں فرمایا" اور لیکن
ذخیرہ میں اس مسئلہ سے قبل اور اہلِ سمرقند کے
فتاوٰی میں ہے کہ اگر کوئی بڑا تالاب ایسا ہو جو
گرمیوں میں سُوکھ جاتا ہو اور اس میں انسان اور
چوپائے بول و براز کرتے ہوں (تو اس کا حکم وہ بیان
کیا جو ہم نے آٹھویں اصل میں خانیہ وغیرہا
دس کتب سے نقل کیا) فرمایا اس مسئلہ کے جواب
پر قیاس کرتے ہوئے مصنف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے
اس کا بھی جواب ہوگا، اور وہ یہ کہ اگر داخل ہونے
والا پانی پہلے نجس پانی پر داخل ہوتا ہے یا نجس جگہ
پر تو وہ نجس ہے اور اگر پاک پر داخل ہوتا ہے اور
اس میں ٹھہرتا ہے یہاں تک کہ دہ در دہ ہوجائے
پھر نجس سے متصل ہو تو وہ پاک ہے فرمایا یہ مسئلہ
مذکورہ میں بطور تخریج تیسرا قول ہے اور دو مذکور قول
اس میں بطور نص ہیں جس کو ہم نے ذخیرہ سے بطور تخریج نقل کیا ہے اھ (ت)

اقول رحم اللہ المحقق لا تثلیث

میں کہتا ہوں اللہ محقق پر رحم کرے نہ تو

---

[1] حلیہ

(ف ۱) ولا تخريج اما الثاني فظاهر فان المسألة
المذكورة مسألة المتن حوض كبير وفيه
نجاسات فامتلأ والتي اوردتموها عن
الذخيرة غدير كبير لا يكون فيه ماء في
الصيف ويروث فيه الناس والدواب و
اي فرق بينهما الا في اللفظ فلا قياس ولا
تخريج بل القولان المذكوران في المتن
منصوص عليهما في مسألة الذخيرة والتفصيل
المذكور فيها منصوص عليه في مسألة المتن
(ف ۲) واما الاول فلانه ليس لاحد ان يقول الماء
وان كثر في بطن الحوض قبل وصوله
الى النجس يتنجس حين يصل اليه وكيف
يتنجس وقد فرض كثيرا هذا خلاف الاجماع
فالتفصيل المذكور في الذخيرة هو
المراد قطعا في القول الاول وانما طووا ذكره
للعلم به كما قلتم ههنا ان من المعلوم حيث
قلنا في هذه المسألة او امثالها ان الماء
طاهر فهو مشروط بكونه لا اثر للنجاسة
فيه فترك التقييد به في ذلك للعلم به و
اياك والذهول عنه فيذهب بك الوهم
الى تخطئتهم في ذلك وهم من ذلك براء[1]
(ف ۳) اھ فهل يسوغ لاحد ان يجعل التقييد
بعدم ظهور الاثر قولا رابعا في المسألة
وقد اشرنا اليه بعد ذكر الضابط الثالث
فما ثم الا قولان التفصيل المذكور

تثلیث ہے اور نہ تخریج ، دوسرا تو ظاہر ہے کیونکہ مسئلہ
مذکورہ متن کا مسئلہ ہے کہ ایک بڑا حوض ہو جس میں
نجاستیں ہوں اور بھر جائے ، اور جس کو تم نے ذخیرہ
سے نقل کیا ہے یعنی بڑا تالاب جو گرمیوں میں خشک
ہو جاتا ہے اور اس میں انسان اور جانور بول و براز
کرتے ہوں ، ان دونوں میں لفظی فرق کے علاوہ اور
کیا فرق ہے ، تو نہ قیاس ٹھیک ہے اور نہ تخریج
درست ہے بلکہ دونوں قول جو متن میں مذکور ہیں اور
ان کو ذخیرہ میں صراحت سے ذکر کیا ہے اور اس میں
جو تفصیل ہے وہ متن میں منصوص ہے لیکن پہلا تو
اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا جبکہ
پانی حوض میں کثیر ہو نجس تک پہنچنے سے پہلے ، تو وہ نجس
ہو جائیگا جب وہ نجاست تک پہنچے گا ،
اور نجس کیسے ہوگا حالانکہ اس کو کثیر فرض کیا گیا ہے
یہ اجماع کے خلاف ہے تو جو تفصیل ذخیرہ میں ہے
وہی قطعاً مراد ہے پہلے قول میں اور اس کو ذکر
اس لیے نہیں کیا کہ وہ پہلے ہی معلوم ہے ، جیسا
کہ تم نے یہاں کہا ہے کہ یہ بات معلوم ہے جبکہ ہم
نے اس مسئلہ میں اور اس جیسے مسائل میں کہا کہ
پانی پاک ہے ، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ نجاست
کا اثر اس میں ظاہر نہ ہو تو اس قید کو معلوم ہونے
کی بنا پر چھوڑ دیا گیا ہے ، اس سے آپ غافل
نہ ہوں ورنہ آپ ان کو خطا کار قرار دیں گے حالانکہ
وہ بے قصور ہیں اھ تو کیا کوئی اثر کے ظاہر نہ ہونے
کی قید لگانے کو چوتھا قول قرار دے سکتا ہے

---

[1] حلیہ

فی الکتب العشرۃ و اطلاق الطھارۃ و باللہ التوفیق۔

اور ہم نے تیسرے ضابطہ کے بعد اس کی طرف اشارہ کیا ہے، تو وہاں صرف دو ہی قول ہیں مذکورہ تفصیل دسوں کتب میں ہے اور طہارت کا اطلاق ہے۔ (ت)

ثم اقول و بہ استعین (اللہ سے مدد چاہتے ہوئے میں کہتا ہوں) یہاں دو بحثیں ہیں:

بحث اول ہم اوپر بیان کر آئے کہ جریان آب نہیں مگر فضا میں اس کا اپنے میل طبعی سے رواں ہونا اور فضائے غیر محدود غیر مقصود اور محدود دلبطن حوض میں بھی موجود بارش یا سیل وغیرہ کا پانی کہ اوپر سے بہتا ہوا آیا اور بطنِ حوض میں داخل ہوا وہ قطعاً اب بھی بہ رہا ہے جب تک کنارہ مقابل پر جاکر رک نہ جائے۔

اولاً جاری کی دونوں تعریفیں اشہر واظہر اس پر صادق ہیں وہ ایک تنکا کیا ایک گٹھا بہالے جائیگا اور بے شک جب تک اُس کا بہاؤ نہ ٹھہرے بہتا ہی کہا جائیگا اہل عرف میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سیلاب حوض کے کنارے تک پہنچتے ہی تھم گیا اب اس میں روانی نہ رہی جب تک بھر کر اُبال نہ دے پہلے کنارے پر تھم جائے تو حوض کو بھرے کون اور اُبالے کیوں کر۔

ثانیاً نہر جاری میں سیلاب کی دھار آکر گری اب چاہئے کہ وہ نہر جاری نہ رہے جب تک بھر کر اُبل نہ جائے کہ اعتبار روئے آب کا ہے اور اب روئے آب یہ سیلاب ہے جسے جوفِ نہر میں داخل ہوتے ہی ساکن مان لیا گیا۔

ثالثاً مینہ کا پانی کہ چھت پر بہتا پرنالوں سے گرتا صحنِ خانہ میں رواں ہو قطعاً آب جاری ہے اگرچہ ابھی مکان کی نالی سے بھی نہ نکلے مکان کو چھت تک لبریز کرکے دیواروں پر سے اُبال دینا تو قیامت ہے،

بدائع میں ہے:

ان کانت الانجاس متفرقۃ علی السطح ولم تکن عند المیزاب ذکر عیسٰی بن ابان (ای تلمیذ محمد رحمھما اللہ تعالٰی) انہ لایصیر نجسا مالم یتغیر و حکمہ حکم الماء الجاری وقال محمد انکانت النجاسۃ فی جانب من السطح او جانبین لاینجس الماء و یجوز التوضؤ بہ وان کانت فی ثلثۃ جوانب ینجس اعتبارا

اگر نجاستیں چھت پر پراگندہ ہوں اور پرنالہ کے پاس نہ ہوں، تو عیسٰی بن ابان نے ذکر کیا (یعنی محمد کے شاگرد نے) کہ وہ نجس نہ ہوگا جب تک کہ متغیر نہ ہو اور اس کا حکم جاری پانی کی طرح ہے اور محمد نے فرمایا کہ اگر نجاست چھت کی ایک جانب یا دو جانب ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضوء جائز ہے اور اگر نجاست تین کناروں پر ہو تو غالب کا اعتبار کرتے ہوئے پانی

للغالب[۱] اھ

ناپاک ہوجائیگا اھ (ت)

ہندیہ میں ہے :

لوکان علی السطح عذرۃ فوقع علیه المطر فسال المیزاب ان کانت النجاسۃ عند المیزاب وکان الماء کله یلاقی العذرۃ او اکثرہ او نصفه فهو نجس والا فهو طاهر وان کانت العذرۃ علی السطح فی مواضع متفرقۃ ولم تکن علی رأس المیزاب لایکون نجسا وحکمه حکم الماء الجاری کذا فی السراج الوهاج وفی بعض (ف۱) الفتاوی قال مشایخنا المطر مادام یمطر فله حکم الجریان حتی لو اصاب العذرات علی السطح ثم اصاب ثوبا لایتنجس الا ان یتغیر المطر (ف۲) اذا اصاب السقف وفی السقف نجاسۃ فوکف واصاب الماء ثوبا فالصحیح انه اذا کان المطر لم ینقطع بعد فما سال من السقف طاهر هکذا فی المحیط وفی العتابیۃ اذا لم یکن متغیرا کذا فی التاتارخانیۃ (ف۳) واما اذا انقطع المطر وسال من السقف شیئ فما سال فهو نجس کذا فی المحیط وفی النوازل قال مشایخنا المتأخرون هو المختار کذا

اگر چھت پر پاخانہ پڑا ہو اور بارش ہوجائے پھر پرنالہ بہے تو اگر نجاست پرنالہ کے پاس ہو اور کل پانی پاخانہ سے لگ کر آرہا ہو یا اکثر یا نصف تو وہ ناپاک ہے ورنہ پاک ہے اور اگر نجاست چھت پر متفرق جگہوں پر ہو اور پرنالہ کے سرپر نہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا اور اس کا حکم جاری پانی کا سا ہے ۔ اسی طرح سراج الوہاج میں ہے اور بعض فتاوٰی میں ہے، کہ ہمارے مشایخ نے فرمایا اگر بارش ہورہی ہو تو جاری پانی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ اگر یہ پانی چھت پر پڑے ہوئے پاخانہ سے لگ کر بھی آئے اور پھر کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے، ہاں اگر بارش متغیر ہوجائے جبکہ چھت پر پہنچے اور چھت پر نجاست ہو اور پھر چھت ٹپکنے لگے اور یہ پانی کسی کپڑے پر لگ جائے تو صحیح یہ ہے کہ اگر بارش ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے تو جو پانی چھت سے بہا وہ پاک ہے ، ھکذا فی المحیط ۔ اور عتابیہ میں ہے کہ جبکہ متغیر نہ ہو اور اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے اور اگر بارش بند ہونے کے بعد چھت سے پانی ٹپکے تو جو بہا ہے وہ ناپاک ہے کذا فی المحیط اور نوازل میں ہے کہ ہمارے متاخرین مشایخ نے فرمایا یہی

---

۱ بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

فی التتارخانیۃ اھ[1]

مختار ہے کذا فی التتارخانیہ اھ (ت)

اقول سال من السقف ای وکف کما قدمنا اما السائل من المیزاب فجار قطعا وان وقف المطر کما قدمنا۔

میں کہتا ہوں چھت سے بہنے کا مطلب چھت سے ٹپکنا ہے جیسا کہ گزرا اور جو پرنالے سے بہتا ہے وہ قطعاً جاری ہے خواہ بارش ٹھہری ہُوئی ہو۔ (ت)

بالجملہ آنے والے پانی کے بطن حوض میں جاری ہونے سے انکار ظاہر نہیں، ہاں جب حد مقابل پر پہنچے جہاں جاکر رُک جائیگا یا تحریک پہنچی تو آگے نہ بڑھے گا بلکہ اُوپر چڑھے گا یہ حرکت طبعی نہ ہو گی بلکہ قسری خلاف طبع تو اُس وقت بیشک جریان جاتا رہے گا۔

بحث دوم آب نجس کی تطہیر کو آب طاہر سے مل کر اُس کا جاری ہونا درکار ہے یا آب طاہر جاری کا اُس پر آنا کافی اول نص محرر المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے،

فی ردالمحتار عن جامع الرموز عن التمرتاشی عن محمد المائع کالماء والدبس وغیرھما طھارتہ باجرائہ مع جنسہ مختلطا بہ[2]۔

اور ردالمحتار میں جامع الرموز سے تمرتاشی سے محمد سے ہے کہ بہنے والا جیسے پانی اور شیرہ وغیرہ اس کی طہارت اس کو اسی کی جنس کے ساتھ ملاکر جاری کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

اقول اور اسی کے مؤید ہے اُسے قول دائر وسائر الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا (کہ بعض جاری پانی بعض دوسرے پانی کو پاک کر دیتا ہے۔ ت) کے تحت میں لانا،

فانھما اذا جریا مختلطین کان بعض الجاری طاھرا وبعضہ نجسا فیطھر الاول الاٰخر بخلاف ما اذا لم یجر النجس وقد یمکن ان یستأنس للثانی بما قدمنا فی الاصل الرابع عن الحلیۃ عن المحیط الرضوی ان الماء الجاری لما اتصل بہ صار فی الحکم جاریا[3] اھ لکنہ ذکرہ

کیونکہ وہ دونوں جب مل کر بہیں تو بعض جاری پاک اور بعض نجس ہوگا تو پہلا دُوسرے کو پاک کر دے گا بخلاف اس صورت کے جبکہ نجس جاری نہ ہو اور دوسرے کے لیے جو ہم نے چوتھی اصل میں حلیہ سے محیط رضوی سے نقل کیا ہے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب جاری پانی اس میں مل گیا تو جاری کے حکم میں ہوگا اھ لیکن اس کا تذکرہ انہوں نے وہاں کیا ہے جہاں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

[2] ردالمحتار مطلب یطھر الحوض بمجرد الجریان مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴

[3] حلیہ

في اشتراط الخروج من الجانب الآخر وان قيل فالمراد الاتصال في الجريان و معلوم ان الجاري بعضه لا كل ما فيه ويحكم بطهارة الكل فلذا قال صار في الحكم جاريا فافهم۔

دوسری جانب سے نکل جانے کی شرط لگائی ہے خواہ کم ہی ہو تو مراد جاری ہونے میں اتصال ہے اور یہ معلوم ہے کہ جاری بعض ہی ہے کل نہیں ہے۔ اور حکم کل کی طہارت کا لگایا جائیگا اور اسی لیے فرمایا کہ یہ جاری کے حکم میں ہو گیا۔ (ت)

فقیر کے نزدیک منشاء اختلاف یہی ہے اُن بعض نے جبکہ دیکھا کہ نیا آنے والا پانی بہتا ہوا اس آب نجس سے ملا اس کی طہارت کا حکم دیا پھر اگر نجاست غیر مرئیہ ہے یا مرئیہ تھی اور نکال دی گئی جب تو ظاہر ہے کہ ان کے طور پر سب پانی پاک رہنا چاہیے اگرچہ حوض صغیر ہو کہ جاری میں کثیر کی شرط نہیں اور آب جاری جب نجاست غیر مرئیہ پر وارد ہو اُسے فنا کردیتا ہے کما حققناہ فی الاصل العاشر (جیسا کہ اسکی تحقیق ہم نے اصل عاشر میں کی ہے۔ ت) تو بعد وقوف اگرچہ محل قلیل میں ٹھہرا نجاست ہی معدوم ہے ہاں نجاست مرئیہ باقیہ میں ضرور کثیر محل درکار کہ وقت وقوف بوجہ کثرت عود نجاست نہ ہوسکے اور جمہور نے یہ نظر فرمائی کہ آب داخل اگرچہ جاری ہو مگر آب نجس کو جاری نہ کیا کہ بطنِ حوض میں رُکا ہوا تھا اور اُس کا رُکنا ہی دلیلِ واضح تھا کہ اُسے آگے بڑھنے کو جگہ نہیں تو آبِ داخل اُسے آگے نہ بڑھائے گا بلکہ اوپر چڑھائیگا تو اُس کا اجرا نہ ہوگا جو اُس کی طہارت کو درکار ہے مگر یہ کہ حوض بھر جائے اُس وقت تک تو سب ناپاک ہے اب جو اُبلے گا پاک ہوجائے گا کہ اب آگے بڑھنے اور منحدر میں اُترنے کو جگہ وسیع ہے اگر کہیے مانا کہ بطن حوض میں آب نجس کا اجرا نہ ہوگا مگر غسل یعنی دھونا تو ہوجائیگا کہ آب جاری بہتا ہوا آکر اُس کے تمام اجزا پر چھا گیا۔

اقول اولاً پانی کو دھونا شرع سے معہود نہیں مگر وہی طاہر سے ملا کر اُس کا اجرا۔

ثانیاً غسل ہوگا تو فقط سطح بالائے آب نجس کا اور وہ کوئی جامد شَے نہیں کہ ضرورۃً غسل سطح قائم مقام غسل کل ہو،

وهذه فائدة استنبطها الفقير مما في فتح القدير في بيان مذهب الصاحبين ان كانت الانفحة جامدة تطهر بالغسل[1] اھ ای اذا اخذت من بطن جدی میت

یہ فائدہ خود فقیر نے جہاں صاحبین کا مذہب فتح القدیر میں بیان ہوا ہے میں نے مستنبط کیا ہے، "اگر دودھ خشک ہو تو دھونے سے پاک ہوجائیگا اھ یعنی مُردہ بکری کے بچّہ کے پیٹ سے نکالے گئے ہوں کیونکہ

---

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۸۴

لتنجسها عند هما بوعائها المتنجس بالموت واستظهره فی مواهب الرحمٰن وذکر طهارتها جامدة بالغسل کالفتح وعند الامام طاهرة لانه لا اثر للتنجس شرعا ما دامت فی الباطن النجاسة فضلا عن غیرها فتح وھو الراجح درّ والانفحة اللبن فی بطن الجدی الراضع۔

صاحبین کے نزدیک وہ ظرف کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نجس ہوجائیں گے کیونکہ اس کا ظرف موت کی وجہ سے ناپاک ہوگیا، اور مواہب الرحمٰن میں اس پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خشک ہوں (یعنی دودھ جم جائے) تو دھونے سے پاک ہوجائیں گے، جیسا کہ فتح میں ہے، اور امام صاحب کے نزدیک پاک ہیں کیونکہ جب باطن میں کوئی نجاست ہو تو شرعًا وہ نجاست نہیں چہ جائیکہ اور کوئی چیز ہو فتح، اور یہی راجح ہے درّ، اور انفحہ اس دُودھ کو کہتے ہیں جو بکری کے شیر خوار بچّے کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ (ت)

ثالثًا علی التسلیم (غسل (دھونا) اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو۔ ت) غَسل کے لیے تثلیث درکار ہوتی یا ذہاب نجاست پر غلبۂ ظن۔ بہرحال مائے غاسل کا مغسول پر سے زوال ضرور کہ جب تک جُدا نہ ہوا مغسول سے زوال نجاست نہ ہوا تو حکم طہارت نہ ہوا۔ یُوں بھی خروج لازم ہوگیا ظاہر ان وجوہ سے جمہور نے حکمِ نجاست دیا۔

اقول مگر جس طرح قول دوم پر بحث دوم وارد ہوئی یونہی قول اوّل پر بحث اول وارد ہوگی۔ ان اکابر نے بطن حوض میں سَیلانِ آب کو جریان ہی نہ ٹھہرایا شرط خروج کی تصریحات و تصحیحات کہ جواب دوم میں غنیہ[۱] و ظہیریہ[۲] اور جواب پنجم اصل دوم میں ملک العلماء[۳] و فقیہ ہندوانی[۴] و فقیہ سمرقندی[۵] اور اصل سوم میں تبیین[۶] و فتح[۷] و بحر[۸] و محیط[۹] و توشیح[۱۰] و امام حسام[۱۱] شہید و تاتارخانیہ[۱۲] و ظہیریہ[۱۳] و ہندیہ[۱۴] اور اصل چہارم میں منتقی[۱۵] و محیط رضوی[۱۶] و حلیہ[۱۷] و خلاصہ[۱۸] و ردالمحتار[۱۹] و دو[۲۰] عبارت ظہیریہ[۲۱] و امام ابوبکر[۲۲] اعمش[۲۳] وغیرہ اور اصل ششم میں شرح ہدیہ[۲۴] و منحہ[۲۵] سے گزریں ان کی تو یہ توجیہ واضح ہے کہ جو نجس پانی حوض میں تھا اس کے جریان و تطہیر کے لیے خروج ضرور ہے تازہ پانی کہ اُوپر سے آیا ان سے اس کے جریان کی نفی نہیں ہوتی مگر ان نصوص کثیر کا کیا جواب جو صراحۃً اس آبِ داخل ہی کے جریان کا ابطال کرتے ہیں اگرچہ بطنِ حوض میں کتنی ہی دُور حرکت کرتا جائے مثلًا :

اوّلًا وہ تصریحیں کہ پانی اگر بطنِ حوض میں دہ در دہ ہونے سے پہلے نجاست سے ملے گا جتنا آتا جائیگا ناپاک ہوتا جائے گا جیسا کہ جواب چہارم میں امام صفار[۱] سے گزرا امام ملک العلماء[۲] نے اُسے مقرر رکھا اصل ہشتم فتاوٰی امام[۳] قاضی خان و جواہر[۴] اخلاطی سے اور ایسا ہی خزانۃ[۵] المفتین و فتاوٰی[۶] ذخیرہ میں ہے حلیہ[۷] میں اُس پر تقریر ہے غنیہ[۸] میں اس کے معنے ہیں اگر جاری مانا جاتا وہ دہ در دہ ہونا کیا شرط ہوتا کہ جاری کتنا ہی قلیل ہو ناپاک

نہیں ہوسکتا جب تک نجاست سے اس کا کوئی وصف نہ بدلے لوٹے کی دھار کا مسئلہ اصل ۹ میں گزرا۔

ثانیاً یہ تعلیل و شرط نہ بھی ہوتی تو اس مسئلہ دوّارہ کا نفس حکم کہ کتبِ معتمدۂ جماہیر مشاہیر میں دائر و سائر ہے خود اُسے جاری نہ ماننے پر برہان ظاہر ہے جواب چہارم میں بنیہ[9] و بدائع[10] و صفار[11] و حلیہ[12] اور پنجم میں حلیہ[13] و غنیہ[14] اور اس کی اصل ہشتم میں خانیہ[15] و خزانۃ المفتین[16] و محیط[17] و حلیہ[18] و خلاصہ[19] و فتح[20] و فتاوٰی سمرقند[21] و بحر[22] و ہندیہ[23] و غیاثیہ[24] و ذخیرہ[25] و فرع آخر قاضی خان[26] و جواہر[27] الاخلاطی سے تصریحیں اور تصحیحیں گزریں کہ حوض کتنا ہی کبیر ہو جب اس میں قلیل پانی ناپاک تھا پھر پانی آیا اور لبالب بھر گیا ناپاک ہی رہا۔ بھلا جب تک حدِ قلت میں تھا یہ کہہ سکتے تھے کہ آنے والا پانی اگرچہ اپنے داخل ہونے سے دوسری جانب پہنچنے تک جاری رہا مگر وہاں جاکر تو رُک گیا اور ہے قلیل اور نجاست یا آبِ نجس سے متصل تو اب ناپاک ہوجائے گا اسی طرح جو پانی آتا جائے گا حدِ قلت تک یہی حکم پائیگا وھم انما قالوا کل ما دخل صار نجسا لا کما دخل تنجس مگر حوض تو کبیر ہے جب حدِ قلت سے آگے بڑھے گا کیا کہا جائے گا۔ آیا بہتا ہوا اور ٹھہرا کثیر ہوکر تو کسی وقت قابلِ قبول نجاست نہ ہوا پھر یہ حکم کیوں ہے کہ لبالب بھرنے پر بھی سب ناپاک۔ بلکہ لازم تھا کہ یا تو حصۂ بالا کو جہاں سے حدِ کثرت ہے (اور ممکن ہے کہ حوض کبیر کا معظم حصہ وہی ہو) پاک کہیں اور حدِ قلت سے نیچے تک ناپاک یا نظر بر آں کہ حصۂ زیریں ممتاز صورت نہ رکھنے کے باعث بالا کا تابع ہے سب پاک۔

اقول[ف۱] اور ظاہراً یہی اقیس ہوتا آخر نہ دیکھا کہ حوض کتنا ہی عمیق ہو بلکہ گہرے سے گہرا کنواں اگر لبالب بھر کر اُبل جائے اوپر سے نیچے تک سب پاک ہوگیا کہ آب جاری ہوگیا حالانکہ یقیناً حرکت جریانی صرف اوپر کے قلیل حصہ کو پہنچے گی آنے والا پانی جہاں تک کے پانی کو دبا کر ساتھ بہا کر اُبلے اُبالے گا اُتنے ہی پر جریان واقع ہوگا نیچے[ف۲] گزوں تک کے پانی کو خبر بھی نہ ہوگی اور ٹھہرا سب پاک۔ اُسی لیے کہ صورت واحدہ و شیٔ واحد ہے، یُوں ہی آبِ کثیر کہ صورتِ واحدہ رکھتا اور اوپر قلیل حصہ کثیر اور نیچے سب قلیل ہے اور نجاست راسبہ پڑی کہ تہ تک پہنچی سب پاک رہے گا روئے آب کی کثرت و طہارت تہ تک عمل کرے گی کذا ھذا۔

فان قلت فی الجواب عنھما ان العبرۃ فی الکثرۃ والقلۃ لاوان الوقوع وھذا کان قلیلا عندہ والمستشھد بہ کثیرا فافترقا اما الجریان فمعتبر بنفسہ لالحاظ فیہ لکثرۃ اوقلۃ وقت الوقوع فاذا اجری وجھہ وھو شیٔ واحد

اگر تم ان دونوں کی طرف سے جواب میں یہ کہو کہ کثرت و قلت میں اعتبار گرنے کے وقت کا ہے اور یہ گرتے وقت قلیل تھا اور جس سے استدلال کیا جارہا ہے وہ کثیر ہے تو دونوں میں فرق ہوگیا، اور جاری ہونا تو وہ بنفسہ معتبر ہے اس میں کثرت و قلت کا کوئی اعتبار نہیں، وقوع کے وقت میں، تو جب وہ جاری

فقد جری کلہ فلا یقاس علیہ طہارۃ الاعلٰی
لاستقرارہ علی الکثرۃ فانہا غیر الجریان
اقول اولا اذا حکمنا بطہارۃ الکل
لاجل الجریان انقطع حکم وقت الوقوع
فاذا وقف فکانما الاٰن وقع وھو حینئذ
کثیر اذ العبرۃ للوجہ وما تحتہ تبعہ
فما وقع الا فی الکثیر والفصل الاٰن بین
الاعلی والاسفل بالکثرۃ والقلۃ خروج
عن حکم الوحدۃ وعلی ھذا یلزم تنجس
الاسفل المستشھد بہ ایضا لان النجس
الراسب لم یصل الیہ الا حین قلتہ ھف
وثانیا لئن سلم فھذا مضر سیعود
نافعا فان الماء الداخل حیث کان جاریا
حتی الوصول الی المنتھی والصورۃ واحدۃ
فقد جری الکل فانتفت النجاسۃ راسا
ان کانت غیر مرئیۃ وکذا المرئیۃ وقد اخرجت
فلا معنی لعودھا حین استقرارہ ولو علی القلۃ
وانتقلت الی الاعلی الکثیر لو باقیۃ طافیۃ فلم
یتنجس اذا استقر کثیرا وقد طھر ما تحتہ
بالجریان فلا یبقی الا ما اذا کانت مرئیۃ
باقیۃ راسبۃ وکلامھم مطلق حاو للصور
قاطبۃ ۔

ہوا اس کی سطح سے حالانکہ وہ شئی واحد ہے تو گویا کل جاری
ہوا، تو اس پر اوپر والے کی طہارت کو قیاس کرنا
درست نہ ہوگا کہ وہ کثرت پر مستقر ہے کیونکہ یہ
جریان نہیں ہے ۔
میں کہتا ہوں اولاً جب ہم نے کل کی طہارت
کا حکم لگایا جاری ہونے کی وجہ سے تو گرنے کے وقت کا
حکم منقطع ہوگیا، تو جب ٹھہرا تو گویا وہ ابھی گرا ہے
اور اس وقت وہ کثیر ہے کیونکہ اعتبار سطح کا ہے،
اور جو اس کے نیچے ہے وہ اُس کے تابع ہے تو
کثیر ہی میں واقع ہوا اور اعلیٰ اور اسفل میں اب
کثرت وقلت کے اعتبار سے فرق کرنا وحدتِ حکم سے
خروج ہوگا اور اس بنا پر نیچے
والے کا نجس ہونا لازم آئیگا جس سے استشہاد بھی
کیا گیا ہے کیونکہ نجاست راسبہ اس تک نہیں
پہنچی ہے مگر قلت کے وقت یہ خلاف مفروض ہے۔
اور ثانیاً اگر تسلیم کرلیا جائے تو یہ ہمارے لیے مضر ہے اور عنقریب
نافع ہوجائے گا، کیونکہ داخل ہونے والا پانی جاری
تھا یہاں تک کہ وہ اپنی انتہا کو پہنچا اور صورت واحدہ ہے
تو کل جاری ہوگیا اور نجاست اگر غیر مرئیہ ہو اور اس طرح
اگر مرئیہ نکال دی گئی ہو تو سرے سے ختم ہوجائیگی تو اس کے
لوٹنے کے کوئی معنی نہیں جب کہ پانی ٹھہرا ہوا ہو
اگرچہ کم ہی ہو اور وہ نجاست اوپر والے کثیر پانی کی
طرف منتقل ہوگئی، اگرچہ وہ اوپر تیر رہی ہو، تو جب کثیر پانی ٹھہرا ہو تو وہ ناپاک نہ ہوگا اور اس کا نچلا حصہ پانی کے
جاری ہونے کی وجہ سے پاک ہوگیا تو باقی نہ رہے گا مگر جو مرئی ہو اور تہ میں باقی ہو اور ان کا کلام مطلق ہے اور
تمام صورتوں کو شامل ہے۔ (ت)

ثالثا جواب چہارم میں عبارت فتح القدیر[28] دربارۂ حوضِ صغیر کہ بھر کر بھی ناپاک رہے گا اُسی عدم تسلیم جریان پر دال ورنہ نجاست غیر مرئیہ یا مرئیہ کہ نکال دی ضرور زائل ہوجاتی۔

رابعا تنبیہ جلیل میں منیہ[29] ومحیط[30] وحلیہ[31] وخانیہ[32] وہندیہ[33] وذخیرہ[34] کی عبارات ائمۂ اجلہ علی سغدی[35] و نصیر بن یحیٰی[36] وخلف بن ایوب[37] رحمہم اللہ تعالٰی کے ارشادات کہ ایک حوض سے دوسرے میں انتقالِ آب کے جریان ہونے کو اُن میں کچھ مسافت ہونا ضرور ورنہ اس میں سے نکل کر اُس کے جوف میں جاتے ہوئے اُس میں وضو کیا جائے تو وضو نہ ہوگا اگر بطن میں حرکت کو جریان مانتے تو جس وقت پانی اول سے دوم میں گر رہا اور یہاں سے منتہی تک بہ رہا ہے اُس میں وضو ضرور آبِ جاری میں وضو ہوتا بیچ میں فاصلۂ مسافت کی ضرورت نہ ہوتی کما اشرنا الیہ ثم ان ۳۷ عبارتوں سے روشن کہ جمہور اس سیلان کو خود اُس آب داخل ہی کا جریان نہیں مانتے اور یہ اُنھیں وجوہ سے کہ بحث اول باب گزریں اشکال سے خالی نہیں۔

اگر کہیے آبِ راکد کے کثیر و ناقابلِ نجاست ہونے کے لیے صرف مساحت سطح آب یا طول وعرض دہ در دہ کافی نہیں بلکہ اتنا عمق بھی درکار ہے کہ اس میں سے پانی ہاتھ سے لیں تو زمین کھُل نہ جائے یہی صحیح ہے ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ اسی پر فتوی ہے ظہیریہ خلاصہ درایہ جوہرہ وغیرہا ولہذا فتاوی امام اجل قاضی خان پھر ہندیہ وغنیہ میں فرمایا: واللفظ لہا یعنی الفاظ غنیہ کے ہیں:

ان علا الماء من ثقب الجمد وانبسط علی وجہ الجمد وکان عشرا فی عشر فان کان بحیث لو غرف منہ لا ینحسر ما تحتہ من الجمد لم[1] یفسد بوقوع المفسد وان کان ینحسر او کان دون عشر فی عشر یفسد[1] بہ۔	جب پانی برف کے سوراخ سے اوپر چڑھے اور پھیل جائے برف کی سطح پر اور پانی دہ در دہ ہو اس طور پر کہ اگر کسی نے چلّو بھر کر اس سے پانی لیا اور اس کے نیچے برف نہ کھلی تو مفسد کے گرنے سے فاسد ہوگا اور اگر نیچے والی برف کھل گئی یا وہ پانی دہ در دہ نہ تھا تو وہ پانی فاسد ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] ولفظ الاولین جاز فیہ الوضوء والافلا اھ فلیتنبہ فستأتیک فائدتہ فی الرسالۃ الاٰتیۃ ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)	پہلی دو کتابوں کے الفاظ یہ ہیں کہ اس میں وضو جائز ہے ورنہ نہیں اھ خبردار اس کا فائدہ آئندہ رسالہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث عشر فی عشر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۰

تحفۃ الفقہا و بدائع میں امام فقیہ ابوجعفر ہندوانی اور تبیین الحقائق میں در بارۂ آب جاری امام ابو یوسف سے اور عبد الحلیم علی الدرر و جامع الرموز میں تصریح کی کہ دونوں ہاتھوں سے پانی لینا مراد ہے یعنی لپ بھر کر لینے میں نہ کھلے اور قہستانی سے مفہوم کہ اُس کا اندازہ پانچ انگل دَل ہے۔

حیث قال (انکان) وجہ الماء (عشرا فی عشر لا ینحسر ارضہ بالغرفۃ) ای یرفع الماء بالکفین وھذا قول بعض المشایخ فی تقدیر العمق وعلیہ الفتوی کما فی الخلاصۃ وھو علی ما اختارہ من المقادیر والعمق الذی ھو خمس اصابع تقریبا الخ[1]

قہستانی نے کہا کہ اگر پانی کا بالائی حصہ ایسا دہ در دہ ہو کہ چُلّو بھرنے سے پانی کی زمین نہ کھلے یعنی دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھانے سے۔ اور عمق کی مقدار میں یہ بعض مشائخ کا قول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے، اور یہ وہ ہے جس کو مقداروں میں سے اختیار کیا ہے، اور عمق تقریباً پانچ انگل ہے الخ (ت)

اقول وھو تقریب قریب مشھود لہ بالتجربۃ (یہ اچھی تقریب ہے تجربہ اس پر گواہ ہے۔ت) تو آب کثیر ہونے کو یہ چاہیے کہ سو ہاتھ مساحت میں تقریباً پانچ انگل دَل کا پانی پھیلا ہوا ہو کہیں اس سے کم دل نہ ہو تالاب یا حوض کہ بارش کے بہاؤ یا چرخ وغیرہ سے بھرتے ہیں ان کی دھار کبھی اتنی نہیں ہوتی کہ تالاب یا حوض میں گر کر تمام سطح مطلوب پر اُس کنارے تک معاً پانچ اُنگل پانی چڑھا دے پانی بالطبع طالب مرکز ہے اُس کے اجزاء زیر و بالا اُسی وقت تک رہ سکتے ہیں کہ اوپر کے اجزاء ڈھلکنے کی جگہ نہ پائیں جب محل پائیں گے فوراً اتر کر پھیل جائیں گے پرنالے سے جتنے دَل کی دھار اُتر رہی ہے زمین پر آکر ہرگز اُتنے دل پر نہ رہے گی معاً پھیلے گی یہی سبب ہے کہ مثلاً حوض میں ایک پورے کنارے سے پانی جس حجم کا اتار یے باآنکہ مدد برابر جاری اور حوض کے سارے عرض میں معاً ساری ہے تو چاہیے تھا کہ یہی حجم آخر تک محفوظ رہتا اور دوسرے کنارے پر معاً اُتنے دَل کا پانی ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ اُس کنارے پر بتدریج بڑھتا ہے اور اوپر گزرا کہ دوسرے کنارے پر پہنچ کر یہ جریان ٹھہر جاتا ہے تو مساحت کی کثرت کیا نفع دے گی جبکہ معاً پانچ انگل دَل نہ ہو بتدریج ہوا تو ہر وقت آب قلیل ہے اتنا ناپاک ہوگیا اور آیا وہ بھی یونہی کم تھا یونہی ناپاک ہُوا یہاں تک کہ حوض کبیر بھر گیا اور ناپاک ہی رہا۔ ہاں عظیم سیلابوں میں اتنے اور اس سے زیادہ حجم کا پانی اُس کنارے پر معاً چڑھتا ہے مگر وہ دم کے دم میں

---

[1] جامع الرموز بحث عشر فی عشر مطبعہ کریمیہ قزان، ایران ۱/۴۸

تالاب کو بھر کر اُبال دیں گے تو اس صورتِ نزاع میں رہے گا ہی نہیں اور بالفرض اگر کبھی ایسی صورت ہو کر اُتنے عظیم بہاؤ کا پانی آئے اور کنارے ہی پر رک رہے تو یہ بغایت نادر ہے اور احکامِ فقہیہ میں نادر کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہ ہے اُس حکم دائر سائر کا منشا اور یہ ہے اُس تعلیل کا مفاد کہ کل ما دخل صار نجسا یہ ہے وہ غایت عذر کہ تالاب میں باہر سے آنے والے پانی کو جاری مان کر بھی بحال نجاست مرئیہ باقیہ تمام تالاب کو ناپاک ٹھہرائے کتنا ہی کبیر ہو اگرچہ مسئلہ حوضین و مسئلہ نجاست غیر مرئیہ یا مرئیہ مخرجہ کا اب بھی جواب نہ ہوا۔

اقول مگر اس تقریر پر وہ صورت وارد ہے کہ اگر پانی تالاب میں داخل ہو کر پہلے دہ در دہ ہو لیا پھر نجاست سے ملا تو ناپاک نہ ہوگا کہ وہ دہ در دہ سہی پانچ اُنگل دَل بھی تو درکار۔

اگر کیجے ملنے سے پہلے اُس پوری مساحت میں اُتنا دَل پیدا ہونا بعید نہیں کہ پھیلنا تو بہتے میں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ملنے سے پہلے کہیں ٹھہر کر دَل پیدا کرلے پھر ملے۔ یہی سِر ہے کہ صورتِ مذکورہ خانیہ میں ان لفظوں سے ارشاد ہُوئی:

واجتمع الماء فی مکان طاھر وھو عشر فی عشر[1]	اور پانی پاک جگہ اکٹھا ہوگیا اور وہ دہ در دہ ہے۔ (ت)

خلاصہ میں:

انکان الماء الذی یدخل فی الغدیر یستقر فی مکان طاھر حتی صار عشرا فی عشر[2]	اگر وُہ پانی جو تالاب میں داخل ہو رہا ہے پاک جگہ ٹھہر گیا یہاں تک کہ دہ در دہ ہو گیا۔ (ت)

فتح القدیر و بحر الرائق میں:

انکان دخل فی مکان طاھر واستقر فیہ حتی صار عشرا فی عشر[3]	اور اگر پاک جگہ پانی داخل ہو کر ٹھہر گیا یہاں تک کہ دہ در دہ ہوگیا۔ (ت)

ذخیرہ و حلیہ میں:

انکان الماء الذی یدخل الغدیر اولا	اگر وُہ پانی جو تالاب میں داخل ہوتا ہے داخل ہوتے ہی پاک

---

[1] فتاوٰی قاضی خان	فصل الماء الراکد	نولکشور لکھنؤ	۱/۴
[2] خلاصۃ الفتاوٰی	فصل فی الحیاض	؍؍	۱/۵
[3] فتح القدیر	الغدیر العظیم	نوریہ رضویہ سکھر	۱/۱

یستقرّ فی مکان طاھر حتی یصیر عشرا فی عشر[1] — جگہ نہیں ٹھہرتا ہے یہاں تک کہ دہ در دہ ہو جائے۔ (ت)

ورنہ صرف دہ در دہ ہونے کے لیے کسی مکان میں ٹھہر کر جمع ہو لینا کیوں درکار ہوتا۔

اقول اس وقت کا دل کیا فائدہ دے گا جبکہ اُسے آگے بڑھ کر نجاستوں سے ملنا ہے بڑھے گا پھر اُسی بہنے پھیلنے سے جو اُس میں وہ حجم نہ رہنے دیں گے۔

اگر کہیے اتصال نجاست یوں بھی ممکن کہ آبِ نجس بڑھ کر اُس سے ملے۔

اقول یہ تصویر مفروض کے خلاف ہے اور خانیہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد تصریح ہے: ثم تعدی الی موضع النجاسۃ[2] (پھر نجاست کی جگہ تک تجاوز کر جائے۔ ت) بقیہ کتب مذکورہ میں ہے: ثم انتھی الی النجاسۃ[3] (پھر نجاست تک پہنچ جائے۔ ت) بالجملہ کلمات جمہور پر کسی طرح اُس آنے والے پانی کا بھی بطن حوض میں جریان درست نہیں آتا۔

وانا اقول وباللّٰہ التوفیق تحقیق یہی ہے کہ وہ جاری نہیں ورنہ اگر مثلاً نصف لوٹے میں ناپاک پانی ہو جس میں نجاست غیر مرئیہ ہو یا مرئیہ تھی اور نکال دی اُس کے بعد لوٹا بھر دیا اور کناروں سے کچھ نہ نکلا بلکہ بھرا بھی نہیں کچھ پانی ڈال دیا جو اُس کے ایک کنارے سے دوسرے تک بہ گیا تو چاہیے کہ سب پانی اور لوٹا پاک ہو جائے کہ جریان ہو گیا اور وہ نجاست غیر مرئیہ کو فنا کر دیتا ہے اور اُس میں کوئی مساحت شرط نہیں اور بعد فنائے نجاست قلت پر استقرار کیا مضر حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں یہ مشایخ کہ خروج اصلا شرط نہیں کرتے اُن کا کلام بھی حوض کبیر میں ہے ولہذا منیہ و ذخیرہ و نظم زندویسی میں فرمایا اذا کان الحوض کبیرا[4]

[عہ] تنبیہ اس مسئلہ کی تحقیق جلیل رسالہ ہبۃ الحبیر میں آتی ہے وہاں سے بتوفیق الٰہی یہ توفیق ظاہر ہوگی کہ پانی کے فی نفسہ کثیر ہونے کے لیے عمق درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ زمین کہیں کھلی نہ ہو اور یہ جو اتنا عمق شرط کیا گیا کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلے اُس حالت میں ہے کہ اُس کے اندر وضو و غسل کریں اس تقدیر پر توجیہ مذکور کی گنجایش ہی نہیں واللّٰہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] حلیہ

[2] قاضی خان — الماء الراکد — نول کشور لکھنؤ — ۱/۴

[3] بحر الرائق — ابحاث الماء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۷

[4] منیۃ المصلی — فصل فی الحیض — مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور — ص ۶۷

بزازیہ میں بظاہر حوض کو صفت کثرت سے مطلق رکھ کر فرمایا : ثم دخل ماء کثیر[1] (پھر کثیر پانی داخل ہو۔ ت) غنیہ میں اُن کے حکم کی تعلیل یوں فرمائی :

(قیل لیس بنجس) لکونہ کبیرا[2] الخ کما تقدم کل ذلک۔

(کہا گیا ہے کہ یہ نجس نہیں ہے) کیونکہ یہ بڑا ہے الخ جیسا کہ یہ سب کچھ پہلے گزرچکا ہے۔ (ت)

تو یہ اعتراض بھی اسی قول دوم پر رہا مگر یہ کہ اُن کا کلام مربّیہ باقیہ سے مخصوص کیا جائے۔ اب رہے وجوہ ثلٰثہ مذکورۂ بحث اول **اقول** وبہ استعین جو ظرف حبس وحفظ آب کے لیے ہو اُس میں پانی کی حرکت عرفاً جریان نہیں کہلاتی مشک کی تہ میں کٹورا بھر پانی ہو اُسے دہانہ باندھ کر زیرو بالا کیجئے کہ پانی اِدھر سے اُدھر اُدھر سے ادھر جائے اسے کوئی جاری ہونا نہ کہے گا۔ جب دہانے سے نکل کر بہے گا اب کہیں گے کہ پانی بہا یہاں سے تینوں وجوہ کا جواب ہوگیا کہ بطن ظرف میں متحرک کو عرفاً جاری نہیں کہتے اور مکان اور اس کی دیواریں کوئی ظرفِ آب نہیں اور نہر ظرف ہے مگر نہ ظرفِ حبس بلکہ محلِ جریان بخلاف تالاب اور حوض کے، اگرچہ کبیر ہو، تو بحمد اللہ تعالٰی قول جمہور ہی پر عرش تحقیق مستقر ہوا اور کیوں نہ ہو کہ :

العمل علی قول الاکثر ویداللہ علی الجماعۃ ھذا کلہ ما فاض علی قلب الفقیر، من فیض اللطیف الخبیر، مع تشتت البال، وتراکم البلبال، وھجوم الحساد، بانواع الفساد، واللہ المستعان، وعلیہ التکلان، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولٰی ونعم النصیر،

؎ عدت العادون وجاروا
درجوت اللہ مجیرا
وکفٰی باللہ ولیا
وکفٰی باللہ نصیرا

عمل اکثر کے قول پر ہی ہوتا ہے، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہی ہوتا ہے، یہ سب کچھ فقیر کے دل پر اُترا، مہربان باخبر خدا کے فیض کرم سے ہے، حالانکہ طبیعت پراگندہ اور پیہم مصائب میں گرفتار ہوں اور حاسدوں نے الگ کئی قسم کے فساد برپا کر رکھے ہیں اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاتا ہے اور طاقت وقوت اللہ ہی سے ملتی ہے جو بلند اور باعظمت ہے، ہمیں اللہ کافی ہے اور معتبر کارساز ہے، بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے دشمنوں نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ اور میں اللہ کے کرم کی امید کرتا ہوں حالتِ انکساری میں اور اللہ کافی کارساز ہے اور اللہ کافی مددگار ہے

[1] بزازیہ مع الہندیہ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸
[2] غنیۃ المستملی عشر فی عشر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

ومما **قلت** فيه صلى الله تعالى عليه وسلم
مستجيرا بذيله الاكرم ؏

رسول الله انت المستجار
فلا اخشى الاعادى كيف جاروا
بفضلك ارتجى ان عن قريب
تمزّق كيدهم والقوم باروا

وقلت ؏

رسول الله انت بعثت فينا
كريما رحمة حصنا حصينا
تخوفنى العدى كيدا متينا
اجرنى يا امان الخائفينا

ومما **قلت** قديما فى ربيع الآخر سنة الف وثلثمائة فرأيت الاجابة فوق العادة وفوق المطلب والارادة سريعا فى الساعة ولله الحمد ابدا وارجو مثله سرمدا

الحمد للمتوحد	بجلاله المتفرد
وصلاته دوما على	خير الانام محمد
والآل والاصحاب هم	مأواى عند شدائد
فالى العظيم توسلى	بكتابه وباحمد
وبمن[عله] اتى بكلامه	وبمن هدى وبمن هدى
وبطيبة وبمن ثوت	وبمنبر وبمسجد

میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں آپ کے دامن کی پناہ حاصل کرنے کے لیے یہ اشعار کہے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، تو اب مجھے دشمنوں کا کچھ خوف نہیں کہ وہ کیا ظلم ڈھائیں گے، مجھے آپ کے فضل سے امید ہے کہ عنقریب ان کا مکر پارہ پارہ ہوجائیگا اور وہ ہلاک ہوجائیں گے۔

اور عرض کیا ہے اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں مبعوث کئے گئے رحمت بنا کر اور مضبوط قلعہ بنا کر۔ مجھے دشمن اپنی مضبوط چالوں سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اے خوفزدہ لوگوں کی پناہ! مجھے پناہ دیجئے۔

اور اس سے پہلے ربیع الآخر ۱۳۰۰ھ میں کہا تھا تو امید سے فزوں تر حیرت انگیز طور پر میری مرادیں پوری ہوگئیں وللہ الحمد، خدا کرے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے۔

تمام تعریفیں خدائے یکتا کو سزاوار ہیں جو اپنے جلال میں یکتا ہے، اور اس کی رحمتیں مدام، بہترین مخلوق محمد پر نازل ہوں، اور آل و اصحاب پر، جو سختیوں میں میری پناہ گاہ ہیں، تو خداوند عظیم کی بارگاہ میں، میں وسیلہ لاتا ہوں، اس کی کتاب اور احمد کا۔ اور ان کا جو اللہ کے کلام کو

عله هو جبريل عليه الصلاة والسلام ونبينا صلى الله تعالى عليه وسلم وحملة القرآن من آله وصحبه وامته صلى الله تعالى عليه وعليهم وسلم ۱۲ منه غفرله (م)

اور وہ جبریل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حاملین قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، اصحاب اور امت میں سے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وبكل من وجد الرضا　من عند رب واجد
لاهمّ[1] قد هجم العدى　من كل شاذ ابعد
فى خيلهم ورجالهم　مع كل عاد معتد
هاوين زلة مثبت　باغين ذلة مهتد
لكن عبدك آمن　اذ من دعاك يؤيد
لا اختشى من باسهم　يد ناصرى اقوى يد
لاهمّ فادفع شرهم　وقنى مكيدة كائد
وادم صلاتك والسلا　م على الحبيب الاجود
والآل امطار الندا　والصحب سحب عوائد
ما غردت ورقاء على　بانٍ بخير مغرد
واجعل بها احمد رضا
عبدا بحرز السيد

والله تعالى وتبارك وصلى وسلم وبارك على المولى الكريم المبارك وآله وصحبه وابنه وحزبه صلاةً تحل العقد وتُجِلّ المدد وتقينا شر حاسد اذا حسد ومكر حاقد اذا حقد وضغائن اذا عتد بحرمة قل هو الله احد ○ الله الصمد ○ لم يلد ولم يولد ○ ولم يكن له كفوا احد ○ والحمد لله رب العالمين الى الابد والله سبحنه وتعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔

لائے اور جنھوں نے ہدایت دی اور جن سے ہدایت لی جاتی ہے، اور مدینہ منورہ کو اور ان کو جو مدینہ میں رہتے ہیں، اور منبر اور مسجد شریف کو اور ان تمام کو جنہیں خوشنودی میسر آئی رب کی جانب سے۔ اے اللہ! دشمنوں نے مجھ پر ہلّہ بول دیا ہے ہر دوری سے ان کے پیادوں اور ان کے سواروں نے، ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم نے، جو ثابت قدم کی لغزش کی امید کرتے ہیں، اور ہدایت یافتہ کی ذلت کے خواہاں ہیں، مگر آپ کا غلام بے خوف ہے کیونکہ جو آپ کو پکارتا ہے اس کی تائید کی جاتی ہے، میں ان کی طاقت وقوت سے خوفزدہ نہیں۔ میرے مددگار کا ہاتھ مضبوط تر ہے۔ یا اللہ! ان کے شر کو دفع کردے، اور مکار کے مکر سے مجھے بچالے، اور اپنے صلوٰۃ وسلام کو سخی تر حبیب پر ہمیشہ نازل فرما، اور اُن کی آل پر جو جُود وسخا کی بارش ہیں، اور اصحاب پر جو فوائد کے بادل ہیں، جب تک قمریاں بان کے درخت پر بہترین گانے گاتی رہیں۔

اور اس صلوٰۃ وسلام کے طفیل احمد رضا کو، آقا کا امان یافتہ غلام بنادے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ صلوٰۃ وسلام اور برکتیں نازل فرمائے آقا، کریم اور مبارک پر، اور ان کی آل واصحاب اور بیٹے اور ان کی جماعت پر، وہ صلوٰۃ جو گرہوں کو کھول دے اور مدد عطا کردے، اور ہمیں حاسدوں کے حسد سے اور کینہ پروروں کے کینوں سے اور سرکشوں کی شرارت سے بچادے بطفیل قل ہو اللہ احد الخ کے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (ت)

---

[1] لغة فى اللهم ۱۲ منه غفرله (م)

اَللّٰھُمَّ میں ایک لغت ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

فتوٰی مسمّٰی بہ

ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر[۱۳]
ابرباراں کا عطیہ زیادہ پانی کی گہرائی میں (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۵۴ ۴ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ کثیر کے لیے جو مثل جاری نجاست قبول نہ کرے کتنا عمق درکار ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھلے اس سے چُلّو مراد ہے یا لپ ، بیّنوا توجروا ۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اُس کے عمق میں گیارہ قول ہیں :

(۱) کچھ درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ اُتنی مساحت میں زمین کہیں کُھلی نہ ہو۔

(۲) بڑا درہم کہ ۴.۵ ماشے ہوتا ہے اُس کے عرض سے کچھ زیادہ گہرا ہو۔

(۳) اُس میں سے پانی ہاتھ سے اُٹھائیں تو زمین کُھل نہ جائے ۔

(۴) پانی لینے میں ہاتھ زمین کو نہ لگے ۔

اقول یہ اپنے سابق سے زائد ہے کما لایخفی ۔

(۵) ٹخنوں تک ہو۔

(۶) چار اُنگل کشادہ

اقول یہ تقریباً نو انگل یعنی تین گرہ ہوا۔

(۷) ایک بالشت

(۸) ایک ہاتھ

(۹) دو ہاتھ

(۱۰) سفید سکہ اس میں ڈال کر مرد کھڑے سے دیکھے تو روپیہ نظر نہ آئے۔

اقول یعنی پانی کی کثرت سے نہ کہ اس کی کدرت سے۔

(۱۱) اپنی طرف سے کوئی تعیین نہیں ناظر کی رائے پر موقوف ہے۔

اقول یعنی جو جتنے گہراؤ پر سمجھے کہ آب کثیر ہوگیا، اس کے حق میں وہ کثیر ہے دوسرا نہ سمجھے تو اس کے لیے قلیل ہے۔

اقول وھو غیر الاول فھو سلب لتقدیر وھذا تفویضہ الی رأی المبتلی بہ و بالجملۃ فالاول حکم العدم وھذا عدم الحکم فانقلت انما التفویض فی ظاھر الروایۃ فی الطول والعرض اذ بھما الخلوص وعدمہ وفیم یفوض الیہ النظر فی العمق۔

میں کہتا ہوں وہ اول کا غیر ہے تو وہ سلب تقدیر ہے، اور یہ اُسی شخص کی رائے کی طرف سپرد کرنا ہے جو اس میں مبتلا ہو، اور خلاصہ یہ ہے کہ پہلا حکمِ عدم ہے اور یہ عدمِ حکم ہے۔ تو اگر تم کہو کہ تفویض ظاہر روایت میں صرف طول وعرض میں ہے کیونکہ انہی دونوں سے خلوص اور عدمِ خلوص کا علم ہوتا ہے تو عمق میں اس کی رائے کی طرف کیونکر سپرد کیا جائے گا۔ (ت)

اقول اختلفوا فی معیار عدم الخلوص ھل ھو التحریك وھی الروایۃ المتفقۃ عن اصحابنا ام الصبغ وھو قول الامام ابی حفص الکبیر البخاری ام التکدیر وھو قول الامام ابی نصر محمد بن محمد بن سلام ام المساحۃ وھو قول الامام ابی سلیمٰن الجوزجانی الکل فی البدائع ولا شك ان التکدیر یختلف باختلاف العمق فلعل ھذا القائل قائل بھذا القول

میں کہتا ہوں عدمِ خلوص کے معیار میں اختلاف ہے کہ آیا وہ تحریک ہے اور یہی متفقہ روایت ہمارے اصحاب کی ہے، یا صرف رنگنا ہے اور یہی قول امام ابوحفص الکبیر بخاری کا ہے، یا گدلا کرنا ہے، اور یہ امام ابونصر محمد بن محمد بن سلام کا ہے، یا مساحت ہے اور یہ امام ابوسلیمان الجوزجانی کا قول ہے۔ یہ تمام تفصیل بدائع میں ہے، اور اس میں شک نہیں کہ گدلا کرنا گہرائی کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، اور غالباً یہ قائل اسی قول کی طرف

ففوضه الی رای الناظر واللہ تعالیٰ اعلم۔

مائل ہے اور اسی لیے انھوں نے اس معاملہ کو دیکھنے والوں کی رائے کی طرف سپرد کیا ہے۔ (ت)

ان میں قول سوم عامۂ کتب میں ہے اور اوّل و دوم و ہفتم و ہشتم بدائع و تبیین و فتح میں نقل فرمائے اور چہارم خانیہ و غنیہ پنجم جامع الرموز ششم غنیہ نیز مثل نہم و یازدہم قہستانی و نہم شرح نقایہ برجندی میں۔ ان میں صرف دو قول مصحح ہیں اول و سوم و بس۔

امارأیت فی جواھر الاخلاطی من قوله جمع الماء فی خندق له طول مثلا مائة ذراع وعرضه ذراع اوذراعان فی جنس ھذہ المسألة اقوال فی قول یجوز التوضی منه بغیر فصل وھو المأخوذ وفی قول لووقعت فیه نجاسة یتنجس من طوله عشرة اذرع وفی قول ان کان الماء مقدار مالوجعل فی حوض عرضه عشرة فی عشرة ملأ الحوض وصار عمقه قدر شبر یجوز التوضی به والافلا وھو الصحیح تیسیرا للامر علی الناس وقیل لایجوز التوضی فیه وان کان من بخاری الی سمرقند اھ[1]

جواہر الاخلاطی میں ہے کہ کسی شخص نے کسی خندق میں پانی جمع کیا جس کا طول سو ہاتھ اور چوڑائی ایک ہاتھ یا دو ہاتھ ہو، تو اس مسئلہ میں چند اقوال ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے وضو مطلقاً جائز ہے اور یہی قول ماخوذ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں نجاست گرجائے تو وہ لمبائی میں دس ہاتھ ناپاک ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں اتنا پانی ہے کہ اگر اس کو ایک ایسے حوض میں کرلیا جائے جس کی چوڑائی دہ در دہ ہو تو حوض بھر جائے، اور اس کی گہرائی ایک بالشت ہو، تب تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں اور یہی صحیح ہے کہ اس میں لوگوں پر آسانی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں اگرچہ وہ بخارا سے سمرقند تک ہو اھ۔ (ت)

فاقول قوله ھو الصحیح ناظرالی اعتبار المساحة وحدھا من دون اشتراط الامتدادین وبه یوافق تصحیحه الاول بقوله ھو المأخوذ لاالی اشتراط عمق شبر والدلیل علیه قول البرجندی قال

میں کہتا ہوں ان کا قول ھو الصحیح صرف پیمائش کو دیکھتے ہوئے ہے، دونوں امتدادوں کی اس میں شرط نہیں، اور اسی کی وجہ سے یہ ان کی پہلی تصحیح کے مطابق ہوجائیگا، وہ فرماتے ہیں یہی ماخوذ ہے، اس میں ایک بالشت کی گہرائی کی

---

[1] جواہر الاخلاطی

الامام ابو بکر الطرخانی اذا لم یکن له عرض صالح وکان طوله من بخاری الی سمرقند لا یجوز التوضی منه وقال محمد بن ابرهیم المیدانی انکان بحال لو جمع ماؤه یصیر عشرا فی عشر وصار عمقه بقدر شبر جاز التوضی به الکل فی الفتاوی الظهیریة وذکر فی الخلاصة ان الفقیه ابا اللیث اخذ به وعلیه اعتماد الصدر الشهید وفی الملتقط انکان عرض الغدیر ذراعین وبلغ طوله فی عرضه عشرا فی عشر فبال فیه انسان فالماء طاهر[1] اھ فانما الضمیر فی قوله اخذ به وقوله علیه اعتماد الی اعتبار المساحة ولو بالجمع والا لم تکن الحوالة رائجة لان عبارة الخلاصة فی جنس فی النهر هکذا ان کان الماء له طول وعمق ولیس له عرض کانهار بلخ انکان بحال لو جمع یصیر عشرا فی عشر یجوز التوضی به وهذا قول ابی سلیمان الجوزجانی وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه اعتماد الصدر الشهید وقال الامام ابو بکر الطرخانی لا یجوز وان کان من هنا الی سمرقند[2] اھ فلیس فیه ذکر العمق

شرط نہیں اور اس کی دلیل برجندی کا قول ہے "امام ابو بکر طرخانی نے فرمایا جب اس کی چوڑائی مناسب نہ ہو اور اس کی لمبائی خواہ بخاری سے سمرقند تک ہو تو اُس سے وضو جائز نہیں"، اور محمد بن ابراہیم میدانی نے فرمایا اگر حوض اتنا بڑا ہو کہ اگر اس کا پانی اکٹھا کیا جائے تو وہ دہ در دہ ہوجائے اور اس کی گہرائی بقدر ایک بالشت ہو تو اس سے وضو جائز ہے، یہ سب فتاوٰی ظہیریہ سے ماخوذ ہے اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید کا اعتماد ہے، اور ملتقط میں ہے کہ اگر تالاب کی چوڑائی دو ہاتھ ہو اور اس کی لمبائی چوڑائی میں دہ در دہ ہو اور اس میں کوئی انسان پیشاب کردے تو پانی پاک ہے اھ اور ضمیر ان کے قول اخذ بہ اور علیہ میں اعتبار مساحت کی طرف راجع ہے اگرچہ جمع کے اعتبار سے ہو ورنہ تو حوالہ رائج نہ ہوتا کیونکہ خلاصہ کی عبارت جنس فی النھر میں اس طرح ہے کہ اگر پانی کے لیے لمبائی گہرائی ہو اور چوڑائی نہ ہو جیسے بلخ کی نہریں ان میں کا پانی اگر جمع کر لیا جائے تو وُہ دَہ در دہ ہوجائے تو اُس سے وضو جائز ہے اور یہ ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے اور فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید کا اعتماد ہے، اور امام ابو بکر الطرخانی نے فرمایا جائز نہیں اگرچہ یہاں سے

---

[1] نقایۃ برجندی — کتاب الطہارت — نولکشور لکھنو ۱/۳۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی — جنس فی الانہار — ؍؍ ۱/۹

اصلا فضلا عن تقدیرہ بشبر کیف والامام الجوزجانی اخذ فی العمق بالقول الاول وھو نفی التقدیر کما قال فی البدائع اما العمق فھل یشترط مع الطول والعرض عن ابی سلیمان الجوزجانی انہ قال ان اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم اعتبروا البسط دون العمق[1] اھ فالمیدانی اخذ بقولہ فی اعتبار المساحۃ دون الامتدادین وزاد من عند نفسہ قدر العمق فنقلاہ فی الجواھر وشرح النقایۃ وذکرا تصحیحہ باعتبار اصلہ مع قطع النظر عن الزیادۃ لان المحل محل الخلافیۃ الاصل لاخلافیۃ العمق واللہ تعالٰی اعلم۔

سمرقند تک ہوا اس میں گہرائی کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بالشت کے اندازے کا ذکر ہو پھر امام جوزجانی نے گہرائی کے بابت پہلا قول ہی اختیار کیا ہے، جس میں اندازہ کو مطلقاً ترک کیا گیا ہے، بدائع میں فرمایا کہ گہرائی کی بابت سوال یہ ہے کہ اس کو طول و عرض کے ساتھ مشروط کیا جائے گا، ابوسلیمان الجوزجانی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہمارے اصحاب نے چوڑائی کا اعتبار کیا ہے گہرائی کا نہیں، اھ تو میدانی نے پیمائش میں ان کے قول کو لیا ہے کہ دو امتدادوں میں اور اپنی طرف سے انھوں نے گہرائی کی مقدار کا اضافہ کیا، تو ان دونوں نے اس کو جواہر اور شرح نقایہ میں ذکر کیا اور ان دونوں نے اس کی تصحیح اصل کے اعتبار سے کی ہے اور زیادتی سے قطع نظر کیا ہے، کیونکہ یہ محل ہے جس کے اصل میں اختلاف ہے نہ کہ جس کے عمق میں اختلاف ہے واللہ اعلم۔ (ت)

قول اول کی تصحیح امام زیلعی نے فرمائی،

قال فی التبیین والصحیح اذا اخذ الماء وجہ الارض یکفی ولا تقدیر فیہ فی ظاھر الروایۃ[2]۔

تبیین میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ جب زمین کی سطح پر پانی پھیل جائے تو وہ کافی ہے ظاہر الروایۃ میں کسی مقدار کا ذکر نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ھو الاوجہ لما عرف من اصل ابی حنیفۃ[3]۔

یہی اوجہ ہے جیسا کہ ابوحنیفہ کی اصل سے معلوم ہوا۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس تصحیح کی تضعیف کی فقال قیل والصحیح اذا اخذ

---

[1] بدائع الصنائع — المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۳

[2] تبیین الحقائق — بحث عشر فی عشر — بولاق مصر — ۱/۲۲

[3] بحرالرائق — " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۷

الماء الخ[1] (وہ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا صحیح یہ ہے کہ جب پانی لے الخ۔ ت)

اقول یہاں دو نظریں ہیں ایک بظاہر قوی اس قول کی تزییف میں دوسری کمال ضعیف اس کی تایید میں اور شاید اسی لیے امام ابن الہمام نے اس تصحیح کو ضعیف کیا مگر نظر دقیق اس کی قوت پر حاکم و باللہ التوفیق

اما التائید فلعل زاعما یزعم ان الکثیر قد الحق بالجاری فی کل حکم کما حققہ فی الفتح والجاری لاتقدیر فیہ للعمق کما دلت علیہ فروع کثیرۃ منہا مسألۃ المطر النازل علی سطح فیہ نجاسات فکذا ھھنا۔

اور جہاں تک تائید کا تعلق ہے شاید کوئی گمان کرنے والا گمان کرے کہ کثیر کو جاری کے حکم میں کیا گیا ہے تمام احکام میں، جیسا کہ اس کی تحقیق فتح میں ہے اور جاری کی گہرائی میں کوئی مقدار نہیں ہے، اور اس پر فروعِ کثیرہ دلالت کرتی ہیں ایک فرع ان میں سے یہ ہے کہ بارش چھت پر ہو اور وہاں مختلف نجاستیں ہوں تو یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

اقول ھب ان الکثیر ملحق بالجاری فی جمیع الاحکام لکن الکلام انہ متی یکون کثیرا فلا یمکن الالحاق قبل اثبات ان الکثرۃ لاتحتاج الی العمق الا تری ان الجاری لاتقدیر فیہ بشیئ من الطول ولا العرض کما دلت علیہ فروع جمۃ ذکرناھا فی رحب الساحۃ منہا الماء النازل من الابریق علی ید المستنجی قبل وصولہ الیہا ولا یلزم منہ عدم التقدیر بہما ھھنا ایضا فکذا العمق واللہ تعالٰی اعلم **واما التزییف** ففی الراکد الکثیر قولان معتمدان الاول ظاہر الروایۃ وھو اعتبار عدم الخلوص ظنا وتفویضہ الی رأی المبتلی بہ من دون تقدیر بشیئ ومعرف ذلک التحریک عند ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں مان لیا کہ کثیر تمام احکام میں جاری کے ساتھ ملحق ہے لیکن اصل گفتگو تو اس میں ہے کہ وہ کب کثیر ہوگا تو اس کو اس کے ساتھ ملحق کرنا اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ کثرت گہرائی کی محتاج نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جاری میں طول وعرض کا کوئی اندازہ نہیں، اس پر بہت سی فروع دلالت کرتی ہیں جن کا ذکر ہم نے رحب الساحۃ میں کیا، ایک فرع یہ ہے کہ لوٹے سے پانی استنجاء کرنے والے کے ہاتھ پر گرے اس تک پہنچنے سے قبل اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کا اندازہ نہ ہو یہاں بھی، تو عمق کا بھی یہی حال ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ اور تزییف کا بیان یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں دو معتمد قول ہیں پہلا ظاہر الروایۃ ہے اور وہ بطور گمان عدم خلوص کا اعتبار ہے اور اس میں کوئی مقدار نہیں بلکہ جو اس

[1] فتح القدیر بحث عشر فی عشر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

عنهم وهو بالتوضی علی الاصح والثانی معتمد
عامة المتأخرین وعلیه الفتوی وهو التقدیر
بعشر فی عشر اعنی مساحة مائة علی
الصحیح فعدم التقدیر الموافقُ لاصل
الامام رضی اللّٰه تعالی عنه انما هو علی الروایة
الاولی اما الاٰن فالکلام علی تقدیر التقدیر
فکیف یلاحظ فیه اصل عدم التقدیر کما
فعل البحر ام کیف یراعی فیه ظاهر الروایة
کما فعل الامام الفخر ونفس العشر فی عشر
لیست فی ظاهر الروایة۔

میں مبتلی ہے اس کی رائے پر چھوڑا گیا ہے اور اس
کی پہچان ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک حرکت دینا ہے
اور یہ حرکت اصح قول کے مطابق وضو سے ہوگی، اور
دوسرا قول عام متأخرین کا مختار ہے اور اسی پر
فتوٰی ہے، اور اس سے مراد دہ در دہ کی مقدار
ہے، یعنی سو ہاتھ کی پیمائش صحیح قول پر ہے،
اور اندازہ نہ ہونا جو امام کی اصل کے مطابق ہے وہ
پہلی روایت کے مطابق ہے، اور اب گفتگو مقدار
کی تقدیر پر ہے تو اس میں عدم تقدیر کی اصل کا لحاظ
کیسے ہوگا جیسا کہ بحر نے کیا ہے یا اس میں ظاہر روایۃ
کی رعایت کیسے ہوگی؟ جیسا کہ امام فخر نے کیا ہے جبکہ دہ در دہ ظاہر روایۃ میں کوئی قول نہیں۔ (ت)

اقول والتحقیق (ف۱) عندی ان التقدیر
بعشر فی عشر لیس حکما مختارا برأسه
فیحتاج (ف۲) الی ابداء اصل له کما تجشمه الامام
صدر الشریعة ویطعن (ف۳) فیه بانه لا یرجع
الی اصل فی الشرع کما قاله فی البحر و
تبعه فی الدر ویرد بمخالفته لقول الامام
الصحیح من کثیرین اعلام کما یتوهم
بل هو تقدیر منهم رحمنا اللّٰه تعالی بهم لما
فی ظاهر الروایة من عدم الخلوص وجدوا
هذا القدر لا یخلص فحکموا به قال فی
البدائع ذکر ابوداؤد ولا یکاد یصح لواحد
من الفریقین حدیث عن النبی صلی اللّٰه
تعالی علیه وسلم فی تقدیر الماء ولهذا
رجع اصحابنا فی التقدیر الی الدلائل

میں کہتا ہوں میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ
دہ در دہ کا اندازہ مستقل حکم نہیں ہے کہ اس کیلئے
کوئی اصل تلاش کرنا ہو، جیسا کہ صدر الشریعۃ
نے اس کی کوشش کی ہے، اور اس پر یہ اعتراض
کہ یہ چیز شریعت کی کسی اصل پر متفرع نہیں،
جیسا کہ بحر میں فرمایا اور دُر نے اس کی متابعت
کی، اور اسکو اس بنا پر رد کردیا جائے کہ یہ قول اکثر علماء کے مطابق امام
کے صحیح قول کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے
بلکہ یہ اُن کی طرف سے اندازہ ہے، کیونکہ ظاہر
روایت میں عدم خلوص ہے اور اس مقدار میں انہوں
نے خلوص نہ پایا تو انہوں نے اس پر یہ حکم لگایا۔
بدائع میں فرمایا ابوداؤد نے فرمایا کہ حضور اکرم
صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حدیث جو پانی کے
اندازہ سے متعلق ہے فریقین میں سے کسی کیلئے کوئی حدیث

الحسية دون السمعية ثم اختلفوا في تفسير الخلوص فاتفقت الروايات عن اصحابنا انه يعتبر بالتحريك وابو حفص الكبير اعتبر الخلوص بالصبغ وابو نصر بالتكدير والجوزجاني بالمساحة فقال ان كان عشرا في عشر فهو مما لا يخلص وان كان دونه فهو مما يخلص[1] اه فقد جعل هذا تفسيرا لما في المذهب و قال في الغنية تحت قوله الحوض اذا كان عشرا في عشر المقصود من هذا التقدير حصول غلبة الظن بعدم خلوص النجاسة[2] اه فاذا كان هذا تفسير ما في ظاهر الرواية وجبت رعايتها فيه وبقي عمقه على اصل الامام لان هذا انما هو تقدير ما لا يخلص وما لا يخلص لم يعتبر فيه عمق في ظاهر الرواية فلا داعي الى اعتباره هنا اللهم الا ان يثبت ان للعمق مدخلا في خلوص الحركة وعدمه ايضا فح يقال ان ظاهر الرواية حيث احالت الامر عليه ارسلت الامتدادات ارسالا وكان ذلك الواجب حينئذ اما انتم فقدرتم الامتدادين وليس ان كل عمق

صحیح نہیں، اوراسی لیے ہمارے اصحاب نے اندازہ میں دلائل حسیہ کی طرف رجوع کیا نہ کہ سمعیہ کی طرف اب خلوص کی تفسیر میں اختلاف ہے تو ہمارے اصحاب کی متفقہ روایت میں ہلانے کا اعتبار ہے اور ابو حفص کبیر نے خلوص رنگنے کو کہا اور ابو نصر نے گدلا ہونے کو کہا اور جوزجانی نے پیمائش کو کہا، فرمایا کہ اگروہ دہ در دہ ہو تو اس میں خلوص نہیں اور اگر اس سے کم ہے تو اس میں خلوص ہے اھ انہوں نے یہ مذہب کی تفسیر بنائی ہے غنیہ میں مصنف کے قول الحوض اذا کان عشرا فی عشر کے تحت ہے کہ اس تقدیر سے مقصود نجاست کے عدم خلوص کی بابت ظن غالب کا حصول ہے اھ اور جب یہ ظاہر روایت کی تفسیر ہے تو اس کی رعایت اس میں لازم ہے، اور امام کی اصل کے مطابق عمق باقی رہا کیونکہ یہ اسکی تقدیر ہے جس میں خلوص نہ ہو اور جس میں خلوص نہ ہو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس میں عمق معتبر نہیں، تو یہاں اس کے اعتبار کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اگر عمق کا دخل خلوصِ حرکت اور عدمِ خلوص میں ثابت کردیا جائے، تو اس وقت کہا جائیگا کہ ظاہر روایت نے جہاں معاملہ کا دارومدار اس پر رکھا ہے تو امتدادات کو مطلق رکھا ہے اور اس وقت یہی لازم تھا اور تم نے دونوں امتدادوں کی تقدیر کی ہے اور ان دونوں کے بعد ہر عمق برابر نہیں تو تم پر لازم ہے کہ ایک ایسے عمق کی تقدیر کرکر

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] غنیۃ المستملی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۸

بعدھما سواء فیجب علیکم تقدیر عمق لایقبل معه الامتداد ان الخلوص فافھم وح لایضاد القول الحادی عشر للقول الاول اذ ترك التقدیر فی ظاھر الروایة لایکون اذن لنفیه بل لعدم تعینه و اختلافه باختلاف الامتدادات فیصح التفویض الی رأی الناظر لکنه شیئ یحتاج الی ثبت ودونه خرط القتاد **بل یدفعه** ان لوکان کذلك لم یصح تعیین عشر فی عشر فانه یختلف الامتدادان المانعان للخلوص علی ھذا باختلاف الاعماق فکیف یجوز التحدید علی شیئ منھا وھو عود علی المقصود بالنقض فترجح ان الاوجه ھو ظاھر الروایة بل ھی الوجه ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ اس کے ہوتے ہوئے دونوں امتداد خلوص کو قبول نہ کریں فافہم، اس صورت میں گیارھواں قول پہلے قول کی ضد نہ ہوگا کہ ظاہر روایت میں تقدیر کا ترک کرنا اس کی نفی کے لیے نہ ہوگا بلکہ اس کی عدمِ تعیین کے لیے ہوگا اور اس کا اختلاف امتدادات کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا تو دیکھنے والے کی رائے کی طرف اس کو سپرد کرنا صحیح ہوگا، مگر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو دلیل کی ضرورت ہے حالانکہ اسکی دلیل مشکل ہے بلکہ اس کا رَد یہ ہے کہ اگر بات یہی ہوتی تو دہ در دہ کی تعیین صحیح نہ ہوتی، کیونکہ جو دو امتداد خلوص کے مانع ہیں اس بنا پر گہرائیوں کے اختلاف سے مختلف ہونگے تو ان میں سے کسی ایک کی تحدید کیونکر درست ہوگی اور یہ تو نقض کے سبب مقصود کی طرف عود کرنا ہے توراجح یہی قرار پایا کہ ظاہر روایت ہی درست ہے بلکہ صرف ایک یہی وجہ ہے ھذا ما عندی الخ (ت)

اس قول کی تصحیح امام زیلعی کے سوا دوسرے سے نظر میں نہیں'

اما ما فی البحر فی البدائع اذا اخذ ای الماء وجه الارض یکفی ولا تقدیر فیه فی ظاھر الروایة وھو الصحیح[1] اھ

اور جو بحر میں ہے کہ بدائع میں ہے جب پانی زمین کی سطح کو چھپا دے یہ اس کے لیے کافی ہے اور ظاہر الروایۃ میں کوئی تقدیر متعین نہیں، اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

فاقول ھذا کما تری کلام التبیین ولیس فی البدائع انما ذکر فیه عن الجوزجانی ما تقدم ثم قال وعن الفقیه ابی جعفر

میں کہتا ہوں یہ تبیین کا کلام ہے اور یہ بدائع میں نہیں اس میں تو جوزجانی سے جو منقول ہے وہ بیان ہوچکا ہے، پھر فرمایا فقیہ ابو جعفر

---

[1] بحرالرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

الهندوانی ان کان بحال لو رفع انسان الماء بکفیه انحسر اسفله ثم اتصل لا یتوضؤ[1] به ثم ذکر الزیادة علی عرض الدرهم و الشبر والذراع ولم یصحح شیئا منها نعم قال قبله فی الماء الجاری اختلف المشایخ فی حد الجریان قال بعضهم هو ان یجری بالتبن والورق وقال بعضهم ان کان بحیث لو وضع رجل یده فی الماء عرضا لم ینقطع جریانه فهو جار والا فلا وروی عن ابی یوسف انکان بحال لو اغترف انسان الماء بکفیه لم ینحسر وجه الارض بالاغتراف فهو جار والا فلا وقیل ما یعده الناس جاریا فهو جار ومالا فلا وهو اصح الاقاویل[2] اھ فقد افاد تصحیح عدم التقدیر بعمق لکنه فی الجاری وهو کذلک فیه بلا شك والکلام ههنا فی الراکد الکثیر

ہندوانی کہتے ہیں کہ اگر پانی ایسا ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو اسکی تہ کھل جائے پھر جُڑ جائے تو اُس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے، پھر درہم، بالشت اور ایک ہاتھ سے زائد کی چوڑائی کا ذکر کیا اور ان میں سے کسی کی تصحیح کا ذکر نہیں کیا ہاں اس سے قبل جاری پانی کی بابت کہا کہ مشایخ کا حدِ جریان میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ پانی میں چوڑائی میں ڈالے تو پانی کا جاری رہنا ختم نہ ہو تو وہ جاری ہے ورنہ نہیں (بعض نے فرمایا کہ اگر اس پانی میں کوئی تنکا ڈالا جائے یا پتہ ڈالا جائے تو بہالے جائے) اور ابویوسف سے مروی ہے کہ وہ ایسا پانی ہو کہ اگر کوئی شخص اس میں سے چُلّو بھر کر پانی لے تو زمین کھلنے نہ پائے، ایسا پانی جاری ہے ورنہ نہیں، ایک قول ہے کہ جس کو لوگ جاری سمجھیں وُہ جاری ہے اور جس کو جاری نہ سمجھیں وُہ جاری نہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے گہرائی کا تعین نہیں فرمایا، لیکن یہ جاری پانی میں ہے اور اس میں شک نہیں، اور گفتگو یہاں ٹھہرے ہوئے کثیر پانی میں ہے۔

اما قول البحر هو الاوجه فاقول هو رحمه الله تعالٰی مع علو کعبه الترجیح لیس من ارباب الترجیح کما یعرفه من رزق حظا من النظر الصحیح وخدمة هذا

لیکن بحر کا قول معقول تر ہے، میں کہتا ہوں وُہ بلندی مقام کے باوجود اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں جیسا کہ صاحبِ نظر اور فن کا ماہر جانتا ہے۔ ابن عابدین نے اپنی منظوم کی شرح عقود رسم المفتی میں بحر سے نقل کے

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[2] ایضاً ۱/۷۱

الفن بفكر نجيح۔ وقال سيدي محمد بن عابدين رحمه الله تعالى في شرح منظومته عقود رسم المفتي بعد ما نقل عن البحر فيما نقلوا عن اصحابنا انه لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا حتى يعلم من اين قلنا ان هذا الشرط كان في زمانهم اما في زماننا فيكتفي بالحفظ كما في القنية وغيرها فيحل الافتاء بقول الامام بل يجب وان لم نعلم من اين قال فينتج من هذا انه يجب علينا الافتاء بقول الامام وان افتى المشايخ بخلافه[1] اه مانصه يؤخذ من قول صاحب البحر يجب علينا الافتاء بقول الامام الخ انه نفسه ليس من اهل النظر في الدليل فاذا صحح قولا مخالفا لتصحيح غيره لا يعتبر فضلا عن الاستنباط والتخريج على القواعد خلافا لما ذكره البيري عند قول صاحب البحر في كتابه الاشباه النوع الاول معرفة القواعد التي ترد اليها وفرعوا الاحكام عليها وهي اصول الفقه في الحقيقة وبها يرتقي الفقيه الى درجة الاجتهاد ولو في الفتوى واكثر فروعه ظفرت به[2] الخ فقال البيري بعد ان عرف المجتهد في المذهب بما

بعد جو اصحاب سے نقل کیا وہ یہ کہ کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے تاوقتیکہ اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کے بعد فرمایا یہ اُن کے زمانہ میں تھا، مگر ہمارے زمانہ میں صرف یاد پر اکتفا کرنا کافی ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے تو امام کے قول پر فتوی حلال ہے بلکہ واجب ہے خواہ یہ معلوم نہ ہو کہ انھوں نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر قولِ امام پر فتوٰی دینا واجب ہے خواہ یہ قولِ مشایخ کے خلاف ہو اھ صاحبِ بحر کا قول یہ ہے" ہم پر قول امام پر فتوٰی واجب ہے الخ وہ خود دلیل میں غور و فکر کی اہلیت نہیں رکھتے، اب اگر وہ کسی قول کی تصحیح کریں جو غیر کی تصحیح کے خلاف ہو تو اعتبار نہ ہوگا چہ جائیکہ استنباط و تخریج جو قواعد کے مطابق ہو، بیری نے اس کے خلاف کیا ہے، یہ صاحب بحر کے اس قول کے پاس ہے جہاں وُہ اپنی کتاب 'الاشباہ' میں فرماتے ہیں' پہلی قسم اُن قواعد کی معرفت میں جن پر فقہا نے احکام متفرع کئے ہیں، اور یہی حقیقۃ میں اصولِ فقہ ہیں' اور ان کے ذریعہ فقیہ درجۂ اجتہاد تک پہنچتا ہے خواہ یہ اجتہاد فتوی میں ہو' اور اُس کی اکثر فروع پر مجھے کامیابی ہوتی ہے الخ بیری نے مجتہد فی المذہب کی تعریف کی جو ہم نے

---

[1] شرح المنظومۃ المسماۃ لعقود رسم المفتی من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۸

[2] الاشباہ والنظائر بکون ہذا النوع الثانی منہا ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۵

قد مناہ عنہ و فی ھذا الاشارة الی ان المؤلف قد بلغ ھذہ المرتبة فی الفتوٰی و زیادة وھو فی الحقیقة قد من اللہ تعالیٰ علیہ بالاطلاع علی خبایا الزوایا وکان من جملة الحفاظ المطلعین انتھی اذ لا یخفی ان ظفرہ باکثر فروع ھذا النوع لا یلزمہ منہ ان یکون لہ اھلیة النظر فی الادلة التی دل کلامہ فی البحر علی انھا لم تحصل لہ وعلی انھا شرط الاجتھاد فی المذھب فتامل اھ

بیان کی پھر فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ مصنف فتوی میں خود اس مرتبہ پر فائز ہے، بلکہ اس سے زیادہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اسرار و رموز پر مطلع فرمایا تھا اور وہ حفاظ میں سے تھے انتہی، یہ مخفی نہ رہے کہ اُن کا اس کی اکثر فروع پر مطلع ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ صاحبِ فکر و نظر بھی ہیں کہ یہ مقام ان کو حاصل نہیں، یہ مجتہد فی المذہب کی شرائط ہیں فتامل اھ (ت)

اقول ای بالمعنی الذی عرفہ بہ بیری زادہ[1] شاملا للمجتہد فی المسائل و اھل التخریج والمجتہد فی الفتوٰی حیث قال المجتہد فی المذھب عرف بانہ المتمکن من تخریج الوجوہ علی منصوص امامہ والمتبحر فی مذھب امامہ المتمکن من ترجیح قول لہ علی اٰخر اھ[2] لا المجتہد فی المذھب الذی ھی الطبقة الثانیة الفائقة علی الثلثة الباقیة لقول البحر ولو فی الفتوٰی۔

میں کہتا ہوں، یعنی اُس معنی کے اعتبار سے جو بیری زادہ نے کیے ہیں یہ مجتہد فی المسائل کو بھی شامل ہے اور اہلِ تخریج اور مجتہد فی الفتوی کو بھی، انھوں نے فرمایا کہ مجتہد فی المذہب کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ ایسا عالم ہوتا ہے جو اپنے امام کے بیان کردہ مسئلہ کی وجوہ کی تخریج پر قادر ہو، اور مذہبِ امام کا متبحر عالم ہو اس کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دے سکتا ہو، نہ کہ مجتہد فی المذہب، جو دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے جو باقی تین پر فائق ہوتا ہے، کیونکہ بحر نے فرمایا "اگرچہ فتوی میں۔" (ت)

واقول لم یدع البحران من عرف

میں کہتا ہوں بحر نے یہ دعوی نہیں کیا کہ جو

---

[1] بیری زادہ

[2] بیری زادہ

الفروع ارتقی الی مرتبۃ الاجتہاد واین جمعہا من اھلیۃ النظر فی الدلیل و الصید لہ من الطب وانما اراد ان تلک القواعد من ادرک حقا لفقہا وان الفروع کیف تستنبط منہا وترد الیہا کان ذلک سلما لہ یرتقی بہا الی ادنی درجات الاجتہاد ولم یدع ھذا لنفسہ انما ذکر الظفر باکثر الفروع فاین ھذا من ذاک والعجب کیف خفی ھذا علی العلامۃ بیری مع وضوحہ ثم ھو ایضا لم یشہد بحصول درجۃ الاجتہاد فی الفتوی لہ رحمہما اللہ تعالی انما زعم ان فی کلام البحر اشارۃ الیہ وشہد بکونہ من الحفاظ المطلعین وھذا لاشک فیہ وقد قال السید ابو السعود الازہری فی فتح اللہ المعین لا یعتمد علی فتاوی ابن نجیم ولا علی فتاوی

شخص بھی فروع کو جانے گا وہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہو جائے گا، فروع کا یاد کرنا اور ہے اور فکر و نظر چیزے دگر است، یہ بالکل ایسا ہے جیسے دوافروش اور طبیب کا فرق ہوتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان قواعد کو پہچاننے لگے اور اُن سے استنباطِ مسائل کا طریقہ معلوم کرلے، تو یہ اجتہاد کے ادنیٰ درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور انھوں نے خود اپنے لیے اس مقام کا دعوٰی نہیں کیا ہے انھوں نے تو محض یہ کہا ہے کہ وہ اکثر فروع کے جاننے میں کامیاب ہوئے ہیں دونوں میں بڑا فرق ہے تعجب ہے کہ یہ حقیقت علامہ بیری پر کیسے مخفی رہی، حالانکہ بالکل واضح ہے، پھر اُنھوں نے اپنے لیے درجۂ اجتہاد فی الفتوٰی کا دعوی کبھی نہیں کیا ہے رحمہما اللہ تعالٰی، صرف یہ کہا ہے کہ بحر کے کلام میں اس طرف اشارہ ہے اور انھوں نے اس امر کی شہادت دی ہے

---

[1] اقول کذا قال ولم اطلع علیہا لاعلم حالہا لکن قال فی کشف الظنون من الذال تحت ذخیرۃ الناظر فی الاشباہ والنظائر انہا للعالم الفاضل علی الطوری المصری الحنفی المتوفی سنۃ ۱۰۰۴ اربع والف ثم قال قال الامینی فی خلاصۃ الاثر اخذ عن الشیخ زین الدین بن نجیم وغیرہ حتی برع وتفنن والف مؤلفات ورسائل فی الفقہ کثیرۃ کان یفتی وفتاواہ جیدۃ

میں کہتا ہوں، انہوں نے یہی فرمایا ہے لیکن میں اس پر مطلع نہیں ہوا، مگر کشف الظنون میں ذال کی تختی میں ذخیرۃ الناظر فی الاشباہ والنظائر کے تحت ہے، کہ یہ کتاب عالم فاضل علی الطوری المصری الحنفی المتوفی ۱۰۰۴ھ کی ہے پھر انہوں نے کہا کہ امینی نے خلاصۃ الاثر میں کہا کہ انہوں نے شیخ زین الدین بن نجیم وغیرہ سے علم حاصل کیا یہاں تک کہ وہ عظیم المرتبت عالم ہو گئے اور علم فقہ میں بہت سی کتب و رسائل تصنیف کیے وہ فتوے دیتے تھے اور ان کے فتوے (باقی برصفحہ آئندہ)

الطوری[1] اھ واقرہ ش فی غیر موضع من رد المحتار وفی ط عنہ سمعت کثیرا من شیخنا (یرید اباہ السید علیا رحمہما اللہ تعالٰی) فتاوی الطوری کفتاوی الشیخ زین لایوثق بھما الا اذا تایدت بنقل اخر[2] اھ وکیف یصح لمجتھد فی الفتوے ان یمنع العمل بفتاواہ۔

کہ وہ حفاظ میں سے ہیں، اور اس میں شک کی گنجائش نہیں، ابوالسعود الازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا نہ تو ابن نجیم کے فتاوی پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی طوری کے فتاوی پر اھ اور اس کو "ش" نے برقرار رکھا یہ چیز ردالمحتار کے کئی مقامات پر مذکور ہے، اور "ط" میں انہی سے منقول ہے کہ ہم نے اپنے شیخ سے بکثرت سنا ہے (اس سے مراد ان کے باپ سید علی ہیں) وہ فرماتے تھے فتاوی طوری شیخ زین کے فتاوی کی طرح ہیں، ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر کسی اور نقل سے ان کی تائید ہوجائے تو اور بات ہے، اور ایک مجتہد فی الفتوٰی کو یہ بات کب زیب دے سکتی ہے کہ وہ اپنے فتوی پر عمل کی مخالفت کرے۔ (ت)

قول سوم کی ترجیح عامہ کتب میں ہے وقایہ[1] ونقایہ[2] واصلاح[3] وغرر[4] وملتقی[5] متون ووجیز[6] کردری وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا امام اجل قاضی خان[7] نے اسی کو مقدم رکھا اور امام اعظم سے امام ابو یوسف کی روایت بنایا ہدایہ[8] ودرر[9] ومجمع الانہر[10] ومسکین[11] ومراقی الفلاح[12] وہندیہ[13] میں اسی کو صحیح اور ذخیرۃ العقبٰی[14] میں اصح اور غیاثیہ[15] وغنیہ[16] وخزانۃ المفتین[17] میں مختار کہا معراج الدرایہ[18] وفتاوی ظہیریہ[19] وفتاوی خلاصہ[20] وجوہرہ نیرہ[21] وشلبیہ[22] وغیرہا میں علیہ الفتوٰی فرمایا اس قول میں عبارات علماء تین طور پر آئیں:

اول مطلق اغتراف یا غرف کہ ہاتھ سے پانی لینا ہے ایک سے ہو خواہ دونوں سے دونوں کو شامل ہے عام عبارات اسی طرح ہیں جیسے خانیہ وخزانہ کے سوا اکثر کتب مذکورہ اور بحر وشامی وغیرہا۔

دوم لفظ کف یا ید بصیغۂ مفرد سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں ہی مروی ہوا فتاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقبولۃ وبالجملۃ فھو فی فقہ الحنفیۃ الجامع الکبیر لہ الشھرۃ التامۃ فی عصرہ والصیت الذائع انتہی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

بہت عمدہ اور مقبول ہوتے تھے، خلاصہ یہ کہ یہ کتاب فقہ حنفی میں جامع ہے اور اسے اپنے زمانہ میں شہرت تام حاصل ہے۔ (ت)

---

[1] فتح المعین بحوالہ ردالمحتار رسم المفتی مصطفی البابی مصر ۱/۵۲

[2] طحطاوی

امام قاضی خان میں ہے:

انکان بحال لو رفع الماء بکفه لا ینحسر ما تحته من الارض فهو عمیق رواه ابویوسف عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنهما[1]

اگر پانی اس حال پر ہے کہ اگر ہتھیلی سے پانی اٹھائے تو زمین نیچے سے نہ کھلے تو وہ گہرائی والا ہے اس کو ابویوسف نے ابوحنیفہ سے روایت کیا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

وعمقه بحال لو رفع الماء بکفه لا ینحسر ما تحته من الارض وهو المختار[2]

پانی کی گہرائی یہ ہے کہ اگر ہتھیلی سے پانی اٹھائے زمین نیچے سے نہ کھلے یہی مختار ہے۔ (ت)

چلپی علی صدر الشریعۃ میں ہے:

والغرف اخذ الماء بالید للتوضی وهو الاصح[3]

غرف ہاتھ کے ذریعے وضو کے لیے پانی لینے کو کہتے ہیں اور یہی اصح ہے۔ (ت)

سوم کفین بصیغۂ تثنیہ یہ امام ابویوسف سے مروی آیا اور اسی کو امام فقیہ ابوجعفر ہندوانی نے اختیار فرمایا زیلعی علی الکنز میں ہے:

عن ابی یوسف اذا کان لا ینحسر وجه الارض بالاغتراف بکفیه فهو جار[4] اھ وقد مناه عن ملك العلماء واذا کان هذا فی الجاری حقیقة ففی الملحق[علہ]

اور ابویوسف سے مروی ہے کہ جب دو چلّو بھر کر پانی اٹھانے سے زمین کی سطح نہ کھلے تو یہ پانی جاری ہے اھ ہم اس کو ملک العلماء سے پہلے ہی نقل کر آئے ہیں، جب یہ بات حقیقی جاری پانی میں ہے تو

علہ اقول وهذا بخلاف ما فعل فی البحر فان تصحیح الاطلاق فی الجاری لا یستلزم تصحیحه فی الملحق به واشتراط العمق فیه یستلزم اشتراطه فی الملحق بالاولٰی ۱۲ منه غفر له۔ (م)

میں کہتا ہوں یہ اس کے خلاف ہے جو بحر میں کیا ہے کیونکہ جاری میں اطلاق کی تصحیح سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو جاری سے ملحق ہو اس میں بھی یہی تصحیح ہو گی اور گہرائی کی شرط اس میں اس امر کو مستلزم ہے کہ یہی شرط ملحق میں بھی ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] خزانۃ المفتین

[3] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الطہارۃ مطبعہ اسلامیہ لاہور ۱/۶۸

[4] تبیین الحقائق " مطبعہ الازہریہ مصر ۱/۳۳

بہ بالاولیٰ -

جو جاری پانی سے ملحق ہوگا اس میں بطریق اولیٰ ہوگی۔ (ت)

بدائع میں ہے:

عن الفقیہ ابی جعفر الہندوانی انہ ان کان بحال لو رفع انسان الماء بکفیہ انحسر اسفلہ ثم اتصل لایتوضوء بہ وان کان لاینحسر اسفلہ لاباس بالوضوء منہ[1]

فقیہ ابوجعفر ہندوانی سے منقول ہے کہ وہ پانی ایسا ہو کہ اگر کوئی اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو اسکے نیچے زمین کھل جائے اور پھر مل جائے، ایسے پانی سے وضو نہیں ہوگا اور اگر اس کے نیچے سے زمین نہ کھلتی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

بالغرفۃ ای برفع الماء بالکفین[2]

بالغرفۃ یعنی دو ہتھیلیوں سے پانی اٹھانا۔

عبدالحلیم الدرر میں ہے:

ای باخذ الماء بالکفین[3]

یعنی دو ہتھیلیوں میں پانی لینا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قولہ بالغرف منہ ای بالکفین کما فی القہستانی وفی الجوہرۃ علیہ الفتوی[4]

بالغرف منہ یعنی دو ہتھیلیوں سے، جیسا کہ قہستانی میں ہے اور جوہرہ میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

اقول ربما یتوھم منہ ان الفتوی علی الکفین ولیس کذلک فانما عبارۃ الجوھرۃ اما مقدار العمق فالاصح ان یکون بحال لاتنحسر الارض بالاغتراف وعلیہ الفتوی[5] اھ فکان ینبغی ان یقدم

میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے یہ وہم پیدا ہو کہ فتوی کفین پر ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ جوہرہ کی عبارت یہ ہے "اور گہرائی کی مقدار میں اصح یہ ہے کہ چلو بھرنے سے زمین نہ کھلتی ہو، اسی پر فتوٰی ہے اھ تو ان کو جوہرہ کی عبارت پہلے لانی چاہیے تھی

---

۱ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳
۲ جامع الرموز بحث عشر فی عشر الکریمیہ قران ایران ۱/۴۸
۳ حاشیۃ علی الدرر للعبد الحلیم مطبعہ عثمانیہ مصر ۱/۱۷
۴ طحطاوی علی مراقی الفلاح نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶
۵ الجوہرۃ النیرۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۶

عبارتہا ویقول قولہ بالغرف علیہ الفتوی جوھرۃ ای بالکفین قھستانی۔

اور یوں کہنا چاہئے تھا قولہ بالغرف علیہ الفتوی جوھرۃ یعنی بالکفین قہستانی۔ (ت)

علامہ برجندی نے کف واحد کو مرجح اور کفین کو محتمل رکھا:

حیث قال بالکف الواحد علی ماھو المفھوم من اطلاقات الکتب ویحتمل ان یکون المراد بالغرف الاخذ بالکفین معا علی ما ھو المتعارف[1] اھ

اس لیے فرمایا کہ بالکف الواحد، یہی کتابوں کے اطلاقات سے مفہوم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بالغرف سے مراد دونوں چلّوؤں سے لینا ہو، جیسا کہ متعارف ہے اھ (ت)

اقول وقد یؤخذ ترجیح لہ من فحوی الدرر فان نصھا الصحیح ان یکون بحیث لا تنکشف ارضہ بالغرف للتوضی وقیل للاغتسال[2] اھ وذلك لان المراد ھھنا الغرف بالایدی دون الاوانی ولا یظھر الفرق بین الغرف للوضوء والاغتسال بالایدی الا ان الاول بکف والاٰخر بالکفین کما ھو المعتاد فی الغسل وح یعود الیہ تصحیح ذخیرۃ العقبی المذکور ویزیدہ قوۃ انہ المروی عن الامام ھذا کلہ ظاھر النظر۔

میں کہتا ہوں کبھی اس کی ترجیح درر کے فحوی سے بھی معلوم ہوتی ہے اس کی عبارت یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وضوء کے لیے چلّو سے پانی لیتے وقت اس کی زمین نہ کھلتی ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ غسل کے لیے پانی لیتے ہوئے نہ کھلتی ہو اھ کیونکہ یہاں چُلّو سے مراد ہاتھ کا چلّو بھرنا ہے نہ کہ برتن کا چلّو، اور وضو کے لیے چلّو سے پانی لینے اور ہاتھ سے غسل کرنے میں صرف یہی فرق ہے کہ وضو ایک ہاتھ سے اور غسل دو ہاتھ سے ہوتا ہے، جیسا کہ عادتاً غسل میں کیا جاتا ہے اور اس وقت اس کے لیے ذخیرۃ العقبٰی کی تصحیح ہوگی، اور اس کو مزید تقویت اس سے ہوتی ہے کہ یہ امام سے مروی ہے یہ جو کچھ ہے ظاہر نظر میں ہے۔ (ت)

واقول وباللّٰہ التوفیق ترجیح علامہ برجندی میں نظر ہے،

اولاً اذا اعترف انہ المتعارف فلم لاینصرف المطلق الیہ۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہی متعارف ہے تو مطلق اسی کی طرف کیوں نہیں پھرتا۔ (ت)

ثانیاً وہ عند التحقیق منعکس ہے اطلاقات متون وعامہ کتب سے اعتراف کفین ہی مستفاد،

[1] قہستانی برجندی — کتاب الطہارۃ — نولکشور بالسرور ۱/۳۳

[2] الدرر — فرض الغسل — دار السعادۃ مصر ۱/۲۲

وذلك لان الغرف کما قلتم مطلق شامل باطلاقه الغرفة بکف وکفین غیرانه لیس ههنا فی کلام موجب بل سالب والمطلق وان کان یوجد بوجود فرد لاینتفی الا بانتفاء الافراد جمیعا فی التحریر ثم فواتح الرحموت من بحث النکرة المنفیة نفی المطلق یوجب نفی کل فرد اھ[1]

بل **اقول** اللام فی الغرف والاغتراف لیس للعهد ضرورة فانکان للاستغراق فذاك فانه لکل فرد لا لمجموع الافراد والافللجنس وهوالوجه المفهوم ونفی الجنس فی العرف واللغة لایکون الا بنفی جمیع الافراد[2] فواتح فافهم ولا شك ان من اغترف بکفیه فانحسرت الارض یقول انها ارض تنحسر بالغرف وانکانت لاتنحسر بکف واحدة واذا صدق به الانحسار لایصدق عدمه الا اذا لم تنحسر بشیئ من الغرفات وتوجیه الدرر بما مرفیه ان المعتاد فی الوضوء ایضا الاغتراف بالکفین فی غسل الوجه مطلقا وفی غسل الرجلین اذالم یکن بالغمس لاجرم ان اطلق البرجندی تعارفه علی

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا آپ نے کہا غرف مطلق ہے، خواہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے، البتہ یہ کلام موجب میں نہیں ہے کلام سالب میں ہے، اور مطلق اگرچہ ایک فرد کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے مگر اس کا انتفاء اسی وقت ہوگا جب تمام افراد کا انتفاء ہوگا تحریر میں پھر فواتح الرحموت میں نکرہ منفیہ کی بحث سے ہے کہ مطلق کی نفی ہر فرد کی نفی کو ثابت کرتی ہے۔ (ت)

بلکہ میں کہتا ہوں لام "الغرف" اور "الاغتراف" میں عہد کے لیے نہیں، اور اگر یہ استغراق کے لیے ہو تو درست ہے کہ وہ ہر فرد کے لیے ہے مجموعۂ افراد کے لیے نہیں، ورنہ یہ جنس کے لیے ہوگا، اور یہی جو سمجھ میں آتی ہے، اور جنس کی نفی عرف ولغت میں تمام افراد کی نفی سے ہی ہوتی ہے، فواتح فافہم اور اس میں شک نہیں کہ جس نے دونوں ہتھیلیوں سے پانی لیا اور زمین کھلی تو یہی کہا جائیگا کہ چلّو بھرنے سے زمین کھلی ہے، اگرچہ ایک ہتھیلی سے نہ کھلے اور جب اس کی وجہ سے کھلنا صادق آگیا تو نہ کھلنا صادق نہیں آئے گا، صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ کسی چلّو سے زمین نہ کھلے اور درر میں یہ توجیہ ہے کہ وضو میں بھی عام طور پر دونوں ہاتھ سے چلّو بھرا جاتا ہے چہرے کے دھونے میں مطلقاً اور دونوں پیروں کے دھونے میں جبکہ ڈبو کر نہ دھویا جائے، برجندی نے تعارف کو مطلق

---

[1] فواتح الرحموت بحث النکرۃ المنفیۃ مطبعۃ امیر قم ۱/۲۶۱

[2] ایضاً ۱/۲۶۰

اى لم ار من فرق ههنا بالوضوء والغسل انما المعروف ذلك فى معرفة الخلوص من جانب الى آخر بالتحريك ولم يتكلم عليه محشوه الشرنبلالى وعبد الحليم والحسن العجيمى والخادمى رحمهم الله تعالٰى ورده الثانى بقوله ان كلا منهما (اى من الوضوء والغسل محتاج الى اخذه بهما (اى باليدين) قال فظهر ان لاوجه لتضعيف الثانى اھ

رکھا ہے علاوہ ازیں میں نے نہیں دیکھا کہ یہاں کسی نے وضو اور غسل میں فرق کیا ہو، اس سلسلہ میں معروف یہ ہے کہ خلوص کی معرفت ایک جانب سے دُوسری جانب تک حرکت کے ذریعے ہوگی اس پر اس کے حاشیہ نگاروں، شرنبلالی، عبدالحلیم، حسن العجیمی اور خادمی رحمہم اللہ نے کلام نہیں کیا، اور دوسرے نے اس کی تردید اس طرح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک (یعنی غسل و وضوء میں سے) محتاج ہوتا ہے پانی کے لیے (دونوں ہاتھوں کی طرف) فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی تضعیف کی کوئی وجہ نہیں ہے اھ (ت)

اقول والوجه عندى ان يراد بالغرف للوضوء الغرف بالايدى وللغسل بالقصاع والاباريق والله تعالٰى اعلم اما المروى عن الامام فليس نصا فى الوحدة قال فى غمز العيون[2] اطلق اليد واراد اليدين لانه اذا كان الشيأن لايفترقان من خلق او غيره اجزأ من ذكرهما ذكر احدهما كالعين تقول كحلت عينى وانت تريد عينيك ومثل العينين المنخران والرجلان والخفان والنعلان تقول لبست خفى تريد خفيك كذا فى شرح الحماسة اھ وقد بسطت الكلام على هذا فى رسالتى صفائح اللجين فى

میں کہتا ہُوں میرے نزدیک وجہ یہ ہے کہ وضو کے لیے چلو بھر لینے سے مراد ہاتھوں سے چلو بھرنا مراد ہو اور غسل کے لیے پیالوں اور لوٹوں کے ذریعہ پانی کا لینا مراد ہو واللہ تعالٰی اعلم، اور جو چیز امام سے مروی ہے وہ وحدت میں نص نہیں ہے، غمز العیون میں فرمایا ید بول کر یدین کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ جو دو چیزیں پیدائشی طور پر جُڑی ہوئی ہوں یا کسی اور سبب سے تو ان میں سے ایک کا ذکر دوسری کے ذکر کو بھی کافی ہوگا، جیسے عین، کہا جاتا ہے کحلتُ عینی، اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں میں سُرمہ لگایا اور آنکھ کی طرح نتھنے، پیر، موزے اور جُوتے ہیں لبست خفی کہا جاتا ہے اور

---

[1] حاشیۃ علی الدرر للعبدالحلیم بحث عشر فی عشر عثمانیہ مصر ۱/۱۷

[2] غمز العیون مع الاشباہ الفن الاول قواعد کلیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹

کون التصافح بکفی الیدین ۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ہیں نے دونوں موزے پہنے ، کذا فی شرح الحماسۃ اھ ، میں نے اس پر مکمل تفصیلی گفتگو اپنے رسالہ "صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین" (چاندی کی تختیاں ، اس مسئلے میں کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے ۔ت) میں کی ہے ۔ (ت)

تو راجح یہی ہے کہ دونوں ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے ،

اوّلاً یہی متون کا مفاد

ثانیاً یہی عامہ کتب سے مستفاد

ثالثاً کتب متعددہ میں اُس پر تنصیص اور کف واحد پر کوئی نص نہیں ۔

رابعاً کف سے کفین مراد لے سکتے ہیں نہ بالعکس تو اس میں توفیق ہے اور وہ نصب خلاف سے اولٰی ۔

خامساً زمین نہ کھلنے سے مقصود یہ ہے کہ مساحت برقرار رہے ورنہ دو پانی جُدا ہو جائیں گے ۔

تبیین میں ہے :

المعتبر فی العمق ان یکون بحال لاینحسر بالاغتراف لانہ اذا انحسر ینقطع الماء بعضہ عن بعض ویصیر الماء فی مکانین وھو اختیار الھندوانی اھ ثم ذکر التصحیح الماس[1] ۔

گہرائی میں معتبر یہ ہے کہ وہ حوض ایسا ہو کہ چلّو بھرنے سے کُھل نہ جاتا ہو کیونکہ اگر کھلا تو پانی کا ایک حصہ دوسرے حصے سے جُدا ہو جائیگا ، اور پانی دو جگہوں میں ہو جائیگا ، ہندوانی نے اسی کو اختیار کیا ہے اھ پھر اس نے گزشتہ تصحیح کو ذکر کیا ہے ۔ (ت)

مثلاً حوض پورا دہ در دہ ہے اُس کے وسط میں سے پانی اٹھایا اور زمین کُھل گئی تو اُس وقت وہ کسی طرف دس ہاتھ نہیں بلکہ طول وعرض ہر ایک کے دو ٹکڑے ہو گئے ۔ ہر ٹکڑا پانچ ہاتھ سے بھی قدرے کم تو آب قلیل ہو گیا لہذا لازم ہوا کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلنے پائے اور اس کی ضرورت وضو وغسل دونوں کے لیے ہے بلکہ غسل کے لیے زاید ۔ ہدایہ میں فرمایا :

الحاجۃ الی الاغتسال فی الحیاض اشد منھا الی التوضی[2] ۔

حوضوں میں نہانے کی ضرورت بہ نسبت وضو کے زیادہ ہوتی ہے ۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق عشر فی عشر بولاق مصر ۱/۲۲

[2] الہدایۃ الغدیر العظیم مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۲۰

عنایہ میں فرمایا :

لان الوضوء یکون فی البیوت عادۃً[1] کیونکہ وضو عام طور پر گھر میں ہوتا ہے ۔ (ت)

اور شک نہیں کہ حوض یا تالاب میں نہاتے ہوئے پانی لپوں سے لیتے ہیں نہ چلّوؤں سے تو ضرور ہوا کہ دونوں ہی ہاتھ سے لینا مراد واللہ تعالٰی اعلم بالحق والسداد ۔

توفیق انیق وتحقیق دقیق بحسن التوفیق ، والحمد للہ علٰی تیسر الطریق ۔

اقول ، وباللہ استعین ، وھو نعم المعین ، یہ سب تنقید وتنقیح وتصحیح وترجیح اُس ظاہر خلاف پر تھی جو عبارات کتب سے مفہوم اور بعونہٖ عزّ جلالہ وعم نوالہ قلب فقیر پر القا ہوتا ہے کہ ان اقوال میں اصلاً خلاف نہیں قول اول کی نسبت ہم بیان کر آئے کہ وہی ظاہر الروایۃ اور وہی اقوی من حیث الدرایۃ ہے اور مذیل بطراز تصحیح بھی اور ظاہر الروایۃ اوجہ ومصحح سے عدول کی کوئی وجہ نہیں قول دیگر کہ عامہ کتب میں مختار ومرجح ومفتی بہ ہے اسی ظاہر الروایۃ پر متفرع اور اُسی کے حکم کے تحفظ کو ہے ظاہر ہے کہ مساحت معینہ ہو مثلاً دہ دردہ یا عدمِ خلوص پر مفوضہ بہرحال اُتنی مقدار میں پانی کا اتصال ضرور ورنہ وہ مساحت نہ رہے گی ولہذا ظاہر الروایۃ نے فرمایا کہ کہیں سے زمین کھُلی نہ ہو تو اُس قدر کا شرط کثرت ہونا بداہۃً ثابت ، مگر کثرت وقت استعمال چاہیے پہلے کثیر تھا اور استعمال کرتے وقت قلیل ہوگیا تو کثرت سابقہ کیا مفید ہوگی اب اس میں پانی لیتے ہوئے زمین اگر کھُل گئی تو ظاہر الروایۃ نے جو امر کثرت کے لیے شرط کیا تھا کب باقی رہا اتنی دیر کو پانی قلیل ہوگیا پہلے سے اگر نجاست پڑی تھی اور بوجہ کثرت مؤثر نہ ہوئی تھی اب قلیل ہوتے ہی مؤثر ہوگئی اور پھر پانی مل جانا طاہر نہ کردے گا کہ آب نجس کثیر ہوکر پاک نہیں ہوجاتا اور جن کے نزدیک مائے مستعمل نجس ہے پہلے سے کسی نجاست پڑی ہونے کی حاجت نہیں پہلے لپ کا پانی بدن پر ڈالا یہ مستعمل ونجس ہوکر پانی میں گرا دوبارہ لپ لیا پانی قلیل ہوکر اسی مائے مستعمل سے نجس ہوگیا ۔ یوں ہی جن کے نزدیک آبِ مستعمل اگرچہ پاک ہے مگر مائے مطلق سے اُس کا اختلاط مطلقاً اُسے ناقابلِ طہارت کردیتا ہے اگرچہ مغلوب ہو لہذا وقت اغتراف حفظ کثرت کے لیے یہ شرط لگائی کہ اغتراف آبِ کثیر سے ہو اُس وقت بھی ظاہر الروایۃ کا ارشاد یا اُخذ الماء وجد الارض صادق ہو کہ زمین کہیں سے کھلی نہ ہو تو یہ عمق شرط کثرت نہیں بلکہ وقت اغتراف شرط بقائے کثرت ۔

اس توفیق رفیق کے مؤیدات **اقول اولاً** خود یہی تبیینِ مبین تعلیل تبیین کہ اتنا عمق اس لیے رکھا گیا کہ پانی لیتے وقت زمین کھُل کر دو پانی نہ ہوجائیں کہ مساحت نہ رہے گی قلیل ہوجائیگا معلوم ہُوا کہ تا بقائے

---

[1] العنایۃ علٰی حاشیۃ فتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

مساحت کثیرہ ہے تفریق مساحت تقلیل کرے گی۔

ثانیاً اگر کثرت فی نفسہ اس پر موقوف ہو تو یہ شرط بھی کام نہ دے گی اور وقت اغتراف وہی وقت پیش آئے گی۔ شرط ہے تو ساری مساحت میں نہ کہ بعض میں، غیاثیہ میں ہے:

المختار ان لا ینحسر بالاغتراف مطلقا غیر مقید بکونہ من اعمق المواضع۔[1]

مختار یہ ہے کہ چلّو لینے سے زمین نیچے سے نہ کھلے مطلقاً اس میں زیادہ گہرا ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔ (ت)

اب کہ پانی لیا اور زمین کھلی تو نہیں مگر اُتنی جگہ صرف جو بھر عرض کا پانی رہ گیا تو اب کیا آب قلیل نہ ہوگیا کہ اتنی دیر ساری مساحت میں اُتنا عمق نہیں۔ ظاہر ہُوا کہ یہ عمق مطلوب نہ تھا بلکہ وہی زمین کا کہیں سے کھُلا نہ ہونا کہ وقت اغتراف یہی باقی رہے گا نہ وہ عمق۔

ثالثاً اسی پر شاہد ہے سیدنا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے وہ روایت کہ بدائع وتبیین سے گزری کہ خود جاری پانی میں بھی اتنا عمق شرط فرماتے ہیں یہ ہرگز نفس جریان کی شرط نہیں ہوسکتا کون عاقل کہے گا کہ مینہ کا پانی جو چھت یا زمین پر بہ رہا ہے جاری نہ ہوگا جب تک چار پانچ انگل دَل نہ ہوجائے امام ابویوسف کی شان اس سے ارفع واعلٰی ہے وہ قطعاً عرفاً وشرعاً ہر طرح جاری ہے اگرچہ صرف جَو بھر دَل ہو[عـہ] لاجرم کوئی شبہہ نہیں کہ یہ وقت اغتراف بقائے جریان کے لیے شرط فرماتی ہے کہ اگر پانی لیتے وقت زمین کھُل گئی دو پانی ہوگئے اور اس وقت جریان جاتا رہا کہ اُتنی دیر اُوپر کا پانی رک گیا اور نیچے کا مدد بالا سے منقطع ہوگیا اور ہم رسالہ رحب الساحۃ میں بیان کرچکے کہ جریان کے لیے مدد کا اشتراط بھی ایک قول مصحح ہے امام ابن الہمام نے اسی کو ترجیح دی اور یہی امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ کی کتاب تجنیس اور امام حسام الدین کے

عـہ بلکہ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

الجنب اذا قام فی المطر الشدید متجردا بعد ما تمضمض واستنشق حتی اغتسلت اعضاؤہ جاز لانہ جار یعنی ف جنب اگر کُلّی کرکے ناک میں پانی موضع فرض تک چڑھا کر زور کے مینہ میں ننگا کھڑا ہو کہ سارا بدن دُھل گیا غسل ہوگیا کہ مینہ جاری پانی ہے ظاہر ہے کہ مینہ کی دھاریں متفرق ہوتی ہیں اور اُن میں کوئی دھار آدھا انگل بھی دَل نہیں رکھتی بلکہ اکثر جَو بھر سے زیادہ نہیں ہوتا مگر وہ بلاخلاف جاری پانی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ باب المیاہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۵

واقعات سے مستفاد یہ روایت امام ابو یوسف اسی قول پر مبنی تو یہ شرط اس لیے فرمائی کہ پانی لیتے وقت بھی جاری رہے نہ کہ ہر جاری ہیں یہ عمق درکار یوں ہی یہاں نفس کثرت اس سے مشروط نہیں بلکہ وقت اغتراف کثیر رہنا وللہ الحمد۔

رابعاً اسی کے مؤید ہے وہ کہ ہمارے رسالہ رحب الساحۃ میں کتب کثیرہ جلیلہ معتمدہ سے منقول ہوا کہ بڑے تالاب کے بطن میں نجاستیں پڑی ہیں بارش کا پانی آیا اگر ان نجاستوں تک پہنچنے سے پہلے یہ پانی تالاب کے اندر دہ در دہ ہوگیا اُس کے بعد نجاستوں کی طرف بڑھ کر اُن سے ملا ناپاک نہ ہوا یوں سارا تالاب پاک رہے گا۔ ظاہر ہے کہ بڑھتے وقت ساری مساحت ہیں پانچ انگل دل ہونا ضرور نہیں بلکہ نادر ہے جس کا بیان اُسی رسالہ میں گزرا مگر اس کا لحاظ نہ فرمایا اور مطلقاً حکمِ طہارت دیا اس کا وہی مبنی ہے کہ فی نفسہٖ کثرت کے لیے دَل کی حاجت نہیں بالجملہ روشن ہوا کہ کثرت کے لیے صرف اس قدر درکار کہ مساحت بھر میں کوئی جگہ پانی سے کھلی نہ ہو یہی ظاہر الروایۃ و تصحیح اول ہے اسی بنا پر پانی لیتے وقت کثرت باقی رہنے کے لیے لازم کہ اُس سے زمین کھل نہ جائے ورنہ قلیل ہوجائے گا یہی مطلب عامۂ کتب و تصحیح دوم ہے۔

ثم اقول یہ توفیق انیق بعض فیصلے اور کرے گی۔

اوّل (ف ۱) اغتراف مطلق رہے گا جس طرح متون و ہدایہ و عامۂ کتب میں ہے کہ پانی فی نفسہٖ ہر طرح کثیر ہے مقصود اُس وقت زمین کا بالفعل نہ کھلنا ہے نہ کوئی صلاحیت عامہ تو چلو ہو یا لپ جس طرح پانی لیا اُس سے نہ کھلنا چاہیے اگرچہ دوسری طرح انکشاف ہوسکے بلکہ ہاتھ کی بھی تخصیص نہیں برتن سے لیں خواہ کسی سے اُس وقت زمین کھلے نہیں۔

دوم (ف ۲) ساری مساحت میں اس عمق کی حاجت نہیں صرف وہیں کافی ہے جہاں سے پانی لیا گیا۔

سوم (ف ۳) یہ شرط دہ در دہ میں فرمائی ہے پانی اگر اس درجہ کثیر ہے کہ جہاں سے لیا گیا اگر زمین کھل بھی جائے تو ہر طرف کا ٹکڑا دہ در دہ رہے تو کھلنا مضر نہ ہوگا کہ اگرچہ دو پانی ہوگئے مگر دونوں کثیر ہی ہیں۔

چہارم مذہب معتمد یہ ہے کہ آبِ مستعمل طاہر ہے اور آبِ مطلق میں اُس کا اختلاط مانع طہارت نہیں جب تک مقدار میں اُس سے زائد نہ ہوجائے اور آبِ قلیل کتنا ہی کثیر ہو بدن محدث اُس میں پڑنے سے سب مستعمل ہوجاتا ہے مگر بضرورتِ اغتراف ہاتھ ڈالنا معاف ہے یہ سب مسائل ہمارے رسائل (ف ۴) الطرس المعدل و النمیقۃ الانقی میں مبرہن ہوچکے تو وہ پانی جس میں سے وقتِ اغتراف زمین کھل کر اُس کے ٹکڑے دہ در دہ نہ رہیں اگر اس میں پہلے سے نجاست موجود تھی اس کھلنے سے ضرور ناپاک ہوجائیگا

یونہی اگرضرورت چلّو کی بھی اور لپ سے لیا سب پانی مستعمل ہوجائیگا کہ دُوسرا بے دُھلا ہاتھ بے ضرورت پڑا عام ازیں کہ چلّو سے کبھی زمین کھلتی یا نہیں اگر کہئے استعمال بعد انفصال ید ہوگا اور اس وقت انفصال آب ہوکر کثیر ہوجائیگا۔

اقول انفصال سے استعمال کی بعدیت ذاتیہ ہے کہ وہ علتِ استعمال کا جزءِ اخیر ہے تو تخلف محال اور اتصالِ آب کی بعدیت زمانیہ ہے کہ جتنی جگہ کھلی تھی بعد انفصال ید حرکتِ آب سے بھرے گی

لہ اقول ظہر بھذا التحقیق ان مسألۃ الخانیۃ وغیرھا من الکتب المعتمدۃ ان خرج الماء من النقب وانبسط علی وجہ الجمد بقدر مالو رفع الماء بکفہ لاینحسر ماتحتہ من الجمد جاز فیہ الوضوء والافلا اھ نقلھا فی الغنیۃ بالمعنی فاقام مقام جواز الوضوء فیہ وعدمہ فسادہ بوقوع المفسد وعدمہ ولیس کذلک عند التحقیق فانہ اذا کان کثیر المساحۃ لایفسد بوقوع شیئ مالم یتغیر اوینحسر بوقوعہ فیبقی ماءین قلیلین بخلاف الوضوء فیہ بغمس الاعضاء فانہ یفسد بہ مطلقا لان الفرض انہ ینحسر بالغرف فبالغمس اولی وبہ ظہر ان الاولی ترك النقل بالمعنی مطلقا فلربما یحصل بہ تغیر دقیق فی غایۃ الخفاء وباللہ التوفیق اھ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہُوں کہ ہماری اس تحقیق سے ظاہر ہوگیا کہ فتاوٰی خانیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں جو یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر پانی سوراخ سے نکلا اور منجمد پانی پر اتنا پھیل گیا کہ اگر کوئی شخص ہاتھ سے پانی اٹھائے تو نیچے کا جامد پانی منکشف نہیں ہوتا اس صورت میں اس پانی میں وضو کرنا جائز ہے ورنہ اس سے وضو جائز نہیں (اھ) اس مسئلے کو غنیہ میں معنًی نقل کرتے ہوئے وضو کے جواز اور عدمِ جواز کی جگہ پلیدی کے واقع ہونے سے اس پانی کے پلید ہونے اور نہ ہونے کو رکھ دیا حالانکہ تحقیق کی رُو سے اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جب پانی کی پیمائش زیادہ ہو تو کسی چیز کے واقع ہونے سے وہ فاسد نہیں ہوگا جب تک اس میں تغیر نہ آئے یا پلیدی کے گرنے سے نیچے کی سطح منکشف نہ ہوجائے، اس صورت میں پانی دو تھوڑے حصّوں میں تقسیم ہوجائیگا برخلاف اس صورت کے کہ اس پانی میں اعضاء ڈبو کر وضو کیا جائے تو اس سے پانی مطلقًا فاسد ہوجائیگا کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ چلّو میں پانی لینے سے نیچے کی سطح منکشف ہوجاتی ہے تو ڈبونے سے بطریق اولیٰ منکشف ہوجائیگی، اس بیان سے واضح ہوگیا کہ بہتر یہ ہے کہ مسئلہ معنًی مطلقًا نقل نہ کیا جائے، ورنہ اس سے بہت ہی پوشیدہ اور باریک فرق پیدا ہوجائے گا، اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ (ت)

اور حرکت تدریجیہ ہے تو بفور انفصال قبل اتصال حکم استعمال نازل ہوجائے گا فافہم اور اگر پہلے سے کوئی نجاست نہیں اور چلّو یا لپ حسبِ ضرورت لیا اور زمین کھل گئی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ وسط حوض میں جاکر پانی لیا ہو کہ اگرچہ زمین کھلنے سے پانی قلیل ہوگیا مگر ضرورت اغتراف تو مٹکے میں بھی معاف ہے جبکہ کوئی چھوٹا برتن پانی لینے کے لیے نہ ہو اور اس وقت اگرچہ اس کے پاؤں اُس قلیل پانی میں ہیں مگر اندر رہتے ہوئے دُھل چکے ہیں ہاں اُس زمین کے کھلتے وقت اسے حدث واقع ہو تو ضرور پاؤں کی وجہ سے سارا پانی مستعمل ہوجائے گا ان وجوہ کی لحاظ سے وہ شرط کی گئی تو ظاہر الروایۃ اور یہ قول مفتی بہ دونوں متوافق اور باہم اصل و فرع ہیں وللہ الحمد۔

هذا كله ما ظهر لكثير السيأت ؛ وبه تجتمع الكلمات ؛ وتندفع الشبهات ؛ والحمد لله واهب المرادات ؛ وصلى الله تعالٰى وسلم وبارك على مصحح الحسنات ؛ مقيل العثرات ؛ واٰله وصحبه الاكارم السادات ؛ وابنه وحزبه الاجلة الاثبات ؛ وعلينا معهم ؛ وبهم ولهم ؛ الى يوم يقوم حبيبنا فيه بالشفاعات ؛ عليه وعليهم الصلوات الزاكيات ؛ والتسليمات الناميات ؛ والتحيات المباركات ؛ اٰمين ؛ والحمد لله رب العٰلمين ؛ ومع ذلك لا اقول ان الحكم هذا انما اقول هذا ما ظهر لي فان كان صوابا فمن الوهاب الكريم وله الحمد وان كان خطأ فمني ومن الشيطان وانا ابرؤ الى الله منه والحمد لله رب العٰلمين والله تعالٰى اعلم

یہ تمام وہ ہے جو اس کثیر المعاصی پر ظاہر ہُوا اور اسی سے ائمہ کے ارشادات جمع ہوجاتے ہیں اور شبہات دفع ہوجاتے ہیں، تمام تعریفیں مرادیں دینے والے اللہ تعالٰی کے لیے، اور اللہ تعالٰی رحمتیں نازل فرمائے نیکیوں کے صحیح کرنے والے اور غلطیوں کو معاف فرمانے والے پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ ساداتِ کرام پر، اور آپ کے بیٹے اور جلیل القدر راسخ علم والی جماعت پر اور ان کے ساتھ ہم پر، ان کی بدولت اور ان کے وسیلے سے اس دن تک جب ہمارے حبیب شفاعتوں کے لیے کھڑے ہوں گے، ان پر اور ان کے تمام متبعین پر پاکیزہ رحمتیں، نشوونما پانے والے سلام اور بابرکت تحفے، آمین، سب تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لیے، اس کے باوجود میں یہ نہیں کہتا کہ حکم یہ ہے، میں تو صرف اتنا کہتا ہوں کہ یہ وُہ ہے جو مجھے ظاہر ہوا، اگر درست ہے تو اللہ تعالٰی وہاب کریم کی طرف سے اور اس کے لیے حمد ہے، اور اگر خطا ہے تو میری طرف سے اور شیطان سے ہے، میں اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں شیطان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، تمام تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لیے، اللہ بہتر جانتا ہے۔

بشارة ما تقدم من قول البحر ان العمل والفتوى ابدا بقول الامام الاعظم رضى الله تعالٰى عنه

بشارت: اس سے پہلے بحر کا جو قول بیان ہُوا کہ عمل

وان افتی المشایخ بخلافه اقره الشامی فی مواضع ونازعه فی مواضع وکنت اردت ان اذکر هذا البحث ثمه ثم رأیت ان الکلام یطول، ویقع بالاجنبی الفصل الطویل، فطویته ثمه، وافرزته بحمد الله تعالٰی رسالة مهمة، رأیت الحاقها ههنا اتماما للکلام، واسعافا بالمرام، وها هی ذه والحمد لله ولی الانعام۔

اور فتوٰی ہمیشہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتوٰی دیں، علامہ شامی نے متعدد مقامات میں اس قول کی تائید کی اور کئی جگہوں میں اس سے اختلاف کیا، میرا ارادہ تھا کہ اس بحث کو اس جگہ ذکر کرتا، پھر خیال ہوا کہ کلام طویل ہوجائے گا اور غیر متعلق گفتگو سے فاصلہ طویل ہوجائے گا، لہذا اس جگہ میں نے گفتگو سمیٹ لی اور بحمد اللہ تعالٰی اسے اہم رسالے کی صورت میں الگ کردیا، گفتگو کی تکمیل اور مقصد کے پورا کرنے کے لیے اس جگہ اس کے لاحق کرنے کا فیصلہ کیا، اور وہ رسالہ یہ ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی مالک انعام کے لیے۔ (ت)

(نوٹ: اصل کتاب میں یہاں رسالہ "اجلی الاعلام" تھا جسے رسم المفتی کے طور پر جلد اول میں شامل کردیا گیا ہے)

فتوٰی مسمّٰی بہ

النور والنورق[1] لاسفار الماء المطلق ۱۳۳۴ھ

(آبِ مطلق کا حکم روشن کرنے کے لئے نور اور رونق)

مسئلہ ۵۵ ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مطلق کہ وضوء وغسل کے لیے درکار ہے اُس کی کیا تعریف ہے آبِ مقید کسے کہتے ہیں بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للّٰہ الذی انزل من السماء ماء طھورا لیطھرنا بہ تطھیرا ۴ حمدا مطلقاً غیر مقید بعدد او امد دائما ابدا کثیرا کثیرا والصلاۃ والسلام علی الطیب الطاھر الطھور المطھر المفضل علی الخلق فضلا کبیرا ۴ وعلٰی الہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ما امطرت السحب ماء نمیرا امین اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے آسمان سے پاک پانی اتارا کہ اس کے ذریعے ہمیں پاک صاف کرے مطلق تعریفیں بغیر کسی قید عددی اور غائی کے ہمیشہ ہمیشہ بہت زیادہ اسی کے لیے ہیں طیب، طاہر، پاک کرنیوالے اور مخلوق پر فضیلت رکھنے والے پر اور آپ کے آل، اصحاب، بیٹے اور گروہ پر بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں جب تک بادل وافر پانی برساتے رہیں، آمین۔ اے اللہ ہمیں سچے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما۔ (ت)

یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت طول چاہتا ہے یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے۔ فقیر بتوفیق القدیر اوّلاً جزئیاتِ منصوصہ ذکر کرے ثانیاً تعریفِ مطلق ومقید کہ اصالۃً ضابطہ جامعہ کلیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لیے معیار ثالثاً ضوابط جزئیہ متون رابعاً ضوابط کلیۂ متاخرین خامساً جزئیات جدیدہ کے احکام وما توفیقی الا باللہ

---

[1] اگرچہ تمام مطبوعہ نسخوں میں لفظ "النورق" ہے مگر کتبِ لغت میں یہ لفظ نہیں ملا۔ میری رائے میں "الرونق" ہونا چاہئے اس سے عدد اور معنی دونوں درست رہتے ہیں۔ (دائم)

علیہ توکلت والیہ انیب۔

یوں یہ کلام پانچ فصل پر منقسم ہوا:

فصل اول جزئیات منصوصہ، اور وہ تین قسم ہیں:

قسم اول وہ پانی جن سے وضو صحیح[عـ۱] ہے:

(۱) مینہ، دریا، نہر، چشمے، جھرنے، جھیل، بڑے تالاب، کنویں کے پانی تو ظاہر ہیں بالخصوص قابلِ ذکر ماءِ مبارک زمزم شریف[عـ۲] ہے کہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک اُس سے وضو وغسل بلاکراہت جائز ہے اور ڈھیلے کے بعد استنجا مکروہ اور نجاست دھونا ممنوع۔ تنویر و درمختار میں ہے:

یرفع الحدث مطلقا بماء مطلق کماء سماء واودیۃ وعیون وابار وبحار وماء زمزم بلاکراھۃ وعن احمد یکرہ[۱]۔

حدث مطلق پانی سے رفع ہوتا ہے جیسے آسمان کا پانی، وادیوں، چشموں، کنووں، نہروں، سمندروں اور زمزم کا پانی، زمزم کے پانی سے رفع حدث بلاکراہت ہوتا ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک کراہت کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ت)

نیز درمیں ہے:

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال[۲]۔

زمزم کے پانی سے استنجاء مکروہ ہے غسل کرنا مکروہ نہیں۔ (ت)

شامی میں ہے:

وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک[۳] اھ۔

اور اسی طرح بدن یا کپڑے سے نجاست حقیقیہ کا دور کرنا، یہاں تک بعض علماء نے تو اس کو حرام تک لکھ دیا ہے اھ۔ (ت)

عـ۱ یعنی اُن سے طہارت کی جائے تو ہوجائے گی اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ اُس پانی کا استعمال مکروہ بلکہ حرام ہو جیسا کہ مفصلاً بیان ہوگا ۱۲ (م)

عـ۲ سب سے اعلیٰ سب سے افضل دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل، زمزم سے افضل، کوثر سے افضل وہ مبارک پانی ہے کہ بارہا براہِ اعجاز حضور انور سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا اور وضو کیا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل مگر اب وہ کہاں نصیب اور آگے ہر قسم کے پانی مذکور ہوں گے اُن کے سلسلے میں بلاضرورت اس کا نام لینا مناسب نہ جانا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[۱] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[۲] درمختار، آخر کتاب الحج، مجتبائی دہلی ۱/۱۸۴

[۳] ردالمحتار، آخر کتاب الحج، مصطفی البابی مصر ۲/۲۷۸

اقول مطلق الکراھۃ للتحریم و اطلاق الحرام علی المکروہ تحریما غیر بعید فلا خلف نعم اذا استنجی بالمدر فالصحیح انہ مطھر فلا یبقی الا اساءۃ ادب فیکرہ تنزیھا بخلاف الاغتسال ففرق بیّن بین القصد و الضمنی ھذا ما ظھر لی۔

میں کہتا ہوں مطلق کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے، اور حرام کا اطلاق مکروہ تحریمی پر کوئی بعید امر نہیں، تو کوئی مخالفت نہیں، ہاں اگر کسی نے ڈھیلے سے استنجا کرلیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ پاک کرنے والا ہے تو ایسی صورت میں صرف سوءِ ادبی رہے گی اور مکروہِ تنزیہی ہوگا بخلاف غسل کے تو ارادی اور ضمنی کاموں میں واضح فرق ہوتا ہے ہذا ما ظہر لی۔ (ت)

اقول یہ بھی دلیل واضح ہے کہ ہمارے ائمہ سے روایت صحیحہ طہارت مائے مستعمل ہے ورنہ غسل و استنجا میں فرق نہ ہوتا۔

(۲) سمندر کا پانی بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کہ اُس سے وضو نا جائز جانتے اور ہمارے ائمہ اور جمہور امت کا اُس سے جوازِ وضو پر اجماع ہے،

فی البحر وفی قولہ والبحر رد قول من قال ان ماء البحر لیس بماء، حتی حکی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ قال فی ماء البحر التیمم احب الی منہ کما نقلہ عنہ فی السراج الوھاج[1] اھ وقال السید ط فی حاشیۃ المراقی قال ابن سیدہ فی المحکم البحر الماء الکثیر ملحا او عذبا و غلب علی الملح فالتنصیص علیہ دفع لتوھم عدم جواز التطھیر بہ لانہ مر منتن کما توھم بعض الصحابۃ[2] اھ

اور اس کے قول والبحر میں اُن لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں "ماء البحر" پانی نہیں ہے یہاں تک کہ ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے سمندری پانی سے میرے نزدیک تیمم کرلینا زیادہ پسندیدہ عمل ہے، سراج الوہاج میں نقل کیا ہے، اور "ط" نے حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا کہ ابن سیدہ نے محکم میں فرمایا بحر سے مراد کثیر پانی ہے خواہ میٹھا ہو یا نمکین، لیکن عام طور پر اس کا استعمال نمکین کے لیے ہوتا ہے، اس کی تصریح اس وہم کو دفع کرنے کے لیے ہے کہ اس سے پاکی کا حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے جیسے کہ بعض صحابہ نے توہم کیا اھ

اقول ھذا اللفظ بعید عن الادب فلیجتنب قال وفی الخبر من لم یطھرہ ماء البحر فلا طھرہ اللہ[3] اھ

میں کہتا ہوں یہ لفظ بے ادبی کے ہیں، ان سے بچنا چاہئے، فرمایا ایک روایت میں ہے کہ جس کو سمندر کا پانی پاک نہ کرسکے تو خدا اسکو کبھی پاک نہ کرے (ت)

قلت رواہ الدارقطنی و البیھقی

میں کہتا ہوں اس کو دارقطنی اور بیہقی نے

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ بحث الماء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۶۶

[2] و [3] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی — نور محمد کارخانہ تجارت کراچی — ص ۱۳

كلاهما فى السنن بسند واه بدون لفظ ماء عن
ابى هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى
الله تعالى عليه وسلم فالاولى الاقتصار
على ما تمسك به شارحه اعنى العلامة
الشرنبلالى حيث قال لقوله صلى الله تعالى
عليه وسلم هو الطهور ماؤه الحل ميتته[1] اھ
قلت رواه احمد والاربعة
وابن حبان والحاكم عن ابى هريرة رضى الله
تعالى عنه بسند صحيح واحمد وابن ماجة
والاخيران والدارقطنى والطبرانى فى الكبير
عن جابر وابن ماجة عن ابى الفراسى و
الدارقطنى والحاكم عن على وعن ابن عمر و
وعبد الرزاق عن انس والدارقطنى عنه و
ايضا عن ابن عمر و ايضا عن جابر عن
ابى بكر الصديق وابنا مردويه والنجار عن
ابى الطفيل عن الصديق رضى الله تعالى عنهم
كلهم عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم
وفى اخرى لابن مردويه كالدارقطنى عن ابى
الطفيل عن الصديق من قوله ولعبد الرزاق
وابى بكر بن ابى شيبة عن عكرمة ان عمر
رضى الله تعالى عنه سئل عن الوضوء
من ماء البحر فقال سبحٰن الله فاى ماء
اطهر من ماء البحر وفى لفظ اطيب[2] و
لهذا وابن عبد الحكم فى فتوح مصر و
البيهقى عنه رضى الله تعالى عنه قال اغتسلوا

اپنی سنن میں کمزور سند سے روایت کیا، یہ ابوہریرہ
کی روایت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس میں ماء کا لفظ نہیں ہے
تو زیادہ بہتر ہے کہ اسی پر اکتفا کیا جائے
جس سے اسکے شارح نے استدلال کیا ہے، یعنی علامہ شرنبلالی
نے، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے
"سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردہ حلال" (ت)
میں کہتا ہوں اس کو احمد اور چاروں نے اور
ابن حبان، حاکم نے ابوہریرہ سے بسندِ صحیح روایت
کیا ہے اور احمد ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی
اور طبرانی نے کبیر میں جابر سے اور ابن ماجہ نے
ابوالفراسی سے اور دارقطنی اور حاکم نے علی سے اور
ابن عمرو سے اور عبدالرزاق نے انس سے اور دارقطنی نے
انس سے اور ابن عمرو سے نیز جابر سے ابوبکر صدیق سے اور
ابن مردویہ اور ابن نجار نے ابوالطفیل سے ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سب نے نبی پاک صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم سے، دوسری سند میں ابن مردویہ نے
دارقطنی کی طرح ابوالطفیل سے ابوبکر صدیق سے ان
کے قول سے۔ اور عبدالرزاق اور ابوبکر ابن ابی شیبہ
نے عکرمہ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ
سے سمندر سے وضوء کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ
نے فرمایا سبحان اللہ، سمندر کے پانی سے زیادہ
کون سا پاک ہے، اور ایک روایت میں اطیب کا لفظ
ہے اور ابوبکر ابن ابی شیبہ اور ابن عبدالحکم نے فتوح مصر
میں اور بیہقی نے اُن سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا
سمندر کے پانی سے غسل کرو کیونکہ وہ مبارک ہے

[1] مراقی الفلاح، بحث الماء البحر، ص ۱۳ مطبعہ ازہریہ مصر [2] مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من ماء البحر ۱/۹۵ مکتبۃ الاسلامی بیروت

من ماء البحر فانه مبارك[1] قال ط و من الناس
من كره الوضوء من البحر الملح[2] لحديث
ابن عمر انه صلى الله تعالى عليه وسلم
قال لا يركب البحر الا حاج او معتمر او غاز في
سبيل الله فان تحت البحر نارا او تحت النار
بحرا تفرد به ابوداؤد[3] اھ

اقول لم يتفرد به بل رواه قبله
سعيد بن منصور في سننه وآخرون الا
ان يريد التفرد من بين الستة ثم ليس هذا
حديث ابن عمر الفاروق رضي الله تعالى
عنهم انما رواه د عن مطرف هو ابن طريف
ثقة فاضل عن بشر ابي عبد الله هو الكندي
مجهول قال الذهبي لا يكاد يعرف[4] عن بشير
بن مسلم هو ابو عبد الله الكندي الكوفي مجهول
عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما
يعني ابن العاص قال خ لم يصح حديثه
واورده ابن حبان على قاعدته في ثقات
اتباع التابعين وقال روى عن رجل عن
ابن عمر والله تعالى اعلم[5] نعم في مسند

"ط" نے کہا کچھ لوگ نمکین سمندر سے وضو کو مکروہ
قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال ابن عمر رضی اللہ عنہ
کی حدیث سے ہے کہ سمندر میں صرف حاجی یا عمرہ
کرنے والا یا غازی سفر کرے غیر نہیں کیونکہ سمندر کے
نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے، اس کی
روایت میں ابوداؤد متفرد ہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں وہ متفرد نہیں ہیں بلکہ اُن سے قبل
اسی کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور دوسرے محدثین نے
روایت کیا ہے، ہاں چھ کے درمیان تفرد کا دعوٰی
ہو تو درست ہے۔ پھر یہ حدیث ابن عمر فاروق رضی اللہ
عنہما کی نہیں ہے اس کو "د" نے مطرف سے جو
ابن طریف ہیں روایت کیا اور وہ ثقہ ہیں فاضل ہیں،
بشر ابو عبد اللہ الکندی سے، یہ مجہول ہیں، ذہبی نے
کہا کوئی نہیں جانتا بشیر بن مسلم سے وہ ابو عبد اللہ الکندی
الکوفی مجہول ہیں، عبد اللہ بن عمرو سے یعنی ابن العاص
سے، "خ" نے کہا ان کی حدیث صحیح نہیں اور اس کو
ابن حبان نے اپنے قاعدہ کے مطابق اتباع تابعین
کے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا ایک شخص سے مروی
ہے ابن عمرو سے واللہ تعالٰی اعلم، ہاں مسند فردوس

۱؎ بحوالہ کنز العمال فصل فی المیاہ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۹/۵۷۲
۲؎ طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث الماء البحر مطبعہ ازہریہ مصریہ ص ۱۳
۳؎ " " " " " " "
۴؎ میزان الاعتدال بشر عبد اللہ بیروت ۱/۳۲۷
۵؎ " " بشیر بن مسلم " ۱/۳۲۹

الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما رفعہ تحت البحر نار و تحت النار بحر و تحت البحر نار[1] اھ و یمکن ان تکون فی قولہ تعالٰی والبحر المسجور اشارۃ الیہ واللہ تعالٰی اعلم قال ط وکان ابن عمر لایری جواز الوضوء بہ ولا الغسل عن جنابۃ[2] اھ

اقول یذکر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال ماء البحر لایجزئ من وضوء ولاجنابۃ ان تحت البحر نارا ثم ماء ثم نارا حتی عد سبعۃ ابحر وسبع انیار[3] ولم اقف لہ علی اصل فاللہ اعلم بہ وانما الذی فی الحلیۃ ان کون الطہارۃ جائزا بہذہ المیاہ سواء کانت عذبۃ او مالحۃ مما دل علیہ الکتب والسنۃ ولم یعرف فی شیئ منہا خلاف نعم نقل عن بعض الصحابۃ کراہۃ الوضوء بماء البحر منہم عبداللہ بن عمرو الجمہور علی عدم الکراہۃ[4] اھ وفی ہامش الانقرویۃ عن مختارات النوازل حکی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم انہما قالا الوضوء بماء البحر مکروہ[5]

میں ابن عمر سے مروی ہے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے اھ اس کو انھوں نے مرفوعاً روایت کیا، اور ممکن ہے کہ اللہ کے قول والبحر المسجور میں اس طرف اشارہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم "ط" نے فرمایا: ابن عمر سمندر سے وضو اور غسلِ جنابت کو جائز نہیں سمجھتے تھے اھ (ت)

میں کہتا ہوں ابن عمر سے یہ روایت منسوب ہے کہ سمندر کا پانی وضوء اور غسلِ جنابت کے لیے کافی نہیں بے شک سمندر کے نیچے آگ ہے پھر پانی پھر آگ ہے یہاں تک کہ انھوں نے سات سمندروں اور سات آگوں کا ذکر کیا، اور مجھے اس کی کسی اصل پر اطلاع نہیں ہے واللہ اعلم، حلیہ میں یہ ہے کہ ان پانیوں سے طہارۃ جائز ہے خواہ میٹھے ہوں یا نمکین ہوں، اس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی خلاف معروف نہیں، ہاں بعض صحابہ سے کراہت منقول ہے کہ ان سے وضو مکروہ ہے، اُن میں عبداللہ بن عمر بھی شامل ہیں، اور جمہور کا قول ہے کہ کراہت نہیں ہے اھ اور انقرویہ کے حواشی میں مختارات النوازل سے ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر سے مروی ہے کہ دونوں

---

[1] مسند فردوس

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳

[3] یذکر عن ابن عمر

[4] حلیہ

[5] علی حاشیۃ فتاوی انقرویہ بحث ماء البحر دار الاشاعۃ العربیہ قندھار ۱/۲

اھ قال ط وکذا روی ابی ھریرۃ اھـ[1]

اقول وھذا اعجب مع ما صح عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما سمعناک نعم فی البدائع روی عن ابی العالیۃ الریاحی انہ قال کنت فی جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفینۃ فی البحر فحضرت الصلاۃ ففنی ماؤھم ومعھم نبیذ التمر فتوضأ بعضھم بنبیذ التمر وکرہ التوضوء بماء البحر وتوضأ بعضھم بماء البحر وکرہ التوضوء بنبیذ التمر[عہ] وھذا حکایۃ الاجماع فان من کان یتوضوء بماء البحر کان یعتقد

حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے اھ ط[1] اسی طرح ابوہریرہ سے مروی ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں یہ زیادہ عجیب ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بروایت صحیح جو تھا وہ ہم نے نقل کیا، ہاں بدائع میں ابوالعالیۃ الریاحی سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سمندری سفر میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا کشتی والوں کے پاس پانی ختم ہوچکا تھا ان کے پاس شیرۂ کھجور تھا تو بعض نے اسی سے وضو کرلیا اور سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ سمجھا اور بعض نے سمندر کے پانی سے وضو کرلیا، یہ اجماع کی حکایت ہے کیونکہ جو حضرات سمندر کے پانی سے وضو کر رہے تھے تو وہ اس کے پانی سے وضو کے جواز کے قائل تھے اور انہوں نے

عہ اقول لم یبلغ فھمی القاصر کیف کان ھذا حکایۃ الاجماع علی جواز الوضوء بنبیذ التمر عند عدم الماء فان من توضأ بماء البحر جاز ان لم یر الوضوء بالنبیذ فی الحالۃ الراھنۃ لوجود الماء وجاز ان لم یر الوضوء بہ اصلا حتی لو وجدہ وعدم الماء تیمم کما ھو المفتی بہ عندنا والکراھۃ فی عرف السلف لا یدل علی الجواز ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں کہتا ہوں میری ناقص سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ اجماع کیونکر ہوگیا کہ پانی نہ ہونے کے وقت نبیذ تمر سے وضو جائز ہے، کیونکہ جن حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو، کیا ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالت میں نبیذ تمر سے وضوء کو جائز نہ سمجھتے ہوں کیونکہ پانی موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نبیذ تمر سے وضوء کو بالکل جائز نہ سمجھتے ہوں یہاں تک کہ اگر نبیذ موجود ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمم کے قائل ہوں جیسا کہ یہ ہمارے نزدیک مفتی بہ ہے اور سلف کی عرف میں کراہت جواز پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ (ت)

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳

جواز التوضؤ بماء البحر فلم یتوضأ بنبیذ التمر لکونه واحدا للماء المطلق ومن کان یتوضؤ بالنبیذ کان لایری ماء البحر طھورا اوکان یقول ھوماء سخطة ونقمة کانه لم یبلغه قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی صفة البحر ھو الطھور ماؤہ الحل میتته فتوضأ بنبیذ التمر لکونه عادما للماء الطاھر[1] اھ فھذا ما ابداہ احتمالا وانما لفظ الروایة ما سمعت۔

نبیذ تمر سے وضوء اس لیے نہ کیا کہ انھوں نے ماءِ مطلق کو پایا اور جو نبیذ تمر سے وضوء کررہے تھے وہ سمندر کے پانی کو طھور نہیں سمجھتے تھے، یا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ پانی ناراضگی اور عذاب کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے شاید ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے تو پانی نہ ہونے کی صورت میں انھوں نے نبیذ تمر سے وضو کیا اھ تو یہ انھوں نے بطور احتمال فرمایا ورنہ روایت کے الفاظ وہ ہیں جو آپ نے سُنے۔(ت)

اقول ویجوز ان یکونوا معتقدین جواز الوضوء بھما اذا کان الماء غالبا فی النبیذ کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی فمن توضأ منه کرہ التوضؤ بماء البحر کراھة تنزیه ولم یشك ان النبیذ الذی عندہ ماؤہ غالب ومن توضأ بماء البحر شك فی النبیذ الذی عندہ فکرہ التوضؤ به کراھة امتناع وتوضأ بماء البحر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں سے وضوء کے جواز کے قائل ہوں جبکہ نبیذ پر پانی غالب ہو، جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا، تو جس نے اس سے وضو کیا اس نے سمندری پانی سے وضوء کو مکروہ تنزیہی سمجھا اور اسے اس میں شک نہیں جانا کہ جو نبیذ اس کے پاس ہے اس کا پانی غالب ہے اور جس نے سمندری پانی سے وضو کیا اس کو اس نبیذ میں شک تھا جو اس کے پاس موجود تھا تو اس نے بطور کراہتِ تحریمی اس سے وضوء نہ کیا اور سمندری پانی سے وضو کرلیا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳ و ۴) پالا اولے جب پگھل کر پانی ہوجائیں کہ یہ بھی وہی آسمانی پانی ہیں کہ کُرۂ زمہریر کی سردی سے

[عه] ھکذا فی نسختی البدائع وکانھا زلة من قلم الناسخ والوجه الطھور ۱۲ منه غفرله (م)

میرے پاس بدائع کا جو نسخہ ہے اس میں اسی طرح ہے شاید کاتب نے غلط لکھ دیا مناسب الطھور ہے۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶

یخ بستہ ہوگیا،

فی الدر یرفع الحدث بماء مطلق کثلج مذاب وبرد وجمد وندی[1] اھ وفی البحر والنھر وعن ابی یوسف یجوز وان لم یکن متقاطرا والصحیح ولفظ النھر الاصح قولھما[2] اھ ونسبہ فی جامع الرموز للصاحبین حیث قال لایتوضؤ بالثلج الا اذا تقاطر وعن الصاحبین انہ یتوضؤ بہ والاول ھو الصحیح کما فی الظھیریۃ[3] اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشہ **اقول** لیس ھذا محل خلاف وتصحیح اذ لا وضوء الا بالغسل ولا غسل الا بالاسالۃ ولا اسالۃ الا بالتقاطر فھو المراد اھ ماکتبت علیہ **اقول** نعم یروی عن الثانی ان الغسل بل المحل وان لم یسل[4] کما فی البحر وھذا لا یختص بالثلج والبرد وقدمنا فی تبیان الوضوء ان مرادہ سال من العضو قطرۃ او قطرتان ولم یتدارک فلا خلاف[5] قال ش الظاھر ان معنی لم یتدارک لم یقطر علی الفور بان قطر بعد مھلۃ[6] اھ

دُر میں ہے حدث کو دُور کیا جاسکتا ہے مطلق پانی سے جیسے برف یا اولوں کا پگھلا ہُوا پانی، منجمد پانی یا تری اھ اور بحر و نہر میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ وضو جائز ہے اگرچہ ٹپکنے والا نہ ہو یہ صحیح ہے اور لفظ نہر اصح ہے ان دونوں کا قول اھ اور جامع الرموز میں اس کو صاحبین کی طرف منسوب کیا ہے، فرمایا کہ برف سے اس وقت تک وضو نہ کرے جب تک وہ ٹپکنے نہ لگے اور صاحبین سے مروی ہے کہ اس سے وضو کرے، اور پہلا ہی صحیح ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اھ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ یہ محل خلاف اور تصحیح نہیں ہے کیونکہ دھوئے بغیر تو وضو ہو نہیں سکتا ہے اور دھونا بہائے بغیر نہ ہوگا اور بہانا بغیر تقاطر کے نہ ہوگا، اور یہی مراد ہے اھ میں کہتا ہوں ہاں دوسرے امام سے یہ مروی ہے کہ دھونا جگہ کے تر کرنے کو کہتے ہیں خواہ نہ بہے، جیسا کہ بحر میں ہے اور یہ چیز برف اور اولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے اور ہم نے تبیان الوضوء میں بیان کیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ عضو سے ایک یا دو قطرے بہہ جائیں

---

[1] الدر المختار — باب المیاہ — مجتبائی دہلی — ۱/۳۴
[2] بحر الرائق — آخر الماء البحر — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۶۷
[3] جامع الرموز — بحث الماء السماء — مطبعہ کریمیہ قزان ایران — ۱/۴۶
[4] بحر الرائق — فرض الوضوء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۱
[5] و [6] رد المحتار — فرض الوضوء — البابی مصر — ۱/۷۱

اور تدارک نہ ہو اس میں اختلاف نہیں "ش" نے فرمایا کہ لم یتدارک کے معنی یہ ہیں کہ فوراً قطرات نہ بہیں، بلکہ مہلت کے بعد قطرات بہیں اھ (ت)

اقول بل الظاھر ان المعنی لم تتتابع القطر کثرۃ یقال تدارک القوم ای تلاحقوا ومنہ قولہ تعالٰی حتی اذا ادارکوا فیھا کما فی الصحاح[1] ومعلوم انہ لم یثبت الفور فی دخول طائفۃ منھم بعد اخری واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ قطرات کثرت سے نہ بہیں، کہتے ہیں "تدارک القوم" یعنی ایک دوسرے سے ملے اور اسی سے فرمانِ الٰہی ہے "حتی اذا ادارکوا فیھا" صحاح میں بھی ایسا ہی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کا دوسری جماعت کے فوراً بعد داخل ہونا مراد نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۵) یوں ہی کل کا برف جب پگھل جائے کہ وہ بھی پانی ہی تھا کہ گیس کی ہوا سے جم گیا ومر عن الدر وجمد وھو محرکا الماء الجامد ط عن ح عن القاموس (اور دُر سے گزرا ہے کہ الجَمَد حرکت کے ساتھ جما ہوا پانی (برف) ہے یہ ط سے ح سے قاموس سے ہے۔ ت)

(۶) شبنم

اقول یعنی جبکہ پتّوں پھولوں پر سے یا بھیلے ہوئے کپڑے نچوڑ کر اتنی جمع کر لی جائے کہ کسی عضو یا بقیہ عضو کو دھو دے مثلاً روپے بھر جگہ پاؤں میں باقی ہے اور پانی ختم ہوگیا اور شبنم جمع کئے سے اتنی مل سکتی ہے کہ اُس جگہ پر بہ جائے تو تیمم جائز نہ ہوگا یا اوس میں سر برہنہ بیٹھا اور اس سے سر بھیگ گیا مسح ہوگیا اگر ہاتھ نہ پھیرے گا وضو ہو جائے گا اگرچہ سنّت ترک ہُوئی یوں ہی شبنم سے تر گھاس میں موزے پہنے چلنے سے موزوں کا مسح ادا ہو جائے گا جبکہ شبنم سے ہر موزہ ہاتھ کی چھنگلیا کے طول وعرض کے سہ چند بھیگ جائے۔

ومر عن الدر وندا قال ش قال فی الامداد وھو الطل وھو ماء علی الصحیح وقیل نفس دابۃ اھ[2]

اور دُر سے گزرا "ندًا" "ش" نے امداد میں کہا یہ شبنم ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ پانی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چوپائے کا سانس ہے۔ (ت)

---

[1] صحاح الجوہری   درک بیروت   ۴/ ۱۵۸۲

[2] ردالمحتار   باب المیاہ   البابی مصر   ۱/ ۱۳۲

اقول لا اعلوله اصلا ولوکان کذا لم یجز الوضوء بہ لانہ لیس بماء ولوجاز بہ لکان ریق الانسان وعرقہ احق بالجواز ثم رأیت فی مسح الخفین من الفتح ولا فرق بین حصول ذٰلک بیدہ او باصابۃ مطر او من حشیش مشی فیہ مبتل ولو بالطل علی الاصح وقیل لایجوز بالطل لانہ نفس دابۃ لاماء ولیس بصحیح[1] اھ۔

میں کہتا ہُوں مجھے اس کی اصل معلوم نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے ساتھ وضوء جائز نہ ہوتا کیونکہ وہ پانی نہیں اور اگر اس سے وضو جائز ہوتا تو انسان کے تھوک اور پسینہ سے بطریق اولٰی جائز ہوتا، پھر فتح کے مسح علی الخفین میں ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ ہاتھ سے ہو یا بارش کی وجہ سے ہو یا تر گھاس میں چلنے کی وجہ سے ہو یا شبنم سے ہو اصح قول کے مطابق، اور ایک قول یہ ہے کہ شبنم سے جائز نہیں کیونکہ وہ چوپائے کا سانس ہے، پانی نہیں، اور یہ صحیح نہیں اھ (ت)

(۷) زلال

اقول لغۃً وعرفاً مشہور یہی ہے کہ زلال میٹھے ٹھنڈے ہلکے خوشگوار صاف خالص پانی کو کہتے ہیں،

فی القاموس ماء زلال کغراب و امیر وصبور وعلابط سریع المر فی الحلق بارد عذب صاف سھل سلس[2] اھ ولم یعرج علی معنی غیرہ وفی صحاح الجوھری ماء زلال ای عذب[3] اھ وفی حیاۃ الحیوان الکبری المشھور علی الالسنۃ ان الزلال ھو الماء البارد[4]۔

قاموس میں ہے ماء زلال، زلال غراب کے وزن پر بھی آتا ہے اور امیر، صبور اور عُلابط کے وزن پر بھی (یعنی زیل زُلول زلازِل) اس پانی کو کہا جاتا ہے جو حلق سے بآسانی گزرے اور ٹھنڈا، میٹھا، صاف، لطیف اور رواں ہو اھ اور اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں بتائے، اور صحاح جوہری میں ماء زلال یعنی میٹھا اھ اور حیوۃ الحیوان میں ہے زبانوں پر مشہور یہ ہے کہ زلال ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں (ت)

---

[1] فتح القدیر مسح الخفین رضویہ سکھر ۱/۱۳۲
[2] القاموس المحیط (زللت) مصطفی البابی مصر ۳/۴۰۰
[3] صحاح الجوہری (زلل) بیروت ۴/۱۷۱۸
[4] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۷

اس تقدیر پر تو اس کے شمار کی کوئی وجہ نہیں مگر علامہ شامی نے امام ابن حجر مکی سے نقل کیا کہ برف میں ایک چیز جانور کی شکل پر ہوتی ہے اور حقیقۃً جانور نہیں اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے،

حیث قال عقیب ذکر الطل اقول وکذا الزلال قال ابن حجر وھو مایخرج من جوف صورۃ توجد فی نحو الثلج کالحیوان ولیست بحیوان[1]

انھوں نے طل کے ذکر کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں اور اسی طرح "زلال" ہے، ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ برف میں حیوانی شکل کی ایک چیز پائی جاتی ہے جو دراصل حیوان نہیں ہوتی ہے اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے۔ (ت)

اقول یہ اگر ثابت ہو تو اُس کے جانور ہونے سے انکار محتاج دلیل ہے اُس کی صورت جانور کی ہے اور کتابوں اور خود ائمہ شافعیہ کی کتب میں اُسے حیوان کہا انگلی برابر قد سفید رنگ زرد چتیاں اور خود اُس جانور ہی کا نام زلال بتایا تاج العروس میں ہے:

الزلال بالضم حیوان صغیر الجسم ابیضہ اذا مات جعل فی الماء فیبردہ ومنہ سمی الماء البارد زلالا[2]

زُلال پیش کے ساتھ سفید جسم کا ایک چھوٹا سا جانور ہے، جب مر جاتا ہے تو اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں یہ پانی کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور اسی لیے ٹھنڈے پانی کو ماءِ زُلال کہتے ہیں۔ (ت)

حیاۃ الحیوان امام دمیری شافعی میں ہے:

الزلال بالضم دود یتربی فی الثلج وھو منقط بصفرۃ یقرب من الاصبع یأخذہ الناس من اماکنہ لیشربوا ما فی جوفہ لشدۃ بردہ[3]

زُلال پیش کے ساتھ، ایک کیڑا جو برف میں پلتا ہے اس پر پیلے رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں، تقریباً ایک انگلی کے برابر ہوتا ہے لوگ اس کو پکڑتے ہیں تاکہ اس کے پیٹ میں سے جو نکلتا ہے وہ پی سکیں، کیونکہ یہ پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے (ت)

اُس کے حیوان ہونے کی تقدیر پر امام ابنِ حجر شافعی نے اُس پانی کو قے ٹھہرا کر ناپاک بتایا۔

قال ش عن ابن حجر بعد مامر فان تحقق

ش نے ابنِ حجر سے نقل کیا پس اگر متحقق ہو (یعنی

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲

[2] تاج العروس فصل الزاء من باب الدم مطبوعہ احیاء التراث العربی ۷/۳۵۹

[3] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/۵۳۶

(ای کونہ حیوانا) کان نجسا لانہ قیٔ [1] اس کا حیوان ہونا ثابت ہوجائے) تو وہ نجس ہوگا اس لیے کہ وہ قے ہے۔ (ت)

اقول قے کی تعریف اس پر صادق آنے میں کلام ہے اور کتبِ شافعیہ میں اُس سے جواز وضو مصرح شرح وجیز ابو الفرج عجلی شافعی میں ہے:

الماء الذی فی دود الثلج طھور [2] وُہ پانی جو برف والے کیڑے میں ہوتا ہے پاک طہور ہے۔ (ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الذی قالہ یوافق قول القاضی حسین فیما تقدم فی الدود [3] جو انہوں نے کہا وہ قاضی حسین کے قول کے موافق ہے جیسا کہ دود کے ذکر میں پہلے گزرا۔ (ت)

علامہ شامی نے جب تک اُس جانور کا دموی ہونا ثابت نہ ہو پانی پاک مگر ناقابلِ وضو بتایا۔

حیث قال نعم لایکون نجسا عندنا مالم یعلم کونہ دمویا اما رفع الحدث بہ فلا یصح وان کان غیر دموی [4] انہوں نے فرمایا جب تک اس کا دموی ہونا معلوم نہ ہو ہمارے نزدیک نجس نہیں، رہا اس سے پاکی حاصل کرنا تو یہ صحیح نہیں اگرچہ وہ غیر دموی ہو۔ (ت)

اقول ظاہراً اُس پانی کی طہارت محلِ اشتباہ نہیں جیسے ریشم کا کیڑا کہ خود بھی پاک ہے اور اس کا پانی بلکہ بیٹ بھی پاک۔ عالمگیریہ میں ہے:

ماء دود القز وعینہ وخرؤہ طاھر کذا فی القنیۃ [5] ریشم کا کیڑا اس کا پانی اور اس کی بیٹ پاک ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (ت)

بلکہ خلاصہ میں ہے:

الدودۃ اذا تولدت من النجاسۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی انھا لیست کیڑا جو نجاست میں پیدا ہو تو شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ وہ ناپاک نہیں ہے اور یہی حال ہر حیوان کا ہے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲
[2] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/۵۳۶
[3] ایضاً
[4] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲
[5] فتاوی ہندیۃ الفصل الثانی فی الاعیان النجسۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۶

نجسة وكذا كل حيوان حتی لو غسل ثم وقع فی الماء لا ينجسه وتجوز الصلاة معها[1]

تو اگر کسی حیوان کو دھویا جائے پھر وُہ پانی میں گر جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا، اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ (ت)

اور جب ظاہر ہے تو جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ پانی نہیں بلکہ اُس کیڑے ہی کے پیٹ کی رطوبت ہے یا اُس کی رطوبت اِس میں نصف یا زائد مل ہوتی ہے ناقابلِ وضو ہونے کی کوئی وجہ نہیں ظاہراً وہ برف ہی کا پانی ہے کہ اس کے جوف میں ملتا ہے اور پاک پانی کے غیر طہور ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خلط غیر سے ماء مطلق نہ رہے یا اسقاط فرض خواہ اقامت قربت سے مستعمل ہوجائے ثانی یہاں قطعاً منتفی اور اول کا ثبوت نہیں اور کوئی مطلق بلاثبوت مقید نہیں ہوسکتا۔

الا تری ان النجاسة لا تثبت بالشك وهی تسلب الطهورية والطهارة معا فضلا عن التقييد.

نجاست شک سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور یہ طہوریت کو سلب کرتی ہے اور طہارت کو بھی چہ جائیکہ تقیید۔ (ت)

(۸) گرم پانی

وهذا وفاق الا ما يحكی عن مجاهد من كراهته. (اس بات میں اتفاق ہے مگر وہ جو مجاہد سے اسکی کراہت منقول ہے۔ ت)

اقول مگر اتنا گرم کہ اچھی طرح ڈالا نہ جائے تکمیل سنت نہ کرنے دے مکروہ ہے یونہی اتنا سرد اور اگر تکمیل فرض سے مانع ہو تو حرام اور وہ وضو نہ ہوگا وفی صحيح البخاری توضأ عمر رضی الله تعالٰی عنه بالحميم[2] (صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گرم پانی سے وضو فرمایا۔ ت)

(۹) اُپلوں سے گرم کیا ہُوا اور بچنا بہتر، درمختار میں ہے، وكره احمد المسخن بالنجاسة[3] (نجاست کے ذریعے گرم شدہ پانی کو امام احمد نے مکروہ گردانا ہے۔ ت)

(۱۰) دھوپ کا گرم پانی مطلق مگر گرم ملک گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سوا کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم ہوجائے وہ جب تک ٹھنڈا نہ ہولے بدن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہیے وضو سے نہ غسل سے نہ پینے سے یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد نہ ہوجائے پہننا مناسب نہیں کہ اُس پانی کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی — الفصل السابع فیما یکون نجسا الخ — نولکشور لکھنؤ ۱/۴۴
[2] جامع للبخاری — باب وضوء الرجل مع امرأتہ — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲
[3] الدر المختار — باب المیاہ — مجتبائی لاہور ۱/۳۴

بدن کو پہنچنے سے معاذ اللہ احتمالِ برص ہے اختلافات اس میں بکثرت ہیں اور ہم نے اپنی کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہر اختلاف سے قول اصح وارجح چنا اور مختصر الفاظ میں اُسے ذکر کیا اُسی کی نقل بس ہے

وھو ھذا اقط (ای الدارقطنی) عن عامر والعقیلی عن انس مرفوعا قط والشافعی عن عمر الفاروق موقوفا لا تغتسلوا بالماء الشمس فانه یورث البرص[1] قط وابو نعیم عن ام المؤمنین انها سخنت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء فی الشمس فقال لا تفعلی یا حمیراء فانه یورث البرص[2] وقیدہ العلماء بقیود ان یکون فی قطر ووقت حارین وقد تشمس فی منطبع صابر تحت المطرقة کحدید ونحاس علی الاصح الا النقدین علی المعتمد دون الخزف والجلود والاحجار والخشب ولا للشمس فی الحیاض والبرک قطعا وان یستعمل فی البدن ولو شربا لا فی الثوب الا اذا لبسه رطبا او مع العرق وان یستعمل حارا فلو برد لا باس علی الاصح وقیل لا فرق علی الصحیح ذوجه ورد فالاول الاوجه قیل وان لا یکون الاناء منکشفا والراجح ولا فالحاصل منع ایصال الماء المشمس فی اناء منطبع من غیر النقدین الی البدن فی وقت وبلد حارین

دارقطنی نے عامر سے اور عقیلی نے انس سے مرفوعاً روایت کی، دارقطنی اور شافعی نے عمر فاروق سے موقوفاً روایت کی کہ تم آفتاب سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے، دارقطنی و ابونعیم نے ام المؤمنین سے روایت کی کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے آفتاب سے پانی گرم کیا تو آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا اے حمیراء کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

اور علماء نے اس میں کچھ قیود لگائی ہیں مثلاً یہ کہ گرم پانی گرم علاقہ میں ہو، گرم وقت میں ہو، یہ کہ پانی کسی دھات کے بنے ہوئے برتن میں جیسے پانی لوہے یا تانبے کے برتن میں گرم ہوا ہو اصح قول کے مطابق مگر سونے چاندی کے برتن میں گرم نہ کیا گیا ہو معتمد قول کے مطابق مٹی کھال پتھر اور لکڑی کے برتنوں کو دھوپ میں رکھ کر گرم نہ کیا گیا ہو۔ حوض اور گڑھے میں سورج کا گرم شدہ پانی قطعاً نہ ہو، یہ پانی بدن میں استعمال ہوا ہو، اگرچہ پی لیا تو بھی یہی خطرہ ہے، کپڑے دھوئے تو حرج نہیں، ہاں اگر کپڑا دھو کر تر ہی پہن لیا تو خطرہ ہے، یا کپڑا پہنا اور جسم پر پسینہ تھا، یہ پانی گرم استعمال کیا جائے اگر ٹھنڈا ہونے کے بعد استعمال کیا تو حرج نہیں، اصح قول یہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے

۱؎ سنن الدارقطنی باب الماء المسخن نشر السنۃ ملتان ۱/۳۹
۲؎ " " " " ۱/۳۸

مالم یبرد واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہ فرق نہیں، اور یہی صحیح ہے، اس کی توجیہ بھی ہے اور اس پر رد ہے، تو اول کی وجہ زیادہ درست ہے، ایک قول یہ ہے کہ برتن کھلا ہوا نہ ہو اور راجح ولوکان الاناء منکشفا ہے (یعنی اگرچہ برتن کھلا ہو) تو خلاصہ یہ ہے کہ دھوپ کے گرم پانی کا سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن سے جسم پر پہنچانا، گرم وقت میں اور گرم علاقہ میں بلا ٹھنڈا کیے ممنوع ہے واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اس پانی سے وضو وغسل مکروہ ہے کما صرح بہ فی الفتح والبحر والدرایۃ والقنیۃ والنھایۃ (جیسا کہ فتح، بحر، درایہ، قنیہ اور نہایہ میں صراحت کی گئی ہے۔ ت)

اور یہ کراہت شرعی تنزیہی ہے

کما اشار الیہ فی الحلیۃ والامداد ھذا ما حققہ ش خلافا للتنویر والدر حیث نفیا الکراھۃ اصلا ویمکن حمل التنویر علی التحریم اما الدر فصرح انھا طبیعیۃ عند الشافعیۃ وھو خلاف نصھم۔

جیسا کہ حلیہ اور امداد میں اشارہ کیا "ش" نے یہی تحقیق کی، تنویر اور دُر میں اس کے خلاف ہے، ان دونوں حضرات نے مطلقاً کراہت کا انکار کیا ہے، اور تنویر کی عبارت کو مکروہ تحریمی پر محمول کرنا ممکن ہے مگر دُر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک وہ کراہت طبعیہ ہے اور یہ ان کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (ت)

اقول وزیادۃ التنویر قید القصد حیث قال وبماء قصد تشمیسہ لیس اتفاقیا بل للدلالۃ علی الاول واشارۃ الی نفی ما وقع فی المعراج ان الکراھۃ مقیدۃ عند الشافعی بالقصد فافھم۔

میں کہتا ہوں تنویر میں ارادہ کی قید کا اضافہ ہے انھوں نے فرمایا "اور اس پانی سے جس کو دھوپ میں قصداً گرم کیا گیا ہے"، یہ قید اتفاقی نہیں ہے بلکہ پہلی پر دلالت کے لیے ہے اور جو معراج میں فرمایا ہے اس کی نفی کے لیے ہے کہ شافعیوں کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب بالقصد ہو فافہم۔ (ت)

(۱۱) عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی اگرچہ جنب یا حائض ہو اگرچہ اس پانی سے خلوت تامہ میں اُس نے طہارت کی ہو، خلافا لاحمد والمالکیۃ (اس میں احمد اور مالکیہ کا اختلاف ہے۔ ت) ہاں مکروہ ضرور ہے۔

بل فی السراج لایجوز للرجل ان یتوضأ و یغتسل بفضل وضوء المرأۃ اھ[1] وھو نص

بلکہ سراج میں ہے کہ مرد کو جائز نہیں کہ وہ عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے اھ

[1] رد المحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/۹۸

فی کراهة التحریم واستظهرها ط من قول الدر[1] من منهیاته التوضی بفضل ماء المرأة قال وفیه نظر واجاب ش بانه یشمل المکروه تنزیها فانه منهی عنه اصطلاحا حقیقة کما قدمناه عن التحریر اھ[2] وعلله ط بخشیة التلذذ وقلة توقیهن النجاسات لنقص دینهن قال وهذا یدل علی ان کراهته تنزیهیة[3]۔

اور یہ مکروہ تحریمی میں نص ہے، اور طحطاوی نے اس پر دُر کے قول "عورت کے باقیماندہ پانی سے وضوء نہ کیا جائے" سے استدلال کیا ہے، فرمایا اس میں نظر ہے، اور ش نے جواب دیا کہ مکروہ تنزیہی کو شامل ہے کہ یہ منہی عنہ ہے اصطلاحی طور پر حقیقۃً جیسا کہ ہم نے تحریر سے نقل کیا اھ اور طحطاوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں ایک تو تلذذ کا خطرہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے دینی نقصان کی وجہ سے نجاستوں سے نہیں بچتی ہیں، فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد کراہت تنزیہی ہے اھ (ت)

اقول علی الاول[ف1] یعم النهی عکسه اعنی توضؤ المرأة من فضل طهوره وفیه کلام یاتی اما الثانی۔

فاولا[ف2] یقتضی تعمیمه رجال البدو[ف3] والعبید والجهلة واشد من الکل العمیان فلا تبقی خصوصیة للمرأة[ف4]۔

وثانیا لا یتقید بطهورها فضلا عن اختلائها به بل اذن یکفی مسها۔

وثالثا فی قلة[ف5] توقیهن النجاسات نظر ونقص دینهن ان احدیهن تقعد شطر دهرها لا تصوم ولا تصلی کما فی الحدیث وهذا لیس من صنعها الا ان یعلل بغلبة

میں کہتا ہوں پہلے قول کے مطابق نہی اُس کے عکس کو شامل ہے یعنی عورت کا مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا، اس میں کچھ بحث ہے جو آئے گی۔

رہا دوسرا قول تو اس میں پہلی چیز یہ ہے کہ یہ دیہاتی، غلام اور جاہل سب کو عام ہے اور سب سے زیادہ نابینا لوگوں کو۔ تو اس میں عورت کی کوئی خصوصیت نہیں۔

اور ثانیاً یہ قید نہیں کہ اس کا طہور ہو چہ جائیکہ عورت کا خلوت میں اس کو استعمال کرنا، بلکہ اس کا محض پانی کو چھولینا بھی کافی ہوگا۔

اور تیسرا یہ کہ اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نجاستوں سے کم بچتی ہیں اس میں اعتراض ہے،

۱؎ طحطاوی علی الدر المختار — مکروہات الوضوء — بیروت — ۱/۷۶
۲؎ ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر — ۱/۹۸
۳؎ طحطاوی علی الدر المختار — " — بیروت — ۱/۷۶

الجهل علیهن فیشارکھن العبید والاعراب۔

ورابعا العلة توجد فی حق المرأة الاخری والکراھة خاصة بالرجل وجعل ش النھی تعبدیا۔

اوران کے دین کانقص محض یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ تک گھر میں بیٹھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے اور نہ نماز پڑھتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں، ہاں اس کی تعلیل یہ ہوسکتی ہے کہ ان میں جہل کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ بات غلاموں اور دیہاتی لوگوں میں بھی ہوتی ہے۔

چوتھے، یہ علت دوسری عورت کے حق میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ کراہت مرد کے ساتھ خاص ہے اور "ش" نے اس مخالفت کو محض تعبدی امر قرار دیا ہے۔ (ت)

اقول وھوالاولی لماعرفت عدم انتھاض العلل وبہ صرحت الحنابلة ولا بدلھم عن ذلک اذعدم الجواز لایعقل لہ وجہ اصلا وکونہ تعبدیا لمارواہ الخمسة[1] انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یتوضأ الرجل بفضل طھور المرأة[2] ثم ذکرعن غررالافکار نسخہ بحدیث مسلمان۔

میں کہتا ہوں یہی بات بہتر ہے، کیونکہ دوسری علتیں درست نہیں ہیں، اور حنبلی حضرات نے بھی یہ علت بیان کی ہے۔ اور ایسا کرنا ان کے لیے ضروری تھا، کیونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں، اور اس کے تعبدی ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو پانچوں محدثین نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو

---

[1] اقول المعروف فی اطلاق الخمسة ارادة الستة الا البخاری وھذا النمار واہ احمد والاربعة نعم ھواصطلاح عبدالسلام ابن تیمیة فی المنتقی لانہ ادخل الامام احمد فی الجماعة فاذارواہ غیرالشیخین قال رواہ الخمسة منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں عام طور پر خمسہ کا اطلاق بخاری کے علاوہ باقی اصحابِ ستہ پر ہوتا ہے جبکہ اس کو امام احمد اور اربعہ نے روایت کیا ہے۔ ہاں منتقی میں عبدالسلام ابن تیمیہ کی یہ اصطلاح ہے کہ کیونکہ وہ امام احمد کو بھی اصحابِ صحاح کی جماعت میں داخل کرتے ہیں جس حدیث کو شیخین کے علاوہ باقی اصحابِ صحاح نے روایت کیا ہو تو کہتے ہیں رواہ الخمسہ منہ غفرلہ (ت)

---

[2] ردالمحتار، مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/۹۸

میمونہ قالت اغتسلت من جفنۃ ففضلت فیھا فضلۃ فجاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل فقلت انی اغتسلت منہ فقال الماء لیس علیہ جنابۃ قال ش مقتضی النسخ انہ لایکرہ عندنا ولا تنزیھا وفیہ ان دعوی النسخ تتوقف علی العلم بتأخر الناسخ ولعلہ ماخوذ من قول میمونۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا انی قد اغتسلت فانہ یشعر بعلمھا بالنھی قبلہ قال وقد صرح الشافعیۃ بالکراھۃ فینبغی کراھتہ وان قلنا بالنسخ مراعاۃ للخلاف فقد صرحوا بانہ یطلب مراعاۃ الخلاف وقد علمت انہ لایجوز التطھیر بہ عند احمد اھ[1]

کرنے کی ممانعت فرمائی، پھر غرر الافکار کے حوالہ سے اس کا منسوخ ہونا نقل کیا۔ اس میں مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک ٹب سے غسل کیا اس میں کچھ پانی بچ گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے غسل کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ "ہم نے اس سے غسل کیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "پانی پر جنابت کا اثر نہیں ہوتا"۔ ش نے فرمایا نسخ کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نہ وہ مکروہِ تحریمی ہے نہ مکروہِ تنزیہی، اس میں اعتراض ہے کہ نسخ کا دعوٰی اس پر موقوف ہے کہ ناسخ کے متأخر ہونے کا علم ہو، اور شاید یہ حضرت میمونہ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ میں نے غسل کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس سے قبل ہی نہی کا علم تھا، اور شافعیہ نے کراہت کی تصریح کی ہے تو چاہیے کہ یہ مکروہ ہو، اگرچہ ہم اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے نسخ کا قول کریں، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خلاف کی رعایت کی جائے اور یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ احمد کے نزدیک اس پانی سے طہارت جائز نہیں اھ (ت)

اقول والاقرب الی الصواب ان لا نسخ ولا تحریم بل النھی للتنزیہ والفعل لبیان الجواز وھو الذی مشی علیہ القاری فی المرقاۃ نقلا عن السید جمال الدین الحنفی وبہ اجاب الشیخ عبد الحق الدھلوی فی لمعات التنقیح ان النھی تنزیہ لا تحریم فلا منافاۃ اھ[2] وقال فی الباب قبلہ اجیب

میں کہتا ہوں زیادہ صحیح بات یہ ہوگی کہ نہ تو نسخ ہے اور نہ ہی تحریم ہے بلکہ نہی محض تنزیہی ہے اور فعل بیان جواز کے لیے ہے ملّا علی قاری نے بھی مرقاۃ میں سید جمال الدین حنفی سے یہی نقل کیا ہے اور لمعات التنقیح میں محدث عبد الحق دہلوی نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں

---

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/۹۸
[2] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیہ لاہور ۲/۱۲۲

ان تلک عزیمة وھذا رخصة[1] اھ وبهذا جزم فی الاشعة من باب مخالطة الجنب وقال الامام العینی فی عمدۃ القاری اما فضل المرأۃ فیجوز عند الشافعی الوضوء به للرجل سواء خلت به اولا قال البغوی وغیرہ فلا کراھة فیه للاحادیث الصحیحة فیه وبهذا قال مالک وابو حنیفة وجمهور العلماء وقال احمد وداود لایجوز اذا خلت به وروی ھذا عن عبداللہ بن سرجس والحسن البصری وروی عن احمد کمذھبنا وعن ابن المسیب والحسن کراھة فضلها مطلقا[2] اھ و اذا حملنا المنفیة علی کراھة التحریم لم ینافِ ثبوت کراھة التنزیه وکیفما کان فما فی السراج غریب جدا ولم یستند لمعتمد وخالف المعتمدات ونقول الثقات ولا یظهر له وجه وقد قال فی کشف الظنون السراج الوھاج و عدہ المولی المعروف ببرکلی جملة الکتب المتداولة الضعیفة غیر المعتبرۃ اھ قال چلپی ثم اختصر ھذا الشرح وسماہ الجوھر النیر اھ[3]

تو کوئی منافاۃ نہیں، اس پہلے باب میں فرمایا کہ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ عزیمۃ تھی اور یہ رخصت ہے اھ اور اشعۃ اللمعات میں اسی پر جزم کیا ہے عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے عورت کا بچے ہُوئے پانی سے امام شافعی کے نزدیک مرد کیلئے وضو جائز ہے خواہ اُس عورت نے اس سے خلوت کی ہو یا نہ کی ہو بغوی وغیرہ نے فرمایا تو اس میں کراہت نہیں، کہ صحیح احادیث اس بارے میں موجود ہیں یہی قول مالک، ابو حنیفہ اور جمہور علماء کا ہے' اور احمد اور ابو داؤد نے فرمایا کہ جب عورت اس پانی کے ساتھ خلوت کرے تو جائز نہیں، یہ قول عبداللہ بن سرجس اور حسن بصری سے منقول ہے' اور احمد کی ایک روایت مذہب ابی حنیفہ کے مطابق ہے، اور ابن المسیب اور حسن سے اس بچے ہوئے کی کراہت مطلقاً منقول ہے اھ اور اگر ہم منفی کو کراہتِ تحریم پر محمول کریں تو اس سے کراہت تنزیہی کے ثبوت کی نفی لازم نہ آئے گی، بہرصورت جو سراج میں ہے وہ بہت ہی غریب ہے اور کسی معتمد کتاب کی سند اس پر موجود نہیں، بلکہ کتب معتمدہ اور نقول مستندہ کے صریح خلاف ہے' اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی ہے، کشف الظنون میں ہے کہ سراج الوہاج کو مولی المعروف برکلی نے کتبِ متداولہ ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اھ اور چلپی نے فرمایا پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام جوہر نیّر ہوا اھ (ت)

اقول بل الجوھرۃ النیرۃ وھی من

میں کہتا ہوں بلکہ جوہرہ نیرہ ہے، اور وہ کتب معتبرہ سے

---

[1] لمعات التنقیح، باب الغسل، المعارف العلمیہ لاہور ۲/۱۱۲
[2] عمدۃ القاری، وضوء الرجل مع امراتہ، مصر ۳/۸۳
[3] کشف الظنون، ذکر مختصر القدوری بغداد ۲/۱۶۳

الکتب المعتبرۃ کما نص علیه فی رد المحتار
و نظیرہ ان مجتبی النسائی المختصر من
سننه الکبری من الصحاح دون الکبری۔

**ثم اقول ھھنا اشیاء یطول الکلام
علیھا ولنشر الی بعضھا اجمالا منھا لا تبتنی
کراھته مطلقا علی قول الامام احمد بعدم
الجواز لانه مخصوص عندہ بالاختلاء
و منھا ان مراعاۃ الخلاف انما ھی
مندوب الیھا فیما لا یلزم منھا مکروہ فی
المذھب کما نص علیه العلماء منھم العلامۃ
ش نفسه وترك المندوب لا یکرہ کما نصوا علیه
ایضا منھم نفسه فی ھذا الکتاب فکیف تبتنی
الکراھة علیھا لا سیما بعد تسلیم ان نسخ
التحریم ینفی کراھة التنزیه ایضا و منھا
ھل الحکم مثله فی عکسه ای یکرہ لھا ایضا
فضل طھورہ[1] روی احمد و ابوداؤد والنسائی
عن رجل صحب النبی صلی اللہ تعالی علیه
وسلم اربع سنین وابن ماجة عن
عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالی عنھما
نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم
ان تغتسل المرأۃ بفضل الرجل او یغتسل
بفضل المرأۃ لکن قال الشیخ ابن حجر**

ہے جیسا کہ اس کی صراحۃ رد المحتار میں موجود ہے اور اس
کی نظیر یہ ہے کہ نسائی کی مجتبی جو ان کی سنن کبری سے
مختصر ہے صحاح میں شمار ہوتی ہے جبکہ کبری صحاح میں
شمار نہیں ہوتی۔ (ت)

پھر میں کہتا ہوں یہاں بعض چیزیں ایسی ہیں
جن سے کلام میں طوالت ہوگی تاہم کچھ کا ذکر اجمالی طور پر کیا جاتا
ہے، کراہت کی بنیاد مطلقاً امام احمد کے عدمِ جواز کا
قول نہیں، کیوں کہ اُن کے نزدیک یہ قول خلوت کے
ساتھ مختص ہے، خلاف کی رعایت ایسے امور میں
مندوب ہے جن میں اپنے مذہب کا کوئی مکروہ
لازم نہ آئے جیسا کہ علماء نے اس کی
صراحت کی ہے، خود علامہ ش نے ایسا ہی کیا ہے،
اور مندوب کا ترک مکروہ نہیں جیسا کہ فقہاء نے اس
کی صراحت کی ہے خود ش نے اس کتاب میں
صراحت کی ہے، تو پھر کراہت اس پر کیسے مبنی
ہوگی؟ خاص طور پر جبکہ اس امر کو تسلیم کرلیا گیا کہ
تحریم کا منسوخ ہوجانا تنزیہی کراہت کی بھی نفی کرتا ہے،
کیا اس کے عکس میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا؟ یعنی عورت
کے لیے بھی مرد کا چھوڑا ہوا پانی استعمال کرنا مکروہ
ہوگا؟ تو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالی
علیہ وسلم کے ایک صحابی جو چار سال تک آپ کے ساتھ رہے سے روایت
کی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن سرجس سے کہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع کیا کہ عورت

---

[1] مشکوۃ المصابیح باب مخالطۃ الجنب مجتبائی دہلی ص ۵۰

المکی فی شرح المشکوٰۃ لاخلاف فی ان لہا الوضوء بفضلہ[1] اھ وقال ایضاً ان احدا لم یقل بظاھرہ ومحال ان یصح وتعمل الامۃ کلہا بخلافہ[2] اھ وتعقبہ الشیخ المحقق الدھلوی فی اللمعات بقولہ قد قال الامام احمد بن حنبل مع ما فیہ من التفصیل والخلاف فی مشایخ[3] مذھبہ الی اخر ما ذکر من خلافیاتھم۔

مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ مگر شیخ ابن حجر مکّی نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرسکتی ہے اھ نیز فرمایا کہ کسی ایک نے بھی اس کے ظاہر کے خلاف نہیں فرمایا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز صحیح بھی ہو اور تمام اُمّت اس کے خلاف عمل پیرا ہو اھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں اس پر رد کیا اور فرمایا احمد بن حنبل نے جو فرمایا ہے اس میں تفصیل ہے اور ان کے مذہب کے مشایخ میں بھی اختلاف رہا ہے، پھر وہ اختلاف ذکر کیا۔ (ت)

اقول رحم اللہ الشیخ ورحمنا بہ کلام ابن حجر فی وضوئہا بفضلہ وقول الامام احمد وخلافیات مشایخ مذھبہ فی عکسہ نعم قال الامام العینی فی العمدۃ حکی ابو عمر خمسۃ مذاھب الثانی یکرہ ان یتوضأ بفضلہا وعکسہ والثالث کراھتہ فضلہا لہ والرخصۃ فی عکسہ والخامس لاباس بفضل کل منہما وعلیہ فقہاء الامصار[4] اھ ملتقطا فہذا یثبت الخلاف واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں اللہ رحم کرے شیخ پر اور ہم پر، ابن حجر نے مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کے وضو کرنے کی بابت جو کلام کیا ہے اور امام احمد کا قول اور انکے مشایخ مذہب کے اختلافات اس کے برعکس صورت میں ہیں ہاں عینی نے عمدہ میں فرمایا کہ ابو عمر نے پانچ مذاہب گنائے ہیں، ان میں دوسرا یہ ہے کہ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے اور اسکا عکس بھی مکروہ ہے اور تیسرا یہ ہے کہ عورت کا بچا ہوا مرد کے لیے مکروہ ہے اور اس کے عکس میں رخصت ہے اور پانچواں یہ ہے کہ دونوں کے بچے ہوئے پانی میں کچھ حرج نہیں، اور اسی پر شہروں کے فقہاء ہیں اھ ملتقطا اس سے خلاف ثابت ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۲) اُس کنویں یا حوض کا پانی جس سے بچے عورتیں گنوار جہّال فسّاق ہر طرح کے لوگ اپنے میلے کچیلے

---

[1] شرح المشکوٰۃ لابن حجر [2] ایضاً [3] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیہ لاہور ۲/۱۳۰
[4] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/۸۵

گھڑے ڈال کر پانی بھریں جب تک نجاست معلوم نہ ہو فتح القدیر میں ہے :

یتوضؤ من البئر التی یدلی فیہ الدلاء و الجرار الدنسۃ یحملہا الصغار و العبید الذین لا یعلمون الاحکام و یمسہا الرستاقیون بالایدی الدنسۃ مالم تعلم نجاسۃ۔[1]

جس کنویں میں بچّے اور غلام میلے ڈولوں اور ٹھلیوں سے پانی بھرتے ہوں اور جن کو ستقے میلے ہاتھ لگاتے ہوں ایسے کنووں سے وضو کرنے میں حرج نہیں ، ہاں اگر نجاست کا یقین ہو تو جائز نہیں (ت)

اشباہ والنظائر میں ہے :

قال الامام محمد حوض تملؤ منہ الصغار و العبید بالایدی الدنسۃ و الجرار الوسخۃ یجوز الوضوء منہ مالم تعلم نجاستہ۔[2]

امام محمد نے فرمایا وہ حوض جس سے چھوٹے بچّے اور غلام پانی بھرتے ہوں، اُن کے ہاتھ اور ٹھلیاں میلی ہوں تو جب تک نجاست کا یقین نہ ہو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۱۳) وہ پانی جس میں ایسا برتن ڈالا گیا ہو جو زمین پر رکھا جاتا ہے جس کے پیندے کی طہارت پر یقین نہیں جب تک نجاست پر یقین نہ ہو فتح القدیر میں ہے :

قالوا ولا باس بالتوضی من حب یوضع کوزہ فی نواحی الدار ویشرب منہ مالم یعلم بہ قذر۔[3]

فقہاء نے فرمایا وہ تالاب جس کے کوزے گھر کے گوشے میں رکھے جاتے ہوں اور اس سے پانی پیا جاتا ہو تو اُس سے وضو کرنے میں حرج نہیں ، جب تک اس کی گندگی کا علم نہ ہو۔ (ت)

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوی سے ہے :

وکذا الکوز الموضوع فی الارض اذا ادخل فی الحب للشرب منہ یعنی یجوز مالم یعلم النجاسۃ۔[4]

اسی طرح وہ لوٹا جو زمین پر رکھا ہوا ہو جب اس کو تالاب میں ڈال کر اس سے پینے کے لیے پانی نکالا جائے تو اس سے وضو جائز ہے ، یعنی جب تک نجاست کا علم نہ ہو۔ (ت)

یہی حکم اُن لوٹوں کے پیندوں کا ہے جو زمین پر رکھے جاتے بلکہ بیت الخلا میں لے جاتے ہیں جبکہ موضع نجاست

[1] فتح القدیر ، غدیر عظیم ، سکھر ۱/۲۰ ، [2] الاشباہ والنظائر ، الیقین لا یزول بالشک ، ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۷
[3] ،، ،، ،، ،، [4] حدیقہ ندیہ ، صنف ثانی من المصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۶۷

سے جُدا ہوں۔

(۱۴) ہنود وغیرہم کفار کے کنوؤں یا برتنوں کا پانی اس سے طہارت ہوسکتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت رہے گی جب تک طہارت نہ معلوم ہو کہ وہ مظنّۂ ہرگونہ نجاست ہیں عینی شرح بخاری میں زیر اثر توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من بیت نصرانیۃ (حضرت عمر نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔ ت) فرمایا:

الذی یدل ھذا الاثر جواز استعمال میاھھم ولکن یکرہ استعمال اوانیھم و ثیابھم سواء فیہ اھل الکتاب وغیرھم وقال الشافعیۃ فان تیقن طہارتھا فلا کراھۃ ولا نعلم فیھا خلافا واذا تطہر من اناء کافر ولم یتیقن طہارتہ ولا نجاستہ فان کان من قوم لا یتدینون باستعمالھا صحت طہارتہ قطعا والا وجہان اصحھما الصحۃ وممن کان لایری باسا بہ الاوزاعی والثوری وابوحنیفۃ والشافعی واصحابھما وقال ابن المنذر لا اعلم احدا کرھہ الا احمد وابن اسحٰق قلت وتبعھما اھل الظاھر واختلف قول مالک ففی المدونۃ لایتوضؤ بسؤر النصرانی ولا بما ادخل یدہ فیہ وفی العتبیۃ اجازہ مرۃ وکرھہ اخری اھ[1]

اس اثر سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پانیوں کا استعمال جائز ہے لیکن ان کے برتنوں اور کپڑوں کا استعمال مکروہ ہے اس میں اہلِ کتاب اور غیر اہل کتاب برابر ہیں اور شافعی حضرات فرماتے ہیں اگر ان کی پاکی کا یقین ہو تو کراہت بھی نہیں، اور ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے اور جب کسی برتن سے کسی کافر نے پاکی حاصل کی اور اس کی طہارت و نجاست میں سے کسی کا یقین نہیں، تو اگر وہ ایسے لوگوں کا برتن ہے جو نجاست کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے، تو اس کی طہارت قطعاً ثابت ہے ورنہ اس میں دو صورتیں ہیں، دونوں میں اصح صحت ہے، امام اوزاعی، ثوری، ابوحنیفہ، امام شافعی اور دونوں کے اصحاب اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور ابن منذر فرماتے ہیں میں کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہو سوائے احمد اور ابن اسحاق کے، میں کہتا ہوں اہلِ ظاہر نے ان دونوں کی متابعت کی اور مالک کے قول میں اختلاف پایا جاتا ہے، مُدَوّنہ میں ہے نصرانی کے جھوٹے سے اور اس پانی سے جس میں اُس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو وضو نہ کیا جائے، اور عتبیہ میں ایک قول جواز کا ہے اور ایک کراہت کا۔ (ت)

---

[1] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۲/۸۲

اقول افاد کراھۃ التحریم لمقابلتھا بالاجازۃ وھی محمل قول احمد و اسحٰق ونفی الباس مرجعہ الی خلاف الاولی وقد بینا المسألۃ بابسط مما ھنا فی فتاوٰنا۔

میں کہتا ہوں اس سے کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کا مقابلہ اجازت سے ہے، اور اسی پر احمد اور اسحاق کے قول کو محمول کیا گیا ہے اور جہاں باس کی نفی ہے اس کا مطلب خلاف اولٰی ہے، ہم نے اس مسئلہ کو بہ نسبت اس مقام کے اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ت)

ذخیرہ میں ہے:

یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب الظاھر من حال اوانیھم النجاسۃ۔[1]

مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے کیونکہ ان کے برتن بظاہر ناپاک ہوتے ہیں۔ (ت)

(۱۵) جس پانی میں بچّہ نے ہاتھ یا پاؤں ڈال دیا یہاں بھی وہی حکم ہے کہ قابلِ طہارت ہے جب تک نجاست پر یقین نہ ہو مگر اولٰی احتراز ہے جب تک طہارت پر یقین نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

اذا ادخل الصبی یدہ فی کوز ماء او رجلہ فان علم ان یدہ طاھرۃ بیقین یجوز التوضؤ بہ وان کان لا یعلم انھا طاھرۃ او نجسۃ فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ ومع ھذا لو توضأ اجزاہ کذا فی المحیط۔[2]

بچّے نے پانی کے کوزے میں اگر ہاتھ یا پیر ڈالا تو اگر یقین سے یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ یا پَیر پاک ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر معلوم نہیں کہ وُہ پاک ہے یا ناپاک، تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے، لیکن اگر وضو کر ہی لیا تو جائز ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

(۱۶) یوں ہی جس میں مشکوک کپڑا اگر گیا حتی کہ بچّے کے نہالچے کی روئی جبکہ نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت ہے کہ مظنہ زیادہ ہے، جواہر الفتاوٰی باب اول فتاوٰی امام رکن الدین ابوالفضل کرمانی میں ہے[3]:

قطعۃ قطن من فراش صبی وقعت فی بئر ولا یدری انھا نجسۃ ام طاھرۃ

بچّے کے بچھونے سے رُوئی کا ایک ٹکڑا کنوئیں میں گر گیا اور یہ معلوم نہیں کہ یہ پاک ہے یا ناپاک، تو محض شک

---

[1] حدیقہ ندیہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۲
[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ پشاور ۱/ ۲۵

قال لا یحکم بکونها نجسۃ بالشك والاحتمال ولو احتیط ونزح کان اولٰی۔[1]

اور احتمال کی بنا پر اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اگر احتیاط سے کام لیا جائے اور تمام پانی نکال دیا جائے تو بہتر ہے۔ (ت)

(۱۷) وہ پانی جس میں استعمالی جُوتا گر گیا جبکہ نجاست نہ معلوم ہو یہاں پر بھی وہی حکم ہے تاتارخانیہ پھر طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیۃ وھی البئر وجد فیھا خف ای نعل تلبس و یمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا اھ ملخصا۔[2]

امام خجندی سے ایسے کنوئیں کی بابت دریافت کیا گیا جس میں ایسا موزہ (ہلکا جوتا) پایا گیا جسے پہن کر عام راستوں پر چلا جاتا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کب گرا ہے، اور اس پر بظاہر نجاست کا اثر بھی نہیں تو کیا کنواں ناپاک ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اھ (ت)

(۱۸ تا ۲۱) شکاری پرندوں اور حشرات الارض اور بلی اور چھوٹی ہوئی مرغی کا جھوٹا جبکہ طہارت یا نجاست پر یقین نہ ہو یہ اُس وقت مکروہ ہے جبکہ دوسرا صاف پانی موجود ہو وقد بیناہ فی فتاوٰنا (ہمارے فتاوی میں بیان کردیا گیا ہے۔ ت)

(۲۲) اُس جانور کا جھوٹا جس میں خون سائل نہیں جیسے بچھو وغیرہ اس میں کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

سؤر مالادم لہ طاھر طھور بلاکراھۃ۔[3]

اس جانور کا جھُوٹا جس میں خون سائل نہیں بلاکراہت پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ (ت)

(۲۳) حوض کا پانی جس میں بدبُو آتی ہو جبکہ اُس کی بُو نجاست کی وجہ سے ہونا معلوم نہ ہو۔ خانیہ میں ہے:

یجوز التوضؤ فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم تعلم نجاسۃ لان تغیر الرائحۃ

بڑے حوض میں اگر بدبو ہو تو بھی اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست معلوم نہ ہو کیونکہ

---

[1] جواہر الفتاوی

[2] حدیقہ ندیۃ صنف ثانی من الصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۷۴

[3] الدرالمختار فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

قد یکون بطول المکث اھ[۱]

پانی کے ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بھی کبھی بدبُو پیدا ہوجاتی ہے اھ (ت)

اقول وکذا الصغیر وانما قید بالکبیر لاجل فی معناہ ان الکبیر اذا تغیر احد اوصافہ بنجس ینجس فالحوض الکبیر المنتن قد یتوقاہ الموسوس توھما ان نتنہ بالنجس فافاد انہ وھم لا یعتبر۔

میں کہتا ہُوں چھوٹے حوض کا بھی یہی حکم ہے، بڑے کی قید محض اس لیے لگائی ہے کہ بڑے حوض کا پانی جب نجاست کی وجہ سے متغیر ہوجائے اور اس کا کوئی وصف بدل جائے تو نجس ہے اگر بڑے حوض میں بدبو پائی جائے تو وہمی شخص اس سے پرہیز کرسکتا ہے کہ شاید اس کی بدبو نجاست کے باعث ہے، لیکن اس عبارت سے یہ بتا دیا کہ یہ وہم معتبر نہیں ہے۔ (ت)

(۲۴) مولٰی کریم رؤف رحیم عزجلالہ اپنے حبیب اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وجاہت کریمہ کے صدقہ میں اپنے غضب سے دونوں جہان میں بچائے جس بستی پر عیاذًا باللہ عذاب اُترا اُس کے کنووں تالابوں کا پانی کہ اُس کا استعمال کھانے پینے طہارت ہر شے میں مکروہ ہے یوں ہی اس کی مٹی سے تیمم، ہاں زمین ثمود کا وہ کنواں جس سے ناقہ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتا اُس کا پانی مستثنٰی ہے، صحاح میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہ رکاب اقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم زمینِ ثمود پر اُترے وہاں کے کنووں سے پانی بھرا اُس سے آٹے گوندھے، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پانی پھینک دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیں چاہِ ناقہ سے پانی لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ینبغی کراھۃ التطھیر ایضا اخذا مما ذکرناہ وان لم ارہ لاحد من ائمتنا بماء وتراب من کل ارض غضب علیھا الا بئر الناقۃ بارض ثمود وقد صرح الشافعیۃ بکراھتہ ولا یباح عند احمد ثم نقل الحدیث عن شرح المنتھی الحنبلی وانہ قال ظاھرہ منع الطھارۃ

جس زمین پر بھی غضب نازل ہوا ہو، اس کے پانی اور مٹی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہونا چاہیے سوائے ناقہ کے کنویں کے جو زمین ثمود میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات اس تحقیق سے معلوم ہوتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اگرچہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ ہمارے ائمہ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہو، البتہ شافعیہ نے اس کے مکروہ ہونے کی

---

[۱] قاضی خان الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

به قال وبئر الناقة هي البئر الكبيرة التي يردها الحجاج في هذه الازمنة[1] اھ وقوله اخذا مما ذكرنا يشير الى ما قدم من تعليل الكراهة بمراعاة الخلاف۔

تصریح کی ہے، اور امام احمد کے نزدیک مباح نہیں ہے، پھر حدیث نقل کی شرح ملتقی حنبلی سے، اور فرمایا اس سے بظاہر طہارت کا ممنوع ہونا مفہوم ہوتا ہے' فرمایا اونٹنی کے کنویں سے مراد وہ بڑا کنواں ہے جس پر آج کل حاجی آتے ہیں اور اسکے قول اخذا مما ذکرنا سے مراد کراہت کی علت ہے جو انھوں نے بیان کی کہ اختلاف کی رعایت مقصود ہے۔ (ت)

اقول وفیه ما قدمنا لکن الکراهة ههنا واضحة فقد کره الآجر فی القبر مایلی المیت لاثر النار کما فی البدائع وغیرها فهذا اولی بوجوه کما لا یخفی علی من اعتبر فجزاه الله تعالی خیرا کثیرا فی جنات الفردوس کما نبه علی هذه الفائدة الفاذة۔

میں کہتا ہوں اس پر وہ اعتراض ہے جو ہم نے ذکر کیا، لیکن کراہت یہاں واضح ہے، کیونکہ آگ میں پکی ہوئی اینٹ قبر میں میت سے لگا کر استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہوتا ہے، جیسا کہ بدائع وغیرہ میں ہے تو یہ بطریق اولی مکروہ ہے کئی وجوہ سے جیسا کہ عبرت حاصل کرنے والے پر مخفی نہیں اللہ تعالی اسے جنۃ الفردوس میں خیر کثیر عطا فرمائے جیسا کہ اس عمدہ فائدہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ (ت)

(۲۵) آبِ مغصوب - آبِ مغصوب میں تو کراہت ہی تھی آبِ مغصوب کا استعمال صرف کھانے پینے میں ہو خواہ طہارت میں محض حرام ہے مگر وضو وغسل صحیح ہوجائیں گے اور ان سے نماز ادا ہوجائے گی لان المنع للمجاور (یہ ممانعت ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ت) ردالمحتار میں زیر قول شارح یجوز رفع الحدث بما ذکر (حدث کا دور کرنا جائز ہے ان چیزوں سے جو ذکر کی گئیں) فرمایا ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب[2] (یعنی صحیح ہے اگرچہ حلال نہیں مغصوب پانی کی شکل میں۔ ت)

(۲۶) وہ پانی کہ کسی کے مملوک کنویں سے بے اس کی اجازت بلکہ باوصف ممانعت کے بھرا اس کا پینا وضو وغیرہ میں خرچ کرنا سب جائز ہے یہ مغصوب کی حد میں نہیں کہ کنویں کا پانی جب تک کنویں میں ہے کسی کی ملک نہیں آبِ باراں کی طرح مباح وخالص ملک اللہ عزجلالہ ہے۔ ردالمحتار میں ہدایہ سے ہے: الماء فی البئر غیر مملوك[3] (کنویں کے اندر کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ ت) اُسی میں ولوالجیہ سے ہے:

---

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/۹۸
[2] ردالمحتار باب المیاہ " ۱/۱۳۵
[3] ردالمحتار فصل الشرب " ۲/۱۸۶

اونزح ماء بئر رجل بغير اذنه حتی یبست لاشئ علیہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء[1]

اگرکسی شخص کے کنویں کا پانی اس کی اجازت کے بغیر نکالا اور اتنا نکالا کہ وہ کنواں خشک ہوگیا تو اس شخص پر کوئی ضمان نہیں، کیونکہ وہ شخص پانی کا مالک نہیں۔ (ت)

اُسی میں ذخیرہ سے ہے:

الماء قبل الاحراز بالاوانی لایملك فقد اتلف مالیس بمملوك لغیرہ[2]

پانی کو جب تک برتنوں میں نہ بھرلیا جائے ملک ثابت نہیں ہوتی ہے، تو اس نے وہ چیز تلف کی ہے جو غیر کی مملوک نہیں۔ (ت)

اُسی میں درمختار سے ہے:

الماء تحت الارض لایملك[3]

زمین کے نیچے جو پانی ہے اس پرکسی کی ملک نہیں۔ (ت)

اسی طرح کُتب کثیرہ میں ہے:

اقول والعبرۃ للمنقول وان بحث البحر تبعاللفتح لزوم کون ماء البئر مملوکا للحافر بناء علی احد قولین فی الکلاء۔

میں کہتا ہوں اعتبار منقول کو ہے، اگرچہ بحر نے اس پر فتح کی متابعت میں بحث کی ہے، اور فرمایا ہے کہ جس نے کنواں کھودا ہے پانی بھی اسی کی ملکیت میں ہے اس بناء پر کہ گھاس میں بھی ایک قول یہی ہے۔ (ت)

اقول وقدکان یخالج صدری نظرا الی ان من نصب شبکۃ لیتعلق بھا صید ملکہ لا لو نصبھا للجفاف تنویر وغیرہ وان من وضع اناء لجمع ماء المطر ملکہ اما اذالم یضعہ لذلك واجتمع فالماء لمن رفعہ خیریۃ وغیرھا

میں کہتا ہوں میرے دل میں یہ خلجان تھا کہ جس شخص نے جال لگایا کہ اس میں کوئی شکار پھنس جائے تو شکار اسی کی ملکیت ہوگا بشرطیکہ اس نے جال خشک کرنے کےلیے نہ لگایا ہو، تنویر وغیرہ۔ اور اگر کسی شخص نے برتن رکھا کہ اس میں بارش کا پانی جمع ہوجائے، پھر پانی جمع ہوا تو وہ اسی کی ملک ہے،

---

[1] فتاوٰی خیریہ | مسائل الشرب | بیروت | ۲/ ۱۸۶
[2] ردالمحتار | فصل الشرب | مصطفی البابی مصر | ۵/ ۳۱۷
[3] ردالمحتار | کتاب احیاء الموات | " | ۵/ ۳۰۸

وظهر الجواب بحمده تعالٰی (ف۱) ان ملك المباح بالاستیلاء والاستیلاء بالاحراز وقدتم فی الشبکة والاناء بخلاف البئر ففی ش عن جامع الرموز ملأ الدلو من البئر ولم یبعده من رأسها لم یملکه عند الشیخین اذ الاحراز جعل الشئ فی موضع حصین[۱] اھ اما ما بحثه الفتح فقد اجاب عنه فی النھر فراجع ش من البیع الفاسد مسألة بیع المراعی۔

جب تک پانی جمع ہونے کیلئے رکھا ہوا ور پانی جمع ہوجائے تو وہ پانی اس کی ملکیت میں ہوگا جس نے اٹھایا، خیریہ وغیرہ۔ اور یہ جواب معلوم ہوا کہ مباح چیز پر ملکیت استیلاء اور غلبہ سے ہوتی ہے اور استیلاءَ اس چیز کو قبضہ میں لے لینے سے ہوتی ہے، اور یہ چیز جال اور برتن کی شکل میں تو پائی جاتی ہے لیکن کنویں کی صورت میں نہیں "ش" میں جامع الرموز سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کنویں سے ڈول بھرا لیکن اس کو کنویں کے منہ سے دُور نہ کیا تو وہ اس کی ملک میں نہ ہوگا، یہ شیخین کے نزدیک ہے، کیونکہ احراز کسی چیز کو محفوظ جگہ رکھنے کو کہا جاتا ہے اھ اور جو بحث فتح میں ہے تو اس کا جواب نہر میں ہے اس سلسلہ میں بیع فاسد کا باب تحت مسئلہ چراگاہوں کے بیچنے "ش" میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

اقول ویؤیده (ف۲) مافی الھندیة عن المبسوط ما انبته صاحب الارض (ف۳) بان سقی ارضه وکربھا لینبت فیھا الحشیش لدوابه فھو احق بذلك ولیس لاحد ان ینتفع بشئ منه الا برضاه لانه کسبه والکسب للمکتسب[۲] اھ فلا یقاس علیه ماء البئر فانه لیس من کسب حافرھا انما صنعه فیه رفع الحجاب کالفصاد قال تعالٰی الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلکه ینابیع فی

میں کہتا ہوں اس کی تائید ہندیہ کے اُس حوالہ سے ہوتی ہے جو انھوں نے مبسوط سے نقل کیا ہے، حوالہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی زمین میں جانوروں کو کھلانے کے لئے گھاس اگائی تو وہ اسی کی ہے اور کوئی شخص اُس سے اس کی مرضی کے بغیر استفادہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی کمائی ہے' اور ہر شخص کی کمائی اسی کی ہوتی ہے اھ مگر اس پر کنویں کے پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ پانی کنویں کے کھودنے والے کی کمائی نہیں ہے اُس نے تو صرف اتنا کام کیا کہ پانی پر جو حجاب تھا وہ رفع کردیا'

---

[۱] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۷
[۲] الفتاوی الھندیة الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/۳۹۲

الارض[1] وتقریر الاٰیۃ فی میاہ الدرر واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسے فصد کے عمل میں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو اللہ تعالٰی نے اس کو چشموں میں جاری کردیا، اس آیت کی تقریر درر کے باب المیاہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۷) یونہی کسی کا برتن صحن میں تھا مینہ برسا، برتن بھر گیا، پانی بھی اسی کی ملک نہ ہوا اپنی اصل اباحت پر باقی ہے اگرچہ برتن اور مکان اس کی ملک ہے جو اس پانی کو لے لے وہی اس کا مالک ہوجائے گا اگرچہ برتن کا مالک منع کرتا ہے ہاں اس کے برتن کا استعمال بے اجازت جائز نہ ہوگا۔

(۲۸) اگر اس نے برتن اسی نیت سے رکھا تھا کہ آبِ باراں اس میں جمع ہو تو اب وُہ پانی اُس کی ملک ہے دوسرے کو بے اس کی اجازتِ صحیحہ کے حرام ہے ہاں طہارت یُوں بھی ہوجائے گی گناہ کے ساتھ فتاوٰے کبرٰی پھر ہندیہ میں ہے:

وضع طستا علی سطح فاجتمع فیہ ماء المطر فجاء رجل ورفع ذلک فتنازعا ان وضع صاحب الطست الطست لذلک فھو لہ لانہ احرزہ وان لم یضعہ لذلک فھو للرافع لانہ مباح غیر محرز[2]۔

کسی شخص نے چھت پر پانی کا طشت رکھا تو اس میں بارش کا پانی جمع ہوگیا، اب ایک شخص نے آکر وہ طشت اٹھالیا، تو اگر طشت کے مالک نے یہ طشت اسی مقصد سے رکھا تھا تو وہ مالک کا ہی ہے اور اگر اس نے یُوں ہی رکھ دیا تھا تو جس نے طشت اٹھایا پانی اسی کا ہوا کیونکہ احراز کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا۔ (ت)

(۲۹) سبیل جو پینے کے لئے لگائی گئی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اُس سے وضو، غسل اگرچہ صحیح ہوجائیں گے جائز نہیں یہاں تک کہ اگر اُس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اسے وضو یا غسل کی حاجت ہے تو تیمم کرے اس سے طہارت نہیں کرسکتا۔

اقول مگر جبکہ مالکِ آب کی اجازت مطلقاً یا اس شخص خاص کے لیے صراحۃً خواہ دلالۃً ثابت ہو صراحۃً یہ کہ اُس نے یہی کہہ کر سبیل لگائی ہو کہ جو چاہے پئے وضو کرے نہائے، اور اگر فقط پینے اور وضو کے لیے کہا تو اس سے غسل روا نہ ہوگا اور خاص اس شخص کے لیے یوں کہ سبیل تو پینے ہی کو لگائی مگر اُسے اُس سے وضو یا غسل کی اجازت خود دیا اس کے سوال پر دے دی اور دلالۃً یُوں کہ لوگ اس سے وضو کرتے ہیں اور وہ منع نہیں

---

[1] القرآن ۳۹/۲۱

[2] فتاوٰی خیریۃ بالمعنی مسائل الشرب بیروت ۲/۱۸۶

کرتا یا سقایہ قدیم ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے یا پانی اس درجہ کثیر ہے جس سے ظاہر ہے کہ صرف پینے کو نہیں مگر جبکہ ثابت ہو کہ اگرچہ کثیر ہے صرف پینے ہی کی اجازت دی ہے فان الصریح یفوق الدلالۃ (کیونکہ صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ ت) اور شخص خاص کے لیے یوں کہ اس میں اور مالکِ آب میں کمال انبساط واتحاد ہے یہ اُس کے ایسے مال میں جیسا چاہے تصرف کرے اُسے ناگوار نہیں ہوتا۔

لان المعروف کالمشروط کما ھو معروف فی مسائل لاتحصی وفی الھندیۃ عن السراج الوھاج ان کان بینھما انبساط یباح والافلا[1]

کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے، اور یہ چیز بے شمار مسائل میں ہے، اور ہندیہ میں سراج الوہاج سے ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کا رشتہ ہو تو یہ مباح ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

محیط و تجنیس و ولوالجیہ و خانیہ و بحر و درمختار میں ہے:

واللفظ لہ الماء المسبل فی الفلاۃ لایمنع التیمم مالم یکن کثیرا فیعلم انہ للوضوء ایضا قال ویشرب ما للوضوء[2]

لفظ درمختار کے ہیں وہ پانی جو جنگل میں سبیل کے طور پر ہو مانع تیمم نہیں تاوقتیکہ کثیر نہ ہو، اگر کثیر ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ وضو کے لیے بھی ہے۔ نیز فرمایا: جو پانی وضو کے لیے ہے وہ پیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ المسبل ای الموضوع فی الحباب لابناء السبیل قولہ لایمنع التیمم لانہ لم یوضع للوضوء بل للشرب فلا یجوز الوضوء بہ وان صح قولہ مالم یکن کثیرا قال فی شرح المنیۃ الاولی الاعتبار بالعرف لا بالکثرۃ الا اذا اشتبہ[3] اھ کلام ش

ان کا قول مسبل یعنی وُہ پانی جو مٹکوں میں ہو مسافروں کے لیے، ان کا قول "لایمنع التیمم" کیونکہ وُہ وضو کے لیے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ پینے کے لیے ہے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں اگرچہ صحیح ہے ان کا قول مالم یکن کثیرا، شرح منیہ میں ہے بہتر یہ ہے کہ اعتبار عرف کا ہے نہ کہ کثرۃ کا، مگر جب مشتبہ ہو اھ کلام ش۔ (ت)

اقول وانت تعلم ان ما ذکر الفقیر

میں کہتا ہوں جو کچھ فقیر نے ذکر کیا ہے

---

[1] سراج الوہاج

[2] الدرالمختار　باب التیمم　مجتبائی دہلی　۱/۴۵

[3] ردالمحتار　باب التیمم　مصر　۱/۱۸۵

اجمع واشمل وانفع واکمل۔

وہ جامع، مانع، زیادہ مفید اور مکمل ہے۔ (ت)

تنبیہ: یہ جو شخص خاص کی اجازت صراحۃً خواہ دلالۃً ہم نے ذکر کی اُس حالت میں ہے کہ پانی وقتِ اجازت بھی اجازت دہندہ کی ملک ہو اور اگر وقف کا پانی ہے تو اس میں نہ کسی کو تغیر کا اختیار نہ کسی کی اجازت کا اعتبار،

فی البحر ثم الدر من الوضوء مکروھہ الاسراف فیہ لو بماء النھر والمملوك لہ اما الموقوف علی من یتطھر بہ ومنہ ماء المدارس فحرام[1] اھ وفی ش عن الحلیۃ لانہ انما یوقف ویساق لمن یتوضؤ الوضوء الشرعی ولم یقصد اباحتھا لغیر ذلك[2] اھ وفی ط تحت عبارۃ الدر السابقۃ قولہ المسبل ای الموقوف الذی یوضع علی السبل قولہ مالم یکن کثیرا محل ذلك عند عدم التیقن بانہ للمشرب اما اذا تیقن انہ للشرب فیحرم الوضوء لان شرط الواقف کنص الشارع قولہ وشرب ماللوضوء ظاھرہ وان لم یکن للضرورۃ وفیہ انہ یلزم مخالفۃ شرط الواقف[3] اھ واشار ش الی الجواب عن ھذا بقولہ کان الفرق ان الشرب اھم لانہ لاحیاء النفوس بخلاف الوضوء لان لہ بدلا فیأذن صاحبہ بالشرب منہ عادۃ[4] اھ

بحر اور دُر کے باب الوضوء میں ہے وضوء میں پانی کا اسراف مکروہ ہے خواہ نہر کا پانی ہو یا اپنا مملوک پانی ہو، اور جو پانی پاکی حاصل کرنے والوں کے لیے وقف ہوتا ہے، جس میں مدارس کا پانی بھی شامل ہے، اس کا اسراف حرام ہے اھ اور "ش" میں حلیہ سے منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی انہی لوگوں کے لیے وقف ہے جو شرعی وضوء کرنا چاہتے ہیں، اور دوسروں کے لیے مباح نہیں ہے اھ اور "ط" میں دُر کی سابقہ عبارت کے تحت فرمایا "مُسبل" وہ پانی جو راستوں میں وقف رکھا جاتا ہے اور اسکے قول مالم یکن کثیرا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ یقین نہ ہو کہ یہ پینے کے لیے ہے، اگر یہ یقین ہو کہ یہ پینے کے لیے ہے تو اس سے وضو حرام ہے کیونکہ شرط واقف نصِ شارع کی طرح ہوتی ہے۔ اور ان کا قول "شرب ماللوضوء" کا بظاہر یہ مفہوم ہے کہ اگرچہ وُہ پانی ضرورت کے لیے نہ ہو، اور اس میں یہ قباحت ہے کہ اس میں شرط واقف کی مخالفت ہے اھ اور "ش" نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، غالباً اس میں

[1] الدر المختار	مکروہات الوضوء	مجتبائی دہلی	۱/۲۴
[2] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۱/۹۸
[3] طحطاوی علی الدر	باب التیمم	بیروت	۱/۱۲۳
[4] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۱/۱۸۵

فرق یہ ہے کہ پانی کا پینا اہم ہے کیونکہ اس میں زندگی بچانا ہے جبکہ وضوء میں یہ چیز نہیں، کیونکہ وضوء کا متبادل ہوتا ہے اس لیے مالک عام طور پر پینے کی اجازت دے دیتا ہے اھ (ت)

اقول ای یکون ذلك منویا عند الوقف بحکم العادۃ فلا یلزم خلاف الشرط ولیس المراد حدوث الاذن الاٰن کما یوھمہ تعبیرہ یأذن فان الوقف اذا تم خرج عن ملکہ فلا یعمل فیہ اذنہ کما ھو ظاھر لکن ھھنا تحقیق شریف للعبد الضعیف فی بحث صحۃ وقف الماء لابد من التنبہ لہ قال فی التنویر والدر (و) صح وقف کل (منقول) قصدا (فیہ تعامل) للناس (کفأس وقدوم) بل (ودراھم ودنانیر) ومکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنہ مضاربۃ او بضاعۃ فعلی ھذا لو وقف کرا علی شرط ان یقرضہ لمن لابذر لہ لیزرعہ لنفسہ فاذا ادرك اخذ مقدارہ ثم اقرضہ لغیرہ وھکذا جاز خلاصۃ وفیھا وقف بقرۃ علی ان ما خرج من لبنھا او سمنھا للفقراء ان اعتادوا ذلك رجوت ان یجوز (وقدر وجنازۃ) وثیابھا ومصحف وکتب لان التعامل یترك بہ القیاس[1] اھ قال ش قال الرملی لکن فی الحاقھا بمنقول فیہ تعامل نظر

میں کہتا ہوں، یعنی یہ چیز عادۃً وقف کے وقت واقف کی نیت میں ہوتی ہے تو ایسی صورت میں شرطِ واقف کی خلاف ورزی لازم نہ آئے گی۔ یہ مراد نہیں کہ اب اجازت دی ہے، جیسا کہ "یأذن" کے لفظوں سے ظاہر ہے، کیونکہ وقف جب مکمل ہوجاتا ہے تو ملکِ واقف سے نکل جاتا ہے تو اس کی اجازت کا کوئی اثر نہ ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے میں نے پانی کے وقف کے سلسلہ میں ایک تحقیق کی ہے، اس کا جاننا ضروری ہے، تنویر اور دُر میں فرمایا (اور) صحیح ہے وقف ہر (منقول کا) قصدا جس میں لوگوں کا تعامل ہو (جیسے پھاوڑا اور کلہاڑی) بلکہ (دراہم ودنانیر کا) اور ناپ تول والی چیز کا، تو اس کو بیچا جائے گا اور اس کی قیمت بطور مضاربت دی جائے گی یا بطور سامان۔ اس بنا پر اگر کسی شخص نے ایک بوری غلّہ اس شرط پر وقف کیا کہ یہ ایک ایسے شخص کو قرض دیا جائے جو اپنے لیے کاشت کرتا ہو، اور جب اس کی کھیتی پک جائے تو اس سے یہ مقدار واپس لے لی جائے اور کسی دوسرے کو قرض دے دیا جائے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے تو یہ جائز ہے، خلاصہ۔ اسی کتاب میں ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک گائے

---

[1] الدر المختار باب الوقف مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

اذھی مما لا ینتفع بھا مع بقاء عینھا وما
استدل بہ فی المنح فی مسألۃ البقرۃ
ممنوع بما قلنا اذ ینتفع بلبنھا وسمنھا مع
بقاء عینھا اھ قلت ان الدراھم لا تتعین
بالتعیین فھی وان کانت لا ینتفع بھا مع
بقاء عینھا لکن بدلھا قائم مقامھا لعدم
تعینھا فکانھا باقیۃ ثم قال عن الفتح عن
الخلاصۃ عن الانصاری وکان من
اصحاب زفر فیمن وقف الدراھم او ما یکال
او یوزن ایجوز قال نعم قیل وکیف قال
یدفع الدراھم مضاربۃ ثم یتصدق بھا
فی الوجہ الذی وقف اھ ورأیتنی کتبت علیہ
ما نصہ **اقول** ھذا التعلیل من العلامۃ
الرملی لمنع وقف الدراھم وجواب المحشی
بانھا لا تتعین فکانھا باقیۃ ببقاء بدلھا
وما ذکر الامام الانصاری وتبعہ فی
الخلاصۃ والفتح والدر وکثیر من الاسفار
الغر من طریق الابقاء فی الدراھم و
المکیل والموزون وما مر (ای فی رد المحتار)
من ان التابید معنی شرط صحۃ الوقف
بالاتفاق علی الصحیح وقد نص علیہ
محققو المشایخ کل ذلک یقضی بان
الماء المسبل لا یکون وقفا لعدم امکان

اس شرط پر وقف کی کہ اس کا دُودھ اور گھی فقراء کے
استعمال میں لایا جائے، تو اگر یہ چیز ان کی عرف میں ہے
تو امید ہے کہ جائز ہے (اور دیگ اور جنازہ کی چارپائی،
اور جنازہ کی چادریں اور مصحف اور کتابیں، کیونکہ
تعامل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے
اھ "ش" نے کہا کہ رملی نے فرمایا اس کو منقول سے
ملانے میں جس میں تعامل ہو اعتراض ہے کہ اس کے
عین کے باقی رہتے ہوئے اس سے انتفاع نہیں
ہوتا ہے اور گائے کا مسئلہ جس سے منح میں استدلال
کیا ہے نا قابلِ تسلیم ہے، کیونکہ اس کے دودھ اور
گھی سے گائے کو باقی رکھتے ہوئے نفع حاصل
کیا جاتا ہے اھ میں کہتا ہوں دراہم متعین کردینے سے
متعین نہیں ہوتے ہیں، تو ان کو باقی رکھتے ہوئے
اگرچہ ان سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، لیکن ان کا
بدل ان کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ خود متعین نہیں،
تو گویا کہ یہ باقی ہیں۔ پھر فتح سے خلاصہ سے نقل کرتے
ہوئے فرمایا کہ انصاری جو اصحاب زفر سے تھے ان
سے پُوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے دراہم یا کیلی یا وزنی
چیز وقف کی تو کیا جائز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:
ہاں۔ اُن سے دریافت کیا گیا کہ اس کی شکل کیا ہوگی؟
تو انہوں نے فرمایا دراہم مضاربت پر کسی کو دے
پھر اُن کو اُس مقصد پر خرچ کرتا رہے جس کے لیے
ان کو صدقہ کیا گیا تھا اھ میں نے ان کی بیان کردہ نص

۱؎ ردالمحتار باب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/۴۱۰

الانتفاع بہ الا باستہلاکہ فیکون من باب الاباحۃ دون الوقف نعم السقایۃ بناء (ف۱) تعورف وقفہ کالقنطرۃ فیصح ولا یقال ان فی السقایۃ الموقوفۃ یصیر الماء وقفا تبعا للسقایۃ (ف۲) وھو جائز وفاقا کما تقدم (ف۳) فی الشرح و ذلک لان الماء ھو المقصود بالسقایۃ وھی تبع فلا یعکس الامر ولای شیئ تجعل السقایۃ وقفا مقصودا فیتبعہ الماء علی انہ ان تبع تبع ما فیہا دون الابدال المتعاورۃ ولیس الماء مما لا یتعین حتی یجعل بقاء الابدال بقاءہ مع ان (ف۴) لی نظرا فی ھذا العذر فقد افاد ش فی فصل فی التصرف فی المبیع والثمن ان عدم تعین النقد لیس علی اطلاقہ[1] بل ذلک فی المعاوضات الخ و ذکر تفصیلا وقع فیہ خلط وخبط من الناسخین نبہت علیہ فیما علقت علیہ و (ف۵) قال قبلہ فی البیع الفاسد الدراھم والدنانیر تتعین فی الامانات والھبۃ و الصدقۃ والشرکۃ والمضاربۃ والغصب[2] اھ فالوقف اشبہ شیئ بالصدقۃ بل ھو منہا عند الامام ولیظھر لی واللہ تعالٰی اعلم ان النقدین والتجارات نامیات

پر لکھا ہے **اقول** عدم تسلیم کی یہ علت جو رملی نے بیان کی ہے دراہم کے وقف کے ممنوع ہونے کی بابت ہے اور محشی کا یہ جواب دینا کہ دراہم متعین نہیں ہوتے، تو اپنے بدل کے باقی رہنے کی وجہ سے باقی رہیں گے، اور جو امام انصاری نے ذکر کیا اور خلاصہ اور فتح اور در اور بہت سی کتب میں اس کی متابعت کی گئی ہے کہ کس طرح دراہم اور مکیل وموزون باقی رہتے ہیں اور جو گزرا (یعنی درمختار میں) یعنی صحت وقف کے شرائط میں سے اس کا ہمیشہ کے لیے ہونا ہے، یہی صحیح ہے اور اس پر اتفاق ہے اور محققین مشائخ نے اس پر نص کیا ہے، اور اس تمام بحث کا تقاضا یہی ہے کہ سبیل کا پانی وقف نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کو ختم کئے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، تو یہ اباحت قرار پائے گا نہ کہ وقف، ہاں سقایہ جو عمارت ہوتی ہے اس کا وقف کرنا متعارف ہوگیا ہے جیسا کہ پُل ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب سقایہ وقف ہوا تو پانی بھی اس کی متابعت میں وقف ہوگیا، اور اس پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح میں گزرا، کیونکہ سقایہ میں مقصود تو پانی ہی ہے اور سقایہ تو تابع ہے تو معاملہ برعکس نہیں کیا جائے گا، اور پھر سقایہ کیونکر وقف مقصود ہوسکتا ہے کہ پانی اس کا تابع ہو

---

[1] ردالمحتار فصل فی التصرف فی المبیع البابی مصر ۴/ ۱۶۵

[2] ایضاً

شرعا وحسا فبقاؤها بنماءها اذھی الاصل المتولد منه فتشبه مالیتها شجرة تبقی فتؤتی اکلها کل حین باذن ربها وکیفما کان لایقاس علیها الماء وقد عللوا اما اذا ملاء صبی کوزا من حوض ثم صبه فیه لایحل لاحد شربه بان الصبی ملك ما اخذہ من ماء الحوض المباح فاذا صبه فیه اختلط ملکه به فامتنع استعماله[1] کما فی الحدیقة الندیة اخر نوع العشرین من اٰفات اللسان وغمز العیون من احکام الصبیان والطحطاوی من فصل فی الشرب وفی ھذا الکتاب اعنی ش من الفصل المذکور عن ط عن الحموی عن الدرایة عن الذخیرة والمنیة وقد جعلوا ماء الحوض مباحا ولوکان وقفا لم یملکه الصبی باخذہ فی کوزہ فان الوقف لایملك وقد عرفه شمس الائمة السرخسی بانه حبس المملوك عن التملیك عن الغیر اھ[2] کما فی ش بخلاف غلة ضیعة موقوفة علی الذراری فانهم یملکونها عند ظهورها فمن مات منهم بعدہ یورث عنه قسطه کما یأتی فی الکتاب فان الوقف ھی الضیعة وھذہ نماؤھا۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر پانی تابع ہو بھی تو اسی قدر تابع ہوگا جو سقایہ میں موجود ہے نہ کہ اس کے بدل جو بار بار لوٹ کر آتے ہیں اس کے تابع ہوں، اور پانی ایسی چیز نہیں جو متعین نہ ہو تاکہ بدل کے باقی رہنے کو اس کی بقاء قرار دیا جائے۔ مجھے اس عذر پر اعتراض ہے" ش" نے "تصرف فی المبیع والثمن" کی بحث میں فرمایا کہ نقود کا غیر متعین ہونا مطلق نہیں، یہ صرف معاوضات میں ہے الخ پھر انھوں نے اس میں ایک تفصیل ذکر کی جس میں ناقلین سے کچھ خلطِ مبحث ہوگیا، میں نے اس پر جو تعلیقات کی ہیں ان میں اس پر تنبیہ کی ہے، اور اس سے قبل باب "بیع فاسد" میں فرمایا: دراہم دنانیر، امانات، ہبہ، صدقہ، شرکۃ، مضاربۃ اور غصب میں متعین ہوجاتے ہیں اھ وقف صدقہ سے بہت مشابہ چیز ہے بلکہ امام کے نزدیک صدقہ ہی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں (واللہ تعالٰی اعلم) کہ سونا چاندی اور تجارتی معاملات شرعاً اور حساً نامی چیزیں ہیں تو ان کی بقاء ان کی نماء کے باعث ہوگی، کیونکہ ان سے جو چیز متولد ہوتی ہے وہ یہی ہے، تو ان کی مالیت اس درخت کی طرح ہوگی جو باقی رہتا ہے اور موسم پر اس کا پھل آتا رہتا ہے اور جو بھی صورت ہو بہرحال اس پر پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں۔
اگر کسی بچے نے ایک حوض سے پانی کا ایک کوزہ بھرا

۱؎ الحدیقة الندیة النوع العشرین من آفات اللسان رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۹

۲؎ ردالمحتار کتاب الوقف البابی مصر ۳/ ۳۹۲

پھر اس کو اس میں انڈیل دیا، تو اب اس حوض کا پانی کسی کو پینا جائز نہیں اور اس کی علّت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ بچّے نے مباح حوض سے جو پانی لیا' وہ پانی اس کی ملکیت میں آگیا، اور پھر اُس پانی کو جب اسی حوض میں ڈال دیا تو اس کی ملک اس کے ساتھ مخلوط ہوگئی تو اب اس کا استعمال ممنوع ہوگیا، حدیقہ ندیہ آفات اللسان' بیسویں نوع کا آخر۔ غمز العیون' بچّوں کے احکام۔ طحطاوی، فصل شرب۔ اور 'ش' میں' مذکور فصل میں 'ط' سے 'حموی' سے 'درایہ' سے 'ذخیرہ' سے' اور غیرہ سے ہے کہ فقہاء نے حوض کے پانی کو مباح قرار دیا ہے' اگر یہ پانی وقف ہوتا تو بچہ اس کو کوزہ میں لینے سے اس کا مالک نہ ہو جاتا، کیونکہ وقف پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ مملوک کو تملیک سے روکنا ہے، یعنی غیر اس کا مالک نہیں ہوسکتا ہے اھ جیسا کہ "ش" میں ہے، یہ اس کے خلاف ہے کہ کوئی شخص ذرّیت پر کسی زمین کی آمدنی وقف کردے، کیونکہ جب یہ آمدنی ظاہر ہوگی تو ذرّیت اس کی مالک ہوجائے گی، ذریت میں سے جو اس کے بعد وفات پائے گا اس کی میراث جاری ہوگی' جیسا کہ کتاب میں آئے گا، کیونکہ وقف تو زمین ہے اور یہ اس کا "ثمار" ہے۔ (ت)

فان قلت الیس قد تقدم فی وضوء الکتاب ما نصہ مکروھہ الاسراف فیہ الٰی آخر ما مرنقلہ **اقول** و باللّٰہ التوفیق المراد بہ الماء المسبل بمال الوقف کماء المدارس و المساجد والسقایات التی تملؤ من اوقافہا فان ھذا الماء لایملکہ احد ولا یجوز صرفہ الا الی جھۃ عینہا الواقف وھذا ھو حکم الوقف اما الماء الذی یسبلہ المرء من ملکہ فلا یصیر وقفا سواء کان فی الحباب او الجرار او الحیاض او السقایات انما غایتہ الاباحۃ یتصرف فیہا الناس وھو علی ملکہ فلا تتأتی فیہ مسألۃ کوز الصبی المذکورۃ ھذا ما ظھر لی وارجو ان یکون ھو الصواب، باذن الملک الوھاب، ولہ الحمد وعلی حبیبہ الکریم والاٰل والاصحاب، صلاۃ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتاب کے وضو کی بحث میں گزرا ہے، اس وضوء کے مکروہات میں اسراف ہے الٰی آخر ما نقلہ میں کہتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد سبیل کا پانی ہے جو وقف ہو، جیسا کہ مدارس، مساجد، سقایات کا پانی جو ان کے اوقاف کی آمدنی سے بھرا جاتا ہے، کیونکہ اس پانی کا کوئی مالک نہیں' اور اس کو فقط اُسی جہت میں صَرف کیا جاسکتا ہے جو اُس کے واقف نے اس کے لیے متعین کی ہے' اور یہی وقف کا حکم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی مِلک سے پانی کی سبیل لگائے تو وہ وقف نہ ہوگی' خواہ وہ مشکوں میں ہو یا چھوٹے گھڑوں میں یا حوضوں اور سقایوں میں، کیونکہ اُس سے تو صرف اتنا مقصود ہے کہ پانی مالک کی مِلک میں رہتے ہوئے لوگوں کے لیے مباح کردیا جائے تو اس میں بچّے کے کوزہ کا مذکورہ مسئلہ نہیں چلے گا' مجھ پر یہی ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی

وسلام مدید وامان بلا عدد ولا حساب ع آمین۔ صحیح ہوگا...(ت)

(۳۰) اقول یوں ہی مسجد کے سقائے یا حوض ف۱ جو اہلِ جماعتِ مسجد کی طہارت کو بھرے جاتے ہیں اگر مالِ وقف سے بھرے گئے ہوں تو مطلقاً جب تک ابتداسے واقف کی اجازت ثابت نہ ہو اور کسی نے اپنی مِلک سے بھروائے ہوں تو بے اس کی اجازت قدیم خواہ جدید کے گھروں میں اُن کا پانی اگرچہ طہارت ہی کے لیے لیجانا روا نہیں طہارت ہوجائیگی مگر گناہ ہوگا اجازت ف۲ واقف ومالک کی وہی تفصیل ہے جو آبِ سبیل میں گزری والدلیل الدلیل (اور دلیل بھی وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے) جاڑوں میں کہ سقائے گرم کئے جاتے ہیں بعض لوگ گھروں میں پانی لے جاتے ہیں اس میں بہت احتیاط چاہیے کہ غالباً بے صورتِ جواز واقع ہوتا ہے۔

اما ما فی الخانیۃ ثم الھندیۃ من کتاب الشرب یجوز ان یحمل ماء السقایۃ الی بیتہ لیشرب اھلہ اھ فھو فی المعد للشرب بدلیل اٰخرہ وصدرہ اختلفوا فی التوضی بماء السقایۃ جوز بعضھم وقال بعضھم ان کان الماء کثیرا یجوز والا فلا وکذا کل ماء اعد للشرب حتی قالوا فی الحیاض التی اعد للشرب لایجوز فیہ التوضی ویمنع منہ وھو الصحیح ویجوز ان یحمل الخ[1] بناء علی ان الذی یعد ف۳ للشرب لایمنع منہ مخدرات الحجال وبالجملۃ لاشك ان المبنی العرف ف۴ فان علمنا ان المسبل للشرب خص بہ الواردین ولایرضی بحملہ الی البیوت لم یجز ذلك قطعا بل لو علم خصوص فی المارۃ لم یجز لغیرھم من الواردین کما یفعلہ بعض الجھلۃ فی عشرۃ المحرم لسبیل

پھر خانیہ اور ہندیہ کے کتاب الشرب میں ہے کہ اگر کوئی شخص سقایہ کا پانی اپنے گھر بیوی بچّوں کو پلانے کے لیے لے جائے تو جائز ہے اھ تو اس سے مراد وُہ پانی ہے جو خاص پینے ہی کے لیے رکھا گیا ہو، عبارت کا اوّل وآخر یہی بتاتا ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ "سقایہ" کے پانی سے وضوء جائز ہے یا نہیں۔ بعض نے جواز کا قول کیا، اور بعض نے کہا کہ اگر پانی زائد ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہی حکم ہر اُس پانی کے لیے ہے جو پینے کے لیے رکھا گیا ہو، یہاں تک فقہائے اُس حوض کی بابت بھی یہی فرمایا ہے جو پینے کے لیے بنایا گیا ہو کہ اُس میں وضوء جائز نہیں، اور اگر کوئی کرے تو اس کو منع کیا جائیگا، اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ وُہ پانی گھر لے جائے الخ اسکی بنیاد یہ ہے کہ جو پانی پینے کیلئے رکھا جائے اس سے پردہ نشینوں کو محروم نہ رکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اصل دارومدار عُرف پر ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ سبیل کا پانی پینے کے لیے ہے اور وہی لوگ اس سے

---

[1] ہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/۳۹۱

الماء او الشربة لمن مع الضريح المختلق بدعة محدثة يسمونها تعزية فلا يجوز شربه لغيرهم وان جعلوه لمن مع الضريح الفلانی لو یجز لاهل ضریح غیره والله تعالٰی اعلم لاجرم ان قال فی متفرقات کراهیة البزازیة حمل ماء السقایة الی اهله ان ماذونا للحمل یجوز والا لا اھ[1] و هذا عین ما قررت ولله الحمد۔

استفادہ کرسکیں گے جو اس پر وارد ہوں تو ایسے پانی کو گھر نہیں لے جایا جاسکتا ہے بلکہ اگر بطور خاص گزرنے والوں کے لیے ہے تو دوسرے وارد ہونے والوں کو اُس کا استعمال جائز نہ ہوگا، چنانچہ بعض جاہل محرّم کے عشرہ میں پانی یا دُودھ کی سبیل تعزیہ کے ساتھ گزرنے والوں کے لیے بطور خاص لگاتے ہیں، یہ بدعت محدثہ ہے، اس کا استعمال دوسروں کو جائز نہیں بلکہ اگر ایک تعزیہ کے لیے جائز ہے تو دوسرے تعزیہ کے شرکا کو اس کا استعمال جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ بزازیہ میں ہے (متفرقات کراہیۃ میں) (ت) سقایہ کا پانی گھر والوں کے لیے لے جانا اگر اُس کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اھ اور یہ بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے کہا وللہ الحمد

(۳۱) سفر میں طہارت کو پانی[ف۱] پاس ہے مگر اس سے طہارت کرتا ہے تو اب یا بعد کو یہ یا اور کوئی مسلمان یا اُس کا جانور اگرچہ وہ کتّا جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا یا آٹا گوندھنے یا اتنی نجاست پاک کرنے کو جس سے مانع نماز نہ رہے پانی نہ ملے گا تو ان صورتوں میں اُس پانی سے طہارت اگرچہ ہو جائے گی منع ہے بلکہ اپنے یا دُوسرے مسلمان کے ہلاک کا خوف غالب ہو تو سخت حرام ہے ان سب صور میں تیمم کرے اور پانی محفوظ رکھے ہاں جانور[ف۲] کی پیاس کے لیے اگر وضو یا غسل کا پانی کسی برتن میں رکھ سکتا ہے تو طہارت فرض ہے اور تیمم باطل۔

اقول[ف۳] یوں ہی اگر طہارت اس طرح ممکن ہو کہ پانی مستعمل نہ ہونے پائے جس کا طریقہ پرنالے وغیرہ میں وضو کرنے کا ہم نے رحب الساحہ میں بیان کیا تو اعذار مذکورہ سے کوئی عذر مبیح تیمم نہ ہوگا اور طہارت فرض ہوگی کما لایخفی۔ بحر الرائق و دُرمختار میں ہے:

والنظم للدر (من عجز عن استعمال الماء لخوف عدو او عطش) ولو لکلبه او رفیق القافلة حالا او مالا وکذا العجین او ازالة نجس وقید ابن الکمال عطش

عبارت دُر کی ہے (جو شخص بوجہ خوفِ دشمن یا پیاس پانی کے استعمال سے عاجز ہو) خواہ اپنے کُتّے یا رفیق قافلہ کے لیے، اب یا آئندہ، اور اسی طرح آٹا گوندھنے کے لیے یا نجاست دور کرنے کے لیے اور

---

[1] بزازیۃ مع الہندیۃ التاسع فی المتفرقات من الکراہیۃ پشاور ۶/۳۶۲

دوابہ بتعذر حفظ الغسالۃ لعدم الاناء (تیمم)۔

ابن الکمال نے یہ قید لگائی کہ اس کے جانور پیاسے رہ جائیں گے کہ برتن نہ ہونے کی وجہ سے وہ دھوون کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے (تو ایسی صورتوں میں وہ تیمم کرے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ ولو لکلبہ قیدہ فی البحر و النھر بکلب الماشیۃ والصید و مفادہ انہ لولم یکن کذلک لا یعطی ھذا الحکم و الظاھر ان کلب الحراسۃ للمنزل مثلھما ط قولہ او رفیق القافلۃ سواء کان رفیقہ المخالط لہ او اٰخر من اھل القافلۃ بحر و عطش دابۃ رفیقہ کعطش دابتہ نوح قولہ حالا او مآلا ظرف لعطش اولہ و لرفیق علی التنازع کما قال ح ای الرفیق فی الحال او من سیحدث لہ قال سیدی عبدالغنی فمن عندہ ماء کثیر فی طریق الحاج او غیرہ و فی الرکب من یحتاج الیہ من الفقراء یجوز لہ التیمم بل ربما یقال اذا تحقق احتیاجھم یجب بذلہ الیھم لاحیاء مھجھم قولہ وکذا العجین فلو احتاج الیہ لاتخاذ المرقۃ لایتیمم لان حاجۃ الطبخ دون حاجۃ العطش بحر قولہ او ازالۃ نجس ای اکثر من قدر الدرھم و فی الفیض لو معہ مایغسل بعض النجاسۃ

اس کا قول اور اگرچہ اپنے کُتے کے لیے، اس کتے کو بحر و نہر میں، اُس کُتے سے مقید کیا گیا ہے جو مویشی کی حفاظت یا شکار کے لیے رکھا گیا ہو، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہ ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ گھر کی حفاظت کے لیے جو کتا پالا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے ط، اسکا قول یا رفیق قافلہ کے لیے عام ازیں کہ وہ اس کا اپنا شریک رفیق ہو یا دوسرا ہو اہل قافلہ سے (بحر) اور اس کے ساتھی کی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود اس کی اپنی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ہے (نوح) اس کا قول حالاً او مآلاً، عطش کا ظرف ہے یا اس کا اور رفیق کا بر سبیل تنازع ہے جیسا کہ "ح" نے فرمایا یعنی رفیق فی الحال یا من سیحدث لہ، عبدالغنی نے فرمایا جس کے پاس حاجیوں وغیرہ کے راستے میں زائد پانی ہو، اور قافلہ میں کوئی فقیر پانی کا ضرورت مند ہو، تو اس کو تیمم جائز ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُس پانی کی ضرورت واقعی اہلِ قافلہ کو ہو تو ان کی زندگیاں

الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱

لایلزمه اھ قلت وینبغی تقییدہ بما اذا لم تبلغ اقل من قدر الدرھم فاذا کان فی طرفی ثوبه نجاسة وکان اذا غسل احد الطرفین بقی ما فی الطرف الاٰخر اقل من قدر الدرھم یلزمه اھ۔[1]

بچانے کے لیے پانی صرف کرنا واجب ہے قولہ وکذا العجین، تو اگر کسی کو شوربہ بنانے کے لیے پانی کی ضرورت ہو تو تیمم جائز نہ ہوگا کیونکہ کھانا پکانے میں جو ضرورت ہے وہ پیاس سے کم ہے، بحر، قولہ اوازالۃ نجس " اس سے مراد وہ نجاست ہے جو ایک درہم سے زائد ہو، اور فیض میں ہے " اگر اس شخص کے پاس اتنا پانی موجود ہو کہ کچھ نجاست کو دھو لے گا تو دھونا لازم نہیں اھ میں کہتا ہوں اس میں یہ قید لگانی چاہیے کہ یہ نجاست درہم سے کم نہ ہو' تو اگر اس کے کپڑے کے دونوں جانب نجاست ہو، اور ایک طرف دھونے سے دوسری طرف باقی رہتی ہو، مگر ایک درہم سے کم رہتی ہے تو اس کا دھونا لازم ہے اھ (ت)

اقول ھھنا ابحاث **الاول** کلب حراسة المنزل مساو لکلب الماشیة بل اولی ولکلب الصید ان کان الحاجة الیه للاکل فان المال شقیق النفس والا فاولی وعلی کل ھو ثابت منھما بالفحوی فلیس ھذا المحل الاستظھار ولذا عبرت بکلب یحل اقتناؤہ وفی الحدیث الصحیح الا کلب صید او زرع او ماشیة[2] **الثانی** قید رفیق القافلة وفاق فربما تسایر قافلتان او اکثر ولا یعد من فی احدھما رفیق من فی الاخری والحکم لا یختص بمن فی قافلته فان احیاء مھجة المسلم فریضة علی الاطلاق فلذا غیرته وبمسلم عبرته.

میں کہتا ہوں یہاں کئی بحثیں ہیں:

پہلی بحث: گھر کی حفاظت کے لیے جو کتا پالا گیا وہ ریوڑ کی حفاظت کے کتے کے برابر بلکہ اُس سے اولیٰ ہے، اسی طرح شکار کے کتے کی مانند ہے، جبکہ شکار کھانے کی ضرورت ہو کیونکہ مال جان کا ہم پلہ ہے ورنہ تو وہ اولیٰ ہے، اور بہرصورت یہ چیز دونوں کے منطوق سے ثابت ہے، اور یہ محل استظہار نہیں اور اس لئے میں نے کہا ہے، وہ کتا جس کا پالنا جائز ہو، اور حدیث صحیح میں ہے مگر شکار، کھیتی یا جانوروں کا کتا۔

دوسری بحث: "رفیق قافلہ" کی قید اتفاقی ہے کیونکہ عام طور پر دو یا دو سے زیادہ قافلے چلتے ہیں اور ایک قافلے کا آدمی دوسرے کا رفیق شمار نہیں ہوتا، اور یہ حکم اس کے ساتھ خاص نہیں جو اُس کے قافلہ

---

[1] ردالمحتار باب التیمم البابی مصر ۱/۱۷۳

[2] صحیح لمسلم باب الامر بقتل الکلاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۱

میں ہو، کیونکہ مسلمان کی جان بچانا علی الاطلاق فرض ہے اسی لیے اس کو بدل کر دبمسلم کر دیا۔ (ت)

اقول[1] ویدخل فی الحکم الذمی فیما یظھر فان لھم مالنا وعلیھم ما علینا نعم الحربی لاحرمۃ لروحہ بل امرنا بافنائہ فکیف یلزمنا السعی فی ابقائہ ولذا صرحوا[2] ان لو وجد فی بریۃ کلبا وحربیا یموتان عطشا ومعہ ماء یکفی لاحدھما یسقی الکلب ویخلی الحربی یموت ومن الحربیین[3] کل رجل یدعی الاسلام وینکر شیئا من ضروریات الدین لان المرتد حربی کما نصوا علیہ وھم مرتدون کما حققناہ فی المقالۃ المسفرۃ عن حکم البدعۃ المکفرۃ ۔ ۱۲۹۹ھ

میں کہتا ہوں، بظاہر اس میں ذمی بھی شامل ہے، کیونکہ جو حقوق ہمارے لیے ہیں وہی ذمیوں کے لیے بھی ہیں، اور جو فرائض ہم پر ہیں وہ ذمیوں پر بھی ہیں، ہاں حربی کی جان کی کوئی حرمت نہیں ہے، بلکہ ہمیں اُس کے فنا کر دینے کا حکم ہے تو ہم پر اس کی زندگی بچانے کی سعی کیونکر لازم ہوگی؟ اس لیے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی جنگل میں ایک کتا اور ایک حربی ملے اور دونوں پیاس سے مر رہے ہیں اور اس کے پاس صرف اتنا پانی ہو کہ ایک بچ سکتا ہو تو کتے کو پلا دے اور حربی کو مرنے کے لیے چھوڑ دے، اور جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہو وہ حربی ہے، کیونکہ فقہاء کی تصریح کے مطابق مرتد حربی ہے، اور یہ سب حربی ہیں ہم نے اس کی تصریح المقالۃ المسفرۃ عن حکم البدعۃ المکفرۃ میں کر دی ہے۔

الثالث التیمم لعطش رفیق سیحدث یجب تقییدہ بما اذا تیقن لحوقہ وانہ لاماء معہ والا فلا یجوز التیمم للتوھم الرابع[4] تحقق الاحتیاج بمعنی ثبوتہ عینا لا یتوقف علیہ وجوب البذل الاتری الی قولھم لخوف عطش وبمعنی ثبوتہ ذھنا ان ارید بہ الیقین فکذا فان[5] الظن الغالب ملتحق بہ فی الفقہ او ما یشملہ فلا محل للترقی اذ علیہ یدور الحکم والظن المجرد مثل الوھم الخامس[6] حاجۃ الطبخ لیست دون حاجۃ العطش اذا لم یتأت لاکل

تیسری بحث: کسی دوست کی پیاس کے لئے تیمم کرنا جس کی ملاقات متوقع ہو، اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ اس دوست کا قافلے کے ساتھ ملنا یقینی ہو، اور اس کے پاس پانی نہ ہو، ورنہ محض وہم کی بنیاد پر تیمم جائز نہیں۔

چوتھی بحث: ضرورت کا یہ مفہوم لینا کہ وہ ضرورت محسوس طور پر موجود ہو، درست نہیں، اور نہ ہی اس پر پانی کا خرچ کرنا موقوف ہے، چنانچہ فقہاء کا قول ہے "لخوف عطش" اور اس کا ذہناً ثابت ہونا، اگر اس سے یقین مراد ہو تو ایسا ہی ہے، کیونکہ فقہ میں ظن غالب کا حکم وہی ہے جو یقین کا ہے یا جو یقین کو

الا بالطبخ الا ترى ان حاجة العجن ساوت حاجة العطش لان عامة الناس لا يمكنهم التعيش باستفاف الدقيق فما العجن الا للخبز وما هو الا من الطبخ فالاولى ان يقال ان حاجة المرقة دون حاجة العطش السادس[۱] قيد الزيادة على درهم مساحة او مثقال زنة فى النجاسة الغليظة اما الخفيفة فمقدرة بالربع فلذا عبرت بالقدر المانع السابع ما بحث السيد ش فى تقليل النجاسة حسن وجيه فلذا عبرت بما لا يبقيها مانعة ۔

شامل ہو، تو ترقی کا کوئی محل نہیں، کیونکہ حکم کا دار و مدار اسی پر ہے اور محض ظن تو وہم کے حکم میں ہے۔

پانچویں بحث: پکانے کی حاجت پیاس کی حاجت سے کم نہیں جبکہ وہ چیز بلا پکائے نہ کھائی جاسکتی ہو، مثلاً آٹا گوندھنا پیاس کے برابر ہے، کیونکہ عام لوگ آٹا پھانک کر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں، تو آٹا گوندھنا روٹی پکانے کے لیے ہے اور یہ بھی پکانے کا ایک حصہ ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ شوربہ کی ضرورت پیاس کی ضرورت سے کم ہے۔

چھٹی بحث: ایک درہم سے زیادہ ہونے کی قید پیمائش میں اور ایک مثقال سے زیادہ کی قید وزن میں، نجاست غلیظہ میں ہے اور خفیفہ میں اس کی تقدیر چوتھائی سے ہے اسی لیے میں نے یہ تعبیر کی ہے کہ "جس سے مانع نماز نہ رہے"۔

ساتویں بحث: سید ش نے نجاست کی کمی میں جو بحث کی ہے وہ بہت اچھی ہے اس لیے میں نے اس کی تعبیر "مالا یبقیها مانعة" سے کی ہے۔ (ت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(رسالہ ضمنیہ) عطاء[۳۴] النبی لافاضة احکام ماء الصبی[۱۳]

(بچے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ)

(۳۲ تا ۴۸) نابالغ کا بھرا ہوا پانی یہ مسئلہ بہت طویل الذیل[۲] وکثیر الشقوق ہے کتابوں میں اس کی تفصیل تمام درکنار بہت صورتوں کا ذکر بھی نہیں فقیر بتوفیق القدیر امید کرتا ہے کہ اس میں کلام شافی وکافی ذکر کرے فاقول وباللہ التوفیق پانی تین قسم ہیں[۳] (۱) مباح غیر مملوک (۲) مملوک غیر مباح (۳) مباح مملوک

اول دریاؤں نہروں کے پانی تالابوں جھیلوں ڈبروں کے برساتی پانی مملوک کنوئیں کا پانی کہ وہ بھی جب تک بھرا نہ جائے کسی کی ملک نہیں ہوتا جس کی تحقیق ابھی گزری مساجد وغیرہا کے حوضوں سقایوں کا پانی کہ مالِ وقف سے بھرا گیا اس کا بیان بھی گزرا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی ملک نہیں۔

دوم برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرا یا بھروا کر رکھا وہ خاص اس کی ملک ہے اس کی

اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

سوم سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرا یا اپنے مال سے بھروایا بہرحال اس کی مِلک ہوا اور اس نے لوگوں کے لیے اس کا استعمال مباح کردیا وہ بعد اباحت بھی اُسی کی مِلک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی۔ ظاہر ہے کہ قسم اخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ کچھ تفاوت احکام نہ ہوگا کہ لینے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ یوں ہی قسم دوم میں جبکہ مالک نے اسے بطور اباحت دیا ہاں اگر مالک کیا تو اب فرق احکام آئے گا اور اگر بے اجازت مالک لیا یا دونوں قسم اخیر میں مالک بوجہ صغر یا جنون اجازت دینے کے قابل نہ تھا تو وہ آب مغصوب ہے، زیادہ تفصیل طلب اور یہاں مقصود بالبحث قسم اوّل ہے اس کے لیے **تنقیح اول**[ف1] ان اصول پر نظر لازم جو اموال مباحہ جیسے آبِ مذکور یا جنگل کی خودرو گھاس پیڑ پھل پھول وغیرہا پر حصول مِلک کے لیے ہیں کتب میں اس کے جزئیات متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظر حاضر ایک ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے واللہ الہادی۔

فاقول وبہ استعین یہ تو ظاہر ہے کہ مباح چیز[ف2] احراز و استیلا سے مِلک ہوجاتی ہے اول بار جس کا ہاتھ اُس پر پہنچا اور اس نے اپنے قبضے میں کرلیا اُسی کی مِلک ہوجائیگی مگر یہ قبضہ کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہوتا اور اُس کا قبضہ ٹھہرتا ہے اس کی تفصیل[ف3] یہ ہے کہ مال مباح کا لینے والا دو حال سے خالی نہیں اُس[1] شے کو اپنے لیے لے گا یا دُوسرے کے لیے، برتقدیر ثانی بطور خود یا اس کے کہے سے برتقدیر ثانی بلا معاوضہ[2] یا باجرت[3] برتقدیر ثانی اُس دوسرے کا اجیر[4] مطلق ہے جیسے خدمت گار یا خاص اسی مباح کی تحصیل کے لیے اجیر کیا برتقدیر ثانی اجارہ[5] وقت معین پر ہوا مثلاً آج صبح سے دوپہر تک یا بلا تعین برتقدیر ثانی وہ شے مباح[6] متعین کردی تھی۔ مثلاً یہ خاص درخت یا یہاں سے یہاں تک کے یہ دس پیڑ یا اس قطعہ مخصوصہ کا سبزہ یا اس حوض کا سارا پانی یا یہ تعیین بھی نہ تھی برتقدیر ثانی اجیر قبول کرتا ہے کہ یہ شے میں نے مستاجر کے لیے لی یا نہیں برتقدیر ثانی اگر اس شے کا احراز مثلاً کسی ظرف میں ہوتا ہو تو وہ ظرف مستاجر کا تھا یا نہیں یہ نو صورتیں ہوئیں۔ ان میں صورت اولیٰ میں تو ظاہر ہے کہ وہ شے اُسی قبضہ کرنے والے کی مِلک ہوگی دوسرے کو اس سے علاقہ ہی نہیں، یوں ہی صورت دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سبب مِلک استیلا رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کے لیے محض نیت اس مِلک کو منتقل نہ کرے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

لوقیل علیہ ھذا اذا استولی علیہ بقصدہ لنفسہ فاما اذا قصد ذلک لغیرہ فلم لایکون للغیر یجاب بان اطلاق نحو قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الناس

اگر اس پر کہا جائے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس پر استیلا کیا اور قصد اپنے نفس کے لیے کیا، اور اگر کسی دوسرے کے لیے اس کا ارادہ کیا، تو یہ غیر کے لیے کیوں نہ ہوگا، اس کا یہ جواب ہے کہ حضور

شرکاء فی ثلاث لایفرق بین قصد وقصد[۱] اھ وکتبت علیہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں" ایک قصد اور دوسرے قصد میں فرق نہیں کرتا ہے اھ اس پر میں نے لکھا ہے کہ

اقول الاحراز سبب الملك وقد تم له فملك ولا ینتقل لغیرہ بمجرد القصد کمن شری غیر مضاف الی زید ونیتہ انہ یشتریہ لزید لم یکن لزید۔

میں کہتا ہوں حاصل کرلینا اسبابِ ملک میں سے ہے اور ملک اس کے لیے تام ہوچکی ہے اور وُہ مالک ہوگیا اور یہ ملک دوسرے کی طرف محض قصد کی وجہ سے منتقل نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور اس کو زید کی طرف مضاف نہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وُہ زید کے لیے ہے، تو وہ زید کے لیے نہ ہوگی۔ (ت)

اسی طرح صورتِ سوم میں بھی کہ تحصیل مباح کے لیے دوسرے کو اپنا نائب ووکیل وخادم ومعین بنانا باطل ہے درمختار کتاب الشرکۃ فصل شرکت فاسدہ میں ہے:

التوکیل فی اخذ المباح لایصح[۲]۔

مباح چیز کو لانے کے لیے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ (ت)

جامع الصغار فصل کراہیت میں ہے:

الاستخدام فی الاعیان المباحۃ باطل[۳]۔

اعیان مباحہ میں استخدام باطل ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الشرع جعل سبب ملك المباح سبق الید الیہ فاذا وکلہ بہ فاستولی علیہ سبق ملکہ لہ ملك الموکل[۴]۔

شریعت نے مباح اشیاء میں ملک کا سبب سبقت ید کو بتایا ہے، توجب کسی نے اس پرکسی کو وکیل بنایا اور اس نے اس پر استیلاء حاصل کرلیا موکل کی ملک اس پر ثابت ہوجائیگی تو وکیل مالک ہوجائیگا۔ (ت)

ہندیہ اجارات باب ۱۶ میں قنیہ سے ہے:

---

[۱] فتح القدیر فصل فی شرکۃ فاسدہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۱۰

[۲] الدرالمختار شرکۃ فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷۴

[۳] جامع احکام الصغار مع جامع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۷

[۴] فتح القدیر فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ سکھر ۵/۲۱۰

قال نصير (هو ابن يحيى) قلت (اى للامام ابى سليمٰن الجوزجانى رحمهما الله تعالىٰ) فان استعان بانسان يحتطب و يصطاد له (اى من دون اجر) قال الحطب والصيد للعامل وكذ اضربة القانص قال استاذنا (وهو البديع استاذ الزاهدى) و ينبغى ان يحفظ هذا فقد ابتلى به العامة و الخاصة يستعينون بالناس فى الاحتطاب و الاحتشاش وقطع الشوك والحاج[1] واتخاذ المجمدة فيثبت الملك للاعوان فيها و لا يعلم الكل بها فينفقونها قبل الاستيهاب بطريقه او الاذن فيجب عليهم مثلها او قيمتها وهم لا يشعرون لجهلهم وغفلتهم اعاذنا الله عن الجهل ووفقنا للعلم

نصیر (ابن یحیٰی نے) کہا، میں نے کہا (یعنی امام ابوسلیمان الجوزجانی کو) اگر کسی شخص نے لکڑیاں جمع کرنے یا شکار کرنے کے لیے دوسرے شخص کی مدد حاصل کی (یعنی بلا اجر) فرمایا اس صورت میں لکڑیاں اور شکار اُسی کا ہے جس نے کیا ہو، اور اسی طرح شکاری کا ایک مرتبہ جال ڈال کر شکار نکالنا، ہمارے استاذ نے فرمایا (یعنی بدیع استاذ الزاہدی) اور اسے یاد کرلینا چاہیے کیونکہ اس میں ہر عام و خاص مبتلا ہے، لوگ دوسروں سے لکڑیاں جمع کرانے کانٹے اکھٹے کرانے اور گھاس جمع کرانے میں مدد لیتے ہیں، اسی طرح ایک قسم کا درخت منگواتے ہیں یا آسمانی برف جمع کراتے ہیں، تو جو لوگ عملاً یہ کام کرتے ہیں ان پر انہی لوگوں کی ملک ثابت ہوجائے گی، لوگ یہ مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان لوگوں سے نہ تو اجازت

---

[1] الحاج باهمال اوله واعجام اٰخره جمع حاجة وهى الشوك وقيل نبت من الحمض وقال ابن سيده ضرب من الشوك وقيل شجر وقال ابو حنيفة الدينورى الحاج مما تدوم خضرته و تذهب عروقه فى الارض بعيدا ابتداوى بطبيخه وله ورق دقاق طوال كانه مساو للشوك فى الكثرة اه من تاج العروس ۱۲ منه غفرله. (م)

[1] الحاج، حاء مہملہ اور جیم کے ساتھ، جمع حاجہ کی ہے، کانٹوں کو کہتے ہیں، ایک قول کے مطابق ترش گھاس ہے۔ ابن سیدہ کے مطابق کانٹوں کی ایک قسم ہے۔ ایک قول کے مطابق درخت ہے۔ اور ابوحنیفہ الدینوری نے فرمایا یہ ایسا درخت ہے جو سدابہار رہتا ہے اور اُس کی جڑیں زمین میں دور تک چلی جاتی ہیں اس کو ابال کر دوا کے کام میں لایا جاتا ہے، اس کے پتے باریک اور لمبے ہوتے ہیں اور کانٹوں کی طرح زیادہ ہوتے ہیں اھ تاج العروس ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

والعمل اھ[1] لیتے ہیں اور نہ ہی بطور ہبہ لیتے ہیں اور ان اشیاء کو خرچ کر بیٹھتے ہیں، تو ان پر ان کا مثل واجب ہوگا یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں، اللہ ہمیں جہل سے محفوظ رکھے اور ہمیں علم و عمل کی توفیق دے (آمین) اھ (ت)

اقول وقولہ لایعلم الکل بہا اشارۃ الی الجواب عن سؤال وھم انھم اذا اتوا بہ الی المستعین واعطوہ واخذ کان ھبۃ بالتعاطی فاجاب بانہ ھذا یکون لو علموا ان الملک قد ثبت للاٰمر فیکون الاعطاء والاخذ ایجاب الھبۃ وقبولھا لکنھم جمیعا عنہ غافلون وانما یحسبون المعونۃ فی کفایۃ المؤنۃ کمن ارسل احدا الی دارہ لیحمل منھا کرسیا مثلا یأتیہ بہ۔

میں کہتا ہوں اس کا قول "لا یعلم الکل بہا" ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کارندے ان اشیاء کو اُس شخص کے پاس لے آئیں جس نے ان کو جمع کرنیکا حکم دیا ہے تو وہ اسکو دے دیں اور یہ حاصل کرلے تو گویا انکی طرف سے دینا شمار ہوگا اور اسکی طرف سے لینا ہوگا، اور یہ ہبہ کا ایجاب وقبول شمار ہوگا تو اس کا جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے کہ جب انہیں علم ہو کہ اٰمر کے لیے ملک ثابت ہے تو یہ دینا لینا ہبہ کا ایجاب قبول ہوگا لیکن وہ سب کے سب اس سے غافل ہیں، اور وہ مدد کفایت مؤنت میں سمجھتے ہیں مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو گھر میں بھیجا کہ وہاں سے کرسی اٹھا لائے۔ (ت)

اقول ھو کما قال لکن الاذن ثابت لاشک وھم انما ینوون الاخذ لہ ولا یؤدونہ الیہ لا لیتصرف فیہ ولا غصب منہ حتی یجب الضمان۔

میں کہتا ہوں وہ ایسا ہی ہے جیساکہ انھوں نے فرمایا لیکن اِذن بلاشبہ ثابت ہے اور ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اُس شخص کے لیے لیں، اور اس کو دیتے بھی اس لیے ہیں کہ وہ اُس میں تصرف کرے، وہ غصب تو نہیں کر رہا ہے کہ ضمان واجب ہو۔ (ت)

فان قلت لا یحسبون انفسھم ملاکہ وھو یاخذہ بجعل نفسہ کانہ ھو المستولی علیہ بدء فیتصرف فیہ علی انہ ملکہ فلو یتحقق الاذن لانھم لا یدرون انہ لھم ویجعلھم یصیرلہ حتی یأذنوا لہ فی التصرف وانما یظن ویظنون انہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ان اشیاء کا مالک نہیں سمجھتے ہیں، اور وہ شخص ان چیزوں پر اس طرح قابض ہوتا ہے گویا وہ اِن چیزوں کا پہلا مالک ہے، اور اس طرح تصرف کرتا ہے گویا وہ اِن چیزوں کا مالک ہو تو ایسی صورت میں اذن متحقق نہ ہوگا کیونکہ ان کو تو پتا ہی نہیں کہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/۴۵۱

المالك له ولا عبرة بالظن البین خطؤہ کمن
حسب[ف۱] ان الشیئ الفلانی من ودائع زید عند
ابیه فاداہ الی وارثیه فتصرفوا ثم تبین
انه لابیه لالزید فان له ان یرجع علیهم
به قائما اوبضمانه هالکا فی العقود الدریة
من کتاب الشرکة من دفع شیئا لیس بواجب
علیه فله استردادہ الا اذا دفعه علی
وجه الهبة واستهلکه القابض کما فی
شرح النظم الوهبانی وغیرہ من المعتبرات[۱]
اھ وفیها وفی الخیریة من کتاب الوقف قد
صرحوا بان من[ف۲] ظن ان علیه دینا فبان
خلافه یرجع بما ادی ولوکان قد استهلکه
رجع ببدله[۲] اھ

یہ چیز ان کی ملکیت میں ہے اور اُس کی مِلک میں اُسی وقت ہوگی جب وہ اِذن دیں، اور اِس صورت میں اس کو گمان ہے کہ وُہ مالک ہے اور ان کو بھی گمان ہے کہ وہی مالک ہے، اور جس گمان کا خطا ہونا ظاہر ہو اُس کا کوئی اعتبار نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ گمان کر بیٹھے کہ فلاں چیز زید کی امانتوں میں سے اس کے باپ کے پاس ہے اور اس گمان پر وہ یہ چیز زید کے وارثوں کو دے دیتا ہے اور وہ اس میں تصرف کرلیتے ہیں پھر بعد میں اس کو پتا چلتا ہے کہ وُہ چیز تو اس کے باپ ہی کی ہے زید کی نہیں ہے، تو اگر وُہ چیز موجود ہو تو وہ ان سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ہلاک ہوگئی ہے تو اس کا ضمان لے سکتا ہے، "العقود الدریہ" کے کتاب الشرکۃ میں ہے کہ جس نے کوئی ایسی چیز دی جو اُس پر واجب نہ تھی تو وہ اس کو واپس لے سکتا ہے، ہاں اگر بطور ہبہ دی ہو اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہی چیز شرح نظم وہبانی وغیرہ معتبر کتب میں ہے اھ اور اس میں اور الخیریہ کے کتاب الوقف کے حوالہ سے ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا کہ اُس پر دین ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط ہے، تو جو دیا ہے وہ واپس لے گا، اور اگر وہ ہلاک ہوگیا ہو تو اس کا بدل لے گا اھ (ت)

اقول ھذا فیما لوعلم انه لیس للمدفوع
الیه لم یدفع الیه اماھنا فانما یأتون
به له ولوعلموا ان الملك یقع لهم لم یتخلفوا
عن اعطائه له فرضاهم بتصرفه فیه
ثابت علی کل تقدیر ولهذا لم یکترث

میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ اس کو یہ علم ہوا ہو کہ یہ مدفوع الیہ کے لیے نہ تھا تو اُس کو نہ دے گا، اور یہاں تو وُہ اُسی کے لیے لاتے ہیں اور اگر ان کو یہ علم ہو کہ مِلک ان کے لیے واقع ہوگی تو اس کے دینے سے تخلف نہ کریں گے، تو

۱؎ عقود الدریۃ کتاب الشرکۃ قندھار افغانستان ۱/۹۱
۲؎ فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف بیروت ۱/۱۳۰

به الخاصة فضلا عن العامة کما اعترف به فلا وجه لنسبتهم الی الجهل والغفلة واقامة النکیر ۴ هذا ما عندی والعلم بالحق عند اللطیف الخبیر.

اُن کا اُس کے تصرف پر راضی ہونا بہر تقدیر ثابت ہے اور اس لیے خاص لوگ بھی اس کی پروا نہیں کرتے چہ جائیکہ عام لوگ، جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو جہل، غفلت کی طرف منسوب کیا جائے یا انہیں نکیر کی جائے ہذا ما عندی الخ (ت)

تنبیہ اقول یہ بلامعاوضہ[ف۱] تین صورتوں کو شامل ہے:

ایک یہ کہ وہ اس کا اجیر ہی نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کا اجیر تو ہے مگر اس کام پر نہیں کسی اور خاص کام پر ہے تو یہ بلا معاوضہ ہی ہوا۔

تیسرے یہ کہ مطلق کام خدمت پر نوکر ہے جس میں یہ کام بھی داخل مگر نوکری کے غیر وقت میں اُس سے اس کام کے لیے کہا مثلاً دن کا نوکر ہے اُس سے رات کو پانی بھروایا کہ یہ وقت بھی بلا معاوضہ ہے ولہذا ہم نے اِن صورتوں کو تشقیق میں نہ لیا۔

صورت چہارم میں وُہ مباح آقا کی مِلک ہوگا یعنی جب کہ اُس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورت سوم میں داخل ہے کما مر اِس صورت میں مِلک آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اُس کے ہاتھ بِکے ہوئے ہیں اور اُس کا اُس کے حکم سے قبضہ بعینہ اُس کا قبضہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:[ف۲]

(الاجیر الخاص الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استؤجر شهرا للخدمة اولرعی الغنم) وانما سمی اجیر وحد لانه لایمکنه ان یعمل لغیره لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذا یبقی الاجر مستحقا وان نقض العمل (لاضمان علی ما تلف من عمله) لان المنافع متی صارت مملوکة للمستاجر فاذا امره بالتصرف فی ملکه صح ویصیر نائبا منابه فیصیر فعله منقولا الیه

وہ خاص اجیر جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے کہ ایک مدت کے لیے اپنے آپ کو سپرد کردے خواہ کام نہ کرے (مثلاً کسی شخص کو ایک ماہ کے لیے خدمت یا بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لیا) اسکو اجیر وحد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے کا کام نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس مدت میں اس کے منافع سب اس کے لیے مخصوص ہوگئے ہیں اور اجر منافع کے مقابل ہوتا ہے اس لیے اجیر مستحق رہتا ہے اگرچہ کام ختم ہوجائے (اس کے عمل سے اگر کوئی چیز تلف ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں ہے) کیونکہ منافع جب متاجر کی ملک ہوگئے تو اب جب اُس نے اپنی ملک میں تصرف کا حکم دیا تو صحیح ہوگیا، اور وُہ

كأنه فعله بنفسه فلهذا لا يضمنه[1]۔

اس کا قائم مقام ہوگا اور اس کا فعل اس کی طرف منقول ہوگا گویا یہ فعل اس نے خود کیا ہے، اس لیے وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

یُوں ہی صورت پنجم میں اور اجیر اجر مقرر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیحہ ہے اور صورت ششم میں بھی وہ شے مباح ملک مستأجر ہوگی مگر اجیر اجر مثل پائے گا جو مسمّے سے زاید نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

اقول ويظهر لي ان الوجه فيه والله تعالٰى اعلم ان الاجارة اما على العمل اعني التصرف في شيئ من النقل والحمل والقطع والقلع وغير ذلك وهو في الاجير المشترك والمقصود فيه حصول ذلك التصرف كيفما كان ولذا لم يتقيد بعمل الاجير نفسه واما على منافع الاجير وهو في الاجير الخاص والاجارة في المباحات لا تعقل على الوجه الاول لانها لا تختص بالمستأجر ونسبتها الى الكل سواء فكيف يكون حصول تصرف فيها موجبا للاجر على المستأجر بل انما الاجر مقابل فيها بمنافع الاجير حيث يريد المستأجر ان يستعمله في حاجته فلا يكون الا اجير وحد ولا تتقدر منافعه الا بتعيين المدة فاذا لم تذكر بقي المعقود عليه مجهولا ففسدت ولذا لو كان الشيئ ملك المستأجر كأن يقول اقطع شجرتي هذه بدرهم جاز كما يأتي والله تعالٰى اعلم۔

میں کہتا ہوں مجھے اس کی جو وجہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالٰی اعلم وہ یہ ہے کہ اجارہ یا تو عمل پر ہوگا یعنی کسی چیز میں تصرف کرنا، نقل وحمل، کاٹنے یا اکھاڑنے کے طور پر اور اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں، اور مقصود اس میں اس تصرف کا حاصل ہونا ہے خواہ کسی طرح ہو لہٰذا اس میں یہ قید نہیں کہ اجیر خود ہی عمل کرے اور یا اجارہ اجیر کے منافع پر ہوگا یہ اجیر خاص میں ہوتا ہے، اور مباح چیزوں میں پہلی صورت میں اجارہ متصور نہیں، کیونکہ وہ مستاجر کے ساتھ مخصوص نہیں، اور سب کی طرف اس کی نسبت یکساں ہے، تو اس میں تصرف کا حصول مستاجر پر اجر کو کیونکر لازم کرے گا، بلکہ ان میں اجر اجیر کے منافع کے مقابل ہے کہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس کو اپنی حاجت میں استعمال کرے، تو یہ اجیر وحد ہوگا، اور اس کے منافع کا اندازہ مدۃ کی تعیین و تحدید سے ہی ہوگا اور جب مدۃ کا ذکر نہیں کیا گیا تو معقود علیہ مجہول رہے گا اور اجارہ فاسد رہے گا، اور اسی لئے اگر کوئی چیز مستاجر کی ملک ہو، مثلاً مستاجر یہ کہے کہ میرا یہ درخت ایک درہم میں کاٹ دو تو جائز ہے جیسا کہ آئے گا، واللہ اعلم۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب ضمان الاجیر مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۳۰۸

فتاوٰی عالمگیریہ میں قنیہ سے ہے:

قال نصیر سألت ابا سلیمٰن عمن استأجره ليحتطب له الى الليل قال ان سمى يوما جاز والحطب للمستأجر ولو قال هذا الحطب فالاجارة فاسدة والحطب للمستأجر وعليه اجر مثله ولو كان الحطب الذى عينه ملك المستأجر جاز۔[1]

نصیر نے فرمایا میں نے ابوسلیمان سے پوچھا کہ ایک شخص کسی مزدور سے معاہدہ کرے کہ وہ رات تک اس کے لیے لکڑیاں جمع کرے، تو فرمایا کہ اگر ایک دن کا نام لیا تو جائز ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہوں گی، اور اگر اشارہ کرکے کہا کہ یہ لکڑیاں تو اجارہ فاسد ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہیں اور اس پر اجر مثل ہے، اگر وہ لکڑیاں مستاجر کی ملک ہیں تو جائز ہے۔ (ت)

اقول والمراد اجر المثل بالغا ما بلغ ان لم يسم معينا والا فالاقل منه ومن المسمى كما هو الاصل المعروف ولذا عولت عليه وسيأتى التصريح به۔

میں کہتا ہوں مراد اجر مثل ہے خواہ جتنا بھی ہو اگر اس نے معین نہ کیا ہو ورنہ اجر مثل اور اجر معین سے جو کم ہو وہ دیا جائے گا، جیسا کہ کلیہ معروف ہے، اس لیے میں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی تصریح بھی آجائے گی (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(استأجره ليصيد له او يحتطب له فان وقت) لذلك وقتا (جاز والا) فلو لم يوقت وعين الحطب فسد (الا اذا عين الحطب وهو) اى الحطب (ملكه فيجوز) مجتبى وبه يفتى صيرفية اھ[2] قال العلامة ش قوله والا اى والحطب للعامل ط قوله فسد قال فى الهندية ولو قال هذا الحطب الى اٰخر ما نقلنا قال قوله وبه يفتى صيرفية قال فيها ان ذكر اليوم

(اس کو اس لیے مزدوری پر لیا کہ وہ اس کے لیے شکار کرے یا لکڑیاں چنے تو اگر اس کا وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں) اور اگر وقت مقرر نہ کیا، اور لکڑیاں مقرر کردیں تو یہ عقد فاسد ہے (ہاں اگر لکڑیاں متعین کردیں اور وہ لکڑیاں اسی کی ملک ہیں تو جائز ہے) مجتبٰی اسی پر فتوٰی ہے "صیرفیۃ اھ" علامہ ش نے فرمایا" اور اس کا قول "والا" یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی ط ان کا قول "فسد" ہندیہ میں ہے ولو قال هذا الخطب الى اٰخر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الباب السادس عشر — پشاور — ۴/۴۵۱
[2] الدرالمختار — اجارہ فاسدہ — مجتبائی دہلی — ۲/۱۸۰

فالعلف للآمر والا فللمامور وھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر[1] اھ

جو ہم نے نقل کیا ہے فرمایا ان کا قول و بہ یفتی صیرفیہ اس میں ہے کہ اگر مستاجر نے دن کا ذکر کیا تو چارہ حکم دینے والے کے لیے ہوگا ورنہ اس کا ہوگا جس کو حکم دیا گیا، اور یہ حاوی کی روایت ہے اور اس پر فتوٰی ہے۔ منح میں ہے اور یہ اُس کے موافق ہے جو ہم مجتبٰی سے نقل کر آئے ہیں اور اس لیے ہم نے اس پر مختصر میں اعتماد کیا اھ (ت)

اقول ھھنا تنبیھان الاول کون الحطب للعامل اذا لم یوقت علی مافی الصیرفیۃ وتبع اطلاقھا الفاضلان ط وش محلہ مااذا لم یعین الحطب ایضا والاکان للآمر کما قدمنا عن الھندیۃ عن القنیۃ عن نصیر عن ابی سلیمٰن وقد نقلاہ ایضا واقراہ وفی غمز العیون استاجرہ لیصید لہ او لیحتطب جاز ان وقت بان قال ھذا الیوم او ھذا الشھر ویجب المسمی لان ھذا اجیر وحد وشرط صحتہ بیان الوقت وقد وجد وان لم یوقت ولکن عین الصید والحطب فالاجارۃ فاسدۃ لجھالۃ الوقت فیجب اجر المثل وماحصل یکون للمستاجر کذا فی الولوالجیۃ[2] اھ وفی خزانۃ المفتین رجل استاجر اجیرا لیخیط لہ الی اللیل بدرھم جاز وکذا لیصطاد لہ الی اللیل او لیحتطب

میں کہتا ہوں یہاں دو تنبیہات ہیں:

پہلی تنبیہ: لکڑیوں کا عامل کے لیے ہونا جبکہ اس نے وقت کا تعین نہ کیا ہو، جیسا کہ صیرفیہ میں ہے، اور دو فاضلوں یعنی ط اور ش نے اس کے اطلاق کی متابعت کی ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب لکڑیوں کا تعین بھی نہ کیا ہو ورنہ لکڑیاں آمر کی ہوں گی، جیسا کہ ہم نے ہندیہ اور قنیہ کے حوالہ سے نقل کیا، یہ روایت نصیر کی ابوسلیمان سے ہے، اور اُن دونوں نے اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا، اور غمز العیون میں ہے کسی شخص نے مزدور کو اُجرت پر لیا کہ اُس کے لیے شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس نے وقت کا تعین کردیا ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ اس دن یا اس ماہ میں، اور جو طے کیا ہو وہ واجب ہوگا کیونکہ یہ اجیر محض ہے، اور اس کی صحت کی شرط وقت کا بیان ہے جو پائی گئی ہے اور اگر وقت کا تعین نہ کیا ہو لیکن شکار اور لکڑیوں کا تعین کیا ہو تو اجارہ فاسدہ ہے کہ وقت کی جہالت ہے، تو اس صورت میں اجرِ مثل

---

[1] ردالمحتار اجارہ فاسدہ البابی مصر ۵/ ۴۳

[2] غمز العیون مع الاشباہ کتاب الاجارۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶

جاز و یکون الحطب والصید للمستأجر ولو قال
لیصطاد ھذا الصید اولیحتطب ھذا الحطب
فھو اجارۃ فاسدۃ والحطب والصید للمستاجر
وعلیہ للاجیر اجر المثل ولو استعان من
انسان فی الاحتطاب والاصطیاد فان الصید
والحطب یکون للعامل[1] اھ وفی الھندیۃ عن
محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی
فیمن قال لغیرہ اقتل ھذا الذئب او ھذا الاسد
ولك درھم والذئب والاسد صید فلہ
اجر مثلہ لایجاوز بہ درھما والصید
للمستاجر[2] اھ وبالجملۃ النقول فیہ مستفیضۃ
فماکان ینبغی اطلاق کون الحطب للعامل
عند عدم التوقیت لشمولہ صورۃ تعیین
الحطب وقد ذکرھا الشارح تفریعا علیہ
بل اشار الیھا الماتن ایضا کماتری والثانی
وقع فی الھندیۃ عن القنیۃ قبل مانقلناہ
متصلا بہ مانصہ استأجر
لیقطع لہ الیوم حاجا ففعل
لاشیئ علیہ والحاج للمامور قال نصیر سألت
اباسلیمٰن[3] الخ وکتبت علیہ مانصہ۔

واجب ہوگا، اور جو حاصل ہوگا وہ مستاجر کو ملے گا کذا
فی الولوالجیہ اھ اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ کسی شخص
نے ایک اجیر لیا کہ وہ رات تک اس کے لیے سلائی
کرے اور ایک درہم لے، تو جائز ہے، یا رات تک
شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے، اور یہ لکڑیاں اور شکار
مستاجر کا ہوگا، اور اگر کہا کہ یہ شکار کرے یا یہ لکڑیاں
اکٹھی کرے، تو اجارہ فاسد ہے، اور لکڑیاں اور شکار
مستاجر کا ہوگا اور اس کے ذمہ اجیر کے لیے اجر مثل ہوگا
اور اگر کسی انسان سے لکڑیاں اکٹھی کرنے یا شکار میں
مدد طلب کی تو شکار اور لکڑیاں عمل کرنے والے کی ہونگی
اھ اور ہندیہ میں محیط السرخسی سے محمد رحمۃ اللہ علیہ سے
منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ یہ بھیڑیا
ہلاک کردو یا یہ شیر اور تم کو ایک درہم ملے گا۔ تو بھیڑیا
اور شیر شکار شمار ہوگا اور اُس کو اجر مثل ملے گا جو ایک
درہم سے زائد نہ ہوگا، اور شکار مستاجر کا ہوگا اھ
خلاصہ یہ کہ اس میں نقول مشہور ہیں تو وقت کی تعیین ہونے
کی صورت میں لکڑیوں کا مطلقاً عامل کے لئے قرار
دینا درست نہیں، کیونکہ یہ لکڑیوں کے متعین کرنے
کی صورت کو بھی شامل ہے، اور اس کو شارح نے
اس کی تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے، بلکہ جیسا کہ آپ
دیکھتے ہیں ماتن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے ـــــ دُوسری تنبیہ: ہندیہ نے قنیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/۴۵۱

[3] ایضاً

کسی نے کوئی مزدور اس کام کے لئے لیا کہ وہ آج اُس کے لئے گھاس کاٹے گا اُس نے ایسا ہی کیا تو اس کے لیے کوئی اُجرت لازم نہیں، اور گھاس اُسی کی ہو جائے گی۔ نصیر نے کہا میں نے ابوسلیمٰن سے دریافت کیا۔ الخ (ت)

اقول ف۱ انظر ما وجهه فانه اجير وحد وشرطه بيان المدة وقد وجد كما في الغمز و ش وقد ف۲ قال عن ابي سليمٰن بعده ان سمى يوما جاز و ذكر بعده باسطر عن محيط ف۳ السرخسي لو استأجر ليصيد له او ليغزل له او للخصومة او تقاضي الدين او قبض الدين لا يجوز فان فعل يجب اجر المثل ولو ذكر مدة يجوز في جميع ذلك[1] اھ و يظهر لي في تأويله ان ليس المراد باليوم الوقت المعلوم الممتد الى غروب الشمس بل هو فيه بمعنى الظرفية اي يقع القطع في هذا اليوم فهو للاستعجال مثل خطه لي اليوم بدرهم في الهداية ف۴ من استأجر رجلا ليخبز له هذه العشرة المخاتيم من الدقيق اليوم بدرهم فهو فاسد عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف و محمد رضي الله تعالٰى عنهم جاز لانه يجعل المعقود عليه عملا و ذكر الوقت للاستعجال تصحيحا للعقد وله ان المعقود عليه مجهول لان ذكر الوقت يوجب كون المنفعة معقودا عليها و ذكر العمل يوجب كونه معقودا عليه

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض اجیر ہے، اور اس کی شرط بیان مدۃ ہے جو پائی گئی کما فی الغمز و "ش"، اور اس کے بعد ابوسلیمان سے کہا کہ اگر ایک دن کا کہا تو جائز ہے اور چند سطور بعد محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اگر کسی کو اجرت پر لیا تاکہ اس کے لیے شکار کرے یا سُوت کاتے یا اُس کی وکالت کرے یا قرض طلب کرے یا قرض وصول کرے تو جائز نہیں، تو اگر ایسا کیا تو اجر مثل واجب ہوگا اور اگر مدۃ کا ذکر کیا تو ان تمام صورتوں میں جائز ہے اھ اور اس کی تاویل مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوم سے مراد دن کا وہ معین وقت نہیں ہے جو غروب آفتاب تک دراز ہو، بلکہ اس میں ظرفیت کے معنی ہیں یعنی گھاس کا کاٹنا اس دن میں واقع ہو، تو یہ جلدی کے اظہار کے لئے ہے، جیسے یہ کہا کہ آج ہی یہ چیز مجھے سی کردو ایک روپے میں۔ ہدایہ میں ہے جس نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تاکہ آج ایک درہم میں یہ دس بوری آٹا پکادے تو یہ اجارہ ابوحنیفہ کے نزدیک فاسد ہے، اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے، صاحبین معقود علیہ عمل کو قرار دیتے ہیں اور ذکر وقت کو عجلت کے لئے قرار دیتے ہیں تاکہ عقد صحیح ہو، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے کیونکہ

---

[1] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/۴۵۱

ولا ترجیح ونفع المستاجر فی الثانی ونفع الاجیر فی الاول فیفضی الی المنازعة وعن ابی حنیفة انه یصح الاجارة اذا قال فی الیوم وقد سمی عملا لانه للظرف فکان المعقود علیه العمل بخلاف قوله الیوم وقد مرمثله فی الطلاق[1] اھ او الامران القنیة ذکرت ھذا برمز ثم رمزت لاٰخر وذکرت ما عن نصیر فیکون ھذا قول بعض علی خلاف ما علیه الناس وعلی خلاف ما علیه الفتوی کما فی الصیرفیة ومن عادة الھندیة نقل عبارة القنیة بحذف الرموز فتصیر الاقوال کقول واحد کما نبھت علیه فی بعض المواضع من ھوامشھا واللہ تعالٰی اعلم۔

وقت کا ذکر منفعت کو معقود علیہا بناتا ہے، اور عمل کا ذکر اس کو معقود علیہ کرتا ہے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے، مستاجر کا نفع دوسرے میں ہے اور اجیر کا پہلے میں ہے، تو اس میں جھگڑا پیدا ہوگا، اور ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ اجارہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ "دن میں" کہا اور کسی عمل کا نام لیا، کیونکہ یہ ظرف ہے تو معقود علیہ عمل ہُوا بخلاف اس کے قول "الیوم" کے اور اسی کی مثل طلاق کے باب میں گزرا اھ یا معاملہ اس طرح ہے کہ قنیہ نے اسکو تم کے رمز سے ذکر کرکے دوسرے کی طرف اشارہ کیا، اور جو کچھ نصیر سے مروی ہے وہ نقل کیا، یہ بعض کا قول ہے اور بعض کے خلاف ہے، اور فتوٰی بھی اس کے خلاف ہے کما فی الصیرفیۃ اور ہندیہ کی عادت ہے کہ وہ قنیہ کی عبارت رموز کے بغیر ہی نقل کردیتے ہیں، تو چند اقوال ایک ہی قول کے مانند ہوجاتے ہیں، اس پر مَیں نے اس کے بعض حواشی پر تنبیہ کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

صورت ہفتم خود ظاہر ہے کہ اُس کے اقرار سے ملک مستاجر ہے۔

اقول وذلک لان الاجیر عامل لغیرہ وقد اعترف انه عمل علی وجه الاجارة واخذہ لمن استاجرہ۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر دوسرے کا عامل ہوتا ہے اور اس نے یہ اعتراف کیا ہے کہ وُہ بطور اجیر کام کر رہا ہے اور وہ چیز مستاجر کے لئے لے رہا ہے۔ (ت)

یوں ہی صورتِ ہشتم میں کہ ظرف مستاجر میں احراز دلیل ہے کہ مستاجر کے لئے ہے، جامع الصغار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ اجارہ فاسدہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۰۴/۲

الاجیر اذا حمل الماء بکوز المستأجر یکون محرزا للمستأجر[1] | اجیر جب مستاجر کے کُوزے میں پانی لائے تو وُہ مستاجر کا ہوگا۔ (ت)

رہی صورتِ نہم ظاہر ہے کہ اس میں ملک اجیر ہے۔

اقول اور اس پر تقریر دلیل یُوں کہ یہ اجیر نہ بیان مدت کے ساتھ اپنے منافع بیچ چکا ہے کہ اس وقت میں اُس کا کام خواہی نخواہی آمر کے لئے ہو نہ شئی کی تعیین ہُوئی کہ بوجہ قبول اُس کا پابند ہو تو وُہ اپنی آزادی پر ہے کیا ضرور ہے کہ اس وقت جو اُس نے لیا بربنائے اجارہ بغرض مستاجر لیا ہو نہ وہ مقر ہے نہ ہشتم کی طرح کوئی دلیل ظاہر ہے لہذا ملک اجیر ہی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول ویتراأی لی ان مثل الاستیلاء عند الفقہاء کمثل الشراء مھما وجد نفاذا انفذ فاذا وکلہ بشراء عبد والموکل لم یعین العبد ولا الوکیل اضاف الیہ العقد ولا وقع من مالہ النقد ولا اقرانہ شراہ لہ فانہ یکون للشاری لا لمن وکلہ والمسألۃ فی الھدایۃ والدرر وعامۃ الاسفار الغر فالتوقیت ھھنا کالاضافۃ ثمہ لانتقال فعلہ الی الآمر کما مر والاحراز بظرفہ کالنقد من مالہ والاقرار الاقرار والتعیین التعیین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ استیلاء کی مثال فقہاء کے نزدیک شراء کی سی ہے جب نفاذ پایا جائیگا اس کو نافذ کردیا جائیگا۔ اب کسی نے کسی شخص کو غلام خریدنے کے لیے کہا اور موکل نے غلام کی تعیین کی اور نہ وکیل نے عقد کو اس کی طرف مضاف کیا اور نہ اس کے مال سے ادائیگی کی اور نہ یہ کہا کہ اُس نے اس کے لیے خریدا ہے، تو یہ غلام خریدنے والے کا ہوگا نہ کہ حکم دینے والے کا، یہ مسئلہ ہدایہ، درر اور عام کتب میں مذکور ہے، تو یہاں توقیت کی حیثیت وہاں اضافت کی طرح ہے کیونکہ اس کا فعل آمر کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور اُس کے ظرف کا حاصل کرلینا اس کے مال سے ادائیگی کی طرح ہے اور یہ اقرار اس اقرار کی طرح اور یہ تعیین اس تعیین کی طرح ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وُہ شے مباح لینے والے کی ملک ہے اور پانچ میں دوسرے کی۔ یہ جبکہ لینے والا حُر ہو ورنہ مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولی کا ہے ھذا

---

[1] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

ما ظھر لی نظرا فی کلماتھم وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا ان کے کلمات کو دیکھتے ہوئے اور مجھے امید ہے کہ یہی صحیح ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی ۔ ت)

تنقیح دوم یہ اصول مطلق استیلائے مباح میں ہُوئے یہاں کہ گفتگو نابالغ میں ہے یہ بھی دیکھنا ضرور کہ اُس کے والدین اگر اُس سے کوئی شے مباح مثلاً کُنویں سے پانی یا جنگل سے پتے منگائیں تو اُس نسبت بنوت کے سبب احکام مذکورۂ استیلاء میں کوئی تفاوت آئے گا یا نہیں، اگر آئے گا تو کیا۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں:

اوّل کہ زیادہ مشہور ہے یہ کہ والدین کو بھی مباحات میں استخدام کا اختیار نہیں صبی اگرچہ ان کے حکم سے انھیں کے لیے انھیں کے ظرف میں لے خود ہی مالک ہوگا اور والدین کو اُس میں تصرف حرام مگر بحالتِ محتاجی۔

اقول یعنی بحالتِ فقر بلاقیمت اور بحالتِ احتیاج حاضر مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر میں بوعدۂ قیمت تصرف کرسکتے ہیں ذخیرہ و منیہ پھر معراج الدرایہ پھر حموی کنز پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

لو امر صبیا ابوہ او امہ باتیان الماء من الوادی او الحوض فی کوز فجاء بہ لایحل لابویہ ان یشربا من ذلک الماء اذا لم یکونا فقیرین لان الماء صار ملکہ ولا یحل لھما الاکل ای والشرب من مالہ بغیر حاجۃ[1]۔

اگر کسی بچّہ کو اپنے باپ یا ماں نے وادی یا حوض سے لوٹے میں پانی لانے کو کہا پھر وہ پانی لے آئے تو اس کے ماں باپ کے لیے اس پانی کو پینا جائز نہیں بشرطیکہ وہ فقیر نہ ہوں، کیونکہ پانی اُس بچّہ کی ملک ہوگیا اور اُن دونوں کے لئے اس کے مال سے بلاحاجت کھانا پینا جائز نہیں۔ (ت)

جامع احکام الصغار پھر حموی اشباہ اور تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

اذا احتاج الاب الی مال ولدہ فان کانا فی المصر واحتاج لفقرہ اکل بغیر شیئ وان کانا فی المفازۃ واحتاج الیہ لانعدام الطعام معہ فلہ الاکل بالقیمۃ[2]۔

جب باپ کو بچّہ کے مال کی حاجت ہو اور وہ شہر میں ہوں اور فقر کی وجہ سے بچہ کا مال کھانے کا محتاج ہو تو کھالے اور اس پر کوئی شے نہیں، اور اگر بہ صورتِ حال جنگل میں پیش آئے اور باپ کے پاس کھانا موجود نہ ہو اور اس کو کھانے کی ضرورت ہو تو وہ قیمت کے ساتھ کھا سکتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الہبۃ مصطفی البابی مصر ۴/۵۷۳

جامع الفصولین میں فوائد امام ظہیر الدین سے ہے :

لوکان الاب فی فلاۃ ولہ مال فاحتاج الٰی طعام ولدہ اکلہ بقیمتہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف والمعروف ان یتناولہ بغیر شیئ لو فقیرا والا فبقیمتہ۔[1]

اگر باپ جنگل میں ہو اور اس کے پاس مال ہو اور پھر اس کو اپنے بیٹے کا مال کھانے کی ضرورت لاحق ہو تو وہ اس کی قیمت دے کر کھا سکتا ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے کے مال کا معروف طریقہ کے مطابق زیادہ حق ہے اور معروف طریقہ یہی ہے کہ بلاقیمت استعمال کرے اگر فقیر ہو، ورنہ قیمت کے ساتھ استعمال کرے۔ (ت)

مگر اس اجازت سے احکام مذکورہ استیلا میں کوئی تغیر نہ ہوا کہ ملک نابالغ ہی کی قرار پائی۔ ماں باپ کو قیمتاً یا مفت اُس میں تصرف کی اجازت کچھ اسی مال استیلاء سے خاص نہیں صبی کی ہر ملک میں ہے۔

دوم فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وُہ پانی روا کہ عرف ورواج مطلق ہے یہ امام محمد سے ایک روایت ہے ذخیرہ اور اس کے ساتھ کی کتابوں میں بعد عبارت مذکورہ ہے: وعن محمد یحل لھما ولو غنیین للمعروف والعادۃ۔[2] (محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں کے لیے حلال ہے اگرچہ دونوں غنی ہوں کیونکہ عرف اور عادت کا اعتبار ہے۔ ت)

اقول اس تقدیر پر ظاہر یہ ہوتا کہ جو مباح صبی نے فرمائش والدین سے لیا اس کے مالک والدین ہی ٹھہریں ورنہ بحالِ غنا ان کو تصرف ناروا ہوتا قال تعالٰی من کان غنیا فلیستعفف[3] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے۔ ت) تو یہ روایت صورِ نُہ گانۂ استیلائے صورت سوم کے حکم میں والدین کا استثناء کرتی مگر امام محمد ہی سے ایسی ہی نادرہ روایت آئی ہے کہ اگر بچہ کھانے پینے کی چیز اپنے ماں باپ کو ہدیۃً دے تو وہ والدین کے لئے مباح ہے تو یہ روایت بھی احکامِ مذکورہ پر کچھ اثر نہ ڈالے گی کہ مالک صبی ہی ٹھہرا۔ جامع احکام الصغار میں ہے :

فی ھبۃ فتاوی القاضی ظھیر الدین

قاضی ظہیر الدین کے فتاوٰی کی ہبہ کی بحث میں ہے

---

[1] جامع الفصولین — الفصل السابع والعشرون — اسلامی کتب خانہ کراچی ۱۹/۲

[2] ردالمحتار — فصل فی الشرب — مصطفی البابی مصر ۳۱۲/۵

[3] القرآن ۴/۶

رحمه الله تعالیٰ اذا اهدی الصغیر شیئا من الماکولات روی عن محمد رحمه الله تعالیٰ انه یباح لوالدیه وشبه ذلك بضیافة الماذون واکثر مشایخ بخاریٰ انه لایباح[1]

کہ جب بچہ کھانے کی کوئی چیز بطور ہدیہ دے تو امام محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو اس میں سے کھانا جائز ہے، اور انہوں نے اس کو ماذون کی ضیافت کے مشابہ قرار دیا اور بخارا کے اکثر مشائخ کہتے ہیں کہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شامی میں تاتارخانیہ و ذخیرہ سے ہے اس روایت کی تحقیق بعونہ تعالیٰ عنقریب آتی ہے اور یہ کہ وہ اس مقام سے بے علاقہ ہے مگر اقرب یہی ہے کہ یہ روایت والدین کے لیے اباحتِ تصرف کرتی ہے نہ کہ اثباتِ ملک تو ضابطہ بجال ہے۔

سوم : اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔

اقول یعنی جس کا نہ وقت معین کیا نہ کسی معین شے کے لیے اجیر نہ اُس نے متاجر کے لیے اقرار کہ ان حالتوں میں ظرف پر لحاظ نہیں، جامع الصغار میں ہے :

فی بیوع فوائد صاحب المحیط الاب او الام اذا امر ولده الصغیر لینقل الماء من الحوض الی منزل ابیه ودفع الیه الکوز فنقل قال بعضهم الماء الذی فی الکوز لیصیر ملکا للصبی حتی لایحل للاب شربه الاعند الحاجة لان الاستخدام فی الاعیان المباحة باطل وقال بعضهم انکان الکوز ملکا للاب یصیر ملکا للاب ویصیر الابن محرز الماء لابیه کالاجیر اذا حمل الماء بکوز المستأجر یکون محرز اللمستأجر کذا ھذا۔[2]

صاحبِ محیط کی فوائد کے باب البیوع میں ہے کہ ماں باپ نے چھوٹے بچے کو حوض سے اپنے گھر پانی لانے کو کہا اور اس کو لوٹا بھی دیا چنانچہ وہ پانی لے آیا، تو ایسی صورت میں بعض علماء کے نزدیک لوٹے کا پانی بچہ کی ملک ہے یہاں تک کہ باپ بلاضرورت اس میں سے پی بھی نہیں سکتا کیونکہ مباح اشیاء کے حصول کے لئے اس سے خدمت لینا باطل ہے، اور بعض نے کہا کہ اگر لوٹا باپ کی ملک ہے تو پانی بھی باپ کی ملک ہوگا اور بیٹا مزدور کی طرح پانی کو اپنے باپ کے لیے جمع کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ اجیر اگر متاجر کے لوٹے میں پانی لائے تو وہ پانی متاجر ہی کا ہوگا، یہی حال اس کا ہے۔ (ت)

---

[1] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶

[2] ایضاً ۱/۱۴۷

اول کو دو سید علامہ طحطاوی و شامی نے نقل کرکے فرمایا اس میں حرج عظیم ہے اور واقعی حرج ہے اور حرج نص قرآنی سے مدفوع ہے۔

وحاول ش ان یوھنہ بالدلیل فنازعہ بان للاب ان یستخدم ولدہ قال فی جامع الفصولین وللاب ان یعیر ولدہ الصغیر لیخدم استاذہ لتعلیم الحرفۃ وللاب او الجد اوالوصی استعمالہ بلاعوض بطریق التھذیب والریاضۃ اھ[1] قال الا ان یقال لایلزم من ذلک عدم ملکہ لذلک الماء المباح وان امرہ بہ ابوہ واللہ تعالٰی اعلم اھ[2]

اور ش نے اس کو دلیل کے ذریعہ کمزور دکھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ باپ کو تو ویسے بھی حق ہے کہ بلا معاوضہ بیٹے سے کام لے۔ جامع الفصولین میں فرمایا کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو استاد کی خدمت کے لیے متعین کرسکتا ہے تاکہ استاد اس کو صنعت و حرفت سکھائے، اور باپ دادا اور وصی بچّے سے کام لے سکتے ہیں تاکہ اس کو ادب وتہذیب سکھائیں اور اس کو کام کرنے کی عادت ہو اھ فرمایا مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پانی کا مالک نہیں ہوگا، خواہ اس نے اپنے باپ کے حکم سے پانی لیا ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اقول الجواب صحیح نظیف ماکان یستاھل التزییف بل کان واضحا من قبل فلم یکن للسؤال محل بل السؤال ساقط من راسہ فھم لاینکرون جواز الاستخدام للاب لکن ذلک حیث یصح ویتحقق فان الشیئ انما یجوز بعد ما یصح والباطل لا وجود لہ وقد علمت انہ فی الاعیان المباحۃ باطل وبہ انکشف ایھامان وقعا فی کلامہ فی کتاب الشرکۃ حیث کان فی التنویر والدر لاتصح شرکۃ فی احتطاب

میں کہتا ہوں، جواب بالکل درست ہے اس کو ضعیف قرار دینا درست نہ ہوگا، بلکہ پہلے سے واضح تھا، توسوال کی گنجائش ہی نہ تھی، بلکہ سوال کی بنیاد ہی ساقط ہے، کیونکہ مشائخ اس امر کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ باپ بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے، لیکن یہ صرف اُسی صورت میں ہے جبکہ متحقق ہو اور صحیح ہو، کیونکہ شئے اسی وقت جائز ہوتی ہے جبکہ صحیح ہو اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور آپ جان چکے ہیں کہ یہ اعیان مباحہ میں باطل ہے، ان کی کتاب کی کتاب الشرکۃ میں دو وہم تھے وہ بھی اس

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[2] ایضاً

واحتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات لتضمنها الوکالۃ والتوکیل فی اخذ المباح لایصح وماحصله احدهما فله وما حصلاه معا فلهما نصفین ان لم یعلم مالکل وما حصله احدهما باعانۃ صاحبه فله ولصاحبه اجر مثله اھ[1] فکتب رحمه الله تعالٰی علٰی قوله وماحصلاه فلهما یؤخذ من هذا ما افتی به فی الخیریۃ [ف1] لواجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ ابیهم ونما المال فهو بینهم سویۃ ولواختلفوا فی العمل والرأی اھ قال ثم هذا فی غیر الابن مع ابیه لما فی القنیۃ [ف2] الاب وابنه یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا له اھ[2]

گفتگو سے ختم ہوگئے، دُرّ اور تنویر میں ہے لکڑیاں اکٹھی کرنے، گھاس جمع کرنے، شکار کرنے اور پانی بھرنے میں شرکت جائز نہیں، اور یہی حال دوسری مباحات کا ہے کیونکہ یہ وکالت کو متضمن ہے اور مباح کے لینے میں توکیل جائز نہیں، دو میں سے کسی ایک نے جو حاصل کیا وُہ اسی کا ہوگا اور جو دونوں نے مل کر حاصل کیا ہو تو وہ آدھا آدھا ہے، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کتنا لیا تھا اور جو کچھ ایک نے اپنے ساتھی کی مدد سے لیا وہ اُسی ایک کا ہوگا اور ساتھی کو اجر مثل ملے گا اھ تو انہوں نے اسکے قول وماحصلاہ فلھما پر لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خیریہ میں جو فتوٰی ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے اگر کچھ بھائی مل کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کریں، اور پھر کچھ مال حاصل ہُوا تو وہ ان کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوگا خواہ عمل اور رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ رہا ہو اھ فرمایا یہ حکم اُس صورت میں نہیں ہے جبکہ بیٹا باپ کے ساتھ مصروفِ عمل ہو کیونکہ قنیہ میں ہے اگر باپ بیٹا ایک ہی صنعت میں کام کرتے ہوں اور اُن کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کل کمائی باپ کی شمار ہوگی بشرطیکہ بیٹا باپ کے عیال میں ہو، کیونکہ وہ اس کا مددگار ہے اھ (ت)

اقول [ف3] فایرادہ هذا الفرع فی هذا المبحث ربما یوهم ان لواجتمع رجل وابنه فی عیاله فی تحصیل مباح کان کله للاب ویجعل الابن معینا له ولیس کذلک فان الشرع المطهر جعل فی المباح

میں کہتا ہوں ان کا اِس فرع کو اس بحث میں لانا یہ وہم پیدا کرتا ہے اگر بیٹا باپ کے عیال میں ہو اور باپ بیٹا کسی مباح چیز کے حاصل ہونے میں مل کر کام کریں تو حاصل شدہ چیز پوری کی پوری باپ کی ہوگی اور بیٹا اس کا مددگار قرار پائے گا،

---

[1] الدر المختار شرکت فاسدۃ مجتبائی دہلی ۱/۳۷۴

[2] ردالمحتار " البابی مصر ۳/۳۸۳

سبب الملك الاستیلاء، فمن استولی فھو المالك ولا ینتقل الملك الی غیرہ الا بوجہ شرعی کھبة وبیع ولا ینسب اخذہ لغیرہ الا بوجہ شرعی ککونہ عبدہ او اجیرہ علیہ اما الاعانة مجانا فھی الخدمة وقد علمت بطلان الاستخدام فی تلك الاعیان وکتب علی قولہ باعانة صاحبہ سواء کانت الاعانة بعمل کما اذا اعانہ فی الجمع والقلع او الربط او الحمل او غیرہ او بآلة کما لودفع لہ بغلا او راویة لیستقی علیھا او شبکة لیصید بھا حموی وقہستانی ط اھ[1]

حالانکہ بات یہ نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مباح اشیاء میں ملک کا سبب استیلاء کو قرار دیا ہے تو جو بھی کسی مباح پر قابض ہوجائے وہی مالک ہے اور دوسرے کی طرف اب اس کی ملک شرعی طریقوں سے ہی منتقل ہوسکتی ہے جیسے ہبہ اور بیع وغیرہ اور اس کا لینا اس کے غیر کی طرف صرف شرعی سبب سے ہی منسوب ہوگا، مثلاً یہ کہ وہ اس کا غلام ہو، یا مزدور ہو، اور مفت کی اعانت تو یہ خدمت ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مباح چیزوں میں خدمت لینا باطل ہے، اور "باعانة صاحبہ" پر لکھا کہ عام ازیں اعانت عملی ہو، جیسے کسی چیز کے جمع کرنے، اکھاڑنے، باندھنے، اٹھانے وغیرہ میں مدد کرے، یا آلہ کے ذریعہ مدد ہو جیسے اس کو خچر دیا یا پانی بھرنے کا بڑا ڈول دیا یا شکار کے لئے جال دیا، حموی وقہستانی ط اھ (ت)

اقول [ف1] فلا یتوھم منہ الاعانة فی قلع الحطب بان یقلع البعض ھذا او البعض ھذا لانہ ھو تحصیلھما [ف2] بل المعنی انہ وضع یدہ مع یدہ فی القلع حتی ضعف تعلقہ فقلعہ المعان او عمل ھذا اولا وترکہ قبل ان ینقلع ثم عمل ذاك فقلعہ یکون الاول معینا والملك للقالع [ف3] کمن استقی من بئر فاذا دنا الدلو من رأسہ اخرجھا ونحاھا عن رأس البئر غیرہ فان الملك للثانی وکذلك اذا

میں کہتا ہوں اس سے یہ وہم پیدا نہ ہو کہ لکڑیاں اکھاڑنے میں مدد دینا بھی اسی طرح ہے، مثلاً بعض لوگ اس طرف سے اور بعض اُس طرف سے لکڑیاں اکھاڑیں اس لیے یہ اُن دونوں کا حاصل کرنا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک ہی لکڑی پر ہاتھ رکھیں اور دونوں ایک ساتھ اس کو اکھاڑیں، یا یہ کہ پہلے ایک شخص نے ایک درخت پر زور آزمائی کی اور ہٹ گیا پھر دوسرے نے زور آزمائی کی اور اس کو اکھاڑ لیا، تو پہلا مددگار قرار پائے گا اور ملک اکھاڑنے والے کی ہوگی، جیسے کوئی شخص ڈول بھر کر کنویں سے

---

[1] ردالمحتار شرکت فاسدہ البابی مصر ٣/٣٨٣

اثار احد صیدا وجاء به علی اخر فاخذہ کان للاٰخذ وما احسن و ابعد عن الایہام عبارۃ الھدایۃ حیث قال وان عمل احدھما واعانه الاٰخر فی عمله بان قلعه احدھما وجمعه الاٰخر اوقلعه وجمعه وحمله الاٰخر فللمعین اجر المثل[1]

پانی نکالے اور جب ڈول کنوئیں کے دہانے تک آجائے تو دوسرا شخص نکال کر رکھ دے۔ اس صورت میں ملک دوسرے کی ہوگی۔ اسی طرح کسی نے شکار کو ہنکایا اور دوسرے شخص کے قریب آیا اور دوسرے شخص نے پکڑلیا، تو جس نے پکڑا اسی کا ہوگا۔ مگر ہدایہ کی عبارت ہر قسم کے وہم سے پاک صاف ہے، اس میں ہے کہ اگر عمل ایک نے کیا اور دوسرے نے اس عمل میں معاونت کی، مثلاً یہ کہ درخت ایک شخص نے اکھاڑے اور دوسرے نے جمع کئے یا اکھاڑے اور جمع کئے لیکن اٹھائے دوسرے نے، تو مددگار کو اجرِ مثل ملے گا۔ (ت)

دوم کہ نص محرر المذہب سے مروی نظر ظاہر گمان کرے گی کہ بہت کتب معتمدہ مشہورہ نے اُس پر اعتماد کیا فتاوٰی اہل سمرقند پھر فتاوٰی خلاصہ میں اُس کے حوالہ سے ہے:

رجل وھب للصغیر شیئا من الماکول یباح للوالدین ان یاکلا منه کذا روی عن محمد رحمه اللہ تعالٰی۔[2]

اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کے لیے وہ چیز بھی کھانا جائز ہے محمد رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

وھب للصغیر من الماکول شیئا یباح للوالدین ان یاکلاہ۔[3]

اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کو اس چیز کا کھانا صحیح ہے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

اذا وھب الصبی شیئا من الماکول قال محمد رحمه اللہ تعالٰی مباح لوالدیه ان یاکلا منه وقال اکثر مشایخ

اگر کسی نے بچہ کو کھانے کی کوئی چیز ہبہ کی تو محمد نے فرمایا اسکے والدین کے لیے اس میں سے کھانا مباح ہے اور بخارٰی کے اکثر مشائخ نے فرمایا

---

[1] الھدایۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ جز ثانی المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۶۱۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الھبۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۴۰۰

[3] فتاوٰی بزازیۃ مع الھندیۃ کتاب الھبۃ پشاور ۶/۲۳۷

بخاری لایحل اھ[1]

اقول وتفرد بتعبیر قال محمد فان عبارۃ العامۃ روی عنہ واللہ تعالٰی اعلم۔

والدین کو کھانا حلال نہیں اھ (ت)

میں کہتا ہوں "قال محمد" کی عبارت تنہا انہوں نے ہی استعمال کی ہے کیونکہ عام کتب کی عبارت یہ ہے کہ ان سے مروی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فتاوی ظہیریہ پھر غمز العیون میں ہے:

اذا اھدی للصغیر شیئ من الماکولات روی عن محمد انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلك بالضیافۃ واکثر مشایخ بخاری علی انہ لایباح بغیر حاجۃ[2]

جب بچہ کو کسی نے کھانے کی چیزیں ہدیہ میں دیں، تو محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو ان کا کھانا مباح ہے اور یہ ضیافت کی طرح ہے اور بخاری کے اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ بغیر حاجت جائز نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

یباح للوالدین ان یاکلا من الماکول الموھوب للصغیر کذا فی الخلاصۃ فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الاعند الاحتیاج کما لایخفی[3]

والدین کو بچہ کی موہوبہ چیز کا کھانا مباح ہے کذا فی الخلاصہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ماکول کو استعمال میں لانا مباح نہیں، ہاں ضرورۃً جائز ہے کما لایخفی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وفیھا ای فی السراجیۃ یباح لوالدیہ ان یاکلا من ماکول وھب لہ وقیل لا انتھی فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الا لحاجۃ اھ[4]

سراجیہ میں ہے بچہ کے والدین کو مباح ہے کہ بچہ کو ہدیہ کی گئی چیز سے کھائیں اور ایک قول ہے کہ جائز نہیں انتہی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول سے بلاحاجۃ استفادہ جائز نہیں اھ (ت)

اقول وکانہ اخذہ من ان العمل

میں کہتا ہوں شاید انہوں نے یہ فتوٰی اس اصول سے

---

[1] فتاوی سراجیۃ مسائل متفرقۃ من ہبۃ لکھنؤ ص ۹۶

[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶

[3] بحرالرائق کتاب الھبۃ سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۸

[4] الدرالمختار " مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

بقول اصحاب الامام اذا لم یوجد عنه قول ولایوانر یه قول المشایخ وان کثر واکما ذکرنا نصوصه فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام لاسیما وقد عبره بقال محمد والافلیس فی السراجیۃ قیل کما اسمعناك نصها۔

اخذ کیا ہے کہ امام کے اصحاب کے قول پر اس وقت عمل ہوگا جب امام سے کوئی قول نہ پایا جائے اور امام کے قول کے ہمسر مشائخ کے اقوال نہیں ہوسکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں اسکے نصوص ہم نے اپنے رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام میں ذکر کیے ہیں خاص طور پر انہوں نے اس کو "قال محمد" سے تعبیر کیا ہے ورنہ سراجیہ میں قیل نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی نص ذکر کی ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ[۹] پھر ردالمحتار[۱۰] میں ہے:

روی عن محمد نصا انہ یباح وفی الذخیرۃ واکثر مشایخ بخاری علی انہ لایباح[۱]۔

محمد سے مروی ہے بطور نص کہ یہ مباح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ اکثر مشائخ بخاری اس پر ہیں کہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح جواہر[۱۱] اخلاطی وہندیہ[۱۲] میں ہے جامع[۱۳] الصغار کی عبارت اوپر گزری۔

اقول مگر نظر دقیق حاکم ہے کہ دونوں روایتیں اگرچہ امام محرر المذہب رحمہ اللہ تعالٰی سے ہیں لیکن اس روایت اور ان عبارات کو اس روایت سے علاقہ نہیں یہاں وہ شے ملک صبی نہیں بلکہ دوسرے نے صبی کے نام ہدیہ بھیجی ہے اور عادت فاشیہ جاری ہے کہ کھانے پینے کی تھوڑی چیز بچوں ہی کے نام کرکے بھیجتے ہیں اور مقصود ماں باپ کو دینا ہوتا ہے اور یہ توقطعاً نہیں ہوتا کہ ماں باپ پر حرام سمجھتے ہوں اس عرف کا انتشار تام و عام دیکھ کر مطلق حکم فرمایا یا کہیں تفصیل و توضیح فرمادی۔ فتاوی سمرقند پھر تاتارخانیہ[۱] پھر شامیہ[۲] نیز کتاب التجنیس[۳] والمزید پھر جامع[۵] الصغار میں ہے:

اذا اھدی الفواکہ الی الصبی الصغیر یحل للاب والام الاکل اذا ارید بذلك برالاب والام لکن اھدی الی الصغیر استصغار اللھدیۃ[۲]۔

جب چھوٹے بچے کو کسی نے میوہ جات ہدیہ کیے تو اس کے ماں باپ کو اس میں سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس ہدیہ کا مقصد ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک ہو اور بچہ کو محض اس لیے ہدیہ کیا گیا ہو کہ ہدیہ کو چھوٹا سمجھا گیا ہو۔ (ت)

---

[۱] ردالمحتار کتاب الھبۃ مصطفی البابی مصر ۴/۵۷۲

[۲] جامع الصغار مع الفصولین الکراھیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶

ملتقط[6] پھر اشباہ[7] کی تعبیر اوراحسن ہے جس سے اس عادت کا فاشیہ ہونا روشن ہے۔ ف۱

حیث قالا اذا اھدی للصبی شیئ وعلم انه له فلیس للوالدین الاکل منه لغیر حاجة اھ[1]۔

انہوں نے فرمایا کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہو اور معلوم ہو کہ وہ صرف بچے کے لیے ہے تو والدین اس میں سے بلاحاجت نہیں کھا سکتے اھ (ت)

اقول بنی المنع علی علم انه للصغیر فافاد الاباحة اذا لم یعلم شیئ ردا الی العادة الفاشیة۔

میں کہتا ہوں والدین کے لیے اس کا استعمال جائز نہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُسے علم ہو کہ یہ بچّہ کا ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جب علم نہ ہو تو مباح ہے عرف کا لحاظ رکھتے ہُوئے کہا گیا ہے۔ (ت)

امام ظہیر الدین نے اُن عبارات مطلقہ کی دلیل بیان فرما کر اس امر کا تصفیہ فرمادیا، ظہیریہ[8] پھر عالمگیریہ[9] میں ہے:

اھدی للصغیر الفواکه یحل لوالدیه اکلها لان الاھداء الیهما وذکر الصبی لاستصغار[1] الھدیة اھ[2]۔

بچہ کو پھل ہدیہ کیے گئے تو اس کے والدین کو اُن کا کھانا جائز ہے کیونکہ ہدیہ دراصل والدین کو ہی تھا بچہ کے ہاتھ میں اس لیے دیا گیا کہ ہدیہ کو معمولی سمجھا گیا۔ (ت)

اقول ومن ھھنا ظھر ان ما تقدم عن جامع الصغار عن الظھیریة اذا اھدی الصغیر شیأ من الماکولات ان لم یکن عن نقله بالمعنی لان المسألة فی سائر الکتب فیما وھب شیئ للصغیر وقد نقل عن الظھیریة نفسھا فی الغمز بلفظ اذا اھدی للصغیر شیئ کما سمعت فلیس مرادہ الا اھداؤہ مما اھدی الیه لان یبتدئ الصبی فیھدی من ملکه شیأ

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارت جامع صغیر سے ظہیریہ سے گزری کہ جب بچہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہدیہ کرے' اگر یہ اس کی نقل بالمعنے نہیں ہے کیونکہ تمام کتب میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے کہ کوئی چیز بچہ کو ہبہ کی گئی اور خود ظہیریہ میں غمز سے ان الفاظ میں منقول ہے کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی جیسا کہ تم نے سنا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ بچہ اس چیز سے ہدیہ کرے جو اسکو ہدیہ کی گئی ہو یہ نہیں کہ بچہ ابتداءً کرے اور اپنی مِلک سے کچھ ہدیہ کرے، اور اس کی دلیل

---

[1] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث من الہبۃ پشاور ۴/ ۳۸۱

والدلیل علیہ قولہ وشبہہ ذلک بضیافۃ المأذون فالمأذون لایضیف[1] من مال نفسہ بل مولاہ ومولاہ انما اذن فی التجارۃ لکن العوائد قضت ان امثال الضیافات لابد منہا فی التجارات فکان اذنہ فی التجارۃ اذنا فیہا کذلک الصبی لایھدی من مال نفسہ بل مال المُہدی والمُہدی انما سمی الصبی لکن فشت العوائد ان امثال الھدایا لایمنع عنہا ابواہ فکان اھداؤہ الیہ اھداء الیھما۔

ان کا یہ قول ہے کہ اور یہ مشابہ ماذون کی ضیافت کے ہے کہ ماذون اپنے مال سے ضیافت نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے مولیٰ کے مال سے کرتا ہے اور اس کے مولیٰ نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، لیکن عرف میں یہ عادت ہے کہ تجارت میں اس قسم کی ضیافتیں ہوتی ہی رہتی ہیں، تو تجارت کی اجازت دینا ضیافت کی اجازت کے مترادف ہے، اسی طرح بچہ اپنے مال سے ہدیہ نہیں دیتا ہے بلکہ ہدیہ دینے والے کے مال سے ہی ہدیہ دیتا ہے اور ہدیہ دینے والے نے بچہ کا نام لیا مگر عام طور پر عادت یہ ہے کہ اس قسم کے ہدایا سے ماں باپ کو منع نہیں کیا جاتا ہے تو بچوں کو ہدیہ دینا ماں باپ کو ہدیہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ (ت)

اقول والوجہ فیہ ان المأکولات ممایتسارع الیہا الفساد فیکون اذنا من المھدی لھما فی التناول دلالۃ وذلک بان یقع الملک لھما بخلاف مایدخر فظھر اصابۃ البحر والدر فی قولھما افاد ان غیر المأکول لایباح لھما الا لحاجۃ واندفع ماوقع للعلامۃ ش حیث قال بعد نقل مامر عنہ عن التتارخانیۃ عن فتاوی سمرقند قلت وبہ یحصل التوفیق ویظھر ذلک بالقرائن وعلیہ فلافرق بین المأکول وغیرہ بل غیرہ اظھر اھ[2]

میں کہتا ہوں کھانے پینے کی چیزیں عام طور پر جلدی گل سڑ جاتی ہیں تو ہدیہ دینے والے کی طرف سے والدین کو اشارۃً کھانے کی اجازت سمجھی جائے گی، اور اس طرح ملک والدین کے لیے ثابت ہوگی اور جو اشیاء جلد خراب ہونے والی نہیں ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، تو بحر اور دُر کے قول کی صحت ظاہر ہوگئی، ان کا قول ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی نہیں ان کا استعمال والدین کے لیے جائز نہیں، ہاں حاجت کے وقت جائز ہے، اور علامہ "ش" کا اعتراض ختم ہوا انہوں نے تو وہ عبارت نقل کی جو تتارخانیہ، فتاوی سمرقند سے گزری، پھر فرمایا میں کہتا ہوں

---

[1] الدر المختار کتاب الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

ای فان ارادة الولد بهبة المأکول اظهر واکثر فاذا ساغ الاکل ثمه عند عدم دلیل یقضی باختصاص الهدیة بالولد فهذا اولی وقد عرفت الجواب وبالله التوفیق۔

اس سے موافقت ظاہر ہوگئی اور یہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے اس میں ماکول اور غیر ماکول کا کوئی فرق نہیں بلکہ اس کا غیر اظہر ہے اھ یعنی ماکول کے ہبہ سے بچہ کا ارادہ اظہر ہے اور اکثر ہے توجب وہاں کھانا جائز ہوا کسی ایسی دلیل کے نہ ہونے کے وقت جو ہدیہ کے بچہ کے ساتھ مختص ہونے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ اولیٰ ہے اور آپ کو اس کا جواب مل چکا ہے وباللہ التوفیق۔ (ت)

بالجملہ یہ روایات غیر ملک صبی میں ہیں اور یہاں کلام ملک صبی میں ہے کہ مباح پانی بلاشبہ بھرنے والے کی ملک ہوگا جبکہ بروجہ اجارہ نہ ہو اور صبی کی ملک والدین کو بے احتیاج حلال نہیں مقتضائے نظر فقہی تو یہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق مگر شک نہیں کہ عرف وعادت اس کے خلاف ہے اور وُہ بھی دلائل شرعیہ سے ہے تو مناسب کہ اسے قلیل عفو قرار دیں جس پر قرآن وحدیث سے دلیل ہے قال اللہ عزوجل:

ویسئلونك عن الیتٰمی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانكم والله یعلم المفسد من المصلح[1]۔

اور وہ آپ سے یتیموں کی بابت پُوچھتے ہیں فرما دیجئے ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ اپنا مال ملا کر کھاؤ وُہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔ (ت)

اس آیت میں احد التفسیرین پر یتیم کے ساتھ جواز مخالطت مال ہے اور ظاہر کہ بحال مخالطت کامل امتیاز قریب محال ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے:

وفی الزاهدی قال ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما المخالطة ان تأكل من ثمرہ ولبنه وقصعته وهو یأكل من ثمرتك ولبنك وقصعتك والاٰیة تدل علی جواز المخالطة فی السفر والحضر یجعلون النفقة علی السواء ثم لا یکرہ ان یأکل احدهما اکثر لانه لما جاز

اور زاہدی میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ مخالطت یہ ہے کہ تم اس کے پھل اس کا دودھ اور اس کے پیالہ میں کھاؤ اور وہ بھی اسی طرح تمہارے ساتھ تمہارے پھل کھائے اور تمہارا دودھ پئے اور تمہارے پیالے میں کھائے اور یہ آیت مخالطت کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو جبکہ نفقہ کو

---

[1] القرآن ۲/۲۲۰

فی اموال الصغار فجوازہ فی اموال الکبار اولٰی ھذا لفظہ فاحفظہ فانہ نافع وحجۃ علی کثیر من المتعصبین فی زماننا اھ[1]

برابر کا رکھیں، پھر اس میں کوئی کراہت نہیں کہ ان میں سے کوئی زائد کھالے کیونکہ یہ چیز جب بچوں کے مال میں جائز ہے تو بڑوں کے اموال میں بطور اولٰی جائز ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں ان کو بخوبی یاد رکھیں، یہ مفید بھی ہیں اور ہمارے عہد کے بہت سے متعصبین پر حجت بھی ہیں اھ (ت)

اقول فاذن مافی جامع الصغار عن فتاوی رشید الدین من باب دعوی الاب والوصی لولم تکن الام محتاجۃ الی مالہ ولکن خلطت مالھا بمال الولد واشترت الطعام واکلت مع الصغیر ان اکلت مازاد علی حصتھا لایجوز لانھا اکلت مال الیتیم[2] اھ معناہ الزیادۃ المتبینۃ ففی جامع الرموز عن الباب المذکور من الفتاوی المزبورۃ قبیل ھذا صبی یحصل المال ویدفع الی امہ والام تنفق علی الصبی وتاکل معہ قلیلا نحو لقمۃ او لقمتین من غیر زیادۃ لایکرہ[3]۔

میں کہتا ہوں، تو جامع الصغار میں فتاوٰی رشید الدین سے (دعوی الاب والوصی میں) جو منقول ہے اگر ماں بچہ کے مال کی محتاج نہ ہو، لیکن اس نے بچہ کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانا خریدا اور بچّہ کے ساتھ کھایا تو اگر اپنے حصہ سے زیادہ کھایا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے یتیم کا مال کھایا اھ اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادتی جو بالکل واضح اور ظاہر ہو، اسی فتاوی کے مذکور باب سے جامع الرموز میں منقول ہے، اس سے کچھ ہی پہلے کہ ایک بچہ ہے جو مال لاتا ہے اور ماں کو دیتا رہتا ہے اور ماں اس پر خرچ کرتی رہتی ہے اور لقمہ دو لقمہ خود بھی اس کے ساتھ کھاتی رہتی ہے زیادہ نہیں، تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن عباس سے ہے:

قال کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتواریت خلف

فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں

---

[1] تفسیرات احمدیہ بیان اصلاح کریمی کتب خانہ بمبئی ص ۱۰۳

[2] جامع الصغار مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ ؍؍ ۱/۱۴۸

باب فجاء فحطأنی[1] حطأة وقال اذهب ادع لی معٰویہ۔

ایک دروازہ کے پیچھے چھپ گیا تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے (پیار سے) تھپکی دی اور کہا کہ معٰویہ کو بلالاؤ۔ (ت)

امام نووی شرح[2] میں فرماتے ہیں:

فیہ جواز ارسال صبی غیرہ ممن یدل علیہ فی مثل ھذا ولا یقال ھذا تصرف فی منفعۃ الصبی لان ھذا قدر لیسیر ورد الشرع بالمسامحۃ فیہ للحاجۃ واطرد بہ العرف وعمل المسلمین[2]۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بچہ کو اس جیسے کام کے لیے بھی بھیجا جا سکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ بچہ کی منفعت میں تصرف کیا کیونکہ یہ معمولی چیز ہے اور شریعت نے ضرورتاً اس قسم کی چیزوں کی اجازت دی ہے، اور عام طور پر مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔ (ت)

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ نے حدیقہ ندیہ میں اسے مقرر رکھا۔

سوم میں امرابوین کو اجارہ پر قیاس کیا۔

اقول اولاً یہ صحت توکیل کو چاہتا ہے اور اعیان مباحہ[2] میں توکیل خلاف نصوص ہے وعللوہ بوجوہ (اور انہوں نے اس کی کئی علتیں بیان کی ہیں)

الاول ان صحۃ التوکیل تعتمد صحۃ امر الموکل بما وکل بہ وصحۃ الامر تعتمد الولایۃ ولا ولایۃ للموکل علی المباح ونقض بالتوکیل بالشراء فان الموکل لاولایۃ لہ علی المشری۔

اول: توکیل کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ جو کام موکل نے وکیل کو سپرد کیا ہے وہ درست ہے اور اس کام کی صحت کا مدار ولایت پر ہے اور مباح کام پر موکل کو کوئی ولایت نہیں ہے اور اس پر توکیل بالشراء سے اعتراض وارد ہے، کیونکہ موکل کو خریدی جانے والی چیز پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

والثانی ان التوکیل احداث ولایۃ للوکیل ولا یصح ھنا لانہ یملك اخذ المباح بدون تملیکہ ونقض بالتوکیل

دوم: توکیل کے معنی وکیل کے لیے ولایت

---

[1] حطأنی بحاء ثم طاء مھملتین وبعدھما ھمزۃ وھو الضرب بالید مبسوطۃ بین الکتفین اھ حدیقۃ ندیہ۔

حطأنی حا پھر طاء دونوں بغیر نکتہ کے اور ان کے بعد ہمزہ ہے، معنٰی ہے دو کندھوں کے درمیان ہاتھ سے تھپکی دینا اھ حدیقہ ندیہ۔ (ت)

---

[1] صحیح لمسلم باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۲۵

[2] شرح للنووی " " " "

بشراء شیئ لا بعینه فان الوکیل یملکه قبل التوکیل و بعدہ واجاب فی العنایۃ ان معناہ یملکه بدون امر الموکل بلا عقد وصورۃ النقض لیست کذلك فانه لا یملکه الا بالشراء اھ[1]

کا ایجاد کرنا ہے اور وہ یہاں درست نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی تملیک کے بغیر ہی مباح کو لے سکتا ہے اور اس پر یہ نقض ہے کہ کسی کو غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا، کیونکہ وکیل تو توکیل سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس کا مالک ہے۔ اور عنایہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے موکل کے حکم کے بغیر، اور بغیر عقد کے۔ اور نقض کی صورت یہ نہیں ہے، کیونکہ وُہ خریدے بغیر اس کا مالک نہیں ہے اھ (ت)

اقول رحمك اللّٰہ تعالٰی لیس المراد ملك العین بل ولایۃ ذلك الفعل کالاخذ ثمه والشراء ھھنا وھو لا یملکه بالعقد بل العقد ناشئ عن ملکه ثم رأیت سعدی افندی اومأ الیه اذ قال فیه تأمل فان الموکل به ھو الشراء فالوکیل یملکه فلا یندفع النقض اھ[2] والصواب فی الجواب انه لم یکن له من قبل ولایۃ ان یشغل ذمۃ الموکل بالثمن وردہ المحقق فی الفتح بان حاصل ھذا ان التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل یتوقف علی اثباته الولایۃ علیه فی ذلك والکلام فی التوکیل بخلافه[3] اھ ای باخذ المباح فانه لا یثبت فیه حق علی الموکل۔

میں کہتا ہوں اس سے مراد ملکِ عین نہیں ہے، بلکہ اُس کام کے کرنے کا اختیار ہے جیسے وہاں لینا اور یہاں خریدنا، اور وُہ عقد کی وجہ سے اس کا مالک نہیں، بلکہ عقد تو خود اس کی ملک سے پیدا ہوتا ہے پھر میں نے دیکھا کہ سعدی افندی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں تامل ہے، کیونکہ جس چیز کا وکیل بنایا ہے وہ "شراء" ہے تو وکیل اس کا مالک ہے، تو نقض مرتفع نہ ہوگا اھ تو اس کا صحیح جواب یہ ہوگا کہ موکل کو پہلے یہ ولایت حاصل نہ تھی کہ وہ موکل کے ذمہ کو ثمن کے ساتھ مشغول رکھے، اور محقق نے اس کا فتح میں رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی چیز کی توکیل جو موکل پر حق ثابت کرے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ اس پر ولایت کو ثابت کرے اور گفتگو توکیل میں اس کے برخلاف ہے اھ یعنی مباح کے لینے میں، کیونکہ اس میں موکل پر حق ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] عنایۃ مع الفتح القدیر الشرکۃ الفاسدۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۰۹
[2] حاشیۃ چلپی " " " "
[3] فتح القدیر " " ۵/ ۴۱۰

اقول ف۱ هذا اعتراف بالمقصود فان التوكيل مطلقا اثبات ولاية للوكيل لم تكن من قبل ولا يوجد ههنا فلا يصح التوكيل به بخلاف الشراء وليس ان احداث الولاية مطلوب خصوصا في التوكيل بما يوجب حقا على الموكل حتى يقال ليس التوكيل باخذ المباح من هذا الباب فلا يحتاج الى احداث الولاية ۔

میں کہتا ہوں یہ مقصود کا اعتراف ہے کیونکہ توکیل مطلقاً وکیل کے لیے ولایت کا اثبات ہے، ایسی ولایت جو اس کو پہلے حاصل نہ تھی، اور وُہ یہاں پائی نہیں جاتی ہے، تو اس کی توکیل صحیح نہ ہوگی اور شراء میں یہ چیز نہیں ہے، اور ولایت کا ایجاد و احداث مطلوب نہیں ہے خاص طور پر اس توکیل میں، جو موکل پر کسی حق کو واجب کرتی ہو، اگر ایسا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ مباح کے لینے پر وکیل بنانا اس باب سے نہیں ہے، تو اس میں ولایت کی ایجاد کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

والثالث ان المقصود بالتوكيل نقل فعل الوكيل الى الموكل ولا يتحقق ههنا فان الشرع جعل سبب ملك المباح سبق اليد اليه والسابقة يد الوكيل فيثبت الملك له ولا ينتقل الى الموكل الا بسبب جديد اشار اليه المحقق۔

سوم: توکیل سے مقصود یہ ہے کہ وکیل کے فعل کو موکل کی طرف نقل کیا جائے اور یہ چیز یہاں متحقق نہیں کیونکہ شریعت نے مباح کی ملکیت کا سبب قبضہ میں پہل کو قرار دیا ہے، اور یہاں وکیل نے قبضہ میں پہل کی ہے تو ملک اس کے لیے ثابت ہوگی اور موکل کی طرف اسی وقت منتقل ہوگی جبکہ اس کا سبب جدید ہو، محقق نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

ثانیاً بر قیاس صحیح ہو تو صرف ظرف پر حکم نہ رہے بلکہ والدین کی نیت سے لینا ہی اُن کے لیے مثبت ملک ہو اگرچہ اُن کے ظرف میں نہ لے کہ مقیس علیہ اعنی اجارۂ مذکورہ میں حکم یہی ہے اصل ف۲ مدار نیت پر ہے جبکہ نہ اجیر کا یہ وقت بکا ہے نہ شیئ معین ہے تو وہ اپنے لیے بھی لے سکتا ہے اور اپنے مستاجر کے لیے بھی جس کے لیے لے گا اُسی کی ملک ہوگی، ہاں اگر لیتے وقت کسی کی نیت نہ تھی یا وہ کہے میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور مستاجر کہے میرے لیے کی تھی تو اُس وقت ظرف پر فیصلہ رکھیں گے اُس کے ظرف میں لی تو اُس کے لیے ہے ورنہ اپنے لیے۔

واصل ذلك الوكيل بشراء شيئ لا بعينه الحكم ف۳ فيه للاضافة فان لم توجد فللنية فان لم توجدا او تخالفا فيها فللنقد اي ان اضاف العقد الى مال الموكل فالشراء للموكل

اور اس کی اصل یہ مسئلہ ہے کہ کسی شخص کو غیر معین شیئ کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس میں حکم اضافت کا ہے، اگر اضافت نہ پائی گئی تو نیت معتبر ہوگی، اگر نیت بھی نہ پائی گئی یا دونوں میں اختلاف ہو تو حکم

وان زعم انه اشتری لنفسه او الی مال نفسه فلنفسه او الی مطلق مال فلایهما نوی کان له فان لم تحضرہ النیة عند الشراء اوقال نویت لی وقال الموکل لی او بالعکس حکم النقد فی الثانی بالاجماع و فی الاول عند ابی یوسف خلافا لمحمد فانه یجعله اذن للعاقد[1] ووقع فی رد المحتار عکس ھذا و ھو سھو۔

نقد کا ہے، یعنی اگر عقد کو موکل کے مال کی طرف مضاف کیا تو خریدنا موکل کے لیے ہوا اگرچہ اس نے یہ گمان کیا کہ اُس نے اپنے لیے خریدا ہے، اور اگر اضافت خود اس کے مال کی طرف ہے تو خریدنا اس کے لیے ہوا، اور اگر مطلق مال کی طرف اضافت ہے تو دونوں میں سے جس کی نیت کی اس کے لیے ہوگا، اور اگر خریدنے کے وقت کوئی نیت ہی نہ تھی یا کہا کہ میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور موکل نے کہا کہ میرے لیے کی تھی یا بالعکس تو دوسرے میں بالاجماع نقد کو حکم بنایا جائیگا اور پہلے میں صرف ابو یوسف کے نزدیک ہوگا، امام محمد اس کو اس صورت میں عاقد کے لیے قرار دیتے ہیں، اور ردالمحتار میں اس کا برعکس کہا ہے اور یہ سہو ہے۔ (ت)

اقول وقدم قاضی خان قول ابی یوسف واخرفی الھدایة دلیله فافاد ترجیحه وقال فی البحر تحت قول الکنز ان کان بغیر عینه فالشراء للوکیل الا ان ینوی للموکل او یشتریه بماله مانصه ظاھر ما فی الکتاب ترجیح قول محمد من انه عند عدم النیة یکون للوکیل لانه جعله للوکیل الا فی مسألتین[2] اھ ای النیة للموکل واضافة العقد الی ماله اذ ھو المراد من الشراء بماله کما فی الھدایة فاذا لم یضف ولم ینو کان للعاقد کما ھو

میں کہتا ہوں قاضی خان نے ابو یوسف کا قول مقدم کیا ہے اور ہدایہ میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے جس سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور بحر نے کنز کے اس قول کے تحت فرمایا کہ اگر غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو شراء وکیل کے لیے ہے، مگر یہ کہ موکل کی نیت کرلے یا اس کو اپنے مال سے خریدے۔ ان کی عبارت یہ ہے کتاب میں جو ہے اس سے بظاہر محمد کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں وہ شراء وکیل کے لیے ہوگی، کیونکہ انہوں نے شراء وکیل کے لئے ہی کی ہے سوائے دو مسئلوں کے اھ یعنی یہ کہ نیت

---

[1] عنایة مع فتح القدیر وکالة بالشراء سکھر ۷/ ۴۵

[2] بحرالرائق وکالة بالبیع والشراء سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۰

مذہب محمد رحمہ اللہ تعالیٰ۔ موکل کے لیے ہو اور اضافت اُس کے مال کی طرف ہو۔ اس لیے کہ اس کے مال سے خریدنے کا یہی مطلب ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، توجب اضافت نہ کی اور نیت بھی نہ کی تو عاقد کے لیے ہوگی جیسا کہ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ (ت)

اقول لکن الامام ابا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انما حکم النقد لانہ دلیل النیۃ قال فی الھدایۃ[1] عند ابی یوسف یحکم النقد لان مع تصادقھما یحتمل النیۃ للأمر وفیما قلناہ حمل حالہ علی الصلاح کما فی حالۃ التکاذب[1] قال فی العنایۃ (یحتمل) انہ کان نوی للأمر ونسیہ (وفیما قلنا) یعنی تحکیم النقد (حمل حالہ علی الصلاح) لانہ اذاکان النقد من مال الموکل والشراء لہ کان غصبا (کما فی حالۃ التکاذب)[2] اھ فعلم ان تحکیم النقد داخل فی اعتبار النیۃ ولا یستغرب مثلہ فی ایجاز الکنز۔

میں کہتا ہوں، لیکن امام ابو یوسف نے نقد کو حکم بنایا کیونکہ وُہ نیت کی دلیل ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ابو یوسف کے نزدیک نقد کو حکم بنایا جائیگا، کیونکہ اگر وہ دونوں اتفاق کرلیں تو احتمال ہے کہ نیت حکم دینے والے کی ہو، اور جو ہم نے کہا ہے اس میں اُس کے حال کو صلاح پر محمول کیا گیا ہے، جیسے کہ دونوں ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے، عنایہ میں فرمایا (احتمال ہے) کہ اُس نے حکم دینے والے کے لیے نیت کی ہو اور پھر بھُول گیا ہو (اور جو ہم نے کہا اُس میں) اس سے مراد نقد کو حکم بنانا ہے (اس کے حال کو صلاح پر محمول کرنا ہے) کیونکہ جب ادائیگی موکل کے مال سے ہو اور خریدنا اس کے لیے ہو تو یہ غصب ہوگا (جیسے کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے) اھ تو معلوم ہوا کہ نقد کو حکم بنانا نیت کے اعتبار میں داخل ہے اور کنز کے ایجاز میں ایسی بات عجیب نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ قول سوم خلاف اصول و مخالف منقول ہے اور قول اول میں حرج بشدت اور دوم کہ نص محرر المذہب سے ماثور مؤید بعرف وکتاب وسنت لہٰذا فقیر اُسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے استخارہ کرتا ہے و باللہ التوفیق تو ثابت ہوا کہ احکام مذکورہ صور استیلاء میں نسبت ابوت و بنوت سے کوئی تغیر نہیں آتا جب یہ اصل بعونہ تعالیٰ ممہد ہولی واضح ہُوا کہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی ایک نہیں بہت سے پانی ہیں جن کا سلسلہ شماریوں ہے۔

(۳۲) وُہ پانی کہ نابالغ نے آب مملوک مباح سے لیا۔

---

[1] الھدایۃ وکالۃ بالبیع والشراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۱۸۳

[2] عنایۃ مع الفتح القدیر وکالۃ بالبیع والشراء نوریہ رضویہ سکھر ۷/۴۶

(۳۳) وہ کہ مملوک غیر مباح سے بے اجازت لیا۔
(۳۴) وہ کہ اس سے باجازت لیا مگر مالک نے اسے ہبہ نہ کیا صرف بطورِ اباحت دیا۔
(۳۵) نابالغ خدمت گار نے آقا کے لیے نوکری کے وقت میں بھرا۔
(۳۶) خاص پانی ہی بھرنے پر اُس کا اجیر بتعیین وقت تھا اُسی وقت میں بھرا۔
(۳۷) مستاجر نے پانی خاص معین کر دیا تھا مثلاً اس حوض یا تالاب کا کل پانی۔

اقول اور یہ تعیین نہ ہوگا کہ اس حوض یا کنویں سے دس مشکیں کہ دس مشک باقی سے جدا نہیں جس کی تعیین ہو سکے۔

(۳۸) اس نے باذن ولی یہ مزدوری کی اور کہتا ہے کہ یہ پانی مستاجر کے لیے بھرا۔
(۳۹) اسی صورت میں اگرچہ زبان سے نہ کہا مگر اُس کے برتن میں بھرا۔
(۴۰) نابالغ کسی کا مملوک ہے ان نو صورتوں میں وہ نابالغ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوا پہلی تین صورتوں میں مالکِ آب کا ہے پھر ۳۵ سے ۳۹ تک پانچ صورتوں میں مستاجر کا۔ اخیر میں اگر باذنِ مولیٰ کسی کے لیے اجارہ پر بھرا اور وہی صورتیں ملکِ مستاجر کی پائی گئیں تو پانی مستاجر کا ورنہ بہرحال اس کے مولے کا یہاں تک کہ خاص اپنے لیے جو بھرا ہو وہ بھی مولیٰ ہی کی ملک ہوگا۔ یہ پانی جس جس کی مِلک ہو اُسے تو جائز ہی ہیں اُس کی اجازت سے ہر شخص کو جائز ہیں جبکہ وہ عاقل بالغ مختار اجازت ہو بلکہ بحالِ انبساط اجازت لینے کی بھی حاجت نہیں مثلاً کسی کے نابالغ نوکر اجیر یا غلام نے پانی بھرا اس کے بھائی یا دوست جو اس کے ایسے مال میں تصرف کرتے اور وہ پسند رکھتا ہے اُس سے بے پُوچھے بھی نابالغ مذکور کا بھرا ہوا پانی اُس سے لے کر اپنے صرف میں لا سکتے بلکہ غلام سے مطلقاً اور اُس کے نوکر سے وقت نوکری میں بھروا سکتے ہیں کہ بہرحال اُس دوست کی ملک میں تصرف ہے نہ نابالغ کی۔

(۴۱) نابالغ حُر کو مالکِ آب نے پانی تملیکاً دیا۔
(۴۲) حُر غیر اجیر نے آبِ مباح غیر مملوک سے اپنے لیے بھرا۔
(۴۳) دوسرے کے لیے بطور خود۔
(۴۴) اُس کی فرمائش سے بلا معاوضہ۔
(۴۵) اجیر کے آقا کے کہنے سے بھرا اگر اس کے یہاں کسی اور خاص کام کے لیے نوکر تھا جس میں پانی بھرنا داخل نہ تھا۔
(۴۶) داخل تھا جیسے خدمت گاری مگر نوکری کے وقتِ مقرر سے باہر بھروایا۔

(۴۷) خاص پانی ہی بھرنے پر اسے اجیر کیا نہ وقت مقررہوا نہ پانی معین نہ یہ مقرر کہ اُس کے لیے بھرا نہ اُس کا برتن تھا جس میں بھرا۔

(۴۸) وقت مقرر ہوا اور اُس سے باہر یہ کام لیا ان آٹھ صورتوں میں وہ پانی اُس نابالغ کی مِلک ہے اور اُس میں غیرِ والدین کو تصرف مطلقاً حرام حقیقی بھائی اُس پانی سے نہ پی سکتا ہے نہ وضو کرسکتا ہے ہاں طہارت ہوجائے گی اور ناجائز تصرف کا گناہ اور اُتنے پانی کا اس پر تاوان رہے گا مگر یہ کہ اس کے ولی سے یا بچہ ماذون ہو جس کے ولی نے اسے خرید فروخت کا اذن دیا ہے تو خود اس سے پُورے داموں خرید لے ورنہ مفت یا غبن فاحش کے ساتھ نابالغ کی مِلک دوسرے کو نہ خود وہ دے سکتا ہے نہ اُس کا ولی۔ رہے والدین وہ بحالت حاجت مطلقاً اور بے حاجت حسبِ روایتِ امام محمد اُن کو جائز ہے کہ اُس سے بھروائیں اور اپنے صرف میں لائیں باقی صورتوں میں اُن کو بھی روا نہیں مگر وہی بعد شراء۔

تنبیہ ۱ یہاں سے اُستاد سبق لیں معلّموں کی عادت ہے کہ بچے جو اُن کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں اُن سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا وصی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ اُن سے پانی بھروا کر استعمال کرسکتے ہیں نہ اُن کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں

اقول وعرفھم الحادث علی خلاف الشرع لا یعبؤبه فانه لم یکن فیمن مضی من اھل الخیر ومر الامام الکسائی رحمه اللہ تعالٰی علی سکة عطشان فاستسقی من بعض بیوتھا ثم تذکر انه اقرأ بعض اھلھا فمر ولم یشرب۔

اقول اور ان کی نئی اصطلاح جو شریعت کے برخلاف ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں یہ اصطلاح سلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھی۔ ایک مرتبہ امام کسائی کا گزر ایک گلی سے ہوا آپ پیاسے تھے تو ایک گھر سے پانی طلب کیا، پھر انہیں یاد آیا کہ انھوں نے اس گھر کے کچھ لوگوں کو پڑھایا ہے، چنانچہ آپ نے پانی واپس کردیا اور پیاسے ہی وہاں سے گزر گئے۔ (ت)

تنبیہ ۲ کنویں کا پانی جب تک کنویں سے باہر نکال لیا جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا فان سبب الملك الاحراز ولا احراز الا بعد التنحیة عن راس البئر[1] (سبب مِلک احراز ہے اور احراز پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ت) تو استاد جسے بچے سے خدمت لینے کا اختیار رہے یہ کرسکتا ہے کہ پانی بچے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنویں کے لب تک آئے اُس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچے کی مِلک نہ ہوگا بلکہ خود اُس کی۔

فی الھندیة عن القنیة والساقی

ہندیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ جو شخص

---

[1] اس کی تحقیق نمبر ۲۰۱ میں گزری ۱۲ (م)

من البئر لایملك بنفس ملاء الدلو حتی ینحیه عن رأس البئر[1] اھ وفی ردالمحتار لو احرزہ فی جرۃ او جب او حوض مسجد من نحاس او صفر او جص وانقطع جریان الماء فانه یملکه وانما عبر بالاحراز لا الاخذ اشارۃ الی انه لوملأ الدلو من البئر ولم یبعدہ عن رأسها لم یملك عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین[2] اھ

کنویں سے پانی بھرتا ہے وہ محض ڈول کے بھرنے سے پانی کا مالک نہیں ہوجائے گا، اُس وقت مالک ہوگا جب اُس پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرکے رکھ دے اھ اور ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے ٹھلیا، مٹکے یا مسجد کے حوض میں پانی جمع کیا، یہ حوض تانبے، پیتل یا گچ کا ہو، اور اس طرح پانی کا بہنا بند ہوگیا ہو تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا، انہوں نے اس کو احراز سے تعبیر کیا اخذ سے نہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ڈول کنویں سے بھرا مگر وہاں سے ہٹایا نہیں تو شیخین کے نزدیک وہ اس کا مالک نہ ہوگا کیونکہ "احراز" کے معنی کسی چیز کو محفوظ جگہ پر رکھنے کے ہیں اھ (ت)

اقول فاذا لم یملکه کان باقیا علی اباحته فالذی نحاہ ھو الذی احرز المباح فیملکه اھ

میں کہتا ہوں جب یہ شخص اس طرح اس کا مالک نہ ہوا تو پانی اپنی اباحت پر ہی باقی رہا، تو جس نے اس کو کنویں سے ایک طرف ہٹا کے رکھا اس نے اس کو محفوظ کیا تو وہی اس کا مالک ہوا۔ (ت)

تنبیہ ۳ بہشتیوں کے بچّے اکثر کنویں پر پانی بھرتے ہیں لوگوں کی عادت ہے کہ ان سے وضو یا پینے کو لے لیتے ہیں یہ حرام ہے اور عوام کو اس میں ابتلائے عام ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اقول مگر یہاں ایک دقیقہ ہے یہ بچّے داموں پر پانی بھرتے ہیں اور کہیں مشکیں مقرر ہوتی ہیں کہیں گھر کے برتن معین یہ شخص جس نے نابالغ بہشتی سے پانی لیا اگر وُہ اس کے یہاں نہیں بھرتا تو اسے مطلقاً جائز نہیں اور اگر بھرتا ہے مگر یہ مشک جسے وہ بھر رہا تھا اور اُس کے ڈول سے پانی اس نے لیا دوسرے کے یہاں لے جائے گا تو ناجائز ہے اور اگر اسی کے یہاں لے جانے کو ہے مگر قرارداد برتنوں کا بھرنا ہے اور وہ پورے بھر دئے جائیں گے تو ناجائز ہے کہ یہ پانی اُس سے زائد ہے یونہی اگر مشکوں کا قرارداد ہے اور یہ مشک کبھی اُس سے پُوری لی تو ناجائز ہے ہاں اگر یہ مشک اتنی خالی لی تو ایسا ہوا کہ اتنا پانی گھر پر نہ پہنچایا یہیں لے لیا یا برتنوں کا قرارداد ہے اور اتنا خالی رکھنے کو کہہ دیا یا جس دوسرے کے یہاں یہ مشک لے جاتا ہے اُس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۹۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۱

اس قدر پانی کی اجازت لے لی اور اُس نے مشک یا برتن اتنے خالی رکھوائے تو جائز ہونا چاہیئے کہ اگرچہ پانی ابھی سقا ہی کی ملک تھا جب برتنوں میں ڈالے گا اُس وقت اس کی بیع ہو گی اور جس کے یہاں بھرا گیا اُس کی ملک ہو گا یہ اس لئے کہ بہشتی اجیر مشترک ہیں نہ اُن کا وقت معین ہوتا ہے نہ اتنا پانی قابل تعین ہے اور اپنے ڈول سے بھرتے ہیں اور جب تک مشک کہیں ڈال نہ دیں پانی اپنا ہی جانتے ہیں اُس میں جو چاہیں تصرف کرتے ہیں لہذا اُس وقت تک پانی انہی کا ہوتا ہے مگر مقصود اس مول لینے والا کا قبضہ ہے اور اس کی اجازت سے جو تصرف ہو وہ اسی کا قبضہ ہے اگر دس مشکیں اس کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں اور وہ کہے کہ اُن میں سے دو کا چھڑکاؤ یہیں سڑک پر کر دو ضرور بیع صحیح ہو جائے گی اسی طرح اگر اس میں سے ایک لوٹا یا جس قدر چاہا زید کو دلوا دیا ' هذا ما ظهر لی والله تعالیٰ اعلم ۔ (ت)

تنبیہ ۴ معتوہ بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تدبیر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو وہ تمام احکام میں صبی عاقل کی مثل ہے تو یہ سب احکام بھی اُس میں یُوں ہی جاری ہوں گے ۔

اقول مگر غنی ماں باپ کا اُس کے بھرے ہُوئے سے انتفاع امام محمد سے دربارۂ صبی مروی اور اُس کا مبنیٰ عرف وعادت اور معتوہ میں اس کی عادت ثابت نہیں اور منع میں بوجہ ندرت عتہ لزوم حرج نہیں تو یہاں ظاہر قول اول ہی مختار رہنا چاہیئے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

فائدہ یہاں تک وُہ پانی تھے جن میں اُن کا غیر نہ ملا آگے خلط غیر کی صورتیں ہیں ۔

(۴۹ تا ۶۵) کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کچھ پانی پھر اُس حوض میں ڈال دیا اب اُس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا ۔

فی ش عن ط عن الحموی عن الدرایۃ عن الذخیرۃ والمنیۃ وفی غمز العیون عن شرح المجمع لابن الملك عن الذخیرۃ وفی الاشباہ من احکام الصبیان وفی الحدیقۃ الندیۃ عن الاشباہ فی النوع العشرین من افات اللسان وفی غیرھا من الکتب الحسان عبد او صبی او امۃ ملأ الکوز من ماء الحوض واراق

ش میں ط سے حموی سے درایہ سے ذخیرہ سے اور منیہ سے ہے اور غمز العیون میں شرح مجمع سے (یہ ابن ملک کی کتاب ہے) ذخیرہ سے ہے، اور اشباہ میں (احکام الصبیان میں) اور حدیقہ ندیہ میں اشباہ (آفات اللسان کی بیسویں نوع میں) اور دوسری کتب میں ہے کسی غلام بچّے یا باندی نے حوض کے پانی سے لوٹا بھرا پھر اس میں سے کچھ اُسی کے اندر انڈیل دیا تو اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس حوض

بعضہ فیہ لایحل لاحد ان یشرب من ذٰلك الحوض لان الماء الذی فی الکوز یصیر ملکا للاٰخذ فاذا اختلط بالماء المباح ولا یمکن التمییز لایحل شربہ[1]

سے پانی پئے کیونکہ حوض کا پانی لینے والے کی ملک ہوجاتا ہے تو جب یہ ملکِ مباح سے مل گیا اور اس میں تمیز ممکن نہیں تو اس کا پینا حلال نہ ہوگا۔[1] (ت)

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اسے نقل کرکے فرمایا اس حکم میں حرج عظیم ہے۔

اقول یہاں بہت استثنا وتنبیہات ہیں:

اول مرادآبِ مباح غیر مملوک ہے تو حکم نہ ہر حوض کو شامل نہ حوض سے خاص بلکہ کنوؤں کو بالعموم حاوی ہے کہ کنواں اگرچہ مملوک ہو اس کا پانی مملوک نہیں کما تقدم تحقیقہ (جیسا کہ اسکی تحقیق گزر چکی ہے۔ت) اور وہ حوض جس کا پانی مملوک ہے اُس کا مالک اگر عاقل بالغ ہے تو بچہ ہزار بار اس میں سے پانی بھر کر اس میں پلٹ دے کچھ حرج نہ آئے گا کہ مال جس کا تناول اس کے مالک نے مباح کیا ہو بعد اخذ تصرف بھی ملک مالک سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ دعوت کا کھانا کھاتے وقت بھی میزبان ہی کی ملک پر کھایا جاتا ہے تو بچہ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوگا اصل مالک کی مِلک پر رہے گا اور ڈال دینے سے اُسی کی ملک ہو جائیگا۔

دوم ہماری تحقیقاتِ بالا سے واضح ہوا کہ ہر مباح بھی مطلقاً آخذ کی ملک نہیں ہوجاتا تو پانی کو مباح و مملوک کو شامل لے کر وہی سترہ صورتیں یہاں بھی پیدا ہوں گی جو نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں گزریں نو صورتوں میں وُہ پانی اُس بھرنے والے کی ملک نہ ہوگا بلکہ اصل مالکِ آب یا مستاجر یا مولیٰ کی مِلک ہوگا وہ اگر عاقل با

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۲

[2] حکم کی شدت نے اس مسئلہ کو مشکل بنا دیا ہے کیونکہ عوام وخواص کے ابتلاء کی وجہ سے یہ حکم بموجب حرج اور تنگی ہے جبکہ ابتلاءِ عوام داعی یُسر وآسانی ہے اللہ تعالٰی بے حساب رحمتیں نازل فرمائے فقہاء کرام پر جنہوں نے اللہ تعالٰی کی مخلوق پر شفقت فرمائی اور ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل فرمایا جس سے عوام الناس کیلئے آسانی اور سہولت کی راہ ہموار ہُوئی چنانچہ امام احمد رضا بریلوی (مصنف) نے اس مسئلہ کی شدّت کو محسوس فرمایا اور انہوں نے فقہاء احناف کے اقوال کی روشنی میں اس کا حل صفحہ ۵۳۷ پر خود بیان فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے مسئلہ مذکورہ اگرچہ جنابت وطہارت کا نہیں بلکہ اسکا تعلق حظر واباحت سے ہے، تاہم پاک پانی میں نجس پانی کے اختلاط کے مسئلہ میں فقہاء احناف کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں اسکو حل کیا جاسکتا ہے عراقی فقہاء نے پاک پانی میں نجس پانی گرنے سے متعلق فرمایا کہ بڑے حوض کے کثیر پانی میں جس جگہ نجس پانی گرا ہو اس جگہ کو چھوڑ کر باقی حوض سے وضو جائز ہے کیونکہ باقی جگہوں تک نجاست کا پہنچنا مشکوک ہے لہذا شک کی بناء پر باقی پانی کی طہارت زائل نہ ہوگی جبکہ جمہور فقہاء نے ایسی صورت میں تمام حوض حتی کہ جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ پر بھی وضو کو جائز فرمایا کیونکہ پانی طبعی طور پر سیال ہے اور ہواؤں وغیرہ کی تحریک کی وجہ سے پانی ایک جگہ ساکن نہیں رہتا لہذا حوض کے باقی حصّوں میں نجاست پہنچنے نہ پہنچنے کے احتمال کی وجہ سے باقی بلکہ تمام پانی کو بالیقین نجس نہیں کہہ سکتے لہذا نجاست کا یقین زائل ہوجانے پر پانی کا اصل حکم یعنی طہارت باقی رہے گا اس طرح حوض کے ہر حصہ کے پانی کو پاک قرار دیا جائیگا، عراقی یا جمہور فقہاء کرام کے ضابطہ پر نابالغ بچے کی ملکیت پانی کو قیاس کرتے ہُوئے مذکورہ مشکل مسئلہ کا حل واضح ہوجاتا ہے، عراقی ضابطہ کے پیش نظر جہاں نابالغ بچے کا پانی گرا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام پانی کا استعمال مباح ہوگا جبکہ جمہور فقہاء کے ضابطہ کے تحت نابالغ کے پانی گرنے کی جگہ سمیت تمام پانی مباح ہوگا مصنّف کی اصل عبارت میں تفصیل موجود ہے۔ عبدالستار سعیدی

بالغ نہیں تو البتہ یہی وقت عود کرے گی ورنہ اُس عاقل بالغ کی اجازت پر توقف رہے گا۔

سوم صبی کی خصوصیت نہیں معتوہ بھی اسی کے حکم میں ہے کما تقدم۔

چہارم جس طرح کلامِ علما میں پینے کا ذکر مثال ہے مراد کسی قسم کا استعمال ہے اسی طرح کچھ یہی شرط نہیں کہ حوض یا کنویں سے پانی لے کر ہی ان میں ڈالے یا جس حوض یا چاہ سے لیا اس میں واپس دے یا وہ نابالغ ہی اپنے ہاتھ سے ڈالے[ف۱] بلکہ مقصود اُسی قدر ہے کہ مالِ مباح میں نابالغ کی مِلک کا اس طرح مل جانا کہ جُدا نہ ہوسکے تو اگر صبی کی مِلک کا پانی اُس کے گھر سے لا کر کسی شخص اگرچہ خواہ اُس کے ولی نے کسی کنویں یا مباح حوض میں ڈال دیا اس کا استعمال تا بقائے آبِ مذکور ناجائز ہوگیا۔

پنجم ظاہر ہے کہ یہ عدم جواز اوروں کے حق میں بوجہ اختلاطِ ملکِ صبی ہے خود صبی استعمال کرسکتا ہے کہ وہ نہیں مگر اُس کی مِلک یا مباح۔

ششم[ف۲] اُس کے ماں باپ بھی بشرطِ حاجت بالاتفاق اور بلا حاجت روایت امام محمد پر استعمال کرسکتے ہیں تو لا یحل لاحد (کسی کے لیے جائز نہیں۔ ت) عام مخصوص ہے۔

ہفتم اگر وہ کنواں یا حوض ترک کردیں اور صبی بلوغ کو پہنچے اور اُس وقت اس پانی کو مباح کردے تو اب کوئی مانع نہیں۔

ہشتم اگر وہ صبی انتقال کرجائے اس کے سب ورثہ عاقل بالغ ہوں تو اب ان کی اجازت پر وقت رہے گی اور اگر ایک ہی وارث ہے تو اسے خود حلال خالص ہے کسی کی اجازت کی بھی حاجت نہیں۔

نہم اگر وہ پانی کہ صبی کی ملک سے اُس میں مخلوط ہوا باقی نہ رہے تو اب سب کو مباح ہوجائیگا کہ مانع زائل ہوگیا۔

دہم مسئلہ[ف۳] سابقہ یعنی نابالغ کے بھرے ہُوئے پانی میں جو ایک صورتِ جواز اُس سے اگر ماذون ہو ورنہ اُس کے ولی سے خرید لینے کی تھی یہاں جاری نہیں ہوسکتی کہ مِلکِ صبی کا پانی جب اُس آبِ مباح میں مل گیا قابلِ بیع نہ رہا کہ مقدور التسلیم نہیں۔

یازدہم آبِ مباح کی ضرورت[ف۴] بھی اُس حالت میں ہے کہ بچّہ کا اُس میں سے بھر کر اُس میں ڈال دینا لیں کہ مباح پر ملک یوُں ہی ہوگی ورنہ مِلک نابالغ کا پانی اگر کسی کے مملوک پانی میں مل جائے گا تو اُس کا استعمال بھی حرام ہوجائے گا حتی کہ اُس مالک آب کو۔

دوازدہم ایک یا دونوں طرف کچھ پانی کی خصوصیت نہیں بلکہ کسی[ف۵] کے مملوک پانی میں بچے کی ملک کا عرق یا دودھ یا کسی کے مملوک عرق یا دُودھ میں بچّے کی ملک کا پانی یا چاول میں چاول گیہوں میں گیہوں مل جائیں

جب بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تصرف خود مالک کو بھی حرام ہو گیا تو مسئلہ کی تصویر یُوں ہونی چاہیئے کہ اگر کسی شے ف۱ مباح یا مملوک میں کسی غیر مکلف کی مِلک اس طرح خلط ہو جائے کہ تمیز ناممکن ہو اگرچہ یُونہی کہ مثلاً مباح غیر مملوک پانی سے صبی یا معتوہ حر غیر اجیر نے بھرا اور اگر وُہ کنواں ہے تو اُس سے بھر کر باہر نکال لیا اور اگر اجیر ہے تو نہ وقت معین نہ وہ مباح معین نہ یہ مستاجر کے لیے لینے کا مقر نہ اُس کے ظرف میں لیا پھر ان صورتوں میں اُس کا کوئی حصہ اُس میں کسی نے ڈال دیا یا پڑ گیا تو جب تک اُس غیر مکلّف کی مِلک اُس مباح یا مملوک میں باقی ہے اور وہ غیر مکلف ہے اور مِلک اُس سے منتقل نہ ہو گئی اُس وقت اُس غیر مکلف یا بحال حاجت خواہ ایک روایت پر پانی میں مطلقاً اُس کے ماں باپ کے سوا کسی کو اُس میں تصرف حلال نہیں۔

سیزدہم حدیث العبد والامۃ ردّہ ش بان العبد لایملك وان ملك فیکون لمالکه لانه مالك اکسابه اھ۔

سیزدہم: غلام اور باندی کے مسئلہ کو "ش" نے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ غلام پانی کا مالک نہیں بنے گا اور اگر مالک ہوگا بھی تو وُہ پانی اُس کے مالک کی ملکیت میں آجائے گا کیونکہ اس کی تمام کمائی کا مالک اُس کا مالک ہی ہے۔ (ت)

اقول ف۲ ما کانوالیذھلوا عن مثل ھذا وانما القصد ابانۃ الفرق بین الحر العاقل البالغ وبین الصبی والمعتوہ والرقیق فان الاول اذا ملأ ملك فاذا صب اباح وھؤلاء لایملکون الاباحۃ فلایحل بصبھم ولیس المراد تابید التحریم بل الی ان تلحق الاجازۃ ممن ھی له ففی الصبی والمعتوہ حتی یبلغ او یعقل فیجیزو ف۳ فی الرقیق حتی یجیز المالك المکلف الحاضر حالا اومالا اویبلغ الغائب اویبلغ الصبی اویفیق المعتوہ فیجیزوا۔

میں کہتا ہُوں فقہا سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ اتنی معمولی سی بات اُن کے ذہن میں نہ آئی ہو، دراصل ان کا مقصود آزاد عاقل بالغ اور بچہ، بیوقوف اور غلام کے درمیان فرق کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ آزاد شخص جب پانی بھرے گا تو مالک ہو جائیگا اور جب بہائے گا تو مباح کرے گا، اور یہ لوگ اباحت کا حق نہیں رکھتے ہیں، لہذا پانی ان کے انڈیل دینے سے مباح نہ ہوگا اور مراد یہ نہیں کہ حرمت ہمیشہ رہے گی، بلکہ یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا مالک اجازت نہ دے دے، چنانچہ بچہ اور بیوقوف کی صورت میں بلوغ یا عقل کی درستی کے بعد اجازت دینے سے اس کا پینا حلال ہو جائے گا اور غلام کی صورت میں اس کے آقا کی اجازت سے جو مکلف حاضر ہو

ل ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

فی الحال یا فی المآل، یا غائب پہنچ جائے یا بچہ بالغ ہوجائے یا بے وقوف عاقل ہوجائے، اور وہ اجازت دے دیں۔ (ت)

چاردہم عد ش من اشکالاتہ انہ لم یبین متی یحل الشرب منہ[1] اھ واشرت الی جوابہ بقولی ما بقی فیہ ذلک الماء لان المنع لاجلہ فاذا ذھب ذھب۔

چہاردہم: "ش" نے اس پر یہ اشکال محسوس کیا ہے کہ انھوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس کا پینا کب حلال ہوگا اھ میں نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک اس میں یہ پانی باقی ہے کیونکہ حرمت اسی کی وجہ سے ہے جب یہ ختم ہو جائیگا تو حرمت بھی ختم ہوجائے گی۔ (ت)

پانزدہم قال وھل ثم فرق بین الحوض الجاری او ما فی حکمہ وبین غیرہ[2] اھ

پندرھواں: کیا حوض جاری اور جو اس کے حکم میں ہے اس میں اور دوسرے پانیوں میں اس سلسلہ میں فرق ہے؟ (ت)

اقول تعبیرھم بالحوض ظاھر فی رکودہ فان الجاری یسمی نھرا لاحوضا والاطلاق یشمل الصغیر والکبیر وھو الوجہ فان الماء الجاری یذھب ذلک الماء یقینا فیزول السبب ولا کذلک الراکد۔

میں کہتا ہوں فقہا کا حوض سے تعبیر کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی مراد ٹھہرا ہوا پانی ہے کیونکہ جاری پانی کو نہر کہا جاتا ہے حوض نہیں کہتے ہیں اور اطلاق چھوٹے بڑے دونوں کو شامل ہے اور یہی معقول وجہ ہے کیونکہ جاری پانی اس پانی کو جو پھینکا گیا ہے بہالے جائے گا، تو سببِ حُرمت زائل ہو جائیگا اور ٹھہرے ہوئے پانی کی یہ صورت نہیں۔ (ت)

شانزدہم قال وینبغی ان یعتبر غلبۃ الظن بانہ لم یبق مما اریق فیہ شیئ منہ بسبب الجریان او النزح والا یلزم ھجر الحوض وعدم الانتفاع بہ اصلا[3] اھ

سولھواں: فرمایا غلبۂ ظن کا اعتبار بھی کیا جانا چاہیے یعنی یہ کہ پانی کے جاری رہنے یا اُس میں سے پانی کے نکالے جانے کے باعث جو پانی کہ اس میں ڈالا گیا تھا اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا ورنہ تو پھر حوض کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنا پڑیگا۔ (ت)

---

[1] رد المحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

اقول ف۱ لاینبغی الشک فی الجواز بعد النزح لما سیأتی انما الشأن فی جواز النزح ف۲ وکیف یحل مع ان فیہ اضاعۃ ملك الصبی ان صب فی الارض او الانتفاع بہ ان سقی بہ نحو زرع او بستان وکذلك الاجراء وان ابیح ذلك الان فلم لایباح الشرب والاستعمال من رأس اذ لیس فیہ فوق ھذا باس ف۳ نعم ان جرٰی بمطر او سیل فذاك حل من دون اثم۔

میں کہتا ہوں، جب اس حوض کا پانی نکل جائے تو پھر جواز میں کوئی شک نہیں لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ آیا اُس تمام پانی کا نکال دینا جائز ہے؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ نکال کر اگر یوں ہی بہا دیا جائے تو بچہ کا مال ضائع ہوجائیگا اور کسی باغ یا کھیت وغیرہ کو لگا دیا جائے تو اُس سے نفع حاصل کرنا لازم آئیگا، اسی طرح جاری کرکے بہا دینا بھی درست نہیں اور اگر اس سے یہ تمام کام کرنا جائز ہیں تو شروع ہی سے اس کا پینا اور اس کو استعمال کرنا کیوں جائز نہیں، اُس میں اس سے زیادہ کیا حرج تھا؛ ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بارش یا سیلاب کی وجہ سے حوض کا پانی بہہ نکلا تو وہ بلاحرج حلال ہوجائیگا۔ (ت)

ہفدہم قال ویمکن ان یعتبر بالنجاسۃ فیحل الشرب من نحو البئر بالنزح ومن غیرھا بالجریان بحیث لوکان نجاسۃ لحکم بطھارتھا فلیتأمل[۱] اھ

سترھواں: فرمایا یہ ممکن ہے کہ نجاست کا اعتبار کیا جائے، تو کنویں سے پانی نکال کر پینا جائز ہوگا اور کنویں کے علاوہ دوسری چیزوں سے اُس پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پینا جائز ہوجائیگا، گویا اگر اس میں نجاست بھی ہوتی تو اس کی طہارت کا حکم دیا جاتا، فلیتامل اھ (ت)

اقول ف۴ عرفت مافیہ ف۵ والنزح فی النجاسۃ معدول بہ عن سنن القیاس فکیف یعتبر بہ وکأنہ رحمہ اللہ تعالٰی الٰی ھذہ الابحاث اشار بقولہ فلیتأمل۔

میں کہتا ہوں، اس پر جو اعتراض ہے وہ معلوم ہوچکا ہے، اور کل پانی کا نجاست کی صورت میں نکالنا برخلاف قیاس ہے تو اس پر آگے قیاس کس طرح ہوسکتا ہے؛ اور غالباً انہوں نے ان ابحاث کی طرف فلیتامل سے اشارہ کیا ہے (ت)

ہیجدہم ف۶ سب سے زیادہ اہم اس کا علاج ہے کہ یہ پانی قابلِ استعمال کیونکر ہو سید طحطاوی نے تو اتنا فرمایا کہ اس میں حرج عظیم ہے سید شامی نے جو علاج بتائے دفع اثم کو کافی نہیں ہوتا،

۱؎ ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

واشار سیدی العارف باللہ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ فی الحدیقۃ الی ان تفریجہ باذن الولی حیث قال فی النوع العشرین من اٰفات اللسان بعد ما نقل المسألۃ عن الاشباہ و عللھا بما قد منا مانصہ وظاھرہ الا ان باذن الولی قال ونظیرہ عدم حل الشرب من کیزان الصبیان الا باذن الولی وکذلک فی اکل ما معھم اذا اعطوہ لاحد اھ[1]

عارف باللہ سید عبد الغنی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اگر ولی اجازت دے تو جائز ہے یہ بات انہوں نے آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اس مسئلہ کو اشباہ سے نقل کرنے اور اس کی علت بیان کرنے کے بعد لکھی ہے جس کی عبارت ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ "مگر یہ کہ ولی اجازت دے دے" اور اس کی مثال یہ ہے کہ بچوں کے کوزوں سے پانی پینا ولی کی اجازت ہی سے جائز ہے، اور اسی طرح دوسری کھانے والی اشیاء کا حال ہے جب وہ کسی کو دیں۔ (ت)

اقول رحم اللہ سیدی ورحمنا بہ انما الولایۃ نظریۃ ولیس للولی اتلاف مالہ ولا ان یأذن بہ غیرہ کیف وقد تقرر[2] ان التصرفات ثلثۃ نفع محض کقبول ھبۃ فیستبد بہ الصبی العاقل و دائر بین النفع والضرر کالبیع والشراء فیحتاج الی اذن الولی وضرر محض کالطلاق والعتاق والھبۃ فلا وجہ لصحتہ ولا باذن الولی وھذا من الثالث ووجہ ھذا السھو منہ رحمہ اللہ تعالٰی قول الماتن فی الطریقۃ المحمدیۃ حیث ذکر السؤال المنھی عنہ ثم قال (حرمۃ السؤال[3] لا تقتصر علی المال بل تعم الاستخدام خصوصا اذا کان صبیا او مملوکا للغیر[4] اما صبی نفسہ

میں کہتا ہوں اللہ عبد الغنی پر رحم کرے اور ہم پر بھی ولی کی ولایت صرف نظری (بچہ کی بھلائی کے لیے) ہے ولی بچہ کا مال تلف نہیں کرسکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے، یہ بات طے شدہ ہے کہ تصرفات تین قسم کے ہیں نفع محض جیسے بچہ کا ہبہ کا قبول کرنا، عاقل بچہ بذاتِ خود ہبہ قبول کرسکتا ہے اور ایک وہ جس میں نفع کا بھی احتمال ہے اور نقصان کا بھی۔ جیسے خرید و فروخت اس میں ولی کی اجازت ضروری ہوگی اور سراسر نقصان والی بات' جیسے طلاق' آزاد کرنا اور ہبہ کرنا، تو اس کی صحت کی کوئی صورت نہیں، ولی کی اجازت سے بھی نہیں، اور یہ تیسری قسم ہی میں شامل ہے۔ ان کو یہ سہو اس لیے لاحق ہوا کہ ماتن نے طریقہ محمدیہ میں منہی عنہ کے سوال کو ذکر کیا ہے پھر یہ لفظ کہے ہیں "حرمۃ السؤال لا تقتصر علی المال الخ سوال جو بے ضرورت شرعیہ حرام ہے یہ صرف مال

---

[1] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من آفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۹

فیجوز) للاب والام والجد والجدۃ
(استخدامه انکان) المستخدم (فقیرا
لاقدرۃ له علی شراء خادم او استئجارہ
(اوارادتهذیبه وتادیبه[1]) بخلاف[علہ] [ف1] استخدام
مملوکه واجیرہ وزوجته فی مصالح البیت
وتلمیذہ) فی تعلیم قراٰن اوعلم اوصنعة
(باذنه) یعنی برضاہ (انکان بالغا اوباذن
ولیه انکان صبیا) فان الصبی محجور
علیه من التصرف فی ماله فی منافع نفسه
الا باذن الولی اھ[2] ملتقطا مزیدا من شرحه
رحمه اللّٰه تعالٰی [ف2] فالاذن الذی ذکرہ
الماتن فی استخدامه عداہ الی ماله و
شتان ماهما فان فی الاول نفعه من
تادیبه وتهذیبه مع ضرر استعماله
فکان من القسم الثانی فجاز باذن الولی
بخلاف الثالث [ف3] والذی افاد من حل
الشرب من کوز الصبی واکل مامعه باذن
الولی۔ (ت)

مانگنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ اجنبی سے کسی خدمت کا کہنا بھی
حرام سوال میں داخل ہے خصوصاً دوسرے کے نابالغ بچے یا غلام سے۔
اگر کسی کا اپنا بچہ ہے تو باپ، ماں، دادا اور دادی کے لیے
(اس سے خدمت لینا جائز ہے، اگر) خدمت
لینے والا (فقیر ہو) خادم نہ خرید سکتا ہو یا کسی کو
ملازم نہ رکھ سکتا ہو (یا بچہ کی تہذیب وتربیت کا ارادہ
ہو مگر اس شرط میں غلام، مزدور، بیوی سے گھر کا کام کاج کرانا
شامل نہیں کہ ان سے بغیر احتیاج کے گھر کا کام لینا جائز ہے اور
شاگرد سے خدمت لینا درست ہے مثلاً طالب علم سے قرآن سکھانے یا کوئی
علم سکھانے یا کسی حرفت کے سکھانے کا کام لیا جائے (اسکی مرضی سے
اگر وہ بالغ ہے، ورنہ اس کے ولی کی رضا سے اگر وہ بچہ
ہے) کیونکہ بچہ اپنی منفعت کے لیے بھی اپنے مال میں
ولی کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے اھ
ملتقطاً ہے اور شرح سے اضافہ ہے تو وہ اجازت جس
کا ذکر ماتن نے کیا ہے اسکے استخدام میں، تو شارح نے
اس کو مال تک بڑھا دیا ہے اور دونوں میں بہت فرق
ہے، کیونکہ پہلی صورت میں اس کا نفع ہے کہ اس کی
تادیب وتہذیب ہے جبکہ اُس سے کام کرانے میں
ضرر بھی ہے، تو یہ دوسری قسم میں داخل ہُوا،
اس لیے ولی کی اجازت سے جائز ہوگا، جبکہ تیسرا
ایسا نہیں ہے، اور جس کا انہوں نے فائدہ دیا ہے وہ بچہ کے کوزہ سے پانی پینے کا جواز ہے یا جو چیز بچہ کے
پاس ہے اس کے کھانے کا جواز ہے ولی کی اجازت سے۔ (ت)

علہ ناظراً الی قوله اذاکان صبیا اومملوکا للغیر ۱۲ منه غفرله۔ (م)

اس کے قول اذاکان صبیا اومملوکا للغیر کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ (ت)

---

[1] حدیقہ ندیہ النوع الشرید من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۷

[2] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۸

فاقول محلہ اذا کان الماء والطعام للولی اعطاھما الصغیر علی وجہ الاباحة دون الھبة فحینئذ یکون للولی ان یأذن لمن شاء لبقائھما علی ملکہ بخلاف ما اذا کان الشیئ مملوکاً للصغیر فلا معنی اذا لاذن الولی باستھلاکہ من دون عوض وقد تقدمت مسألة الذخیرة والمنیة ومعراج الدرایة فی ماء جاء بہ الصبی من الوادی لا یجوز لابویہ الشرب منہ الا فقیرین[1] ـ

تو میں کہتا ہوں اگر پانی اور کھانا ولی کا ہے اور بطورِ اباحت (نہ بطورِ ہبہ) اس نے بچہ کو دے رکھا ہے تو ایسی صورت میں ولی کسی کو بھی اجازت دے سکتا ہے، کیونکہ یہ دو چیزیں اب بھی ولی کی ملکیت میں باقی ہیں یہ اُس صورت سے مختلف ہے جبکہ یہ اشیاء بچہ کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ولی کی اجازت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ولی کی اجازت سے صغیر کے مال کو بغیر عوض ضائع کرنا لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں، اور ذخیرہ، منیہ اور معراج الدرایہ کا مسئلہ گزر چکا ہے کہ بچہ وادی سے جو پانی لائے اس کو والدین کے لیے پینا جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ فقیر ہوں۔ (ت)

غرض مسئلہ مشکل ہے اور اس میں ضرور حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص ہے۔

وانا اقول وباللہ التوفیق پانی کہ ملکِ صبی ہوا نجس نہیں کہ اُس کے گرنے سے اور پانی ناپاک ہوجائے حرمت اس وجہ سے ہے کہ مباح ومحظور مختلط ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ مباح استعمال کیا جائے اور اس میں کوئی حصہ محظور کا نہ آنے پائے تو بلاشبہ جواز ہوگا اور ہم نے رحب الساحہ جواب سوال سوم میں بیان کیا ہے کہ مشایخ عراق کے نزدیک حوض کبیر میں نجاست غیر مرئیہ کے موقع وقوع سے وضو جائز نہیں کہ پانی ٹھہرا ہوا ہے منتقل نہ ہوگی اور مشایخ بلخ وبخارا اور ماوراء النہر کے نزدیک سب جگہ سے جائز کہ پانی بالطبع سیال ہے ہواؤں وغیرہا کی تحریک سے اُسے ایک جگہ نہ رہنے دے گا تو جہاں کہیں وضو کیا جائے وہاں نجاست ہونے کا یقین نہیں اگرچہ خاص موقع وقوع سے ہو تو پانی کہ بالیقین طاہر تھا شک سے نجس نہ ہوگا اب یہاں اگر قول عراقیاں لیا جائے جب تو خاص اُسی جگہ کا پانی ممنوع الاستعمال ہوگا جہاں نابالغ کی ملک کا پانی گرا ہے باقی اپنی اباحت پر باقی ہے لما علمت انہ لا تعدیة فیہ فکان کغیر مرئیة فی حوض کبیر (جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس میں تجاوز نہیں تو ایسا ہی ہے جیسا حوضِ کبیر میں نجاست غیر مرئیہ ہو) (ت)

اور اگر قولِ جمہور لیا جائے اور وہی صحیح ہے تو بوجہ احتمال انتقال اختلاط ملکِ صبی کا یقین کسی موضع معین میں نہیں بلکہ موضع مجہول ومبہم میں ہے اور ایسے یقین پر جب اُس شے کے بقا وزوال میں شک طاری ہو یقین زائل اور حکم اصل حاصل ہوتا ہے جیسے دائیں چلانے میں بیل ضرور پیشاب کرتے اور اناج کا ایک حصہ یقیناً ناپاک ہوتا ہے مگر متعین نہ رہا

---

[1] ردالمحتار بالمعنی باب الشرب البابی مصر ٥/٣١٢

توبعد تقسیم یا اُس میں سے کچھ ہبہ یا صدقہ کرنے سے سب پاک ہو جائیگا کہ ہر ایک کہے گا ممکن کہ ناپاک دانے دوسرے حصے میں رہے یا گئے ہوں، یُوں ہی [ف۱] چادر پر ناپاکی یقین ہے اور جگہ معلوم نہیں یا یاد نہ رہی اور تحری کسی طرف نہیں پڑتی کہیں سے پاک کرلی جائے پاک ہو جائے گی کہ اب اس متیقن مبہم کی بقا میں شک ہوگیا اور سب سے زائد [ف۲] وہ مسئلہ ہے کہ محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اتنا معلوم ہے کہ اس میں ایک ذمی ہے مگر اُسے پہچانتے نہیں اُن کفار کا قتل حرام ہے ہاں اگر اُن میں سے بعض نکل جائیں یا کوئی قتل کردے تو اب باقیوں کا قتل جائز ہو گیا کہ وہ یقین مجہول اس شک سے زائل ہو گیا۔

وقد حققه العلامة ابراهيم الحلبي في الغنية فافاد واجاد ؛ عليه رحمة الجواد ؛ فراجعه فانه من اهم مايستفاد ؛ ويكفينا منه هنا قوله تنجس طرف من الثوب فنسيه فغسل طرفا منه بتحر او بلا تحر طهر لان بغسل بعضه مع ان الاصل طهارة الثوب وقع الشك فی قيام النجاسة لاحتمال كون المغسول محلها فلا يقضى بالنجاسة بالشك كذا اورده الاسبيجابی فی شرح الجامع الكبير قال وسمعت الشيخ الامام تاج الدين احمد بن عبد العزيز يقوله ويقيسه على مسألة فی السير الكبير هی اذا فتحنا حصنا وفيهم ذمی لايعرف لايجوز قتلهم لقيام المانع بيقين فلو قتل البعض او اخرج حل قتل الباقی للشك فی قيام المحرم كذا ھنا۔[1]

اس کی تحقیق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں بہت اعلٰی اور مفید طریق پر کی ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں ملاحظہ کرے، یہاں اس کی صرف یہ عبارت نقل کرنا کافی ہوگی " اگر کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہو گیا مگر بھُول گیا کہ کون سا کنارہ ہے تو تحری کرکے یا بلا تحری ایک کنارہ دھولیا تو کپڑا پاک ہو جائے گا " کیونکہ کپڑے میں اصل طہارت ہے اور جب ایک کنارہ دھولیا تو اب نجاست کے ہونے میں شک ہو گیا، کیونکہ جو حصہ دھویا گیا ہے اس میں امکان ہے کہ وہی ہو جو نجس تھا، تو شک کی بنیاد پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائیگا، اسبیجابی نے شرح جامع کبیر میں ایسا ہی لکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ تاج الدین احمد بن عبد العزیز کو فرماتے ہوئے سنا وہ اس کو سیر کبیر کے اس مسئلہ پر قیاس کرتے تھے کہ اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمی ہے مگر معلوم نہیں کہ کون ہے، تو اس قلعہ کے لوگوں کا قتل جائز نہیں، کیونکہ یقین کرنے کا مانع موجود ہے، اور اگر بعض کو قتل کردیا گیا یا نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ مُحرِم کی موجودگی میں شک ہے۔ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

جب یہ قاعدہ نفیسہ معلوم ہولیا یہاں بھی اُس کا اجرا کریں جتنا[1] پانی اُس نابالغ نے ڈالا ہے اسی قدر یا اُس سے زائد اُس حوض یا کنوئیں سے نکال کر اُسی نابالغ[2] کو دے دیں یہ دینا یقیناً جائز ہوگا کہ اگر اس میں ملک صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جاتی ہے بخلاف بہا دینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ ملک صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اُس قدر یا زائد پانی اُس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہوگیا تو وہ یقین کہ موضع مجہول کے لیے تھا زائل ہوگیا اور حوض و چاہ کا باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا۔

ثم اقول اس پر واضح دلیل مثلیات مشترکہ[3] مثلاً گیہوں وغیرہ میں وارث کبیر کا اپنا حصہ وارث نابالغ کے حصے سے جدا کرلینے کا جواز ہے اور اس کی یہ تقسیم جائز و مقبول رہے گی اگر نابالغ کا حصہ اُس کے لیے سلامت رہے تلف نہ ہوجائے جامع الفصولین میں فتاوٰی اور جامع الصغار میں ذخیرہ سے ہے:

کیلی اووزنی بین حاضروغائب او بین بالغ وصبی اخذ الحاضر او البالغ نصیبہ فانما تنفذ قسمتہ بلاخصم لوسلم نصیب الغائب والصبی حتی لوھلک مابقی قبل ان یصل الی الغائب اوالصبی ھلک علیھما۔[3]

کوئی مکیل یا موزوں شے حاضر و غائب کے درمیان یا بالغ اور بچّہ کے درمیان مشترک ہے تو حاضر یا بالغ نے اپنا حصّہ لے لیا اور اس کی تقسیم بلاخصم نافذ ہوجائے گی بشرطیکہ غائب اور بچہ کا حصہ باقی رہا اور اگر غائب اور بچہ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ حصہ ہلاک ہوگیا تو ان کا حصہ ہی ہلاک ہوگا۔ (ت)

---

[1] اگر کیسے مائے مباح سے جو لے گا مالک ہوگا تو یہ پانی کہ کوئی شخص کنوئیں یا مباح حوض سے بھر کر نابالغ کو دے گا اپنی ملک دے گا اور ایک شے پر دو ملکیں جمع نہیں ہوسکتیں تو یہ پانی ملک صبی نہ تھا پھر اس کے نکلنے سے ملک صبی کا نکل جانا کیونکر محتمل ہوا۔

اقول جبکہ اس پانی میں ملک صبی مخلوط ہے تو اب مائے مباح نہیں مائے محظور ہے بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا کہ جو بھر احتمل ہے کہ وہی مائے مملوک صبی ہو یا مائے مباح کا حصہ اول پر بھرنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا اور دوم ہے تو ہوگا اور ملک شک واحتمال سے ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ احتمال قائم رہا کہ یہ وہی پانی ہے جو ملک صبی تھا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[2] اقول بلکہ اگر خود نابالغ نے دوبارہ اُتنا یا اس سے زائد پانی اُس میں سے بھر لیا تو اب بھی رفع مانع ہوجانا چاہیے کہ اگرچہ نابالغ کے لیے پانی ممنوع نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں گزرا اور وہ جو دوبارہ بھرے گا ضرور اس کا مالک ہوگا مگر یہ اُس احتمال کا مانع نہیں کہ اس بار وہی پانی آیا جو اس نے پہلے ڈال دیا تھا اور یہی احتمال رفع منع کو بس ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۰

ظاہر ہے کہ یہاں بھی ملک صبی ایسی ہی مختلط تھی کہ جدا کرنا ممکن نہ تھا اور بالغ کو اس میں تصرف ناروا تھا بقدر حصۂ صبی اُس میں سے الگ کر دینا حصۂ صبی کا جدا ہوجانا اور بالغ کے لیے جواز تصرف کا سبب ہوا۔

اقول ولا شك ان الماء مثلی بمعنی ان اجزاءه لا تتفاوت وبه جزم کثیرون کما فی الخیریة من احیاء الموات فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لو صب ماء رجل کان فی الحب یقال له املأ الماء فان صاحب الحب مالك للماء وھو من ذوات الامثال فیضمن مثله[1] اھ وان کان قیمیا لانه لا یکال ولا یوزن کما فی الخیریة من البیوع عن جامع الفصولین عن فوائد صاحب المحیط وفتاوی رشید الدین الماء قیمی عند ابی حنیفة وابی یوسف رضی اللہ تعالی عنهما وفیه عن مختلفات القاضی ابی القاسم العامری عن ابی یوسف عن ابی حنیفة الماء لایکال ولا یوزن قال الطحاوی معناہ لایباع بعضه ببعض وعن محمد رحمه اللہ تعالی الماء مکیل[2] اھ وبالجملة لا شك انه یقبل الافراز کالحب بل ابلغ فربما تتفاوت قلیلا حبات طعام واحد بخلاف قطرات ماء واحد۔

اقول اور اس میں شک نہیں کہ پانی مثلی ہے یعنی اس لیے کہ اُس کے اجزاء میں تفاوت نہیں، اور بہت سے مشائخ نے اسی پر جزم کیا ہے، جیسا کہ خیریہ (احیاء الموات) میں اور ولوالجیہ میں ہے اور بہت سی کتب میں ہے، اگر کسی شخص نے مٹکے کا پانی گرا دیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مٹکا بھرے کیونکہ مٹکے کا مالک پانی کا بھی مالک تھا، اور پانی مثلی اشیاء میں سے ہے تو وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا اھ اگرچہ وُہ قیمت والی چیز ہے اس لیے کہ وہ نہ مکیل ہے اور نہ موزون ہے جیسا کہ خیریہ کی بیوع میں جامع الفصولین سے، فوائد صاحب المحیط سے اور فتاوی رشید الدین میں ہے کہ پانی ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک قیمت والی چیز ہے اور اس میں مختلفات ابی القاسم العامری سے ابویوسف سے ابوحنیفہ سے ہے کہ پانی نہ کیلی ہے نہ وزنی ہے۔ طحاوی نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانی کا بعض، بعض سے بیچا نہیں جاتا ہے اور محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پانی کیلی ہے اھ خلاصہ یہ کہ پانی کو الگ کیا جا سکتا ہے جیسے مٹکے میں، بلکہ زیادہ ہے کیونکہ بسا اوقات کھانے کی ایک ہی چیز کے دانوں میں فرق ہوتا ہے لیکن پانی کے قطرات میں نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] فتاوی خیریة فصل فی الشرب بیروت ۲/۱۸۶

[2] " کتاب البیوع " ۱/۲۲۸

ثم اقول یہ طریقہ اثم سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ و دانستہ براہِ جہالت خواہ بے پرواہی احکام شریعت اُس میں سے اُتنا پانی یا اُس سے زاید بھر کرلے گیا تو اگرچہ وہ گنہگار ہو باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا کہ اُتنا نکل جانے سے حوض وچاہ میں اُس کی بقا پر یقین نہ رہا کما قال محمد لا یجوز قتلھم فلو قتل البعض حل قتل الباقی[1] (جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں ان کا قتل جائز نہیں اگر بعض قتل ہو جائیں تو باقی کا قتل جائز ہوگا۔ ت)

تنبیہ اقول یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جریان نہ ضرورف۱ نہ کافیف۲ اگر صبی کا پانی اتنا قلیل تھا کہ چھلکنے میں نکل سکتا ہے تو جریان کی حاجت نہیں۔ اور اگر اتنا کثیر تھا کہ جتنے خروج پر جریان صادق آتا ہے اس میں نہ نکلے گا تو یہ جریان کافی نہیں جب تک اُس قدر نکل نہ جائے۔

اقول ف۳ وبہ فارق النجاسۃ لان زوال وصفھا و حصول ضدھا بالجریان لمعنی فیہ وھو انہ لا یقبل النجاسۃ بحکم النص وما قام بہ طھر بعضہ بعضا ولا یلزم منہ حل الانتفاع بملك الصبی فلابد من خروج قدر المصبوب، ھذا ما ظھر لی وقد انکشفت بہ الغمۃ علی احسن وجہ مطلوب، والحمد للہ سبحنہ کاشف الکروب، والصلوۃ والسلام علی اکرم محبوب، وعلی اٰلہ وصحبہ ھداۃ القلوب، اٰمین۔

میں کہتا ہوں اور اسی وجہ سے نجاست سے دُور ہوگیا، کیونکہ نجاست کے وصف کا زائل ہونا اور جاری ہونے کی وجہ سے اسکی ضد کا حاصل ہونا ایک معنی سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ وصف یعنی جریان نجاست کو قبول نہیں کرتا ہے، کیونکہ نص میں یہی ہے، اور جو اس کے ساتھ قائم ہے اس کے بعض نے بعض کو پاک کردیا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بچہ کی ملک سے نفع حاصل کرنا جائز ہو، تو جتنا بہا ہے اُس کی مقدار میں نکلنا ضروری ہے، یہ بحث وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی، اور اس سے عمدہ طور پر پریشانیاں دُور ہوگئیں۔ اللہ تعالٰی کیلئے حمد ہے جو مصیبتوں کو دُور کرنے والا ہے اور اس کے محبوب ترین پر اور اس کی آل وصحابہ پر صلوۃ وسلام۔ آمین (ت)

الحمد للہ نمبر ۳۲ سے یہاں تک نابالغ کے پانی کا بیان جس تفصیل وتحقیق سے ہوا کتابوں میں اُس پر چند سطروں سے زائد نہ ملے گا۔ ممکن ہے کہ اسے رسالہ مستقلہ کیجئے اور عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی[۱۳۰۳] نام رکھیے، وللہ الحمد۔ رسالہ ضمنیہ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی تمام ہوا۔

(۶۶) جس پانی میں مائے مستعمل کے واضح قطرے گرےف۴ خصوصاً جبکہ اس کی دھار پہنچی جب تک مطہر پانی سے کم رہے ہاں بوجہ خلاف بچنا مناسب تر ہے جبکہ وہ چھینٹیں وضو وغسل کرتے میں نہ پڑی ہوں۔

وذلك انہ روی الافساد مطلقا وان قل الاما ترشش فی الاناء عند التطھر فھو عفو

یہ اس لئے کہ مستعمل پانی کے بارے میں ایک روایت ہے کہ مستعمل مطلقاً خواہ قلیل ہو، پانی کو فاسد کردیتا ہے،

[1] غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

دفعا للحرج ولا عبرة لمن اطلق وقد نص فی البدائع انه فاسد[1] وروی الافساد بالکثیر ثم الکثرة باستبانة مواقع القطر فی الماء الطهور ام ان یسیل فیه سیلانا قولان ففی الجامع الصغیر للامام قاضی خان انتضاح الغسالة فی الماء اذا قل لایفسد الماء یروی ذلک عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما ولان فیه ضرورة فیعفی القلیل و تکلموا فی القلیل عن محمد ماکان مثل رؤس الابر فهو قلیل وعن الکرخی انکان یستبین مواقع القطر فی الماء فکثیر وان کان لایستبین کالطل فقلیل[2] اھ نقله فی زهر الروض و فی الخلاصة جنب اغتسل فانتضح من غسله شیئ فی انائه لم یفسد علیه الماء اما اذا کان یسیل فیه سیلانا افسده وکذا حوض الحمام علی هذا وعلی قول محمد لایفسده مالم یغلب علیه یعنی لایخرجه من الطهورية[3] اھ ثم علله بعضهم بان الماء مفروض راکدا قلیلا فلا ینتقل الماء المستعمل الواقع فیه من موقعه الیه اشار فی وجیز الکردری اذ یقول التوضی من سردابه لایجوز لانه

مگر طہارت کے وقت جو چھینٹے پانی والے برتن میں پڑیں تو وُہ معاف ہیں تاکہ حرج لازم نہ آئے۔ ان چھینٹوں کے بارے میں اطلاق کا اعتبار نہیں ہوگا حالانکہ بدائع میں اس کو فاسد کہا ہے اور ایک روایت میں کثیر کو فاسد کرنے والا کہا گیا، پھر کثیر کی تعریف میں دو قول ہیں، یا تو پاک پانی میں وہ نمایاں طور پر معلوم ہو یا مستعمل پاک پانی میں بہہ کر داخل ہو، پھر امام قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ دھوون اگر کم مقدار میں پانی میں گرا تو پانی کو فاسد نہیں کرے گا یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نیز ضرورت کی بنا پر قلیل معاف ہوگا۔ اب انہوں نے قلیل کے بارے میں بحث کی ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اگر مستعمل پانی کے چھینٹے سوئی کے سوراخ کے برابر ہوں تو قلیل ہے اور امام کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر پانی میں گرنے کی جگہ نمایاں معلوم ہو تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے جیسے شبنم کے قطرے، اس مضمون کو زہر الروض میں نقل کیا ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ اگر جنبی شخص سے غسل کرتے وقت اپنے برتن میں چھینٹے پڑ گئے تو اس سے پانی نجس نہ ہوگا۔ اگر غسالہ بہہ کر برتن میں پڑا تو پھر برتن کا پانی ناپاک ہو جائیگا۔ حمام کے حوض کا بھی یہی حکم ہے۔ اور امام محمد کے قول کے مطابق اس صورت میں ناپاک نہ ہوگا تاوقتیکہ مغلوب نہ ہو جائے

---

[1] بدائع الصنائع طهارة حقیقیة سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸
[2] جامع صغیر للقاضی خان
[3] خلاصۃ الفتاوی مع الہندیۃ الماء المستعمل نولکشور لکھنو ۱/۸

بتکرر الاستعمال اھ[1] یعنی اس کو طہوریت سے نہیں نکالے گا اھ پھر بعض نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو پانی فرض کیا گیا ہے وہ ٹھہرا ہوا قلیل ہے تو مستعمل پانی جو اس میں گرا ہے اپنے گرنے کی جگہ سے اس کی طرف منتقل نہ ہو گا ۔ امام کُردری کی وجیز میں اسی صورت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب انھوں نے یہ کہا کہ چھوٹے حوض میں وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ پانی دوبارہ استعمال میں آتا ہے اھ۔ (ت)

اقول ویلزمھم التجویز اذا حرك الماء عند کل غرفۃ او اغترف کل مرۃ من غیر موقع الغسالۃ و اٰخرون بان الماء المستعمل من جنس المطلق فلا یستھلك فیہ فیؤثر فی کلہ لقلتہ بخلاف اللبن او بول الشاۃ علی قول محمد بطھارتہ ھکذا اختلفوا والصحیح المعتمد فی المذھب الاعتبار بالغلبۃ فلا یخرج عن الطھوریۃ مادام اکثر من المستعمل ھو الذی اعتمدہ الائمۃ وصححہ الائمۃ۔

میں کہتا ہوں انکو یہ قول کرنا لازم ہوگا کہ اگر ہر چُلو پر پانی کو حرکت دے یا ہر دفعہ غسالہ کی بجائے دوسری جگہ سے چُلو لے تو وضو جائز ہونا چاہئے۔ بعض نے کہا کہ مستعمل پانی مطلق پانی کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس میں فنا نہیں ہوگا اور اس کے کل میں اثر کرے گا کیونکہ وہ کم ہے بخلاف دودھ یا بکری کے پیشاب کے بقول امام محمد، کیونکہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں اس طرح مستعمل پانی کے بارے میں یہ اختلاف ہے لیکن صحیح اور مذہب قابل اعتماد یہ ہے کہ اس میں غلبہ کا اعتبار ہے لہذا جب تک مطلق پانی غالب اور زیادہ ہے تو مستعمل پانی کے ملنے سے ناپاک نہ ہوگا اور قابلِ طہارت رہے گا، یہی اُمت کا معمول اور ائمہ کرام کا صحیح کردہ مسلک ہے۔ (ت)

یہ ۶۶ وہ پانی تھے جن میں شئ غیر کا اصلاً خلط نہ تھا یا تھا تو آب غیر کا نہ غیر آب کا۔ اب وہ پانی ہیں جن میں غیر آب کا خلط ہے۔

(۶۷ و ۶۸) وہ پانی جس میں آبِ دہن یا آب بینی یعنی تھوک یا کھنکار یا ناک کی ریزش پڑ جائے اس سے وضو جائز مگر مکروہ ہے۔ فتاوی امام قاضی میں ہے:

الماء اذا اختلط بالمخاط او بالبزاق جاز بہ التوضؤ و یکرہ[2]۔

اگر پانی میں تھوک یا ناک کا پانی گرے تو اس سے وضو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ (ت)

(۶۹) وہ پانی جس میں مٹی، ریتا، کیچڑ کسی قدر مل جائے جب تک اس کی روانی باقی ہو اعضا پر پانی کی

---

[1] فتاوی بزازیۃ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۷

[2] فتاوی قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

طرح ہے ۔

(۷۰) یونہیں اہلے کا پانی اگرچہ کتنا ہی گدلا ہو اگرچہ رنگ کے ساتھ مزہ بھی بدلا ہو اگر ریتے مٹی کے سوا کچھ بھی بہا کر لایا ہو جب تک نجاست سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے ۔

(۷۱) یونہیں وہ ندیاں جو برسات میں گدلی ہوجاتی ہیں ۔ امام ملک العلما بدائع میں فرماتے ہیں :

لو تغیر الماء المطلق بالطین او بالتراب یجوز التوضؤ بہ[1] ۔

اگر مطلق پانی کیچڑ یا مٹی سے تبدیل ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے ۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا :

لاباس بالوضوء بماء السیل مختلطا بالطین ان کانت رقۃ الماء غالبۃ فان کان الطین غالبا فلا[2] ۔

سیلاب کا پانی جس میں کیچڑ کی آمیزش ہو اُس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں پانی کی رقت غالب ہو اور اگر کیچڑ غالب ہو تو جائز نہیں ۔ (ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے :

خصہ بالذکر لانہ یاتی بغثاء واشجار واوراق[3] ۔

بطور خاص اس کو ذکر کیا کیونکہ سیلاب کے پانی میں میل کچیل، درخت اور پتّے وغیرہ بھی بہہ کر آتے ہیں ۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے :

ماء السیل لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[4] ۔

سیلاب کا پانی اگر اتنا رقیق ہو کہ اعضاء پر بہتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے ۔ (ت)

غنیہ میں ہے :

یجوز الطہارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر فغیر احد اوصافہ کماء المد والماء الذی اختلط بہ الزعفران بشرط ان

اس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور وُہ پانی

---

[1] بدائع الصنائع — الماء المقید — سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۵

[2] فتح القدیر — باب الماء الذی یجوز الخ — سکھر — ۱/۶۵

[3] جوہرۃ نیرۃ — کتاب الطہارۃ — امدادیہ ملتان — ۱/۱۴

[4] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ — نوع المستعمل الخ — پشاور — ۴/۱۰

يكون الغلبة للماء من حيث الاجزاء ولم يزل عنه اسم الماء وان يكون رقيقا بعد فحكمه حكم الماء المطلق[1]

جس میں زعفران مل گئی ہو، بشرطیکہ اجزا کے اعتبار سے غلبہ پانی کو ہی ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو اور یہ کہ رقیق ہو، تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

المد السیل وانما خصہ بالذکر لانہ یجئ بغثاء ونحوہ الا ان قولہ غیر احد اوصافہ وقد سبقہ الی ھذہ العبارۃ القدوری فی مختصرہ یفید ان الجواز مقید بما اذا غیر وصفا واحدا لا غیر وحینئذ لایحتاج الی ان یقول بشرط انیکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنہ اسم الماء وان یکون رقیقا بعد مع ان قولہ بشرط ان تکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء مغن عن الثانی کما ھو ظاھر لان المخالط المذکور اذالم یغیر سوی وصف واحد لایکون بحیث یغلب الماء من حیث الاجزاء لیقع الاحتراز عنہ ویجعل شرطا اھ[2]

"المد" سیلاب کو کہتے ہیں اور اس کو بطور خاص ذکر کرنا اس لئے ہے کیونکہ سیلاب کا پانی کوڑا کرکٹ بھی ساتھ لاتا ہے مگر یہ کہ ان کا قول "اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا" اور ان سے پہلے قدوری بھی اپنی مختصر میں یہ عبارت لاچکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے جواز اس صورت سے مقید ہے کہ جب صرف ایک وصف بدل جائے اس وقت یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "شرط یہ ہے کہ غلبہ پانی کو ہو اجزاء کے اعتبار سے" اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہو، اور یہ کہ رقیق ہو" باوجودیکہ ان کا قول بشرطیکہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو ہو، یہ دوسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے، جیساکہ ظاہر ہے، اس لئے کہ ملنے والی مذکورہ شے پانی کا اگر صرف ایک ہی وصف بدلے تو وہ پانی کے اجزاء پر غالب نہ ہوگی تاکہ اس سے احتراز ہو اور اس کو شرط کیا جائے اھ۔ (ت)

اقول اولاً سیاتی الکلام ان شاء اللہ تعالی علی مقتضی التعبیر باحد وحسبک ان الزعفران یغیر اوصاف الماء الثلثۃ وکذا السیل ربما یتغیر لہ وصفان

میں کہتا ہوں اوّل 'احد' سے تعبیر کرنے پر کلام آگے آئیگا، اور پھر یہ دلیل کافی ہے کہ زعفران جو پانی کے تینوں اوصاف تبدیل کردیتی ہے، اور اسی طرح سیلاب کہ اس سے کبھی دو وصف بدل جاتے ہیں

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ، لاہور ص ٦٣
[2] حلیہ

بالکل وثانیا الماء قد یخالطه شئ لا یخالفه [ف۱]
الا فی وصف واحد فلا یغیر الا ایاه وان زاد
علی الماء اجزاء والوضوء به باطل وفاقا
فلیس فی التعبیر باحد غنی عن شرط غلبة
الماء من حیث الاجزاء کما ذهب الیه وهله
رحمه الله تعالی وثالثا قد لا یغلب الشئ [ف۲]
علی الماء اجزاء ویزیل اسمه عنه کما یأتی
فی الزعفران والزاج والعفص والنبیذ فلا
یغنی الشرط الاول عن الثانی ورابعا
لا یخفی ان الثانی مغن عن الثالث لان [ف۳]
بزوال الرقة لا یسمی ماء قال فی الفتح ماخالط
جامدا فسلب رقته لیس بماء مقید بل لیس
بماء اصلا کما یشیر الیه قول المصنف فی
المختلط بالاشنان الا ان یغلب فیصیر کالسویق
لزوال اسم الماء عنه اھ[۱] فالعجب تعرضه
بحکم الاغناء حیث لم یکن وترکه حیث
کان ثم راجعت الغنیة فرأیته عکس
فاصاب وافاد ان الثالث تفسیر قال و
اشتراط عدم زوال اسم الماء یغنی عن
اشتراط الرقة فان الغلیظ قد زال عنه
اسم الماء بل زوال الرقة یصلح انیکون
تفسیر الزوال اسم الماء[۲]

اور کبھی تمام اوصاف بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔

دوم: پانی میں کبھی ایسی چیز مل جاتی ہے جو صرف ایک وصف میں اُس کے مخالف ہوتی ہے اور اسی ایک وصف کو بدلتی ہے خواہ اجزاء کے اعتبار سے وُہ پانی سے زائد ہی ہو، ایسے پانی سے بالاتفاق وضو باطل ہے، لہذا "ایک وصف بدلنے" کا ذکر اس قید سے بے نیاز نہیں کرتا ہے کہ پانی کا اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہو، جیسا کہ وہلہ رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا۔

سوم: بعض چیزیں اجزاء کے اعتبار سے پانی پر غالب نہیں آتیں اور اس سے پانی کا نام سلب ہوجاتا ہے جیسے زعفران، پھٹکڑی، مازو اور نبیذ میں ہوتا ہے تو پہلی شرط دوسری سے بے نیاز نہیں کرے گی۔

چہارم: مخفی نہ رہے کہ دوسرا تیسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے کیونکہ جب رقت زائل ہوگئی تو اب اس کو پانی نہیں کہا جائیگا، فتح میں فرمایا پانی کسی جامد سے ملا اور اس کی رقت ختم ہوگئی تو یہ مقید پانی نہیں بلکہ سرے سے پانی ہی نہیں جیسے کہ مصنف نے مختلط بالاشنان میں اشارہ کیا ہے، مگر یہ کہ اتنا غالب ہوجائے کہ ستوؤں کی مثل بن جائے کہ اب اس پر پانی کا نام

---

۱ فتح القدیر — الماء الذی یجوز بہ الوضوء — سکھر — ۱/۶۵
۲ غنیۃ المستملی — المیاہ — سہیل اکیڈمی، لاہور — ص ۹۰

نہیں بولا جائے گا اھ تو تعجب اس پر ہے کہ جہاں اِغنار نہ تھا وہاں وہ اِغنار کا ذکر کر رہے ہیں اور جہاں تھا وہاں چھوڑ دیا ہے، پھر میں نے خود غنیہ کو دیکھا تو وہاں اُلٹ نکلا، تو انہوں نے مفید اور درست بات کہی کیونکہ وہ فرماتے ہیں تیسیر التفسیر ہے، اور پانی کا نام زائل نہ ہونے کی شرط رقت کی شرط لگانے سے بے نیاز کرتی ہے، کیونکہ گاڑھے سے پانی کا نام ختم ہوگیا، بلکہ زوالِ رقت میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پانی کے نام کے زوال کی تفسیر بن سکے۔ (ت)

(۷۲) وہ پانی کہ کاہی کی کثرت سے جس کی بُو وغیرہ میں تغیر آگیا، جوہرۂ نیرہ میں ہے:

لو تغیر الماء بالطحلب کان حکمہ حکم الماء المطلق[1]

اگر پانی کاہی (پانی میں سبز دھاریاں ہوتی ہیں) سے متغیر ہوجائے تو اس کے لیے مطلق پانی کا حکم ہے (ت)

(۷۳) کچی کنیاں کا پانی جس میں بھر اسٹر کر بدبو آجاتی بلکہ رنگ و مزہ سب متغیر ہوجاتا ہے۔

(۷۴) وہ تالاب جس میں سن گلائی گئی اور اس کے سبب اس کے تینوں وصف بدل گئے۔ فتاوٰی شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

سئل عن الوضوء والاغتسال بماء تغیر لونہ و طعمہ وریحہ بحبل المعلق علیہ لاخراج الماء منہ فھل یجوز ام لا اجاب یجوز عند جمہور اصحابنا اھ ملتقطا۔[2]

اُن سے اُس پانی سے وضو اور غسل کی بابت دریافت کیا گیا کہ جس کا رنگ، مزا اور خوشبو اُس رسّی کے باعث بدل گئے جس پر کہ اس رسّی کو لٹکایا گیا تھا، تاکہ اُس سے پانی نکالا جائے، تو کیا جائز ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک جائز ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

(۷۵) کُونڈے میں آٹے کا لگاؤ ہو اُس میں پانی رکھنے سے مزے وغیرہ میں تغیر آجاتا ہے اس پانی سے وضو روا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

قد اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یوم الفتح من قصعۃ فیھا اثر العجین رواہ النسائی والماء بذلک یتغیر ولم یعتبر للمغلوبیۃ۔[3]

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایسے پیالے میں وضو فرمایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا اس کو نسائی نے روایت کیا اس سے پانی میں تغیر آتا ہے اور مغلوبیت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ فرمایا۔ (ت)

---

[1] جوہرۃ نیرۃ طہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۴
[2] فتاوٰی غزی تمرتاشی
[3] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۶۴

(۷۶) حوض کے کنارے درخت ہیں موسمِ خزاں میں پتّے کثرت سے گرے کہ حوض کا پانی دیکھنے میں سبز معلوم ہوتا ہے مگر ہاتھ میں لینے سے صاف نظر آتا ہے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

(۷۷) پتّے اتنے گرے کہ واقعی پانی سبز ہوگیا چُلّو میں بھی سبز معلوم ہوتا ہے صحیح مذہب میں اب بھی قابلِ وضو ہے جب تک گاڑھا ہوکر اپنی رقت سے نہ اُتر جائے۔

اقول ف[۱] ہاں مگر اس حالت میں اُس سے احتراز بہتر ہے کہ ایک جماعتِ علما اُس سے وضو صحیح نہ ہونے کی قائل ہے۔ امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں فرمایا:

اما الماء الذی تغیر بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی اذا رفع فی الکف یظھر فیہ لون الاوراق فلا یجوز بہ الوضوء لانہ کماء الباقلی[۱]

وُہ پانی جو پتّوں کے زیادہ گرنے کی وجہ سے بدل گیا، اتنا کہ ہاتھ میں اٹھایا جائے تو پتّوں کا رنگ آ گئے تو اُس سے وضو جائز نہیں جیسے کہ باقلی (لوبیا) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

فتاوٰی غزی میں ہے:

وبعضھم ذھب الی عدم الجواز بالماء الذی غیرتہ کثرۃ الاوراق بحیث یظھر لونھا فی کف عند رفعہ کما جزم بہ فی الکنز وغیرہ[۲] اھ

اور بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ اُس پانی سے وضو جائز نہیں جس کو پتّوں کی کثرت نے بدل دیا ہو تو ہاتھ میں اٹھانے سے اس میں پتّوں کا رنگ نظر آتا ہو، جیسے کنز وغیرہ میں اس پر جزم کیا ہے اھ (ت)

اقول ف[۲] انما نص الکنز لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق[۳] اھ ولیس فیہ ذکر ظھور اللون بالرفع فی الکف وانما ضمیر تغیر للماء والماء عبارۃ عن العین وتغیر عینہ بذھاب رقتہ لاجرم ان قال فی البحر محمول علی ما اذا زال عنہ اسم الماء بان

میں کہتا ہوں کنز کا نص تو یہ ہے کہ نہ اُس پانی سے جو پتّوں کی کثرت سے متغیر ہوگیا ہو اھ اور اس میں یہ ذکر نہیں کہ ہاتھ میں اٹھانے سے پتّوں کا رنگ اس میں ظاہر ہوتا ہو، اور تغیر کی ضمیر پانی کی طرف لوٹتی ہے، اور پانی ایک عین ہے اور اُس کے عین کا تغیر اس وقت ہوگا جب اس کی رقت

---

[۱] شرح وقایۃ مایجوز بہ الوضوء المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۸۶
[۲] فتاوی غزی
[۳] کنز الدقائق میاہ الوضوء سعید کمپنی کراچی ص ۱۱

صار ثخینا[1] اھ ورحم اللہ العلامۃ الحلبی اذ اوضح المرام وازاح الاوھام بقولہ فی متن الملتقی لابماء خرج عن طبعہ بکثرۃ الاوراق[2] اھ قال فی مجمع الانھر طبعہ ھو الرقۃ والسیلان[3] اھ

ختم ہوجائے، اس لیے بحر میں فرمایا یہ اس پر محمول ہے جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو، مثلاً یہ کہ وہ گاڑھا ہوگیا اھ اللہ تعالٰی حلبی پر رحم فرمائے کہ انہوں نے شبہات کو دُور فرماکر وضاحت مقصود کردی، وہ ملتقی کے متن میں فرماتے ہیں "نہ اس پانی سے جو پتوں کی کثرت کی وجہ سے پانی کی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو" اھ مجمع الانہر میں فرمایا پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے اھ۔ (ت)

اقول ولم[ف1] یکن بعدہ محل لان یعللہ بتغیر اوصافہ جمیعا ویقول وان جوزہ الاساتذۃ اما ما نقل عن الفرائد عن اخی چلپی انہ لایمکن الحمل الا علی اختلاف الروایتین ثم قال لکن یمکن الحمل علی ما بین انفا[4] اھ

میں کہتا ہوں اس کے بعد اس کا موقع نہ تھا کہ اس کی علت یہ بیان کریں کہ اس کے تمام اوصاف بدل جائیں اور یہ فرمائیں کہ "اگرچہ اس کو اساتذہ نے جائز قرار دیا ہے" اور اخی چلپی سے فرائد سے جو منقول ہے کہ "اس کو صرف اختلاف روایتین پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے" پھر فرمایا اس کا حمل اس پر ممکن ہے جس کو انہوں نے ابھی بیان کیا ہے اھ (ت)

فاقول اولا[ف2] ما بین صریح[ف3] منطوق المتن فتعبیرہ بالحمل ثم تضعیفہ بیمکن لا محل لہما وثانیا[ف4] لامحل لھذا الحمل فی کلام صدر الشریعۃ وما یأتی من کلام المیدانی فلا محید عن الاختلاف ومن المسامحۃ[ف5] تعبیرہ باختلاف الروایتین فان قول[ف6] المشائخ لایقال لہ روایۃ۔

تو میں کہتا ہوں اوّلاً جو انہوں نے بیان کیا ہے وہ متن کی صریح عبارت ہے تو اس کو حمل سے تعبیر کرنا پھر اس کی تضعیف یمکن کے لفظ سے، ان دونوں باتوں کا یہ محل نہیں۔

دوم، اِس حمل کا صدر الشریعۃ کے کلام میں کوئی محل نہیں، اور اسی طرح میدانی کے کلام میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں، تو اختلاف سے تو کوئی مفر نہیں، اور اس کو اختلاف روایتین سے تعبیر کرنا اس میں مسامحۃ ہے کہ قولِ مشایخ کو روایت نہیں کہا جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق — میاہ الوضوء — سعید کمپنی کراچی — ۱/ ۶۸
[2] الملتقی الابحر شرح مجمع الانہر — الطہارۃ بالماء المطلق — عامرہ مصر — ۱/ ۲۸
[3] ایضاً
[4] عقد الفرائد

منیہ میں ہے:

اذا تغیر لون الماء او ریحہ او طعمہ بطول المکث او بسقوط الاوراق تجوز بہ الطہارۃ الا اذا غلب لون الاوراق فیصیر مقیدا[1]۔

جب پانی کا رنگ، بُو یا مزہ تبدیل ہوجائے زیادہ ٹھہرا رہنے کی وجہ سے، یا اس میں پتوں کے گرنے کی وجہ سے، تو اس سے طہارت جائز ہے ہاں اگر پتّوں کا رنگ غالب ہوگیا تو اب یہ پانی مقید ہوگیا۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

اخذہ مما فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری سئل الفقیہ احمد بن ابراہیم المیدانی عن الماء الذی تغیر لونہ لکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی یظہر لون الاوراق فی الکف اذا رفع الماء منہ ھل یجوز التوضی بہ قال لا ولکن یجوز شربہ وغسل الاشیاء بہ اما شربہ وغسل الاشیاء فلانہ طاہر واما عدم جواز التوضی بہ فلانہ لما غلب علیہ لون الاوراق صار مقیدا کماء الباقلاء وغیرہ لکن نص فی تحفۃ الفقہاء علی انہ عند الضرورۃ یجوز التوضی بماء تغیر بامتزاج غیرہ من حیث اللون والطعم بان وقع الاوراق والثمار فی الحیاض حتی تغیر لانہ تتعذر صیانۃ الحیاض عنہا[2]۔

اس کو ذخیرہ اور فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ سے لیا ہے، فقیہ احمد بن ابراہیم المیدانی سے اُس پانی کی بابت دریافت کیا گیا جس کا رنگ پتّوں کی کثرت کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو یہاں تک کہ جب پانی کو ہاتھ میں اٹھایا جائے تو اس میں پتّوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہو، آیا اس پانی سے وضو جائز ہے؟ تو فرمایا "نہیں" لیکن اس کو پی سکتے ہیں اور اس سے دُوسری اشیا کو دھو سکتے ہیں، اس کا پینا اور دوسری اشیا کا دھونا اس لئے جائز ہے کہ یہ پانی پاک ہے اور وضو اس لیے جائز نہیں کہ اس پر پتّوں کا رنگ غالب ہوچکا ہے اور یہ مقید پانی ہوگیا ہے جیسے باقلی (لوبیا) وغیرہ کا پانی۔ مگر تحفۃ الفقہاء میں صراحت ہے کہ ایسے پانی سے جس میں کسی چیز کے مل جانے کی وجہ سے رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو ضرورت کے وقت وضو جائز ہے جیسے حوضوں میں پھل اور پتّے گرتے رہتے ہیں اور پانی متغیر ہوجاتا ہے کہ ان چیزوں سے حوضوں کا بچانا متعذر ہے اھ (ت)

اقول فاذن یکون ھذا قولا ثالثا

میں کہتا ہوں اس صورت میں یہ تیسرا قول

---

[1] منیۃ المصلی مکتبہ قادریہ لاہور ص ۶۴

[2] حلیہ

انه انما یجوز الوضوء به عند الضرورة و الا
لا وتبعه فی مجمع الانهر (و۱) ولیس هکذا وانما
نص البدائع شرح التحفة وهو عین نصها و
لو تغیر الماء المطلق بالطین او بالتراب او
بالجص او بالنورة او بوقوع الاوراق او الثمار
فیه او بطول المکث یجوز التوضؤ به لانه
لم یزل عنه اسم الماء وبقی معناه ایضا مع
ما فیه من الضرورة الظاهرة لتعذر صون
الماء عن ذلک اھ (۱) فلم یقیده بالضرورة ولم
یقصر وجهه علیها بل علله بانه ماء مطلق
باق علی اطلاقه وایده بانه ساقط الحکم
للضرورة (و۲) وفرق بین بین بناء الحکم علی الضرورة
بحیث یتقید بها وبین اسقاط حکم راسا
لضرورة لازمة وهذا من ذاک (و۳) الا تری انه
نظمه مع المخلوط بالتراب ونحوه فی
سلک واحد وهل یسوغ لاحد ان یقول
انما یجوز الوضوء بماء کدر اذا لم یجد
غیره والا لم یصح (و۴) ثم لا نظیر لهذا فی
المذهب ان یجوز الوضوء بماء عند الضرورة
لا فی السعة اما نبیذ التمر فانما الحکم
فیه علی خلاف المعتمد المفتی به لاجل
ورود النص فعدل به عن سنن القیاس
عند عدم الماء المطلق کما نصوا علیه و

ہوگا یعنی یہ کہ بوقتِ ضرورت اس سے وضو جائز ہے
ورنہ نہیں، اور مجمع الانہر میں اس کی متابعت کی،
اور بات ایسی نہیں ہے اور بدائع شرح تحفہ کا نص
بعینہٖ یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ "اگر مطلق پانی کیچڑ، مٹی،
گچ یا نورہ سے بدل گیا یا اس میں پتّے اور پھل گرے
اور بدل گیا یا زیادہ عرصہ تک کھڑا رہنے کی وجہ سے
بدل گیا تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ اس سے
پانی کا نام زائل نہیں ہوا، اور اس کے معنی بھی باقی
ہیں، اور بظاہر اس میں ضرورت بھی ہے کیونکہ پانی کو
ان اشیاء سے بچانا متعذر ہے اھ تو اس کو ضرورت
سے مقید نہیں کیا اور اس کی وجہ اس پر مقصور نہ کی
بلکہ اس کی تعلیل اس طرح کی کہ وہ مطلق پانی ہے اور
اپنے اطلاق پر باقی ہے اور اس کی تائید میں فرمایا
کہ اس کا حکم بوجہ ضرورت ساقط ہوگیا، اور اس
میں کہ حکم ضرورت کی وجہ سے لگایا جائے اور وہ ضرورت
سے متقید ہوجائے اور اس میں کہ حکم ضرورت لازمہ کی
وجہ سے بالکل ساقط کیا جائے، بڑا فرق ہے، اور یہ
اُسی قبیل سے ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے
اس کو مخلوط بالتراب اور اس کی مثل کے ساتھ
ملایا ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔
اور کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گدلے پانی کے ساتھ وضو
جائز ہے بشرطیکہ دوسرا موجود نہ ہو ورنہ نہیں؟ پھر
اس پر مذاہب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ

---

۱ بدائع الصنائع   الماء المقید   سعید کمپنی کراچی   ۱/۱۵

سیأتی ولامساغ لھذا ھھنا وباللہ التوفیق ثم اورد علیہ فی الحلیۃ نفسھا بما حاصلہ ان لا معنی للتفرقۃ بین السعۃ والضرورۃ فان الشرع لم ینقل المکلف عن الماء المطلق عند عدم القدرۃ علیہ الی الماء المقید فی حالۃ دون حالۃ بل نقلہ عند العجز عنہ الی التیمم فی سائر الحالات اعنی سواء کان یجد مع ذلک الماء المقید اولم یجدہ ایضا فان کان ھذا ماء مطلقا جاز الوضوء مطلقا والا لم یجز مطلقا[1] اھ بمحصلہ **اقول** ھذا ایراد علی مافھمہ رحمہ اللہ تعالٰی من کلام التحفۃ لا علیہ کما علمت وللہ الحمد۔

کسی پانی سے ضرورت کے وقت تو وضو جائز ہو اور بلا ضرورت جائز نہ ہو، اور جہاں تک نبیذ تمر کا معاملہ ہے سو اس میں جو حکم ہے وہ معتمد مفتی بہ کے خلاف ہے، کیونکہ نص وارد ہے لہٰذا وہاں قیاس سے عدول کیا گیا ہے جبکہ مطلق پانی نہ ہو، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہ عنقریب آئے گا، اور یہ چیز یہاں نہیں چل سکتی ہے، پھر انہوں نے خود حلیہ میں اعتراض کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ گنجائش اور ضرورت کی صورتوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ شریعت نے مکلف کو مطلق پانی سے قدرت نہ ہونے کی صورت میں مقید پانی کی طرف منتقل نہیں کیا ہے کسی خاص حالت میں، بلکہ ایسی صورت میں اس کو تیمم کرنے کا حکم دیا ہے تمام حالات میں، خواہ اس کو مقید پانی مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو، تو اگر یہ مطلق پانی ہے تو وضو مطلقاً جائز ہے ورنہ مطلقاً وضو جائز نہیں اھ میں کہتا ہوں یہ اعتراض اُس مفہوم پر ہے جو انہوں نے تحفہ سے سمجھا خود تحفہ پر نہیں ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا وللہ الحمد۔ (ت)

(۷۸) پھلوں کے گرنے

(۷۹) تالاب میں سنگھاڑے کی بیل سڑ جانے سے پانی کے سب اوصاف بدل جائیں جب بھی حرج نہیں جب تک رقیق وسیال رہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(یجوز بماء خالطہ طاھر جامد) مطلقا (کفاکھۃ وورق شجر) وان غیر کل اوصافہ (فی الاصح ان بقیت رقتہ) ای واسمہ[2] اھ **اقول** احتاج الی زیادۃ واسمہ لکلامہ

(وضو ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی جامد پاک چیز مل گئی ہو) مطلقاً (جیسے خشک میوہ اور درخت کے پتے) خواہ اس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو (اصح یہی ہے بشرطیکہ اس کی رقت باقی رہی ہو) یعنی

[1] بدائع الصنائع | الماء المقید | سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۵
[2] الدرالمختار | باب المیاہ | مجتبائی دہلی | ۱/۳۵

فی کل طاهر جامد ومنه مایزیل الاسم مع بقاء الرقة کما یأتی فی الزعفران ونحوہ فلا یجوز الوضوء بہ معبقاء رقتہ ونحن فی غنی من ھذا القید ھنا فانہ ھنا لایتبدل الاسم مادامت الرقۃ فلذا لم نعرج علیہ۔

اس کا نام بھی اھ میں کہتا ہُوں ہر طاہر جامد کے ساتھ نام کے باقی رہنے کی قید ضروری ہے، اسی میں وہ بھی ہے جس کا نام توختم ہوگیا مگر رقت باقی رہی ہو جیسا کہ زعفران وغیرہ میں آئے گا تو رقت کے باقی رہتے ہُوئے بھی وضو جائز نہ ہوگا، اور ہمیں یہ قید لگانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں نام اس وقت تک تبدیل ہوتا ہی نہیں جب تک کہ رقت باقی رہتی ہے، اسی لیے ہم نے یہ قید نہیں لگائی۔ (ت)

غرر و درر میں ہے:

وان غیرا وصافہ فی الاصح[1] (اصح یہ ہے کہ اگرچہ وُہ پانی کے اوصاف کو بدل دے۔ ت)

عبد الحلیم میں ہے:

ھو الاصح بل الصحیح کما قال فی المنبع[2] (یہی اصح ہے بلکہ صحیح ہے، جیسا کہ منبع میں فرمایا۔ ت)

سراج الوہاج و علمگیریہ وجوہرۂ نیرہ و فتاوی غزی میں ہے:

فان تغیرت اوصافہ الثلثۃ بوقوع اوراق الاشجار فیہ وقت الخریف فانہ یجوز بہ الوضوء عند عامۃ اصحابنا رحمہم اللہ تعالٰی[3]۔

اگر اس کے تینوں اوصاف موسم خزاں کے پتوں کے گرنے کی وجہ سے تبدیل ہوگئے، تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔ (ت)

مجتبٰی، شرح قدوری پھر فتاوی غزی میں ہے:

لوغیرا الاوصاف الثلثۃ بالاوراق ولم یسلب اسم الماء عنہ ولا معناہ فانہ یجوز التوضوء بہ[4]

اگر پانی کے تینوں اوصاف پتّوں کے گرنے کی وجہ سے متغیر ہو گئے اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا اور نہ اس کے معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضوء جائز ہے۔ (ت)

---

[1] درر غرر ملا خسرو فرض الغسل مطبعہ کاملیۃ بیروت ۱/۲۱
[2] درر غرر عبد الحلیم فرض الوضو مطبعہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۷
[3] ہندیۃ فیما لایجوز بہ الوضو پشاور ۱/۲۱ [4] فتاوی غزی

نہایہ امام سغناقی پھر عنایہ وحلیہ وغنیہ وبحر ونہر ومسکین و ردالمحتار کتبِ کثیرہ میں ہے :

المنقول عن الاساتذہ انه یجوز حتی لوان اوراق الاشجار وقت الخریف تقع فی الحیاض فیتغیر ماؤھا من حیث اللون و الطعم والرائحة ثم انھم یتوضؤن منھا غیر نکیر[1]

اساتذہ سے یہ منقول ہے کہ جائز ہے ، یہاں تک موسم خزاں میں درختوں کے پتّے حوضوں میں گرنے کی وجہ سے پانی کا رنگ ، مزہ ، بُو بدل جاتا ہے پھر بھی وہ ایسے پانی سے وضو کرلیتے تھے . اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا .

ردالمحتار میں زیرِ قول مذکور وان غیر کل اوصافه فی الاصح فرمایا :

مقابله ماقیل انه ان ظھر لون الاوراق فی الکف لایتوضؤ به لکن یشرب والتقیید بالکف اشارة الی کثرة التغیر لان الماء قد یری فی محله متغیرا لونه لکن لورفع منه شخص فی کفه لایراہ متغیرا تأمل اھ[2] ۔

اس کے مقابل یہ قول ہے کہ اگر پتّوں کا رنگ چُلو کے پانی میں ظاہر ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں ، لیکن یہ پانی پیا جاسکتا ہے ، اور ہتھیلی کی قید لگانا یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تغیر بہت زیادہ واقع ہُوا ہے ، کیونکہ پانی اپنے محل میں کبھی متغیر نظر آتا ہے لیکن اگر اُسے چلّو میں اٹھایا جائے تو متغیر نظر نہیں آتا ہے تأمل اھ ۔ (ت)

اقول لاادری لم امر بالتأمل وھو امر صحیح مشاھد ھذا وزعم یوسف چلپی فی ذخیرة العقبی الاصح ماذکرہ الشارح یرید صدرالشریعة لانه بغلبة لون الاوراق صار مقیدا اھ[3] ۔

میں کہتا ہُوں کہ معلوم نہیں ، انہوں نے تأمل کا حکم کیوں دیا ، یہ ایک صحیح بات ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ، اور یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰے میں فرمایا کہ اصح وُہ ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ، ان کی مراد صدرالشریعۃ ہیں ، کیونکہ وہ پتّوں کے رنگ کے غلبہ کی وجہ سے مقید پانی ہوگیا ہے ۔ (ت)

اقول ھو رحمه اللّٰه تعالٰی لیس من اھل الترجیح ولم یسندہ لمعتمد فلا یعارض

میں کہتا ہُوں وُہ (رحمہ اللہ) اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں اور انہوں نے کسی قابلِ اعتماد شخصیت کی طرف نسبت

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۷
[2] ایضاً
[3] ذخیرۃ العقبٰے المبحث فی الموجبات الغسل مطبع الاسلامیہ لاہور ۱/۱۴

ما علیه الجمهور ونصوا انه الاصح ونص الامام النسفی فی المستصفی عن شیخه شمس الائمة الکردری انها الروایة الصحیحة کما سیأتی فی ۷۹ اما ما استدل به فمصادرة علی المطلوب وکفی ردا علیه قول المحقق فی الفتح تقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان ویقول احدهما للاٰخر هنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقه مع تغیر اوصافه بانتقاعها فظهر لنا من اللسان ان المخالط المغلوب لایسلب الاطلاق[1] اھ وقال المحقق فی الحلیة لعل ما نقل من وضوء الاساتذة من الماء المذکور کان فیه ادنی تغیر فی صفاته الثلثة[عہ] بحیث لم یزل عنه اسم الماء المطلق اذ لیس کل تغیر فی مجموع الصفات الثلاث یوجب جعل ذلك الماء مقیدا بل هذا هو الظاهر من حالهم اذ لا یظن بهم الوضوء بالماء المقید[2] اھ

اقول ان ارادان کثرة تغیر الاوصاف

بھی نہیں کی تو یہ جمہور کے قول سے متعارض نہ ہوگا، جمہور نے تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے، اور امام نسفی نے مستصفی میں اپنے شیخ شمس الائمہ کردری سے نقل کیا کہ یہی صحیح روایت ہے، جیسا کہ عنقریب ۹۷ میں آئیگا اور جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے تو وہ مصادرہ علی المطلوب ہے اور محقق نے اس کی تردید فتح میں کر دی ہے کہ موسم خزاں میں پتّے حوضوں میں گرتے ہیں اب وہاں سے دو دوست گزرتے ہیں ایک دُوسرے سے کہتا ہے کہ آؤ یہاں پانی موجود ہے اسے پیتے ہیں اور اس سے وضو کرتے ہیں تو وہ اس پر پانی کا اطلاق کرتا ہے حالانکہ اُس کے اوصاف متغیر ہو چکے ہیں تو معلوم ہوا کہ عام محاورہ میں اس سے پانی کا نام سلب نہیں ہوتا ہے اھ محقق نے حلیہ میں فرمایا اساتذہ کا جو اس پانی سے وضو کر لینا مذکور ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس پانی کے اوصاف میں زیادہ تغیر واقع نہ ہوا ہوگا اتنا کہ اُس سے مطلق پانی کا نام ہی مسلوب ہو جائے کیونکہ اوصافِ ثلثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بناتا ہے بلکہ اُن کے حال سے یہی ظاہر ہے، کیونکہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وُہ مقید پانی سے وضو کر لیا کرتے تھے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد یہ ہے کہ پانی کے

[عہ] کذا ھو فی نسختی الحلیة باثبات التاء فی الثلثة ۱۲ منه غفرله

میرے پاس موجود حلیہ کے نسخہ میں اسی طرح ثلثۃ میں تاء کو ثابت رکھا گیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر　الماء الذی یجوز به الوضوء　سکھر　۱/۶۴

[2] حلیہ

بوقوع الاوراق یجعل الماء مقیدا مع بقاء رقتہ فغیر مسلم ولا واقع فبوقوع الاوراق مع بقاء الرقۃ لا یزول اسم الماء ابدا وان تغیرت الاوصاف مھما تغیرت وان اراد بالتغیر الکثیر زوال الرقۃ فلا حاجۃ الی الترجی بل ھو المراد قطعا قال فی العنایۃ بعد نقل النھایۃ وکذا اشار فی شرح الطحاوی الیہ لکن شرطہ ان یکون باقیا علی رقتہ اما اذا اغلب علیہ غیرہ وصار بہ ثخینا فلا یجوز اھ[1] ثم قال فی الحلیۃ کما ان الظاھر ان محل جواب المیدانی المذکور ما بلغ بہ ما وقع فیہ من الاوراق الی حد التقیید فان تغیر لون الماء بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ یوجب تغیر الطعم بل والرائحۃ ایضا ان کانت الاوراق ذات رائحۃ اھ[2]۔

اوصاف میں پتّوں کے وقوع سے زیادہ تغیر پیدا ہونے سے پانی مقید ہوجاتا ہے باوجودیکہ اُس کی رقت باقی رہتی ہے، تو یہ بات نہ تو مسلّم ہے اور نہ ایسا واقع ہے، کیونکہ پتّوں کے گرنے سے جبکہ رقت باقی ہو ہمیشہ پانی کا نام تبدیل نہیں ہوتا ہے اگرچہ اوصاف تبدیل ہوتے رہیں۔ اور اگر ان کی مراد کثرتِ تغیر سے یہ ہے کہ رقت زائل ہوجائے، تو ترجی (لفظ لعل) کی حاجت نہیں، بلکہ قطعیت کے ساتھ یہی کہنا ہوگا، عنایۃ میں نہایۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ طحاوی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی رقت باقی ہو، اور اگر پانی پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ گاڑھا ہوگیا تو اُس سے وضو جائز نہیں اھ پھر حلیہ میں فرمایا جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ میدانی کا مذکور جواب پتّوں کی اُس مقدار سے متعلق ہے جس کی وجہ سے پانی مقید ہوجائے، کیونکہ پتّوں کی کثرت کے باعث جب پانی کا رنگ تبدیل ہوتا ہے تو ساتھ ہی مزہ بلکہ بُو بھی تبدیل ہوجاتی ہے بشرطیکہ پتّوں میں کوئی خاص بُو موجود ہو۔ (ت)

اقول[1] فکان ماذا فقد ذکرتم ان لیس کل تغیر فی الصفات الثلث جمیعا یوجب جعل الماء مقیدا ولا تقید ھھنا الا بزوال الرقۃ والامام المیدانی انما بنی الجواب علی ظھور لون الاوراق فی الکف وبھذا

میں کہتا ہوں اس سے کیا ثابت ہوا؟ آپ نے خود بھی ذکر کیا ہے کہ اوصافِ ثلثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بنا دیتا ہے، اور یہاں کوئی تقید زوالِ رقت کے سوا نہیں ہے اور میدانی کے جواب کی بنیاد یہ ہے کہ پتّوں کا رنگ چلّو میں ظاہر ہوجائے، اور

---

[1] عنایۃ مع الفتح — الماء الذی یجوز بہ الوضوء — سکھر ۱/۶۳

[2] حلیہ

القدر جعله مقيدا وبه صرح صدر الشريعة و معلوم انه لايستلزم الثخانة فاني ينفع التاويل، وعلى الله ثم على رسوله التعويل، جل جلاله وعليه الصلاة والسلام بالتبجيل۔

اس مقدار سے انہوں نے پانی کو مقید بنا دیا، اور اسی کی تصریح صدر الشریعۃ نے کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس سے اس کا گاڑھا ہونا لازم نہیں، تو تاویل کا کچھ فائدہ نہیں .... (ت)

(٨٠ و ٨١) شنجرف یا کسم زردی کاٹنے کے لیے پانی میں بھگو دیتے ہیں جب زردی کٹ آتی پانی پھینک دیتے ہیں یہ پانی اگرچہ اس کی رنگت وغیرہ بدل گئی قابلِ وضو ہے جبکہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو، خانیہ میں ہے:

التوضؤ بزردج العصفر يجوز ان كان رقيقا والماء غالب[1] اھ۔

پیلے رنگ کے زردج کے پانی سے وضوء جائز ہے اگر پتلا ہو اور پانی غالب ہو اھ (ت)

اقول والحاصل واحد فكانه اضيف اليه بالعطف عليه تعليلا له۔

میں کہتا ہوں حاصل ایک ہی ہے، تو غالباً یہ چیز بطور عطف اس کے ساتھ اس کی تعلیل کے لئے ملائی گئی ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ماء الزردج والصابون والعصفر لو رقيقا يسيل على العضو يجوز[2]

زردج، صابون اور عُصفر کا پانی اگر اتنا پتلا ہو کہ عضو پر بہہ سکے تو اُس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

هو الصحيح كذا اختاره الناطفي والامام السرخسي رحمهما الله تعالٰى[3]۔

اور یہی صحیح ہے، اسی کو ناطفی اور امام سرخسی رحمہما اللہ نے پسند کیا ہے۔ (ت)

مغرب میں ہے:

ماء الزردج هو ما يخرج من العصفر المنقوع فيطرح ولا يصبغ به[4]۔

زردج کا پانی وہ ہے جو نچوڑے ہوئے عصفر سے نکلتا ہے پھر اس کو پھینک دیتے ہیں اور یہ رنگنے کے کام نہیں آتا ہے۔ (ت)

---

[1] قاضی خان — فیما لایجوز بہ التوضی — نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ — الماء المقید وغیرہ — پشاور ۴/۱۰

[3] الہدایۃ — الماء الذی یجوز بہ الوضوء — مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[4] جوہرۃ نیرۃ — کتاب الطہارۃ — امدادیہ ملتان ۱/۱۴

اسی طرح جوہرہ وغنیہ وحلیہ وعنایہ میں ہے۔

اقول انما الزردج معرب زردہ وھی الصفرۃ التی تخرج من العصفر فی الماء المنقوع فیہ فیسمی ذلک الماء ماء الزردج لا ان مایخرج من العصفر یسمی ماء الزردج ھذا ھو الوجہ عندی فی اللفظ وتبعوا فیہ المطرزی وکانہ لم یتقنہ لخلو کتب اللغۃ عنہ حتی القاموس المدعی الاحاطۃ وتاج العروس المستدرک علیہ بکثیر ولا الکلمۃ من لسان العرب واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں "زردج" زردہ کا معرب ہے، یہ وہ زردی ہے جو عُصفر سے نکل کر اس پانی میں آجاتی ہے جس میں اسے ڈبویا گیا ہو اس کو ماءِ زردج کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خود عصفر سے جو پانی نکلتا ہے اس کو ماءِ زردج کہا جاتا ہو، میرے نزدیک اس لفظ کا صحیح مفہوم یہی ہے، جبکہ دوسرے حضرات نے اس میں مطرزی کی پیروی کی ہے، غالباً مطرزی نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا، کیونکہ لغۃ کی کتب میں، یہ موجود نہیں، یہاں تک کہ قاموس جس کا دعوی ہے کہ اس نے تمام کلمات کا احاطہ کیا ہے اس سے خالی ہے، اور پھر تاج العروس جس میں اس سے بھی زیادہ کلمات کا احاطہ ہے اس میں بھی یہ موجود نہیں، اور نہ ہی یہ کلمہ لسان العرب میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۲ و ۸۳) جس پانی میں گچ یا چُونا مل جائے لقولہ لم یزل عنہ اسم الماء وبقی معناہ ایضا (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور معنی بھی باقی ہے۔ ت)

(۸۴) چُونے کا پانی، گٹی بجھنے کے بعد تہ نشین ہوتی اور اوپر نتھرا پانی رہ جاتا ہے جس میں قدرے سپیدی متفرق طور پر رہتی ہے اسے چُونے کا پانی کہتے ہیں قابلِ وضو ہے اذلم یزل اسم الماء ولا طبعہ (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور طبیعت بھی زائل نہیں ہُوئی۔ ت)

(۸۵) ریشم پکانے کے لیے کیسوں کو پانی میں جوش دیتے ہیں اور اُن میں ریشم کے کیڑے ہوتے ہیں اُس پانی سے وضو جائز ہے کیڑے تر ہوں یا خشک جب تک اس کثرت سے نہ ہوں کہ اُن کے اجزا پانی پر غالب آجائیں۔ جواہر الفتاوٰی باب ثانی فتاوی امام جمال الدین بزدوی میں ہے:

الفیلق اذا طرح فی الماء الذی اغلی بالنار لسد الابریسم وفی الفیلق دودمیتۃ یابسۃ اوغیر یابسۃ بقیت فی الماء یکون طاھرا لانہ لیس لہ دم سائل وان غلب

کیسوں کو جب آگ پر جوش دیے ہُوئے پانی میں ڈالا جائے تاکہ ابریشم کا تار حاصل کیا جاسکے، اور ان کیسوں میں مُردہ کیڑے بھی موجود ہوں، خواہ خشک حالت میں یا غیر خشک حالت میں تو یہ پانی جس میں

اجزاؤها علی الماء یمنع التوضی بہ کما لو غلب شیئ اٰخر۔[1]

یہ کیڑیاں ڈالی گئی ہوں پاک رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کیڑوں میں سیّال خون نہیں ہوتا ہے، اور اگر ان کیڑوں کے اجزاء پانی پر غالب ہوجائیں تو دوسری اشیاء کی طرح اس سے وضوء جائز نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی الوھبانیۃ دود القز وماؤہ وبذرہ وخرؤہ طاھر کدودۃ متولدۃ من نجاسۃ۔[2]

وہبانیہ میں فرمایا ریشم کا کیڑا، اس کا پانی، اس کا انڈا اور اس کی بیٹ اُسی طرح پاک ہے جس طرح نجاست سے پیدا ہونے والے دوسرے کیڑوں کا حکم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں شرح وہبانیہ للعلامہ عبدالبر سے ہے:

یحتمل ان المراد ما یوجد فیما یھلک منہ قبل ادراکہ وھو شبیہ باللبن او الذی یغلی فیہ عند حلہ حریرا۔[3]

ہوسکتا ہے کہ پانی سے مراد وہ پانی ہو جو ان کیڑوں میں پایا جاتا ہے جو کیڑوں کے پکنے سے پہلے ہی ہلاک ہوجاتے ہیں، یہ پانی دودھ کے مشابہ ہوتا ہے یا وہ پانی ہوسکتا ہے جس میں انکو ریشم نکالتے وقت اُبالا جائے۔ (ت)

فــــــ۱

(۸۶) پانی میں مینڈک یا کوئی آبی جانور یا وہ غیر آبی جس میں خون سائل نہ ہو جیسے زنبور، کژدم، مکھی وغیرہا مر جائے اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اجزاء پانی میں ایسے مل جائیں کہ جُدا نہ ہوسکیں بشرطیکہ پانی اپنی رقت پر رہے، ہاں اس حالت میں اس کا پینا یا شوربا کرنا حرام ہوگا جبکہ وہ جانور حرام ہو اور اگر ٹڈی یا غیر طافی مچھلی ہے تو یہ بھی جائز۔ درمختار میں ہے:

لو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ قال ش عن البحر لانہ صارت اجزاؤہ فی الماء فیکرہ الشرب تحریما اھ[4]

اور اگر پانی میں مینڈک کی قسم کی کوئی چیز پھول پھٹ جائے تو اُس سے وضو جائز ہے پینا جائز نہیں کہ اس کا گوشت حرام ہے، ش نے بحر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس لیے کہ اس کے اجزاء پانی میں شامل ہوگئے تو اس کا پینا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (ت)

---

[1] جواہر الفتاوی

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[3] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۵

[4] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[5] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶

اقول[1] کل مالادم فیہ حرام غیر الجراد والسمك الغیر الطافی واذا اختلطت اجزاؤہ بالماء فان درادھا فی شربہ متیقن فای وجہ للنزول من الحرمۃ الی کراھۃ التحریم وراجعت البحر فوجدت نصہ ھکذا روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی اذا تفتت الضفدع فی الماء کرھت شربہ لا للنجاسۃ بل لحرمۃ لحمہ وقد صارت اجزاؤہ فی الماء وھذا تصریح بان کراھۃ شربہ تحریمیۃ وبہ صرح فی التجنیس فقال یحرم شربہ۔

میں کہتا ہوں ہر وہ جانور جس میں خون نہ ہو وہ حرام ہے سوائے ٹڈی اور اُس مچھلی کے جو مُردہ حالت میں سطحِ سمندر پر تیرتی ہُوئی نہ پائی گئی ہو، اور جب اس کے اجزا پانی میں مل جائیں تو ان کا پیتے وقت پانی میں شامل ہونا یقینی امر ہے تو پھر حرمت سے گھٹ کر کراہت تحریم کا حکم کیوں لگایا گیا؟ میں نے بحر کو دیکھا تو اس میں یہ تھا "امام محمد سے مروی ہے جب مینڈک پانی میں پھُول پھٹ جائے تو میں اس پانی کے پینے کی کراہت کا قول کروں گا اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے گوشت کی حرمت کی وجہ سے اور اس حرام گوشت کے اجزاء پانی میں بھی شامل ہو گئے ہیں، یہ اس امر کی صراحت ہے کہ اس کے پینے کی کراہت تحریمی ہے اور اسی کی تصریح تجنیس میں ہے، فرمایا کہ اس کا پینا حرام ہے۔ (ت)

اقول[2] الکراھۃ فی عرف القدماء اعم من الحرمۃ یقولون اکرہ کذا والمعنی احرمہ راجع کتابی فصل القضاء فی رسم الافتاء فمعنی قول البحر ان الکراھۃ فی کلام الامام للتحریم الاتری[3] الی قولہ وبہ صرح فی التجنیس وانما صرح بانہ حرام۔

میں کہتا ہوں کراہت کا لفظ متقدمین کے عرف میں حُرمت کو بھی عام ہے وہ فرماتے ہیں میں اس کو مکروہ سمجھتا ہُوں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اس کو حرام سمجھتا ہُوں۔ دیکھئے میری کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" تو بحر کی مراد یہ ہے کہ امام کے کلام میں کراہت سے مراد تحریم ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا وبہ صرح فی التجنیس اور اس میں ان کی تصریح یہ ہے کہ حرام ہے۔ (ت)

(۸۷) چاول کھچڑی دال دھو کر ڈالے جاتے ہیں ان کے دھونے سے جو پانی بچا قابلِ وضو ہے جبکہ بے وضو ہاتھ سے نہ دھوئے ہوں اگرچہ اس کے رنگ میں ضرور تغیر آجاتا ہے بلکہ اگرچہ مزہ و بُو بھی بدل جائیں۔

اقول وھذا عندی وفاقا حتی ممن یجعل ماء الحمص والباقلاء المنقوعین

میں کہتا ہوں یہ میرے نزدیک متفقہ طور پر ہے، یہاں تک کہ جو حضرات چنوں اور باقلی (لوبیا)

---

[1] بحرالرائق موت مالادم لہ سعید کمپنی کراچی ۱/۸۹

فیہ مقید الان بمجرد الغسل لایسری الیہ مایسری بالنقع والتغیر الذی یحدث بہ لیس للحب بل لما علیہ من نحو الغبار واللہ تعالٰی اعلم۔

کے صاف کئے ہوئے پانی کو مقید قرار دیتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ صرف دھونے سے پانی میں وُہ اثر پیدا نہیں ہوتا ہے جو صاف کرنے سے ہوتا ہے، اور جو تغیر پانی میں پیدا ہوتا ہے وہ دانہ کے باعث نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر غبار کی وجہ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۸) جس پانی میں چنے بھگوئے کتنی ہی دیر بھیگے رہیں تحقیق یہ ہے کہ اُس سے وضو جائز ہے مگر یہ کہ ناج کے اجزا اُس میں مل کر اُسے گاڑھا کر دیں کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی نہ رہے۔

(۸۹) یُوں ہی جس میں باقلا[ع] بھگوئیں یونہی ہر ناج۔ مختصر امام ابو الحسن قدوری میں تھا:

لا (ای لایجوز الوضوء) بماء غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلا والمرق[1]

نہیں (یعنی وضو جائز نہیں) اُس پانی سے جس پر اُس کے غیر کا غلبہ ہوگیا ہو، اور اس وجہ سے پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کر دیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ (ت)

اس پر ہدایہ میں فرمایا:

المراد بماء الباقلاء وغیرہ ما تغیر بالطبخ فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی بہ[2] اھ واقرہ علیہ فی الفتح والعنایۃ وتبعہ فی الجوھرۃ فقال قولہ وماء الباقلاء المراد المطبوخ بحیث اذا برد ثخن وان لم یطبخ فھو من قبیل وتجوز الطھارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر[3] اھ

باقلاء کے پانی سے مراد وُہ پانی ہے جو پکائے جانے کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو اور اگر بلا پکائے متغیر ہوگیا ہو تو اُس سے وضو جائز ہوگا اھ اور اس کو اس پر برقرار رکھا فتح اور عنایہ میں اور جوہرہ میں اس کی متابعت کی اور فرمایا: ان کا قول "اور باقلی کا پانی" اس سے مراد پکا ہُوا پانی ہے جو ٹھنڈا کئے جانے پر گاڑھا ہو جاتا ہے، اور اگر اس کو پکایا نہ گیا ہو تو یہ اس پانی کی طرح ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

ع[ع] یہ بھی ایک معروف غلہ ہے اگرچہ یہاں اس کا رواج نہیں اس کی پھلیاں پکاتے ہیں سالن کی جگہ استعمال کرتے ہیں (م)

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجیدی کانپور ص ۶

[2] الہدایۃ " مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[3] جوہرۃ نیرۃ " امدادیہ ملتان ۱/۱۴

اقول رحم الله الشیخ الامام ورحمنا به کلام[ع] ابی الحسن فیما اذا اخرجه عن طبع الماء بان اختلطت فیه اجزاؤه فثخن ولم یبق رقیقا وحینئذ لایجوز التوضی به وان لم یطبخ وقد قال فی الوقایة لا بماء زال طبعه بغلبة غیره اجزاء او بالطبخ کماء الباقلی والمرق فقال الامام الشارح المراد به ان یخرجه عن طبع الماء وهو الرقة والسیلان وماء الباقلی نظیر ما غلب علیه غیره اجزاء والمرق نظیر ما غلب علیه بالطبخ[1] اھ وفی الاصلاح والایضاح لا بماء زال طبعه وهو الرقة والسیلان بغلبة غیره اجزاء کماء الباقلا[2] اھ نعم الظاهر مما مر عن الذخیرة والتتمة عن المیدانی وتبعه صدر الشریعة من قیاس ماتلون بوقوع الاوراق علی ماء الباقلی ان المراد ما نقع فیه فغیره وصفا لا ذاتا وهو خلاف المعتمد ففی الخانیة یجوز التوضؤ بماء القی فیه حمص او باقلاء لیبتل وتغیر لونه وطعمه

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ الامام پر اور ہم پر رحم فرمائے، ابو الحسن کی گفتگو اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پانی کو اس کی طبیعت سے نکال دے مثلاً یہ کہ اس میں اس کے اجزاء مل جائیں اور وہ گاڑھا ہوجائے اور اس کی رقّت باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں اس سے وضوء جائز نہ ہوگا خواہ پکایا نہ گیا ہو، اور وقایہ میں فرمایا "نہ کہ اُس پانی سے جو دوسری شیئ کے غلبہ کی وجہ سے اپنی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو یا پکائے جانے کی وجہ سے طبیعت ماء سے خارج ہوگیا ہو، جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی یا شوربہ۔ امام شارح نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردے اور پانی کی طبیعت رقّت اور سیلان ہے اور باقلی (لوبیا) کا پانی اُس پانی کی نظیر ہے جس پر دوسرے اجزاء غالب آگئے ہوں، اور شوربہ اُس پانی کی مثال ہے جس کو پکایا گیا ہو تو اس پر دوسری شیئ غالب آجائے اھ اور اصلاح اور ایضاح میں ہے کہ نہ اُس پانی سے کہ جس کی طبیعت زائل ہوگئی ہو یعنی رقّت اور سیلان، اور یہ دوسری

ع الحمد لله فتح المولی سبحنه وتعالٰی بما یصحح الکلام ویوضح المرام ویزیل الاوهام کما یأتیک فی سادس ضوابط الفصل الثالث ان شاء الله تعالٰی ۱۲ منه غفرله وحفظ ربه

اللہ تعالٰی کے لیے حمد ہے اللہ پاک نے وہ کھول دیا ہے جس کے ذریعے کلام صحیح ہوتا ہے، مقصود واضح ہوتا ہے اور وہم ختم ہوتے ہیں جیسا کہ فصلِ ثالث کے چھٹے ضابطہ میں آئے گا۔ (ت)

---

[1] شرح وقایة کتاب الطہارت رشیدیہ دہلی ۱/۸۵

[2] اصلاح والایضاح

ولکن لم تذھب رقتہ [1] اھ وفی الفتح فی الینابیع لونقع الحمص والباقلاء وتغیر لونہ وطعمہ وریحہ یجوز التوضی بہ [2] اھ ومثلہ عنھا فی فتاوی الغزی ومثلہ فی المنیۃ وعزاہ فی الحلیۃ للملتقط وتجنیس الملتقط والظھیریۃ۔

اشیاء کے اجزاء کے غلبہ کی وجہ سے ہوا ہو جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی اھ یہاں ذخیرہ اور تتمہ کی گزشتہ عبارت جو میدانی سے منقول ہے اور جس کی متابعت صدر الشریعۃ نے کی ہے، جس پانی میں پتے گرے ہوں اور اس کا رنگ بدل گیا ہو اس کو باقلی کے پانی پر قیاس کیا، اور کہا کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جس میں کسی چیز کو صاف کیا گیا ہو، جس سے پانی کا وصف بدل گیا ہو نہ کہ ذات بدلی ہو، اور یہ معتمد کے خلاف ہے۔ خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں چنے ڈال دئے گئے ہوں یا باقلی (لوبیا) ڈال دیا ہو تاکہ تر ہوجائے اور اس سے اس کا رنگ اور مزا بدل گیا ہو لیکن اس کی رقت ختم نہ ہوئی ہو اھ اور فتح میں ہے ینابیع میں ہے کہ اگر چنوں اور باقلی کو پانی میں صاف کیا جس سے پانی کا رنگ، مزا اور بُو بدل گئی تو اُس سے وضو جائز ہے اور اسی کی مثل اس سے فتاوٰی غزی میں ہے اور اسی کی مثل منیہ میں ہے اور حلیہ میں اس کو ملتقط اور تجنیس ملتقط اور ظہیریہ کی طرف منسوب کیا۔ (ت)

فائدہ: اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ گھوڑے کے دانے سے جو پانی توبڑے میں بچ رہے قابلِ وضو ہے جبکہ رقیق سائل ہو اور اسے بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو کہ مذہب صحیح میں گھوڑے کا جھوٹا قابلِ وضو ہے۔ درمختار میں ہے:

وسؤر ماکول لحم ومنہ الفرس فی الاصح طاھر طھور بلاکراھۃ [3]۔

وہ جانور جن کا گوشت حلال ہے ان کا جھوٹا پاک ہے اور اس سے بلاکراہت طہارت حاصل ہوتی ہے اور گھوڑا بھی انہی میں سے ہے اصح قول کے مطابق۔ (ت)

(۹۰) یہ ہوا اور

(۹۱) گائے بھینس بکری وغیرہ حلال جانوروں کا جُھوٹا جبکہ اُس وقت اُن کے منہ کی نجاست نہ معلوم ہو اگرچہ نر ہو اور بعض نے کہا نر کا جھوٹا ناپاک ہے کہ اُس کی عادت ہوتی ہے کہ جب مادہ پیشاب کرے اپنا منہ وہاں لگا کر سُونگھتا ہے نیز زمین پر اگر اس کا پیشاب پڑا پائے تو اُسے مگر صحیح طہارت ہے۔ درمختار

---

[1] قاضی خان | فیما لایجوز بہ التوضی | نولکشور لکھنؤ | ۱/۹

[2] فتح القدیر | " | سکھر | ۱/۶۵

[3] درمختار | فصل فی البئر | مجتبائی دہلی | ۱/۴۰

میں ہے:

سؤر حمار اھلی ولو ذکرا فی الاصح مشکوک فی طھوریتہ لاطھارتہ[1]

پالتو گدھے کے جھُوٹے کی طہوریت مشکوک ہے طہارت مشکوک نہیں اصح قول کے مطابق۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الاصح قالہ قاضیخان ومقابلہ القول بنجاستہ لانہ ینجس فمہ بشم البول قال فی البدائع وھو غیر سدید لانہ امر موھوم لا یغلب وجودہ فلا یؤثر فی ازالۃ الثابت بحر اھ[2]

اس کا قول "فی الاصح" یہ قاضی خان کا قول ہے اور اس کے مقابل اس کی نجاست کا قول ہے اس لیے کہ اس کا منہ پیشاب کو سُونگھنے کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے، بدائع میں فرمایا یہ درست نہیں کیونکہ یہ بات محض وہم ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے تو جو ثابت ہے اس کے ازالہ میں موثر نہ ہوگا بحر اھ۔(ت)

اقول ف۱ ان کان المناط الندرۃ یظھر تنجیس سؤر التیس فان شمہ بول العنز انکان نادرا فانہ یتکرر منہ کل یوم مرارا انہ یدلی ذکرہ والمذی والبول نابعان فیمصہ بل الوجہ عندی واللہ تعالٰی اعلم ف۲ ان الجفاف سبب الطھارۃ فی ابدان الحیوانات کما فی الارض وقد حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی باب الانجاس من فتاوٰنا واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں اگر مناط (علت) نادر ہونا ہے تو بکرے کے جھُوٹے کا نجس ہونا بھی ظاہر ہوگا، کیونکہ وُہ بکری کے پیشاب کو تو کم ہی سُونگھتا ہے مگر یہ عمل دن میں کئی بار اس سے سرزد ہوتا ہے کہ وہ اپنا ذکر لٹکاتا ہے اور مذی اور پیشاب دونوں اس سے نکلتے ہیں، تو وہ بکرا اس ذکر کو چوستا ہے بلکہ اس کی وجہ میرے نزدیک (واللہ اعلم) یہ ہے کہ خشک ہونا حیوانات کے بدن میں سبب طہارت ہے جیسا کہ زمین کا حال ہے اور ہم نے بتوفیق اللہ اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کے باب الانجاس میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اقول ف۳ ہاں اگر دیکھیں کہ بیل وغیرہ نے مادہ کا پیشاب سُونگھا یا بکرے نے اپنا آلۂ تناسل نکال کر چوسا اور اُس وقت مذی اور بول نکل رہے تھے اور قبل اس کے کہ اس کا منہ پاک ہو جائے پانی میں ڈال دیا تو

۱؎ درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰
۲؎ ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

اب بیشک پانی ناپاک ہوجائیگا، اور اگر چار برتنوں میں منہ ڈالا تو پہلے تین ناپاک ہیں چوتھا پاک و قابلِ وضو۔ اسے نمبر ۲۲ کے ساتھ لکھنا تھا مگر ارادۂ الٰہیہ یونہی واقع ہوا و لہ الحمد علی ما صنع، وعلی ما اعطی وعلی ما منع، وصلی اللہ تعالٰی و بارك وسلم علی الشفیع المشفع، وآلہ وصحبہ وابنہ وجزبہ اجمع۔

(۹۲) پانی میں کولتار پڑ گیا جس سے اس میں سخت بدبُو آگئی مگر گاڑھا نہ ہوگیا اس سے وضو جائز ہے۔

فتاوٰی زینیہ میں ہے:

سئل عن الماء المتغیر ریحہ بالقطران ھل یجوز الوضوء منہ ام لا اجاب نعم یجوز[1] اھ والقطران بالفتح وبالکسر کظربان عصارۃ الابھل والارز[2] قاموس والارز ثمر الصنوبر قالہ ابو حنیفۃ[3] تاج العروس ومثلہ فی بلادنا ما ذکرت۔

سوال کیا گیا کہ وہ پانی جس کی بُو کولتار کی وجہ سے متغیر ہوگئی ہو، کیا اس سے وضو جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں، اور قطران بالفتح اور بالکسر ظربان کی طرح ابھل اور ارز کا نچوڑ ہے قاموس اور ارز صنوبر کے درخت کا پھل ہوتا ہے، یہ ابو حنیفہ کا قول ہے تاج العروس۔ اس قسم کا ہمارے ملک میں ہوتا ہے جیسا میں نے ذکر کیا۔ (ت)

اقول مگر بوجہ خبث رائحہ مکروہ ہونا چاہئے خصوصاً اگر اس کی بدبُو نماز میں باقی رہی کہ باعث کراہت تحریمی ہوگی۔

(۹۳) پانی میں روٹی بھگوئی اس کے تو اجزاء جلد منتشر ہوجاتے ہیں مگر جب تک پانی کو ستو کی طرح گاڑھا نہ کردیں رقیق و سیّال رہے قابلِ وضو ہے اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں، خانیہ میں ہے:

لو بل الخبز بالماء وبقی رقیقا جازبہ الوضوء[4]۔

اگر روٹی کو پانی میں بھگویا اور وہ پانی پتلا رہا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۹۴) یُونہی جس میں آم بھگوئے۔

(۹۵) اقول اسی طرح گوشت کا دھوون اگرچہ پانی میں ایک گونہ سُرخی آجائے کہ صحیح مذہب میں

---

[1] فتاوٰی زینیۃ علی حاشیہ فتاوٰی غیاثیۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳
[2] قاموس المحیط باب الراء فصل القاف مصر ۱۳۲/۲
[3] لسان العرب بیروت ۳۰۶/۵
[4] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱

گوشت کا خون بھی پاک ہے نہ کہ وُہ سُرخی کہ بعض جگہ اُس کی سطح پر ہوتی اور پانی میں ڈھل جاتی ہے۔ ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

الدم الخارج من اللحم المهزول عند القطع ان منه فطاهر وکذا دم مطلق اللحم[1]۔

دبلے گوشت سے نکلنے والا خون کاٹتے وقت، اگر اس سے نکلے تو پاک ہے اور اسی طرح مطلق گوشت کے خُون کا حکم ہے۔ (ت)

(۹۶) صابون

(۹۷) اُشنان کہ ایک گھاس ہے اُسے حُرض بھی کہتے ہیں۔

(۹۸) ریحان جسے آس بھی کہتے ہیں۔

(۹۹) بابونہ

(۱۰۰) خطمی

(۱۰۱) بیری کے پتے کہ یہ چیزیں میل کاٹنے اور زیادتِ نظافت کو آبِ غسل میں شامل کی جاتی ہیں اس سے غسل و وضو جائز ہے اگرچہ اوصاف میں تغیر آجائے جب تک رقت باقی رہے مختصر امام ابوالحسن میں ہے:

یجوز الطهارة بماء خالطه شیئ طاهر فغیر احد اوصافه کماء المد والماء الذی اختلط به اللبن اوالزعفران او الصابون او الاُشنان[2]۔

اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل کر اُس کے کسی وصف کو بدل دے جیسے سیلاب کا پانی اور وُہ پانی جس میں دودھ، زعفران، صابون یا اُشنان ملی ہو۔ (ت)

اس پر جوہرۂ نیرہ میں ہے:

فان غیر وصفین فعلی اشارة الشیخ لایجوز الوضوء ولکن الصحیح انه یجوز کذا فی المستصفی[3]۔

تو اگر وُہ اس کے دو اوصاف کو بدل دے تو شیخ کے اشارہ کے مطابق اس سے وضوء جائز نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے کذا فی المستصفٰی۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

التقیید باحد الاوصاف الثلثة فیه

تین میں سے ایک وصف کے ساتھ مقید کرنے

---

[1] بزازیہ مع الہندیۃ — السابع فی النجس — پشاور — ۴/۲۱

[2] قدوری — الطہارت — مجیدی کانپور — ص ۶

[3] جوہرۂ نیرہ — " — امدادیہ ملتان — ۱/۱۴

نظر فقد نقل الشیخ حافظ الدین فی المستصفی عن شیخه العلامة الکردری ان الروایة الصحیحة خلافه[1]

میں نظر ہے، کیونکہ شیخ حافظ الدین نے مستصفٰی میں اپنے شیخ علامہ کردری سے نقل کیا ہے کہ صحیح روایت اس کے برخلاف ہے۔ (ت)

مجتبٰی شرح قدوری میں ہے:

قول المصنف فغیر احد اوصافه لایفید التقیید به حتی لوتغیرت الاوصاف الثلثة بالاُشنان او الصابون او الزعفران ولم یسلب اسم الماء عنه ولا معناه فانه یجوز التوضوء به[2]

مصنف کا قول "فغیر احد اوصافه" اس کے ساتھ تقیید مفید نہیں ہے یہاں تک کہ اگر تینوں اوصاف اُشنان، صابون یا زعفران سے بدل گئے اور اُس سے نہ تو پانی کا نام سلب ہوا اور نہ معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

ماء صابون وحرض ان بقیت رقته ولطافته جاز التوضوء به[3]

صابون اور حرض (اُشنان جس سے کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے ہیں) کے پانی کی رقت ولطافت اگر باقی رہی تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۱۰۲ تا ۱۰۷) یہی چھ چیزیں اگر پانی میں ڈال کر جوش دی جائیں جب بھی وضو جائز ہے جب تک رقت باقی ہے، ہدایہ میں ہے:

ان تغیر بالطبخ بعد ما خلط به غیره لایجوز التوضی به الا اذا طبخ فیه ما یقصد به المبالغة فی النظافة کالاشنان ونحوه لان المیت قد یغسل بالماء الذی اغلی بالسدر بذلك وردت السنة الا ان یغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق

اگر پانی دوسری چیز کی ملاوٹ کے بعد پکانے سے متغیر ہوگیا تو اس سے وضوء جائز نہیں، ہاں اگر اس میں ایسی چیز ڈال کر پکائی گئی جس سے نظافت میں زیادتی مطلوب ہو جیسے اُشنان وغیرہ کیونکہ مُردہ کو کبھی بیری (کے پتّے) ڈال کر اُبلے ہُوئے پانی سے غُسل دیا جاتا ہے، اور یہ حدیث میں بھی مذکور ہے،

---

[1] حلیة

[2] البنایة شرح ہدایة باب الماء الذی یجوز به الوضوء ملک سنٹر فیصل آباد ۱/۱۸۹

[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز به التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

المخلوط لزوال اسم الماء عنه۔[1] ہاں اگر اس قسم کی چیزیں پانی پر غالب آجائیں اور وہ پانی ستوؤں کی طرح ہوجائے تو وضوء جائز نہیں کہ اب اس پر پانی کا اطلاق نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی شیخ الاسلام غزی میں ہے:

ماء الصابون لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز الوضوء بہ وکذا لو اغلی بالاشنان وان ثخن لا کما فی البزازیۃ۔[2]

صابون کا رقیق پانی جو اعضاء پر بہے اس سے وضو جائز ہے، اسی طرح اگر پانی میں اُشنان ڈال کر جوش دیا گیا تو وضوء جائز ہے اگر وہ گاڑھا ہوجائے تو وضو جائز نہیں کما فی البزازیہ۔ (ت)

خانیہ میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے:

وکذا لو طبخ بالماء ما یقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف کالسدر والحرض وان تغیر لونہ ولکن لم تذھب رقتہ یجوز وان صار ثخینا مثل السویق لا۔[3]

اور اسی طرح اگر پانی میں ایسی چیز کو جوش دیا گیا جس سے نظافت میں مبالغہ مقصود ہو، جیسے بیری (کے پتے) اور حرض، خواہ اس کا رنگ بدل جائے لیکن اس کی رقت ختم نہ ہو تو اس سے وضوء جائز ہے اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھی ہوجائے تو جائز نہیں۔ (ت)

مُنیہ وغُنیہ میں ہے:

(ذکر فی المحیط لو توضأ بماء اغلی باشنان او باٰس جاز الوضوء بہ مالم یغلب علیہ) بان اخرجہ عن رقتہ۔[4]

(محیط میں ذکر کیا کہ اگر کسی نے ایسے پانی سے وضوء کیا جس کو اُشنان یا آس (ایک درخت جو ریحان کے نام سے مشہور ہے) میں جوش دیا گیا تو اس سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ وُہ پانی پر غالب نہ ہو کہ اس کو اس کی رقّت سے نکال دے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری نقلا

ذخیرہ اور تتمہ فتاوٰی صغری میں ابو یوسف سے

---

[1] الہدایۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸
[2] فتاوٰی غزی
[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لا یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[4] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ اذا طبخ الآس او البابونج فی الماء فان غلب علی الماء حتی یقال ماء البابونج والآس لایجوز التوضی به انتهی وعزی الی الاجناس بما نصه قال محمد رحمه الله تعالیٰ فی الماء الذی یطبخ فیه الریحان او الاشنان اذا لم یتغیر لونه حتی یحمر بالاشنان او یسود بالریحان وکان الغالب علیه الماء فلا باس بالوضوء به فمحمد یراعی لون الماء وابو یوسف غلبة الاجزاء ثم فی التتمة والذخیرة والحاصل من مذهب ابی یوسف ان کل ماء خلط بشیء یناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء وهو التطهیر فالتوضی به جائز بشرط ان لا یغلب ذلک المخلوط علی الماء حتی لاتزول به الصفة الاصلیة وهی الرقة وذلک مثل الصابون او الاشنان وان کان ذلک المخلوط لایناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء ففی بعض الروایات اشترط لمنع جواز التوضی غلبة ذلک الشیء الماء وفی بعض الروایات لم یشترط ومحمد اعتبر فی جنس هذه المسألة غلبة المخلوط الماء لمنع جواز التوضی ولکن فی بعضها اشار الی الغلبة من حیث اللون وفی بعضها اشار الی الغلبة من حیث الاجزاء بحیث تسلب صفة الرقة من الماء ویبدلها بضدها

منقول ہے جب آس یا بابونہ کو پانی میں ابالا جائے اور وہ پانی پر غالب آجائے یہاں تک کہ بابونہ یا آس (ایک درخت جو ریحان کے نام سے مشہور ہے) کا پانی کہلانے لگے تو اس سے وضوء جائز نہیں انتہیٰ، اور اجناس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ امام محمد نے اُس پانی کی بابت فرمایا جس میں ریحان (پھول) یا اُشنان کو جوش دیا گیا ہو اور اس کا رنگ تبدیل نہ ہوا ہو، یعنی نہ تو اشنان کی وجہ سے سرخ ہوا ہو اور نہ ریحان کی وجہ سے سیاہ ہوا ہو، اور اس پر پانی ہی کا غلبہ ہو تو اس سے وضوء کرنے میں حرج نہیں، تو امام محمد پانی کے رنگ کا اعتبار کرتے ہیں اور ابو یوسف غلبۂ اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، پھر تتمہ اور ذخیرہ میں ہے کہ ابو یوسف کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو پانی سے مناسبت رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے جو مقصود ہے اس کے مطابق ہو اگر وہ پانی میں مل جائے تو وہ مطہر ہے اس سے وضوء جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ مخلوط شئے پانی پر غالب نہ ہو تاکہ پانی کی صفت اصلیہ یعنی رقّت زائل نہ ہو۔ اس کی مثال صابون اور اُشنان ہے اور اگر یہ مخلوط پانی سے مناسبت نہ رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے جو مقصود ہے اس سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو بعض روایات کے مطابق اس سے وضوء کا عدم جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہو گا کہ یہ شئی پانی پر غالب آجائے اور بعض روایات میں کوئی شرط نہیں، اور امام محمد اس طرح کے مسئلہ میں پانی پر مخلوط شئی کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے وضوء جائز قرار نہیں دیتے

وھی الثخونۃ انتھی[1]
لیکن بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلبہ سے مراد رنگ میں غلبہ ہے اور بعض میں اشارہ غلبہ من حیث الاجزاء مراد ہے کہ پانی کی صفت رقت سلب ہوجائے اور اس کے بدلے میں گاڑھاپن اس میں پیدا ہوجائے انتہٰی۔ (ت)

نیز حلیہ میں ایک کلام بدائع نقل کرکے فرمایا :

ذکر فیھا وفی التحفۃ ومحیط رضی الدین و فتاوی قاضی خان وغیرھا اذاکان المخالط مما یطبخ الماء بہ اویخلط لزیادۃ التطھیر لایمنع التوضی بہ ولوتغیرلون الماء وطعمہ وذلک کالصابون والاشنان والسدر الا اذا صار غلیظا بحیث لایجری علی العضو فانہ حینئذ لایجوز لانہ زال عنہ اسم الماء اھ[2]۔

اس میں اور تحفہ اور محیط رضی الدین اور فتاوٰی قاضیخان وغیرہ میں ذکر کیا کہ پانی میں مخلوط شَے اگر اس قسم کی ہے کہ اس کو پانی میں پکانے یا خلط کرنے سے مقصود تطہیر میں زیادتی ہوتی ہے تو اس سے وضوء جائز ہے اگرچہ پانی کا رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو، جیسے صابن، اشنان اور بیری (کے پتے)، ہاں اگر پانی اتنا گاڑھا ہوگیا کہ اس کا سیلان ختم ہوگیا اور وہ عضو پر بہنے کے لائق بھی نہ رہا، تو اس صورت میں اس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ہی سلب ہوگیا ہے اھ۔ (ت)

اقول واضفت الخطمی اخذا مما قالوہ فی الجنائز یغسل رأسہ ولحیتہ بالخطمی ان وجد والا فبالصابون ونحوہ[3] تنویر وفی التبیین اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغسل رأسہ بالخطمی وھو جنب واکتفی بہ ولم یصب علیہ الماء[4]۔

میں کہتا ہوں میں نے مذکورہ اشیاء میں خطمی کا اضافہ کیا ہے، یہ فقہاء کے اُن اقوال کی روشنی میں ہے، جو اُنہوں نے جنائز میں ذکر کیے ہیں فرماتے ہیں میّت کے سر اور داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے اگر میسر ہو، ورنہ صابن وغیرہ سے دھوئیں اور یہ تنویر میں ہے، اور تبیین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور جنابت کی حالت میں اپنے سر کو خطمی سے دھویا اور اسی پر اکتفا کیا اور اس پر مزید پانی نہ بہایا۔ (ت)

---

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] درمختار صلوٰۃ الجنائز مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[4] تبیین الحقائق کتاب الطہارت بولاق مصر ۱/۲۱

(۱۰۸ و ۱۰۹) اقول دوا یا غذا پانی میں پکانے کو ڈالی اور آنچ کی مگر وُہ شے ابھی کچی ہے اور پانی گاڑھا نہ ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے،

لانہ لم یوجد الطبخ ولا زوال الطبع فلا زوال الاسم قال ش عن القاموس الطبخ ھو الانضاج[ع۱] استواء اھ[۱] وقال فی الغنیۃ القاعدۃ فی المخالطۃ بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء[۲]۔

کیونکہ اس میں نہ تو پکانا پایا گیا ہے اور نہ ہی طبیعۃ مار زائل ہُوئی تو اسم کبھی زائل نہ ہوا، "ش" نے قاموس سے نقل کرتے ہوئے فرمایا طبخ کے معنی استواء پکانے کے ہیں اھ اور غنیہ میں فرمایا مخالطۃ بالطبخ میں قاعدہ یہ ہے کہ مطبوخ پانی میں پک جائے۔ (ت)

(۱۱۰) اقول یونہی چائے دم کرنے کو گرم پانی میں ڈالی یا جوش ہی میں شریک کی اور جلد نکال لی کہ اثر نہ کرنے پائی اس قابل نہ ہُوا کہ اُسے چائے کہہ سکیں اگرچہ ہلکی سے ہلکی، تو اُس سے بھی وضوء میں حرج نہیں لبقاء الاسم والطبع وایضا عدم الانضاج والطبخ (کیونکہ پانی کا نام اور طبیعت باقی ہے اور پکنا پکانا بھی نہیں پایا گیا۔ ت) یہاں پانی کی رنگت پر نظر ہوگی اور صورت سابقہ میں اُس کی رقت اور شے جوشاندہ کی حالت پر۔

(۱۱۱ تا ۱۱۴) عرق گاؤزبان یا اُترے ہوئے گلاب کیوڑا بید مشک جن میں خوشبو نہ رہی اور اتنے ہلکے ہیں کہ کوئی مزہ بھی محسوس نہیں ہوتا پانی میں کسی قدر مل جائیں جب تک پانی سے مقدار میں کم ہوں گی مثلاً لبالب گھڑے میں وہی گھڑا اگلے تک بھرا تو اُس سے وضو ہوسکتا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

انکان مائعا موافقاللماء فی الاوصاف الثلثۃ کالماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان الثور وماء الورد الذی انقطعت[ع۲] رائحتہ

اگر کوئی مائع پانی کے ساتھ اوصاف ثلثہ میں مطابقت رکھتا ہے اور رقیق ہے جیسے وُہ پانی جو عمل تقطیر کے ذریعہ گاؤ زبان سے حاصل کیا جائے اور گلاب کا

ع۱ سیاتی مافیہ فی الفصل الثالث بیان الطبخ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس میں ایک اعتراض ہے جو فصل ثالث میں طبخ کے بیان میں آئے گا۔ (ت)

ع۲ وزدت انقطاع الطعم لما ستعلم ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اور میں نے انقطاع طعم کا اضافہ کیا ہے اسکی وجہ ان شاء اللہ تعالٰی آپ جان لیں گے۔ (ت)

---

[۱] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵

[۲] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

اذا اختلط بالمطلق فالعبرۃ للاجزاء فان کان الماء المطلق اکثر جاز الوضوء بالکل وان کان مغلوبا لایجوز وان استویا لم یذکر فی ظاہر الروایۃ وفی البدائع قالوا حکمہ حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] اھ وعبارۃ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر تعتبر فیہ الغلبۃ بالاجزاء[2] اھ

پانی جس کی خوشبو جاتی رہی ہو جب وہ مطلق پانی کے ساتھ ملایا جائے تو اعتبار اجزاء کا ہوگا تو اگر مطلق پانی زیادہ ہو تو سب سے وضوء جائز ہے اور اگر مغلوب ہو تو جائز نہیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو ظاہر روایت میں اس کا حکم مذکور نہیں اور بدائع میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی احتیاطاً وہی ہے جو مغلوب پانی کا ہے اھ اور درر میں ہے کہ جڑی بوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے اس میں اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

اقول ۱ واطلاقہ ینافی ضابطتہ التی تبع فیہا الامام الزیلعی فان من المستقطر ما یخالف الماء فی وصف او وصفین او الثلثۃ کما لایخفی۔

میں کہتا ہوں ان کا اس کو مطلق رکھنا ان کے اس ضابطہ کے منافی ہے جس میں انہوں نے امام زیلعی کی متابعت کی ہے، کیونکہ عمل تقطیر سے جو پانی حاصل ہوتا ہے وہ عام پانی سے ایک وصف یا دو یا تین میں مختلف ہوتا ہے کما لایخفی۔ (ت)

(۱۱۵) یونہی ہر عرق کہ پانی سے رنگ ومزہ وبُو کسی میں ممتاز نہ ہو جیسے عطاروں کے یہاں کے اکثر عرق۔

ثم اقول کمی بیشی میں اعتبار مقدار کا ہے اور ان میں بہت چیزیں پانی سے ہلکی ہوتی ہیں تو اگر وزن میں کمی لی جائے بارہا مقدار میں بیشی ہوجائے گی لہذا ہم نے لبالب گھڑے اور گلے تک بھرے سے تمثیل دی

وبہ ظہر ۲ ما فی عبارۃ المنحۃ حیث فسر العبرۃ للاجزاء بقولہ ای القدر والوزن[3] اھ وفی عبارۃ ابی السعود اذ قال الغلبۃ من حیث الوزن[4] وقد ۳ نص محمد ان الماء کیلی

اور اسی سے وہ ظاہر ہوا جو منحہ کی عبارت میں ہے، جہاں انہوں نے اجزاء کی تعبیر مقدار اور وزن سے کی ہے، اور جو ابو السعود کی عبارت میں ہے، اس لئے کہ غلبہ وزن کے اعتبار سے ہے اور امام محمد نے

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹

[2] درر علی الغرر فرض الغسل کاملیہ بیروت ۱/ ۲۳

[3] منحۃ الخالق علی البحر الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹

[4] فتح المعین ؍؍ ؍؍ ۱/ ۶۴

واجمع ائمتنا انہ لیس وزنیا وقال العینی ثم ابن الشلبی لوکان الماء رطلین والمستعمل رطلا فحکمہ حکم المطلق وبالعکس کالمقید[1] اھ ولکن العجب من العلامۃ الشرنبلالی قال فی نور الایضاح وشرحہ الغلبۃ فی مائع لا وصف لہ یخالف الماء تکون بالوزن فان اختلط رطلان من المستعمل او ماء الورد الذی انقطعت رائحتہ برطل من الماء المطلق لایجوز بہ الوضوء وبعکسہ جاز اھ فذکر الوزن وعاد الی الکیل[2]

تصریح کی ہے کہ پانی کیلی چیز ہے اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ پانی وزنی چیز نہیں، اور عینی نیز ابن الشلبی نے فرمایا کہ اگر پانی دو رطل ہے اور مستعمل ایک رطل ہے تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے اور اگر بالعکس ہو تو اس کا حکم مقید کا سا ہے اھ لیکن علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے انہوں نے نور الایضاح اور اس کی شرح میں فرمایا کہ سیال چیز جس کا کوئی وصف ایسا نہ ہو جو پانی کے مخالف ہو، تو غلبہ وزن کے اعتبار سے ہوگا تو اگر دو رطل مستعمل پانی یا گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو ایک رطل مطلق پانی میں ملے گا تو اس سے وضوء جائز نہ ہوگا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وضو جائز ہے اھ تو ذکر وزن کا کیا اور لوٹ کر کیل کی طرف آئے۔ (ت)

نوع آخر اس نوع میں وہ اشیاء مذکور ہوں گی جن کی بعض صورتوں میں حکم منقول[ع] کتب کچھ ہے اور

ع **تنبیہ ضروری**: واضح ہو کہ مائے مقید میں ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول صرف دو قول ہیں:

اول قولِ امام ابو یوسف جنہوں نے تبدلِ اوصاف آب کا اعتبار ہی نہ فرمایا صرف غلبۂ اجزاء اُن معانی پر کہ فصل ثالث میں بیان ہوں گے معتبر رکھا اور یہی صحیح و معتمد و مختار جمہور ہے۔

دوم قولِ امام محمد جس میں تبدل اوصاف پر بھی لحاظ فرمایا یہاں ہم کو ضابطۂ امام زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر کلام کرنا منظور ہے انہوں نے بھی لحاظِ اوصاف کیا ہے تو قول امام ابی یوسف کا خلاف تو ابتدا ہی سے ہُوا قولِ امام محمد پر جو احکام کتب میں منقول ہیں اُن سے ضابطۂ زیلعیہ کا موازنہ کرنا ہے کہ اتنی جگہ اس کے موافق پڑا اور ان ان مواضع میں اس کے بھی خلاف رہا تو اقوالِ ائمۂ مذہب سے یکسر خارج ہُوا ان مباحث میں اتفاق اختلاف سے یہی مراد ہے کہ مذہب امام محمد پر احکام منقولہ اور مقتضائے زیلعیہ کا توافق یا تخالف ورنہ اصل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] الشلبی علی التبیین الطہارت بولاق مصر ۱/۲۰

[2] مراقی الفلاح " " ص ۱۷

ضابطۂ امام زیلعی جس کا بیان بعونہٖ تعالٰی فصل چہارم میں آتا ہے اس کا مقتضٰی کچھ۔ ان اشیاء کی جس صورت میں حکم منقول مقتضائے ضابطہ جواز پر متفق ہیں وہ اس قسم اول میں مذکور ہوگی اور جس میں عدم جواز پر متفق ہیں وہ قسم دوم میں اور جہاں دونوں مختلف ہیں وُہ صورتیں قسم سوم کے لیے ہیں۔ یہ اشیاء دو صنف ہیں :

صنف اوّل خشک چیزیں۔

(۱۱۶) پانی میں چھوہارے ڈالے اور ابھی تھوڑی دیر گزری کہ نبیذ نہ ہوگیا اگرچہ خفیف سی شیرینی اس میں آگئی اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے کتاب المفید والمزید پھر عینی شرح صحیح بخاری و تبیین و حلیہ[ع] و ہندیہ وغیرہا میں ہے :

الماء الذی القی فیہ تمیرات فصار حلوا ولم یزل عنہ اسم الماء وھو رقیق یجوز بہ الوضوء بلاخلاف بین اصحابنا اھ[۱]

وہ پانی جو کھجوروں کے ڈالے جانے کی وجہ سے میٹھا ہوگیا مگر اس کو پانی ہی کہا جاتا ہو اور اس کی رقّت بھی زائل نہ ہوئی تو اُس سے وضو کے جواز میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اھ (ت)

اقول اما ما فی البدائع لابد من معرفۃ نبیذ التمر الذی فیہ الخلاف وھو ان یلقی شیئ من التمر فی الماء فتخرج حلاوتہ الی الماء وھکذا ذکر ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تفسیر نبیذ التمر الذی توضأ بہ

میں کہتا ہوں بدائع میں ہے کہ وہ نبیذ تمر جس میں اختلاف ہے اس کی معرفۃ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں تو ان کی مٹھاس پانی میں آجائے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبیذ تمر کی یہی تفسیر منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مذہب صحیح معتمد کہ مذہب امام ابو یوسف ہے وہ تو صور عدم جواز میں ان کے اتفاق سے بھی بعض جگہ خلاف پڑے گا جسے ہم آخر میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی نیز ان نقول کے لانے میں بڑا فائدہ مذہب امام محمد پر اطلاع ہے کہ وہ بھی بجائے خود ایک باقوت قول ہے تو بنظرِ احتیاط اُس کا لحاظ مناسب و باللہ التوفیق ۱۲ منہ غفرلہ وحفظہ ربہ عزوجل (م)

ع عزاہ للحلیۃ فی الھندیۃ ولم ارہ فیھا لا فی التیمم ولا فی المیاہ فلعلہ ساقط من نسختی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ہندیہ میں حلیہ کی طرف نسبت کی ہے اور مجھے اس میں یہ بات نہیں ملی نہ باب التیمم میں نہ باب المیاہ میں شاید یہ میرے نسخہ سے ساقط ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[۱] فتاوٰی ہندیۃ فیما لایجوز بہ التوضؤ پشاور ۱/۲۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ الجن فقال تمیرات القیتھا فی الماء[1] اھ فیحمل علی ماحلا و خرج عن الاطلاق کیف و فی صدر الحدیث عند ابن ابی شیبۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لہ ھل معک من وضوء قال قلت لاقال فما فی اداوتک قلت نبیذ تمر قال تمرۃ حلوۃ وماء طیب[2] فلولا انہ خرج من الاطلاق لما قال لا۔

نے اسی سے لیلۃ الجن میں وضوء فرمایا تھا، آپ نے فرمایا میں نے کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی تھیں اھ تو اس کو اس پانی پر محمول کیا جائے جس میں مٹھاس پیدا ہوگئی ہو اور مطلق پانی سے نکل گیا ہو جیسا اس حدیث کی ابتدا میں بروایت ابن ابی شیبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس وضو کا پانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے توشہ دان میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا نبیذ تمر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو میٹھی کھجوریں اور پاک پانی ہے، تو اگر وہ پانی مطلق ہوتا تو آپ جواب میں نہ نہ فرماتے۔ (ت)

اقول وبھذا یضعف ما اجاب بہ ابنا حجر فی شرحی البخاری والمشکوۃ انہ محمول علی ماء القیت فیہ تمرات یابسۃ لم تغیر لہ وصفا قال العسقلانی وانما کانوا یصنعون ذلک لان غالب میاھھم لم تکن حلوۃ[3] اھ واستشعر المکی ان ھذا لایسمی نبیذا فقال وتسمیۃ ابن مسعود لہ نبیذا من مجاز الاول زاد او المراد بہ الوضع اللغوی وھو ماینبذ فیہ شیئ وان لم یغیرہ[4] اھ

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ دو شرحوں (شرح بخاری وشرح مشکوٰۃ) میں ابن حجر نے جو جواب دیا ہے وہ ضعیف ہے وہ جواب یہ ہے کہ ..... اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس میں خشک کھجوریں ڈال دی گئی ہوں جس نے پانی کا وصف نہ بدلا ہو، عسقلانی نے فرمایا اہلِ عرب ایسا اس لیے کرتے تھے کہ عام طور پر اُن کا پانی میٹھا نہیں ہوتا تھا اھ اور مکی نے فرمایا کہ اس کو نبیذ نہیں کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا ابن مسعود نے اس کو مجازاً نبیذ کہا تھا اول نے مزید فرمایا کہ یا اس سے مراد اس کے لغوی وضعی معنی ہیں، یعنی وہ پانی جس میں کوئی چیز ڈال دی جائے خواہ وہ اس پانی کو متغیر نہ کرے اھ۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ وضوء بالنبیذ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۶

[3] فتح الباری لایجوز الوضوء بالنبیذ بیروت ۱/۳۰۵

[4] شرح المشکوٰۃ لملا علی قاری باب احکام المیاہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۶۰

اقول ف۱ وکل ھذا کما تری خروج عن الظاھر غیر ان ملک العلماء قال بعد ما قدمنا عنہ لان من عادۃ العرب انھا تطرح التمر فی الماء الملح لیحلو[۱] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ تمام تاویلات ظاہر کے برخلاف ہیں، تاہم ملک العلماء نے اس تمام گفتگو کے بعد جو ہم نے اوپر ذکر کی، فرمایا: عرب کی عادت تھی کہ وہ کھاری پانی میں کھجوریں ڈالتے تھے تاکہ پانی میٹھا ہوجائے۔ (ت)

اقول ف۲ فھذا میل الی ما قالاہ ولا اراہ یستقیم اذ لوکان کذا لبقی علی مائیتہ وکان مطلقا فجاز بہ الوضوء مطلقا وقد قال الشیخ الامام فی اٰخر الکلام الجواز فی نبیذ التمر ثبت معدولا بہ عن القیاس لان القیاس یأبی الجواز الا بالماء المطلق وھذا لیس بماء مطلق بدلیل انہ لایجوز التوضؤ بہ مع القدرۃ علی الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص[۲] اھ ولذا احتجنا الی الجواب عن الحدیث بانہ منسوخ باٰیۃ التیمم ونوزع ولذا مال الاتقانی الی قول ف۳ محمد انہ یجمع بینھما لیقع الطھر بالیقین۔

میں کہتا ہوں یہ جواب بھی اُن دو حضرات کے قول کی طرف میلان ہے، مگر میرے نزدیک یہ جواب درست نہیں، کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو پانی کا نام باقی رہتا اور مطلق رہتا اور اس سے مطلقاً وضوء جائز ہوتا۔ شیخ نے آخر میں فرمایا نبیذ تمر سے وضوء کا جواز قیاس کے برخلاف ثابت ہے، کیونکہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ وضو صرف مطلق پانی سے ہی جائز ہو، اور یہ مطلق پانی نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ماء مطلق پر قدرت ہوتے ہُوئے اُس سے وضوء جائز نہیں، لیکن اس کا جواز ازروئے نص ثابت ہے، اھ اس لیے ہمیں ضرورت ہوئی کہ ہم حدیث کا جواب دیں، اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت تیمم سے منسوخ ہے، اور اس لیے اتقانی امام محمد کے قول کی طرف مائل ہُوئے کہ وضوء اور تیمم دونوں کو جمع کیا جائے تاکہ طہارت بالیقین حاصل ہوجائے۔ (ت)

اقول وھو حسن جدا واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ جواب بہت اچھا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۱۷) اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ اگر پانی میں شکر یا بتاشے اتنے کم پڑے کہ شربت کی حد تک

---

[۱] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
[۲] ایضاً

نہ پہنچی اگرچہ ایک ہلکی سی مٹھاس آگئی تو اُس سے وضوء روا ہے۔

(۱۱۸) **اقول** یُوں ہی دوا پانی میں بھگوئی جب تک پانی میں اُس کا اثر نہ آجائے کہ اب اسے دوا کہیں پانی نہ کہیں اُس وقت تک اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ پانی کے اوصاف بدل جائیں وکفی شاھدا علیہ مسألۃ الاوراق فی الحیاض (اس پر دلیل حوضوں میں پتّوں کا مسئلہ کافی ہے۔ ت)

(۱۱۹) کسم

(۱۲۰) کیسر

(۱۲۱) کسیس

(۱۲۲) مازو

یہ چیزیں اگر پانی میں اتنی کم حل ہُوئیں کہ پانی رنگنے یا لکھنے حرف کا نقش بننے کے قابل نہ ہوگیا تو اُس سے بالاتفاق وضوء جائز ہے۔

وذلك ان العبارات جاءت فیہا علی اربعۃ مسالك **الاوّل** یجوز مطلقا مالم تغلب علی الماء بالاجزاء قال فی الھدایۃ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباھہ مما لیس من جنس الارض لانہ ماء مقید الا تری انہ یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنھا عادۃ ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الا تری انہ لم یتجدد لہ اسم علیحدۃ واضافتہ الی الزعفران کاضافتہ الی البئر والعین ولان الخلط القلیل لامعتبر بہ لعدم امکان الاحتراز عنہ کما فی اجزاء الارض فیعتبر الغالب والغلبۃ بالاجزاء لابتغیر اللون ھو الصحیح[1] اھ

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبارات اس سلسلہ میں چار مسالک پر مشتمل ہیں:

پہلا مسلک: وضوء مطلقاً جائز ہے تاوقتیکہ اُس کے اجزاء پانی پر غالب نہ ہوجائیں، ہدایہ میں ہے امام شافعی نے فرمایا زعفران اور اسی کی مثل دوسری اشیاء کے پانی سے وضوء جائز نہیں یعنی وہ اشیاء جو زمین کی جنس سے نہیں، کیونکہ یہ مقید پانی ہے۔ اس لئے کہتے ہیں زعفران کا پانی، اور زمین کے اجزاء کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ پانی عام طور پر ان اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے کیونکہ اس کا کوئی نیا نام نہیں ہے، اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنوئیں اور چشمے کی طرف ہوتی ہے اور تھوڑی ملاوٹ کا

---

[1] ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

وفی الانقرویة یجوز التوضی بماء الزعفران عندنا وعند الشافعی لایجوز[1] اھ وفی الظھیریة ثم البحر وفی الخانیة اذا طرح الزاج فی الماء حتی اسود (زاد فی الخانیة لکن لم تذھب رقتہ) جاز بہ الوضوء[2] اھ ومثل الخانیة فی المنیة عن الملتقط وزاد وکذا العفص اھ قال فی الغنیة[ع۵] جاز مع تغیر لونہ وطعمہ وریحہ[3] اھ وفی الخانیة لا بماء ورد وزعفران اذا ذھبت رقتہ وصار ثخینا وان بقیت رقتہ ولطافتہ جاز[4] اھ وفی جواھر الاخلاطی اذا خالط شیئ من الطاھرات ولم یطبخ کالزعفران والزردج یجوز التوضی بہ[5] اھ ای وقید بقاء الرقة معلوم لاحاجة الی ابانتہ وفی مسکین علی الکنز لایجوز بما غلب علیہ

کوئی اعتبار نہیں کہ اُس سے بچنا ممکن نہیں، جیسا کہ زمین کے اجزاء میں ہوتا ہے، تو غالب کا اعتبار ہوگا اور غلبہ باعتبارِ اجزاء ہوتا ہے نہ کہ رنگ کے بدلنے سے، یہی صحیح ہے اھ اور فتاوی انقرویہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک زعفران کے پانی سے وضوء جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اھ، ظہیریہ، بحر اور خانیہ میں ہے کہ جب زردج پانی میں ڈالا گیا اور پانی سیاہ ہوگیا (خانیہ میں یہ اضافہ بھی ہے مگر اسکی رقت زائل نہ ہوئی) تو اس سے وضوء جائز ہے اھ اور خانیہ کی طرح منیہ میں ملتقط سے منقول ہے اس میں عفص کا اضافہ بھی ہے اھ غنیہ میں ہے اس کے مزے بُو اور رنگ کے بدل جانے کے باوجود وضوء جائز ہے اھ اور خانیہ میں ہے نہ کہ گلاب اور زعفران کے پانی سے جبکہ اس کی رقّت ختم ہوجائے اور گاڑھا ہوجائے، اور اگر اس کی رقّت ولطافت باقی رہے تو اُس سے وضوء جائز ہے اھ جواہر اخلاطی میں ہے کہ جب کوئی پاک شیئ پانی میں مل جائے اور اس کو

ع۵ وفی صغیرہ القلیل من الزعفران یغیر الاوصاف الثلثة مع کونہ رقیقا فیجوز الوضوء والغسل بہ ۱۲ منہ (م)

اور اسکی شرح صغیر میں ہے کہ تھوڑی زعفران پانی کے تینوں اوصاف کو بدل دے مگر پانی رقیق ہو تو اس سے وضوء اور غسل جائز ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] رسائل الارکان بالمعنی فصل فی المیاہ مطبع علوی ص ۲۴

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[3] غنیة المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[4] فتاوٰی خانیة المعروف قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۹

[5] جواہر الاخلاطی

غیر الماء مثل الزعفران اجزاء وھو احتراز عن الغلبۃ لونا وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی[1] اھ وفی وجیز الکردری ماء الزردج والصابون والعصفر والسیل لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[2] اھ بل فی الغرر یجوز وان غیر اوصافہ جامد کزعفران وورق فی الاصح[3] وفی نور الایضاح لایضر تغیر اوصافہ کلھا بجامد کزعفران[4] اھ فھذہ نصوص متظافرۃ اما ما فی الخانیۃ التوضؤ بماء الزعفران وزردج العصفر یجوز ان کان رقیقا والماء غالب فان غلبتہ الحمرۃ وصار متماسکا لا یجوز[5] اھ۔

پکایا نہ گیا ہو جیسے زعفران اور زردج، تو اس سے وضوء جائز ہے اور رقت کے بقاء کی قید سب کو معلوم ہے لہذا اظہار کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور مسکین علی الکنز میں ہے کہ جب پانی پر کسی دوسری شَے کا غلبہ ہو جائے تو اس سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران جبکہ یہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہو، اور اجزاء کی قید سے لون (رنگ) اس سے خارج ہو گیا اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اھ اور وجیز کردری میں ہے کہ زردج، صابون، عصفر اور سیلاب کا پانی اگر رقیق ہو اور یہ پانی عضو پر بہہ سکتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اھ بلکہ غرر میں ہے کہ اگرچہ کوئی جامد چیز اس کے اوصاف کو بدل دے تو بھی وضو جائز ہے جیسے زعفران اور پتے، اصح قول کے مطابق۔ اور نور الایضاح میں ہے کہ کسی جامد چیز کا پانی کے اوصاف کو متغیر کر دینا مضر نہیں، جیسے زعفران اھ تو یہ نصوص ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، اور جو خانیہ میں ہے کہ زعفران، زردج، عصفر کے پانی سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ رقیق ہو اور پانی کا غلبہ ہو پس اگر اس پر سرخی غالب ہو جائے اور گاڑھا ہو جائے تو وضوء جائز نہیں اھ (ت)

فاقول اولہ صریح فی اعتبار الرقۃ وفی اٰخرہ وان ذکر الحمرۃ فقد تدارکہ بقولہ وصار متماسکا فلم یکتف بغلبۃ اللون مالم یثخن ثم اکدہ بان قال

میں کہتا ہوں اس کی ابتداء رقت کے اعتبار میں صریح ہے اور اس کے آخر میں اگرچہ سرخی کا ذکر ہے لیکن اس کا تدارک اس لفظ سے کر دیا کہ وہ گاڑھا ہو جائے، تو جب تک گاڑھا نہ ہو رنگ کے غلبہ کا

---

[1] فتح المعین کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳

[2] فتاوی بزازیۃ علی الھندیۃ نوع المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰

[3] الغرر متن الدرر کتاب الطھارۃ مطبعۃ کاملیہ بیروت ۱/۲۱

[4] نور الایضاح کتاب الطہارت مطبعۃ علیمیہ لاہور ص ۳

[5] فتاوی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی مطبعۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۹

متصلا به اما عند ابی یوسف رحمه الله تعالی تعتبر الغلبة من حیث الاجزاء لا من حیث اللون هو الصحیح اھ[1] ومثل هذا ما فی الخلاصة رجل توضأ بماء الزردج او العصفر او الصابون ان کان رقیقا یستبین الماء منه یجوز وان غلبت علیه الحمرة وصار نشاستج لا یجوز اھ[2] فصرح بالبناء علی الثخونة وبقی ذکر الحمرة فی الکتابین کالمستدرک[ع]۔

اعتبار نہیں پھر اس کی تائید میں متصلاً فرمایا کہ ابو یوسف کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے غلبہ معتبر ہے رنگ کے اعتبار سے نہیں، یہی صحیح ہے اھ اور اسی کی مثل خلاصہ میں ہے کہ کسی شخص نے زردج، عصفر یا صابن کے پانی سے وضو کیا، اگر وہ رقیق ہو جس سے پانی واضح ہوتا ہو تو وضو جائز ہے اور اگر اس پر سُرخی غالب ہوگئی ہو اور نشاستہ بن گیا ہو تو وضو جائز نہیں اھ تو اس میں اس کی تصریح ہے کہ دارومدار گاڑھے پن پر ہے اور دونوں کتابوں میں سرخی کا ذکر مستدرک کی طرح ہے۔ (ت)

الثانی لا یجوز مطلقا فی شرح الطحاوی ثم خزانة المفتین المقید مثل ماء الاشجار والثمار وماء الزعفران اھ[3] وفی المنیة لا تجوز بالماء المقید کماء الزعفران اھ[4] قال فی الحلیة محمول علی ما اذا کان الزعفران غالبا اھ[5]

دُوسرا مسلک: مطلقاً جائز نہیں، شرح طحاوی اور خزانۃ المفتین میں ہے مقید جس طرح درخت، اور پھلوں کا پانی اور زعفران کا پانی اھ اور منیہ میں ہے کہ مقید پانی سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران کا پانی اھ حلیہ میں کہا کہ یہ اُس صورت پر محمول ہے جبکہ زعفران غالب ہو اھ۔ (ت)

اقول هذا مبهم یحتمل الغلبة

میں کہتا ہوں یہ مبہم ہے اس میں اجزاء کے

ع سیأتی فائدة له اخر الضابطة السادسة من الفصل الثالث ولذا قال کالمستدرک ای فی النظر الظاهر ۱۲ منه غفر له (م)

تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ کے آخر میں اس کے لیے ایک فائدہ بیان کیا ہے اس لیے فرمایا کالمستدرک یعنی نظر ظاہر میں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتاوی قاضی خان فیما لا یجوز به التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[2] خلاصة الفتاوی بیان الماء المقید " " ۱/۸
[3] خزانة المفتین
[4] منیة المصلی فصل فی المیاه مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳
[5] حلیة

بالاجزاء و باللون وافصح فی الغنیة فقال المراد ما ثخن به و خرج عن الرقة او ما یستخرج منه رطبا کما یستخرج من الورد اھ[1]

اعتبار سے بھی غلبہ کا احتمال ہے اور رنگ کے اعتبار سے بھی ہے، اور غنیہ میں وضاحت ہے، فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو گاڑھا ہوگیا ہو اور رقت ختم ہوگئی ہو، یا وہ ہے جو اس سے تر نکلتا ہو جیسا کہ گلاب سے نکلتا ہے اھ (ت)

اقول فعلی الثانی یخرج من البین و علی الاول یرجع الی الاول وھو الذی نص علیه فی المنیة نفسھا من بعد اذ قال تجوز الطھارة بالماء الذی اختلط به الزعفران بشرط ان تکون الغلبة للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنه اسم الماء اھ[2]

میں کہتا ہوں تو دوسری صورت میں یہ اختلافی صورت سے الگ ہوجائیگا، اور پہلی صورت میں پہلی کی طرف رجوع کرے گا یہ وہ ہے جس پر منیہ میں صراحت ہے، انہوں نے کہا کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں زعفران ملائی گئی ہو بشرطیکہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو غلبہ ہو اور پانی کا اطلاق اس پر ہوتا ہو۔ (ت)

الثالث یجوز[ع۵] مالم یصلح للصبغ والنقش فی الفتح والحلیة صرح فی التجنیس

تیسرا مسلک: اس سے وضو جائز ہے جو رنگنے اور نقش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ فتح اور

ع۵ فی الارکان الاربعة للمولی بحر العلوم اللکنوی لایجوز التوضی بماء الزعفران و العصفر والزردج اذا کان بحیث یلون البدن اوالثوب لانه ذھب اسم الماء حقیقة و اما اذا صار بلیدا فلیس ماء مطلقا ولا ماء مقیدا فلا یطلق علیه الماء لاحقیقة ولا مجازا اھ

بحر العلوم کی ارکان اربعہ میں ہے زعفران، عصفر اور زردج کے پانی کے ساتھ وضوء جائز نہیں جبکہ وہ بدن یا کپڑے کو رنگ دے کیونکہ اب حقیقةً پانی کا نام اس سے ختم ہوگیا اور جب وہ گاڑھا ہوجائے تو نہ مطلق پانی ہے اور نہ مقید پانی ہے اور اس پر نہ تو پانی کا حقیقةً اطلاق ہوتا ہے اور نہ مجازاً اھ

اقول فیه اولا ان ما صلح منه للصبغ لم یتبدل ذاتا فی الحقیقة انما تغیر وصف له فھو ماء حقیقة نعم لم یبق ماء

میں کہتا ہوں اولاً اگر پانی رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پانی ذات کے اعتبار سے حقیقةً نہیں بدلا، صرف اس کا وصف بدلا ہے، تو وہ حقیقةً پانی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

۱؎ غنیة المستملی فصل احکام المیاہ مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

۲؎ غنیة المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مطلقا الا ان یرید الحقیقة العرفیة المفهومة عند الاطلاق ۔

و[۱] ثانیا سیفصل عنه الثخین بانه لیس ماء مطلقا ولا مقیدا فقد افاد ان هذا ماء مقید فکیف لایکون ماء حقیقة فان المطلق والمقید صنفان من الماء ۔

و[۲] ثالثا الثخین وان لم یبق ماء اصلا علی ما افاده فی الفتح فلا مانع من اطلاق الماء مجازا باعتبار ما کان ۔

و[۳] رابعا الحکم المنقول فی ماء الزردج ماقدمنا فی ۱۸ من ان العبرة بالرقة ولم ار ما وقع ههنا لغیره ویظهر لی ان لا محل له لانه لیس مما یصبغ به کما تقدم ثمه وکونه ممایلون الثوب ان اصابه لایجعله نوعا اٰخر غیر الماء مادام رقیقا اذ الانواع عندنا بالاغراض الا تری ان التمر والزبیب اذا القیا فی الماء یغیران لونه وطعمه قبل ان یصیرا نبیذا و یجوز الوضوء به بالاجماع کما مر فی ۱۱۶ مع انهما لو اصابا ثوبا ابیض لوناه و ذلك لان المقصود ههنا النبیذ دون الصبغ فلا یزول الاسم الا بحصول المقصود علیه الرحمة ۔ اربع معروضات[ت] علی المولی بحر العلوم عبد العلی اللکنوی[و۱،۲،۳،۴]

صرف مطلق پانی نہیں رہا، ہاں اگر حقیقۃ عرفیہ کا ارادہ کیا جائے جو اطلاق کے وقت سمجھی جاتی ہے تو اور بات ہے۔

ثانیاً گاڑھا ہونے سے وہ نہ مطلق پانی رہا اور نہ مقید، تو انہوں نے بتایا کہ یہ مقید پانی ہے۔ اس صورت میں وہ حقیقۃً پانی کیوں نہ ہوگا کیونکہ مطلق اور مقید دونوں ہی پانی کی اقسام ہیں۔

ثالثاً گاڑھا اگرچہ فتح کے بقول پانی نہ رہا تو باعتبار ما کان مجازاً اس پر پانی کے اطلاق میں کوئی مانع نہیں۔

رابعاً وہ حکم جو زردج کے پانی کی بابت منقول ہے جو ہم نے ۱۸ میں نقل کیا کہ اعتبار رقت کا ہے اور میں نے دوسروں کا بیان نہیں دیکھا اور مجھے لگتا ہے کہ اس کا یہاں محل نہیں، کیونکہ اس سے رنگا نہیں جاتا ہے جیسا کہ وہاں گزرا اور اس کے کپڑے کو رنگنے سے اگر کپڑے کو لگ جائے اسکا ایک مستقل نوع بنانا لازم نہیں آتا جب تک وہ رقیق ہے دوسری نوع نہیں بنے گا کیونکہ ہمارے نزدیک انواع اغراض سے وجود میں آتی ہیں، مثلاً کھجور اور منقی جب پانی میں ڈالے جائیں تو وہ اس کے رنگ اور مزے کے بدل دیتے ہیں، اور ابھی وہ نبیذ نہیں بنا ہوتا ہے، اور اس سے وضو بالاجماع جائز ہوتا ہے جیسا کہ ۱۱۶ میں گزرا حالانکہ اگر یہ دونوں چیزیں سفید کپڑے کو لگ جائیں تو اس کا رنگ بدل دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود نبیذ ہے نہ کہ رنگ، تو اس کا نام اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک مقصود حاصل نہ ہو۔ یہ چار معروضات بحرالعلوم پر ہیں۔ (ت)

قول الجرجانی اذا طرح الزاج او العفص فی الماء جاز الوضوء بہ ان کان لا ینقش اذا کتب فان نقش لا یجوز والماء ھو المغلوب[1] اھ و مثلہ فی الھندیۃ عن البحر عن التجنیس من قولہ اذا طرح الی قولہ لا یجوز و فی القنیۃ ثم معراج الدرایۃ ثم البحر ثم الدر ثم فتح اللہ المعین الزعفران اذا وقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق[2] اھ

الرابع یجوز مالم یغلب لونھا لون الماء فی الشلبیۃ عن یحیی عن الامام القاضی الاسبیجابی الماء ان اختلط بہ طاھر فان غیر لونہ فالعبرۃ للون فان کان الغالب لون الماء جاز الوضوء بہ والا فلا وذلک مثل اللبن والخل والزعفران یختلط بالماء[3] اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین والبرجندی۔

اقول قدمنا ۱۱۶ اجماع اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم علی جواز الوضوء بماء القی فیہ تمیرات فحلا ولم یصر نبیذا و معلوم قطعا ان اللون اسبق تغیرا فیہ من الطعم فاستقر الاجماع علی ان تغیر اللون و

اجزاء، کے جرجانی کا قول ہے جب زاج یا عفص پانی میں ڈالا جائے تو اس سے وضوء جائز ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب اس کے ذریعہ لکھنے سے نقش نہ آتا ہو اگر نقش آئے تو جائز نہیں، جبکہ پانی مغلوب ہو اھ، اور اسی کی مثل ہندیہ میں بحر سے تجنیس سے ہے، ان کے قول اذا طرح سے لا یجوز تک اور قنیہ، معراج، بحر، در پھر فتح اللہ المعین میں ہے کہ اگر زعفران پانی میں پڑ جائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے اھ

چوتھا مسلک: وضوء جائز ہے جب تک اس کا رنگ پانی کے رنگ پر غالب نہ ہو، شلبیہ میں یحیٰی سے امام قاضی اسبیجابی سے منقول ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے رنگ کو بدل دے تو اعتبار رنگ کا ہوگا اگر پانی کا رنگ غالب ہو تو وضوء جائز ہے ورنہ نہیں، مثلاً دودھ، سرکہ اور زعفران پانی میں مل جائے اھ اسی کی مثل خزانۃ المفتین اور برجندی میں ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں ہم نے ۱۱۶ میں اپنے اصحاب کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں تو نبیذ بننے سے پہلے پہلے اس میں مٹھاس آجائے اور یہ قطعی معلوم ہے کہ رنگ مزہ کے متغیر ہونے سے پہلے بدل جاتا ہے تو اجماع اس پر قائم ہے کہ

۱؎ فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء و ما لا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

۲؎ دُرِ مختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۵

۳؎ شلبی علی التبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

الطعم بجامد لا يضر ما لم يزل الاسم فيجب
حمل هذا الرابع وكذا الثاني على الثالث ثم
قد انعقد الاجماع والاطباق ÷ من جميع
الحذاق ÷ بغير خلف و شقاق ÷ ان زوال
الاسم يسلب الاطلاق ÷ كيف وانما عين
الشرع للوضوء الماء ÷ وهذا اذا زال الاسم
ليس بماء ÷ فهذا الشرط ملحوظ ابدا ابلا
امتراء ÷ وان كان يطوى ذكره ÷ للعلم بالعلم
به اذ شاع امره ÷ فيجب حمل على الاول ايضا

رنگ اور مزے کا کسی جامد سے بدلنا اس وقت تک
مضر نہیں جب تک کہ نام نہ بدل جائے تو اس
چوتھے اور دوسرے کا تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے
پھر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جب نام زائل ہو جائے
تو اطلاق باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت نے وضوء
کے لیے پانی کو متعین کر رکھا ہے اور جب نام زائل
ہو گیا تو پانی نہ رہا یہ شرط اگرچہ
مذکور نہ ہو معتبر رہے گی، تو پہلے کو بھی
تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے، اس طرح

على ولكن العجب من العلامة الخادمي
اذ رد الثالث بالاول حيث قال عند قول
الغرر الماء يجوز وان غيرا وصافه جامد
كزعفران في الاصح ما نصه قيل عن
البحر ان امكن الصبغ به لم يجز كنبيذ
التمر لكن الظاهر انه على الرواية المشار
الى نفيها بقوله في الاصح اذ هذا النقول اشارة
الى نفي ما عن الفقيه احمد بن ابرهيم انه
لو ظهر لون المخالط في الكف لا يجوز اه فقد
علمت انه لا مساس له بنفي الثالث بل يجب
رده الى هذا نعم نفي قول الفقيه صحيح
وجيه لان ظهور لون الاوراق في الكف
في ماء الحوض لا يزيل عنه اسم الماء بخلاف
الزعفران اذا جعله صالحا للصبغ ثم
من العجب كلام الفقيه انما كان في الاوراق

لیکن علامہ خادمی پر تعجب ہے کہ انہوں نے پہلے سے
تیسرے کا رد کیا ہے۔ جہاں انہوں نے غرر کے
گزشتہ قول "وان غیرا وصافہ جامد الخ" کے
تحت فرمایا کہ بحر سے منقول ہے اگر وہ رنگنے کے قابل
ہو تو جائز نہیں، جیسے نبیذِ تمر ہے، لیکن ظاہر میں
روایت مشار پر اس کی نفی ہے اس کے قول فی
الاصح سے، کیونکہ یہ قول اشارہ ہے اس کی نفی
پر جو فقیہ احمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اگر ملنے
والی چیز کا رنگ ہتھیلی میں ظاہر ہو تو اس پانی سے
وضو جائز نہیں اھ آپ جانتے ہیں کہ تیسرے کی نفی
سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی طرف اس کا
رد واجب ہے۔ ہاں فقیہ کے قول کی نفی درست
ہے، کیونکہ حوض سے پانی لینے میں ہتھیلی پر پتوں کے رنگ کے
ظہور سے پانی کا نام زائل نہیں ہوتا، زعفران کا حکم اسکے برخلاف
ہے جبکہ وہ پانی کو رنگنے کے قابل کر دے۔ پھر تعجب ہے کہ فقیہ کا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

علی الثالث فیزول الشقاق ویحصل الوفاق، واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ مسئلہ متفقہ ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۳) **اقول** یونہی رنگت کی پڑیاں کہ اب چلی ہیں اور ہماری تحقیق میں ان کی طہارت پر فتوٰی ہے جب پانی میں اتنی خفیف ملیں کہ رنگنے کے قابل نہ ہوجائے اگرچہ رنگت بدل جائے۔

(۱۲۴) یونہی روشنائی جبکہ اس کے ملنے سے پانی لکھنے کے لائق نہ ہوجائے **اقول** یعنی اُس سے حرف کا نقش نہ بنے جو بعد خشکی پڑھنے میں آئے اگرچہ پھیکا ہو۔

صنف دوم بہتی چیزیں۔

(**۱۲۵ و ۱۲۶**) جس پانی میں زعفران حل کیا ہُوا پانی یا شہاب اتنا کم پڑے کہ ان پانیوں کی رنگت اُس سادہ پانی پر غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

قال الامام ملك العلماء فی البدائع الماء المطلق اذا خالطه شیئ من المائعات الطاھرۃ کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحو ذلك ینظر ان کان یخالف لونه لون الماء کاللبن

ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا "مطلق پانی میں جب کوئی سیال پاک چیز مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا عرق وغیرہ تو یہ دیکھا جائیگا کہ اس کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہے یا نہیں، مثلاً دودھ،

(بقیہ حاشیہ ص گزشتہ)

وبدله الفاضل الناقل بالمخالط فعم الزعفران واللہ المستعان ثم فوق العجب کل العجب ان الفاضل نفسه زاد بعد قول الغرر ان بقی رقته لفظة واسمه ایضا اھ فقد کان یعلم ان الرقة لاتنفع اذا زال الاسم فکیف یجعل القول الثالث مبنیا علی الروایة المنفیة ۱۲ منه غفرله (م)

کلام تو پتوں سے متعلق تھا اور فاضل ناقل نے اسے مخالط سے بدل دیا ہے تو اس نے زعفران کو شامل کرلیا ہے واللہ المستعان، پھر بڑا تعجب ہے کہ خود فاضل نے غرر کے قول "وان بقی رقتہ" کے بعد ایک لفظ "واسمہ ایضا اھ" کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پانی کے نام کے زوال کے بعد رقت کا کوئی فائدہ نہیں تو قولِ ثالث کو روایت منفیہ پر مبنی کس طرح کیا جائے گا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وماء العصفر والزعفران تعتبر الغلبة في اللون[1] اھ وفي الحلية نقل فخر الدين الزيلعي عن الاسبيجابي ونجم عـه الدين الزاهدي عن زاد الفقهاء، قالوا ان كان المخالط شيئا لونه يخالف لون الماء مثل اللبن والخل وماء الزعفران ان كانت الغلبة للون الماء يجوز التوضي به وان كان مغلوبا لا يجوز[2] اھ

عُصفر یا زعفران کا پانی، اگر ایسا ہے تو پانی میں رنگت کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اور حلیہ میں ہے فخر الدین زیلعی نے اسبیجابی سے اور نجم الدین زاہدی نے زاد الفقہاء سے نقل کیا، ان حضرات نے فرمایا کہ اگر ملنے والی اشیاء کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہو جیسے دودھ، سرکہ اور زعفران کا پانی، اور ایسی صورت میں غلبہ پانی کے رنگ کو ہو تو وضو جائز ہے اور اگر پانی کا رنگ مغلوب ہو تو وضو جائز نہیں۔ (ت)

اقول ولا شك ان هذا الماء يخالف الماء المطلق في الاوصاف الثلثة فعلى ضابطة الامام الزيلعي يعتبر تغير وصفين فكان يحتمل ان تقتضي الضابطة خلاف هذا الحكم المنقول فيما اذا غلب على المطلق طعمه وريحه دون لونه لكنه غير معقول لان اللون اقوى اوصافه واسرع اثرا فان تغير شئ من اوصاف الماء تغير لونه قبله وان لم يتغير شئ فلم يحصل في جانب الجواز خلاف.

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ یہ پانی مطلق پانی سے تینوں اوصاف میں مختلف ہوگا تو امام زیلعی کے ضابطہ کے مطابق اس میں دو وصفوں کے تغیر کا اعتبار ہوگا، اس میں یہ احتمال تھا کہ اس ضابطہ کی رُو سے مذکور حکم کے برخلاف حکم اس صورت میں ہوتا جبکہ مطلق پانی پر مزہ اور بُو کا غلبہ ہوا ہو نہ کہ رنگ کا۔ مگر یہ بات معقول نہیں ہے کیونکہ رنگ پانی کے اوصاف میں قوی تر اور زُود اثر ہے تو اگر پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف بدلتا تو سب سے پہلے تو رنگ ہی بدلتا، اور رنگ نہیں بدلا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی وصف نہیں بدلا، تو جواز کی صورت میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ (ت)

(۱۲۷) یُوں ہی پُڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں ملنے سے اس کی رنگت غالب نہ آئے تو وضو روا ہے۔

اقول لانه ان كان ذا ريح فكماء الزعفران والعصفر اولا فذو وصفين

میں کہتا ہوں اس لیے اگر وہ چیز خوشبودار ہو تو جیسے زعفران اور عُصفر کا پانی ہے یا نہ ہو تو دو وصف

عـه بالرفع عطفا على فخر الدين ۱۲ منہ غفرلہ (م)

رفع کے ساتھ کیونکہ اس کا فخر الدین پر عطف ہے (ت)

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المطلق سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] حلیہ

ولا یتغیر الطعم مالم یتغیر اللون فلا یحصل الخلاف۔

والی ہوگی، اور مزہ اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک رنگ نہ بدلے تو اختلاف نہ ہوا۔ (ت)

(۱۲۸) آبِ تربوز جسے تربوز کا شربت کہتے ہیں جس میٹھے پانی میں اتنا ملے کہ اس کا مزہ پانی پر غالب ہوجائے اس سے بالاتفاق وضو ہوسکتا ہے۔ تبیین الحقائق و فتح القدیر و حلیہ و غنیہ و درر و بحر وغیرہا میں ہے:

ماء البطیخ تعتبر الغلبۃ فیہ بالطعم[1] اھ اقول ویظھر لی تقییدہ بالماء العذب کما فعلت فان الماء الملح ربما تبلغ ملوحتہ بحیث لوخلط بہ ماء الحبحب اکثر من نصفہ لم یغلب علی طعمہ بل کانت حلاوۃ ھذا ھی المغلوبۃ فاعتبار الطعم ھھنا تضییق یؤدی الی توسیع خارج عن القوانین بمرۃ فلیتنبہ۔

آبِ خربوزہ میں مزہ کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اقول اور اس کو میٹھے پانی سے مقید کرنا ضروری ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے کیونکہ کھارے پانی کی نمکینی بعض اوقات اس درجہ زیادہ ہوتی ہے کہ اگر اس میں تربوز کا پانی آدھے سے بھی زیادہ ملا دیا جائے تو اس کا مزہ نہیں بدلتا ہے، بلکہ اس کی مٹھاس مغلوب ہوجاتی ہے، تو یہاں مزہ کا اعتبار کرنا بڑی تنگی ہے، اس سے معاملہ بہت پھیل جائے گا جو شرعی قوانین کے بالکل مخالف ہے فلیتنبہ۔ (ت)

اقول وھو وان کان ذا الاوصاف الثلثۃ کما سیأتی لکن طعمہ اقوی فاذا لم یتغیر لم یتغیر شیئ فلا یحصل الخلاف فی جانب الجواز واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں وہ پانی اگرچہ تین اوصاف والا ہو (جیسا کہ آئے گا) لیکن اس کا مزہ قوی تر ہو، تو جب مزہ نہ بدلا تو کوئی وصف نہیں بدلے گا تو جواز کی جانب میں کوئی خلاف نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۹) یوں ہی سپید انگور کا شیرہ اگر شیریں پانی میں ملے مزہ کا اعتبار ہے اگر اس کا مزہ غالب نہ ہوا قابلِ وضو ہے، بدائع میں ہے:

انکان لایخالف الماء فی اللون ویخالفہ فی الطعم کعصیر العنب الابیض و خلہ تعتبر الغلبۃ فی الطعم[2] اھ اقول وقیدتہ بالعذب لما علمت وحصول الوفاق لما سمعت۔

اگر وہ پانی کے رنگ میں مخالف نہ ہو مگر مزہ میں مخالف ہو جیسے شیرۂ انگور سفید اور سفید انگور کا سرکہ تو مزہ میں غلبہ کا اعتبار رہوگا اھ میں کہتا ہوں میں نے میٹھے کی قید اس لیے لگائی کہ آپ جان چکے ہیں اور اتفاق کا حاصل ہوجانا بھی آپ کو معلوم ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

(۱۳۰) سپید انگور کا سرکہ اگر اُس کا مزہ اور بُو پانی پر کچھ غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے،

اقول لانه ذو وصفین وریحه اقوی فان تغیر ریح الماء دون طعمه لم یجز علی قضیة الضابطة خلافا للحکم المنقول المار انفا عن البدائع فلم یحصل الوفاق فی جانب الجواز الا اذا لم یتغیر شیئ۔

میں کہتا ہوں اس لیے کہ اس میں دو وصف ہیں، اور اس کی بُو قوی تر ہے تو اگر پانی کی بُو بدل گئی مزہ نہ بدلا تو ضابطہ کی رُو سے وضو جائز نہ ہوگا لیکن بدائع کے حوالے سے جو حکم ابھی گزرا ہے یہ اُس کے برخلاف ہے تو جواز کی جانب میں اتفاق حاصل نہ ہوا، یہ صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ کوئی وصف نہ بدلے۔ (ت)

(۱۳۱) اور سرکے کہ رنگت بھی رکھتے ہیں اگر پانی میں اتنے ملیں کہ اُن کا کوئی وصف پانی پر غالب نہ آئے یا صرف بُو غالب آئے اُس سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔

اقول وذلك لانها ذوات الثلاث ومعلوم ان ریح الخل اقوی شیئ فلا یقع ان یتغیر طعم الماء وحده اولونه فقط اوهما معا لا ریحه بل اما[1] لا یتغیر شیئ او[2] یتغیر الکل او[3] الریح وحده او[4] مع اللون او[5] مع الطعم والعبرة فی الضابطة للغلبة بوصفین والمنقول الغلبة باللون وحده کما مر عن حلیة عن الزیلعی عن الاسبیجابی وعن النجم الزاهدی عن زاد الفقهاء وتقدم عن الامام ملك العلماء فیتفق المنقول والضابطة فی الصورة الاولی والثالثة علی الجواز وفی الثانیة والرابعة علی المنع وفی الخامسة تتفرد الضابطة بالمنع۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین وصف والے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ سرکہ کی بُو قوی تر شیئ ہے تو یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف پانی کا مزہ بدلے یا رنگ بدلے یا دونوں بدل جائیں اور بُو نہ بدلے، بلکہ یا تو کچھ نہیں بدلے گا یا سب کچھ بدل جائے گا یا صرف بُو بدلے گی یا رنگ کے ساتھ یا مزہ کے ساتھ اور ضابطہ میں اعتبار غلبہ کو ہے دو وصفوں کے ساتھ، اور جو منقول ہے وہ صرف رنگ کا غلبہ ہے جیسا کہ حلیہ سے زیلعی سے اسبیجابی سے اور نجم زاہدی سے زاد الفقہاء سے گزرا، اور امام ملک العلماء سے بھی یہی منقول ہوا ہے اس لیے نقل اور ضابطہ میں اتفاق ہوگیا، پہلی صورت اور تیسری میں اتفاق جواز پر ہے اور دوسری اور تیسری میں عدمِ جواز پر اور پانچویں صورت میں ضابطہ کی رُو سے عدمِ جواز ہے۔ (ت)

(۱۳۲) **اقول** اگر کوئی ذی لون سرکہ ایسا ہو کہ اُس کا مزہ اس کے سب اوصاف سے اقوی ہو کہ اس کا قلیل سب سے پہلے پانی کے مزے کو بدلے اُس سے زاید ملے تو بُو یا رنگ میں تغیر آئے اس صورت میں

اگر پانی کا کوئی وصف نہ بدلے یا صرف مزہ متغیر ہو تو اس سے وضو بالاتفاق جائز ہے لعدم غلبة اللون فی المنقول و لا تغیر وصفین فی الضابطة (کیونکہ رنگ کا غلبہ نہیں ہے منقول میں اور دو وصفوں کا تغیر نہیں ہے ضابطہ میں ۔ ت)

(۱۳۳) اقول اور اگر بالفرض اس کی رنگت سب سے قوی تر اور پہلے اثر کرنے والی ہو تو اس کے ملنے سے وضو بالاتفاق اُسی وقت جائز ہوگا کہ اس کے کسی وصف میں تغیر نہ آئے لان ای وصف منہ تغیر تغیر لونہ وبدا العبرة فی المنقول (کیونکہ اس کا جو وصف بھی بدلے گا اس کا رنگ بھی بدل جائے گا اور منقول میں اسی کا اعتبار ہے ۔ ت)

(۱۳۴) دُودھ سے اگر پانی کا رنگ نہ بدلا دُودھ کا رنگ اس پر غالب نہ ہوگیا اس سے وضو بالاتفاق رواہے۔

اقول یہ ہے وہ حکم متفق علیہ کہ فقیر نے کلمات کثیرہ مختلفہ سے حاصل کیا و ذلک لان الاقوال جاءت ھھنا علی خمسة وجوہ (یہاں پانچ اقوال ہیں)

(ا) یجوز مطلقا ،

اقول ای مالم یغلب علی الماء اجزاء فانہ معلوم الاستثناء اجماعا۔

(ب) یجوز ان غیر احد اوصافہ وستعرف ان العلماء اختلفوا فی اخذ احد ھذا فی مرتبة لابشرط شیئ فیشمل ما اذا غیر غیر واحد ولو الکل وحینئذ یرجع الی القول الاول او فی مرتبة بشرط لاشیئ فیتقید بما اذا اقتصر التغیر علی وصف واحد ولو لونا۔

(ج) یجوز ان لم یغیر اللون۔

(د) ان لم یغیر اللون ولا الطعم۔

(ھ) ان لم یغیرھما معا ففی عمدة[۱] القاری شرح صحیح البخاری للامام

(ا) مطلق جواز ہے ،

میں کہتا ہُوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک پانی پر اسکے اجزاء کا غلبہ نہ ہو، کیونکہ یہ اجماعی طور پر معلوم الاستثناء ہے ۔

(ب) جائز ہے اگر اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدلا ہو، اور یہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ علماء نے اس کو لا بشرط شیئ کے مرتبہ میں قبول کرنے سے اختلاف کیا ہے تو یہ اس صورت پر بھی صادق آئے گا جب پانی کا ایک سے زاید وصف بدل گیا ہو خواہ سب اوصاف ہی بدل گئے ہوں اور اس وقت پہلے قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا یہ بشرط لاشیئ کے مرتبہ میں ہو تو یہ صرف اسی صورت میں منحصر رہیگا جبکہ تغیر ایک ہی وصف میں ہو خواہ رنگ ہی بدلا ہو۔

(ج) جائز ہے اگر رنگ کو نہ بدلا ہو۔

البدر محمود التوضؤ بماء خالطه لبن یجوز عندنا خلافا للشافعی[1] اھ وفی متن الهدایة تجوز الطهارة بماء خالطه شیئ طاهر فغیر احد اوصافه کالماء الذی اختلط به اللبن[2] اھ واقره فی العنایة وغیرها وسمعت نصوص الحلیة عمن ذکروا والبدائع ان العبرة باللون وقال فی التبیین المخالط ان کان مخالفا للماء فی وصف واحد او وصفین تعتبر الغلبة من ذلك الوجه کاللبن مثلا یخالفه فی اللون والطعم فان کان لون اللبن اوطعمه هو الغالب فیه لم یجز الوضوء به والاجاز[3] اھ

(۶) اگر نہ رنگ بدلا ہو اور نہ مزہ۔

(ھ) اگر رنگ اور مزہ دونوں کو اکٹھا نہ بدلا ہو، امام بدر محمود کی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے کہ ہمارے نزدیک اُس پانی سے وضو جائز ہے جس میں دودھ مل گیا ہو اس میں شافعی کا اختلاف ہے اھ اور متن ہدایہ میں ہے اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اُس نے پانی کے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے وُہ پانی جس میں دودھ مل گیا ہو اھ اور اس کو عنایہ وغیرہ میں برقرار رکھا، حلیہ اور بدائع کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ اعتبار رنگ کا ہے۔ اور تبیین میں ہے کہ ملنے والی چیز اگر پانی سے ایک یا دو اوصاف میں مختلف ہو تو اسی وجہ سے غلبہ کا اعتبار ہوگا، مثلاً دُودھ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف ہے تو اگر دودھ کا رنگ یا مزہ اس میں غالب ہو تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا اھ (ت)

وهكذا اعبر به تبعا له فی الحلیة و البحر وغیرهما بلفظة او للتردید واتی به فی الغنیة قاطعا لوهم خطأ الکتابة فقال وان خالف الماء فی وصفین کاللبن یخالفه فی اللون والطعم فالمعتبر ظهور غلبة احد الوصفین[4] بل افصح به کذلك الزیلعی

اور اسی طرح انہوں نے اس کی تعبیر کی ان کی اتباع کرتے ہوئے حلیہ اور بحر وغیرہ میں او کے کلمہ کے ساتھ جو تردید کے لیے ہوتا ہے اور غنیہ میں اس کو اس انداز سے ذکر کیا کہ کتابت کی غلطی کا وہم نہ رہے چنانچہ فرمایا اور اگر وُہ چیز پانی سے دو وصفوں میں مخالف ہو جیسے دودھ کہ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف

[1] عمدۃ القاری باب لایجوز الوضوء بالنبیذ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۳/۱۷۹

[2] ہدایہ باب الماء الذی یجوز به الوضوء و مالا یجوز مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

نوٹ: اللبن کی جگہ پر کتاب مذکور میں الزعفران ہے۔

[3] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ مصر ۱/۲۰

[4] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

فی اٰخر الکلام لکن المحقق[٥] فی الفتح مع نقلہ عن التبیین عبر بالواو فقال او فی بعضہا فبغلبۃ ما بہ الخلاف کاللبن یخالف فی الطعم واللون فان غلب لونہ وطعمہ منع[1] وکذلک فی الدرر واعترضہ الشرنبلالی فقال یجب ان یقال لونہ او طعمہ باو لا بالواو کما قال الزیلعی المقتحم لہذا الضابط[2] اھ واجاب العلامۃ عبدالحلیم بانہ فی اللبن صفتان یغایر بہما الماء المطلق احدہما اقوی من الاخری لما ان تغیر اللون یحصل فیہ بالقلیل فکان الغلبۃ ان توجد الاخری وذا کالبدیہی ومن ذلک لم یقل اوطعمہ باو کما فی عبارۃ الزیلعی ردا علیہ[3] اھ

ہوتا ہے تو اعتبار ایک وصف کے غلبہ کے ظہور کا ہوگا، بلکہ اسی طرح اس کی وضاحت زیلعی نے کلام کے آخر میں کردی، لیکن محقق نے فتح القدیر میں تبیین سے نقل کرتے ہوئے واؤ سے تعبیر کیا اور کہا یا بعض میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اس چیز کے غلبے کا اعتبار ہوگا جس کی وجہ سے اختلاف ہے جیسے دودھ کہ پانی سے مزہ اور رنگ میں مخالف ہوتا ہے تو اگر اس کا رنگ اور مزہ غالب ہوجائے تو اس سے طہارت نہیں ہوسکتی ہے ورنہ جائز ہے، اسی طرح درر میں ہے، اس پر شرنبلالی نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ لونہ او طعمہ کہنا چاہیے اَو کے ساتھ، واؤ کا استعمال نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ زیلعی نے کہا جو اس ضابطہ کے تکلف میں پڑنے والے ہیں، علامہ عبدالحلیم نے جواب دیا کہ دودھ میں دو صفات ہیں جن کی وجہ سے وہ مطلق پانی سے ممتاز ہوتا ہے، ایک صفت دوسری سے قوی تر ہے، کیونکہ اس میں رنگ کا تغیر تھوڑی سی مقدار سے ہی حاصل ہوجاتا ہے تو غلبہ یہ ہوگا کہ دوسری صفت پائی جائے اور یہ بدیہی کی طرح ہے اور اس لیے "اوطعمہ" نہ کہا "اَو" کے ساتھ، جیسے کہ زیلعی میں ہے تاکہ اس پر رَد ہوجائے اھ۔ (ت)

اقول اولا[ف ۱] ان اراد القلیل بالنسبۃ الی الماء فنعم ولکن لانظر ہہنا الی الاجزاء باجماع اہل الضابطۃ التی صاحب الدرر ہہنا بصدد بیانہا وانما العبرۃ بہا[ف ۲] فیما یوافق الماء فی الاوصاف وقد مشی

میں کہتا ہوں اول اگر تو وہ اسکو بہ نسبت پانی کی قلیل کہتے ہیں تو درست ہے، لیکن اہلِ ضابطہ کے اجماع سے یہاں اجزاء پر نظر نہیں کی جاتی ہے، اس ضابطے سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کو صاحبِ درر یہاں بیان کررہے ہیں ان اجزاء کا اعتبار اُن اوصاف میں ہے جو پانی

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

[2] حاشیۃ علی الدرر للشرنبلالی ابحاث الماء المطبعۃ الکاملیہ بیروت ۱/ ۲۳

[3] حاشیۃ علی الدرر للمولی عبدالحلیم بحث الماء ۱/ ۱۸

علیه الدرر ههنا فجعله حکم ما لا یخالف الماء فی صفة وجعل اللبن قسیمه لا سهیمه وان اراد القلیل فی نفسه فهو ههنا المغلوب المستهلك الذی لا یظهر له اثر بیّن واللبن اذا احال الماء الی لونه کیف یعد قلیلا۔

کے موافق ہوں اوصاف میں، اور درر نے یہاں ان کو بیان کیا ہے، تو انہوں نے اس کو اس چیز کا حکم قرار دیا جو پانی کے مخالف نہ ہو کسی صفت میں اور دودھ کو اس کا قسیم قرار دیا نہ کہ اس کا سہیم، اور اگر فی نفسہ کم کا ارادہ کیا تو وہ یہاں نہ ہونے کے برابر ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے، اور جب پانی دودھ کا رنگ اختیار کرے تو دودھ کو کس طرح کم کہا جا سکتا ہے؟ (ت)

وثانیا هذا هو قضیة القیاس فی الضابط لان ما خالف الماء فی الاوصاف الثلثة اعتبر فیه الغلبة بوصفین لان للاکثر حکم الکل وما خالف فی وصف واحد اعتبر فیه الغلبة به بقی ما خالف فی وصفین فان غلب بهما معا فلا کلام وان غلب باحدهما کان الغلبة بالنصف والنصف احق ان یلحق بالکل من ان یطرح بالکلیة هذا ولکن الحق عندی فی اللبن علی الضابط المذکور ان تعتبر فیه الغلبة بوصفین اثنین لا بوصف واحد لان اللبن مما یخالف الماء فی الاوصاف الثلثة جمیعا ولخفاء رائحته غالبا ولو اغلی لظهرت ذهب الوهم الی انه لا یخالف الا فی وصفین وقد قال العلامة الرملی فی حاشیة البحر ثم الشامی فی المنحة ورد المحتار المشاهد فی اللبن مخالفته للماء فی الرائحة ایضا[۱] اھ۔

اور دوم یہ ہے کہ یہ ضابطہ میں قیاس کا تقاضا ہے، کیونکہ جو چیز پانی کے اوصافِ ثلثہ میں پانی سے مختلف ہے اس میں معتبر دو وصفوں کا غلبہ ہے، کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے اور جو چیز پانی سے ایک وصف میں مختلف ہو اس میں ایک وصف کا غلبہ معتبر ہوگا، اب صرف وہ چیز رہ گئی جو دو وصفوں میں پانی کے مخالف ہو اگر دونوں وصفوں میں اکٹھا غلبہ ہو جائے تب تو بات واضح ہے اور ایک میں غلبہ ہو تو غلبہ آدھے سے ہوگا اور نصف اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو کل سے ملایا جائے نہ یہ کہ اس کو بالکلیہ ساقط کیا جائے، اس کو یاد رکھئے۔ لیکن میرے نزدیک حق، اس ضابطہ کے مطابق یہ ہے کہ اس میں دو وصفوں کے غلبہ کا اعتبار کیا جائے نہ کہ ایک وصف کا، کیونکہ دُودھ پانی سے تینوں وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، چونکہ اس کی بُو بہت ہلکی ہوتی ہے ابالنے پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ صرف دو وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، علامہ رملی نے بحر کے حاشیہ میں فرمایا، شامی

---

[۱] منحۃ الخالق علی البحر کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

نے منحۃ میں اور ردالمحتار میں فرمایا کہ دُودھ پانی سے بُو میں بھی مخالف ہے اھ (ت)

اقول غیران اقوی اوصاف اللبن لونہ ثم طعمہ ثم ریحہ و لایتغیر بہ فی الماء وصف لاحق الا وقد سبقہ سابقہ فاذا تغیرشیئ منھا فقد تغیراللون واذا لم یتغیراللون لم یتغیرشیئ منھا فاتفقت الاقوال علی جواز الوضوء بماء خالطہ لبن لم یتغیر لونہ وبہ ظھران تردید الامام الزیلعی مستغنی عنہ فان تغیرالطعم مستلزم تغیراللون فکان ینبغی الاقتصار علی اللون کما فعل المتقدمون وقد نقلہ الزیلعی عن الاسبیجابی کما علمت واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں دراصل دُودھ کے اوصاف میں قوی تر اس کا رنگ ہے پھر مزہ اور پھر بُو ہے اور اس سے پانی کا جو وصفِ لاحق بھی متغیر ہوتا ہے اس سے قبل کوئی سابقہ ضرور ہوتا ہے، توجب ان اوصاف میں کوئی تغیر ہوتا ہے تو رنگ ضرور بدلتا ہے اور جب رنگ نہ بدلے تو کوئی وصف نہیں بدلتا ہے، تو تمام اقوال اس پر متفق ہیں کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں دودھ ملا ہو اور اس کا رنگ نہ بدلا ہو اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام زیلعی کا "او" کہنا ضرور کا نہیں، کیونکہ مزہ کا بدل جانا رنگ کے بدل جانے کو مستلزم ہے تو رنگ پر اکتفاء کرنا چاہیے تھا جیسا کہ متقدمین نے کیا ہے، اس کو زیلعی نے اسبیجابی سے نقل کیا، جیسا کہ آپ نے جان لیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تذییل اقول (۱۳۵) انڈے جس پانی میں نیم برشت کیے قابلِ وضو ہے اگر انڈے پاک تھے۔

(۱۳۶) آہن تاب، سیم تاب، زرتاب یعنی جس پانی میں لوہا یا چاندی یا سونا تپا کر بجھایا بلقاء الاسم والطبع **اقول** اگرچہ اس سے پانی کی بعض رطوبات کم ہوں گی اس میں ان فلزات کی قوت آئے گی من وجہ ایک دوا و علاج ہوگا مگر وہ کوئی شے غیر نہ ہوجائیگا پانی ہی تھا اور پانی ہی رہے گا یہ عمل پانی ہی کی اصلاح کو ہے نہ کہ اُس سے کوئی اور چیز بنانے کو۔

(۱۳۷) باوضو شخص یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو اعضاء ٹھنڈے یا میل دُور کرنے کو جس پانی سے وضو یا غسل بے نیت قربت کیا۔

(۱۳۸) معلوم تھا کہ عضو تین بار دھوچکا ہے اور پانی ہنوز خشک بھی نہ ہوا تھا چوتھی بار بلا وجہ ڈالا یہ پانی قابلِ وضو رہے گا یہاں تک کہ یہ پانی کسی برتن میں لے لیا تو اس سے وضو میں کوئی عضو دھوسکتے ہیں یا اگر چوتھی بار ہاتھ پر اس طرح ڈالا کہ پاؤں پر گر کر بہہ گیا اُتنا پاؤں پاک ہوگیا۔

(۱۳۹) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی اگرچہ اپنے زعم میں قربت کی نیت کی۔

(۱۴۰) باوضو یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو کھانا کھانے کو یا کھانے کے بعد ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ کی۔

(۱۴۱) باوضو یا نابالغ نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا۔

(۱۴۲) مسواک کرنے کے بعد اُسے دھوکر رکھنا سنّت ہے کما بیّنا فی بارق النور (جیسا کہ "بارق النور" میں بیان کیا گیا۔ ت) یہ پانی اگرچہ اس سے ادائے سنّت ہوگا قابلِ وضو رہے گا کما حققنا فی الطرس المعدل ان الشرط استعمالہ فی بدن الانسان (جیسا کہ ہم نے "الطرس المعدل" میں ثابت کیا ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کے لیے پانی کا بدنِ انسان پر استعمال ہونا شرط ہے۔ ت) مگر مکروہ ہوگا کہ لعابِ دہن کو دھوئے گا کما تقدم عن الخانیۃ۔

(۱۴۳) مسواک کرنے سے پہلے بھی اسے دھونا سنّت ہے یہ پانی مکروہ بھی نہ ہوگا اگر مسواک نئی ہے یا پہلے دُھل چکی ہے۔

(۱۴۴) آدابِ وضو سے ہے کہ آفتابہ اگر دستہ دار ہے غسلِ اعضاء کے وقت دستہ پر ہاتھ رکھے اس کے سر پر نہیں اور دستہ کو تین پانیوں سے دھولے۔ فتح القدیر پھر ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

منہا ای من اداب الوضوء ان یغسل عروۃ الابریق ثلثا ووضع یدہ حالۃ الغسل علی عروتہ لا علی رأسہ[1] اھ و مثلہ فی الحلیۃ بغیر ثلثا۔

ان سے یعنی آدابِ وضو سے یہ ہے کہ لوٹے کے دستے کو تین مرتبہ دھویا جائے اور غسل کے وقت ہاتھ دستے پر ہی رکھا جائے نہ کہ سر پر اور ایسا ہی حلیہ میں ہے مگر ثلثا کا لفظ نہیں ہے۔ (ت)

(۱۴۵) کوئی پاک کپڑا دھویا اگرچہ ثواب کے لیے جیسے ماں باپ کے میلے کپڑے۔

(۱۴۶) کھانے کے برتن جن میں کھانا پکایا یا اتارا تھا دھوئے اگرچہ ان میں سالن وغیرہ کے لگاؤ سے پانی کے اوصاف بدل گئے جب تک رقت باقی رہے اگرچہ اس دھونے سے سنت تنظیف کی نیت ہو۔

(۱۴۷) یُوں ہی جس پانی سے سِل یا پتھر دھویا اگرچہ مسالے کے اثر سے اوصاف میں تغیر آیا اور پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۴۸) برادہ صاف کرنے کو برف دھویا اور برادہ نے پانی کی رقت پر اثر نہ کیا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۹۲

(۱۴۹) چیک صاف کرنے کو آم یا کسی قسم کے پھل دھوئے۔

(۱۵۰) تختی دھوئی اور سیاہی سے پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۵۱) پکا فرش گرد وغبار سے پاک کرنے کو دھویا اگرچہ مسجد کا بہ نیت قربت۔

(۱۵۲) ناسمجھ بچّے نے وضو کیا۔

(۱۵۳) نابالغ کو نہلایا۔

(۱۵۴) گھوڑے وغیرہ کسی جانور کو نہلایا اگرچہ ان دونوں سے نیت ثواب کی ہو جبکہ ان تینوں کے بدن پر کوئی نجاست نہ ہو یہ سب پانی قابلِ وضو ہیں۔

(۱۵۵) دفعِ نظر کے لیے نظر لگانے والے کے بعض اعضاء دھو کر چشم زدہ کے سر پر ڈالنے کا حکم ہے جس کا مفصل بیان ہماری کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہے وہ اگر باوضو تھا یہ پانی قابلِ وضو رہنا چاہیے اگرچہ اس نے بہ امتثال امر واذا استغسلتم فاغسلوا (اگر تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھو ڈالو۔ ت) نیت قربت کی ہو تاملوا ما قررنا من شرائط الاستعمال فی رسالتنا الطرس المعدل (غور کرو اور ہم نے اپنے رسالہ الطرس المعدل میں پانی کے مستعمل ہونے کی جو شرائط بیان کی ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ ت)

(۱۵۶) دُلھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے یہ پانی بھی قابلِ وضو رہنا چاہیے اگر دُلھن باوضو یا نابالغہ تھی کہ یہ اور اس کا سابق از قبیل اعمال ہیں نہ از نوع عبادات اگرچہ نیت اتباع انہیں قربت کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۵۷) حائض ونفسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے۔

(۱۵۸) مرد کے وضو وغسل سے جو پانی بچا قابلِ طہارت بلاکراہت ہے اگرچہ عورت اس پانی سے طہارت کرے بخلاف عکس کہ مکروہ ہے کما تقدم۔

(۱۵۹) بعض دوائیں مغسول استعمال کی جاتی ہیں جیسے یاقوت وشادنج وحجر ارمنی وگلِ ارمنی ولک وتوتیا وشنجرف ومرداسنج وغیرہا کہ خوب باریک پیس کر پانی میں ملاتے ہیں جو غبار سا ہو کر پانی میں مل گیا ایک ظرف میں کر لیا تہ نشین کو پھر پیس کر دوسرے پانی میں ملایا یہاں تک کہ سب غبار ہو کر پانی میں مل جائے یا جس میں سنگریزہ رہے پھینک دیا جائے اب یہ آبِ غبار آمیز ڈھانک کر رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ وہ غبار تہ نشین ہو کر پانی سے جدا ہو جائے اُس وقت پانی نتھار کر دوا استعمال میں لائیں یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے اگر بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو۔

(۱۶۰) حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کا موئے مبارک یا جُبۂ مقدسہ یا نعل شریف یا

کاسۂ مطہرہ تبرک کے لیے جس پانی میں دھویا قابلِ وضو ہے اگرچہ اس میں قصدِ قربت بھی ہوا۔ ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلافِ ادب ہے اگر منہ پر جاری کیا منہ کا وضو ہوگیا اُن کا تو نام پاک لینے سے دل کا وضو ہوجاتا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہ وبارك وسلم وعلی ابنہ الکریم الغوث الاعظم واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ الحمد للہ ان پاک کرنے والے پانیوں کی ابتدا زمزم شریف بلکہ اُس آبِ اقدس سے ہوئی جو انگشتانِ مبارک حضور پرُنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بکمال رحمت جوش زن ہوا اور انتہا اس پانی پر ہوئی جو حضور کے آثارِ شریفہ کو دھو کر برکاتِ عالیہ کا منبع ومخزن ہوا والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین۔

قسم دوم جن سے وضو صحیح نہیں۔

(۱۶۱) آبِ نجس

(۱۶۲) مستعمل کہ ہمارے رسالہ الطرس المعدل میں جس کا بیانِ مفصل۔

(۱۶۳ تا ۱۶۵) گلاب کیوڑا بید مشک، ہدایہ وخانیہ میں ہے:

لابماء الورد[1] اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین وعد فی السعدیۃ مع ماء الورد ماء الھندبا وماء الخلاف واشباھھا۔[2]

نہ گلاب کے پانی سے اھ اور اسی کی مثل خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے اور سعدیہ میں گلاب کے پانی کے ساتھ عرق ہندبا عرق خلاف وغیرہ کو بھی شمار کیا۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(لایجوز) الطھارۃ الحکمیۃ (بماء الورد) وسائر الازھار۔[3]

طہارت حکمیہ گلاب اور دوسرے پھولوں کے پانی سے جائز نہیں ہے۔ (ت)

(۱۶۶) عرق گاؤزبان وعرق بادیان وعرق عنب الثعلب وغیرہا جتنے عرق کشید کیے جاتے ہیں کسی سے وضو جائز نہیں وتقدمت فی ۱۱۱ عبارۃ البحر فی الماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱

[2] السعدیۃ

[3] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

الشورٰ[1] ولفظ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر[2] (بحر کی عبارت اس پانی کی بابت جو عمل تقطیر سے گاؤزبان سے نکالا جائے اور درر میں ہے کہ جڑی بوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے ۱۱۱ میں گزر چکی ہے۔ ت)

(۱۶۷ و ۱۶۸) آب کاسنی آب مکوہ اگرچہ مروق ہوں کہ اجزائے کثیفہ جدا ہو کر زیادہ رقیق و لطیف ہوجاتے ہیں و مرکلام سعدی افندی۔

(۱۶۹) وہ پانی کہ زعفران سے نکالا جائے و تقدم کلام الغنیۃ فی ۱۲۵ (اور غنیہ کا کلام ۱۲۵ میں گزرا۔ ت)

(۱۷۰ تا ۱۷۹) خربوزہ، تربوز، ککڑی، کھیرے، سیب، بہی، انار، کدو وغیرہا میووں پھلوں کا عرق کہ اُن سے نکلتا یا نچوڑ کر نکالا جاتا ہے، یُوں ہی گنّے کارس اور بالخصوص وُہ پانی کہ کچّے ناریل کے اندر ہوتا ہے جو پگھل کر پانی نہ ہوا بلکہ ابتداءً پانی ہی تھا۔

(۱۸۰) اُس سے بھی زیادہ قابلِ تنبیہ وُہ پانی ہے کہ سُنا گیا خطِ استواء کے قریب بعض وسیع ریگستانوں میں جہاں دُور دُور تک پانی نہیں ملتا ریتے کے نیچے سے ایک تربوز نکلتا ہے جس میں اتنا پانی ہوتا ہے کہ سوار اور اس کے گھوڑے کو سیراب کرے رحمت نے بے آب جنگل میں حیاتِ انسان کا یہ سامان فرمایا ہو تو کیا دُور ہے مگر وُہ پانی اگرچہ نتھرے خالص پانی کی طرح ہو اور اس تربوز میں اس کے سوا کچھ نہ ہو جب بھی قابلِ وضو نہیں کہ ثمر کا پانی ہے مائے مطلق کے تحت میں نہیں آسکتا۔ رہا وضو اس کے لیے بحمد اللہ تعالٰی وہ رحمتِ عامہ موجود ہے جو صدیقہ بنت الصدیق محبوبۂ محبوبِ رب العٰلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہما وسلم کے صدقہ میں ہر مسلمان کے لیے ہر جگہ موجود ہے کہ

تیمموا صعیدا طیبا جعلت لی الارض مسجدا وطھورا[3] اقول وھنالك یفھم ان الاعتصار لامفھوم له وان احتج به بعض الکبراء علی جواز الوضوء بقاطر الکرم کما سیأتی واللہ تعالٰی اعلم۔

پاک مٹی سے تیمم کرو میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی بنا دی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتصار کا کوئی مفہوم مخالف نہیں اگرچہ بعض اکابر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور سے ٹپکنے والے پانی سے وضوء جائز ہے، کما سیأتی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹
[2] الدررالحکام للمولٰی خسرو بحث الماء الکاملیہ بیروت ۱/ ۲۳
[3] جامع للبخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

خانیہ و ہندیہ میں ہے:

لایجوز التوضؤ بماء البطیخ والقثاء والقثد[1] اھ وفی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین مکان القثد وماء الخیار[2]۔

وضوء جائز نہیں ہے خربوز، ککڑی اور کھیرے کے پانی سے اھ اور خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے قثد (کھیرے) کے بجائے ماء الخیار (ککڑی کا پانی) ہے۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(لاتجوز بماء الثمار) مثل التفاح وشبھہ[3] وذکر فی الجوھرۃ ماء الدباء ویأتی[4]۔

طہارت پھلوں کے پانی سے جائز نہیں، جیسے سیب اور اس کے مشابہ اھ اور جوہرہ میں ذکر کیا ہے کدو کا پانی، اور یہ آئیگا۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

لایجوز التوضؤ بماء الفواکہ[5]۔

پھلوں کے پانی سے وضوء جائز نہیں۔ (ت)

(۱۸۱) یونہی وہ پانی کہ کسی درخت کی شاخیں یا پتے کوٹ کر نکالا جائے۔ خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے:

لایجوز الوضوء بماء القضبان[6]۔

قضبان (کٹی ہوئی شاخوں) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

(۱۸۲) شراب ریباس

(۱۸۳ تا ۱۸۵) شربتِ انار شیریں، شربتِ انار ترش، شربتِ انگور وغیرہ جتنے شربت قوام میں بنائے جاتے ہیں ہدایہ میں ہے، لایجوز بالاشربۃ[7] (شربتوں سے وضوء جائز نہیں۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ	فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ	نورانی کتب خانہ کراچی	۱/۲۱
[2] فتاوٰی قاضی خان	" " "	نولکشور لکھنؤ	۱/۹
[3] غنیۃ المستملی	احکام المیاہ	سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۸۸
[4] جوہرۃ نیرۃ	ابحاث الماء	امدادیہ ملتان	۱/۱۴
[5] فتاوٰی قاضی خان	فیما لایجوز بہ التوضؤ	نولکشور لکھنؤ	۱/۹
[6] خزانۃ المفتین			
[7] ہدایۃ	الماء الذی یجوز بہ الوضوء	عربیہ کراچی	۱/۱۸

عنایہ میں ہے: کشرب الرمان والحماض[1] (جیسے انار اور حماض (ایک قسم کی گھاس) کا پانی۔ ت)

شلبیہ علی التبیین میں مستصفٰی سے ہے:

الاشربة المتخذة من الشجر کشراب الریباس ومن الثمر کالرمان والعنب[2] اھ ووقع فی الدرر بعد ما قال لا بما اعتصر من شجر او ثمر ولا بماء زال طبعه بالطبخ کشراب الریباس مانصه وھذہ العبارة احسن مما قیل کالاشربة فانه علی عمومه مشکل[3] اھ۔

درختوں سے حاصل کیے ہوئے عرق جیسے ریباس (چقندر کی طرح ایک سبزی) کا عرق، اور پھلوں کا رس جیسے کہ انگور اور انار کا رس۔ اور درر میں لا بما اعتصر من شجر او ثمر الخ کے بعد ہے کہ نہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکانے کی وجہ سے بدل گئی ہو جیسے ریباس کا عرق، ان کی عبارت یہ ہے اور یہ عبارت اس قول سے بہتر ہے کہ کالاشربة، کیونکہ اس کو عموم پر رکھنا مشکل ہے اھ (ت)

اقول ھو کما تری نص الھدایة و اقرہ الشراح ومثله فی مختصر القدوری والوافی والوقایة والاصلاح والملتقی والبدائع والخانیة والخلاصة وشرح مجمع البحرین وخزانة المفتین والغنیة والھندیة وغیرھا مما لایکاد یحصی سبحٰن اللہ مالی اعد الکتب وھو نص صاحب المذھب ففی الجامع الصغیر محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنھم لایتوضؤ بشیئ من الاشربة غیر نبیذ التمر[4] اھ ولا ادری

میں کہتا ہوں وہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ہدایہ کا نص ہے اور شراح نے اس کو برقرار رکھا ہے اور اس کی مثل مختصر القدوری میں ہے نیز وافی، وقایہ، اصلاح، ملتقی، بدائع، خانیہ، خلاصہ، شرح مجمع البحرین، خزانۃ المفتین، غنیہ اور ہندیہ وغیرہ لاتعداد کتابوں میں ہے سبحان اللہ میں کتابیں کیوں گنواؤں؟ یہ تو صاحبِ مذہب کی تصریح ہے، چنانچہ جامع صغیر میں روایت ہے، محمد روایت کرتے ہیں یعقوب سے ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ سوائے نبیذ تمر کے کسی عرق سے وضو نہ کیا جائے اھ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کے عموم میں کیا اشکال ہے، اور اس کے

---

[1] عنایة مع الفتح	الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ	عربیہ کراچی	۱/۱۸
[2] شلبیة مع التبیین	کتاب الطہارت	الامیریہ مصر	۱/۱۹
[3] درر الاحکام	"	دار السعادۃ مصر	۱/۲۳
[4] جامع الصغیر	فیما لایجوز بہ التوضؤ	یوسفی لکھنؤ	ص ۸

ای اشکال فی عمومه و لم یتکلم علیه ناظروه[1] الشرنبلالی وعبد الحلیم و الحسن العجیمی و اتی الخادمی[عه] بما لا یغنی واللہ تعالٰی اعلم۔

دیکھنے والوں نے اس پر کلام نہیں کیا جن میں شرنبلالی عبدالحلیم اور حسن عجیمی شامل ہیں اور خادمی نے بہت سی باتیں کی ہیں جو بے نیاز نہیں کرتیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

عه اذ قال انه علی عمومه مشکل اذ الاشربة فی الاصل اسم لکل ما یشرب فشامل لنحو ماء التمر وغیره والمقصود ههنا الاختصاص بشراب الریباس کما فهم من الایضاح فافهم اھ

انہوں نے فرمایا یہ اپنے عموم پر مشکل ہے کیونکہ "اشربۃ" ہر اس چیز کا نام ہے جو پی جاتی ہے تو یہ کھجور وغیرہ کے پانی کو شامل ہوگا اور یہاں مقصود ریباس کے عرق کی تخصیص ہے جیسا کہ ایضاح سے مفہوم ہے۔ فافہم اھ۔

اقول ترکهم[2] التکلم احسن من هذا والمقصود اعطاء حکم عام و تمثیله بجزئی لا تخصیص الکلام بالجزئی والاشربة فی العرف هی هذه المتخذة من الثمار والاشجار والا فالماء ایضا شراب هذا مغتسل بارد وشراب ولا شك ان الحکم یعمها **فان قلت** هو رحمه اللہ تعالٰی یمیل الی جواز التوضی بنبیذ التمر لقوله فی سؤر الحمار (یتوضؤ به ویتیمم ان عدم غیره بخلاف نبیذ التمر) حیث یتوضؤ به عند ابی حنیفة وان قال ابو یوسف بالتیمم فقط ومحمد جمع بینهما اھ

میں کہتا ہوں ان کا کلام نہ کرنا اس سے بہتر ہے، اور مقصود عام حکم لگانا ہے اور مثال اس کی ایک جزئی سے دی گئی ہے کلام کو جزئی سے خاص کرنا مقصود نہیں، اور اشربہ عرف میں پھلوں اور درختوں سے حاصل شدہ عرقیات ہی کو کہتے ہیں، ورنہ تو پانی بھی شراب ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ھذا مغتسل بارد وشراب، اور کوئی شک نہیں کہ حکم ان سب کو عام ہے، اگر تم کہو کہ وہ رحمہ اللہ نبیذ تمر سے وضو کے جواز کی طرف مائل ہیں کیونکہ انہوں نے گدھے کے جھوٹے کے بیان میں فرمایا (اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی اگر اور پانی نہ ہو بخلاف نبیذ تمر کے) کیونکہ اس سے ابو حنیفہ کے نزدیک وضو کیا جا سکتا ہے اگرچہ ابو یوسف صرف تیمم کے قائل ہیں، اور امام محمد وضوء اور تیمم دونوں کا قول کرتے ہیں اھ (ت)

اقول انما یستشکل ما لا یظهر وجه صحته ولیس لمن یختار جانبا من قولین متساویین ان یستشکل علی الآخر فضلا

میں کہتا ہوں اشکال صرف اس وقت ہوگا جس کی وجہ صحت ظاہر نہ ہو اور جو دو برابر اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے دوسرے

(باقی برصفحہ آئندہ)

(۱۸۶ و ۱۸۷) ہر قسم کا سرکہ اور مقطر

(۱۸۸) آب کامہ جسے عربی میں کامخ بفتح میم ومری بتشدید راء ویائے نسبت کہتے ہیں شوربے کی طرح ایک رقیق نانخورش ہے کہ دہی اور سرکے وغیرہ اجزاء سے بنتی ہے اصفہان میں اُس کا زیادہ رواج ہے۔ خانیہ و خزانۃ المفتین وشرح مجمع البحرین میں ہے:

لایجوز الوضوء بالخل والمری اھ وقد ذکر الخل فی الکثیر۔[1]

سرکہ اور نانخورش (شوربا) سے وضو جائز نہیں اھ سرکہ کا ذکر بہت سی کتابوں میں ہے۔ (ت)

(۱۸۹) نمک کا پانی کہ نمک بہ کر ہوتا ہے اس پر اجماع ہے۔

(۱۹۰) نمک کا پانی کہ نمک بن جاتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اکثر کا رجحان عدمِ جواز کی طرف ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عمن یختار قیلا ضعیفا مھجور الجمھور واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ ثم رأیت السید ابا السعود نقل عن العلامۃ نوح افندی وجہ الاشکال ما قد اشرت الیہ بقولی الماء ایضا شراب ولم یعجبنی ان اجعل مثلہ تفسیرا لکلام الدرر فقال وجہ الاشکال شمول الاشربۃ لغیر المتخذۃ من الشجر والثمر اذ المطلق من الماء شراب قال وانما قال احسن لامکان توجیہ العبارۃ بان یقال اراد الاشربۃ المتخذۃ منھما اھ وانت تعلم ان مثل ھذا[1] الایستاھل الذکر فضلا عن حمل کلام مثل مولٰی خسرو علیہ ثم تعبیر[2] التوجیہ بالامکان واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پر کوئی اشکال نہیں، چہ جائیکہ وُہ شخص جو ضعیف مخالف جمہور کو لیتا ہے واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ ابو السعود نے نوح آفندی سے وجہ اشکال وہی نقل کی جس کی طرف میں نے اپنے قول سے اشارہ کیا ہے کہ پانی کو بھی شراب کہتے ہیں اور مجھے اچھا معلوم ہوا کہ میں اسی کی مثل درر کا کلام کروں وہ فرماتے ہیں وجہ اشکال یہ ہے کہ "اشربہ" کا لفظ درخت اور پھلوں کے عرقیات کے علاوہ کو بھی شامل ہے کیونکہ مطلق پانی بھی شراب ہے۔ جو انہوں نے کہا ہے وہ زیادہ اچھا ہے کیونکہ عبارت کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ "اشربہ" سے وہ مراد ہیں جو ان دونوں سے بنائے جائیں اھ اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاویل قابلِ ذکر بھی نہیں چہ جائیکہ مولٰی خسرو کے کلام کو اس پر محمول کیا جائے، پھر توجیہ کو امکان سے تعبیر کرنا، واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

کہ وہ طبیعت آب کے خلاف ہے پانی سردی سے جمتا ہے اور وہ گرمی میں جمتا جاڑے میں پگھلتا ہے۔ تبیین الحقائق و بحر الرائق وبزازیہ میں ہے:

لا یجوز بماء الملح وھو یجمد فی الصیف ویذوب فی الشتاء عکس الماء۔

نمک کے پانی سے وضوء جائز نہیں، نمک گرمی میں جم جاتا ہے اور سردی میں پگھلتا ہے پانی کے برعکس۔

غرر وتنویر ودرر و درمیں ہے:

والنظم للدرر (یجوزان) ای الوضوء والغسل (بماء ینعقد بہ الملح) کذا فی عیون المذاھب (لا بماء الملح) الحاصل بذوبان الملح کذا فی الخلاصۃ ولعل الفرق ان الاول باق علی طبیعتہ الاصلیۃ والثانی انقلب[ع] الی طبیعۃ

عبارت درر کی ہے وضو اور غسل جائز ہے (اس پانی سے جس سے نمک بنا ہے) یہی عیون المذاہب میں ہے، (نہ کہ نمک کے پانی سے) جو نمک سے پگھل کر حاصل ہوتا ہے، خلاصہ میں یہی ہے اور غالباً فرق یہ ہے کہ اول اپنی اصل طبیعت پر واقع ہے اور دوسرا دوسری

ع قال الخادمی اورد الجمد والبخار اھ **اقول** توھم الانقلاب فی الجمد انما یتأتی ممن یزعم ان السمن فی الشتاء لا یبقی سمنا بل ینقلب ماھیۃ اخری قال واجیب المراد الطبیعۃ غیر الملائمۃ للمائیۃ اھ **اقول** ومراد الایراد ان الماء یجمد ویصیر بخارا فلا یتوضؤ بہ ثم اذا ذاب ذاك وتقاطر ھذا جاز لعودھما الی المائیۃ کما کانا علیھا فلو ان الماء الذی سینعقد ملحا کان باقیا علی طبیعۃ الاصلیۃ کما قلتم انما لا یجوز الوضوء بہ حین یصیر ملحا فاذا ذاب فقد عاد الی الطبیعۃ الاولی فما وجہ الفرق بین

خادمی نے کہا کہ جمد اور بخار سے اعتراض کیا گیا ہے اھ میں کہتا ہوں جمد میں انقلاب کا وہم وہی کہہ سکتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ گھی سردیوں میں گھی نہیں رہتا ہے بلکہ اس کی ماہیت بدل جاتی ہے فرمایا، جواب دیا گیا ہے کہ مراد وہ طبیعت ہے جو پانی کے مناسب نہ ہو اھ میں کہتا ہوں کہ اعتراض یہ ہے کہ پانی جم کر بخار رہتا ہے تو اس سے وضو نہیں کیا جاتا ہے، پھر جب یہ پگھلتا ہے اور ٹپکتا ہے تو وضو جائز ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں پانی بن جاتے ہیں، تو جو پانی جم کر نمک ہو جاتا ہے اگر بقول آپ کے اپنی اصلی طبیعت پر باقی ہو تو اس سے نمک ہونے کی حالت میں وضو جائز نہ ہوگا، اور جب وہ پگھلے گا تو اپنی پہلی طبیعت کی طرف واپس آجائے گا تو جو

(باقی برصفحہ آئندہ)

ل تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ماسینعقد وما کان انعقد فان ضر تخلل الانقلاب الی طبیعۃ اخری فلیضر فی الجمد الذائب والسحاب الصائب وحاصل الجواب ان المضر تخلل طبیعۃ لا تناسب طبیعۃ الماء وذلک فی الملح بخلاف الجمد والبخار اھ اقول ویکدرہ ان لیس بین ماء ملح سینعقد ملحا وبین الملح الا السیلان والجمود وبھذا القدر لا یحصل تباین الطبیعتین وعدم التناسب بینھما کیف و ھو حین ھو علی شرف الانعقاد فیہ کل ما فی الملح غیر انہ لم یجمد وسیجمد کالسمن والعسل فی الصیف والشتاء فکیف یقال ان الطبیعۃ الملحیۃ لا تناسب طبیعۃ ذلک الماء **فان قلت** المراد بطبیعۃ الماء ھی الرقۃ ولا شک ان الجمود یباینھا **اقول** فیعود الایراد بالجمد فان التباین بین الرقۃ والجمود لذاتیھما لا لما یعرض انہ من ماء او ملح فعلیک بالتثبت واللہ تعالٰی اعلم ثم رأیت الجواب المذکور فی الخادمی للدانی افندی قال بعدہ وھی طبیعۃ الملحیۃ فیکون ماؤہ

منعقد ہوگا اور جو منعقد ہوچکا ہے اس میں فرق کی کیا وجہ ہے تو اگر پانی کا دوسری طبیعت کی طرف انقلاب خلل پیدا کرتا ہے تو یہ چیز اُس جمد میں بھی مضر ہونی چاہئے جو پگھل گیا ہے اور اسی طرح بہنے والے بادل میں اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضر ایسی طبیعت کا خلل انداز ہونا ہے جو پانی کی طبیعت سے مناسب نہ ہو اور یہ چیز نمک میں ہے بخلاف جمد اور بخار کے۔ میں کہتا ہوں اس کو یہ چیز مکدر کرتی ہے کہ جو نمکین پانی نمک بننے والا ہے اور جو بالفعل نمک ہے اس میں سوائے سیلان اور جمد کے کیا فرق ہے اور دونوں میں عدمِ مناسبت بھی نہ ہوگی، پھر جب وہ جمنے کے قریب ہوتا ہے تو اس میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو نمک میں ہوتی ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ ابھی جما نہیں ہے اب جم جائیگا جیسے گھی اور شہد گرمی اور جاڑے میں، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ نمک کی طبیعت اس پانی کے مناسب نہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پانی کی طبیعت سے مراد رقّت ہے اور کچھ شک نہیں کہ جمود اس کے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں پھر وہی اعتراض ہوگا کہ جمد میں تباین رقّت اور جمود کا ذاتی ہے عارضی نہیں کہ پانی یا نمک کی وجہ سے ہو، تو غور کرنا لازم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ پھر میں نے مذکور جواب دانی آفندی کی خادمی

(باقی برصفحہ آئندہ)

لے درر غرر　　کتاب الطہارۃ　　دار السعادۃ مصر　　۱/ ۲۱

نوح افندی کما فی ش بان عبارۃ الخلاصۃ ولو توضأ بماء الملح لا یجوز ثم نقل عن البزازیۃ والزیلعی ما قدمنا قال واقرہ صاحب البحر والعلامۃ المقدسی ومقتضاہ انہ لا یجوز بماء الملح مطلقا ای سواء انعقد ملحا ثم ذاب اولا وھو الصواب عندی[1] اھ ملخصا۔

علامہ نوح آفندی نے اعتراض کیا ہے، جیساکہ "ش" میں ہے کہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر کسی نے نمک کے پانی سے وضو کیا تو جائز نہیں۔ پھر بزازیہ اور زیلعی سے انہوں نے وہی نقل کیا جو ہم نے بیان کیا اور فرمایا اس کو صاحب بحر اور علامہ مقدسی نے برقرار رکھا اس کا مفہوم وہی ہے کہ نمک کے پانی سے مطلقاً وضو جائز نہیں ہے خواہ نمک بن کر پھر پگھلا ہو یا نہ اور میرے نزدیک یہی صواب ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

اقول نمک اقسام ہے ایک وہ رطوبت کہ پہاڑ یا غار سے جوشش کرکے نکلتی اور جم جاتی ہے جیسے نمک لاہوری واندرانی اور سانبھر یہ ابتداءً جب تک بستہ نہ ہوئی تھی یقیناً اُسی کی مانند ہے جب بستہ ہو کر پگھل جائے کہ وہ پانی کی نوع ہی سے نہیں، دوم دریائے نمک کا منجمد حصہ یہ بعض تیز وتند وحار وحاد چشموں کا پانی ہے کہ جب حرارتِ آفتاب اس میں عمل کرتی ہے کناروں کناروں سے جم جاتا ہے بیچ میں بہتا پانی رہتا ہے اس میں جو چیز پڑے ایک مدت کے بعد نمک ہوجاتی ہے اختلاف اسی پانی میں ہے۔

والذی یظھر لی انہ ان کان ماءً حقیقۃ

میرے نزدیک اگر وہ حقیقۃً پانی ہی تھا جیسا کہ ظاہر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعد الذوبان کماء الذھب والفضۃ بخلاف الجمد اذا انقلب ماء فانہ ملائم لطبع الماء اھ نقلہ السید الازھری **اقول** والرد علی ھذا اظھر فانہ لا ینقلب بعد الذوبان الا الی ما کان علیہ وقد کان عندکم علی طبیعتہ الاصلیۃ فکذلک بعد الذوبان ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں دیکھا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ وہ نمک کی طبیعت ہے تو اس کا پانی پگھلنے کے بعد سونے چاندی کے پانی کی طرح ہوگا بخلاف جمد کے جب وہ پانی ہوجائے کیونکہ یہ پانی کی طبیعت کے مناسب ہے اھ اس کو سید ازہری نے نقل کیا۔ میں کہتا ہوں اس پر رد اظہر ہے کیونکہ وہ پگھلنے کے بعد پہلی ہی حالت کی طرف لوٹے گا اور تمہارے نزدیک وہ اصل طبیعت پر تھا تو اسی طرح پگھلنے کے بعد ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲

كما هو الظاهر فلا ينبغي الريب في جواز الوضوء به لان الماء ماء سواء كان عذبا فراتا او ملحا اجاجا وقد قال في الخانية لو توضأ بماء السيل يجوز وان خالطه التراب اذا كان الماء غالبا رقيقا فراتا كان او اجاجا[1] اھ ف[1] وكونه يجمد صيفا ويذوب شتاء لا يجعله نوعا اٰخر غير الماء فليس من اركان ماهية الماء ولا من شرائطها الجمود شتاء والذوبان صيفا وانما هذه اوصاف تختلف باختلاف الاصناف هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج هذا ينبت ويروي وهذا لا يفعل شيئا منه وقد ف[2] يمكن عقد الملح بماء البحر بالطبخ ولا يخرجه هذا عن المائية فكذا لو اجتزأ بعض المياه لشدة حدته عن الطبخ بحرارة الشمس لم يكن فيه اختلاف الماهية فهذا انما يقضي لما في الدر والدرر بالترجيح لكن لما اختلفوا ولم يتبين الامر قدمت الحاظر على المبيح ولكن العجب من العلامة الشرنبلالي علل في المراقي المنع من ذائب الملح بما مر انه يذوب شتاء ويجمد صيفا ثم قال وقبل انعقاده ملحا طهور[2] اھ والله تعالٰى اعلم۔

تو اس سے وضو کے جواز میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کیونکہ پانی تو پانی ہی ہے خواہ سخت میٹھا ہو یا سخت کڑوا ہو، خانیہ میں ہے اگر سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے خواہ اس میں مٹی ملی ہوئی ہو جبکہ پانی غالب رقیق ہو، میٹھا ہو یا نمکین ہو اھ اور یہ بات کہ وہ گرمیوں میں جم جاتا ہے اور سردیوں میں پگھل جاتا ہے اس کو پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بنا دیتا ہے کیونکہ جاڑوں میں جمنا گرمیوں میں پگھلنا نہ تو پانی کی ماہیت کے ارکان سے ہے اور نہ شرائط سے ہے یہ اوصاف ہیں جو قسموں کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں، کوئی سخت میٹھا، کوئی سخت نمکین، کوئی اُگانے والا اور سیراب کرنے والا ہوتا ہے اور کچھ بے فائدہ ہوتا ہے اور کبھی سمندری پانی کو ابال کر نمک بنا لیا جاتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پانی نہیں تھا، اسی طرح اگر کوئی پانی آفتاب کی گرمی سے گرم ہونے کی وجہ سے متجزی ہو گیا تو یہ اس کی ماہیت کو تبدیل نہیں کرتا، اس سے اس چیز کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے جو در اور درر میں ہے لیکن فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے میں نے منع کرنے والی دلیل کو مباح کرنے والی دلیل پر ترجیح دی ہے، مگر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انہوں نے مراقی الفلاح میں منع کی علت پگھلے ہوئے نمک میں یہ بتائی کہ وہ سردی میں پگھلتا اور گرمیوں میں جمتا ہے اور نمک بننے سے قبل وہ پاک ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خانیہ المعروف قاضی خان فصل فیما لا یجوز التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی کتاب الطہارت نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

(۱۹۱) نوشادر کا پانی کہ اس کے بہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱۹۲) آبِ کافور کہ اس کے پگھلنے سے حاصل ہو رہا جی کافور جسے یہاں بھیم سینی کہتے ہیں دھوپ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے۔

(۱۹۳) آبِ کافور کہ درخت کافور کاٹتے وقت اس سے ٹپکتا ہے۔

(۱۹۴) آبِ نفط بالکسر ایک روغنی رطوبت تیز رائحہ ہے کہ بعض زمینوں سے اُبلتی ہے۔

(۱۹۵) مٹی کا تیل مثل آبِ نفط ہے۔ بزازیہ میں ہے: ماء الملح لایجوز الوضوء بہ وکذا ماء النفط[1] (نمک کے پانی سے وضو جائز نہیں، اور ایسے ہی ماء النفط (ایک معدنی تیل) سے۔ ت)

(۱۹۶) زِفت بالکسر درخت صنوبر نر کا مد جو پھل نہیں دیتا۔

(۱۹۷) راتیانج درخت صنوبر مادہ کا مد جس میں پھل آتا ہے۔

(۱۹۸) قطران ایک قسم کا درخت سرو کا مد۔

(۱۹۹) قیر ایک سیاہ رطوبت کہ بعض زمینوں یا گرم چشموں سے ابلتی ہے۔

(۲۰۰) قفرالیہود ایک بودار رطوبت بنفشی رنگ کہ مثل قیر بعض دریاؤں سے نکلتی ہے۔

(۲۰۱) عنبر کہ یہ بھی ایک قول میں ایک معدنی رطوبت ہے بعد کو حرارت آفتاب وغیرہ سے منجمد ہوجاتی ہے۔

(۲۰۲) مومیائی

(۲۰۳) سلاجیت یہ دونوں پتھر کے مد ہیں اور ابتدا میں سیّال ہوتے ہیں وکل ذلک فی معنی ماء النفط (یہ سب ماء النفط (ایک معدنی تیل) کے معنی میں ہیں۔ ت)

(۲۰۴) نیم وغیرہ درختوں کا مد

(۲۰۵) موسم بہار میں انگور کی بیل سے خود بخود پانی ٹپکتا ہے اس میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ اُس سے وضوء جائز نہیں۔

فی الھدایۃ[2] لایجوز بما اعتصر من الشجر والثمر لانہ لیس بماء مطلق والحکم عند فقدہ منقول الی التیمم اما الماء الذی

ہدایہ میں ہے (وضو اس پانی سے جائز نہیں جو درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو) کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں رہا، اور جب مطلق پانی نہ ہو تو پھر حکم تیمم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے،

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع العالمگیری نوع فی المستعمل والمطلق والمقید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰

يقطر من الكرم فيجوز التوضی به لانه ماء
يخرج من غير علاج ذكره فى جوامع[2] ابی یوسف
رحمه الله تعالٰى وفى الكتاب اشارة اليه
حيث شرط الاعتصار[1] اھ واقره فى العناية[3]
والفتح[4] وغيرهما وتبعه صاحب المجمع[5] فى
شرحه وفى التبيين[6] انكان يخرج من غير
علاج لم يكمل امتزاجه فجاز الوضوء به
كالماء الذى يقطر من الكرم[7] اھ وتبعه المحقق
فى الفتح وقال صدر[8] الشريعة وتبعه ابن كمال
باشا فى ايضاحه اما مايقطر من شجر
فيجوز به الوضوء[3] اھ[9] وهو اختيار الامام
الاسبيجابى كما ياتی فى سادس ضوابط الفصل
الثالث وادخله العلامة[1] التمرتاشی فى
متنه فقال لا بعصير نبات بخلاف مايقطر
من الكرم بنفسه[4] اھ

واغرب المدقق العلائی فى شرحه
فزاد بعد قوله من الكرم او الفواكه
ولم اره لغيره والجمهور على المنع ونصوا[عہ]

بہرحال وہ پانی جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے اس سے وضو
جائز ہے کہ وہ بغیر عمل کے نکلا ہے اس کو جوامع ابی یوسف
رحمہ اللہ تعالٰی میں ذکر کیا اور کتاب میں اس کی طرف اشارہ
ہے کہ اس میں نچوڑنے کی شرط ہے اھ اور اس کو عنایہ
اور فتح وغیرہ میں برقرار رکھا اور صاحب المجمع نے اس
کی شرح میں اس کی متابعت کی اور تبیین میں ہے کہ
بغیر عمل کے اگر عرق نکل آئے تو اس کا امتزاج پورا
نہ ہوگا اور اس سے وضو جائز ہے جیسے انگور کی بیل
سے ٹپکنے والا پانی اھ محقق نے فتح میں اس کی پیروی کی
اور صدر الشریعۃ نے فرمایا ابن کمال پاشا نے اپنی
ایضاح میں اس کی پیروی کی فرمایا جو پانی درخت سے
ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے اھ اور وہ امام
اسبیجابی کا مختار ہے جیسا کہ تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ
میں آئیگا اور علامہ تمرتاشی نے اس کو متن میں داخل کیا
اور فرمایا گھاس کے عرق سے جائز نہیں بخلاف اس
پانی کے جو انگور کی بیل سے خود بخود ٹپکتا ہے اھ (ت)

اور مدقق علائی نے اپنی شرح میں بڑی عجیب
بات کہی یعنی یہ کہ من الکرم کے بعد انہوں نے "او الفواکہ" کا
اضافہ کیا، میں نے ان کے علاوہ کسی اور کے کلام میں

عہ وقد مر تاييده فى ١٨٠ فتذكر ١٢ منه غفرله (م)

اس کی تائید گزر چکی ہے ملاحظہ ہو ١٨٠ - ١٢ منہ غفرلہ (ت)

---

١ ہدایہ	باب الماء الذی یجوز بہ وما لا یجوز	مطبع عربیہ کراچی	١/١٦
٢ تبیین الحقائق	کتاب الطہارت	مطبع الامیریہ ببولاق مصر	١/٢٠
٣ شرح الوقایۃ	مالایجوز بہ الوضوء	المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی	١/٨٤
٤ درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	١/٣٤

انه الاوجه الاظهر الاحوط ففی الکافی[1]
ثم ابن الشلبی[2] علی الزیلعی والانقرویة[3]
لایتوضؤ بماء یسیل من الکرم لکمال
الامتزاج ذکره فی المحیط[4] وقیل یجوز لانه
خرج من غیر علاج[1] اھ وفی الخانیة[5] لا بالماء
الذی یسیل من الکرم فی الربیع وکذا ذکره
شمس الائمة الحلوانی[2] اھ وفی الحلیة[7] والظاهر
انه اوجه اھ ثم اعاد فقال الظاهر انه
الاوجه[3] اھ وفی الغنیة[8] هو الاحوط[4] اھ وفی
غنیة[9] ذوی الاحکام هو الاظهر کما فی البرهان[10][5]
وفی نور الایضاح[11] لایجوز بماء شجر وثمر
ولو خرج بنفسه من غیر عصر فی الاظهر[6] اھ
وفی مراقی الفلاح[12] احترز به عما قیل انه
یجوز بما یقطر بنفسه لانه لیس لخروجه
بلا عصر تاثیر فی نفی القید وصحة نفی
الاسم عنه[7] اھ وفی الدرر[13] هو الاظهر کما
فی الشرنبلالیة عن البرهان واعتمده القهستانی[14]
فقال والاعتصار یعم الحقیقی والحکمی

یہ نہ دیکھا، اور جمہور کے نزدیک ممنوع ہے اور صراحت
کی ہے کہ یہی اوجہ، اظہر اور احوط ہے، کافی، ابن شلبی
علی الزیلعی اور انقرویہ میں ہے کہ اس پانی سے وضوء
نہ کرے جو انگور کی بیل سے بہتا ہے کیونکہ اس میں کمال
امتزاج پایا جاتا ہے، اس کو محیط میں ذکر کیا ہے اور
ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ بغیر عمل کے نکلا ہے
خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے جائز نہیں جو موسم ربیع
میں انگور کی بیل سے نکلتا ہے، اسی طرح اس کو ذکر
کیا ہے شمس الائمہ حلوانی نے اھ اور حلیہ میں ہے اور
ظاہر یہ ہے کہ یہی اوجہ ہے اھ پھر اعادہ کیا اور فرمایا
ظاہر یہی ہے کہ یہ اوجہ ہے اھ اور غنیہ میں ہے کہ یہ احوط
ہے اھ اور غنیہ ذوی الاحکام میں ہے یہی اظہر ہے جیسا
کہ برہان میں ہے اور نور الایضاح میں ہے وضو جائز
نہیں درخت یا پھل کے پانی سے خواہ بلا نچوڑے
از خود نکل آئے، اظہر یہی ہے اور مراقی الفلاح میں ہے
اس سے اس قول سے احتراز کیا کہ وضو اس پانی سے
جائز ہے جو بلا نچوڑے خود نکل آئے، کیونکہ اس کے بلا نچوڑے
نکلنے میں نفی قید میں کوئی تاثیر نہیں ہے اسی طرح اس سے

---

1. حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق — کتاب الطهارة — الامیریة بولاق مصر ۱/۲۰
2. قاضی خان — فیما لایجوز به التوضی — نولکشور لکھنؤ ۱/۹
3. حلیہ
4. غنیة المستملی — احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۲
5. غنیة ذوی الاحکام حاشیة علی الدرر — کتاب الطہارت — مطبعة الکاملیة بیروت ۱/۲۳
6. نور الایضاح — کتاب الطهارة — علمیہ لاہور ص ۳
7. مراقی الفلاح — " " " — الامیریة بولاق مصر ص ۱۴

کماء الکرم وکذا ماء الدابوغة[عہ۱] والبطیخ بلا استخراج اھ[۱] واقرہ ط[۱] وفی الھندیۃ ولا بماء یسیل من الکرم کذا فی الکافی والمحیط وفتاوٰی قاضی خان وھو الاوجہ ھکذا فی البحر[۱] وھو الاحوط کذا فی شرح منیۃ المصلی لابرھیم الحلبی اھ[۲] وفی البحر الرائق والنھر[۱] الفائق المصرح بہ فی کثیر من الکتب انہ لایجوز الوضوء بہ واقتصر علیہ قاضی خان فی الفتاوٰی وصاحب المحیط وصدر بہ فی الکافی وذکر الجواز بصیغۃ قیل وفی شرح منیۃ المصلی الاوجہ عدم الجواز فکان ھو الاولی لما انہ کمل امتزاجہ کما صرح بہ فی الکافی فما وقع

اس نام کے سلب کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے اھ اور در میں اسی کو اظہر کہا جیسا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے ہے اور اسی پر قہستانی نے اعتماد کیا اور کہا نچوڑنا حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہے جیسے انگور کا پانی اسی طرح تربوز کا پانی، اور خربوزے کا پانی بلا نکالے ہوئے اھ اور اس کو "ط" نے برقرار رکھا اور ہندیہ میں ہے نہ اس پانی سے جو انگور کی بیل سے نکلتا ہے اسی طرح کافی، محیط میں ہے اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے یہی اوجہ ہے یہی بحر میں ہے اور یہی احوط ہے اسی طرح شرح منیۃ المصلی میں ہے جو ابراہیم حلبی کی ہے اھ اور بحر اور نہر میں ہے، کہ بہت سی کتب میں صراحت ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں، اور اس پر قاضیخان نے فتاوٰی میں اکتفاء

عہ۱ الدابوغۃ والدابوقۃ والجبجب ھو البطیخ الاخضر کما فی ش عن بعض المحشین عن کتب الطب وذکر فی التحفۃ و المخزن دابوقۃ بالقاف وزعما انہ من اسمائہ بالعربی وذکرا منھا اللاغ والبطیخ الھندی والبطیخ الشامی والبطیخ الفلسطینی وبالفارسیۃ ھندوانہ وبالھندیۃ تربوز ولم یذکرا دابوغہ بالغین ۱۲ منہ۔ (م)

دابوغہ، دابوقہ اور جبجب تربوز کو کہتے ہیں جیسا کہ شامی میں ہے کہ بعض حاشیہ نگاروں نے کتب طب سے اس کی یہی تشریح نقل کی ہے اور تحفہ اور مخزن میں دابوقہ "ق" سے ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ اس کا عربی نام ہے ان دونوں کتب میں لاغ اور بطیخ ہندی، بطیخ شامی اور بطیخ فلسطینی کا ذکر ہے فارسی میں ہندوانہ اور ہندی میں تربوز کہتے ہیں ان دونوں کتابوں میں دابوغہ "غ" کے ساتھ کا ذکر نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] درمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[۲] ہندیۃ فیما لایجوز بہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱

فی شرح الزیلعی انہ لویکمل امتزاجہ ففیہ نظر[1] اھ وفی ش عن الرملی علی المنح من راجع کتب المذھب وجد اکثرھا علی عدم الجواز فیکون المعمول علیہ فما فی ھذا المتن (یرید التنویر) مرجوح بالنسبۃ الیہ[2] اھ۔

کیا اسی طرح صاحبِ محیط نے اس پر اکتفاء کیا اور اس کو ابتداء میں ذکر کیا کافی میں اور جواز کا ذکر بصیغہ قیل کیا اور شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ اوجہ عدمِ جواز ہے تو یہی اولٰی ہے کیونکہ اس کا امتزاج مکمل ہوگیا ہے جیسا کہ کافی میں مصرح ہے تو شرح زیلعی میں اس کے امتزاج کو مکمل نہ بتانا قابلِ اعتراض ہے اھ اور "ش" میں رملی علی المنح سے منقول ہے کہ جس نے کتبِ مذہب کو دیکھا ہے اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر میں عدمِ جواز ہے تو اسی پر اعتماد ہوگا، تو جو اس متن (تنویر) میں ہے وہ اس کی نسبت مرجوح ہے اھ۔ (ت)

(۲۰۶) تاڑی

(۲۰۷) سیندھی

اقول حتی علی قول من یجوز بقاطر الکرم[عہ] فانہ ماء کان تشربہ فاذا ارتوی ردہ

میں کہتا ہوں یہاں تک کہ جو حضرات انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی سے وضو کے جواز کے قائل ہیں تو وہ یہی

[عہ] علی ھذا ھو صریح مفاد کلام الزیلعی ومن تبعہ لکن فی الارکان الاربعۃ لبحر العلوم مانصہ اختلفوا فی ماء سال من الکرم و نحوہ بنفسہ ففی الھدایۃ یجوز بہ التوضی وفی الکافی وفتاوی قاضی خان لایجوز لانہ لیس ماء انما ھو شبیہ بالماء ویطلق علیہ الماء مجازا اھ

اقول لیس التعلیل فی الکافی ولا فی الخانیۃ بل لم ارہ لاحد قبلہ بل زعم

یہ صریح مفہوم ہے زیلعی کے کلام کا اور اس کے متبعین کے کلام کا، لیکن بحر العلوم کی ارکانِ اربعہ میں ہے اُس پانی میں اختلاف ہے جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے، ہدایہ میں ہے اس سے وضو جائز ہے، کافی اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ وضو جائز نہیں کیونکہ وہ پانی نہیں ہے پانی کے مشابہ ہے اور اس پر پانی کا اطلاق مجاز ہے اھ

میں کہتا ہوں کہ تعلیل نہ کافی میں ہے اور نہ خانیہ میں ہے بلکہ میں نے اُن سے پہلے کسی کے کلام

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

كما يدل عليه قول الزيلعي كمال الامتزاج بتشرب النبات الماء بحيث لا يخرج منه الا بعلاج ثم ذكر قاطر الكرم بما مر بخلاف الرطوبات السائلة من هذه الاشجار فانها كالقارات النابعة من الاحجار والله تعالى اعلم۔

کہتے ہیں کہ دراصل یہ پانی تھا جب بیل میں جذب ہونے سے بچا تو بہنے لگا جیسا کہ قول زیلعی سے معلوم ہوتا ہے، امتزاج کا کمال یہ ہے کہ گھاس پانی کو اچھی طرح پی لے کہ بلا نکالے پانی نہ نکلے، پھر انہوں نے انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی کا ذکر کیا بخلاف ان رطوبتوں کے جو ان درختوں سے بہتی ہیں کیونکہ یہ ان روغنیات کی طرح ہیں جو پتھروں سے نکلتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۰۸) ماء الجبن کہ دودھ پھاڑ کر اس کی مائیت نکالتے ہیں۔

(۲۰۹) دہی کا پانی کہ کپڑے میں باندھ کر ٹپکائیں یا اس کے کونڈے میں اس سے چھٹے۔

(۲۱۰) مٹھا جسے چھاچھ بھی کہتے ہیں دہی سے مکھن جُدا ہونے کے بعد جو پانی رہ جائے۔

(۲۱۱) چاولوں کی پیچ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامة ابن كمال الوزير فى الايضاح عند قول متنه لا بما اعتصر من شجر او ثمر الرواية بالقصر كانهم ابوا عن اطلاق اسم الماء عليه ايماء الى قصوره عن حد الماء المطلق ولذلك لا يجوز التوضي به اھ فهذا يوهم بل كمصرح ان كل عصارة ثمر او شجر ماء حقيقة غير انه مقيد لا مطلق وهو باطل قطعا والذى يقبله القلب فى ماء الكرم القاطر ايضا ماقاله بحر العلوم والله تعالى اعلم ١٢ منه غفر له۔ (م)

میں یہ نہیں دیکھا، بلکہ علامہ ابن کمال وزیر نے ایضاح کے متن کے پاس فرمایا نہ اس پانی سے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو روایت قصر سے ہے، گویا وہ اس پر پانی کے نام کا اطلاق نہیں کرنا چاہتے ہیں، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ وہ ماء مطلق میں شامل نہیں، اور اس لیے اس سے وضوء جائز نہیں ہے اھ اس سے وہم ہوتا ہے بلکہ صراحت ہی کہنی چاہئے کہ درختوں اور پھلوں کا پانی حقیقۃً پانی ہے، البتہ وہ مقید ہے مطلق نہیں ہے، حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے اور انگور کی بیل کے پانی کی بابت دل لگتی بات بحر العلوم ہی کی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۲۱۲) گوشت کا پانی کہ سر بند بویام میں بے پانی رکھ کر اوپر پانی بھر کر آنچ دینے سے خود گوشت سے مثل عرق نکلتا ہے۔

(۲۱۳) ماء اللحم کہ عرقیات کی طرح گوشت و اجزائے مناسبہ سے ٹپکا کر لیتے ہیں۔

المخالطات

(۲۱۴) یخنی کہ پانی میں گوشت کا آبجوش نکالتے ہیں۔

(۲۱۵) ہر قسم کا شوربا۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز بالمرق فانہ لایسمی ماء مطلقا[1]

شوربا سے وضوء جائز نہیں کہ اس کو مطلق پانی نہیں کہتے ہیں۔ (ت)

(۲۱۶ و ۲۱۷) جس پانی میں چنے یا باقلا پکایا اگر پانی میں ان کے اتنے اجزاء مل گئے کہ ٹھنڈا ہو کر پانی گاڑھا ہو جائے گا تو اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

اقول وذلك ان العبارات الواضحة[عہ] جاءت ھھنا علی ثلثۃ وجوہ۔

میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں واضح عبارات تین قسم کی ہیں:

الاول لایجوز مطلقا لان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج فیفید التقیید وھذا ما یأتی فی ضابطۃ الامام الزیلعی واتباعہ رحمھم اللہ تعالٰی۔

اول: مطلقاً جائز نہیں کیونکہ پکانے سے مکمل امتزاج حاصل ہوتا ہے لہذا مقید کرنا مفید ہوگا۔ امام زیلعی اور ان کے متبعین کے ضابطہ میں اس کا بیان آئیگا، رحمہم اللہ تعالٰی۔

الثانی لایجوز اذا وجد منہ ریح المطبوخ۔

دوم: وضو جائز نہیں جبکہ اس میں سے پکی ہوئی چیز کی بُو آتی ہو۔

الثالث یجوز مالم یثخن وعلیہ الاکثر وھو الاشھر والمنصوص

سوم: جب تک گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے، اکثر اسی پر ہیں اور یہی مشہور تر ہے، اور عام متون میں

عہ ستأتی عبارۃ اخری مجملۃ وھی التغیر بالطبخ ویأتی الکلام علیھا ۱۲ منہ (م)

عنقریب ایک مجمل عبارت آئے گی اور وہ پکانے سے تبدیل ہونا ہے اور اس پر کلام بھی آئیگا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء و مالایجوز بہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

علیه[ع۱] فی عامة المتون وفی الخانیة لو طبخ فیه الحمص او الباقلاء وریح الباقلاء یوجد منه لا یجوز به التوضؤ وذکر الناطفی اذا لم تذهب رقته ولم یسلب منه اسم الماء جاز[1] اھ وفی الجامع[ع۲] الکبیر ثم المنیة و الینابیع ثم الزیلعی والفتح وتجنیس الامام صاحب الھدایة ثم البحر وتجنیس الملتقط ثم الحلیة والفتاوی الظھیریة ثم البرجندی واللفظ للفتح فی الینابیع لو تقع الحمص والباقلاء وتغیر لونه وطعمه وریحه یجوز التوضی به فان طبخ فان کان اذا برد ثخن لا یجوز الوضوء به او لم یثخن ورقة الماء باقیة جاز[2] اھ وھذا کما تری اوسع الاقوال فاذا حصل شرطه فی المنع حصل المنع بالاجماع۔

ثم اقول وباللہ التوفیق بل لا خلاف اما القولان الاولان فالتوفیق بینهما واضح

یہی ہے، اور خانیہ میں ہے اگر پانی میں چنے یا باقلا پکایا گیا اور باقلا کی بُو اس میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں اور ناطفی نے فرمایا اگر اس کا پتلا پن ختم نہیں ہوا ہے اور اس پر پانی کا اطلاق ہوتا ہے تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں، جامع کبیر، منیہ، ینابیع، زیلعی، فتح، تجنیس (صاحب ہدایہ کی کتاب) پھر بحر، ملتقط کی تجنیس، حلیہ، فتاوٰی ظہیریہ اور برجندی میں ہے، عبارت فتح کی بحوالہ ینابیع ہے اگر چنے اور باقلا پانی میں نچوڑ لیے گئے اور اس کا رنگ مزہ اور بُو بدل گئے تو اُس سے وضو جائز ہے، تو اگر پکایا گیا اور ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہوگیا تو وضو جائز نہیں، اور اگر گاڑھا نہ ہوا اور پانی کی رقت ہنوز باقی ہے تو جائز ہے اھ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اس قول میں سب سے زیادہ گنجائش ہے، تو جب اس کی شرط منع میں حاصل ہو تو بالاجماع منع ثابت ہوگا۔ (ت)

پھر میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق، بلکہ کوئی خلاف ہی نہیں، اور دو پہلے اقوال میں تطبیق واضح ہے

ع۱ کالوقایة والملتقی والغرر والتنویر ونور الایضاح حیث اعتبروا زوال الطبع بالطبخ ویأتی نصوصها فی الفصل الثالث ۱۲ منه غفر له۔

جیسے وقایہ، ملتقی، غرر، تنویر اور نور الایضاح، ان حضرات نے پکانے سے طبیعت کے زوال کا اعتبار کیا ہے تیسری فصل میں ان کتب کی عبارات آئیں گی ۱۲ منہ غفرلہ

ع۲ ھکذا فی الحلیة وفی نسختی المنیة و الجامع الصغیر وعلیها شرح فی الغنیة ۱۲ منه غفر له (م)

اسی طرح حلیہ میں ہے اور میرے پاس موجود منیہ اور جامع صغیر کے نسخوں پر اس کی شرح غنیہ میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

۱؎ فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لا یجوز بہ التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹

۲؎ فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

فانہ اذا نضج الباقلی فی الماء وادرک وجد ریحہ من الماء لا محالۃ وھذا ھو معنی الطبخ کما تقدم فی ۱۰۸ نعم علی ھذا یضیع الشرط ولا امکان لحمل الطبخ علی الالقاء بقصد کا لیکون احترازا عما اذا اُخرج قبل ان یؤثر فی الماء فانہ لیشمل ما اذا اُخرج بعد ما غیر ریح الماء قبل ان ینطبخ فان تغیر الریح لایتوقف علی النضج فعلی ھذا یکون مجرد تغیر الریح بدون الطبخ موجبا للتقیید وھو خلاف النصوص المذکورۃ فی ۸۹ فان عند عدم الطبخ لاوجہ للفرق بینہ وبین النقیع تأمل واما القول الثالث فافاد فی الغنیۃ مایعطی وفاقہ حیث قال التقیید یحصل للماء بکمال الامتزاج بالطبخ بان یطبخ فی الماء شئ حتی ینضج فحینئذ یخرج الماء عن طبعہ وھو سرعۃ السیلان ولا شک انہ اذ ذاک اذا برد یثخن غالبا فکانت القاعدۃ فی المخالطۃ بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء وفی المخالطۃ بدونہ ان تزول رقتہ[1] اھ وتبعہ فی مراقی الفلاح فقال لا بماء زال طبعہ بالطبخ لانہ اذا برد ثخن[2]۔

کہ جب باقلا پانی میں اچھی طرح پک جائے تو لامحالہ اس کی بُو پانی میں آئے گی اور پکنے کے یہی معنی ہیں جیسا کہ ۱۰۸ میں گزرا۔ ہاں اس تقدیر پر شرط لگانا بے سود ہوگا اور یہ امکان نہیں ہے کہ طبخ کو اس پر محمول کیا جائے کہ پکانے کے ارادہ سے ڈالنا، تاکہ اس صورت سے احتراز کیا جائے جب کہ اُس کو پانی میں اثر انداز ہونے سے قبل نکال لیا جائے، کیونکہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس کو نکالا جائے اس وقت جبکہ اس سے پانی کی بُو تبدیل ہو جائے اور وہ پکنے نہ پائے، کیونکہ بُو کا بدلنا پکنے پر موقوف نہیں اس بناء پر صرف بُو کا بدلنا بلا پکائے موجبِ تقیید ہوگا اور یہ نصوص مذکورہ کے خلاف ہوگا، نصوص ۸۹ میں مذکور ہیں، کیونکہ نہ پکنے کی صورت میں اُس میں اور نقیع (نچوڑا ہوا) میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ مقامِ غور ہے، تیسرا قول غنیہ کے مطابق وہ ہے جس سے اتفاق معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں تقیید پانی میں اس وقت ہوتی ہے جب پکنے سے مکمل امتزاج حاصل ہو جائے، مثلاً یہ کہ پانی میں کوئی چیز پکائی جائے حتّٰی کہ مکمل طور پر پک جائے، تو اس وقت وہ پانی اپنی طبیعت سے خارج ہو جائیگا اور یہ اس کا تیزی سے بہنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہو جائیگا تو پکانے والی چیز میں "مخالطہ" کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز پانی میں پک جائے، اور پکائے بغیر مخالطہ میں یہ ہے کہ

---

[1] غنیۃ المستملی فصل احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[2] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریۃ مصر ص ۱۵

اس کی رقت ختم ہو جائے اھ اور یہی بات مراقی الفلاح میں کہی گئی ہے، فرمایا نہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکائے جانے کی وجہ سے ختم ہو گئی کیونکہ جب وہ ٹھنڈا ہو گا گاڑھا ہو جائے گا۔ (ت)

اقول لا طبخ الا بالنضج كما علمت فكان الطبخ نفسه القاعدة من دون شريطة زائدة وهذا يوافق اهل الضابطة ثم اذا كان الطبخ يورث الثخونة مطلقا حصل توافق الاقوال ومجال المقال فيه من وجوه۔

میں کہتا ہوں طبخ بلا نضج نہیں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے جانا، تو طبخ بجائے خود قاعدہ ہے اس میں کسی زائد شرط کی حاجت نہیں اور یہ ضابطہ والوں کے موافق ہے، پھر جب طبخ سے مطلقاً گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے تو اقوال میں توافق پیدا ہو گا، اور اس میں کئی وجوہ سے کلام ہو سکتا ہے:

الاول ما اقول انه على هذا لم يبق الفرق بين النئ والمطبوخ اذ صار المدار فيهما جميعا الثخونة وكلام الشيخ يؤذن بالتفرقة۔

اوّل یہ جو میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر کچے اور پکے ہوئے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان دونوں میں دار و مدار گاڑھا ہونا ہے اور شیخ کے کلام سے دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

والثانی ما اقول ایضا تقسیم الطبخ فی الینابیع الی صورة الثخونة وبقاء الرقة یؤذن بان الطبخ لا یوجب الثخانة ولا ینفع قوله غالبا لانه اذا برد فلم یثخن وجب جواز الوضوء به لاحاطة العلم بعدم المانع۔

دوم میں کہتا ہوں ینابیع میں طبخ کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ صورتاً گاڑھا پن ہو اور رقت باقی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبخ سے گاڑھا پن لازمی نہیں ہوتا ہے، اور ان کے قول غالب کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہو تو اس سے وضوء جائز ہے کیونکہ مانع کے نہ ہونے کا علم ہے۔

والثالث قال المحقق البحر فی البحر لا یتوضؤ بماء تغیر بالطبخ بما لا یقصد به التنظیف کماء المرق والباقلاء لانه لیس بماء مطلق لعدم تبادره عند اطلاق اسم الماء اما لو کانت النظافة تقصد به کالسدر والصابون والاشنان یطبخ به فانه یتوضؤ به الا اذا اخرج الماء عن طبعه من الرقة والسیلان وبما تقرر علم

سوم محقق نے بحر میں فرمایا کہ اس متغیر پانی سے وضو نہ کیا جائے جس کو کسی ایسی چیز کے ساتھ پکایا گیا ہو جو تنظیف کے لیے نہیں ہوتی ہے جیسے شوربہ اور باقلا کا پانی، کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے اس لیے کہ جب پانی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہ پانی متبادر نہیں ہوتا ہے اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس سے نظافت مقصود ہو جیسے جھربیری، صابون اور اشنان کو پانی کے ساتھ پکایا جائے تو اس پانی سے وضو کیا جائیگا، ہاں اگر

ان ماذکرہ فی التجنیس والینابیع (فاشرمامر انفا) لیس ھوالمختار بل ھوقول الناطفی من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی یدل علیہ ماذکرہ قاضی خان (فنقل ماتقدم الاٰن) قال وبما قررناہ علم ان الماء المطبوخ بشیئ لایقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولم یتغیر فحینئذ لاینبغی عطفہ فی المختصر علی بکثرۃ الاوراق الا ان یقال انہ لما صار مقیدا افقد تغیر بالطبخ اھ[1] وتبعہ ش فقال فی المرق والباقلاء انہ یصیر مقیدا اسواء تغیر شیئ من اوصافہ اولا وسواء بقیت فیہ رقۃ الماء اولا فی المختار کما فی البحر[2]۔

پانی اپنی طبیعت سے نکل جائے یعنی رقت اور سیلان ختم ہوجائے تو وضوء جائز نہ ہوگا، اور گزشتہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوکچھ تجنیس اور ینابیع میں ہے (وہ نقل کیا جو ابھی گزرا) وہ مختار نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے مشائخ میں سے ناطفی کا قول ہے، قاضی خان کا قول اس پر دلالت کرتا ہے (جو ابھی گزرا وہ نقل کیا) فرمایا ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ پانی کو اگر کسی ایسی چیز سے جوش دیا جائے جس سے زیادہ تنظیف مقصود نہ ہو تو وہ مقید ہوجائیگا خواہ اس کے اوصاف میں تغیر ہو یا نہ ہو اس صورت میں اس کا عطف مختصر میں "بکثرۃ الاوراق" پر مناسب نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب وہ مقید ہوگیا تو پکنے سے متغیر ہوگیا اھ "ش" نے بھی یہی لکھا اور شوربا اور باقلاء میں لکھا کہ وہ مقید ہوجائے گا خواہ اس کے اوصاف میں تبدیلی ہو یا نہ ہو، عام ازیں کہ اس میں پانی کی رقت رہے یا نہ رہے، مختار یہی ہے جیسا کہ بحر میں ہے اھ (ت)

والرابع قال العلامۃ البرجندی تحت قول النقایۃ وان تغیر بالمکث او اختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء او غیرہ طبخا[3] مانصہ واطلاق التغیر وجعلہ قسیما للاخراج من طبع الماء یتبادر منہ ان مطلق التغیر بالطبخ مانع سواء اخرجہ عن

چہارم علامہ برجندی نے نقایہ کے قول وان تغیر بالمکث الخ کے تحت فرمایا، تغیر کو مطلق رکھنا اور اس کو اخراج من طبع الماء کا قسیم بنانا، اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ مطلق تغیر پکانے کی وجہ سے مانع ہے، خواہ وہ اس کو پانی کی طبیعت سے نکالے یا نہ نکالے، ہدایہ سے یہی مفہوم ہے، اس کی تائید

---

[1] بحرالرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸
[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳
[3] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

طبع الماء اولا وھذا ھو المفھوم من الھدایۃ ویؤیدہ مافی الخزانۃ وفتاوی قاضی خان انہ اذا طبخ فیہ الباقلی وریح الباقلی یوجد منہ لایجوز بہ التوضی وقد ذکر فی الفتاوی الظھیریۃ انہ اذا طبخ الحمص اوالباقلی الی اٰخر ما تقدم عن الفتح۔

وانا **اقول** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق فعل النار والعیاذ باللہ تعالٰی منھا تفریق الاتصالات فاذا طبخ شیئ تزیل النار صلابتہ وتفتح منافذہ فیداخلہ الماء وتخرج اجزاؤہ اللطاف فی الماء فتورثہ ثخونۃ اذا کان الماء علی ما ھو المعتاد فی طبخ الاشیاء وان لم تظھر اذا کثر الماء جدا فان الکلام فی الطبخ المعھود ولا یجعل فیہ من الماء الاقدر معلوم موافق لحصول الامتزاج وھذا ما افاد الزیلعی و اتباعہ ان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج نعم الحرارۃ توجب اللطافۃ فمادام حارا لایظھر ذلک التغیر علی ما ھو علیہ وبہ ظھر سر ما قالوا اذا صار بحیث اذا برد ثخن وھذا ھو الفارق بین النیئ والمطبوخ فان النیئ لیس فیہ ما یمنع ظھور الثخانۃ فاحیل فیہ علی نفس ذھاب الرقۃ بخلاف

خزانہ اور فتاوٰی قاضی خان سے ہوتی ہے کہ اگر اس میں باقلی پکایا گیا اور اس کی بُو پانی میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں، اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ اذا طبخ الحمص اوالباقلی الخ جو فتح سے نقل ہوا۔ (ت)

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق آگ کا کام متصل کو منفصل کرنا ہے جب کوئی چیز آگ پر پکائی جاتی ہے تو آگ اس کی سختی کو زائل کر دیتی ہے اور اُس کے سوراخوں کو کھول دیتی ہے جس کی وجہ سے اس میں پانی داخل ہو جاتا ہے اور اس کے لطیف اجزاء پانی میں آجاتے ہیں، اس طرح پانی گاڑھا ہو جاتا ہے جبکہ پانی عادت کے مطابق پکایا جائے اور جب پانی بہت زیادہ ہوتا ہے تو یہ گاڑھاپن ظاہر نہیں ہوتا ہے کیونکہ گفتگو متعارف پکانے میں ہے اور اس میں ایک معین مقدار کے پانی کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ امتزاج حاصل ہو جائے۔ زیلعی وغیرہ میں یہی ہے کہ پکانے سے کمال امتزاج حاصل ہوتا ہے، ہاں حرارت لطافت کا موجب ہوتی ہے تو جب تک وہ گرم رہتا ہے تو یہ تغیر ظاہر نہیں ہونے پاتا ہے۔ اسی سے یہ راز سربستہ بھی منکشف ہو گیا کہ فقہاء فرماتے ہیں جب پانی ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہو جائے، اور یہی چیز مابہ الامتیاز ہے کچّے اور پختہ میں، کیونکہ کچے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ١/٣٢

المطبوخ مالم يبرد فيحال فيه على النظر فان ظهر انه يثخن اذا برد لم يجز الوضوء به و الاجاز والمرجع فی هذا هو حصول النضج والادراك فان عند ذلك يحصل كمال الامتزاج وهو يوجب فی المعتاد ثخونة الماء فبهذا التقرير ولله الحمد انحلت الاشكالات عن اٰخرها۔

فالاول قد ظهر الفرق بين النیٔ والمطبوخ۔

والثانی الطبخ فی كلام الينابيع الاغلاء فی الماء على النار وان لم ينضج على سبيل عموم المجاز لا بل بيان لحكم يعم المعتاد وغيره كمن وضع كفا من حمص فی قدر قربة من الماء فانه لا يثخن حين يبرد وان نضج الحمص وادرك وھذا ھو منشؤ التقييد بغالبا فی كلام الغنية ونظر الشرنبلالی الى المعتاد المعهود فاطلق القول انه اذا برد ثخن وبالله التوفيق۔

والثالث فيه اشياء۔

فاقول اولا تبين ان فرض عدم التغير اصلا مع حصول الطبخ فرض ما لا وقوع له۔

وثانيا قد علمت ان ما فی الخانية

جو گاڑھے پن کو ظاہر ہونے سے روکتی ہو تو اس میں دارومدار صرف رقّت کے ختم ہونے پر ہے بر خلاف پکے ہوئے کے جو ٹھنڈا نہ ہوا ہو تو اس کا دارومدار اس پر ہے کہ دیکھا جائے اگر یہ ظاہر ہو کہ ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہو جائیگا تو اس سے وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا، اور دارومدار اس میں پکنا ہے کیونکہ اسی وقت کمال امتزاج پایا جاتا ہے اور یہی چیز عام طور پر پانی کے گاڑھا ہونے کا موجب ہوتی ہے اس تقریر سے تمام اشکالات رفع ہوگئے۔

اول: کچے اور پکے کا فرق ظاہر ہوا۔

دوم: ینابیع کی عبارت میں طبخ سے مراد شیئ کو جوش دینا ہے پانی میں آگ پر خواہ پکا ہوا نہ ہو، یہ بطور عموم مجاز کے ہے، نہیں بلکہ یہ ایسے حکم کا بیان ہے جو معتاد وغیر معتاد دونوں کو عام ہے، مثلاً کسی نے ایک مُٹھی چنے ایک ہانڈی بھر پانی میں ڈال دیے تو یہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہوگا خواہ چنے کتنے ہی پک جائیں، اور غنیہ کی عبارت میں غالبًا کی قید کا یہی مفاد ہے اور شرنبلالی کی نظر معہود پر گئی تو انہوں نے مطلق قول رکھا کہ جب ٹھنڈا ہوگا تو گاڑھا ہو جائے گا وباللہ التوفیق۔

سوم اس میں چند اور قابلِ ذکر باتیں ہیں:

میں کہتا ہُوں اول: پکنے کے باوجود یہ مفروضہ قائم کرنا کہ تغیر نہیں ہوا ہے باوجود حصول طبخ کے ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جو واقع نہیں ہوئی ہے۔

دوم: خانیہ میں جو ناطفی سے منقول ہے یہ

عن الناطفی لایخالف ماقدمه لاجرم ان
عزا العلامة القوام الکاکی شارح الهدایة ثم
ابن الشلبی محشی الزیلعی ماعن الناطفی الی
قاضی خان ایضا فقالا اذا طبخ ولم یثخن بعد
ورقة الماء فیه باقیة جاز الوضوء به ذکره
الناطفی وفی فتاوی قاضی خان[1] اھ والیه یشیر
کلام الحلیة اذ جعل کلام الناطفی مفاد ما
فی قاضی خان حیث قال تحت قول الماتن
لاتجوز بماء الباقلاء مانصه سیذکر عن
الجامع الکبیر تقیید عدم الجواز بماء
الباقلاء بما اذا کان مطبوخا وھو بحال
اذا برد ثخن وزالت عنه رقة الماء فیحمل
ھذا الاطلاق وان وقع مثله لغیر المصنف
علی ذلک دفعا للتناقض ومن ثم لما ذکر
القدوری فی عداد مالایجوز التطھر به
ماء الباقلاء قال فی الھدایة المراد ما تغیر
بالطبخ واحسن منه حمله علی ما اذا
کان مسلوبا منه اسم الماء مطبوخا ولا
کما یفیده ما فی الخانیة فذکر کلامه المار فی
النیئ والمطبوخ تماما[2] وفیه حدیث الریح
فلو حسبه مخالفا لقول الناطفی لکان قوله
مرجوحا لانه انما یقدم الاظھر لا الاشھر
فلم یکن یحسن نسبة ما نریده الیه ومن

گزشتہ قول کے منافی نہیں، اسی لیے علامہ کاکی شارح
ہدایہ اور ابن شلبی محشی زیلعی نے ناطفی کے قول کو
قاضی خان کی طرف بھی منسوب کیا ہے، ان دونوں
حضرات نے فرمایا جب پکایا گیا اور گاڑھا نہ ہوا اور پانی
کی رقت اس میں باقی رہی تو اس سے وضو جائز ہے،
اس کو ناطفی نے ذکر کیا ہے، اور یہ فتاوی قاضی خان
میں ہے اھ اس طرف حلیہ میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں
نے ناطفی کے کلام کو قاضی خان کی گفتگو کا ماحصل
قرار دیا ہے، وہ ماتن کے قول لاتجوز بماء الباقلی
کے تحت فرماتے ہیں کہ عنقریب جامع کبیر سے باقلی کے
پانی کے ساتھ عدم جواز کے مقید کرنے کی وجہ بیان
کرینگے کہ وہ ایسا پکا ہوا ہو کہ جب ٹھنڈا ہو تو گاڑھا
ہوجائے اور اس کی رقت زائل ہوجائے تو یہ اطلاق
(اگرچہ مصنف کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی ایسا
ہی کیا ہے) اس پر محمول کیا جائیگا کہ تناقض مرتفع
ہوجائے، اس لیے جب قدوری نے اُن اشیاء کا ذکر
کیا جن سے وضو جائز نہیں ہے تو باقلی کے پانی کو ذکر کیا،
ہدایہ میں فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو پکائے جانے
سے بدل گیا ہو اور اس کا حمل اس پر زیادہ اچھا ہوگا
جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو خواہ وہ پکا ہوا ہو
یا نہ ہو، جیسا کہ خانیہ سے پتا چلتا ہے، پھر انھوں نے
اپنا گزشتہ کلام ذکر کیا جو کچے اور پختہ سے متعلق ہے اسی
میں بُو کا بھی تذکرہ ہے تو اگر وہ اس کو ناطفی کے قول کے

۱؎ حاشیۃ الشلبی علی التبیین　بحث الماء　بولاق مصر　۱/۱۹

۲؎ حلیہ

الدلیل علیہ ان الامام قاضی خان نفسہ صرح بھذا الذی قالہ الامام الناطفی وجزم بہ فی عامۃ المعتمدات فی شرحہ للجامع الصغیر کما عزاہ لہ فی الغنیۃ۔

وثالثا العجب انہ رحمہ اللہ تعالٰی یحتج بعبارۃ الخانیۃ وقد شرط وجود الرائحۃ ثم یقول سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولا[1]۔

ورابعا انکر العطف علی بکثرۃ الاوراق ولیس ثمہ ما یصلح لعطفہ الا ھو فان عبارۃ المختصر یتوضؤ بماء السماء العین والبحر وان غیر طاھر احد اوصافہ او انتن بالمکث لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق او بالطبخ[2] فان لم یعطف علی بکثرۃ یعطف علی بما تغیر ای لا یتوضؤ بالطبخ وھو کلام مغسول

وخامسا تاویلہ بان المراد تغیر طبعہ او وصفہ بل اطلاقہ لا یمشی فی عبارۃ النقایۃ والاصلاح تغیر بالطبخ معہ وھو مما لا یقصد بہ النظافۃ اذ یفید علی ھذا جواز الوضوء بما تغیر من الاطلاق بالطبخ مع المنظف ولیس مرادا قطعا فانما الامر انہ لما تغیر بالطبخ صار مقید التغیر بالطبخ۔

مخالف سمجھتے تو ان کا قول مرجوح ہوتا، کیونکہ وہ اظہر و اشہر کو مقدم کرتے ہیں، تو جس قول کو انہوں نے ناپسندیدہ قرار دیا اسی کی نسبت ان کی طرف اچھی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود قاضی خان نے اس چیز کی تصریح کی ہے جو امام ناطفی نے ذکر کیا ہے اور اسی پر انہوں نے اپنی عام معتمدات میں جامع صغیر کی شرح میں جزم کیا ہے اور غنیہ میں اس کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

سوم: تعجب اس پر ہے کہ وہ خانیہ کی عبارت سے استدلال کر رہے ہیں اور انہوں نے بُو کی شرط لگائی ہے پھر فرمایا عام ازیں کہ اس کے اوصاف میں کچھ بدلا ہوا ہو یا نہ بدلا ہوا ہو۔

چہارم: بکثرۃ الاوراق پر عطف کا انکار کیا ہے حالانکہ وہاں صرف اسی پر عطف ممکن ہے کیونکہ مختصر کی عبارت یہ ہے یتوضؤ بماء السماء الخ تو اگر بکثرۃ پر عطف نہ کیا جائے تو بما تغیر پر کرنا ہوگا، اور یہ غلط ہے۔

پنجم: اس کی یہ تاویل کرنا کہ مراد اسکی طبیعت یا وصف کا بدلنا نہیں ہے، بلکہ ان کی عبارت کا اطلاق اصلاح و نقایہ کی عبارت میں نہیں چل سکتا ہے کہ تغیر بالطبخ معہ ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس سے نظافت مقصود نہ ہو، اس لیے کہ اس بناء پر اُس چیز سے جس سے تغیر واقع ہو وضو جائز ہوگا، یعنی جب کہ نظافت والی چیز کے ساتھ پکانے کو مطلق رکھا جائے،

---

[1] البحر الرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] کنز الدقائق " ایجوکیشنل پریس کراچی ۱/۱۱

حالانکہ یہ قطعاً مراد نہیں ہے، کیونکہ جب پکانے سے متغیر ہوگیا تو مقید ہوگیا یہ نہیں کہ جب مقید ہوگیا تو پکانے سے متغیر ہوگیا۔ (ت)

اقول ف[1] وقع فی تعبیر ش تغییر لمفاد البحر فان قوله فی المختار کما فی البحر یوقع من لایراجع البحر فی توهم انه تصحیح منقول فی البحر عن اهله فانه رحمه الله تعالٰی لم یکن من اصحابه کما اعترف به ش فی عقود رسم المفتی وبیناه فی رسالتنا هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر ولیس کذلك وانما قال لخلافه من قبل نفسه لیس هو المختار۔

میں کہتا ہوں "ش" کی عبارت میں تبدیلی بحر کے مفاد کے لیے ہے کیونکہ ان کا قول فی المختار کما فی البحر ایک ایسے شخص کو جس نے بحر نہ دیکھی ہو اس وہم میں مبتلا کر سکتا ہے کہ یہ بحر کے منقول کی تصحیح ہے جو انہوں نے کسی سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے اصحاب سے نہیں جیسا کہ اس کا اعتراف "ش" نے عقود رسم المفتی میں کیا ہے اور ہم نے اس کو "هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر" میں ذکر کیا ہے جبکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، یہ بات انہوں نے اس لیے کہی ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے مخالف ہیں، وہ مختار نہیں سمجھتے۔ (ت)

والرابع ف[2] لما کان زوال الطبع بالطبخ ربما لایظهر الا اذا برد صح التقسیم فیحال فی النیئ علی عین الثخونة وفی المطبوخ علی دلیلها وکأنه الی هذا یشیر البرجندی بتعقیبه بکلام الظهیریة فاستقر ان شاء الله تعالٰی وله الحمد عرش التحقیق ؛ بحسن التوفیق ؛ علی التطبیق والتوفیق ؛ وبالله سبحنه وتعالٰی التوفیق۔

چہارم: پکنے کی وجہ سے طبیعت کا زائل ہونا کبھی ظاہر نہیں ہوتا ہے، ہاں جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو تقسیم صحیح ہے۔ تو کچے کا دار و مدار گاڑھے پن پر ہوگا اور پکے ہوئے میں اس کی دلیل پر ہوگا اور غالباً برجندی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ اس کے بعد ظہیریہ کے کلام کو لائے ہیں، یہ اس کی مکمل تحقیق ہے۔ (ت)

(۲۱۸) پانی میں میوے جوش دے کر اُن کا عرق نچوڑا یہ عرق اگرچہ پانی سے مخلوط ہوگا کہ حرارت نار کے سبب میوے پانی کا تشرب کریں گے خصوصاً جبکہ کُوٹ کر ڈالے اس سے وضوء جائز نہیں۔ فتاوی امام قاضی خان میں ہے:

لایجوز التوضوء بماء الفواکه وتفسیره ان یدق التفاح اوالسفرجل دقا ناعما ثم

پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سیب یا امرود کو باریک باریک کُوٹ لیا جائے اور

يعصره فيستخرج منه الماء وقال بعضهم تفسيره ان يدق التفاح او السفرجل ويطبخ بالماء ثم يعصر فيستخرج منه الماء و فی الوجهين لا يجوز به التوضوء لانه ليس بماء مطلق[1]

پھر ان کو نچوڑ کر اُن سے پانی نکالا جائے، بعض نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ سیب یا امرود کو باریک کرکے پانی کے ساتھ پکایا جائے پھر نچوڑا جائے اور پانی نکالا جائے اور دونوں صورتوں میں اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے۔ (ت)

(۲۱۹) یہ پانی جس میں میوے جوش دیے اس کا حکم ذکر نہ فرمایا۔

واقول وبہ استعین اگر میوے خفیف جوش دیے جس میں قدرے نرم ہو کر نچوڑنے میں اچھی طرح آئیں اور نکال لیے کہ پانی میں اُن کے اجزائے لطیفہ قدرِ تغیر نہ ملنے پائے تو اُس پانی سے وضو جائز ہونا چاہئے اور اب یہ پانی نمبر ۱۰۸ و ۱۰۹ میں داخل ہوگا اور اگر میوے اس میں پک گئے کہ اُسے متغیر کردیا تو اُن کے نکال لینے کے بعد بھی اس پانی سے وضو ناجائز ہے یہ ۲۱۹ نمبر ہوگا۔

(۲۲۰) سر پر مہندی یا کوئی خضاب یا ضماد لگا ہوا ہے اور مسح کرتے میں ہاتھ اس پر گزرتا ہوا پہنچا یوں کہ یا تو وہ ضماد و خضاب رقیق بے جرم مثل روغن ہے تو اُسی کی جگہ مسح کیا وہ جرم دار ہے تو اس کے باہر چہارم سر کی قدر مسح کیا مگر ہاتھ اس پر ہوتا گزرا اگر اس گزرنے میں ہاتھ کی تری میں اُس خضاب و ضماد کے اجزاء ایسے مل گئے کہ اب وہ تری پانی نہ کہلائے گی تو مسح جائز نہ ہوگا ورنہ جائز۔

یہ نمبر (۲۲۱) ہوا جس کا جائزات میں اضافہ ہونا چاہیے، وجیز امام کردری فصل مسح میں ہے:

مسحت على الخضاب ان اختلطت البلة بالخضاب حتى خرجت عن كونها ماء مطلقا لم يجزاھ[2] اقول ولابد من تقييد مفهومه بما ذكرت فاعرف۔

خضاب پر مسح کیا اگر تری خضاب سے مل گئی یہاں تک کہ ماءِ مطلق ہونے سے خارج ہوگئی تو اُس سے مسح جائز نہیں اھ میں کہتا ہوں اس کے مفہوم کو مقید کرنا ضروری ہے اس قید کے ساتھ جو میں نے ذکر کی ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ (ت)

(۲۲۲) پانی میں ستّو گھلے ہوں کہ وہ رقیق نہ رہے اُس سے وضو ناجائز ہے، ہدایہ وکافی میں ہے

الا ان يغلب على الماء فيصير كالسويق

مگر یہ کہ وہ پانی پر غالب ہو کہ پانی مثل ستوؤں کے ہو جائے۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لا یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتاوٰی بزازیہ مع العالمگیری الرابع فی المسح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۵

لزوال اسم الماء عنہ[۱] کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ختم ہوگیا ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

وان صار ثخینا مثل السویق لا[۲] اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھا ہوجائے تو جائز نہیں۔ (ت)

المقابلات[ع]

(۲۲۳) اٹے میں اگر اس قدر مٹی کوڑے وغیرہ کا خلط ہے کہ پانی کیچڑ کی طرح گاڑھا ہوگیا تو اس سے وضو جائز نہیں، خانیہ میں ہے:

توضأ بماء السیل یجوز وان کان ثخینا کالطین لا[۳]۔ اگر کسی نے سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے اور اگر کیچڑ کی طرح گاڑھا ہو تو جائز نہیں۔ (ت)

اجناس امام ناطفی پھر غنیہ میں ہے:

التوضی بماء السیل ان لم تکن رقۃ الماء غالبۃ لا یجوز[۴] اگر پانی کی رقت غالب نہ ہو تو سیلاب کے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔ (ت)

اقول علمائے کرام پر اللہ عزوجل کی رحمتیں احتیاط کے لیے ایسی نادر صورتیں بھی ذکر فرماتے ہیں ورنہ سیلاب کا ایسا ہونا بہت بعید ہے وہ اس سے تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قدر آبِ کثیر وغزیر اتنے اختلاط تراب سے ناقابلِ وضو ہوگیا تو برساتی ندیوں یا گھڑے لوٹے کے پانی کا کیا ذکر؟

(۲۲۴ تا ۲۵۱) کاہی آٹا پتے پھل بیلیں شنجرف یا کسم کی زردیاں گچ چونا ریشم کے کیڑے مینڈک وغیرہ غیر دموی جانور کے اجزا چنے باقلا وغیرہ ناج کے ریزے کولتار روٹی کے ذرے صابون اشنان ریحان بابونہ خطمی برگ کنار کچے خواہ یہ چھ نظافت کے لیے پانی میں پکائے ہوئے غرض کوئی چیز حتی کہ برف جو اصل پانی ہے اگر پانی میں مل کر اُس کی رقت زائل کردے اُس سے وضو ناجائز ہوگا۔

ع یعنی وہ پانی جن کی صورت جواز جائزات میں گزری یہ صورتیں ان کے مقابل ہیں ۱۲ (م)

۱؎ ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

۲؎ قاضی خان فیما لا یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

۳؎ قاضی خان " " ۔

۴؎ متن غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

اقول دھذا ھومحمل ما فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین لایجوز الوضوء بماء الباقلی وماء الصابون وماء الاشنان[1] اھ کما ان الاول محمل اطلاق القدوری وغیرہ الجواز فی الصابون والاشنان غیرانہ حمل قریب لان المعھود ھو خلطھما قلیلا بحیث لایذھب الرقۃ وانما البعد فی ما فی شرح المجمع۔

میں کہتا ہوں خزانۃ المفتین میں جو شرح مجمع البحرین سے ہے اس کا محمل یہی ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ باقلی اور صابون اور اُشنان کے پانی سے وضوء جائز نہیں ہے اھ جیسا کہ اوّل قدوری وغیرہ کے اطلاق کا محمل ہے ان کے اطلاق سے اشنان اور صابون کے پانی سے جواز معلوم ہوتا ہے، یہ حمل قریبی ہے کیونکہ عام طور پر یہ دونوں چیزیں کم مقدار میں ملائی جاتی ہیں کہ اس سے پانی کی رقت ختم نہیں ہوتی ہے، اور شرح مجمع میں جو ہے وہ بعید ہے۔ (ت)

ان پر اکثر نصوص ان کے مقابلات میں اپنے اپنے محل پر مذکور ہُوئے اور خانیہ میں فرمایا:

لووقع الثلج فی الماء وصار ثخینا غلیظا لایجوز بہ التوضؤ لانہ بمنزلۃ الجمد وان لم یصر ثخینا جاز[2]۔

اگر برف پانی میں گر گئی اور پانی گاڑھا ہو گیا تو اس سے وضوء جائز نہیں کیونکہ یہ بمنزلہ جمد کے ہے اور اگر گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ برف کا نص ہے کہ اگر پانی کو گاڑھا کرے اس سے وضو نا جائز ہوگا جب تک پگھل کر پانی کی رقت عود نہ کرے اور گاڑھا نہ کرے تو جائز یہ نمبر (۲۵۲) ہُوا کہ جائزات میں اضافہ ہوگا۔

(۲۵۳ و ۲۵۴) جس پانی میں کوئی دوا یا غذا پکا کر تیار کی متون میں ہے لابما تغیر بالطبخ (نہ اس پانی سے جو پکانے سے متغیر ہو جائے۔ ت)

(۲۵۵ و ۲۵۶) یوں ہی چائے یا کافی جن کے پکانے سے پانی کی رقت میں فرق آئے اگرچہ ان سے سیلان نہیں جاتا رقت وسیلان کا فرق ضوابط میں مذکور ہوگا ان شاء اللہ قہوہ میں گاڑھا پن ضرور مشہود ہوا ہے اور اگر اُسے کچی پانی میں اثر کرنے سے پہلے نکال لیا تو جواز رہے گا لعدم الطبخ وبقاء الطبع کما فی ۱۱۰ بر (۲۵۷) بھی جائزات میں زائد کیا جائے۔

(۲۵۸ تا ۲۶۲) عرق گاؤزبان گلاب کیوڑا بید مشک خوشبو ہوں یا اترے ہوئے یوں ہی

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنو ۱/۹

ہر عرف اوصاف میں پانی کے خلاف ہو یا موافق غرض جو بھی چیز پانی کی نوع سے نہیں جب پانی کی مقدار سے زیادہ اُس میں مل جائے بالاجماع اُس سے وضو نہ ہوسکے گا۔

اور اگر پانی کے برابر ملے جب بھی احتیاطاً عدمِ جواز ہی کا حکم ہے۔ بدائع میں فرمایا:

فان استویا فی الاجزاء لم یذکر ھذا فی ظاھر الروایۃ وقالوا حکمہ حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] وقال فی الغنیۃ وکذا ان کانت مساویۃ احتیاطا حتی یضم الیہ التیمم عند المساواۃ[2]۔

اگر دونوں اجزاء میں برابر ہوں تو یہ چیز ظاہر روایت میں نہیں ہے، فقہائے فرمایا اس کا حکم احتیاطاً مغلوب پانی کا سا ہے۔ غنیہ میں کہا اور اسی طرح ہے جب وہ مساوی ہوں احتیاطاً حتی کہ جب دونوں برابر ہوں تو وضو کے ساتھ تیمم بھی کرلیا جائے اھ (ت)

اقول لم یسندہ لاحد ولم ارہ لغیرہ وفیہ نبوء عن القواعد فما اجتمع حاظر ومبیح الا غلب الحاظر ولا حکم للمغلوب وایضا اذا استویا فقد تعارضا واذا تعارضا تساقطا وایضا لیس تسمیتہ ماء باولی من تسمیۃ غیرہ فکیف ینطلق علیہ اسم الماء المطلق ومالیس بماء مطلق لایصح الوضوء بہ اصلا والاشتغال بما لایصح یکرہ تحریما کما فی الدر عن القنیۃ بل ھو اضاعۃ المال فیحرم تأمل وراجع وکانہ فھم من قولھم احتیاطا ان لھم شکا فی کونہ ماء فاحترزوا عنہ للاحتیاط فان لم یکن ماء لم یجز الوضوء بہ وان کان ماء لم یجز التیمم مع وجودہ

میں کہتا ہوں اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا، اور یہ قواعد سے دُوری ہے، جس چیز میں بھی حرام کرنیوالی اور مباح کرنیوالی دلیل جمع ہوجائے تو حرام کرنے والی غالب رہے گی اور مغلوب کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب دونوں برابر ہوں تو تعارض ہوگا اور تساقط ہوجائیگا، پھر اس کا پانی کہا جانا کسی دوسرے نام سے اولیٰ نہیں ہے تو اس پر مطلق پانی کا نام کیسے بولا جائیگا اور جو مطلق پانی نہ ہو اس سے وضوء بالکل جائز نہیں اور جو چیز صحیح نہ ہو اس میں مشغولیت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ در میں قنیہ سے ہے، بلکہ یہ تو مال کا ضائع کرنا ہے لہذا حرام ہوگا، اس پر غور کیجئے اور مراجعت کیجئے، اور شاید انہوں نے ان کے قول احتیاطاً سے یہ سمجھا کہ ان کو اس کے پانی ہونے میں شک ہے

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١/١٥

[2] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ٩٠

فیجمع بینھما خروجا عن العھدة بیقین فانه انکان ماء فقد توضأ وان لم یکن فقد تیمم کما فی سؤر الحمار للشك فی طھوریته[2] ولیس کذلك بل الاحتیاط ھھنا بمعنی العمل باقوی الدلیلین لا یستقیم لاحد ان یسمیه ماء مطلقا فھو خارج عنه بالیقین من دون شك ولا تخمین واللّٰه تعالٰی اعلم۔

تو احتیاطاً اس سے انہوں نے پرہیز کیا ہے، اب اگر وہ پانی نہیں تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر پانی ہے تو اس سے تیمم جائز نہیں، تو تیمم اور وضو دونوں کو جمع کیا جائیگا تاکہ یقین سے فریضہ ادا ہوجائے، کیونکہ اگر درحقیقت پانی ہو تو وضو ہوگیا اور اگر پانی نہیں تو تیمم ہوگیا، جیساکہ گدھے کے جھوٹے کا حکم ہے، کیونکہ اس کے طہور ہونے میں شک ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں احتیاط ہے کہ اقوی الدلیلین پر عمل ہوجائے، کوئی اس کو مطلق پانی نہیں کہتا یہ اس سے یقیناً خارج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۶۳ تا ۲۶۶) **اقول** ایسی بے لون چیزیں اگر مزہ پانی کے خلاف رکھتی ہوں کہ نصف سے کم مل کر بدل دیں تو باتفاق منقول وضابطہ اُس سے وضو کا عدمِ جواز چاہیے۔

اما المنقول فلان العبرة بالطعم حیث لا لون واما الضابطة فلانھا ذوات وصف او وصفین وعلی کل یکفی تغیر وصف واحد فما مرعن البحر[3] من العبرة بالاجزاء فی ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع الرائحة ومثله فی الغنیة غیر مسلم فلیتنبه۔

رہی نقلی دلیل تو اعتبار مزے کا ہے جہاں رنگ نہ ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ دو وصفوں والی چیز ہے یا ایک وصف والی چیز ہے اور بہرصورت ایک وصف کا بدلنا کافی ہے اور بحر میں جو ہے کہ زبانِ ثور اور گلاب کے پانی میں جس کی خوشبو ختم ہوچکی ہو اجزاء کا اعتبار رہے' مسلم نہیں، فلیتنبہ۔ (ت)

نوعِ اٰخر ـــ مقابلات نوع آخر قسم اول

صنفِ اول ـ جامدات

(۲۶۷ تا ۲۷۵) نبیذ میں چھوہارے یا کشمش خواہ کوئی میوہ شربت میں شکر بتاسے مصری خواہ کوئی خشک شیرینی خیساندہ میں دوا رنگ میں کسم کیسر پڑیا روشنائی میں کسیس مازو خواہ اور اجزاء جب اتنے

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹

ڈالیں کر پانی اپنی رقت پر نہ رہے اس سے بالاجماع وضو ناجائز ہے۔ قدوری و ہدایہ و نقایہ وغیرہا عامۂ کتب میں ہے :

لابماء غلب علیه غیره فاخرجه عن طبع الماء[1]۔

نہ اس پانی سے جس پر غیر کا غلبہ ہو تو اس کو پانی کی طبعیت سے نکال دے۔ (ت)

صنفِ دوم ۔ مائعات

(۲۷۶ تا ۲۷۸) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر پانی میں مل کر اُس کی رنگت کے ساتھ مزہ یا بُو بھی بدل دے تو اُس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

لتغیر اللون علی الحکم المنقول واکثر من وصف علی الضابطة۔

اس لیے کہ رنگ متغیر ہوگیا، اس حکم پر جو منقول ہوا، اور ایک وصف سے زاید ہے ضابطہ پر۔ (ت)

یُوں ہی پُڑیا حل کیا ہُوا پانی جب رنگ اور ایک وصف اور بدل دے۔

لانه ان کان ذا الثلاثة کفی تغیر وصفین للوفاق فکیف اذا کان ذا وصفین۔

اس لیے کہ اگر وہ تین اوصاف والا ہو تو اس میں دو وصفوں کا تغیر کافی ہے اس پر اتفاق ہے تو پھر دو وصفوں کا کیا حال ہوگا۔ (ت)

(۲۷۹) تربوز کا شیریں پانی جبکہ پانی میں پڑ کر رنگ کے ساتھ اس کا ایک وصف اور بدل دے، ہاں رنگ نہ رکھتا ہو تو مزے کا اعتبار ہے۔

وھو محمل قول الزیلعی والا فھو ذو الثلاثة کما ھو معلوم مشاھد وقال فی المنحة قال الرملی المشاھد فی البطیخ مخالفته للماء فی الرائحة وایضا فی البطیخ مالونه احمر وفیه مالونه اصفر[2] اھ

اور یہی زیلعی کے قول کا مطلب ہے، قول یہ ہے ورنہ وہ تین وصفوں والا ہے، جیسا کہ مشاہد و معلوم ہے، اور منحہ میں فرمایا رملی نے کہا تربوز میں مشاہدہ یہ ہے کہ وہ بُو میں پانی کے مخالف ہوتا ہے اور بطیخ میں کچھ سرخ رنگ کے اور کچھ پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول ای لون مائه اذ فیه الکلام

میں کہتا ہوں اس سے مراد اس کے پانی کا رنگ ہے

---

[1] ہدایة الماء الذی یجوز به الوضوء العربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] منحۃ الخالق مع البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

لالون عینه۔

کیونکہ کلام اسی میں ہے اس سے مراد خود طبیخ کی ذات کا رنگ نہیں۔ (ت)

(۲۸۰) سپید انگور کا شیرہ جب پانی کے مزے پر اس کا مزہ غالب آجائے۔

لتغیر الطعم علی المنقول وھو ذو وصفین فیکفی تغیر واحد علی الضابطة فھذا ممالا یتأتی فیه الخلاف فی شیئ من جانبی الجواز وعدمه۔

کیونکہ مزہ کا تغیر ہے منقول کے مطابق، اور وہ دو وصفوں والا ہے تو ایک میں تغیر کافی ہے ضابطہ کے مطابق، یہ وہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں جواز و عدمِ جواز کے جانبین میں۔ (ت)

فان قلت بلی فان الحکم لایقتصر عند اھل الضابطة علی الطعم بل کذلك لو غلب الریح۔

اگر یہ کہا جائے کہ حکم اہلِ ضابطہ کے نزدیک مزہ پر موقوف نہیں بلکہ بُو کے غلبہ کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

اقول طعمه اسرع عملا فلا یتغیر الریح مالم یتغیر۔

تو میں کہتا ہوں اس کے مزے کا عمل تیز تر ہوتا ہے تو جب تک مزہ نہ بدلے بُو نہیں بدل سکتی ہے۔ (ت)

(۲۸۱) سپید انگور کا سرکہ ملنے سے اگر پانی کا مزہ بدل گیا سرکہ کا مزہ اس پر غالب ہوگیا۔

لما مر ویتأتی فیه الخلاف کما یأتی (اس کا حکم گزرا اور اس میں اختلاف آتا ہے۔ ت)

(۲۸۲) رنگت دار سرکہ جب پانی میں مل کر رنگ اور بُو (اس لیے کہ عام سرکوں کی بُو قوی تر ہوتی ہے ۱۲ منہ) دونوں بدل دے۔

لحصول اللون علی المنقول ووصفین علی الضابطة۔

منقول کے مطابق رنگ والا ہے اور ضابطہ کے مطابق دو وصفوں والا ہے۔ (ت)

(۲۸۳) ایسے سرکہ کا مزہ اقوی ہو تو جب اُس سے مزہ کے ساتھ رنگت بھی بدل جائے۔

(۲۸۴) جس سرکہ کا رنگ قوی تر ہو جب رنگ کے ساتھ ایک وصف اور بدل دے والوجه قد علم (اس کی وجہ معلوم ہے۔ ت)

(۲۸۵) دودھ جب اس کا رنگ اور مزہ دونوں پانی پر غالب آجائیں۔

لان العبرة فی المنقول باللون وعند الزیلعی وکثیر من اتباعه باحد وصفین اللون

اس لیے کہ اعتبار منقول میں رنگ ہی کا ہے اور زیلعی کے نزدیک (نیز ان کے اکثر متبعین کے نزدیک)

والطعم وعند المحقق علی الاطلاق وصاحب الدرر بهما معاً فاذا تغیرا حصل الوفاق علی سلب الاطلاق۔

دو اوصاف میں سے ایک کا اعتبار ہے (یعنی رنگ یا مزہ)، اور محقق علی الاطلاق اور صاحبِ درر کے نزدیک دونوں کا ایک ساتھ اعتبار ہے، اب جبکہ دونوں وصف ہی بدل جائیں تو پانی کا اطلاق نہ ہونے پر اتفاق ہوجائے گا۔ (ت)

یہ ایک سو بائیس[عہ۱] (۱۲۲) وہ ہیں جن سے وضو بالاتفاق[عہ۲] ناجائز ہے یعنی نہ ہوسکتا ہے نہ اُس سے نماز جائز ہو واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ وصحبہ وبارک وسلم۔

قسم سوم جن سے صحتِ وضو میں حکم منقول ومقتضائے ضابطۂ امام زیلعی کا خلاف ہے **صنف اول** خشک اشیا

(**۲۸۶ و ۲۸۷**) چھوہارے کے سوا کشمش انجیر وغیرہ کوئی میوہ بالاجماع الاما عن الامام الاوزاعی ان ثبت عنہ (مگر وہ جو امام اوزاعی سے مروی ہے اگر ان سے ثابت ہو۔ ت) اور مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ مرجوع الیہ میں چھوہارے بھی جبکہ تادیر تر کرنے سے پانی میں اُس میوہ کی کیفیت اس قدر آجائے کہ اب اُسے پانی نہ کہیں نبیذ کہیں اُس سے وضو نہیں ہوسکتا اگرچہ رقیق ہو، بدائع امام ملک العلماء میں ہے،

قیاس ماذکرنا انه لایجوز الوضوء بنبیذ التمر لتغیر طعم الماء وصیرورته مغلوبا بطعم التمر وبالقیاس اخذ ابویوسف وقال لایجوز التوضوء به الا ان اباحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ترك القیاس بالنص فجوز التوضوء به وروی نوح فی الجامع المروزی عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه انه رجع عن ذلك وقال لایتوضوء به

جن چیزوں سے ہم نے وضو کے جائز نہ ہونے کا قول کیا ہے وہ نبیذ تمر پر قیاس کی گئی ہیں، کیونکہ پانی کا مزہ بدل گیا ہے اور وہ کھجور کے مزہ سے مغلوب ہوگیا ہے، قیاس پر ابویوسف نے عمل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں، اور امام ابوحنیفہ نے نص کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور اُس سے وضو کو جائز قرار دیا، اور نوح نے جامع مروزی میں ابوحنیفہ سے روایت کی کہ آپ نے اس سے رجوع

عہ۱: ۱۶۰ کے بعد ۱۲۵ ہوئے مگر ان میں تین نمبر ۲۲۱ و ۲۵۲، ۲۵۷ جائزات کے تھے لہذا ایک سو بائیس[۱۲۲] رہے ۱۲ (م)

عہ۲: یعنی ضابطۂ زیلعی اور اُن احکام کے اتفاق سے جو قول امام محمد پر مبنی ہیں جیسا کہ تنبیہ ضروری میں گزرا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

وهو الذی استقر علیه قوله کذا قال نوح وبه اخذ ابو یوسف[1]

کرلیا اور فرمایا کہ اس سے وضو نہ کیا جائے اور ان کے اس قول پر اتفاق ہوا، یہی نوح کا قول ہے اور یہی ابو یوسف نے لیا ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وجب تصحیح الروایة الموافقة لقول ابی یوسف لان اٰیة التیمم ناسخة له لتاخرها اذ هی مدنیة وعلی هذا مشی جماعة من المتأخرین[2]

اس روایت کی تصحیح جو ابو یوسف کے قول سے مطابقت رکھتی ہے لازم ہے، کیونکہ آیۃ تیمم اس کو منسوخ کرنے والی ہے وہ مدنی ہونے کی وجہ سے متاخر ہے، اور متاخرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

ذکر نوح الجامع والحسن بن زیاد ان اباحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه رجع الی انه یتیمم ولا یتوضوء کما هو مختار ابی یوسف وقول اکثر العلماء منهم مالك والشافعی واحمد قال قاضی خان وهو الصحیح اھ[3]

نوح اور حسن بن زیاد نے ذکر کیا کہ ابو حنیفہ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا بجائے وضوء کے تیمم کرنا چاہئے، یہی ابو یوسف کا مختار ہے اور اکثر علماء، مثلاً شافعی، مالک اور احمد کا قول ہے اور قاضی خان نے کہا یہی صحیح ہے اھ (ت)

غنیہ میں شرح جامع صغیر قاضی خان سے ہے:

روی اسد بن عمرو ونوح بن ابی مریم والحسن عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه انه رجع الی قول ابی یوسف والصحیح قول ابی حنیفة الاخر[4] اھ اقول فهذان متابعان قویان لنوح الجامع فزال ما کان

روایت کیا اسد بن عمرو اور نوح بن ابی مریم اور حسن نے ابو حنیفہ سے کہ انہوں نے ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور صحیح ابو حنیفہ کا دوسرا قول ہے اھ میں کہتا ہوں یہ دو مضبوط تائیدیں نوح کے حق میں ہیں، اس سے ملک العلماء کی برأت کا خطرہ زائل ہوگیا ملک العلماء

---

[1] بدائع الصنائع فصل الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لایجوز به نوریہ رضویہ سکھر

[3] حلیہ

[4] شرح جامع الصغیر لقاضی خان

يخشى من تبرى ملك العلماء اذ قال كذا قال نوح ۔

نے فرمایا کذا قال نوح ۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

لايتوضوء به هى الرواية المرجوع اليها عن ابى حنيفة رضى الله تعالٰى عنه وعليها الفتوى لان الحديث وان صح لكن اٰية التيمم ناسخة له اذ مفهومها نقل الحكم عند عدم الماء المطلق الى التيمم ونبيذ التمر ليس ماء مطلقاً[1]

اس سے وضو نہ کیا جائے، یہ ابوحنیفہ کی وہ روایت ہے جس کی طرف رجوع کیا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن تیمم کی آیت اس کی ناسخ ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مطلق پانی نہ ہو تو حکم کو تیمم کی طرف منتقل کردیا جائے اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے ۔ (ت)

بحر میں ہے:

لايتوضوء به وهو قوله الاٰخر قد رجع اليه وهو الصحيح واختاره الطحاوى و بالجملة فالمذهب المصحح المختار المعتمد عندنا عدم الجواز[2]

نبیذ سے وضو نہ کیا جائے، یہی امام ابوحنیفہ کا آخری قول ہے، انہوں نے اس کی طرف رجوع کرلیا تھا، یہی صحیح ہے اور اسی کو طحاوی نے اختیار کیا، خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک تصحیح شدہ، مختار، معتمد مذہب وضو کے عدم جواز کا ہے ۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

هو قول ابى حنيفة الاٰخر[3]

یہی ابوحنیفہ کا آخری قول ہے ۔ (ت)

ہندیہ میں عینی شرح کنز سے ہے:

الفتوى على قول ابى يوسف[4]

فتوٰی ابو یوسف کے قول پر ہے ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

يقدم التيمم على نبيذ التمر

تصحیح شدہ قول کے مطابق نبیذ تمر پر

---

[1] غنیۃ المستملی — باب التیمم — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۶۷

[2] بحر الرائق — کتاب الطہارۃ — سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۳۷

[3] قاضی خان — فیما لایجوز بہ التوضی — نولکشور لکھنؤ — ۱/۹

[4] ہندیہ — " " — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۲۳

على المذهب المصحح المفتى به لان المجتهد اذا رجع عن قول لايجوز الاخذ به[1] اھ وقوله يقدم اى يرجح ويختار ويؤثر فيفعله لا الوضوء به۔

تیمم کو مقدم کیا جائیگا، یہی صحیح مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، کیونکہ جب کوئی مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل جائز نہیں' اور ان کا قول "مقدم کیا جائیگا" سے مرادیہ ہے کہ اسکو ترجیح دی جائیگی اور اختیار کیا جائیگا اور نبیذ سے وضو نہ کیا جائیگا۔ (ت)

بدائع میں ہے:

امانبيذ الزبيب وسائر الانبذة فلايجوز التوضؤ بها لان القياس يأبى الجواز الا بالماء المطلق وهذا ليس بماء مطلق بدليل انه لايجوز التوضوء به مع القدرة على الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص والنص ورد فى نبيذ التمر خاصة فيبقى ما عداه على اصل القياس[2]۔

نبیذ منقٰی اور دوسرے نبیذوں سے وضو جائز نہیں کیونکہ قیاس کی رُو سے وضوء صرف مطلق پانی سے ہوسکتا ہے اور یہ مطلق پانی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مطلق پانی کے موجود ہونے کی صورت میں اس سے وضوء جائز نہیں' مگر ہمیں اس کا جواز نص سے معلوم ہوا ہے اور نص خاص نبیذ تمر کی بابت وارد ہوا ہے تو باقی نبیذوں پر قیاس کے مطابق ہی عمل ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لايجوز التوضى بما سواه من الانبذة جريا على قضية القياس[3]۔

دوسرے نبیذوں سے وضوء قیاس کے مطابق جائز نہ ہوگا۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

لايجوز نبيذ الزبيب والتين وغير ذلك[4]۔

منقٰی، انجیر وغیرہ کے نبیذ سے وضوء جائز نہیں۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

سائر الاشربة سوى نبيذ التمر ليس في

نبیذ تمر کے علاوہ باقی نبیذوں سے وضو کے عدم جواز

---

[1] درمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱
[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
[3] ہدایہ الماء الذی یجوز بہ الوضوء عربیہ کراچی ۱/۳۲
[4] عنایہ مع فتح القدیر " " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

عدم جواز التوضی به خلاف[1]۔

میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ (ت)

اسی طرح عامۂ کتب میں ہے۔

فان قلت من این قولك ان کان رقیقا۔

قلت لاطلاقهم ویقطع الوهم انهم صرحوا ان نبیذ التمر المختلف فی جواز الوضوء به ماکان رقیقا اما الغلیظ فلا ثم قالوا ولا یجوز بما سواه من الانبذة لان نبیذ التمر خص بالاثر فوضح قطعا ان المراد نفی التوضی بالرقیق منها اما الغلیظ فمعلوم الانتفاء ولا تخالف فیه بین نبیذ التمر وسائر الانبذة۔

اگر یہ سوال ہو کہ وان کان رقیقا تم نے کہاں سے لیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فقہاء کے اطلاقات سے مفہوم ہے، اور وہم اس طرح دُور ہوجاتا ہے کہ فقہائے تصریح کی ہے کہ وہ نبیذ جس سے وضو کے ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے رقیق ہے اور گاڑھے میں کوئی اختلاف نہیں، پھر فرمایا اس نبیذ کے علاوہ باقی نبیذ وں سے جائز نہیں کیونکہ نبیذ تمر نص سے مخصوص ہے، اس سے قطعی طور پر واضح ہوا کہ رقیق نبیذ سے وضو کی نفی مراد ہے کیونکہ گاڑھے میں تو اختلاف پہلے ہی نہیں تھا تو گاڑھے نبیذ میں نبیذ تمر اور باقی نبیذیں برابر ہیں۔ (ت)

بالجملہ نبیذ تمر سے مطلقاً وضو صحیح نہ ہونا مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ ہے اور باقی نبیذوں سے نہ ہونے پر تو اجماع ہے مگر ضابطہ زیلعیہ کا اقتضاء یہ ہے کہ جب تک رقت باقی ہے صحیح ہو لیکن یہ ہرگز صحیح نہیں کہ اسے نبیذ کہیں گے نہ کہ پانی تو نام آب باقی نہ رہنے کے سبب آبِ مطلق نہ رہا اور وضو آبِ مطلق ہی سے جائز ہے وبس۔

وبیان ذلك انها من الجامدات وضابطة التقیید عنده فی الجامد زوال الرقة فحسب قال رحمه الله تعالی المخالط ان کان جامدا فمادام یجری علی الاعضاء فالماء هو الغالب[2] اھ وتبعه فی الحلیة والدرر فاقتصرا علی ذکر الجریان۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جامدات سے ہے اور ان کے نزدیک جامد میں تقیید کا ضابطہ یہ ہے کہ رقت زائل ہوجائے، انہوں نے فرمایا اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو جب تک وُہ اعضاء پر بہہ سکے تو پانی ہی غالب ہوگا اھ اور حلیہ اور درر میں اس کی متابعت کی اور دونوں نے جاری ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ (ت)

اقول وکان البعد[ف۱] فیه اکثر لان الجریان علی الاعضاء هو السیلان والرقة اخص منه کما سیأتی فکان یقتضی جواز الوضوء

میں کہتا ہوں اس میں بُعد زائد تھا کہ جاری ہونا اعضاء پر سیلان ہے اور رقت سیلان سے اخص ہے کما سیأتی تو اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگرچہ

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

وان زالت الرقة مع بقاء السيلان لكن الامام الزيلعي وبالنقل عنه الحلبي تداركاه بقولهما بعده فيحمل قول من قال ان كان رقيقا يجوز الوضوء به والا فلا على ما اذا كان المخالط له جامدا اھ[1] ويقرب منه قول المحقق فی الفتح والبحر فی البحر وغيرهما فان كان جامدا فبانتفاء رقة الماء وجريانه على الاعضاء اھ[2] فجمعوا بينهما فابتنى الحكم على انتفائهما معا وعاد المحذور الا ان يقال ان الواو بمعنى او وحينئذ يكون ذكر الجريان والسيلان بعد الرقة مستدركا غير انه قد شاع وذاع والخطب سهل فالاحسن عبارة الغنية المعتبر فی صيرورة الماء مقيدا بمخالطة الجامد زوال رقته اھ[3] والبحر من بعد اذ قال فان كان المخالط جامدا فغلبة الاجزاء فيه بثخونته اھ[4]

رقّت زائل ہوجائے اور سیلان باقی رہے تو وضوء جائز ہے، مگر امام زیلعی اور ان کی متابعت میں حلبی نے اس شبہ کا تدارک کرتے ہوئے فرمایا، تو جن حضرات نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز ہے اگر رقیق ہو ورنہ نہیں اسکو اس صورت پر محمول کیا جائیگا کہ جب اس میں ملنے والی چیز جامد ہو اھ اور اسی کے قریب قریب محقق کا قول فتح میں اور صاحبِ بحر کا بحر وغیرہما میں ہے کہ اگر وہ شئی جامد ہے تو وضو اس وقت جائز نہ ہوگا جب پانی کی رقت ختم ہوجائے اور وہ اعضاء پر جاری نہ ہوسکے اھ تو فقہاء نے دونوں باتوں کو جمع کردیا اور حکم دونوں کے معاً انتفاء پر ہوا، اور جو محذور تھا وہ لوٹ آیا، ہاں ایک صورت یہ ہے کہ واؤ بمعنی اَو ہو اور اس صورت میں جریان اور سیلان کا ذکر رقت کے بعد اضافی ہوگا، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے تو غنیہ کی عبارت بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی جامد چیز کے ملنے سے پانی کے مقید ہونے میں معتبر اس کی رقت کا زائل ہونا ہے اھ اور بحر نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو اس میں اجزاء کے غلبے کا پتا اس کے گاڑھا پڑجانے سے ہوگا اھ (ت)

وانت تعلم ان المدار الباب على زوال الاسم كما اعترف به الامام الضابط بقوله زوال اسم الماء عنه هو المعتبر فی الباب اھ وبخلط الجامد بما يزول

آپ کو معلوم ہے کہ اس سلسلہ میں مدار نام کے زائل ہونے پر ہے جیسا کہ امام نے اعتراف کیا ہے انہوں نے ضابطہ یہ بیان کیا کہ اس بات میں نام کا زائل ہونا ہی بہتر ہے اھ اور جب کوئی جامد شئی پانی میں ملتی ہے

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریہ مصر ۱/۲۰
[2] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹
[3] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱
[4] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

الاسم قبل زوال الرقة کماء الزعفران الصالح للصبغ والنبیذ وقد صرحوا ان الاختلاف انما کان فی نبیذ التمر الرقیق قال فی الھدایۃ النبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء[1] اھ زاد فی الکافی فان کان غلیظا کالدبس لم یجز الوضوء بہ[2] اھ وفی البدائع وان کان غلیظا کالرب لایجوز التوضؤ بہ بلاخلاف وکذا ان کان رقیقا لکنہ غلا واشتد وقذف بالزبد لانہ صار مسکرا والمسکر حرام فلا یجوز التوضوء بہ ولان النبیذ الذی توضأ بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان رقیقا حلوا فلا یلحق بہ الغلیظ المر[3] وھکذا فی الحلیۃ والغنیۃ والبحر والدر وعامۃ الکتب[ع] بل فی العنایۃ النبیذ

تو رقت کے زائل ہونے سے قبل ہی نام زائل ہوجاتا ہے جیسے زعفران کا پانی جس سے کوئی چیز رنگی جاسکتی ہو، اور نبیذ، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اختلاف رقیق نبیذ میں ہے۔ ہدایہ میں ہے اختلاف اس میں ہے کہ نبیذ میٹھا اور پتلا ہو اور اعضاء پر پانی کی طرح بہتا ہو اھ کافی میں یہ اضافہ کیا کہ اگر وہ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں اھ اور بدائع میں ہے کہ اگر نبیذ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو بلا اختلاف اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اسی طرح اگر رقیق ہے مگر اس میں اتنا جوش آگیا ہو کہ جھاگ دے گیا ہو کیونکہ اب یہ مُسکر ہوگیا اور مسکر حرام ہے لہذا اس سے وضوء جائز نہیں، نیز یہ کہ جس نبیذ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا وہ رقیق اور میٹھا تھا لہذا کڑوا اور گاڑھا نبیذ اس کے حکم میں نہیں

ع فی مسکین علی الکنز النبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء اھ قال السید ابو السعود ای والغلبۃ للماء لیوافق ما تقدم عن خزانۃ الاکمل فان لم یحل فلاخلاف فی جواز الوضوء بہ نھر اھ اقول سبحٰن اللہ اذا کان الغلبۃ للماء

مسکین علی الکنز میں ہے کہ وُہ نبیذ جس میں اختلاف ہے رقیق اور میٹھا ہے جو پانی کی طرح اعضاء پر بہتا ہو اھ ابو السعود نے فرمایا یعنی غلبہ پانی کا ہو تاکہ خزانۃ اکمل سے جو منقول ہوا اس کے موافق ہوجائے، کیونکہ اگر میٹھا نہ ہو تو اس سے وضوء کے جواز میں کوئی خلاف نہیں، نہر اھ میں کہتا ہُوں سبحان اللہ جب پانی کا غلبہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۳۲

[2] کافی

[3] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

المختلف فیہ ذکر محمد فی النوادر هوان تلقی تمیرات فی ماء حتی صار الماء حلوا رقیقا اھ[1] وزوال اسم الماء عنه مقطوع به مجمع علیه ولاجله صار المذهب المختار المعتمد عدم جواز الوضوء به الا تری ان فی قول الامام الاول المرجوع عنه انما یجوز الوضوء به اذا لم یجد الماء ولا یجوز الا منویا واذا وجد ماء مطلقا ینتقض فهو فی کل ذلك کالتیمم ذکره فی العنایة والفتح والحلیة عن شرح الامام القدوری

ہوسکتا ہے، یہی حلیہ، غنیہ، بحر، در اور عام کتب میں ہے، بلکہ عنایہ میں ہے کہ مختلف فیہ نبیذ کے بارے میں محمد نے نوادر میں لکھا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں حتی کہ وہ میٹھا پتلا ہوجائے اھ اور پانی کا نام اس سے قطعی طور پر ختم ہوجاتا ہے اس پر اجماع ہے، لہٰذا مذہب مختار معتمد یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کا پہلا قول جس سے انہوں نے رجوع کرلیا اس سے وضوء اُسی صورت میں جائز ہے جبکہ پانی نہ پائے، اور صرف نیت کے ساتھ ہی جائز ہوگا، اور جب مطلق پانی مل جائے تو یہ وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جاز الوضوء به بالاجماع کما مر فی ۱۱۶ وای حاجة الی النقل مع اجماع الشرع والعرف والعقل علی ان العبرة للغالب فکیف یکون مختلفا فیه وانما حقه ان یقول ای الغلبة للتمر فانه الذی کان الامام یعدل به عن سنن القیاس لورود الحدیث ثم نصب خلاف لا یوافق قط ما فی خزانة الاکمل لانه ارجع الاجوبة کلها الی الاحکام الاجماعیة وقوله ان لم یحل اقول وکذا ان حلا والماء غالب بعد ما تقدم فی ۱۱۶ والله تعالی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

ہوگا تو بالاجماع وضوء جائز ہوگا کما مر فی ۱۱۶ پھر اجماع کے ہوتے ہوئے کسی اور نقل کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اجماع شرعی اور عرفی اور عقلی تینوں سے ثابت ہے کہ اعتبار غالب کا ہے، تو پھر یہ مختلف فیہ کیسے ہوگا؟ اسے یوں کہنا چاہئے کہ "یعنی غلبہ کھجوروں کا ہو کیونکہ اس میں امام نے قیاس سے عدول کیا ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، پھر خلاف کا ذکر ما فی خزانۃ الاکمل سے بالکل موافقت نہیں رکھتا ہے، کیونکہ انہوں نے تمام جواب احکام اجماعیہ کی طرف راجع کردیے ہیں اور ان کا قول "ان لم یحل" میں کہتا ہوں اگر میٹھا بھی ہو تو اس کا حکم یہی ہے بشرطیکہ پانی غالب ہو جیسا کہ پانی کی قسم ۱۱۶ میں گزرا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] عنایۃ مع الفتح مطلب الماء المقید نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

لمختصر الامام الکرخی عن اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم وقال فی الحلیۃ وجہ قول ابی یوسف ان اللہ تعالٰی اوجب التیمم عند عدم الماء المطلق ونبیذ التمر لیس بماء مطلق والالجاز الوضوء بہ مع وجود غیرہ من المیاہ المطلقۃ اھ[1] وتقدم مثلہ عن البدائع اقول وبہ ظہر الجواب عما تجشمہ الامام الزیلعی اذ قال اما قولہم لیس بماء مطلق قلنا ہو ماء شرعا الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء طہور ای شرعا فیکون معنی قولہ تعالٰی فلم تجدوا ماء ای حقیقۃ او شرعا اھ[2] فیا سبحٰن اللہ ان کان ہذا معنی الاٰیۃ فلم لم یجز الوضوء بہ مع وجود ماء اٰخر ومن اوجب الترتیب بین المائین بتقدیم اللغوی علی الشرعی اما احتجاجہ[ع]

ٹوٹ جائیگا تو یہ تمام احکام میں مثل تیمم ہے، یہ عنایہ، فتح اور حلیہ میں شرح قدوری سے منقول ہے جو امام کرخی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے اور حلیہ میں فرمایا ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے تیمم اس وقت واجب کیا ہے جب مطلق پانی نہ ہو اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے ورنہ دوسرے مطلق پانیوں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے وضو جائز ہوجاتا ہے اھ یہی بدائع سے گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے امام زیلعی کی اس گفتگو کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ ان کا قول "یہ مطلق پانی نہیں ہے" ہم کہتے ہیں یہ شرعًا پانی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "پاک پانی" یعنی شرعًا تو اللہ کے قول "تو تم پانی نہ پاؤ" کا معنی ہوگا یعنی حقیقۃً اور شرعًا پانی نہ پاؤ، تو اگر آیت کے یہی معنی ہیں تو دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس سے وضو کیوں جائز نہیں؟ اور جن حضرات نے دونوں پانیوں میں ترتیب کو لازم قرار دیا ہے

ع: تبعہ فیہ المولی بحر العلوم فی الارکان الاربعۃ فقال قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم تمرۃ طیبۃ وماء طہور یفید ان النبیذ لم یخرج عن کونہ ماء بوقوع التمر فواجد النبیذ لا یصدق علیہ انہ

بحر العلوم نے ارکان اربعہ میں ان کی پیروی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "تمرۃ طیبۃ وماء طہور" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیذ پانی ہونے سے خارج نہیں ہوا ہے کھجور کے وقوع سے، تو جس شخص کے پاس نبیذ ہو تو اس پر یہ صادق

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] حلیہ
[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ ببولاق مصر ۱/۳۵

بقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ماء طهور
فاقول ف۱ الحدیث من اوله تمرة طیبة وماء
طهور فانما هو لبیان اجزائه التی ترکب
منها لا الاخبار عنه بانه ماء والا لکان اخبارا
ایضا بانها تمرة وهو باطل لغة وعرفا و
شرعا وفی صدر الحدیث قوله صلی اللہ
تعالٰی علیه وسلم لعبد اللہ رضی اللہ تعالٰی
عنه هل معك ماء اتوضؤ به قال لا الا
نبیذ تمر لا یقال انه رضی اللہ تعالٰی عنه
انما نفی الماء اللغوی لان السؤال کان عن
الماء الشرعی لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه و
سلم اتوضؤ به الا ان یقال لم یکن عبد اللہ
اذ ذاك یعلم انه ماء شرعا وقد اعترف ف۲
الامام الزیلعی نفسه انه نفی عنه ابن مسعود
اسم الماء[۱] اھ اذا ثبت هذا علم ان قصر الحکم
فی الجامد علی زوال الرقة غیر صحیح
وقد تنبه لهذا البحر فقال بعد
ایراد الضابطة وههنا تنبیهات مهمة۔

کہ لغوی کو شرعی پر مقدم کیا ہے اور ان کا استدلال
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ماءٌ طہور" سے
تو اس کی بابت میں کہتا ہوں دراصل حدیث کی ابتداء
اس طرح ہے "تمرۃ طیبۃ وماء طہور" تو یہ اس کے
اجزاء ترکیبیہ کے بیان کے لیے ہے صرف اتنا بتانا
مقصود نہیں کہ یہ پانی ہے ورنہ یہ بھی خبر ہوتی کہ یہ کھجور
ہے اور یہ عرفاً لغۃً اور شرعاً ہر طرح باطل ہے اور حدیث
کی ابتداء میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ
تعالٰی عنہ سے فرمایا "کیا تمہارے پاس پانی ہے تاکہ میں
اُس سے وضو کروں؟" انہوں نے کہا نہیں سوائے نبیذ
تمر کے" یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرت عبداللہ نے صرف لغوی
پانی کی نفی کی تھی اس لیے کہ سوال شرعی پانی کی بابت تھا
کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "تاکہ میں
اس سے وضو کروں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبداللہ کو
اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شرعاً پانی ہے، اور خود
امام زیلعی نے اعتراف کیا ہے کہ ابن مسعود نے اس سے
پانی کی نفی کی ہے اھ جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا
کہ جامد میں حکم کا زوالِ رقّت پر منحصر کر دینا صحیح نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لم یجد ماء فلا تعارضه اٰیة التیمم حتی
یکون ناسخا هذا ما عندی اھ وکانه لم
یطلع علی کلام الامام الزیلعی رحمهما اللہ
تعالٰی قدس سره۔

نہیں آتا کہ وہ پانی کا پانے والا نہیں ہے تو آیۂ تیمم
اس کے معارض نہیں، تاکہ اس کو ناسخ قرار دیا جائے
"ھذا ما عندی" اھ اور غالباً وہ امام زیلعی کے کلام
پر مطلع نہ ہوئے۔ (ت)

---

[۱] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

الاول مقتضی ما قالوہ ھنا جواز التوضؤ بنبیذ التمر والزبیب ولو غیر الاوصاف الثلثۃ وقد صرحوا قبل باب التیمم ان الصحیح خلافہ وان تلک روایۃ مرجوع عنہا وقد یقال ان ذلک مشروط بما اذا لم یزل عنہ اسم الماء وفی مسألۃ نبیذ التمر زال عنہ اسم الماء فلا مخالفۃ کما لایخفی۔

الثانی انہ یقتضی ان الزعفران اذا اختلط بالماء یجوز الوضوء بہ مادام رقیقا سیالا ولو غیر الاوصاف کلہا لانہ من الجامدات والمصرح بہ فی معراج الدرایۃ معزیا الی القنیۃ ان الزعفران اذا وقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق من غیر نظر الی الثخونۃ ویجاب عنہ بما تقدم من انہ زال عنہ اسم الماء اھ[1]

صاحبِ بحر کو بحر میں اس پر تنبیہ ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ضابطہ کے بعد فرمایا، یہاں چند اہم تنبیہات ہیں:

تنبیہ اول: جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کا مقتضی نبیذ تمر اور نبیذ منقی سے وضوء کا جواز ہے خواہ اوصاف ثلٰثہ ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں، اور تیمم کے باب سے پہلے انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحیح اس کے برخلاف ہے، اور اس روایت سے رجوع کرلیا ہے، اور یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس پر سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، اور نبیذ تمر کے مسئلہ میں اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے تو کوئی مخالفت نہیں، کما لایخفی۔

تنبیہ ثانی: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زعفران جب پانی میں مل جائے تو اس سے اس وقت تک وضو جائز ہو جب تک وہ سیّال و رقیق ہو خواہ اس کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں، کیونکہ وہ جامدات سے ہے، اور معراج الدرایہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ اگر زعفران پانی میں ڈال دی جائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے، اس میں گاڑھے پن کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے اھ (ت)

وردہ اخوہ وتلمیذہ المحقق فی النھر کما فی ط بان الزیلعی لم یذکر ذلک وان ھذا التقیید لایجدی نفعا اھ[2] واجاب عنہ السید العلامۃ ابوالسعود الازھری

اس کو ان کے بھائی اور شاگرد محقق نے نہر میں رد کیا ہے جیسا کہ ط میں ہے کہ زیلعی نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس تقیید سے کچھ نفع نہ ہوگا اھ اس کا جواب علامہ ابوالسعود نے فتح اللہ المعین میں دیا ہے،

---

[1] بحرالرائق — کتاب الطہارت — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۰

[2] طحطاوی علی الدر — باب المیاہ — بیروت — ۱/۱۰۳

فی فتح اللہ المعین وتبعہ ط بان الکلام فیما اذا لم یزل عنہ اسم الماء کما ذکرہ الزیلعی فتنظیر النھر ساقط وما ذکر فی البحر من الجواب ماخوذ من صریح کلام الزیلعی[1]۔

فھؤلاء ثلثۃ اجلاء اختلف انظارھم فی کلام الامام الزیلعی اما الاخوان العلامتان فاتفقا علی ان الزیلعی لم یذکر فی الجامد قید بقاء الاسم غیر ان البحر یقول انہ مطوی منوی فالمعنی انکان جامدا فما دام باقیا علی رقتہ فالماء ھو الغالب بشرط ان لا یزول عنہ اسم الماء والنھر یقول انہ لم یذکرہ کما تری ولم یردہ لانہ لا یجدی نفعا واما السید فزعم انہ مذکور فی صریح کلام الزیلعی وان کلامہ انما ھو فیہ وان البحر انما اخذہ منہ۔

ھکذا اختلفوا وانا انقلہ لک کل کلام الزیلعی لیتجلی لک جلیۃ الحال قال رحمہ اللہ تعالی بعد ما نقل اقوالاً متخالفۃ ھکذا جاء الاختلاف فلابد من ضابط وتوفیق فنقول ان الماء اذا بقی علی اصل خلقتہ ولم یزل عنہ اسم الماء جاز الوضوء بہ وان زال وصار مقیدا لم یجز والتقیید اما بکمال الامتزاج او بغلبۃ الممتزج فکمال الامتزاج بالطبخ بطاھر لا یقصد بہ التنظیف او بتشرب النبات وغلبۃ الممتزج

اور اس کی پیروی ط نے کی ہے کہ گفتگو اس میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو جیسا کہ زیلعی نے ذکر کیا ہے تو نہر کا نظیر دینا ساقط ہے درست نہیں، اور جو جواب بحر میں ہے وہ زیلعی کے صریح کلام سے ماخوذ ہے۔ (ت)

تو یہ تین جلیل القدر علماء ہیں جن کی آراء زیلعی کے کلام کی بابت مختلف ہیں، دونوں برادران اس پر متفق ہیں کہ زیلعی نے جامد میں نام کے بقا کی قید ذکر نہیں کی ہے، البتہ بحر کہتے ہیں یہ نیت میں مضمر ہے، تو معنی یہ ہے کہ اگر وہ جامد ہے تو جب تک وہ رقیق ہے تو پانی ہی غالب ہے بشرطیکہ اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو، اور نہر کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کو انہوں نے رَد نہیں کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، اور سید کا گمان ہے کہ یہ زیلعی کے کلام میں صریحاً مذکور ہے اور ان کا کلام اسی میں ہے اور بحر نے اُسی سے اخذ کیا ہے۔ (ت)

اسی طرح انہوں نے اختلاف کیا ہے، اور اب میں زیلعی کا کلام نقل کرتا ہوں تاکہ بات پُوری طرح واضح ہوجائے، انہوں نے پہلے تو مخالف اقوال ذکر کئے، پھر فرمایا "اسی طرح اختلاف ہوا ہے، تو کوئی ضابطہ اور توفیق ضروری ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ پانی جب اپنی اصلی خلقت پر ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو تو اس سے وضوء جائز ہے اور اگر نام زائل ہوجائے

---

[1] فتح اللہ المعین ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۴

بالاختلاط من غير طبخ ولا تشرب نبات
ثم المخالط ان جامدا فما دام يجري على
الاعضاء فالماء الغالب وان مائعا فان لم
يكن مخالفا في شئ كالماء المستعمل تعتبر
بالاجزاء وان مخالفا فيها فان غير اكثرها
لايجوز الوضوء به والاجاز وان خالف في
وصف اووصفين تعتبر الغلبة من ذلك
الوجه كاللبن يخالفه في اللون والطعم
فان كان لون اللبن اوطعمه هو الغالب لم
يجز والاجاز وماء البطيخ يخالفه في الطعم
فتعتبر الغلبة فيه بالطعم فعلى هذا يحمل
ماجاء منهم على مايليق به فقول من قال
ان كان رقيقا يجوز والالا على ما اذا كان
المخالط جامدا ومن قال ان غير احد اوصافه
جاز على ما خالفه في الثلثة ومن قال اذا
غير احد اوصافه لايجوز على ما خالفه في
وصف اووصفين ومن اعتبر بالاجزاء على
ما يخالفه في شئ فاذا نظرت وتأملت وجدت
ماقاله الاصحاب لايخرج عن هذا ووجدت
بعضها مصرحا به وبعضها مشارا اليه[1] اه
هذا كل كلامه قد لخصته ولم اخرم
منه حرفا غير ماذكر في التشرب من الفرق
بين الخروج والاستخراج فانه غير صحيح

اور مقید ہو جائے تو جائز نہیں، اور تقیید یا تو کمال امتزاج
کے ساتھ یا ملی ہوئی چیز کے غلبہ کے ساتھ ہوگی تو کمال امتزاج
یہ ہے کہ پانی میں ایسی پاک چیز ڈال کر پکائے جس سے
تنظیف مقصود نہ ہو یا گھاس میں پانی جذب ہو جائے
اور ملی ہوئی چیز کا غلبہ یہ ہے کہ پانی کا اختلاط بلا پکائے ہو
اور گھاس میں پانی جذب کیے بغیر ہو پھر ملنے والی چیز اگر
جامد ہو تو جب تک وہ اعضاء پر بہے تو پانی غالب ہوگا،
اور اگر ملنے والی چیز بہنے والی ہے تو وہ اگر کسی چیز میں
پانی کے مخالف نہیں ہے، جیسے مستعمل پانی تو غلبہ کا
اعتبار اجزاء سے ہوگا، اور اگر وہ پانی کے مخالف ہو تو اگر
اکثر اوصاف کو بدل دے تو اس سے وضوء جائز
نہیں ورنہ جائز ہے، اور اگر ایک یا دو وصفوں میں مخالف
ہے تو اسی وجہ سے غلبہ معتبر ہوگا، جیسے دودھ کہ پانی کے
مخالف ہے رنگ اور مزے میں، تو اگر دودھ کا رنگ
یا مزہ غالب ہو تو وضوء جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا۔ اور
خربوزہ کا پانی، پانی سے صرف مزہ میں مختلف ہے تو
اس میں غلبہ باعتبار مزہ ہوگا، لہذا فقہاء کی نصوص
کو انہی مفاہیم پر محمول کرنا چاہئے جو اس کے لائق ہوں،
اب جو یہ کہتا ہے کہ اگر وہ رقیق ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں،
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملنے والی اگر جامد ہے تو یہ
حکم ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ اگر اس کے اوصاف میں سے
کسی وصف کو بدل دیا تو جائز ہے، یہ اس صورت میں
ہے جبکہ وہ چیز پانی کے ساتھ تینوں وصفوں میں مخالف ہے،

[1] تبیین الحقائق بحث الماء بولاق مصر ۱/۲۰

ولا یتعلق به الغرض ههنا۔

اور جو کہتا ہے کہ جب اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو بدل دے تو جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پانی سے ایک یا دو وصفوں میں مخالف ہے، اور جس نے غلبہ باعتبار اجزاء لیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ چیز پانی کے ساتھ کسی چیز میں مخالف نہ ہو، تو جب آپ غور کریں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جو کچھ اصحاب نے فرمایا ہے وہ اس بیان سے خارج نہیں، ان میں سے بعض امور تو کتب میں بصراحت مذکور ہیں اور بعض کا ذکر اشارتاً ہے اھ یہ ان کا مکمل کلام ہے جو بلاکم وکاست میں نے نقل کر دیا ہے، صرف تشرّب میں جو فرق خروج واستخراج میں ہے، وہ صحیح نہیں، اور نہ ہی اس سے کوئی غرض یہاں متعلق ہے (ت)

اقول فقد بان لك من كلامه ثلثة امور الاول لا ذكر فی كلامه لتقييد حكم الجامد ببقاء الاسم حتى بالاشارة فضلا عن التصريح انما قال ما دام يجري على الاعضاء فالماء غالب اى مطلق غير مقيد فهذا كما ترى مطلق غير مقيد ثم اذا اتى على تطبيق الضابطة على الروايات المختلفة حمل على الجامد قول من قال ان كان رقيقا يجوز والا لا والقول فى الاصل مرسل وفى الحمل مرسل ارسالا فمتى جنح الى التقييد وكذلك تلونا عليك كلام الاٰخذين عنه اصحاب الفتح والحلية والغنية والدرر ونور الايضاح حتى البحر الذى ابدى هذا التقييد لم يلم احد منهم فى تلخيص الضابطة اليه لاجرم ان صرح الشامى بانه من زيادات البحر الثانى ذكر رحمه الله تعالى اولا اصلا مجمعا عليه ان الوضوء انما يجوز بالماء المطلق وهو الذى لم يزل عنه طبعه

میں کہتا ہوں اُن کی گفتگو سے آپ کو تین باتیں معلوم ہوئیں:

اول: ان کے کلام میں جامد کے حکم کو نام کی بقاء سے مقید کرنے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے صراحت تو الگ رہی اشارہ تک نہیں، انہوں نے صرف یہ فرمایا ہے کہ جب تک وہ اعضاء پر جاری رہے تو پانی غالب ہے یعنی مطلق ہے مقید نہیں، تو جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ مطلق ہے مقید نہیں، پھر جب وہ ضابطہ کو مختلف روایات پر منطبق کرنے لگے، تو جن لوگوں نے کہا ہے کہ اگر رقیق ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں انہوں نے اس قول کو جامد پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور حمل میں بھی مرسل ہے تو قید لگانے کی طرف کب مائل ہوئے؟ اسی طرح ہم نے اُن حضرات کا کلام بھی نقل کر دیا جنہوں نے اس سے لیا ہے یعنی فتح، حلیہ، غنیہ، درر اور نور الایضاح کے مصنفین، یہاں تک کہ صاحبِ بحر جنہوں نے یہ قید لگائی، ان میں سے کسی نے ضابطہ کا خلاصہ یہ نہیں کیا، اس لیے شامی نے تصریح کر دی کہ یہ زیادات بحر سے ہے۔

دوم: پہلے تو انھوں نے ایک متفق علیہ اصل

ولا اسمہ دون المقید الزائل عنہ اسمہ۔

ذکر کی اور وہ یہ کہ وضوء مطلق پانی سے جائز ہوتا ہے،
اور مطلق پانی وہ ہے جس کی طبیعت اور نام زائل نہ ہوا ہو نہ کہ مقید پانی سے جس کا نام زائل ہوگیا ہو۔ (ت)

اقول ولم یذکر الطبع لان زوال الطبع یوجب زوال الاسم فذکرہ اولا ایضاحا وحذفہ اخرا اجتزاء فھذا القدر مما لاخلاف فیہ لاحد انما الشان فی معرفۃ المطلق والمقید ای معرفۃ انہ متی یزول الاسم فیحصل التقیید فتشمر لاعطاء ضابطۃ فی ذلک تتمیز بھا مواضع زوال الاسم عن محال بقائہ فقال التقیید باحد امرین کمال الامتزاج او غلبۃ الممتزج الخ فلا شک ان کلامہ فیما لم یزل عنہ اسم الماء کما ذکرہ السید لانہ مسوق لبیان مایحصل بہ التقیید والتقیید انما یکون للمطلق فان تقیید المقید تحصیل الحاصل وما المطلق الا مالم یزل عنہ اسم الماء ففیہ الکلام وما کان انکرہ احد لکنہ لایدفع الایراد بل انما منہ منشؤہ فانہ افاد ان الماء المطلق لایتقید فی خلط الجامد الا بالثخونۃ والحکم خلافہ فانہ ربما یتقید قبل ان یثخن کما فی الزعفران والنبیذ وثبوت الحصر اولا بالقصر کما علمت **واقول ثانیا** محال ان یزول اسم الماء عنہ مع بقاء رقتہ الا بتغیر وصف لانہ اذا بقی طبعہ واوصافہ

میں کہتا ہوں انہوں نے طبیعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ طبیعت کے زائل ہونے سے نام بھی زائل ہوجاتا ہے تو پہلے بطور وضاحت ذکر کیا ہے، اور بعد میں اختصاراً حذف کیا ہے، اور اس میں کسی کا خلاف نہیں، مسئلہ دراصل مطلق ومقید کی پہچان کا ہے، یعنی یہ جاننے کا ہے کہ کب نام زائل ہوگا اور تقیید حاصل ہوگی، تو انہوں نے ایک ضابطہ بیان کیا جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ کب زائل ہوگا اور کب باقی رہے گا، تو فرمایا تقیید دو امر میں سے کسی ایک سے ہوگی، یا تو کمالِ امتزاج یا ملنے والی چیز کے غلبہ سے الخ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کا کلام اس پانی میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہیں ہوا ہے جیسا کہ سیّد نے ذکر کیا اس لیے کہ یہ کلام اُس چیز کے بیان کے لیے ہے جس سے تقیید پیدا ہوتی ہے اور تقیید تو مطلق کی ہوتی ہے کیونکہ مقید کی تقیید تو تحصیل حاصل ہے، اور مطلق تو وہی ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، تو گفتگو اسی میں ہے اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا، مگر اس سے اعتراض مرتفع نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے تو پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ مطلق پانی جامد کے ملنے سے تب ہی مقید ہوگا جبکہ گاڑھا ہوجائے حالانکہ حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ بسا اوقات وہ گاڑھا ہونے سے پہلے ہی مقید ہوجاتا ہے جیسا کہ زعفران اور نبیذ۔ اور حصر کا ثبوت اولاً تو یہ ہے کہ اس میں قصر ہے

فزوال اسمه عنه، یکون بغیر موجب وھو
باطل اما ما امتزج به غیره مما لا یخالف[ع]
وصفاله مساویاله فی الاجزاء او اکثر فانما
یزول فیه اسم الماء عن الکل المرکب من
الماء وغیره المساوی له او الغالب علیه
لا عن الماء الذی فیه حتی لو امکن افراز
الماء عن ذلك المخالط لکان ماء جائزا
به الوضوء وھو رحمه اللّٰه تعالٰی لم یذکر
فی الجامد غیر الثخونة ولم یعتبر فیه
الاوصاف انما اعتبرھا فی مقابلة المائع
والمقابلة تنافی الخلط فقد افاد قطعا ان
لا غلبة فی الجامد بالاوصاف وقد افصح
به الشرنبلالی فی تلخیص ضابطته اذ قال
ولا یضر تغیر اوصاف کلها[۱] اھ وما کان
زوال الاسم الا لاحد امرین زوال الرقة

جیسا کہ آپ نے جانا، اور میں ثانیاً کہتا ہوں، یہ امر
محال ہے کہ رقت کے باقی رہتے ہوئے اس سے پانی
کا نام زائل ہو، اِلّا یہ کہ اس کا کوئی وصف متغیر ہوجائے
اس لیے کہ جب اس کی طبیعت باقی ہو اور اس کے اوصاف
باقی ہوں تو اس سے اس کے نام کا زائل ہونا بغیر موجب
کے ہوگا اور یہ باطل ہے، اور جو غیر اس کے ساتھ مل جائے
اور یہ غیر اُن چیزوں میں سے ہو جو کسی وصف میں اس پانی
کے مخالف نہ ہو، اور وُہ غیر اس کے اجزاء میں مساوی
ہو یا زیادہ ہو تو اس میں پانی کا نام کل مرکب سے زائل
ہوجائیگا جو پانی اور اس کے غیر سے مرکب ہو اور اس کے
مساوی ہو یا اس پر غالب ہو نہ کہ اُس پانی سے جو
اس میں ہے، یہاں تک کہ اگر اس آمیزش سے پانی کا
جدا کرنا ممکن ہوتا تو اس پانی سے وضوء جائز ہوتا، اور
انہوں نے (رحمہ اللہ) جامد میں صرف گاڑھے پن کا
ذکر کیا ہے، اور اس میں اوصاف کا اعتبار نہیں کیا ہے،

ع اقول ای ان وجد اما ما مثلوا به
من ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع
الرائحة فلیس منه للاختلاف فی الطعم
وما مثلوا به من الماء المستعمل فھو
بنفسه علی تحقیقنا من الماء المطلق فکیف
یجعل امتزاجه بالمطلق المطلق مقیدا!
۱۲ منه غفرله۔ (م)

میں کہتا ہوں یعنی اگر پایا جائے، اور لسان ثور
اور گلاب کا پانی جس میں خوشبو نہ رہی ہو، کی مثالیں
جو انہوں نے دی ہیں وہ اس سے نہیں ہے، کیونکہ
مزہ کی تبدیلی میں اختلاف ہے، اور مستعمل پانی کی مثال جو
دی ہے تو وہ خود ہماری تحقیق کے مطابق مطلق پانی
ہے تو مطلق کو مطلق سے ملا کر مقید کیونکر کیا جاسکتا ہے
۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[۱] نور الایضاح کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳

او تغير الوصف وقد نفى هذا فى خلط الجامد فلم يبق الا الاول وظهر انه يقول لا يزول الاسم فيه بوجه من الوجوه ما دامت الرقة باقية وهذا هو محل الايراد فاين المحيص نعم ذكر فى صدر الكلام لفظ زوال الاسم وهو انما هو تمهيد ضابطته خارج عنها بيانا للمحوج اليها كما علمت فضلا عن ان يكون قيدا فى حكم الجامد۔

ان اوصاف کا اعتبار اس کے مقابل مائع میں کیا ہے اور مقابلہ ملاوٹ کے خلاف ہے، تو انہوں نے قطعاً یہ بات بتائی ہے کہ جامد میں اوصاف سے غلبہ نہیں ہوتا ہے، اور یہی بات شرنبلالی نے اپنے ضابطہ کے خلاصہ میں کہی ہے، انہوں نے کہا کہ اس کو تمام اوصاف کا متغیر ہوجانا مضر نہیں اھ اور نام کا زائل ہونا دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے ہے، یا تو رقت کا ختم ہونا یا وصف کا تبدیل ہونا اور یہ چیز جامد کے ملنے کی صورت میں نہیں، تو صرف پہلی صورت میں باقی رہے اور یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ کہتے ہیں جب تک رقت باقی رہے گی نام کسی طرح زائل نہ ہوگا، یہ اعتراض کی صورت ہے، تو چھٹکارے کی کیا سبیل ہوگی؟ ہاں ابتداءِ کلام میں نام کے زائل ہونے کا ذکر کیا تھا، یہ ان کے ضابطہ کی تمہید ہے اس میں داخل نہیں، اس چیز کا بیان ہے کہ ضابطہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جیسا کہ آپ نے جان لیا، یہ جامد کے حکم میں قید نہیں۔ (ت)

فان قلت اليس قد قال قبل هذا تحت قول المختصر او بالطبخ ان زوال الاسم هو المعتبر فى الباب كما تقدم فكان صريح منطوقه الادارة عليه حيث كان **اقول** بلى وهو جملة القول فى الباب وما الضابطة الا لتفصيله وبيان انه متى يحصل وقد صرح فيها انه لا يحصل فى خلط الجامد الا بالثخونة فانى تنفع الادارة۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے اس سے قبل مختصر کے قول "او بالطبخ" کے تحت فرمایا تھا کہ اس باب میں نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے جیسا کہ گزرا، تو انہوں نے اسی چیز کو صریحاً مدار بنایا جہاں بھی یہ پایا جائے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے اور اس باب کا خلاصہ یہی ہے، اور ضابطہ تو اس کے بیان اور تفصیل کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ صورت کب پیدا ہوتی ہے، اور انہوں نے اس میں تصریح کی ہے کہ یہ جامد کے مل جانے میں صرف گاڑھا ہونے سے حاصل ہوتی ہے، تو اس پر مدار رکھنا مفید نہیں۔

الثالث هو بصدد اعطاء ضابط يميز بين المقيد والمطلق وما الضابط الا ما يحيط بالصور فيجب ان يستوعب كلامه بيان كل ما يحصل به التقييد اى كل ما يزول به الاسم اذ لا تقييد الا به

سوم: وہ ایک ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو مقید اور مطلق کے درمیان تمییز پیدا کردے اور ضابطہ وہی ہوتا ہے جو تمام صورتوں کا احاطہ کرے تو لازم ہے

فتقييد[1] شئ من احكامه بان لا يزول الاسم
افساد لمقصوده واخراج للضابط عن ان يكون
ضابطا وارجاع للتمييز الى التجهيل، و
للتفصيل الى التعطيل، فانه يؤل الى ان في
خلط الجامد بدون الثخونة لا يزول الاسم
بشرط ان لا يزول الاسم وهو كلام مغسول،
لا يرجع الى طائل ومحصول، هذا معنى
قول النهر انه لا يجدي نفعا فتبين انه
لا مذكور ولا مطوي ولا منوي وان الحق
فيه بيد النهر، وان هذا شئ سقط عن
الفخر، فلقطه البحر، وذكره في تنبيه على
حدة فجاء الدر فنظمه في سلك الضابطة اذ
قال فلو جامدا فبثخانة ما لم يزل الاسم
كنبيذ تمر اھ ونعما فعل لانه صح الحكم
وان انحلت عرى الضابطة، واحتاج
مطلعها الى ضابط اخر يلقط له ساقطه،
هكذا ينبغي التحقيق، والله تعالى ولي
التوفيق، وكان الحري بنا ان نؤخر هذا
البحث الى الفصل الرابع حيث نتكلم ان
شاء الله تعالى على الضابطة ولكن الحاجة
مست اليه ههنا كيلا يعتري احدا شك فيما
نبدي من المخالفات بين الاحكام المنقولة
وقضية الضابطة وبالله تعالى التوفيق.

کر ان کا کلام اُن تمام صورتوں کا احاطہ کرے جن سے
تقیید پیدا ہوتی ہے یعنی وہ تمام صورتیں جن میں نام زائل
ہوجاتا ہے کہ تقیید تو اسی سے حاصل ہوگی، تو اس کے
احکام میں سے کسی کو اس سے مقید کرنا کہ نام زائل نہیں ہوا
اس کے مقصود کو فاسد کرنا اور ضابطہ کو ضابطہ ہونے سے
خارج کرنا ہے، اور بجائے اس کے کہ امتیاز پیدا ہو ابہام
پیدا کرنا ہے، اور تفصیل کو ختم کرنا ہے، اور اس کا انجام
یہ ہوگا کہ جامد کی آمیزش میں گاڑھا نہ ہونے کی صورت میں
نام زائل نہ ہو بشرطیکہ نام زائل نہ ہو، اور یہ کلام لغو بے فائدہ
ہے، نہر کے قول کہ "یہ مفید نہیں" کا یہی مطلب ہے،
یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ نہ تو کچھ مذکور ہے اور نہ منوی ہے اور
اس بارے میں حق نہر کے ساتھ ہے اور یہ وہ چیز ہے جو
فخر سے رہ گئی تھی اور بحر نے اس کو لیا تھا اور اس پر الگ
تنبیہ کی تھی اور صاحبِ در نے اس کو ضابطہ کی شکل میں
پیش کردیا، وہ فرماتے ہیں "اگر آمیزش جامد کی ہو تو
دارومدار گاڑھا ہونے پر ہے جب تک نام زائل نہ ہو
جیسے نبیذ تمر اھ اور انہوں نے یہ اچھا کام کیا ہے کہ حکم
صحیح ہوگیا ہے اگرچہ اس سے ضابطہ ڈھیلا پڑ گیا اور
اس صورت میں ایک مزید ضابطہ کی حاجت ہوگئی،
تحقیق کا یہ طریقہ ہونا چاہیے، ہمیں یہ بحث چوتھی فصل
تک مؤخر کرنی چاہیے تھی جہاں ہم ضابطہ پر گفتگو کریں گے،
مگر یہاں ضرورۃً بحث کرنا پڑی ہے تاکہ احکام منقولہ اور
ضابطہ میں کسی کو شک و شبہ لاحق نہ ہوجائے وباللہ التوفیق (ت)

---

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ١/٣٤

(۲۸۸) یُوں ہی شربت سے وضو ناجائز ہے شکر، بتاشے، مصری، شہد کسی چیز کا ہو نمبر ۸۵ میں ہدایہ وغیرہا کتابوں سے گزرا:

لا یجوز بالاشربۃ[1] (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ ت)

اس پر عنایہ و بنایہ و کفایہ و غایہ میں فرمایا:

ان اراد بالاشربۃ الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد المخلوط بہ کانت نظیر الماء الذی غلب علیہ غیرہ[2]۔ اگر ان کی مراد "اشربہ" سے میٹھے شربت ہیں جیسے شیرہ اور شہد جو پانی میں ملے ہوں تو اس پانی کی نظیر ہے جس پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال صاحب الفرائد المراد من الاشربۃ الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد[3]۔ صاحب الفرائد نے فرمایا اشربہ سے مراد میٹھا شربت ہے جو پانی میں شامل ہوگیا ہو جیسے شیرہ اور شہد۔ (ت)

مگر اصحاب ضابطہ غیر تجرو دُرر پر لازم کہ اُس سے وضو جائز مانیں جب تک پانی کی رقت نہ زائل ہو اور یہ شربت میں عادۃً نہیں ہوتا شکر، بتاشے، مصری تو ظاہر ہیں اور یوں ہی شہد جبکہ جما ہوا ہو مگر یہ اُسی وجہ سے صحیح نہیں کہ شربت کو پانی نہیں کہتے نام بدل گیا تو آب مطلق نہ رہا۔

(۲۸۹) یُوں ہی دوا کا خیساندہ قابلِ وضو نہیں اگر گاڑھا نہ ہوگیا ہو کہ وہ دوا کہلائیگی نہ پانی مگر اہل ضابطہ پر جواز لازم۔

(۲۹۰ تا ۲۹۵) یونہی کسم، کیسر، زنگت کی پڑیاں جب پانی میں اس قدر ملیں کہ رنگنے کے قابل ہوجائے کسیس، مازو، روشنائی مل کر حرف کا نقش بننے کے لائق ہوجائے بحکم تجنیس و فتح القدیر و حلیہ و معراج الدرایہ و بحرالرائق و دُرمختار و قنیہ و ہندیہ و فتح اللہ المعین و امام جرجانی جس کی عبارات نمبر ۱۲۴ میں گزریں اُس سے وضو جائز نہیں کہ وہ رنگ یا سیاہی یا روشنائی کہلائے گا نہ پانی مگر بحکم ضابطہ جواز ہے خصوصاً پڑیا کا پانی کہ بہت کم مقدار میں ملائی جاتی ہے جس کا پانی کی رقت پر اثر نہیں ہوسکتا۔

اقول وھو ان کان ظاھر عامۃ الکتب میں کہتا ہوں اگرچہ ظاہر عام کتب کا وہی ہے

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر " " مطبع نوریہ رضویہ

[3] ایضاً

كما مرتمه لكن هذا هو قضية الاصل المجمع عليه الغير المنخرم ان زوال الاسم يسلب الاطلاق والله تعالٰی اعلم۔

جو گزرا لیکن اس اصل کا یہی تقاضا ہے جس پر قطعی اجماع ہے کہ نام کے زائل ہونے سے اطلاق کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔ (ت)

ہاں روشنائی وغیرہ کا گاڑھا پانی بڑے ضابطہ بھی قابلِ وضو نہیں۔

صنف دوم سیال اشیاء

(۲۹۶ تا ۲۹۸) اقول گلاب کیوڑا بید مشک بلاشبہ مزۂ آب کے خلاف مزہ رکھتے ہیں اور ان کی بُو قوی تر ہے گھڑے بھر پانی میں تولہ بھر اُسے خوشبودار کردیتا ہے اور مزہ نہیں بدلتا تو بحسب حکم منقول اُس سے وضو جائز رہے گا جب تک اس قدر کثرت سے نہ ملے کہ پانی پر اُس کا مزہ غالب آجائے مگر اہلِ ضابطہ کے نزدیک اُس سے وضو ناجائز ہونا لازم لانه ذو وصفین وقد تغیر واحد (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ ت) مگر یہ سخت بعید بلکہ بداہتہً باطل ہے عرفاً لغۃً شرعاً اُس گھڑے بھر پانی کو جس میں چند قطرے گلاب کے پڑے ہیں پانی ہی کہا جائے گا تو وہ یقیناً آبِ مطلق ہے اور اس سے بلاشبہ وضو جائز۔

(۲۹۹ و ۳۰۰) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر اتنا ملے کہ پانی کا صرف رنگ بدلے تو حکم مذکور نمبر ۱۲۶ سے وہ پانی قابلِ وضو نہ رہے گا اور اہلِ ضابطہ جائز کہیں گے۔

لانهما من ذوات الثلثة فلا يكفى تغير وصف واحد ولونهما اقوى اوصافهما فيعمل قبل ان يعمل الباقيان۔

کیونکہ یہ تین اوصاف والا ہے تو اس میں ایک کا تغیر کافی نہ ہوگا اور اس کے اوصاف میں سے رنگ قوی تر ہے تو باقی دو کے مؤثر ہونے سے قبل ہی یہ مؤثر ہوجائیگا۔ (ت)

(۳۰۱) یوُں ہی پڑیا حل کیا ہوا پانی یا پانی میں پڑ کر صرف رنگت بدل دے تو کتب مذکورہ کے حکم سے قابلِ وضو نہیں اور اہلِ ضابطہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے اگر پڑیا کسی قسم کی بُو نہ رکھتی ہو ورنہ جائز کہیں گے۔

(۳۰۲) آب تربوز سے جب پانی کا صرف مزہ بدلے خود اہلِ ضابطہ نے عدمِ جواز وضو کی تصریح کی کما مر فی ۲۸۱ مگر اُن کا ضابطہ جواز چاہتا ہے۔

لانه ذو الثلثة فلا يكتفى بوصف وطعمه اغلب اوصافه فلا يستلزم غلبته غلبة احد الباقيين۔

کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے، تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائے گا، اور اس کا مزہ اس کے اوصاف میں قوی تر ہے تو اس کے غلبہ سے دو

باقیماندہ وصفوں میں سے کسی ایک کا غلبہ لازم نہیں آئے گا۔ (ت)

(۳۰۳) سپید انگور کے سرکہ کی جب صرف بُو پانی میں آجائے غالب نہ ہو بحکم بدائع منقول نمبر ۱۳ قابل وضو ہے مگر بروئے ضابطہ جواز نہ چاہئے لانہ ذو وصفین وقد تغیر احدھما (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ ت)

(۳۰۴) سرکہ کہ رنگت بھی رکھتا ہے اور اُس کی بُو سب اوصاف سے اقوٰی ہے اگر پانی میں اُس کا مزہ اور بُو آجائے اور رنگ نہ بدلے بحکم منقول مصرح امام ملک العلماء و امام اسبیجابی و امام فخر الدین زیلعی و نجم الدین زاہدی وزاد الفقہاء و امام ابن امیر الحاج حلبی مذکور نمبر ۱۲۶ قابلِ وضو ہے مگر اتباعِ ضابطہ نے عدمِ جواز کی تصریح کی، غنیہ میں ہے:

ان کان یخالفہ فی الاوصاف کلھا کالخل فالمعتبر غلبۃ اکثرھا[1]۔

اگر وُہ پانی کے تمام اوصاف میں اس کے مخالف ہے جیسے سرکہ تو معتبر ان میں سے اکثر کا غالب ہونا ہوگا۔ (ت)

نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

الغلبۃ توجد بظھور وصفین من خل لہ لون وطعم وریح ای وصفین منھا ظھرا منعا صحۃ الوضوء ولو واحد لایضر لقلتہ[2]۔

سرکہ کے وصفوں میں سے دو کے ظہور سے غلبہ پایا جائیگا کیونکہ اس کے تین اوصاف ہیں مزہ، رنگ اور بُو، کوئی سے دو وصف ان میں سے غالب ہوجائیں تو اس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے اور اگر ایک وصف متغیر ہوا ہے تو کم ہونے کی وجہ سے مضر نہیں۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

فالغلبۃ بتغیر اکثرھا وھو الوصفان فلا یضر ظھور وصف واحد فی الماء من اوصاف الخل[3] اھ

تو اعتبار اکثریت کے تغیر کا ہے اور یہ دو وصف ہیں تو سرکہ کے صرف ایک وصف کا پانی میں ظاہر ہونا کچھ مضر نہ ہوگا۔ (ت)

اقول وقد کان ملک العلماء قدس سرہ احال الامر اوّلا علی زوال الاسم

میں کہتا ہوں ملک العلماء نے پہلے تو مدار نام کے زائل ہونے پر رکھا تھا، اور یہی صحیح بھی تھا، وہ فرماتے ہیں

---

[1] غنیۃ المستملی | فصل فی بیان احکام المیاہ | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۹۱

[2] مراقی الفلاح | کتاب الطہارت | الامیریۃ ببولاق مصر | ص ۱۶

[3] رد المحتار | باب المیاہ | مصطفی البابی مصر | ۱/۱۳۴

وهی الجادة الواضحة حیث قال الماء المطلق اذا خالطه شیئ من المائعات الطاهرة کاللبن و الخل ونقیع الزبیب ونحو ذلك علی وجه زال عنه اسم الماء بان صار مغلوبا به فهو بمعنی الماء المقید اھ لکن ثم عاد[۱] الی اعتبار اللون فی مثله فقال متصلا به ثم ینظر ان کان یخالف لونه لون الماء یعتبر الغلبة فی اللون[۲]

مطلق پانی میں جب کوئی سیال شے مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا پانی وغیرہ، اور اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے کہ پانی مغلوب ہو تو اب یہ پانی مقید ہے اھ لیکن پھر وہ اس جیسی صورت میں رنگ کے اعتبار کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی کے متصل فرماتے ہیں، پھر یہ دیکھا جائیگا کہ اگر اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہے تو رنگ میں غلبہ معتبر ہوگا۔

(۳۰۵) جس سرکہ کا مزہ رنگ و بُو سے اقوی ہو جب اس کے مزہ و بُو پانی پر غالب آئیں اور رنگ نہ بدلے بحکم مذکور ائمہ قابلِ وضو ہے اور ضابطہ مخالف۔

(۳۰۶) جس سرکہ کا رنگ غالب تر ہو جب اُس سے صرف رنگ بدلے تو اس کا عکس ہے یعنی بحکم ائمہ اُس سے وضو ناجائز اور ضابطہ مقتضی جواز۔

(۳۰۷) دُودھ سے جب پانی کا صرف رنگ بدلے بحکم ائمۂ مذکورین قابلِ وضو نہیں اور عجب کہ امام زیلعی نے بھی اُن کی موافقت کی حالانکہ اُن کا ضابطہ مقتضی جواز ہے لانہ ذو الثلثة ولونہ اقوی فلا یکفی وصف واحد (کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے اور اس کے اوصاف میں رنگ قوی تر ہے تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائیگا۔ ت) ہاں امام ابن الھمام و دُرر و قدوری و ہدایہ و عنایہ و عمدة القاری جانب جواز ہیں کما تقدم کل ذلك ۱۳۴ واللہ تعالٰی اعلم (اس کی پُوری بحث ۱۳۴ میں گزرچکی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

تکمیل جزئیات نامحصور ہیں بہتی ہوئی چیز کہ پانی سے کسی وصف میں مخالف ہے اس کے بارہ میں اس اختلاف و اتفاق کا ضابطہ ملاحظہ چند امور سے واضح:

(۱) اگر کوئی وصف نہ بدلے پانی بالاجماع قابلِ وضو ہے۔

---

[۱] سیاتی بحمد اللہ تعالٰی تحقیق السر فی ذلك فی سادس ضوابط الفصل الثالث ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اس کی حکمت تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئے گی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[۱] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[۲] ایضاً

(۲) مخالفت اگر صرف رنگ یا مزہ میں ہے اور وہ بدل جائے بالاتفاق قابلِ وضو نہیں۔

تنبیہ: بدلنے سے کیا مراد ہے اس کی تحقیق ان شاء اللہ العزیز فصل سوم میں آئے گی۔

(۳) اگر دو وصف میں مخالفت ہے اور دونوں بدل جائیں بالاتفاق عدمِ جواز ہے۔

(۴) اگر صرف رنگ و مزہ یا رنگ و بُو میں تخالف ہے اور رنگ بدلے تو بالاتفاق ناقابل ہے اور دوسرا بدلے تو بحکم منقول جواز اور بروئے ضابطہ ناجائز۔

(۵) اگر صرف مزہ و بُو میں اختلاف ہے اور مزہ بدلے تو بالاتفاق اور بُو بدلے تو صرف بروئے ضابطہ عدم جواز ہے منقول جواز۔

(۶) اگر تینوں وصف مختلف ہیں اور سب بدل جائیں بالاتفاق ناجائز۔

(۷) اگر اس صورت میں صرف مزہ یا بُو بدلے بالاتفاق جواز ہے اور فقط رنگ بدلے تو بحکم منقول ناجائز اور بحکم ضابطہ جواز۔

(۸) اسی صورت میں اگر رنگ و مزہ یا رنگ و بُو بدلیں بالاتفاق ناجائز اور مزہ و بُو بدلیں تو ضابطہ پر ناجائز اور منقول جواز۔

(۹) تخالف و تبدل دونوں کی جمیع صور کا احاطہ تو ان آٹھ میں ہوگیا، رہا یہ کہ تبدل کی کون سی صورت کہاں ممکن ہے اُس کا بیان یہ کہ جو ایک ہی وصف میں مخالف ہے ظاہر ہے کہ وہ تو اُسی کو بدل سکتا ہے اور اگر دو میں تخالف ہے تو تین صورتیں ہیں اوّل اقوی ہوگا یا دوم یا دونوں مساوی، یعنی بدلیں تو دونوں ایک ہی ساتھ بدلیں اُن میں آگا پیچھا نہیں اگر ایک اقوی ہے تو ایک کے تغیّر میں اُسی کا تغیّر ہوگا صرف دوسرے کو متغیر فرض نہیں کرسکتے ہاں دونوں کا بدلنا تینوں صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

(۱۰) اگر تینوں وصف مختلف ہیں تو اس میں سات احتمال ہیں، اوّل اقوی ہو یا دوم یا سوم یا اول و دوم یا اول و سوم یا دوم و سوم یا سب مساوی جن ہیں ایک اقوی ہو تنہا ایک کے تبدل میں وہی مفروض ہوسکتا ہے اور دو کے تبدل میں ایک وہ ہونا ضرور۔ اُس کے بغیر باقی دونوں کا تنہا یا معاً تغیر فرض نہیں کرسکتے اور دو اقوے ہیں تو اُس میں نہ ایک کا تبدل ہوسکتا ہے نہ ایسے دو کا جن میں ایک وہ تیسرا ہو، ہاں تینوں بدل سکتے ہیں اور جہاں تینوں مساوی ہیں وہاں یہی صورت فرض ہوسکتی ہے کہ سب بدل جائیں یا کوئی نہ بدلے واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد الکریم الاکرم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارک وسلم آمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

فصل ثانی مطلق ومقید کی تعریف میں۔

یہاں عبارات علما مختلف آئیں،

اما لفظا او معنی ایضا فمنہا صحیح وخلافہ والصحیح منہا حسن واحسن فنذکرھا ومالہا وعلیہا لیتبین المنتجب من المجتنب فیراعی معیارا فی کل مطلب، واللہ الموفق ماغیرہ رب۔

یا تو لفظاً یا معنًی بھی، ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ اس کے برخلاف صحیح میں سے کچھ حسن اور کچھ احسن ہیں، تو اب ہم انہیں اور ان پر جو ابحاث ہیں انہیں ذکر کرتے ہیں تاکہ صحیح اور غلط ظاہر ہو تاکہ ہر بحث میں معیار کی رعایت کی جاسکے (ت)

اوّل مطلق وُہ کہ شے کی نفس ذات پر دلالت کرے کسی صفت سے غرض نہ رکھے نہ نفیاً نہ اثباتاً قالہ فی الکفایۃ (یہ تعریف کفایہ میں ہے۔ ت) اور مقید وہ کہ ذات کے ساتھ کسی صفت پر بھی دال ہو، عنایہ میں ہے:

ان اللہ تعالٰی ذکر السماء فی الاٰیۃ مطلقا والمطلق مایتعرض للذات دون الصفات ومطلق الاسم ینطلق علی ھذہ المیاہ[1] اھ ای ماء السماء والاودیۃ والعیون والاٰبار ذکرہ مستدلا علی جواز التوضی بہا بقولہ تعالٰی وانزلنا من السماء ماء طہورا۔

اللہ تعالٰی نے آیۂ مبارکہ میں پانی کو مطلق ذکر کیا ہے، اور مطلق وُہ ہے جس میں صرف ذات کا ذکر ہو صفات کا نہ ہو، اور پانی کا مطلق نام انہی پانیوں پر بولا جاتا ہے اھ یعنی آسمان، وادیوں، چشموں اور کنوؤں کے پانیوں پر، اس کا ذکر وضو کے جواز کے سلسلہ میں کیا ہے فرمانِ الٰہی ہے وانزلنا من السماء ماءً طہوراً۔ (ت)

اقول ھذا ھو المطلق الاصولی ولیس مرادا ھٰہنا قطعا فانہ مقسم المقیدات وھذا قسیمہا وھو ینطلق علی جمیع المقیدات فیلزم جواز التوضی بہا بل المطلق ھٰہنا مقید بقید الاطلاق فی مرتبۃ بشرط لاشیئ ای مالم یعرض لہ مایسلب عنہ اسم الماء

میں کہتا ہوں یہ اصولی مطلق ہے اور وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کیونکہ وہ مقیدات کا مقسم ہے اور یہ اُن کا قسیم ہے اور یہ تمام مقیدات پر جاری ہے تو ان تمام سے وضوء کا جواز لازم آتا ہے بلکہ مطلق یہاں بقید اطلاق مقید ہے اور بشرط لاشیئ کے مرتبہ میں ہے، یعنی اس کو جب تک ایسی چیز لاحق نہ ہو جو اس سے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰

المرسل ولا شك ان هذا متعرض لوصف زائد
على نفس الذات فالمطلق ههنا قسم من
المقيد وقسيم لسائر المقيدات وقد تنبه
لهذا السيد العلامة الشامی فنبه علیه بقوله
واعلم ان الماء المطلق اخص من مطلق
ماء لاخذ الاطلاق فيه قيدا ولذا صح اخراج
المقيد به واما مطلق ماء فمعناه ای ماء كان
فيدخل فيه المقيد المذكور ولا يصح ارادته
ههنا اھ[1] ووقع فی البحر بعد ماعرف المطلق
بما یأتی والمطلق فی الاصول هو المتعرض
للذات دون الصفات لا بالنفی ولا بالاثبات
كماء السماء والعين والبحر[2] اھ فقد كان
يفهم بالمقابلة انه ليس مرادا ههنا لكن
جعل المياه المطلقة مثالا له صرف الكلام
الى الایهام فالاحسن ما فی الكافی[عه] والبناية

مطلق پانی کا نام سلب کرلے، اور اس میں شک نہیں کہ
یہ نفس ذات پر ایک زائد وصف کی طرف اشارہ ہے،
تو مطلق یہاں مقید کی قسم ہے اور باقی مقیدات کا قسیم ہے
علامہ شامی نے اس کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا" جاننا
چاہیے کہ ماءِ مطلق مطلق ماء سے اخص ہے کیونکہ
اس میں اطلاق کی قید ہے، اس لیے مقید کا اس سے
خارج کرنا درست ہے، اور مطلق ماء کے معنی ہیں کوئی
بھی پانی ہو تو اس میں مذکور مقید بھی داخل ہوگا، اور
یہاں اس کا ارادہ صحیح نہیں ہے اھ بحر میں مطلق کی
تعریف کے بعد ہے" مطلق اصول میں معترض ذات کو بیان
کرتا ہے نہ کہ صفات کو، نہ نفی سے نہ اثبات سے، جیسے
آسمان، چشمہ اور دریا کا پانی اھ مقابلہ سے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہے لیکن مطلق پانیوں کی
اس کی مثال بنانا کلام میں ایہام پیدا کرنا ہے تو احسن
وہی ہے جو کافی، بنایہ اور مجمع الانہر میں ہے، اِن

عه وفی غاية البيان المراد هنا ما يفهم
بمجرد اطلاق اسم الماء والا فالمياه المذكورة
ليست بمطلقة لتقييدها بصفة وفی اصطلاح
اهل الاصول هو المتعرض للذات دون الصفة
اھ **اقول** لا وجود للمطلق فی الاعيان الا
فی ضمن المقيد فلا تخصيص للمياه المذكورة
۱۲ منه غفرله۔ (م)

اور غایۃ البیان میں ہے کہ مراد یہاں پر وہ ہے جو محض
ماء کے نام کے اطلاق سے سمجھا جاتا ہے ورنہ مذکورہ
پانی مطلق پانی نہیں کیونکہ یہ پانی کسی صفت سے مقید
ہیں، اور اصولیین کے نزدیک مطلق وہ ہے جو صرف ذات
کو بتائے نہ کہ صفت کو اھ میں کہتا ہوں مطلق کا وجود
اعیان میں نہیں مقید کے ضمن ہی میں ہوتا ہے، تو مذکورہ
پانیوں میں تخصیص نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲
[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

وفی مجمع الانھر اذ ذکروا المطلق الاصولی ثم قالوا ارید ھھنا مایسبق الی الافھام[1] الخ

سب نے اصولی مطلق کا ذکر کیا ہے، پھر فرمایا ہے' یہاں وہی مراد جو ذہنوں کی طرف سبقت کرتا ہے الخ (ت)

دوم مطلق وہ کہ اپنی تعریف ذات میں دوسری شے کا محتاج نہ ہو اور مقید وہ کہ جس کی ذات بے ذکر قید نہ پہچانی جائے،

ذکرہ فی مجمع الانھر علی جھۃ التمریض فقال ویقال المطلق مالایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر والمقید مالایتعرف ذاتہ الا بالقید[2] اھ

اس کو مجمع الانہر میں ناپسندیدہ قول کے طور پر بیان کیا ہے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ مطلق وہ ہے جو اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور مقید وہ ہے جس کی ذات قید کے بغیر نہیں جانی جاتی ہے اھ (ت)

اقول وھو بظاھرہ افسد من الاول فان شیئًا ما قط لایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر ولکن المقصود انہ الباقی علی طبیعۃ الماء وصرافۃ المائیۃ لم یداخلہ مایخرجہ عن طبعہ اویجعلہ فی العرف مرکبا مع غیرہ فیصیر ذاتا اخری غیر ذات الماء لایطلق علیہ محض اسم الماء ولاتعرف ذاتہ باطلاقہ واوضح منہ قول الغنیۃ ھو مایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی تقیید فی تعریف ذاتہ[3] اھ وھو ماخوذ عن الامام حافظ الدین فی المستصفی کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی۔

میں کہتا ہوں، یہ بظاہر پہلے سے بھی زیادہ غلط ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہوتی ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ وہی پانی کی طبیعت پر باقی ہے، اور پانی کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہوئی جو اس کو اس کی طبیعت سے خارج کرے یا عرف میں اس کے غیر کے ساتھ مرکب کردے تو وہ پانی کے علاوہ دوسری چیز بن جائے جس پر محض پانی کے نام کا اطلاق نہ ہو، اور اس کے اطلاق سے اس کی ذات نہ پہچانی جائے اور اس سے زیادہ واضح غنیہ کی عبارت ہے کہ وہ، وہ ہے جو عرف میں پانی کہلاتا ہے، اس کی ذات کی تعریف میں کسی تقیید کی حاجت نہ ہو اھ یہ تعریف امام حافظ الدین نے مستصفی میں کی ہے، جیسا آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

---

[1] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعہ عامرہ مصر ۱/ ۲۷

[2] " " "

[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

سوم مطلق وُہ کہ اپنی پیدائشی اوصاف پر باقی ہو، خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

هو الباقی علی اوصاف خلقته[1] اقول ان اريد بالاوصاف الاوصاف الثلثة خاصة اومع الرقة والسيلان انتقض بمنقوع الحمص والباقلا وما خلط بصابون واشنان ولو طبخ بهما اوبسدر ما دام باقيا علی رقته وكذا اما القی فيه تميرات فحلا ولم يصر نبيذ التغير اوصافها كلا اوبعضا مع جواز الوضوء بها اتفاقا وكذا بما خلط بمائع موافق فی الاوصاف اكثر منه اومساويا مع امتناع الوضوء به وفاقا فانتقض طردا وعكسا وان اريد الاعم اتسع الخرق فانتقض بنحو الحميم ايضا.

یہ وہ ہے جو اپنے پیدائشی اوصاف پر باقی ہے، میں کہتا ہوں اگر اوصاف سے محض اوصافِ ثلثہ مراد ہیں، یا مع رقت وسیلان کے، تو اس پر چنوں اور باقلی کے پانی سے اعتراض ہے، اور اس پانی سے اعتراض ہے جس میں صابون اور اُشنان ملایا گیا ہو، اگرچہ ان دونوں کے ساتھ پکایا گیا ہو، یا جھربیری کے ساتھ پکایا گیا ہو جب تک اس میں رقت باقی ہو، اور اسی طرح وہ پانی جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں اور میٹھا ہوگیا ہو اور نبیذ نہ بنا ہو کیونکہ اسکے اوصاف میں کُلی یا جزوی تغیر پیدا ہوگیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ وضو اتفاقاً جائز ہے اور اسی طرح وُہ پانی جو کسی مائع (سیّال) سے مل گیا ہو جو پانی کے اکثر اوصاف میں اس کے مشابہ ہو یا مساوی ہو حالانکہ اس سے وضو اتفاقاً ناجائز ہے یہ طرداً وعکساً منتقض ہوگیا، اور اگر عام کا ارادہ کیا ہو تو نقض وسیع ہو جائیگا تو گرم پانی کی مثل سے بھی نقض وارد ہوگا۔ (ت)

چہارم مطلق وُہ کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی ہو شلبیہ علی الزیلعی میں ہے:

الماء المطلق ما بقی علی اصل خلقته من الرقة والسيلان فلو اختلط به طاهر اوجب غلظه صار مقيدا[2] اھ يحيی اھ

مطلق پانی جب تک ہے کہ اپنی اصل خلقت پر ہو، یعنی اس میں رقت اور سیلان باقی ہو اور جب اس میں کوئی پاک چیز مل کر اس میں گاڑھا پن پیدا کردے تو وہ مقید ہوجائیگا اھ یحیٰی اھ (ت)

اقول هذا افسد وقد تضمن سابقه الرد عليه ويزيد هذا انتقاضا بما خلط بكل مائع لايسلبه رقته وان

میں کہتا ہوں یہ اور بھی زائد فاسد ہے، اور گزشتہ بحث میں اس پر رد ہوچکا ہے اور اس پر یُوں بھی اعتراض وارد ہوتا ہے اُس کے ساتھ کہ

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۲

[2] شلبی علی التبیین کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹

غیر اوصافہ کاللبن والخل والعصیر و نحو ذٰلك ۔

اس میں کوئی ایسی مائع شئے شامل ہوجائے جو اس کی رقت کو ختم نہ کرے خواہ اُس کے دوسرے اوصاف میں تغیر پیدا کرے، جیسے دودھ، سرکہ، عرق وغیرہ۔ (ت)

پنجم مطلق وہ جس کے لیے کوئی نیا نام نہ پیدا ہوا، ہدایہ میں فرمایا:

قال الشافعی رحمہ اللّٰہ تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباھہ ممالیس من جنس الارض لانہ ماء مقید الا تری انہ یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنہا عادۃ ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الا تری انہ لم یتجدد لہ اسم علی حدۃ واضافتہ الی الزعفران کاضافتہ الی البئر والعین اھ[1]

امام شافعی نے فرمایا وہ اشیاء جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں جیسے زعفران کا پانی وغیرہ اُن سے وضو جائز نہیں، کیونکہ وہ مقید پانی ہے، اس لیے اس کو زعفران کا پانی کہتے ہیں، بخلاف زمینی اجزاء کے، کیونکہ عام طور پر کوئی پانی زمینی اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے اور اس کا کوئی نیا نام وضع نہیں ہوا ہے اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں یا چشمے کی طرف ہوتی ہے اھ (ت)

اقول ظاھرہ منتقض بالحمیم فقد حدث لہ اسم لم یکن فان قلت اسم الماء باق علیہ فالمراد ما تجدد لہ اسم مع انتفاء اسم الماء الا تری الی قولہ ان اسم الماء باق علی الاطلاق اقول اولا قولہ قدس سرہ لم یتجدد لہ مفصول عما قبلہ الا تری الی قولہ الا تری فقد جعلہ دلیلا علی بقاء الاسم لا ان بقاء الاسم ماخوذ فیہ وثانیا بقاء الاسم علی الاطلاق کاف علی الاطلاق لایحتاج بعدہ الی عدم حدوث ولا یضر معہ الف حدوث فضمہ الیہ یجعلہ لغوا۔ ھذا ورد ہ الفاضل عصام فی حاشیتہ بانہ منقوض

میں کہتا ہوں بظاہر اس پر گرم پانی کا اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس پر ایک ایسا نام بولا جارہا ہے جو پہلے نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں بھی پانی کا نام باقی ہے تو مراد یہ ہے کہ جس کا نیا نام پڑگیا ہو اور پانی کا نام ختم ہوگیا ہو، چنانچہ انہوں نے فرمایا "پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے" میں کہتا ہوں اوّل تو ان کا قول "لم یتجدد لہ" ماقبل سے منفصل اور الگ ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے "الا تری" تو اس کو انہوں نے نام کے باقی رہنے پر دلیل بنایا ہے یہ نہیں کہ نام کا باقی رہنا اس میں ماخوذ ہے، ثانیاً نام کا علی الاطلاق باقی رہنا اطلاق کے لیے کافی ہے اس کے بعد وہ عدم حدوث کا محتاج نہیں اور اس کے ہوتے ہوئے ہزار حدوث بھی مضر نہیں، تو

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

بماء الباقلاء حيث لم يتجدد له اسم ولم يبق ماء مطلقا ثم قال والجواب ان المراد هو الاستلزام الاكثري فان الغالب في المقيد تجدد الاسم كالخبز[عه] والمرقة والصبغ ونحو ذلك بخلاف المطلق وهذا القدر كاف في غرضنا اذ الاولى في الفرد[عه۲] الذي يشتبه حاله ان يلحق بالاكثر الاغلب[۱] اھ وتعقبه العلامة سعدي افندي بقوله لك ان تمنع الاكثرية الا ترى الى ماء الورد وماء الهندباء وماء الخلاف واشباهها اھ[۲]

اس کا اُس کے ساتھ ملادینا اس کو لغو قرار دے گا۔ یہ عصام نے اپنے حاشیہ میں لکھا کہ اس پر باقلاء کے پانی سے اعتراض وارد ہوگا اس لیے کہ اس کا کوئی نام نیا نہیں پیدا ہوا اور مطلق پانی بھی نہ رہا، پھر فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ مراد استلزام اکثری ہے، کیونکہ مقید میں عام طور پر نام نیا ہوجاتا ہے، جیسے روٹی، شوربہ اور رنگ وغیرہ بخلاف مطلق کے، اتنی مقدار ہماری غرض میں کافی ہے، کیونکہ اولیٰ اُس فرد میں جس کا حال مشتبہ ہو یہ ہے کہ اس کو اکثر واغلب سے لاحق کیا جائے اھ اس پر علامہ سعدی آفندی نے تعاقب کیا، اور فرمایا اس میں اکثریت کے وجود کا انکار کیا جاسکتا ہے، جیسے گلاب کا پانی، کاسنی کا پانی، اور بید کا پانی اور اسی طرح دوسری اشیاء کا پانی اھ (ت)

اقول السؤال والجواب والتعقب كل ذلك نداء من وراء حجاب **اما**[و۱] التعقب فلان كثرة ما يقال له ماء كذا لا تنفي اكثرية ما تجددت له الاسماء وهي معلومة قطعا بلا امتراء **واما الجواب فاولا** حاصل[و۲] الجدل ان الامام الشافعي رضي الله

میں کہتا ہوں سوال وجواب اور تعقب یہ سب پردے کے پیچھے پکارنا ہے، تعقب تو اس لیے کہ جن اشیاء کو کہاجاتا ہے کہ "فلاں چیز کا پانی" ان کی کثرت، اُن اشیاء کے اکثر ہونے کے منافی نہیں جن کے نام نئے پڑگئے ہوں اور یہ بلاشبہ معلوم ہیں، اور جواب کی بابت اول تو یہ ہے کہ جھگڑے کا حاصل یہ ہے

عه **اقول** من العجب عد الخبز من المياه المقيدة۔ (م)

میں کہتا ہوں بڑے تعجب کی بات ہے کہ روٹی کو مقید پانیوں میں شمار کیا ہے۔ (ت)

عه۲ ای فیلحق ماء الزعفران بالماء المطلق وماء الباقلاء لتبين حاله بالمقيد وان لم يتجدد له ايضا اسم اذ لا ندعي ان كل لا متجدد مطلق ۱۲ منه غفر له۔

یعنی زعفران کے پانی کو مطلق پانی اور باقلیٰ کے پانی سے ملحق کیا جائیگا تاکہ اس کا حال مقید سے جدا ہوجائے، اگرچہ اس کا بھی کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر وُہ پانی جس کا نیا نام نہ ہو وہ مطلق ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[۱] حاشیہ سعدی چلپی مع الفتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳ [۲] ایضاً ۱/۶۴

تعالی عنه استدل علی کونه ماء مقیدا بانه
یقال له ماء الزعفران فاحتاج الی التقیید
وکل ما احتاج الی التقیید مقید و اجاب
عنه الشیخ قدس سره بمنع و معارضة
اما المنع فقوله و اضافته الی الزعفران
الخ ای لانسلم ان کل اضافة للاحتیاج بل
ربما یکون لتعریف شیء وراء الذات کماء
البئر و العین و اما المعارضة فقوله ان اسم
الماء باق الخ فاستدل علی الاطلاق ببقاء اسم الماء
المطلق وعلی بقائه بانه لم یتجدد له اسم فلا بد من ضم
الکلیة القائلة ان کل ما لم یتجدد له اسم
فاسم المطلق باق علیه فنقض المعترض
الکلیة بماء الباقلاء و نحوه و لایمسه الجواب
بالاکثریة لانتفاء التعدیة وثانیا اللازم
من قوله الغالب فی المقید تجدد الاسم
اکثریة الاستلزام للتجدد من جهة التقیید
ای اکثر المقیدات متجددات و النافع[عه] له
اکثریة الاستلزام للاطلاق من جهة عدم
التجدد ای اکثر ما لم یتجدد له اسم فهو
مطلق لیلحق هذا الذی لم یتجدد له اسم
بالاکثر الاغلب لکن لایلزم هذا من ذلك
بل یمکن ان یکون اکثر ما تقید تجدد

کہ امام شافعی نے اس کے مقید پانی ہونے پر اس طرح
استدلال کیا ہے کہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے تو
اس میں قید کی ضرورت ہوئی اور ہر وہ چیز جس میں قید کی
ضرورت ہو مقید ہوتی ہے تو اس کا جواب شیخ قدس سرہ
نے منع اور معارضہ کے ساتھ دیا ہے۔ منع تو اس
اعتبار سے، پس ان کا قول و اضافته الی الزعفران الخ
یعنی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہر اضافت احتیاج کے لیے
ہے، بلکہ اضافت کبھی کسی شے کی تعریف کے لیے
ہوتی ہے، ذات کے علاوہ جیسے کنویں کا پانی چشمے کا
پانی، باقی رہا معارضہ تو ان کا قول ان اسم الماء باق
الخ تو انہوں نے اطلاق پر مطلق پانی کے نام کے باقی
ہونے سے استدلال کیا ہے اور اس کے باقی رہنے پر
اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس کا کوئی نیا نام نہیں
پڑا ہے، تو اس میں یہ قاعدہ کلیہ ملانے کی ضرورت ہے
کہ ہر وہ پانی جس کا نیا نام نہ پڑا ہو تو مطلق کا نام اس
پر باقی ہے تو معترض نے اس کلیہ پر نقض وارد کیا ہے باقلی
وغیرہ کے پانی سے، اور اکثریت والے جواب کا اس سے
تعلق نہیں ہے کیونکہ اس میں "تعدیہ" نہیں پایا جاتا ہے
اور ثانیا، لازم ان کے قول "مقید میں غالب نام کا تجدد
ہے" سے تجدد من جهة التقیید کے استلزام
کی اکثریت ہے، یعنی اکثر مقیدات، متجدد ہیں حالانکہ
ان کے حق میں نفع بخش اطلاق من جهة عدم التجدد کے

عه ای فی توجیه کلام الامام المصنف قدس سره لجعل ماء الزعفران من المیاه المطلقة ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی مصنف کے کلام کی توجیہ میں، زعفران کے پانی کو مطلق پانیوں میں شمار کرنے کے لیے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ولا يكون اكثر مالم يتجدد لم يتقيد فان القضية الاكثرية لا يجب ان تنعكس بعكس النقيض كنفسها لجواز ان تكون افراد مالم يتجدد له اسم اقل بكثير من افراد المقيد ويكون اكثرها داخلا فى المقيد فيكون اكثر افراد المقيد متجددا او اكثر افراد اللامتجدد مقيدا مثلا يكون المقيد من المياه الفاقد تجدد الاسم لثمانمائة منها دون مائتين ومالم يتجدد له الاسم من المياه سواء كان مطلقا او مقيدا ثلثمائة مائة منها من الماء المطلق والباقى من المقيد فيصدق ان اكثر المقيد متجدد ولا يصدق ان اكثر اللامتجدد لا مقيد بل اكثره مقيد كما علمت -

استلزام کی اکثریت ہے، یعنی اکثر وہ کہ جن کا کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے تو وہ مطلق ہے تاکہ یہ جس کا نام نیا نہیں ہے اس کو اکثر واغلب سے لاحق کیا جا سکے، لیکن یہ اُس سے لازم نہیں آتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ جو چیزیں مقید ہیں ان میں سے اکثر کا نیا نام ہو گیا ہو اور اکثر وہ چیزیں جن کا نیا نام نہ ہو متقید نہ ہوتی ہوں، کیونکہ جو قضیہ اکثریہ ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس کا عکس نقیض اس کے مساوی ہو، اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ جن کا نام نیا نہیں ہے ان کے افراد مقید کے افراد سے بہت ہی کم ہوں اور ان کے اکثر مقید میں داخل ہوں تو مقید کے اکثر افراد نئے نام والے ہو جائیں گے اور لا متجدد کے اکثر افراد مقید ہو جائیں گے، مثلاً وہ مقید پانی جس کے لیے ہزار نام ہو، ان میں سے آٹھ سو افراد کا نام بدل گیا ہو، دو سو کا نہ بدلا ہو، اور جن پانیوں کا نام نہ بدلا ہو خواہ وہ مطلق ہوں یا مقید تین سو ہوں، سو ان میں سے مطلق پانی کے اور باقی دو سو مقید پانی کے ہوں تو اب یہ قضیہ تو صادق ہے کہ اکثر مقید متجدد ہے اور یہ صادق نہیں کہ اکثر لا متجدد لا مقید ہے۔ بلکہ اس کا اکثر مقید ہے، جیسا کہ آپ نے جانا۔ (ت)

فان قلت بل نقرره هكذا لو كان هذا المقيد لتجدد له اسم بالنظر الى الغالب لكن لم يتجدد له اسم فليس بمقيد ظنا والظن يكفى لانه مشتبه الحال فيحال على الغالب والغالب فى المقيد التجدد فانتفاء اللازم الاكثرى يدل على انتفاء الملزوم ظنا كما ان انتفاء اللازم الكلى يدل على انتفاء الملزوم قطعا وحاصله

اگر کہا جائے کہ ہم اس کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ اگر یہ مقید ہوتا تو اس کا کوئی نیا نام ہوتا، غالباً ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا نیا نام نہیں ہوا اس لیے وہ ظنی اعتبار سے مقید نہیں اور اس میں ظن کافی ہے کیونکہ اس کا حال مشتبہ ہے تو اس کا دارومدار غالب پر رکھا جائے گا اور غالب مقید میں تجدد ہے، تو لازم اکثری کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر ظنی طور پر

التمسك بغلبة التجدد فی المقید من دون حاجة الی غلبة الاطلاق فی اللامتجدد.

دلالت کرتا ہے، جیسا کہ لازم کلی کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر قطعاً دلالت کرتا ہے، اور اس کا حاصل مقید میں غلبہ تجدد سے استدلال ہے، اور لامتجدد میں غلبۂ اطلاق کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

اقول انما یظن ما ھو اکثر والاکثریة فی استلزام وجود ا لوجود ب لاتستلزم اکثریة استلزام انتفاء ب لانتفاء ا ففی مثله انما یظن بوجود اللازم عند تحقق الملزوم لا بانتفاء الملزوم عند انتفاء اللازم۔

میں کہتا ہوں جو اکثر ہو اسی کا ظن ہوتا ہے ا کے وجود کی اکثریت کا ب کے وجود کی اکثریت کو مستلزم ہونا ا کے انتفاء کی وجہ سے ب کے انتفاء کے استلزام کی اکثریت کو مستلزم نہیں ہے تو اس جیسی صورت میں ملزوم کے وجود کے تحقق کے وقت لازم کے وجود کا ظن ہوتا ہے نہ کہ انتفاء ملزوم بوقت انتفاء لازم کے۔ (ت)

وثالثا ما[1] الفارق بین ماء الباقلاء وماء الزعفران حتی کان ھذا مشتبھا فالحق بالغالب وذاك متعینا فلم یلحق واما السؤال[عه] فلان ماء الباقلاء اسم جدید

ثالثاً، کیا فرق ہے باقلیٰ کے پانی اور زعفران کے پانی میں، کہ اس کو مشتبہ قرار دیا جائے، اور غالب سے لاحق کیا جائے اور وہ متعین ہے تو لاحق نہ کیا جائے گا باقی رہا سوال تو باقلاء کا پانی نیا نام ہے، پانی کے نام

عـه ثم رأیت اجاب عنه فی البنایة بان المضاف ھھنا خارج من المضاف الیه بالعلاج فلا یجوز وان لم یتجدد له اسم اھ

پھر میں نے دیکھا انہوں نے بنایہ میں اس کا جواب دیا کہ یہاں مضاف، مضاف الیہ سے خارج ہے علاج کی وجہ سے تو جائز نہیں اگرچہ اس کا نیا نام نہ ہو اھ

اقول تسلیمه[2] عدم تجدد الاسم قد عرفت ما فیه وما قاله مبنی علی[3] ما ذکره فی تعریف اضافة التقیید وسیأتی ما فیه بعونه تعالی وعلی کل فقد سلم ان التعریف بتجدد الاسم غیر جامع ثم قال وقال تاج الشریعة الدلیل یقتضی الجواز ولکن الطبخ والخلط یثبتان نقصانا فی کونه

میں کہتا ہوں نام کے نیا نہ ہونے کا تسلیم کرنا، اس پر جو اعتراض ہے وہ آپ نے جان لیا، اور جو انہوں نے کہا ہے وہ اس چیز پر مبنی ہے جس کو انہوں نے اضافت تقیید کی تعریف میں ذکر کیا ہے، اور یہ عنقریب آئے گا اور بہرحال یہ تعریف کہ نام نیا ہو جائے جامع نہیں اس کو انہوں نے تسلیم کیا ہے پھر کہا کہ تاج الشریعۃ نے فرمایا دلیل جواز کا تقاضا کرتی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

غیر اسم الماء وکون اسم الماء جزء منه لاینافی الجدۃ الاتری انه لایصلح ان یقال له ماء لکونه ثخینا والماء رقیق بخلاف ماء الزعفران فان المراد به مالم یثخن وھذا بالوفاق بل مالم یصلح للصبغ وھذا عند التحقیق کما تقدم فی ۱۲۰ ھذا ما ظھر لی ثم رأیت المحقق ابن امیر الحاج اشار الیه فی الحلیة اذ قال ذات ماء الورد مثلا لاتعرف من مجرد قول القائل ماء حتی یضیفه الی الورد ولھذا کانت الاضافة لازمة لکونھا اضافة الی مالابد منه وبواسطة ھذا اللزوم حدث له اسم آخر علیحدۃ فلاتسوغ تسمیته ماء علی الاطلاق الاعلی سبیل المجاز اھ واللّٰه الموفق لارب سواہ۔

ثم اقول ان تحقق علہ ان من المیاہ

کا غیر ہے اور پانی کا اس کے نام کا جُزء ہونا جدّت کے منافی نہیں، اس لیے اس کو پانی نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ وُہ گاڑھا ہے اور پانی پتلا ہوتا ہے بخلاف زعفران کے پانی کے، کیونکہ اس سے مراد وہ ہے جو گاڑھا نہ ہوا ہو، اور یہ اتفاقاً ہے، بلکہ جب تک رنگنے کے لائق نہ ہو، اور یہ تحقیق کی بنا پر ہے جیسا کہ پانی کی تقسیم ۱۲۰ میں گزرا یہ مجھ پر ظاہر ہوا پھر میں نے محقق ابن امیر الحاج کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی طرف حلیہ میں اشارہ فرمایا، وہ فرماتے ہیں گلاب کے پانی کی ذات مثلاً کسی قائل کے صرف اس قول سے معلوم نہیں ہوتی ہے کہ "پانی" جب تک کہ وُہ اسے گلاب کی طرف مضاف نہ کرے، اس لیے اضافت لازم ہوئی کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جس کی طرف اضافت ضروری ہے اور اس لزوم کے واسطہ سے اس کا الگ نام پڑ گیا، تو اس کو مطلقاً پانی کہنا درست نہ ہوگا ہاں مجازاً کہا جاسکتا ہے اھ واللہ الموفق (ت)

پھر میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بعض مقید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مانعا اھ۔

اقول ھذا یوافق ما ذکر الحقیر حیث اشار الی ان المنع لاجل الثخن ۱۲ منه غفرله (م)

لیکن پکانا اور رل جانا پانی کے مائع ہونے میں خلل پیدا کرتے ہیں اھ

میں کہتا ہوں یہ اس کے مطابق ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ منع گاڑھے ہونے کی وجہ سے ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

علہ قاله لانه یتصور علی قول محمد اما علی قول ابی یوسف الصحیح علی ما یأتی

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی ہے کہ یہ محمد کے قول پر متصور ہے لیکن ابویوسف کے قول پر، جیسا کہ ہم

(باقی برصفحہ آئندہ)

المقيدة مالا يتجدد له اسم في العرف لعدم تعلق الغرض به مثلا انما يزول عنه اسم الماء المطلق كان ذلك نقضا على المنع[ف۱] كما كان الحميم نقضا على الجمع ويكون هذا اظهر[عـه] ورود على الفتح اذ قال فيه في بيان التقييد هو بان يحدث له اسم على حدة ولزوم التقييد يندرج فيه وانما يكون ذلك اذا كان الماء مغلوبا اذ في اطلاقه على المجموع حينئذ اعتبار الغالب عدما وهو عكس الثابت لغة وعرفا وشرعا اھ۔

اقول انما[ف۲] الثابت به انه كلما تجدد الاسم كان الماء مغلوبا اما في جهة العكس فانما ثبت انه كلما كان الماء مغلوبا لم يصح اطلاق الماء المطلق عليه لا انه يحدث له اسم برأسه ولا بد فحصر التقييد في حدوث الاسم محل نظر والله تعالٰى اعلم۔

پانی ایسے ہیں جن کے لیے کوئی نیا نام عرف میں مقرر نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس سے کوئی غرض متعلق نہیں، مثال کے طور پر اس سے مطلق پانی کا نام زائل ہوگا تو یہ نقض ہوگا منع پر، جیسا کہ حمیم نقض ہوگا جمع پر، اور یہ فتح پر ورود زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ انہوں نے بیانِ تقیید میں فرمایا، تقیید یہ ہے کہ اس کا نیا نام پڑ جائے، اور لزوم تقیید اسی میں شامل ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ پانی مغلوب ہو کیونکہ اس کے مجموعہ پر اطلاق ہونے میں اس وقت غالب کا اعتبار ہوگا عدمی طور پر اور یہ لغت سے ثابت شدہ کا اور عرف وشرع سے ثابت شدہ کا برعکس ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی اس کا نیا نام ہوگا تو پانی مغلوب ہوگا اور اس کے عکس میں یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ جب بھی پانی مغلوب ہوگا تو اس پر مطلق پانی کا اطلاق صحیح نہ ہوگا یہ نہیں کہ اُس کے لیے کوئی نیا نام وضع کر لیا جائے گا، اور یہ ضروری ہے، تو تقیید کو نئے نام پڑ جانے میں منحصر کر دینا محلِ نظر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من العبد الضعيف تحقيقه ان شاء الله تعالٰى بعد تمام سرد التعريفات فلا يتقيد الا اذا صلح المقصود آخر فحينئذ يسمى باسم ما يقصد به ذلك المقصود تامل ۱۲ منه غفر له۔ (م)

تحقیق سے پیش کریں گے، تو یہ مقید نہ ہوگا مگر جبکہ مقصود آخر کے لیے صالح ہو، تو اس وقت اس کا نام وہی ہوگا جو اُس کا مقصود ہے، غور کرو ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـه فان حصر التقييد في حدوث الاسم في الفتح منطوق وعن الهداية مفهوم ۱۲ منه غفر له۔ (م)

فتح میں تقیید کا نام کے نئے ہونے میں منحصر ہونا منطوق ہے، اور ہدایہ سے مفہوم ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ششم مطلق وہ عہ ہے جسے دیکھنے والا دیکھ کر پانی کہے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

المطلق ما اذا نظر الناظر الیه سماہ ماء علی الاطلاق[1] اھ **اقول** ف١ رب ماء لایدرك البصر تقییدہ ولا اطلاقه کالمخلوط بمائع موافق فی اللون یتوقف الامر فیه علی غلبة الطعم او الاجزاء وما ف٢ القی فیه تمر او زبیب یتوقف علی صیرورته نبیذا اولا یضر مجرد اللون وما خلط بعصفر او زعفران یتوقف علی صلوحه للصبغ وشیئ من ذلك لایدرك بالبصر فلا یصح جمعا ولا منعا۔

مطلق وُہ ہے کہ جب دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس کو مطلق پانی کا نام دے اھ میں کہتا ہوں بہت سے پانی ایسے ہیں کہ نگاہ سے نہ تو ان کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے اور نہ مطلق ہونا جیسے وُہ پانی جو کسی سیّال میں مخلوط ہو اور دونوں ہم رنگ ہوں، اس میں دارومدار مزے اور اجزاء کے غلبہ پر ہوگا، اور جس میں کھجور اور منقیٰ ڈالا جائے اس میں دارومدار اس کے نبیذ ہونے پر ہوگا، محض رنگ مضر نہیں، اور جو عُصفر اور زعفران میں ملایا جائے تو اس میں یہ دیکھا جائیگا کہ آیا اس سے کوئی دوسری چیز رنگی جاسکتی ہے یا نہیں، اور ان میں سے کوئی چیز آنکھ سے معلوم نہیں ہوسکتی، تو یہ جمع و منع کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ (ت)

ہفتم مطلق وہ ہے جسے بے کسی قید کے بڑھائے پانی کہہ سکیں فتح القدیر میں ہے:

الخلاف فی ماء خالطه زعفران ونحوہ مبنی علی انه تقیید بذلك اولا فقال الشافعی وغیرہ تقیید لانه یقال ماء الزعفران ونحن لاننکر انه یقال ذلك ولکن لایمتنع مع ذلك مادام المخالط مغلوبا ان یقول القائل فیه ھذا ماء من غیر زیادۃ[2] اھ۔

جس پانی میں زعفران یا اسی کے مثل کوئی چیز مل جائے اس میں اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مقید ہوا یا نہیں، امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں مقید ہوگیا، کیونکہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں کہ اس کو ماء زعفران کہا جاتا ہے لیکن جب تک مخلوط پانی ہونے والی چیز پانی سے مغلوب ہو یہی کہا جائیگا کہ یہ پانی ہے، اس میں کچھ اضافہ نہیں اھ (ت)

عہ ویشیر الیه قول البنایة فی ماتغیر بالطبخ لان الناظر لونظر الیه لایسمیه ماء مطلقا اھ ۱۲ منه غفر له (م)

بنایہ کا قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے بارہ میں جو پکانے سے متغیر ہوجائے کیونکہ اگر دیکھنے والا اس کی طرف دیکھے تو اسے مطلق پانی نہیں کہے گا اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

اقول لاشك ان الماء المقید قسم من الماء وحمل المقسم علی القسم لایمتنع ابدا واین عدم التقیید من التقیید بعدم التقیید والکلام فی ھذا لا ذاك **والجواب** انه ماء لغة لاعرفا لصحة النفی تقول لیس ماء بل صبغ والکلام فی العرف۔

میں کہتا ہوں مقید پانی، پانی ہی کی ایک قسم ہے اور مقسم کو قسم پر حمل کرنا ہرگز ممنوع نہیں اور عدم تقیید کو تقیید بعدم التقیید سے کیا نسبت؟ اور گفتگو اس میں ہے نہ کہ اُس میں۔ اور جواب یہ ہے کہ وہ لغۃً پانی ہے نہ کہ عرفاً، کیونکہ نفی صحیح ہے، آپ کہہ سکتے ہیں یہ پانی نہیں ہے بلکہ رنگ ہے اور کلام کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے۔ (ت)

ھشتم مطلق وُہ ہے جس سے پانی کی نفی نہ ہوسکے یعنی نہ کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں۔

اقول وھذا معنی سابقه غیران صحة الاطلاق وامتناع النفی قد یتفارقان فیما کان ذا جھتین یصح فیه الحمل من وجه والسلب من وجه اٰخر۔

میں کہتا ہوں یہ گزشتہ معنی ہیں، البتہ صحتِ اطلاق اور امتناعِ نفی، جب دو جہت والے ہوں تو کبھی ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں من وجہٍ حمل اور من وجہٍ سلب صحیح ہوتا ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

اضافة الی الزعفران للتعریف بخلاف ماء البطیخ ولھذا ینفی اسم الماء عنه ولا یجوز نفیه عن الاول[1] اھ

پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کے لیے ہے بخلاف "ماء البطیخ" کے، اس لیے اس سے پانی کے نام کی نفی کی جاتی ہے اور پہلے سے اس کی نفی جائز نہیں ہے اھ (ت)

اقول ان ارید نفی الماء المطلق دار اومطلق الماء فلا یجوز نفی المقسم عن القسم قط والماء الذی یخرج من البطیخ لیس من جنس الماء فالحق انه لیس ماء مقیدا بل خارج من مطلقه کالادھان والجواب الجواب۔

میں کہتا ہوں اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا یا مطلق ماء کی نفی کی جائے تو مقسم کی نفی قسم سے قطعاً جائز نہیں اور وہ پانی جو بطیخ سے نکلتا ہے جنس ماء سے نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ وہ مقید پانی نہیں ہے بلکہ مطلق ماء سے خارج ہے جیسے تیل والجواب الجواب۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

نہم مطلق وہ جس سے پانی کا نام زائل نہ ہو،

وھو معنی سابقه واشیر الیه فی کثیر من الکتب ففی التبیین زوال اسم الماء عنه ھو المعتبر فی الباب[1] اھ وفی الھدایة والکافی الا ان یغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق لزوال اسم الماء عنه[2] اھ وفی المنیة عن شرح القدوری للاقطع اذا اختلط الطاھر بالماء ولم یزل اسم الماء عنه فھو طاھر وطھور[3] اھ۔

اقول ھذا حق فی نفسه لکن لا یصلح تعریفا اذ لو ارید بالماء الماء المطلق دار والا فلا زوال عن المقید ایضا اصلا کما علمت مع جوابه وفسرہ فی الغنیة مرة بالسادس اذ قال تحت قول الماتن اذا لم یزل عنه اسم الماء ما نصه بحیث لو راٰہ الرائی یطلق علیه اسم الماء[4] اھ

اقول وقد علمت فسادہ ومرة زاد فیه الخامس اذ قال تحت قول الاقطع ولم یتجدد له اسم اٰخر بان سمی شرابا

یہ اس کے سابقہ معنے ہیں، اس کی طرف بہت سی کتب میں اشارہ کیا گیا ہے، تبیین میں ہے اس سے پانی کے نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے اھ اور ہدایہ اور کافی میں ہے مگر یہ کہ وُہ پانی پر غالب ہو تو ستو کی طرح ہوجائے، کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا اھ اور منیہ میں ابونصر اقطع کی شرح قدوری سے ہے کہ جب پاک چیز پانی میں مل جائے اور اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو تو وہ طاہر بھی ہے طہور بھی ہے اھ (ت)

میں کہتا ہُوں یہ فی نفسہ حق ہے لیکن یہ تعریف نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اگر پانی سے مطلق پانی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا ورنہ مقید سے بھی زوال نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے مع جواب کے جانا، اور اس کی تفسیر غنیہ میں ایک جگہ "چھٹے" سے کی کیونکہ انہوں نے ماتن کے قول کہ جب اس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا، کے تحت فرمایا کہ اگر دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس پر پانی کا نام بولے اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس کا فساد آپ کو معلوم ہوچکا ہے اور کبھی اس میں پانچویں کو زیادہ کیا کیونکہ انہوں نے اقطع کے قول کے تحت فرمایا اس کا کوئی نیا نام نہیں

---

[1] تبیین الحقائق	کتاب الطہارت	مطبعۃ الامیریہ مصر	۱/ ۱۹
[2] ہدایۃ	الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ	مطبعہ عربیہ کراچی	۱/ ۱۸
[3] منیۃ المصلی	فی المیاہ	مطبعہ یوسفی لکھنؤ	ص ۶۴
[4] غنیۃ المستملی	ر	سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۹۰

او نبیذ او نحو ذلک اھ[1] اقول ان عطفہ تفسیرا فموقوف علی ثبوت ان کل ما زال عنہ اسم الماء وجب ان یوضع بازائہ اسم اٰخر او ان اراد الزیادۃ کان المعنی ان الاطلاق یتوقف علی اجتماع العدمین فان وجد احدھما کأن زال عنہ اسم الماء ولم یتجدد اسم اٰخر او تجدد اسم اٰخر ولم یزل اسم الماء کان مقیدا وھذا الثانی باطل کما فی الحمیم۔

پڑا مثلاً یہ کہ شربت یا نبیذ وغیرہ کہا جائے اھ میں کہتا ہُوں اسکا عطف تفسیری ہے اور اس امر پر موقوف ہے کہ ہر وُہ چیز جس سے پانی کا نام زائل ہوا ہو لازم ہے کہ اُس کے بالمقابل کوئی اور نام وضع کیا جائے اور اگر زیادتی کا ارادہ کیا تو معنی یہ ہوں گے کہ اطلاق موقوف ہے دو عدموں کے اجتماع پر تو اگر ان میں سے کوئی ایک پایا جائے مثلاً یہ کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے اور اس کا کوئی نیا نام نہ پڑے یا نیا نام پڑ جائے مگر پانی کا نام زائل نہ ہو تو مقید ہوجائیگا اور یہ دوسری شق باطل ہے جیسا کہ گرم پانی میں۔ (ت)

دھم مطلق وُہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن سبقت کرے بشرطیکہ اُس کا کوئی اور نام نہ پیدا ہوا ہو اور جس کی طرف لفظ آب سے ذہن سبقت نہ کرے یا اس کا کوئی نیا نام ہو وہ مقید ہے حلیہ میں ہے:

الماء المطلق فیہ عبارات من احسنھا ما یتسارع افھام الناس الیہ عند اطلاق الماء ما لم یحدث لہ اسم علی حدۃ والماء المقید ما لا تتسارع الیہ افھام الناس من اطلاق لفظ الماء او ما حدث لہ اسم علیحدۃ اھ[2]

مطلق پانی کے متعلق کئی عبارتیں ہیں، سب سے عمدہ یہ ہے کہ مطلق پانی وُہ ہے کہ جب صرف پانی کہا جائے تو ذہن اُس کی طرف منتقل ہوجائیں، جب تک کہ اس کے لیے کوئی نیا نام نہ پڑے اور مقید پانی وہ ہے کہ جب صرف پانی کا لفظ بولا جائے تو ذہن اس کی طرف نہ جائے یا وہ کہ جس کا کوئی نیا نام ہوا اھ (ت)

اقول اولا ھذا اصلح من سابقہ فی العکس فانہ لا ینتقض منعا ان وجد مقید لم یحدث لہ اسم واقبل ایرادا منہ فی الطرد فانہ صرح بان تسارع الافھام

میں کہتا ہُوں اوّلاً مانعیت کے اعتبار سے یہ تعریف پہلی سے بہتر ہے کیونکہ اس پر ایسے مقید پانی کا اعتراض نہ ہوگا جس کو ابھی نیا نام نہیں دیا گیا اور جامعیت کے اعتبار سے یہ پہلی سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے اگر اسکا نیا نام پڑ جائے تو ذہنوں کا اسکی طرف سبقت رکھنا کچھ مفید نہ ہوگا، اور ثانیاً اُس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ شرط فضول اور بے محل ہے کیونکہ اس نام کا

---

[1] غنیۃ المستملی فی المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[2] حلیۃ

اليه لايجري عند حدوث اسم اٰخر وثانيا مع قطع النظر عنہ لاشك ان هذا الشرط ضائع لامحل له اصلا فان حدوث الاسم الذی یکون فی المقید لا امکان لاجتماعه مع تسارع الافہام الیه عند الاطلاق۔

پیدا ہونا جو مقید میں ہے اُس کا، اُس کے ساتھ مجتمع ہونے کا کوئی امکان نہیں، حالانکہ اذہان اُس کی طرف عند الاطلاق سبقت کرتے ہیں۔ (ت)

یازدھم مطلق وُہ ہے جس کی طرف نامِ آب سے ذہن سبقت کرے اور اس میں نہ کوئی نجاست ہو اور نہ اور کوئی بات مانع جوازِ نماز یہ قیدیں بحر میں اضافہ کیں تاکہ آبِ نجس و مستعمل کو خارج کردیں۔

اقول ولو اکتفی بالاٰخر لکفی ونصه المطلق مایسبق الی الافہام بمطلق قولنا ماء ولم یقم به خبث ولا معنی یمنع جواز الصلاۃ قال فخرج الماء المقید والمتنجس والمستعمل[1] اھ

میں کہتا ہوں اگر وُہ آخر پر اکتفاء کرتے تو کافی ہوتا اور اُس کی عبارت یہ ہے کہ مطلق وہ ہے جس کی طرف اذہان مطلق ماء کے بولنے سے منتقل ہوجاتے ہیں، اور یہ وہ پانی ہے جس میں کوئی ناپاکی نہ ہو اور نہ ایسا کوئی وصف ہو جو جوازِ صلوٰۃ کے منافی ہو تو اس قید سے مقید، متنجس اور مستعمل پانی خارج ہوگیا اھ (ت)

اقول ف۱ هل المستعمل واخوه داخلان فیما یسبق الیه الذهن باطلاق الماء ام لا علی الثانی ضاع القیدان وسقط تفریع خروجهما علی زیادۃ القیدین وعلی الاول ف۲ لاشك انهما من الماء المطلق اذ لانعنی بالمطلق الا هذا وعلیه اقتصر الائمة قبله ف۳ بل هو نفسه فیما بعد ذلك بورقة اذ قال لانعنی بالمطلق الا مایتبادر عند اطلاق اسم الماء[2] اھ وهذه

میں کہتا ہُوں کیا مستعمل اور اس کا مثل پانی اُس پانی میں داخل ہیں جن کی طرف لفظِ ماء بولتے ہی ذہن فوری طور پر منتقل ہوجاتا ہے یا نہیں، دوسری صورت میں دونوں قیدیں ضائع ہوجائیں گی، اور دو قیدوں کی زیادتی پر ان دونوں کے خروج کی تفریع ساقط ہوجائے گی، اور بر تقدیر اول اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں مطلق پانی سے ہیں کیونکہ مطلق سے یہی مراد ہے اور اُن سے قبل ائمہ نے اسی پر اکتفار کیا

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۶۸

مناقضة بل فی نفس الکلام ایضا شوب منها اذ یقول فخرج المقید و المتنجس و المستعمل ولذا قال ش ظاهره ان المتنجس والمستعمل غیر مقید مع انه[ع۱] منه لکن عند العالم بالنجاسة او الاستعمال ولذا قید بعض العلماء التبادر بقوله بالنسبة للعالم بحاله اھ[۱]

بلکہ انہوں نے خود ہی ایک ورق بعد فرمایا ہماری مراد مطلق سے وہ پانی ہے کہ جب پانی کا لفظ بولا جائے تو اسی کی طرف ذہن متبادر ہو اور یہ مناقضہ ہے بلکہ نفسِ کلام میں اس کی ملاوٹ ہے، وہ فرماتے ہیں تو مقید، متنجس اور مستعمل اس سے نکل گئے اور اسی لیے "ش" نے فرمایا کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ متنجس اور مستعمل غیر مقید ہے حالانکہ یہ مقید سے ہے، مگر اس کے نزدیک جس کو نجاست یا استعمال کا علم ہو، اس لیے بعض علمائے نے متبادر میں بالنسبۃ للعالم بحالہ کی قید بڑھائی ہے۔ (ت)

اقول[۲] رحمک الله اذا کان هذا عارضا خفیا لایظهر لمن لم یعلم بحاله الا بالاخبار من خارج ظهر ان الماء فیهما باق علی صرافة مائیته لم یعرضه مایخرجه عنها والا لظهر لمن نظر و سبر فان الانسان فی معرفة الماء من غیره لایحتاج الی تعلیم من خارج فکیف یکون مقیدا و بالجملة هذا شیئ تفرد به البحر لم اره[ع۲] لغیره و تبعه[ع۳] علیه ش وکذا محشی الدرر عبد الحلیم

میں کہتا ہوں جب یہ چیز ایسی مخفی ہے کہ صرف واقفِ حال ہی جان سکتا ہے یا خارج سے اطلاع پر معلوم ہوسکتی ہے تو یہ ظاہر ہوا کہ پانی اُن دونوں میں اپنے اطلاق پر باقی ہے اس کو کوئی ایسی چیز عارض نہ ہوئی جو اُس کو پانی ہونے سے خارج کردے ورنہ ہر صاحبِ نظر کو ظاہر ہوجاتا، کیونکہ پانی کے بارے میں جاننے کے لیے انسان کو باہر سے جاننے کی ضرورت نہیں، تو یہ کیسے مقید ہوگا؛ خلاصہ یہ کہ یہ ایسی چیز ہے جس میں بحر منفرد ہیں میں نے اور کسی کے کلام میں اس کو

ع۱ ای المذکور او کل منهما ۱۲ منه غفر له۔ (م)

یعنی مذکور یا ان دونوں میں سے ہر ایک۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ع۲ ثم رأیت السید الشریف العلامة رحمه الله تعالی سبقه الیه فی التعریفات کما سیأتی ۱۲ منه غفر له۔ (م)

پھر میں نے دیکھا کہ سید شریف نے التعریفات میں بھی یہی لکھا ہے، جیسا کہ آئے گا، ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ع۳ وکذا تلمیذه شیخ الاسلام الغزی فی المنح واقره علیه ط فصاروا سبعة

اور اسی طرح اُن کے شاگرد شیخ الاسلام غزی نے منح میں ذکر کیا اور اس کو ط نے برقرار رکھا تو یہ سات

(باقی برصفحہ آیندہ)

۱؎ ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

والخادمی وذلك حين قول الدرر زوال اطلاقه اما بكمال الامتزاج او بغلبة الممتزج

نہیں دیکھا اور انکی متابعت ش نے کی اسی طرح درر کے محشی عبدالحلیم اور خادمی نے کی، صاحبِ درر فرماتے ہیں اس کے اطلاق کا زوال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

السید والبحر والغزی وعبد الحلیم والخادمی وط وش رحمه الله تعالیٰ علیهم وعلینا اجمعین قال العلامة ط علی قول الدرر هو مایتبادر عند الاطلاق ای یبدر للذهن فهمه بمجرد سماعه مطلقا وهو بمعنی قول المنح هو الباقی علی اوصاف خلقته ولم یخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ اه ولفظ السید فی التعریفات هو الماء الذی بقی علی اصل خلقته ولم تخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ ظاهر اه۔

اقول وهو احسن مما فی المنح بوجهین احدهما انه قید الشیئ بالطاهر فلم یصر قوله لم تخالطه نجاسة مستدرکا بخلاف عبارة المنح فان ما خالطه نجاسة فقد غلبه شیئ والاخر انه اتی بالاصل مکان الاوصاف فلا یرد علیه الجمد بخلاف المنح فان الماء بانجماده لایتغیر اللون ولا طعم ولا رائحة وهی المتبادرة من ذکر الاوصاف والمعتبر فی التعریف هو التبادر وظاهر انه لم یخالطه نجس ولا

ہوگئے، سید، بحر، غزی، عبدالحلیم، خادمی، ط اور ش رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم وعلینا اجمعین، علامہ "ط" نے درر کے قول پر فرمایا، وہ عندالاطلاق متبادر ہوتا ہے، یعنی ذہن کی طرف فہم سبقت کرتا ہے محض سننے سے مطلقاً اور یہ منح کے قول "وہی باقی ہے اپنے خلق اوصاف پر اور اس میں کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی شئے غالب نہیں ہوئی ہے اھ کے مطابق ہے" اور سید کے لفظ التعریفات میں یہ ہیں یہ وہی پانی ہے جو اپنی اصلی خلقت پر باقی ہے اور اس کو کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی پاک شئے غالب نہیں ہوئی ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ منح کی عبارت سے دو طرح اچھا ہے ایک تو یہ کہ انہوں نے شئی کو طاہر سے مقید کیا تو ان کا قول "نہیں ملی اس سے نجاست" زائد نہ ہوگا بخلاف عبارتِ منح کے، کیونکہ جس میں نجاست ملی تو بلاشبہ اس پر کوئی چیز غالب ہوگئی، اور دوسرے یہ کہ وہ اصل کو لائے بجائے اوصاف کے تو ان پر جمد کے ذریعہ اعتراض وارد نہ ہوگا بخلاف منح کے کہ پانی منجمد ہونے کے باعث نہ تو رنگ کو بدلتا ہے اور نہ مزے اور بو کو اور اوصاف کے ذکر سے متبادر یہی ہے اور تعریف میں متبادر ہی معتبر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی نجس

(باقی اگلے صفحہ پر)

قالا علیہ اورد علی الحصر الماء المستعمل واجاب الاول بان کلام المصنف فی زوالہ باختلاط المحسوس[1] اھ۔

یا تو کمالِ امتزاج سے ہوگا یا ممتزج کے غلبہ سے ہوگا، اس پر ان دونوں نے اعتراض کیا ہے کہ حصر پر اعتراض مستعمل پانی سے کیا گیا ہے، اور پہلے نے جواب دیا کہ مصنف کا کلام اس کے زوال میں ہے کسی محسوس چیز کے اختلاط کی وجہ سے اھ (ت)

اقول کیف وقد ذکر المستقطر من النبات والثانی بان المقسم الماء الطاھر والمستعمل کالنجس فلا غبار[2] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ کیسے، حالانکہ انہوں نے گھاس سے ٹپکائے جانے والے کا ذکر کیا ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مقسم پاک پانی ہے اور مستعمل نجس کی طرح ہے تو اس پر کوئی غبار نہیں اھ (ت)

اقول قد علمت ان کلام الائمۃ یؤذن بدخول المتنجس فی المطلق فضلا عن المستعمل وکذلک کلام اھل الضابطۃ قبل البحر حیث لم یزیلوا الاطلاق الا بامرین ثم رأیت فی کلام ملک العلماء ما یدل علیہ صریحا اذ قال قدس سرہ اما شرائط ارکان الوضوء فمنھا ان یکون الوضوء بالماء ومنھا ان یکون بالماء المطلق ومنھا ان یکون الماء

میں کہتا ہوں کہ ائمہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناپاک مطلق میں داخل ہے چہ جائیکہ مستعمل، اور اسی طرح اہلِ ضابطہ کا کلام بحر سے پہلے، کیونکہ ان کے نزدیک اطلاق زوال صرف دو امروں سے ہے پھر میں نے ملک العلماء کے کلام میں اس کی صراحت پائی، وہ فرماتے ہیں بہرحال ارکانِ شرائطِ وضوء، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وضو پانی سے ہو اور یہ کہ ماءِ مطلق سے ہو اور پانی پاک ہو تو نجس پانی سے جائز نہیں، ایک یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غلبہ شیئ الا ان یعمم الاوصاف الرقۃ والسیلان ولو ان السید اسقط قولہ لم تخالطہ نجاسۃ لم یخالطہ نکارۃ وکان من احسن التعریفات الاما فی معنی الغلبۃ من الخفاء کما لا یخفی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس سے ملا نہیں اور کوئی شیئ اس پر غالب نہ ہوئی، ہاں اگر اوصاف کو عام کر لیا جائے اور رقّت وسیلان کو اس میں شامل کر لیا جائے، اور اگر سیّد اپنا قول لم تخالطہ نجاسۃ ساقط کر دیتے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، اور یہ بہترین تعریف ہوتی، ہاں صرف غلبہ کے معنی میں کچھ پوشیدگی ہے، کما لا یخفی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] حاشیۃ الدرر علی الغرر لعبد الحلیم بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۸

[2] الحاشیۃ علی الدرر شرح الغرر لابی سعید الخادمی بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ص ۲۱

طاھرا فلا یجوز بالماء النجس ومنھا ان یکون طھورا فلا یجوز بالماء المستعمل[1] اھ ملتقطا فھو صریح فی ان اشتراط اطلاق الماء لم یخرجھما حتی احتیج الی شرطین اُخرین وکذلک کلام المنیۃ اذ یقول تجوز الطھارۃ بماء مطلق طاھر[2] اھ فافاد عموم المطلق للطاھر وغیرہ واستدرک علیہ فی الحلیۃ بقولہ کان الاولی ان یقول طھور مکان طاھر لان الطھارۃ لاتجوز بماء طاھر فقط[3] اھ فافاد عمومہ المستعمل وقد صرح بہ فی الغنیۃ فقال یسمی المتنجس ماء مطلقا فاحتاج الی الاحتراز عنہ بقولہ طاھر ولو کانت المجاورۃ تکسبہ تقیید الماء احتیج بعد ذکر الاطلاق الی ذکر الطاھر[4] اھ والیہ اشار فی البنایۃ اذ قال التوضی بہ جائز مادامت صفۃ الاطلاق باقیۃ ولم تخالطہ نجاسۃ[5] اھ

کہ طہور ہو تو مستعمل پانی سے جائز نہیں اھ ملتقطا، تو یہ اس میں صراحت ہے کہ مطلق پانی کی شرط نے ان دونوں کو خارج نہیں کیا، تاکہ دو دوسری شرطوں کی حاجت پڑے۔ اور یہی گفتگو منیہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ماءِ مطلق طاہر کے ساتھ طہارت جائز ہے اھ تو عمومِ مطلق نے طاہر اور غیر طاہر کا افادہ کیا اور حلیہ میں اس پر یہ استدراک کیا ہے' فرمایا بہتر یہ تھا کہ طہور کہتے بجائے طاہر کے، کیونکہ طہارت صرف طاہر پانی سے نہیں ہوتی ہے اھ تو انہوں نے اس کے مستعمل کو عام ہونے کا افادہ کیا اور غنیہ میں اس کی تصریح کی فرمایا ناپاک پانی کو مطلق پانی کہا جاتا ہے پھر ان کو اس سے احتراز کی حاجت ہوئی تو فرمایا طاہر ہو اور اگر مجاورۃ سے اس میں تقیید ہو جاتی تو اطلاق کے بعد طاہر کے ذکر کی ضرورت نہ ہوتی اھ اور بنایہ میں اسی طرف اشارہ کیا، فرمایا اس سے وضو جائز ہے جب تک اس میں صفتِ اطلاق باقی ہو اور اس میں نجاست نہ ملی ہو اھ۔ (ت)

اقول ولعل الحامل للبحر علیہ

میں کہتا ہوں غالباً بحر کو یہ کہنے کی ضرورت اس لیے

۱؎ بدائع الصنائع	ارکان الوضو	سعید کمپنی کراچی	۱/۱۵
۲؎ منیۃ المصلی	فصل فی المیاہ	مطبع یوسفی لکھنؤ	ص ۶۱
۳؎ حلیہ			
۴؎ غنیۃ المستملی	فصل فی بیان احکام المیاہ	سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۸۸
۵؎ بنایہ شرح ہدایۃ	الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ	ملک سنز فیصل آباد	۱/۱۸۷

قول بعضهم تجوز الطهارة بالماء المطلق ارسله ارسالا فلو شملهما اوهم جواز الطهارة بهما وليس بشیٔ فان امثال القیود تطوی عادة للعلم بها فی محله الا تری ان الاکثرین لم یقیدوا بالاطلاق ایضا انما قالوا تجوز بماء السماء والاودیة الخ

پڑی کہ بعض فقہائے فرمایا مطلق پانی سے طہارۃ جائز ہے، اس کو انہوں نے مطلق رکھا، تو اگر یہ ان دونوں کو شامل ہوتا تو ان دونوں سے طہارت کے جواز کا وہم ہوتا، اور یہ کچھ نہیں، کیونکہ قیود کی مثالیں عام طور پر ذکر نہیں کی جاتی ہیں کہ ان کا علم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہائے اس کو اطلاق کی قید سے بھی مقید نہیں کیا ہے پس فرمایا ہے طہارت جائز ہے آسمان کے پانی سے وادیوں کے پانی سے الخ۔ (ت)

دوازدهم حلیہ وبحر کی قیدوں سے آزاد مطلق صرف وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن جاتا ہے ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

الماء المطلق هو الذی تتسارع افهام الناس الیه عند اطلاق اسم الماء کماء الانهار[1] والعیون والآبار والسماء والغدران والحیاض والبحار۔

مطلق پانی وُہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوجائیں، جیسے نہروں، چشموں، کنوؤں، بادلوں، تالابوں، حوضوں اور دریاؤں کا پانی۔ (ت)

پھر فرمایا:

واما المقید فهو ما لا تتسارع الیه الافهام عند اطلاق اسم الماء وهو الماء الذی یستخرج من الاشیاء بالعلاج کماء الاشجار والثمار وماء الورد ونحو ذلک[1] اھ

بہرحال مقید پانی وُہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف سبقت نہ کرے، اور یہ وہ پانی ہے جو کسی عمل کے ذریعہ چیزوں سے نکالا جائے جیسے درختوں، پھلوں اور گلاب وغیرہ کا پانی اھ۔ (ت)

اقول والحصر المستفاد من قوله هو الماء الذی یستخرج غیر مراد قطعا وانما المعنی کالماء الذی فلیتنبه۔

میں کہتا ہوں وہ حصر جو ان کے کلام "یہ وہ پانی ہے جو نکالا جائے" میں ہے، مراد نہیں ہے قطعاً، اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ مثل اُس پانی کے، تو متنبہ رہنا چاہئے۔ (ت)

درمختار میں ہے: (یرفع الحدث بماء مطلق) هو ما یتبادر عند الاطلاق[2] (حدث کو رفع

---

[1] بدائع الصنائع — مطلب الماء المقید — سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] درمختار — باب المیاہ — مجتبائی دہلی ۱/۳۴

کیا جائے مطلق پانی سے، یہ وہ ہے جو اطلاق کے وقت متبادر ہو۔ت) بحر سے گزرا : لا نعنی بالمطلق الاما یتبادر عند اطلاق اسم الماء[1] (ہم مطلق سے وہی مراد لیتے ہیں جو ماء کا اطلاق کرتے وقت متبادر ہوتا ہے۔ت) کافی و بنایہ و مجمع الانہر میں ہے : المراد بہ ھھنا ما یسبق الی الافھام بمطلق قولنا الماء[2] (اس سے مراد یہاں وہ ہے جو ہمارے قول پانی کے اطلاق سے فوری سمجھا جائے۔ت) عنایہ و بنایہ میں ہے :

لا یجوز بما اعتصر لانہ لیس بماء مطلق لانہ عند اطلاق الماء لاینطلق علیہ و تحقیق ذلک انا لو فرضنا فی بیت انسان ماء بئر او بحر او عین وماء اعتصر من شجر او ثمر فقیل لہ ھات ماء لا یسبق الی ذھن المخاطب الا الاول ولا نعنی بالمطلق والمقید الا ھذا[3]۔

جو پانی نچوڑا جائے اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں کیونکہ جب ماء کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا ہے اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ کسی شخص کے گھر میں پانی کا کنواں ہے یا دریا یا چشمہ ہے اور وہ پانی بھی ہے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہے، پھر ہم اس سے پانی مانگیں تو مخاطب کا ذہن پہلے پانی ہی طرف منتقل ہوگا، اور مطلق و مقید سے یہی مراد ہے۔ (ت)

اقول یہی اصح و احسن تعریفات ہے کما قال فی الحلیۃ لولا ما زاد (جیسا کہ حلیہ میں کہا ہے اگر وہ نہ ہوتا تو زیادتی نہ ہوتی۔ت) مگر محتاج توضیح و تنقیح ہے

واقول وباللہ التوفیق العوارض لاھی تفہم عند الاطلاق ؛ ولا ھی مطلقا تسلب الاطلاق ؛ فان الذات ھی المفھومۃ من الاطلاق کما اذا قلت انسان لایتسارع الفھم منہ الی الرومی والزنجی او العالم والجاھل او الطویل والقصیر او الحسین

اقول وباللہ التوفیق عوارض نہ تو عند الاطلاق مفہوم ہوتے ہیں اور نہ مطلقاً سلب ہوتے ہیں۔ کیونکہ عند الاطلاق ذات ہی مفہوم ہوتی ہے، جیسے آپ انسان کا لفظ بولتے ہیں تو ذہن رومی، حبشی، عالم، جاہل، لمبے، چھوٹے، حسین، بدشکل وغیرہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، مگر اس سے یہ بھی

---

[1] بحر الرائق | کتاب الطہارت | سعید کمپنی کراچی | ۱/۶۸

[2] مجمع الانہر | تجوز الطہارۃ بالماء المطلق | مکتبہ عامرہ مصر | ۱/۲۷

[3] العنایۃ مع الفتح | الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ | نوریہ رضویہ سکھر | ۱/۶۱

والدميم وامثال ذلك من العوارض ولا يلزم منه خروج هؤلاء عن الانسان المطلق فان ذاتهم ليست الا ما فهم من لفظ الانسان ولم يعرضهم ما يقعدهم عن الدخول فيما تتسارع اليه الافهام بسماع لفظ الانسان ولو ان العوارض مطلقا تمنع الدخول لعدم انفهامها من المطلق لما دخل تحته شئ من افراده لان لكل فرد تشخصا لا يسبق اليه الذهن عند ذكر اسم المطلق فكان هذا يقتضي التسوية بين مطلق الماء والماء المطلق لكن ثمه عوارض تمنع ذويها عن الدخول تحت الشئ المطلق ويقال فيها ان اسم المطلق لم يتناولها لكونها مما لا تتسارع اليه الافهام كمقطوع اليدين والرجلين في الرقبة فان المفهوم الذات الكاملة و نبيذ التمر وماء العصفر الصالح الصبغ فان اسم الماء المطلق لا يطلق عليهما ولا يسبق الافهام عند اطلاقه اليهما مع ان اصحاب تلك العوارض ايضا ليست ذاتها الا ما فهم من الاطلاق وعدم انفهام العوارض مشترك في كل عارض فلا بد من الفرق ولم ار من حام حول هذا۔

فاقول على ما بي من قلة البضاعة:

لازم نہیں آتا کہ یہ لوگ مطلق انسان کے زمرے سے خارج ہیں، کیونکہ ان کی ذات وہی ہے جو لفظ انسان سے مفہوم ہے اور ان کو کوئی ایسا مانع درپیش نہیں کہ یہ لوگ اس مفہوم میں داخل نہ ہوں جو لفظ انسان سنتے ہی ذہن میں آجاتا ہے، اور اگر عوارض مطلقاً دخول سے مانع ہوتے، کیونکہ یہ مطلق سے سمجھے نہیں جاتے ہیں تو مطلق کے تحت اس کے افراد میں سے کوئی شئ داخل نہ ہوتی کیونکہ ہر ایک فرد کے لیے تشخص ہے جس کی طرف مطلق نام کے ذکر کرنے سے ذہن منتقل نہیں ہوتا ہے تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مطلقِ ماء اور ماءِ مطلق کے درمیان مساوات ہے لیکن وہاں ایسے عوارض موجود ہیں جو ان کے ذوات کو مطلق شی کے تحت داخل ہونے سے مانع ہیں، اور ان میں کہا جاتا ہے کہ مطلق اسم اُن کو شامل نہیں ہے کیونکہ ذہن ان کی طرف تیزی سے منتقل نہیں ہوتا ہے جیسے کہ رقبۃ میں مقطوع الیدین والرجلین، کیونکہ مفہوم ذات کاملہ ہے اور نبیذ تمر اور عُصفر کا پانی جو رنگائی کے لائق ہو کیونکہ ماءِ مطلق ان دونوں پر نہیں بولا جاتا ہے اور اطلاق کے وقت ذہن ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ان عوارض والے ان کی ذات نہیں ہیں، مگر وہ جو اطلاق کے وقت مفہوم ہو اور عوارض کا مفہوم نہ ہونا ہر عارض میں مشترک ہے، تو فرق ہونا ضروری ہے، مگر میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ فرق بتایا ہو۔ (ت)

پھر میں علمی بے بضاعتی کے باوجود کہتا ہوں

وقصور الصناعة ٭ مستعينا بربي ثم بصاحب
الشفاعة ٭ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
توضع الاسماء بازاء الحقائق و تمایز
الحقائق بتفاوت المقاصد ولذا کان بعض
الاوصاف تجری مجری الاجزاء کالاطراف
فی الحیوان والاغصان فی الاشجار لان
بفواتها فوات منافع الذات والشیئ اذا
خلا عن مقصوده بطل فیتطرق به التغیر
الی الذوات المدلول علیها عرفا بالاسماء
ومعلوم ان المرکب من الشیئ وغیرہ غیرہ
غیر ان العرف بل والشرع واللغة جمیعا
تلاحظ الغلبة فاذا کان الممازج اکثر
قدرا من الشیئ کان المرکب احق باسم
الممازج من اسم الشیئ وان تساویا تساقط
فلم یکن المرکب مفهوما من اطلاق اسم
شیئ منهما لان وضع الاسمین بازاء کل
بحیاله لا بازاء الکل مجموعا نعم ان
کان اقل لم یعتبر الا ان تحدث بامتزاجه
حقیقة عرفیة مرکبة ممتازة مقصودة
لمقاصد متمایزة فیصیر المرکب ذاتا اخری
عرفا لاختلاف المقاصد فلا یبقی داخلا تحت
المفهوم عرفا من الاطلاق فثبت ان[عـه] التفاهم

اسماء کی وضع حقائق کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور حقائق
میں امتیاز مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس لئے
بعض اوصاف اجزاء کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے
حیوانات کے اعضاء اور درختوں کی ٹہنیاں کیونکہ ان چیزوں
کے خاتمہ سے ذات کی منفعتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں، اور
جب کسی چیز کا مقصود ہی فوت ہوجائے تو وہ چیز
باطل ہوجاتی ہے اور اس طرح ذات بھی متغیر ہوجاتی ہے،
جس پر اسماء کے ذریعہ عرفاً دلالت کی جاتی ہے اور یہ
معلوم ہے کہ جو چیز کسی چیز اور اُس کے غیر سے مرکب
ہوتی ہے وہ اس کا غیر ہوتی ہے، لیکن عرف، شریعت
اور لغۃ سب ہی میں غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے تو جب ملنے
والی چیز اصل شئے سے مقدار میں زیادہ ہو تو مرکب پر
وہ نام پڑنا چاہئے جو اس ملنے والی اکثر شئے کا ہے نہ کہ اصل
شے کا اور اگر دونوں میں برابری ہو تو تساقط ہوگا تو
ان میں سے جب کسی شے کا اطلاق ہوگا تو مرکب
مفہوم نہ ہوگا کیونکہ نام تو ہر ایک کے مقابل مستقلاً ہے،
مجموعہ کے مقابل نہیں، ہاں اگر وہ کم ہو تو معتبر نہ ہوگا
ہاں اگر اس کے ملنے سے ایک نئی حقیقت عرفیہ وجود
میں آجائے جو مرکب اور ممتاز ہو، اور خاص مقاصد
کے لیے ہو تو مرکب عرفاً ایک نئی ذات ہوگا، اس لیے
کہ مقاصد مختلف ہوگئے، تو وہ اطلاق سے عرفاً مفہوم
کے تحت داخل نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ لفظ کے اطلاق

عـه اقول وبهذا ولله الحمد ظهر

میں کہتا ہوں اس سے فقہاء کے اس قول کے معنی

(باقی برصفحہ آئندہ)

من اطلاق اللفظ هي الذات الموضوع لها من دون نقص ولا زيادة يغيرانها فكل عارض لا يعتري بها المعروض تغير في ذاته وان كان هناك نقص او زيادة في امر خارج فهو لا يمنع المعروض من الدخول تحت الشئ المطلق والا منع وبه علم ان بطلان

سے وہی ذات مراد ہوتی ہے جس کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو، اس میں نہ تو کوئی کمی ہو نہ زیادتی، جس کی وجہ سے ذات میں کوئی تغیر آتا ہو، تو ہر وہ عارض جس کی وجہ سے ذات میں کوئی تغیر نہ ہو خواہ کسی خارجی امر میں کمی بیشی ہو تو یہ چیز معروض کے مطلق شئی کے تحت آنے میں مخل نہ ہوگی ورنہ مانع ہوگی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معنى قولهم المطلق ينصرف الى الفرد الكامل وقولهم المطلق ينصرف الى الادنى وتبين انه لاخلاف بينهما فالمطلق ينصرف في الطلب الى ادنى ما يطلق عليه سواء كان مطلوب الفعل اذ يكفي لبراءة الذمة او الترك اذ الممنوع جنسه فلا يجوز شئ منه لكن ينصرف الى فرد كامل في الذات لم يعرضه ما يجعله ناقصا في ذاته بالمعنى المذكور لعدم انفهامه ح من المطلق فالمنصرف اليه ادنى ما كمل فيه الذات هذا هو التحقيق الانيق اما ما قال الشامي ان انصراف المطلق الى الفرد الكامل يذكر في مقام الاعتذار فمحله اذا حمل المطلق على كامل في وصف اخر وراء الكمال في الذات فتفقه فانه علم نفيس وبالله التوفيق ١٢ منه غفرله حفظه ربه تعالى۔ (م)

واضح ہوگئے کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے، نیز یہ کہ مطلق کو ادنی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور یہ کہ دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ طلب میں مطلق سے ادنی مراد ہوتا ہے، عام ازیں کہ مطلوب فعل ہو کہ وہ براءت ذمہ کے لیے کافی ہوتا ہے یا ترک ہو کہ ممنوع اس کی جنس ہوتی ہے تو اس میں سے کچھ بھی جائز نہیں ہوتا ہے لیکن فرد کامل فی الذات مراد ہوتا ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہ ہونی چاہئے جو اس کی ذات میں مذکور معنی کے اعتبار سے موجب نقص ہو کیونکہ اس صورت میں وہ مطلق سے مفہوم نہ ہوگا، تو جس کی طرف پھیرا جاتا ہے وہ ادنی ہے اس چیز کا جس میں ذات مکمل ہوئی ہو یہ تحقیق انیق ہے، اور شامی نے جو کہا ہے کہ مطلق کا فرد کامل کی طرف پھرنا مقام اعتذار میں ذکر کیا جائیگا تو اس کا محل یہ ہے کہ مطلق جب کسی ایسے امر پر محمول ہو جو کسی دوسرے وصف میں کامل ہو ذات کے علاوہ۔ اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ نفیس علم ہے ۱۲ منہ غفرلہ حفظہ ربہ تعالٰی۔ (ت)

الحقيقة فی المرکب مع المساوی و الغالب لغة وعرفا وشرعا مطلقا ومع القليل المذكور عرفا مع بقاء الحقيقة اللغوية ولذا كان المقيد قسما من مطلق الماء و فی جهة النقص قد تبطل مطلقا اذا كان ذلك الوصف جاريا مجرى الركن فی الوضع اللغوی ايضا كالسيلان للماء وقد تبقی لغة وتبطل عرفا اعنی عن المتفاهم العرفی عند اطلاق الاسم وذلك اذا تبدلت المقاصد العرفية كالرقبة على الاقطع فانها حقيقة فيه لغة ولا يفهم منها عرفا فاذا علمت هذا فالنقص فی الماء بزوال سيلانه او رقته فالثخين لا يسمى ماء فضلا عن الجمد و الزيادة باختلاطه باكثر منه قدرا او مساو اوبما يصير به مركبا ممتازا امتيازا بالغرض كالمنقوع فيه التمر اذا صار نبيذا والمطبوخ فيه اللحم اذا صار مرقا والمحلول فيه الزعفران اذا صار صبغا والمخلوط فيه اللبن اذا صار ضياحا فعن هذا تتشعب الفروع جميعا على مذهب قاضی الشرق و الغرب الصحيح المصحح كما تقدم عن الهداية والخانية ولا شك ان فی هذه الوجوه الاربعة تبدل الذات حقيقة او عرفا و محمد زاد خامسا وهو ما اشبه المائع الممازج له بحيث يكاد يحسبه الذی

کہ حقیقت کا مرکب میں باطل ہونا مساوی اور غالب کے ساتھ ہے لغۃً، عرفاً اور شرعاً، مطلقاً۔ اور قلیل مذکور کے ساتھ عرفاً مع حقیقتِ لغویہ کے باقی رہنے کے اس لئے مقید، مطلق ماء کی قسم ہوتا ہے، اور نقص کی جہت میں کبھی حقیقۃً مطلقاً باطل ہو جاتی ہے جبکہ وصف وضع لغوی اعتبار سے بھی رکن کے قائم مقام ہو جیسے پانی کے لیے سیلان، اور کبھی حقیقۃً لغۃً تو باقی رہتی ہے اور عرفاً باطل ہو جاتی ہے، یعنی نام کو بولے جانے کے وقت عرف کے فہم میں نہیں آتی، اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب مقاصد عرفیہ بدل جائیں جیسے "رقبۃ" اقطع پر کیونکہ یہ اس میں حقیقۃً ہے لغۃً لیکن عرفاً اس سے نہیں سمجھا جاتا ہے۔ جب آپ نے یہ جان لیا تو پانی میں نقص کی صورت یہ ہوگی کہ اس کا سیلان یا اس کی رقت ختم ہو جائے تو گاڑھے کو پانی نہیں کہیں گے چہ جائیکہ جمد کو، اور اس میں زیادتی کی صورت یہ ہوگی کہ وہ کسی ایسی چیز میں مخلوط ہو جائے جو مقدار میں اُس سے زیادہ یا اس کے برابر ہو یا اُس چیز سے جس سے مرکب ہو کر وہ ممتاز ہو جائے اور مقصد کے اعتبار سے بالکل مختلف ہو جائے، جیسے وہ پانی جس میں کھجوریں بھگوئی جائیں تو وہ نبیذ بن جائے، اور جس میں گوشت پکایا جائے اور وہ شوربہ ہو جائے، اور جس میں زعفران ملایا جائے اور وہ رنگ بن جائے اور جس کو دودھ میں ملایا جائے یہاں تک کہ وہ لسّی ہو جائے، اسی اصل پر قاضی شرق وغرب کے مذہب پر تمام فروع متفرع ہوتی ہیں، جیسا کہ ہدایہ اور خانیہ سے گزرا، اور اس میں شک

لا يعلم حاله ذلك المائع ويظن انه ليس بماء فمثل هذا لايدخل عنده فى المتفاهم من مطلق الماء فمناط المنع عند ابى يوسف صيرورته غير الماء ولو عرفا وعند محمد صيرورته بحيث يحسبه المستعمل مائعا اخر غير الماء ولو ظنا وبالجملة يرتاب فى كونه ماء وعليه بناء ضابطة الامامين الاسبيجابى وملك العلماء رحمهما الله تعالى وهى التى قابلناها بالضابطة الزيلعية وبينا فى القسمين الاولين ما اتفقا فيه على الجواز او المنع وفى الثالث ما اختلفا فيه وسيأتى بيان كل ذلك ان شاء الله الكريم الوهاب۔

نہیں کہ ان چاروں صورتوں میں ذات حقیقۃً یا عرفاً تبدیل ہو جاتی ہے، اور امام محمد نے ایک پانچویں صورت کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ، وہ پانی ہے جو اس سیال شَے سے مشابہ ہو جو اس میں ملائی گئی ہے، اور وُہ ایسا ہو جائے کہ ناواقف حال اس کو وہی شَے سمجھے پانی نہ سمجھے، اس قسم کی چیز ان کے نزدیک مطلق ماء کے مفہوم میں داخل نہیں، تو ابو یوسف کے نزدیک منع کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ پانی کا غیر ہو جائے خواہ عرفاً ہی۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر ہے کہ اس کو استعمال کرنے والا پانی کے علاوہ کوئی اور مائع سمجھنے لگے خواہ صرف گمان ہی ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس کے پانی ہونے میں شک کرے، اور اسی پر ضابطہ مبنی ہے، یہ ضابطہ امام اسبیجابی اور ملک العلماء نے بیان کیا ہے، یہی وہی ضابطہ ہے جس کا مقابلہ ہم نے ضابطہ زیلعیہ سے کیا ہے اور پہلی دو قسموں میں بیان کیا ہے کہ ان کا اتفاق جواز اور منع میں ہے اور تیسرے میں وُہ جس میں ان کا اختلاف ہے اس کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔ (ت)

فان قلت على ما قررت يلزم خروج الماء المتنجس والمستعمل من الماء المطلق فان من اعظم مقاصد الماء حصول التطهير به قال الله تعالى وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به وقد سقط هذا منهما فيزاد فى جانب النقص على زوال السيلان والرقة زوال صفة الطهورية **اقول** الحقائق الشرعية للمقاصد الشرعية فبفواتها تفوت كالصوم والصلاة اما الماء

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بنا پر ناپاک اور مستعمل پانی کا ماءِ مطلق سے خارج ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ پانی کا سب سے بڑا مقصد پاکی کا حصول ہے فرمانِ الٰہی ہے "وہ تم پر آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاک کرے" اور یہ وصف اُن دونوں پانیوں سے ختم ہو گیا، تو جانب نقص میں زوالِ سیلان و رقت پر صفتِ طہوریۃ کے زوال کا اضافہ کیا جائیگا۔ میں کہتا ہوں حقائقِ شرعیہ مقاصدِ شرعیہ کے لیے ہوتے ہیں، تو جب مقاصدِ شرعیہ فوت ہو جائیں

فحقیقة عینیة والمعتبر فی بقائها المقاصد العرفیة الاتری ان اعظم المقصود من الانسان العبادة قال تعالٰی وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون وقد فاتت الکافر اذ لیس اھلا لها ومع ذلك لم یخرج من المتفاھم باطلاق الانسان قال تعالٰی ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وقال تعالٰی قتل الانسان ما اکفرہ۔

تو حقائق بھی فوت ہوجاتے ہیں، جیسا روزہ اور نماز، اور پانی حقیقۃ عینیہ ہے اور اسی کی بقاء میں مقاصد عرفیہ ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ انسان کا بڑا مقصود عبادت ہے فرمانِ الٰہی ہے "اور میں نے انس وجن کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے" اور یہ چیزیں کافر میں نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ وہ عبادت کا اہل نہیں، اس کے باوجود جب لفظ انسان کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مفہوم انسان سے خارج نہیں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے "بلاشبہ انسان خسارے میں ہے سوائے ایمان والوں کے"۔ فرمانِ الٰہی ہے "لعنت ہو انسان پر کتنا ناشکرا ہے۔ (ت)

بالجملہ تحقیق[ف۱] فقیر غفرلہ میں مائے مطلق کی تعریف[ع] یہ ہے کہ وہ پانی کہ اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط و ممتزج نہیں جو اس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہے نہ ایسی جو اس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جدا مقصد کے لیے کہلائے ان تمام مباحث بلکہ فہیم کے لیے جملہ فروع مذکورہ و غیر مذکورہ کو ان دو بیت میں منضبط کریں ؎

مطلق آب است کہ بر رقتِ طبعی خود ست — نہ درو مزج دگر چیز مساوی یا بیش
نہ بخلطے کہ بترکیب کند چیز دگر — کہ بود زآب جدا در لقب و مقصد خویش

ع منح وسید کی تعریفیں کہ حاشیہ پر گزریں ۱۳ و ۱۴ تھیں اور یہ تعریف رضوی بحمدہ تعالٰی **پانزدہم**

ثم وجدت عن المجتبی تعریفا اٰخر ذکرہ عنه فی انجاس البحر ان الماء المقید ما استخرج بعلاج کماء الصابون والحرض والزعفران والاشجار والاثمار والباقلاء اھ فالمطلق خلافه **اقول**[ف۲] لیس بشیئ ویوافقه اول الاقوال الاٰتیة فی الاضافات وسیأتی ردہ ثمه ۱۲ منه غفرله۔ (م)

پھر میں نے مجتبٰی سے ایک اور تعریف بحر کے انجاس میں دیکھی کہ مقید پانی وہ ہے جو کسی عمل کے ذریعہ نکالا جائے، جیسے صابون کا پانی اور حرض، زعفران، درختوں، پھلوں اور باقلی کا پانی اھ اور مطلق اس کے خلاف ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ بھی نہیں، اس کی موافقت اضافات میں وارد شدہ پہلے قول سے ہوتی ہے، اس کی تردید وہاں ہوگی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وباللہ التوفیق ؛ ولہ الحمد علی ارا ءۃ الطریق ؛ وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی الحبیب الرفیق ؛ وآلہ وصحبہ اولی التحقیق وسائر من دانہ بالایمان والتصدیق ؛ اٰمین ؛ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اضافات بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شے کی طرف مضاف کرکے بولا جاتا ہے اُن میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاق آب محض بطور تشبیہ جیسے آبِ زر آبِ کافور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں آبِ دریا اور کچھ مائے مقید جیسے ماء العسل ماء الشعیر اول کو اضافت تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علماء نے ان میں چند طرح فرق فرمایا :

اوّل جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اُس کی طرف پانی کی اضافت اضافتِ تقیید ہوگی ورنہ اضافتِ تعریف، عنایہ و بنایہ میں ہے :

اضافتہ الی الزعفران للتعریف لا للتقیید والفرق بینھما ان المضاف ان لم یکن خارجا عن المضاف الیہ بالعلاج فالاضافۃ للتعریف وان کان خارجا منہ فللتقیید کماء الورد[1] اھ **اقول** ان کان المراد حدوثہ بالتدبیر کما ھو فی ماء الورد وسائر المستقطرات ورد ماء النارجیل وماء الحبحب وماء النخل الھندی المسمی تار فانھا موجودۃ وانما التدبیر لاخراجھا کالفصد لاخراج الدم وان ارید ظھورہ بہ فان لم یرد ماء البئر لان ظھورہ من الارض بالتدبیر بحفر البئر لا من المضاف الیہ ورد ماء العسل فان الماء

پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ سے عمل کے ذریعہ نہ نکالا گیا ہو تو اضافت تعریف کے لیے ہے اور اگر تدبیر سے خارج ہو تو تقیید کے لیے ہے جیسے گلاب کا پانی اھ میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد اس کا حدوث ہے تدبیر سے جیسے گلاب کے پانی میں یا دوسرے اُن پانیوں میں ہیں جو نچوڑ کر نکالے جاتے ہیں' تو ناریل کا پانی، تربوز کا پانی، تاڑی کا پانی، اس کے علاوہ ہیں کہ یہ پانی سے ہی موجود ہوتے ہیں تدبیر صرف ان کے نکالنے کے لیے کی جاتی ہے جیسے خون نکالنے کے لیے فصد کھلوائی جاتی ہے، اور اگر یہ مراد ہو کہ اس کا اس کے ذریعہ ظہور ہو، پس اگر کنوئیں کے پانی سے اعتراض نہ ہو کہ اس کا ظہور بھی زمین کے کھودنے

---

[1] العنایۃ مع الفتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

فان الماء ظاهر بنفسه انما التدبير فی امتزاجه طبخا بالعسل فان ارید[عہ] ماء العسل من حیث هو ماء العسل فحدوثه بالتدبیر لا مجرد ظهورہ۔

سے ہوتا ہے مضاف الیہ سے نہیں ہوتا تو شہد کے پانی کے ذریعہ اعتراض وارد ہوگا، کیونکہ پانی بنفسہ ظاہر ہے تدبیر تو اس کو شہد میں ملا کر پکانے سے ہوتی ہے اور اگر شہد کا پانی من حیث ھو مراد ہو تو اس کا حدوث تدبیر سے ہوگا نہ کہ محض ظہور سے۔ (ت)

دوم جہاں ماہیت مضاف کامل ہو اضافت تعریف کے لیے ہے جیسے نماز فجر اور قاصر ہو تو تقیید کے لیے جیسے نمازِ جنازہ کہ رکوع وسجود وقراءت وقعود نہیں رکھتی، کفایہ و مجمع الانہر میں ہے:

علامة اضافة التقیید قصور الماهیة فی المضاف کأن قصورها قیدہ کیلا ید خل تحت المطلق مثاله حلف لا یصلی فصلی الظهر یحنث لانها صلاة مطلقة واضافتها الی الظهر للتعریف ولا یحنث بصلاة الجنازة لانها لیست بصلاة مطلقة واضافتها الیها للتقیید[1]۔

تقیید کی اضافت کی علامت مضاف میں ماہیئۃ کا ناقص ہونا ہے، گویا اس کا ناقص ہونا اسکی قید ہے تاکہ مطلق کے تحت داخل نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے حلف اٹھایا کہ وُہ نماز نہ پڑھے گا پھر اس نے ظہر کی نماز پڑھی تو حانث ہوجائیگا کہ وہ مطلق نماز ہے اور اس کی اضافت ظہر کی طرف تعریف کے لیے ہے اور نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ مطلق نماز نہیں ہے اور اس کی اضافت جنازہ کی طرف تقیید کے لیے ہے۔ (ت)

اسی طرح شلبیہ علی الزیلعی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے نیز اُسی میں مشکلات امام خواہر زادہ

عہ هذا هو مفاد کلام الامام العینی اذ جعل ماء الباقلی خارجا بالتدبیر والا فالماء لاحدث به ولا ظهر بل کان موجودا ظاهرا من قبل انما حدث الممزوج من حیث هو ممزوج فتعین فی کلامه الشق الاول ۱۲ منه غفر له۔ (م)

یہ عینی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، انہوں نے باقلی کے پانی کو تدبیر سے خارج ہونے والا پانی قرار دیا ہے، ورنہ تو پانی میں کوئی حدوث ہے اور ظہور، بلکہ وہ موجود و ظاہر پہلے تھا البتہ ممزوج من حیث الممزوج بعد میں پیدا ہُوا، تو ان کے کلام میں شق اول متعین ہوگئی ۱۲ منہ غفر لہ (ت)

---

[1] شلبیہ علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

سے ہے:

کل ماکانت الماھیۃ فیہ کاملۃ فالاضافۃ فیہ للتعریف وما کانت ناقصۃ فالاضافۃ للتقیید نظیر الاول ماء السماء وماء البحر وصلاۃ الکسوف ونظیر الثانی ماء الباقلاء وصلاۃ الجنازۃ[1] اھ اقول قصو الماھیۃ انما ھو فی ماء الباقلاء ونحوہ عما ثخن وزالت رقتہ اما فی المتغیر بالزیادۃ کالانبذۃ والمرق فتبدلت لانقصت الا ان یراد بالقصو والنقص ما یعم الانتفاء مجازا تقول العرب قل ای عدم کما فی نسیم الریاض۔

ہروہ چیز جس میں ماہیت کامل ہو تو اس میں اضافت تعریف کے لیے ہے اور جس میں ماہیت ناقص ہو تو اس میں اضافت تقیید کے لیے ہے پہلے کی نظیر ماء السماء اور ماء البحر اور صلوٰۃ الکسوف ہے اور دوسری کی مثال ماء الباقلی اور صلاۃ الجنازہ ہے اھ میں کہتا ہوں ماہیت کا ناقص ہونا ماء الباقلی میں ہے یا اس قسم کے اور پانیوں میں جو گاڑھے پڑ گئے ہوں اور اُن میں سے رقت ختم ہوگئی ہو لیکن وُہ پانی جو کسی زیادتی کے باعث متغیر ہوگئے ہوں جیسے نبیذ و مرق تو یہ تبدیل ہوئے ہیں کم نہیں ہوئے۔ ہاں اگر قصور و نقص سے مراد وہ ہو جو انتفاء کو عام ہو مجازاً، عرب کے لوگ کہتے ہیں قَلّ یعنی معدوم ہوگیا، نسیم الریاض میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

سوم جسے بے حاجت ذکر قید پانی کہہ سکیں وہاں اضافت تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکر قید ضروری ہو تقیید کی، مراقی الفلاح میں ہے:

الفرق بین الاضافتین صحۃ اطلاق الماء علی الاول دون الثانی اذ لایصح ان یقال لماء الورد ھذا ماء من غیر قید بالورد بخلاف ماء البئر لصحۃ اطلاقہ فیہ[2]۔

دونوں اضافتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی پر پانی کا اطلاق صحیح ہے دوسری پر نہیں ہے کیونکہ گلاب کے پانی کو ھذا ماءٌ کہنا صحیح نہیں، اس میں ورد کی قید لگانا ضروری ہے، ہاں کنوئیں کے پانی کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں۔ (ت)

بحر میں ہے:

ماء البحر الاضافۃ فیہ للتعریف بخلاف الماء المقید فان القید لازم لہ لایجوز

ماء البحر اس میں اضافت تعریف کے لیے ہے بخلاف مقید پانی کے، کیونکہ قید اس کو لازم ہے

---

[1] شلبیۃ علی التبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱
[2] مراقی الفلاح " " " " ص ۱۳

اطلاق الماء علیہ بدون القید کماء الورد[1] اھ

اس پر پانی کا اطلاق بلا ذکر قید جائز نہیں جیسے گلاب کا پانی اھ۔ (ت)

اقول ھذا ھو السابع فی تعریفات المطلق والکلام فیقال ماء الورد لیس ماء حقیقۃ فعلی التحقیق لیس من المقید اما المقید کماء الزعفران الصالح للصبغ فماء قطعا ویصح ان یقال ھذا ماء لان صحۃ حمل المقسم علی القسم من الضروریات نعم لایفہم من اطلاق قولنا الماء وھذا شیئ غیر الحمل ولا یصح ارادۃ حمل الماء المطلق فیرجع الی ان المقید یحمل علیہ الماء المطلق مع ذکر القید وھذا جمع بین النقیضین والجواب مامر۔

میں کہتا ہُوں یہ مطلق کی ساتویں تعریف ہے اور اس پر وہی گفتگو ہے جو گزری، کہا جاتا ہے گلاب کا پانی، حالانکہ درحقیقت یہ پانی نہیں ہے تو تحقیقی طور پر یہ مقید نہیں مقید جیسے ماء الزعفران جو رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ قطعاً پانی ہے اور اس کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں کیونکہ مقسم کا قسم پر محمول ہونا بدیہیات میں سے ہے، ہاں جب ہم الماء اور ھذا کہتے ہیں تو اس سے سوائے حمل کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور ماءِ مطلق کے حمل کا ارادہ صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقید پر الماء المطلق محمول ہوگا اور قید بھی ذکر کی جائے گی اور یہ جمع بین النقیضین ہے اور جواب وُہ ہے جو گزرا۔ (ت)

چہارم جس سے پانی کی نفی کرسکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں وہاں اضافت تقیید کی ہے ورنہ تعریف کی، تبیین میں ہے:

اضافتہ الی الزعفران ونحوہ للتعریف کاضافتہ الی البئر بخلاف ماء البطیخ ونحوہ حیث تکون اضافتہ للتقیید ولھذا ینفی اسم الماء عنہ ولا یجوز نفیہ عن الاول[2] اھ

اس کی اضافت زعفران وغیرہ کی طرف تعریف کے لئے ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں کی طرف، بخلاف ماء البطیخ وغیرہ کے، وہاں اضافت تقیید کے لیے ہے اس لیے پانی کا نام اُس سے منتفی کیا جاتا ہے اور اس کی نفی اول سے جائز نہیں اھ (ت)

اقول ھذا ھو ثامن تعریفات المطلق

میں کہتا ہُوں یہ مطلق کی آٹھویں تعریف ہے

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] تبیین الحقائق " الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

والبحث البحث فیقال ان القسم لایصح نفی المقسم عنہ حقیقۃ ابدا وان ارید نفی الماء المطلق مع بعدہ عن ظاہر العبارۃ یرجع الی ان اضافۃ التقیید فی الماء المقید وھذا لایجدی شبہ الحمل الاولی والجواب مامر۔

اور اس میں جو بحث ہے وہ بحث ہے اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قسم سے مقسم کی نفی صحیح نہیں حقیقۃً، اور اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے، حالانکہ بظاہر عبارۃ سے یہ بعید ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اضافتِ تقیید ماءِ مقید میں ہے، اور یہ پہلے حمل کی طرح غیر مفید ہے اور جواب وُہ ہے جو گزرا۔ (ت)

پنجم جہاں امور خارجہ عن الذات مثل محل یا صفت یا مجاور کی طرف اضافت ہو تعریف ذات اُس کی محتاج نہ ہو وہ اضافت تعریف ہے غنیہ میں ہے:

مایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی التقیید فی تعریف ذاتہ فاضافتہ الی محلہ کماء البئر اوصفتہ کماء المد او مجاورہ کماء الزعفران لیست بقید[1]۔

وہ جس کو عرف میں پانی کہا جاتا ہے جس کی ذات کی تعریف میں تقیید کی ضرورت نہیں، تو اس کی اضافت اس کے محل کی طرف ہے جیسے ماء البئر یا اس کی صفت کی طرف ہے جیسے ماء المد یا اس کے مجاور کی طرف ہے جیسے ماء الزعفران یہ قید نہیں ہے۔ (ت)

ششم جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافت تقیید ہے ولہذا اُس پر بلا قید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکر قید اطلاق لفظ صحیح ہو اضافت تعریف ہے، حلیہ میں ہے:

المقید لاتعرف ذاتہ الا بالقید ولھذا کانت الاضافۃ لازمۃ فلایسوغ تسمیتہ ماء علی الاطلاق بخلاف اضافۃ الماء المطلق الی نحو البئر والعین فانھا اضافۃ الی ما منہ بد فھی عارضۃ لافادۃ عارض من عوارضہ وھو بیان محلہ الکائن فیہ او الخارج منہ الذی یمکن الاستغناء عن ذکرہ فی صحۃ اطلاق لفظ الماء علیہ و

مقید کی ذات کی معرفت بلا قید نہیں ہوتی ہے اس لیے اضافت لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مطلق پانی کہنا جائز نہیں بخلاف ماءِ مطلق کی اضافت کے کنویں اور چشمے کی طرف، کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جو ضروری نہیں، تو یہ عارضی ہے، کیونکہ یہ اُس کے عوارض میں سے کسی ایک عرض کا فائدہ دے رہی ہے، اور یہ اس کے محل کا بیان ہے جس میں کہ وہ ہے یا جس سے وہ خارج ہو کہ اس کے ذکر سے استغنا ممکن

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

لهذا ساغ ان يطلق القائل عليه ماء اطلاقا حقيقيا من غير تقييد بالبئر و نحوها وقد ظهر من هذا التقييد انه لم يمنع اندراج المقيد به تحت الماء المطلق بخلاف الاول[1] اھ۔

ہو اور اس پر صرف ماء کا اطلاق صحیح ہو، اس لیے اس پر ماء کا اطلاق حقیقی بئر وغیرہ کی قید کے بغیر بھی جائز ہے، اس تقیید سے ظاہر ہُوا کہ جو اس قید کے ساتھ مقید ہو اس کا ماءِ مطلق میں داخل ہونا ممنوع نہیں بخلاف اول کے اھ (ت)

اقول اقتصر الغنية على الثانی من تعريفات المطلق وجمع الحلية بينه و بين السابع فمشى على الثانی فی تحديد اضافة التقييد وعلى السابع فی تعريف اضافة التعريف ولا غرو فالامر قريب۔

میں کہتا ہوں غنیہ نے مطلق کی دوسری تعریف پر اکتفار کیا ہے اور حلیہ نے اس کو اور ساتویں کو جمع کیا ہے؛ اور اضافۃِ تقیید کی تعریف میں انہوں نے دوسری کو ملحوظ رکھا ہے اور اضافتِ تعریف میں ساتویں کو، مگر یہ قریب قریب درست ہے۔ (ت)

ہفتمع جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔ شلبیہ علی الزیلعی میں امام حافظ الدین کی مستصفٰے سے ہے:

فان قيل مثل هذه الاضافة يعنی ماء الباقلاء واشباهه موجود فيما ذكرت من المياه المطلقة لانه يقال ماء الوادی وماء العين قلنا اضافته الى الوادی والعين اضافة تعريف لا تقييد لانه تتعرف ماهيته

اگر کہا جائے کہ اس جیسی اضافت یعنی ماء الباقلی وغیرہ کی مذکورہ مطلق پانیوں میں بھی موجود ہے، اس لیے کہ ماء الوادی اور ماء العین کہا جاتا ہے، ہم کہتے ہیں پانی کی اضافۃ وادی اور عین کی طرف تعریف کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے، کیونکہ ان کی ماہیت کو

ع **اقول** هذه سبع عبارات الثلاث الاُخرى منها متقاربة المعنى بل متحدة المآل مختلفة المبنى والثالثة والرابعة تعريفان بما يستلزم هذا المعنى والنقص والقصور فی الاوليين والله تعالٰى اعلم ۱۲ منه غفر له۔ (م)

میں کہتا ہوں یہ سات عبارتیں ہیں ان میں سے آخری تین معنوی اعتبار سے قریب ہیں بلکہ انجام کے اعتبار سے متحد ہیں، عبارت میں مختلف ہیں، تیسری اور چوتھی تعریفیں اُس چیز کے ساتھ ہیں جو اس معنی کو مستلزم ہیں، اور نقص و قصور پہلی دو تعریفوں میں ہے ۱۲ منہ غفر لہ (ت)

---

[1] حلیہ

بدون هذه الاضافة وتفهم بمطلق قولنا
الماء بخلاف ماء الباقلاء واشباهه فانه
لاتنصرف ماهيته بدون ذلك القيد ولاينصرف
الوهم اليه عند الاطلاق ولهذا صح نفى
اسم الماء عنه فيقال فلان لم يشرب الماء
وانكان شرب الباقلاء او المرق ولو كان
ماء حقيقة لما صح نفيه لان الحقيقة لا
تسقط عن المسمى ابدا ويكذب نافيها و
هذا كما يقال صلاة الجمعة ولحم الابل
وصلاة الجنازة ولحم السمك اهـ وقد
ذكر نحوه فى كافيه وجلال الدين فى كفايته
والبدر محمود فى بنايته **اقول** جمع بين
الثانى والثانى عشر بل والثامن ارشادا الى
تقاربهما ولو اكتفى بالوسط[ع] لكفى وصفا عن

اس قید کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے اور مطلق لفظ ماء
سے سمجھ میں آجاتے ہیں بخلاف باقلی وغیرہ کے پانیوں
کے، کیونکہ ان کی ماہیت اس قید کے بغیر سمجھ میں نہیں
آتی ہے اور جب مطلق لفظ ماء بولا جاتا ہے تو
ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، اس لیے پانی
کے لفظ کی نفی ان پانیوں سے درست ہے تو یوں
کہا جاسکتا ہے کہ فلاں نے پانی نہیں پیا، اگرچہ اس
نے شوربہ یا باقلی کا پانی پیا ہو، اور اگر یہ حقیقۃً پانی
ہوتے تو یہ نفی صحیح نہ ہوتی، کیونکہ حقیقت کبھی اپنے مسمی سے
ساقط نہیں ہوتی ہے اور جو شخص اس کی نفی کرے
اس کی تکذیب کی جاتی ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ
صلوۃ الجمعۃ، لحم الابل، صلاۃ الجنازۃ
اور لحم السمک کہا جاتا ہے اھ اسی قسم کی چیز
انہوں نے اپنی کافی میں ذکر کی اور جلال الدین نے کفایہ

ع ثم رأيت الامام العينى كذلك فعل
فى البناية اذ قال الاضافة نوعان اضافة
تعريف كغلام زيد وانه لايغير المسمى و
اضافة تقييد كماء العنب وانه يغيره
وانه لايفهم من مطلق اسم الماء اهـ
اقول استدلال انى والمراد بماء العنب
ما نقع فيه العنب لانه الماء المقيد
لاما يخرج بعصره فانه ليس من الماء
اصلا كما قدمنا فى حاشيته ۲۰۷ خلافا

اقول پھر امام عینی نے بنایہ میں ایسا ہی کیا ہے
فرمایا اضافت کی دو قسمیں ہیں ایک اضافت تعریف
کے لیے ہے جیسے غلام زید، یہ مسمی میں کوئی تبدیلی
نہیں پیدا کرتی ہے اور دوسری اضافت برائے تقیید
جیسے ماء العنب، یہ مسمی کو متغیر کر دیتی ہے اور
مطلق ماء کے نام سے مفہوم نہیں ہوتا ہے اھ
میں کہتا ہوں یہ استدلال "اِنّی" ہے اور
ماء العنب سے مراد وہ پانی ہے جس میں انگور پڑے
ہوئے ہوں کیونکہ یہی ماء مقید ہے وہ نہیں جو

(باقی برصفحہ آئندہ)

ل شلبیہ مع تبیین الحقائق کتاب الطهارة الامیریہ ببولاق مصر ۱/۲۰

مجال کل جدال ۔ میں اور بدر محمود نے بنایا ہیں ۔ میں کہتا ہوں انہوں نے دوسرے اور بارہ کو یکجا کر دیا ہے بلکہ آٹھ کو بھی، تاکہ ان کے قریب قریب ہونے کا پتا چل جائے ، اور اگر درمیانی پر اکتفا کرلیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا ۔ (ت)

بالجملہ اصح واحسن وہی تعریف اخیر مائے مطلق پر یہاں بھی حوالہ ہے کہ جس کی طرف مطلق آب کہنے سے افہام سبقت کریں اُس کی اضافت اضافتِ تعریف ہے ورنہ اضافتِ تقیید **اقول** یعنی جبکہ جنس آب حقیقی لغوی سے خارج نہ ہو ورنہ اضافتِ تقیید بھی نہیں محض مجاز ہے جیسے آبِ زر واللہ تعالٰی اعلم ۔

فصل ثالث ضوابط جزئیہ متون وغیرہا ۔

اقول وباللہ التوفیق اوّل چند مسائل اجماعیہ ذکر کریں کہ کوئی ضابطہ اُن کے خلاف نہیں ہوسکتا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لما اوھم العلامۃ ابن کمال ثم رأیت فی نص الکفایۃ التصریح بما ذھبت الیہ اذ قال لایجوز بما اعتصر لانہ لیس بماء حقیقۃ ثم **اقول** احال الامام العینی امر التعریف و التقیید علی التغیر وعدمہ و عللہ بالانفھام من المطلق وعدمہ وھذا اجلی من التغیر المبھم فکان الاولی الارادۃ علیہ کما فعل قبلہ فی غایۃ البیان اذ قال و اضافتہ الی البئر للتعریف لا للتقیید اذ یفھم بمطلق قولنا الماء اھ والعجب ان العینی مشی ھھنا علی ھذا الصحیح ثم بعد ورقتین عاد الی الاول الجریح ۱۲ منہ غفرلہ ۔ (م)

نچوڑنے سے نکلے ، کیونکہ وہ تو پانی ہے ہی نہیں ، جیسا کہ ہم نے ۲۰۷ کے حاشیہ میں ذکر کیا ، یہ علامہ ابن کمال کے وہم کے برخلاف ہے پھر مجھے کفایہ میں یہی تصریح مل گئی ، وہ فرماتے ہیں اس پانی سے وضو جائز نہیں جو نچوڑا گیا ہو کیونکہ وہ درحقیقت پانی نہیں ہے ۔ پھر میں کہتا ہوں امام عینی نے تعریف و تقیید کا دارومدار تغیر وعدمِ تغیر پر رکھا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی کہ وہ مطلق سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں ، اور یہ تغیر مبہم سے زیادہ واضح ہے تو اولٰی یہ ہے کہ اسی پر دارومدار کیا جائے جیسا کہ اس سے قبل غایۃ البیان میں کیا ہے فرمایا اس کی اضافت کنویں کی طرف تعریف کیلئے ہے نہ کہ تقیید کے لیے کیونکہ وہ مطلق الماء سے مفہوم ہوجاتا ہے اھ اور تعجب ہے کہ عینی نے اس صحیح قول کو اختیار کیا ، پھر دو ورق بعد وہ پہلے مجروح قول کی طرف آگئے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۱) اجماعِ اُمت ہے کہ پانی کے سوا کسی مائع سے وضو و غسل یعنی ازالۂ نجاست حکمیہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اجماع ہے کہ وہ پانی مائے مطلق ہونا چاہئے مائے مقید سے وضو نہیں ہوسکتا سوائے نبیذ تمر کے کہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداءً نظر بحدیث اُس سے جواز کے قائل تھے پھر رجوع فرمائی اور اُس سے بھی عدمِ جواز پر اجماع منعقد ہوگیا الا مایذکر من امام[ع۱] الشام الاوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ من التجویز بکل نبیذ ان ثبت عنہ واللہ تعالیٰ اعلم (مگر وہ جو امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ہر نبیذ سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ یہ روایت ان کی طرف درست منسوب ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ ت)

(۳) اجماع ہے کہ غسل بالفتح یعنی کسی عضو کے دھونے میں اُس پر پانی کا بہنا ضرور ہے صرف تر ہوجانا کافی نہیں کہ وہ مسح ہے اور حضرت عزت عز جلالہ نے غسل و مسح دو وظیفے جدا رکھے ہیں الا ما[ع۲] حکی عن الامام الثانی رحمہ اللہ وھو مؤول کما تقدم (مگر وہ جو امام یوسف سے منقول ہے وہ مؤول ہے جیسا گزر چکا۔ ت) تو پانی کا اپنے سیلان پر باقی رہنا قطعاً لازم۔

ع۱ وقال فی البنایۃ شذ الحسن بن صالح وجوز الوضوء بالخل وماجری مجراہ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

بنایہ میں ہے کہ حسن بن صالح نے شذوذ کرتے ہوئے سرکہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء سے وضوء کو جائز قرار دیا ۱۲ منہ غفرلہٗ۔ (ت)

ع۲ وقال فی البنایۃ التوضی بالثلج یجوز ان کان ذائبا یتقاطر والا فلا ثم قال وفی مسألۃ الثلج اذا قطر قطرتان فصاعدا جاز اتفاقا والا فعلی قولہما لا یجوز وعلی قول ابی یوسف یجوز اھ

اقول ماکان ینبغی ان یقال قولہ الموھم خلاف الواقع فانما ھی حکایۃ نادرۃ عنہ وقد قال قبلہ فی البنایۃ السیلان شرط فی ظاھر الروایۃ فلا یجوز الوضوء مالم یتقاطر الماء وعن ابی یوسف انہ لیس بشرط اھ ثم الروایۃ مؤولۃ کما علمت۔

بنایہ میں ہے کہ برف سے وضو جائز ہے بشرطیکہ پگھل کر ٹپک رہا ہو ورنہ نہیں، پھر برف کے مسئلہ میں فرمایا جب اُس سے دو یا زائد قطرے ٹپکیں تو وضو جائز ہے اتفاقاً ورنہ طرفین کے قول پر جائز نہیں ہے اور ابو یوسف کے قول پر جائز ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ ان کا وہم پیدا کرنے والا قول خلاف واقع ہے کیونکہ یہ تو ان سے ایک نادر حکایت ہے اور اس سے قبل وہ بنایہ میں فرماچکے ہیں کہ سیلان ظاہر روایت میں شرط ہے تو جب تک پانی کے قطرے نہ ٹپکیں وضو جائز نہیں، اور ابو یوسف سے ہے کہ سیلان

(باقی برصفحہ آئندہ)

(۴) اجماع لغت وعرف وشرع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لیے ہے وقد قدمناہ عن المحقق علی الاطلاق فی التعریف الخامس للماء المطلق (اور ہم نے محقق علی الاطلاق سے مطلق پانی کی پانچویں تعریف میں اسکو پہلے ذکر کردیا ہے۔ ت) تو پانی میں جب اُس کا غیر اُس سے زائد مقدار میں مل جائے بحکمِ اجماع اول قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۵) اجماع عقل ونقل ہے کہ تعارض موجب تساقط ہے اور اجماع حاضر ومبیح میں حاضر غالب تو اگر دوسری چیز مساوی القدر بھی ملے گی قابلِ وضو نہ رکھے گی وقد تقدم عـــه فی ۲۶۲ (جیسا کہ ۲۶۲ میں گزر چکا۔ ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم فلا ینبغی ذکرھا الابتاویلھا کیلا یتجرأ جاھل علی مخالفۃ امر اللہ تعالٰی متشبثا بھا ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

شرط نہیں اھ یہ روایت مؤول ہے جیسا آپ نے جانا تو اس کو بلا تاویل ذکر کرنا درست نہیں تاکہ کوئی اس کو دیکھ کر اللہ تعالٰی کے حکم کی مخالفت کی جرأت نہ کر بیٹھے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـــه تقدم ھناک قول الغنیۃ یضم الیہ التیمم عند المساواۃ اھ وما تعقبتھا بہ والاٰن رأیت فی البنایۃ حین ارسل الی نقل ھذا الباب منھا بعض اصحابی ما نصہ حکی عن ابی طاھر الدباس انہ قال انما اختلف اجوبۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاختلاف الاسئلۃ فانہ سئل عن التوضوء اذا کانت الغلبۃ للحلاوۃ قال یتیمم ولایتوضوء وسئل عنہ ایضا اذا کان الماء والحلاوۃ سواء ولم یغلب احدھما علی الاٰخر قال یجمع بینھما وقال السغناق وعلی ھذہ الطریقۃ لایختلف الحکم بین نبیذ التمر وسائر

یہاں غنیہ کا قول گزر چکا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات کے وقت تیمم کو بھی شامل کرلینا چاہئے اھ اور اس پر جو اعتراضات میں نے کئے ہیں وہ بنایہ میں بھی ہیں، میرے ایک دوست نے بنایہ کا یہ حصہ مجھے نقل کرکے بھیجا ہے اس میں ہے ابوطاہر الدباس سے منقول ہے کہ اس سلسلہ میں ابوحنیفہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے اُن سے دریافت کیا گیا کہ مٹھاس کا غلبہ ہو تو کیا کریں تو فرمایا تیمم کرے وضو نہ کرے ان سے دریافت کیا گیا کہ جب پانی اور مٹھاس برابر ہو تو کیا کریں؟ فرمایا وضو اور تیمم دونوں کریں، سغناقی نے فرمایا اس انداز میں نبیذ تمر اور دوسرے نبیذوں کا حکم مختلف نہ ہوگا، یہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

(٦) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ قلیل مستہلک کا خلط مزیل اطلاق نہیں اگرچہ وہ قلیل جنس ارض سے نہ ہو، ہدایہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الانبذة وسئل عنه ايضا اذا كانت الغلبة للماء فقال يتوضؤ به ولا يتيمم اھ۔

اقول الحلاوة ان لم تبلغ مبلغا تجعله نبيذا كانت مغلوبة وان بلغت فقد غلبت ولا واسطة بينهما وايضا لا معنى التساوی الماء والحلاوة فان التساوی والتفاضل فی كمين متجانسين فوجب ان المراد المساواة فی الاحتمال ای لا يغلب علی الظن احد طرفی صيرورته نبيذا او بقائه ماء بل يحتملان علی السواء فالحاصل حصول الشك والتردد وبه عبر غيره ففی التبيين والفتح عن خزانة الاكمل وفی الحلية عنها وعن غيرها قال مشايخنا انما اختلفت اجوبته رضی الله تعالٰی عنه لاختلاف المسائل سئل مرة ان كان الماء غالبا قال يتوضؤ وسئل مرة ان كانت الحلاوة غالبة قال يتيمم ولا يتوضؤ و سئل مرة اذا لم يدر ايهما الغالب قال يجمع بينهما اھ هذا لفظ الفتح وقال بعده وعلی هذا يجب التفصيل فی الغسل ان كان النبيذ غالب الحلاوة قريبا من سلب الاسم لا يغتسل به او ضده فيغتسل الحاقا بطريق الدلالة

سوال کیا گیا کہ جب پانی کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا وضو کرلے اور تیمم نہ کرے۔

میں کہتا ہوں کہ مٹھاس اگر اس درجہ نہ ہو کہ پانی کو نبیذ بنا دے تو مٹھاس مغلوب سمجھی جائے گی، اور اگر اس درجہ ہو تو غالب ہوگی اور ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں، نیز پانی اور مٹھاس کی مساوات کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ تساوی اور تفاضل دو ہم جنس کمیتوں میں ہوتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ یہ مساواۃ احتمال ہے یعنی اس کا نبیذ ہونا یا پانی رہنا، غالب گمان میں نہیں ہے بلکہ دونوں چیزوں میں برابر کا احتمال ہے، تو حاصل شک وتردد کا حصول ہے، اور ان کے غیر نے اس کی یہی تعبیر کی ہے۔ تبیین اور فتح میں خزانۃ الاکمل سے اور حلیہ میں خزانہ وغیرہا سے ہے کہ ہمارے مشایخ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے۔ جب آپ سے یہ پُوچھا گیا کہ اگر پانی غالب ہو تو آپ نے فرمایا وضو کرے اور جب یہ پوچھا کہ اگر مٹھاس غالب ہو تو جواب میں فرمایا کہ وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرے اھ، یہ فتح کے الفاظ ہیں اور اس پر پھر یہ کہا اس بنا پر غسل میں بھی ضرور تفصیل ہوگی کہ اگر نبیذ میں مٹھاس اتنی غالب ہوجائے کہ پانی کا نام اس پر نہ بولا جائے تو اس سے

میں ہے:

الخلط القليل لا معتبر به لعدم امکان | پانی میں معمولی ملاوٹ کا اعتبار نہیں کیونکہ مٹی کے اجزاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اومترددافیہ یجمع بین الغسل والتیمم اھ۔ غسل نہ کیا جائے اور اگر اس کے خلاف ہو کر مٹھاس مغلوب ہو اور اس کو پانی کہا جائے تو غسل کرے کیونکہ دلالت کے طور پر غسل کا حکم وضو سے ملحق قرار پائے گا اور اگر نبیذ میں غلبہ کے بارے میں تردد ہو تو غسل اور تیمم کو جمع کرے اھ (ت)

اقول لاحاجۃ الی الالحاق مع بقاء الاطلاق اما الذین اختلفوا فی جواز الغسل بہ فصحح فی المبسوط الجواز وصحح فی المفید عدمہ لان الجنابۃ اغلظ کما ذکرہ فی الفتح بعدہ۔

میں کہتا ہوں کہ اطلاق کی موجودگی میں الحاق کی ضرورت نہیں، نبیذ سے غسل کے جواز کے بارے میں اختلاف کرنے والوں نے جیسا کہ مبسوط میں جواز کی صحت کی ہے اور مفید میں عدمِ جواز کو صحیح کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت زیادہ غلیظ ہے جیسا کہ بعد میں اسے فتح میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

فاقول کلامھم فی ما صار نبیذا وھو غیرھذا التوفیق الانیق وعلیہ یضطر القائل بجواز الاغتسال بہ الی الحاقہ بالوضوء دلالۃ لاقیاسا لان الجواز فی نبیذ التمر معدول بہ عن سنن القیاس وما کان کذا یجوز الالحاق بہ دلالۃ لاقیاسا اما علی ھذا التوفیق فلا شک ان الوضوء والغسل سیان فی جوازھما بالماء المطلق فلا یجعل احدھما اصلا والاٰخر ملحقا بہ ھذا ومثلہ لفظ التبیین والحلیۃ اذا لم یدرایھما الغالب فھذا فی المشکوک دون المخالط المساوی

پس میں کہتا ہوں کہ ان کا کلام اس صورت میں ہے جب نبیذ بن جائے تو اس میں مذکورہ توفیق جاری نہ ہوگی لہذا غسل کے جواز کے قائل وضوء کے ساتھ الحاق کرنے میں دلالت کے قول پر مجبور ہیں اور وہ قیاس کو یہاں استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ نبیذ تمر سے وضو کا جواز قیاس کے قاعدہ پر نہیں ہے، جو قیاس کے خلاف ہو تو اس سے الحاق بطور دلالت ہو سکتا ہے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا پس اس طرح وضو اور غسل دونوں مطلق پانی سے جواز میں مساوی ہیں ایک کو اصل اور دوسرے کو ملحق نہیں قرار دیا جا سکتا، ہذا، تبیین اور حلیہ کے الفاظ بھی اسی طرح ہیں، تو جب

(باقی اگلے صفحہ پر)

الاحتراز عنه كما في اجزاء الارض[1]

کی طرح ایسی ملاوٹ سے پانی کا محفوظ ہونا مشکل ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

قد رأيناه يقال في ماء المد والنيل حال غلبة لون الطين عليه وتقع الاوراق في الحياض زمن الخريف فيمر الرفيقان ويقول احدهما للأخر هنا ماء تعال نشرب نتوضأ فيطلقه مع تغير اوصافه بانتقاعها فظهر لنا من اللسان ان المخلوط المغلوب لايسلب الاطلاق فوجب ترتيب حكم المطلق على الماء الذي هو كذلك وقد اغتسل صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الفتح من قصعة فيها اثر العجين رواه النسائي والماء بذلك

مد اور نیل کے پانی میں مٹی کا رنگ غالب ہوتا ہے اور حوضوں میں موسم خزاں کے پتّے گرتے ہیں اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ دو ساتھی وہاں سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہتے ہیں یہ پانی ہے آؤ پئیں اور وضو کریں اسی کو مطلق پانی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان چیزوں کے ملنے کی وجہ سے پانی کے اوصاف متغیر ہو چکے ہوتے ہیں تو معلوم ہُوا کہ ملنے والی مغلوب چیز پانی کو اپنے اطلاق سے خارج نہیں کرتی لہذا ایسے پانی پر مطلق پانی کا حکم مرتب ہوگا نیز فتح مکہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسے پیالے سے وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قدرا فليس فيه ما يميل الى ما في الغنية فتثبت ولله الحمد۔

دونوں میں سے کسی کا غلبہ معلوم نہ ہو، تو یہ مشکوک کی بات ہوتی مقدار کے اعتبار سے مساوی مخلوط کی بات نہیں ہے یہاں غنیہ والی بات کی طرف میلان ثابت نہیں ہے۔

اقول ونظير هذا الاختلاف عن الامام ما في الحديث انه صلى الله تعالى عليه وسلم سئل عن تقبيل الصائم عرسه فاجاز فسئل اخرى فنهى فاذا الذي اباه له شيخ والذي نهاه عنه شاب ۱۲ منه غفرله۔ (م)

میں کہتا ہوں کہ اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بار یہ سوال ہوا کہ اگر روزے والا اپنی بیوی کا بوسہ لے تو کیا حکم ہے، تو جواب میں اجازت فرمائی۔ اور دوسری بار یہی سوال کیا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔ تو اس ایک سوال کے مختلف جوابات کی وجہ یہ ہے اگر وہ روزے والا بوڑھا ہو تو جائز فرمایا اور اگر وہ جوان ہے تو منع فرمایا، اس طرح امام ابوحنیفہ نے نبیذ کے بارے مختلف قول فرمائے کیونکہ ہر جواب علیحدہ نقطہ سے متعلق ہے۔ (ت)

---

[1] الهداية باب الماء الذي يجوز به الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

يتغير ولم يعتبر المغلوبية[1]۔ فرمایا جس میں آٹا لگا ہوا تھا۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور پانی اس آٹے کی وجہ سے متغیر ہوتا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی کچھ پروانہ کی۔ (ت)

(۷) اجماع عرف و شرع ہے کہ زوال اسم موجب زوال اطلاق ہے وقد تقدم فی تعاریف المطلق لاسیما التاسع (مطلق کی تعریفوں خصوصاً نویں تعریف میں گزرچکا ہے۔ ت) ولہذا نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہونے پر اجماع ہوا اگرچہ پانی اپنی رقت پر رہے وقد تقدم فی ۲۸۶ (۲۸۶ میں گزرچکا۔ ت)

(۸) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ پانی کے اوصاف میں قلیل تغیر مانع اطلاق نہیں وقد تقدم فی ۱۱۶ (۱۱۶ میں گزرچکا ہے۔ ت)

یہ آٹھ اجماع واجب الاتباع ناقابل نزاع غیر صالح الاندفاع ہیں اور یہی بحمد اللہ تعالٰی وہ معیار کامل ہے جو مائے مطلق کی تعریف رضوی میں گزرا وللہ الحمد یہ احکام منقحہ ہاتھ میں رکھ کر ضوابط کی طرف چلئے۔

ضابطہ ۱: کسی پھل یا پیڑ یا بیل یا پتوں یا گھاس کے عرق یا عصارے سے وضو جائز نہیں۔ قدوری ہدایہ وقایہ نقایہ کنز اصلاح غرر نورالایضاح متون وغیرہا عامہ کتب میں ہے لایجوز بما اعتصر من شجر او ثمر[2] (درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو جائز نہیں۔ ت) اور صحیح یہ کہ یہ حکم قاطر و مستقطر و معتصر سب کو عام ہے کما تقدم فی ۲۰۵ (جیسا کہ بحث ۲۰۵ میں گزرچکا ہے۔ ت)

اقول ھو عندی من فروع الاجماع الاول حتی فی قاطر الکرم وقد تقدم فی حاشیۃ ۲۰۷۔ میں کہتا ہوں کہ یہ میرے نزدیک پہلے اجماع کے فروعات میں سے ہے حتی کہ انگور کے درخت سے نکلنے والے قطروں کو شامل ہے اور یہ بات بحث ۲۰۷ کے حاشیہ میں گزرچکی ہے۔ (ت)

ضابطہ ۲ تا ۴: مطہر پانی کے ناقابل وضو ہوجانے کے لیے متون معتمدہ میں تین سبب ارشاد ہوئے:

(۱) زوال طبع آب

(۲) غلبۂ غیر

(۳) طبخ باغیر

اگرچہ بعض نے ایک سبب بیان کیا بعض نے دو بعض نے اجمالاً سب، اور ان سے تعبیر میں بھی عبارات

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۶۴

[2] نورالایضاح کتاب الطہارۃ مطبع علمیہ لاہور ص ۳

مختلف آئیں مگر عند التحقیق بتوفیق اللہ تعالٰی سب اُسی معیار کے دائرے میں ہیں عبارات یہ ہیں:

(۱) **قدوری** لایجوز بما غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلی والمرق وماء الزردج[1] (وضوء جائز نہیں ہے اُس پانی سے جس پر کسی دوسری شے کا غلبہ ہوگیا ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور زردج کا پانی۔ ت)

(۲) **ہدایہ** مثلہ وانما اخذ عنہ وان زاد بعض الامثلۃ[2] (ہدایہ میں اسی کی مثل ہے انہوں نے قدوری سے لیا ہے اگرچہ بعض مثالوں کا اضافہ کیا ہے۔ ت)

(۳) **وقایہ** ولا بماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء او بالطبخ کماء الباقلی والمرق[3] (وقایہ میں ہے اور نہ اس پانی سے جس پر غیر کا بصورت اجزاء یا پکانے کی وجہ سے غلبہ ہوگیا ہو جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ ت)

(۴) **نقایہ** یتوضؤ بماء السماء والارض وان اختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء او غیرہ طبخا وھو مما لا یقصد بہ النظافۃ[4] (نقایہ میں ہے آسمان اور زمین کے پانی سے وضوء کرے اگرچہ اس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو، اِلّا یہ کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو یا پکنے کی وجہ سے اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو اور وہ غیر چیز ایسی نہ ہو جس سے نظافت مطلوب ہوتی ہے۔ ت)

(۵ و ۶) **کنز و وافی** لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق او بالطبخ او غلب علیہ غیرہ اجزاء[5] (کنز و وافی میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو پتّوں کی کثرت یا پکنے یا غلبۂ اجزاء کی وجہ سے بدل گیا ہو۔ ت)

(۷) **اصلاح** لا بماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء او تغیر بالطبخ معہ وھو مما لا یقصد بہ النظافۃ[6] (اصلاح میں ہے اس پانی سے وضوء جائز نہیں جو اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو دوسرے کے اجزاء کے غلبہ سے یا پکنے کی وجہ سے اور وہ چیز ایسی ہو جس سے نظافت کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو۔ ت)

---

[1] قدوری | کتاب الطہارت | مطبع مجتبائی کان پور | ص ۶

[2] ہدایۃ المبتدی

[3] شرح الوقایۃ | کتاب الطہارت | مطبع رشیدیہ دہلی | ۱/۸۵

[4] جامع الرموز | " | مطبع الاسلامیہ گنبد ایران | ۱/۴۵

[5] کنز الدقائق | میاہ الوضوء | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۱

[6] اصلاح

(۸) **ملتقی** لابماء خرج عن طبعه بکثرة الاوراق او بغلبة غیرہ او بالطبخ کماء الباقلاء والمرق[1] (ملتقی میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو پتّوں کی کثرت یا غیر کے غلبہ یا پکانے کے سبب اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو جیسے باقلاء کا پانی اور شوربہ۔ ت)

(۹) **غرر** لابماء زال طبعہ بالطبخ کالمرق او بغلبة غیرہ علیہ[2] (غرر میں ہے جس پانی کی طبیعت زائل ہو چکی ہو اس سے وضو جائز نہیں خواہ پکنے کی وجہ سے یا غیر کے غلبہ کی وجہ سے۔ ت)

(۱۰) **تنویر** لابماء مغلوب بطاھر ولا بماء زال طبعہ بطبخ کمرق[3] (تنویر میں ہے جو پانی کسی پاک چیز کے ملنے سے مغلوب ہو چکا ہو یا پکنے سے طبیعت کھو چکا ہو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ ت)

(۱۱) **نور الایضاح** لابماء زال طبعہ بالطبخ او بغلبة غیرہ علیہ[4] اھ (نور الایضاح میں ہے جس پانی کی طبیعت پکنے یا غیر کے غلبہ کی بنا پر زائل ہو چکی ہو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ ت)

اقول وترکنا ما ذکر بعدہ من تلخیص الضابطة الزیلعیة فان وضع المتون لنقل المذھب دون الابحاث الحادثة۔

میں کہتا ہُوں اُنھوں نے اس کے بعد جو ضابطہ زیلعیہ کی تلخیص ذکر کی ہے ہم نے اسے ترک کر دیا ہے کیونکہ متون کو مذہب نقل کرنے کے لیے وضع کیا ہے نئی ابحاث کے لیے نہیں۔ (ت)

---

[1] ملتقی الابحر | تجوز الطہارت بالماء المطلق | عامرہ مصر | ۱/۲۸

[2] غرر | فرض الغسل | دار السعادۃ مصر | ۱/۲۳

[3] تنویر الابصار | باب المیاہ | مجتبائی دہلی | ۱/۳۴

[4] نور الایضاح | کتاب الطہارۃ | علمیہ لاہور | ص ۳

ماخذ ومراجع

ا

نام کتاب	مصنفِ کتاب	سنِ وفات ہجری
۱- الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲- الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳- الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴- الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵- ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶- ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷- الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸- الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹- اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰- اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱- الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲- آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳- انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴- امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵- انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶- الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷- امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۸- الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹- القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

٢٠ - بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	٥٨٧
٢١ - البدایة (بدایة المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	٥٩٣
٢٢ - البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	٩٧٠
٢٣ - البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی	٩٢٢
٢٤ - بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	٣٧٢
٢٥ - البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	٥٠٥
٢٦ - البنایة شرح الهدایة	امام بدر الدین ابو محمد العینی	٨٥٥

ت

٢٧ - تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	١٢٠٥
٢٨ - تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی با بن عساکر	٥٧١
٢٩ - تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦
٣٠ - التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	٥٩٣
٣١ - تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الهمام	٨٦١
٣٢ - تحفة الفقهاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	٥٤٠
٣٣ - تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	٧٣٠
٣٤ - الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	٨٧٩
٣٥ - التعریفات لسید شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	٨١٦
٣٦ - تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	٣١٠
٣٧ - تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	٦٩١
٣٨ - تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی ہم	٨٠١ - ٩١١
٣٩ - تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	١٢٠٤
٤٠ - تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	٦٧١
٤١ - التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	٢٦

۴۲ - التفسیر للنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳ - تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النوادی	۹۱۱
۴۴ - التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵ - التیسیر للمناوی	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶ - تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷ - تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸ - تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۴۹ - تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰ - تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱ - تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲ - التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳ - جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴ - جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵ - الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶ - الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷ - الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۵۸ - جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹ - جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰ - الجامع الکبیر	ابی الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱ - جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲ - الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳ - جواہر الفتاوی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴ - الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۶۵ - الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶ - الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۶۷ ۔ حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفےٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸ ۔ حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹ ۔ حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰ ۔ حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملاّ خسرو	۸۸۵
۷۱ ۔ حاشیۃ علی المقدمۃ العثمانیۃ	علامہ سقطی	۰
۷۲ ۔ الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳ ۔ الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴ ۔ الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵ ۔ حصر المسائل فی الفروع	امام ابوالليث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶ ۔ حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۷۷ ۔ حلیۃ المحلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸ ۔ خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹ ۔ خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰ ۔ خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱ ۔ خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲ ۔ خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳ ۔ خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴ ۔ الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵ ۔ الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملاّ خسرو	۸۸۵
۸۶ ۔ الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷ ۔ الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸ - ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹ - ذخیرۃ الفتاوی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰ - ذم الغیبۃ	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱ - الرحمانیۃ		
۹۲ - رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳ - رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴ - رغائب القرآن	ابو مروان عبد الملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵ - رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶ - رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷ - زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی	المتوفی اواخر القرن السادس
۹۸ - زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹ - زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	۱۰۱۶ تقریباً
۱۰۰ - زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱ - السراج الوہاج	ابو بکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۱۰۲ - السنن لابن ماجۃ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳ السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴ - السنن لابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵ - السنن للنسائی	ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۲
۱۰۶ - السنن للبیہقی	ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔ السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸۔ السنن للدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔ الشافی	شمس الائمۃ عبد اللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔ شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔ شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیۃ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔ شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔ شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔ شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔ شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبد الغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔ شرح سفر السعادۃ	شیخ عبد الحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔ شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔ شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۲۱
۱۱۹۔ شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابو نصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔ شرح الغریبین		
۱۲۱۔ شرح المسلم للنووی	شیخ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔ شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔ شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبد البر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔ شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔ شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔ شرح موطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔ شرح المہذب للنووی	شیخ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔ شرح النقایۃ	مولانا عبد العلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔ شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱ - شرح الهدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰
۱۳۲ - شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳ - شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴ - شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵ - شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶ - صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷ - صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸ - صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۱۳۹ - الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰ - الطحطاوی علی الدر	سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱ - الطحطاوی علی المراقی	سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲ - الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن پیر علی المعروف برکلی	۹۸۱
۱۴۳ - طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴ - عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵ - العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶ - عنایۃ القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷ - عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸ - عقود الدریۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۴۹ - عدۃ	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰ -		

غ

۱۵۱ - غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲ - غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۵۳ - غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴ - غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
۱۵۵ - غنیۃ ذو الاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶ - غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷ - فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸ - فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹ - فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰ - فتاوی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱ - فتاوی حجۃ		
۱۶۲ - فتاوی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳ - فتاوی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴ - فتاوی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵ - فتاوی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶ - فتاوی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷ - فتاوی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸ - فتاوی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹ - فتاوی ولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰ - فتاوی الکبریٰ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۱۷۱ - فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲ - فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۱۷۳ - فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴ - الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵ - فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶ - الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷ - فوائد المخصصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹ - فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰ - القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱ - قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳ - القرآن		

ک

۱۸۴ - الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵ - الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶ - الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷ - کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸ - کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹ - کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰ - کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱ - کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲ - کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳ - کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴ - کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵ - کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

١٩٦ - کشف الاسرار	علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری		٧٣٠
١٩٧ - کشف الرمز	علامہ المقدسی		
١٩٨ - کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبد الوہاب بن وہبان الدمشقی		٧٦٨
١٩٩ - کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین		٩٧٥
٢٠٠ - الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً	٨٠٠
٢٠١ - کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی		٩٧٣
٢٠٢ - کنز الدقائق	عبد اللہ بن احمد بن محمود		٧١٠
٢٠٣ - الکنی للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم		٤٠٥
٢٠٤ - الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی		٧٨٦
٢٠٥ - کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی		٣٥٤
٢٠٦ - کتاب المغازی	یحیی بن سعید القطان		١٩٨
٢٠٧ - کتاب الصمت	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی		٢٨١
٢٠٨ - کتاب الزہد	عبد اللہ بن مبارک		١٨٠
٢٠٩ - الکشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری		٥٣٨

ل

٢١٠ - لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی		١٠٥٢
٢١١ - لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن محمد السیوطی		٩١١

م

٢١٢ - مبارق الازہار	الشیخ عبد اللطیف بن عبد العزیز ابن الملک		٨٠١
٢١٣ - مبسوط خواہر زادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی		٤٨٣
٢١٤ - مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی		٤٨٣
٢١٥ - مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	تقریباً	٩٩٥
٢١٦ - مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی		٩٨١
٢١٧ - مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسی		٥٥٠
٢١٨ - مجمع الانہر	الشیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی		١٠٧٨

۲۱۹ - المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰ - المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱ - مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲ - مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبد القادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳ - المختارة فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد	۶۴۳
۲۲۴ - المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵ - مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبد اللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶ - مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷ - مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸ - مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹ - مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰ - المستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱ - المستصفی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲ - مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳ - مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴ - مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵ - مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۲۳۶ - مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷ - مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸ - مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹ - مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰ - مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱ - المصفٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲ - مصنف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳ - مصنف عبد الرزاق	ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴ - مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵ - معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶ - المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷ - المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸ - المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹ - معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰ - مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱ - المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲ - المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳ - مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴ - مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵ - المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶ - المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷ - الملتقط (فی فتاوی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸ - مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۵۹ - مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰ - المنتقیٰ (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱ - المنتقیٰ فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہید محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲ - منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳ - منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴ - ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵ - منہاج	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی	۶۷۶
۲۶۶ - مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷ - المبتغیٰ	شیخ عیسیٰ بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸ - المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹ - مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰ - المسند الکبیر	یعقوب بن شیبة السدوسی	۲۶۲
۲۷۱ - منیة المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲ - موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳ - موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴ - مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵ - مہذب	ابی اسحق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶ - میزان الشریعة الکبریٰ	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷ - میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸ - المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویة	۴۱۰
۲۷۹ - مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰ - النقایة مختصر الوقایة	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱ - نصب الرایة	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲ - نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳ - النہایة	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴ - النہایة لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵ - النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶ - نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷ - نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸ - النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹ - نوادر الاصول فی معرفة اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۲۹۰- الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱- الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲- الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	٦٧٣
۲۹۳- الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴- الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵- الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹٦- ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷٦۹
